

اردو شرح

انوار الالباب

صحیح البخاری

مجموعہ افادات

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

و دیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفہ تلمیذ علامہ کشمیری

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240)

مُقَدِّمَةٌ

انوار الباری اُردو شرح

صحیح البخاری

مقدمہ جلد اول - مقدمہ جلد ثانی

مجموعۃ افادات

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

و دیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفہ تلمیذ علامہ کشمیری

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بجنوری



ادارۃ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

☎ 061-540513-519240

ضروری وضاحت:

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل علماء پر مشتمل شعبہ تصحیح قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔

لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔

(ادارہ)



جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب... انوار الباری مقدمہ جلد اول - دوم (کمپیوٹرائڈیشن)
تاریخ اشاعت..... شعبان ۱۴۲۵ھ
ناشر..... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت..... سلامت اقبال پریس ملتان

منے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان..... ادارہ اسلامیات اتارکلی، لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار، لاہور..... مکتبہ قاسمیہ اردو بازار، لاہور
مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ، کونٹہ..... کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور..... دارالاشاعت اردو بازار کراچی

بک لینڈ اردو بازار لاہور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K. (ISLAMIC BOOKS CENTRE)
119-121-HALLIWELL ROAD BOLTON BL3NE. (U.K.)

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری دامت برکاتہم
صاحبزادہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی طرف سے
انوار الباری کی خصوصی تحریری اجازت نامہ
وجملہ حقوق بحق ادارہ "تالیفات اشرفیہ ملتان" محفوظ ہیں

انظر شاہ مسعودی کشمیری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب مولانا اسحاق صاحب مدیر ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
کے علمی ذوق، اپنے دور پر علموں نوادرات کی اشاعت کیلئے
مخلصانہ جذبہ شائستگی، پیش قدمی "انوار الباری" کی پاکستان میں طباعت
کے جملہ حقوق بسمرت تمام موصوف کیلئے مختص کر کے ۵۔۰۔۰۰
پاکستان میں "انوار الباری" کی طباعت و اشاعت کے لئے
ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے اجازت نامہ

۲۱/۸/۹۷

جناب مولانا اسحاق صاحب مدیر "ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان" کے علمی ذوق اپنے
اکابر سے متعلق نوادرات کی اشاعت کیلئے مخلصانہ جذبات کے پیش نظر "انوار الباری" کی
پاکستان میں طباعت کے جملہ حقوق بسمرت تمام موصوف کیلئے مختص کرتا ہوں اب پاکستان
میں انوار الباری کی طباعت کا کوئی دوسرا ناشر یا ادارہ قانوناً و اخلاقاً مجاز نہ ہوگا۔

جز منقسم ہندوستان میں زمین دانسور ایچے پیدا ہونے جنہوں نے اپنی عبقریت اور علمی روزانہ کے لانا فی نقوش نامی عالم پر حجت کے اولاد خانوادہ علی التہا کے گھر سب پرانی حضرت سید العزیز دہلوی مدد سے حضرت مولانا محمد بیگم نامی نونو توئی اولین صدر المدینہ دارالعلوم دیوبند تیسرے حضرت امام العصر صمدانہ نور سہاہ الکتیری مدرس مسرہ، اور خاندان کے بھرتیوں، وسعت علم، تحقیقات علمیہ میں وہ منفرد مقام حاصل کیا کہ صدیوں کی علمی تحقیقات انکی علمی کا دوروں کے متبادر میں بد میں نظر آتی ہیں، اسی لئے اہل نظر کا بیان عید اسہ کی آخری پانچ صدیاں اس بے مثال شخصیت کی تفسیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

یوں تو خدا تعالیٰ نے آپکو جملہ علوم و فنون میں دسترس ملا فرمائی تھی لیکن حدیث اور تفسیر حدیث میں آپکی شان ایسی ارفع و اعلیٰ ہے جسکی مثال نایاب ہے، بے نظیر فہم حدیث متعارض احادیث میں دیکھ کر تلبیق حدیث قرآن کی مطابقت احادیث کا صحیح مصل حدیث سے ان فتوں کا سبب جو اسکی تعلیمات پر حملہ آور ہیں فقہ حنفی کے ترمیمی دلائل، حدیث کے فصاحت و جہان گوئیوں کا اعجاز، عقولوں کے بے نیاد دلائل کی حدیث کی روشنی میں پانچ، دو ہزار، رجال اصناف کا شہرت، جا بجا نمود عرف کے روز و نکات، لغت میں دستاویز، لب نبوی مسلم کا سترامی و بزمی، دو بمل سیناں فقہ حدیثوں پر تفوق، اصول حدیث و اصول فقہ کے جانت، حدیث کے احسانی پہلوں کی اجاگری، اور علمی فتوں خصوصاً تردید تادیب کیلئے ذخیرہ حدیث سے مستفید ہونے حضرت محدث کے وہ جلیل کارنامے ہیں، جسکے بعد انکا علم و فن انکی غزوات علمیہ، نئی جاسیت، ایک ذاتی تفسیر حدیث ہے، پھر یہ میں واقف ہے کہ جناب مولانا سید احمد رام بنوری زیر کردہ، نے حضرت محدث کے انادات کا اس سلسلہ و قرینہ سے جسے کیا کہ "انوار الدیاری" نام شروحات حدیث میں اپنا منفرد مقام رکھتی ہے۔

سید کا فقہی اثر ہے کہ دوسرے رجال علم و ہر وقت کی تفسیر و تحقیقات، اصناف پر مشتمل حلقہ کا دلچسپ اور علمی و جہد ہے کہ تفسیر حضرت کو مولانا بنوری سے بے ریبہ و شہد ہے، اور یہ تو قلعہ قلعہ ہے کہ مولانا، اردوی جہا، کا نام ہے جس کا آنگہ حضور رحمان کے کواثر ہے۔ بنوری جہا، نے ترجیح سے دینی تردید کا ہے اور انکے علمی اہم اور دروغ تفسیر ہے، کہ مولانا ددی صاحب کتبہ تفسیر فقہ اور دینہ کی ترس آجید مستند اور مستحکم تفسیر ہے، خاص ہے کہ تفسیر و تفسیر ہے، دینا جس سے راجح اور باور دین ہے نہ

بھی سرت عید سلطان میں ادارہ تالیفات اشرفیہ، اس ضخیم و قیمتی شریح کی طباعت کا انتظام کر رہے ہیں، جگہ پاکستان کے اہل بیار کتابت و طباعت کا امیہ دار ہوں، اور علمی حلقوں کی اس تشنگی کو مدد کرنے کا وہ ہم نوا شریح ہے، جگہ جگہ، چکیدہ، آجیات جگہ توجہ، برہنہ کی دیکھ دیکھ سے دینا اور



فہرست عنوانات

| | | | | | |
|----|------------------------------------|----|---|----|-------------------------------------|
| ۱۷ | تین بڑے فقہاء | ۸ | تذکرہ محدثین کا مقصد | ۱ | پیش لفظ |
| // | امام مسعر کی مدح امام اعظم | | جو کتابیں شرح بخاری شریف کے وقت | ۱ | مقصد تالیف انوار الباری |
| // | امام اعظم شاہان شاہ حدیث | ۹ | پیش نظر ہیں انہیں میں سے چند اہم یہ ہیں | ۱ | اکا بردار العلوم کی درسی خصوصیت |
| // | امام سحی بن سعید القطان کی رائے | ۹ | آخری گزارش اور شکریہ | ۱ | حضرت شاہ صاحب کا درس حدیث |
| ۱۸ | امام اعظم اور تدوین حدیث | | احادیث رسول ﷺ کی حجیت اور | ۲ | راقم الحروف کے استفادات |
| // | امام سفیان ثوری کی شہادت | ۱۰ | دوسرے تمہیدی مباحث | ۲ | مقدمہ کی ضرورت |
| // | امام کعب کی شہادت | // | کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ | ۲ | ائمہ احناف سے تعصب |
| // | امام علی بن الجعد | // | تدوین حدیث قرن اول میں؟ | ۳ | معتدل شاہراہ |
| ۱۹ | امام علی بن مسہر | // | قرون ثلاثہ | // | صحیح تنقید اور حافظ ابن ابی شیبہ |
| // | امام اعظم کی کتاب الآثار | // | اجازت کتابت حدیث | // | امام بخاری |
| // | قرن ثانی میں اسلامی دنیا | ۱۲ | نشر و اشاعت حدیث | // | علامہ ابن تیمیہ |
| ۲۰ | تدوین حدیث کے تین دور | // | صحابہ میں مکثرین و مقلین | // | امام ترمذی و ابوداؤد |
| // | حدیث مرسل و حسن کا انکار | // | قلت روایت | // | حافظ ابن حجر |
| // | قرن ثالث میں حدیث شاذ پر عمل | // | حضرت زبیر بن العوام | // | محدثین احناف |
| ۲۱ | عمل متواتر کی حجیت | // | حضرت عمر | ۴ | حضرت شاہ صاحب |
| // | سلف میں باہمی اختلاف رحمت تھا | // | حضرت ابن مسعود | // | حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ |
| // | امام اعظم اور فرقہ مرجہ | ۱۳ | حضرت امام اعظم | // | حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری دام ظلہم |
| ۲۲ | فرقہ مرجہ کا مذہب | // | صحابہ میں کثرت روایت | // | امام اعظم |
| // | امام صاحب اور امام بخاری | // | صحابہ میں فقہاء و محدثین | ۵ | ائمہ احناف اور مخالفین |
| ۲۵ | علم اور علماء کی فضیلت | // | فقہاء کی افضلیت | // | حضرت شاہ صاحب اور دفاع عن الحنفیہ |
| ۲۵ | عہد نبوی میں تعلیمی انتظامات | ۱۴ | فقہاء علامہ ابن قیم کی نظر میں | // | امام صاحب کی کتاب الآثار اور مسانید |
| | مرکز علم کوفہ کے دارالعلوم سے فارغ | // | مکثرین صحابہ پر فقہاء صحابہ کی تنقید | ۶ | مسانید امام کی عظمت |
| ۲۶ | شدہ علماء | ۱۵ | عہد رسالت میں کتابت حدیث | // | امام صاحب سے وجہ حسد |
| ۲۷ | شیوخ امام اعظم | // | ضرورت تدوین حدیث | // | ”اہل الرائے“ کا پروپیگنڈا |
| ۲۷ | ۱- حضرت عبداللہ بن مسعود | // | تدوین حدیث کیلئے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی سعی | // | محدث خوارزمی کا جواب |
| ۲۹ | ۲- حضرت علقمہ بن قیس (فقیہ عراق) | ۱۶ | ایک اہم مغالطہ | // | امام اعظم اور تدوین قانون اسلامی کا |
| // | ۳- حضرت ابراہیم نخعی (فقیہ عراق) | // | آثار صحابہ قرن ثانی میں | // | بے نظیر کارنامہ |
| // | ۴- حماد بن ابی سلیمان (فقیہ عراق) | ۱۷ | قرون مشہود لہا بالخیر سے جدا طریقہ | // | امام بخاری کا شکوہ اور جواب شکوہ |

| | | | | | |
|----|--|----|---------------------------------|----|--|
| ۳۸ | اسرائیل بن یونس | ۳۱ | تاریخ ولادت وغیرہ | ۳۰ | ۵- عامر بن شراحیل الشعبی (علامہ ابن عیینہ) |
| ۳۹ | حفص بن غیاث | // | سکونت | // | ۶- سلمہ بن کہیل |
| // | ابو علقمہ | ۳۲ | امام صاحب تابعی تھے | ۳۰ | ۷- سلیمان بن مہران ابو محمد العمش الکوفی |
| // | ابراہیم بن طہمان | ۳۶ | عبادت و ورع | ۳۱ | روایت و درایت |
| // | ابو امیہ | // | شب بیداری و قرآن خوانی | ۳۲ | شیخ حماد |
| // | ابن مبارک | // | جو دو سخاوت اور امداد مستحقین | // | امام اعظمؒ |
| // | امام ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ نیشاپوری | ۳۷ | وفور عقل و زیرکی اور باریک نظری | // | تفقہ و تخریث |
| // | حافظ محمد بن میمون | // | امام صاحب کے اساتذہ محدثین | // | شیخ حماد کی جانشینی |
| // | معروف بن عبداللہ | // | امام صاحب کا تفوق حدیث دوسرے | // | کوفہ کے محدثین و فقہاء |
| // | ابوسفیان حمیری | // | اکابر علماء کی نظر میں | ۳۳ | امام بخاری اور کوفہ |
| ۵۰ | مقاتل بن سلیمان | // | یزید بن ہارون | ۳۳ | امام صاحب اور محدثین کی مالی سرپرستی |
| // | فضل بن موسیٰ سینانی | // | ابوبکر بن عیاش | // | کثرت محدثین و قلت فقہاء |
| // | وکیع | // | ابویحییٰ حماتی | // | واقعہ امام احمدؒ |
| // | ابن مبارکؒ | // | خارجہ بن مصعب | ۳۴ | واقعہ والد شیخ قابوس |
| ۵۱ | امام ابو یوسف | // | عبداللہ بن مبارک | // | دین و رائے |
| // | زہیر بن معاویہؒ | // | سفیان ثوری | // | واقعہ سفر شام حضرت عمرؓ |
| // | وکیع | // | سفیان بن عیینہ | // | فقیہ کا منصب |
| ۵۲ | یوسف بن خالد سمی | ۳۸ | میتب بن شریک | ۳۵ | ۸- ابواسحاق سمعی |
| // | شداد بن حکیم | // | خلف بن ایوب | // | ۹- سماک بن حرب |
| // | علی بن ہاشم | // | ابومعاذ خالد بن سلیمان بلخی | ۳۵ | ۱۰- ہشام بن عروہ |
| // | وقبہ بن مسقلہ | // | عبدالرحمن بن مہدی | // | ۱۱- قتادہ |
| // | یحییٰ بن آدم | // | کلی بن ابراہیم | // | ۱۲- شعبہ |
| // | نضر بن محمد | // | شداد بن حکیم | // | مکہ معظمہ |
| // | ابوعمر و بن علا | // | امام مالک | ۳۶ | ۱۳- عطاء بن ابی رباح |
| ۵۲ | امام صاحب کیلئے ائمہ حدیث کی توثیق | // | معروف بن حسان | // | ۱۴- عکرمہ |
| | امام صاحب تمام اصحاب کتب حدیث | // | یوسف بن خالد سمی | // | مدینۃ الرسول ﷺ |
| ۵۴ | کے استاد ہیں | // | قاضی ابن ابی لیلیٰ | // | ۱۵- سلیمان |
| ۵۴ | امام صاحب اور قلت روایت | // | سعید بن ابی عروبہ | // | ۱۶- سالم |
| ۵۷ | کبراء محدثین کا امام صاحب سے استفادہ | // | خلف بن ایوب | // | شام |
| ۵۸ | امام صاحب محدثین و فقہاء کے ماویٰ و ملجا تھے | // | بحر سقا | ۳۷ | امام اعظمؒ کے پاس ذخیرہ حدیث |
| // | ابن سماک | // | حسن بن زیاد لولوی | ۴۱ | حالات |

| | | | | | |
|----|--|----|------------------------------------|----|---|
| ۶۳ | قیس بن ربیع | ۶۱ | امام صاحب درع و تقویٰ میں یکتا تھے | ۵۸ | حارث بن عمر |
| // | حسن بن عمارہ | // | یحییٰ بن معین | // | توبہ ابن سعد |
| // | امام صاحب مؤید من اللہ تھے | // | عبداللہ بن مبارک | // | نوح بن مریم |
| // | عبدالرحمن بن عبداللہ مسعودی | // | مکی بن ابراہیم | // | ابن مبارک |
| // | سوید بن سعید | // | ابوشیح | // | یسین بن معاذ زیات |
| // | امام مالک | // | بحیر بن معروف | // | ابراہیم بن فیروز |
| ۶۴ | اعمش | // | ابن جریج | // | ابونعیم |
| // | امام صاحب خدا تعالیٰ کی رحمت تھے | // | عبدالوہاب بن ہمام | // | خالد بن صبیح |
| // | ابوبکر بن عیاش | // | وکیع | ۵۹ | امام صاحب کی امامت فقہاء کا بر علم کی نظر میں |
| // | امام صاحب کی مدح افضل الاعمال ہے | // | یزید بن ہارون | ۵۹ | (۳) امام شافعیؒ |
| // | محدث شفیق بلخی | // | امام صاحب کی تقریر اور قوت استدلال | // | (۴) اعمش |
| // | حضرت شعبہ | ۶۲ | یزید بن ہارون | // | (۵) امام احمد |
| // | شیخ یسین زیات | // | شیخ کنانہ | // | (۶) علی بن المدینی |
| // | تلامذہ امام اعظمؒ | // | ابومعاویہ ضریر | // | (۷) امام ترمذی |
| ۶۸ | تلامذہ محدثین امام اعظمؒ | // | یحییٰ بن آدم | // | عبداللہ بن مبارک |
| ۷۵ | حضرت امام الامام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی | // | مسعر بن کدام | // | اعمش |
| ۷۶ | حنفی چیف جسٹسوں کے بے لاگ فیصلے | // | مطلب بن زیاد | // | سعید بن ابی عروبہ |
| ۸۰ | مادحین امام الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ | // | امام مالکؒ | ۶۰ | یحییٰ بن سعید القطان |
| ۸۹ | محدث یحییٰ بن آدم | // | حافظ ابوحنزہ محمد بن میمون | // | عثمان المدینی |
| // | امام زقرؒ | // | یوسف بن خالد سمی | // | جریر بن عبداللہ |
| // | وکیع بن الجراح | // | عبداللہ بن یزید مقرئ | // | مسعر |
| ۸۹ | سلیمان بن مہران ابو محمد اعمش الکوفی | // | ابوسفیان جمیری | // | مقاتل |
| ۹۰ | امام اسحاق بن راہویہ | // | مسعر | // | یحییٰ بن آدم |
| // | یزید بن ہارون | ۶۳ | امام ابوحنیفہؒ طبیب امت تھے | // | امام شافعیؒ |
| // | محدث ابو عاصم النبیل | // | سعدان بن سعید حلیمی | // | وکیع |
| // | ابونعیم فضل بن وکیع | // | امام اوزاعی | // | سفیان ثوری |
| // | بحر السقاء | // | عفان بن سیار | // | امام جعفر صادق |
| ۹۱ | محدث عبدالرحمن بن مہدی | // | امام صاحبؒ محسود تھے | // | حسن بن عمارہ |
| // | حافظ ابن حجر عسقلانی | // | سفیان ثوری | // | اسحاق بن راہویہ |
| // | علامہ صعی الدین | // | عبید بن اسحاق | // | عیسیٰ بن یونس |
| // | محدث یسین الزیات | // | ابن مبارک | ۶۱ | امام شعبہ |

| | | | | | |
|-----|--|-----|---|-----|------------------------------------|
| ۱۲۴ | خطیب و حافظ کا ذکر خیر | ۱۰۳ | ۲- ارجاء | ۹۱ | محدث عثمان المدنی |
| // | امام شافعی اور اصول فقہ | // | ۳- قلت حفظ | ۹۲ | محدث محمد انصاری |
| // | فقہ شافعی | // | ۴- استحسان | // | محدث علی بن عاصم |
| // | دوسرا سفر بغداد | ۱۰۴ | ۵- حیلہ | // | محدث خارجہ بن مصعب |
| ۱۲۵ | صاحب مشکوٰۃ کا تعصب | // | ۶- قلت عربیت | // | عمر و بن دینار المکی |
| // | امام شافعی کا امام محمد سے خصوصی استفادہ | ۱۰۸ | امام صاحب کے مخالفوں کے کارنامے | // | مسعر بن کدام |
| ۱۳۷ | امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ | ۱۱۰ | تالیفات امام اعظمؒ | ۹۳ | معمر بن راشد |
| // | امام ابو یوسف سے تلمذ | // | کتب مناقب الامام اعظمؒ | // | سہیل بن عبد اللہ تستری |
| ۱۳۹ | فقہ حنبلی کے پانچ اصول | ۱۱۱ | امام اعظمؒ اور فن جرح و تعدیل | // | محدث ابن السماک |
| // | امام احمد اور ائمہ احناف | ۱۱۲ | جامع المسانید للامام الاعظمؒ | // | علامہ ابن سیرین |
| // | فقہ حنبلی کے تفردات | ۱۱۳ | امام مالک رحمۃ اللہ علیہ | ۹۴ | محدث شہیر شفیق بلخی |
| ۱۳۱ | ائمہ اربعہ کے ابتلاؤں پر ایک نظر | ۱۱۳ | مشائخ و اساتذہ | // | سفیان ثوری |
| ۱۳۳ | تدوین فقہ حنفی | ۱۱۴ | امام اعظم شیوخ امام مالک ہیں | ۹۵ | محدث ابو ضمیرہ |
| // | حضرت شاہ صاحب کی رائے گرامی | ۱۱۵ | امام مالک کے تلامذہ و اصحاب | // | محدث عبدالعزیز بن ابی سلمۃ الماشون |
| // | امام صاحب کے شیوخ | // | فضل و شرف، عادات و معمولات | // | محدث کبیر و شہیر حضرت مغیرہؒ |
| // | امام صاحب کے دور میں حدیث | ۱۱۶ | مادعین امام مالک | // | محمد بن سعدان |
| ۱۳۳ | امام صاحب کے زمانہ کا علم | ۱۱۸ | امام مالک کا ابتلاء ۱۴۶ھ | ۹۶ | علامہ ابن حجر کی شافعی |
| // | تعصب سے قطع نظر | // | امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ | // | علامہ ابن عبدالبر مالکی |
| // | حضرت ابن مبارک | ۱۱۹ | امام محمد و امام شافعی کا تلمذ امام مالک سے | // | امام یحییٰ بن معین |
| // | امام صاحب کے مناظرے | // | امام شافعی کا پہلا سفر عراق | ۹۷ | محدث حسن بن عمارہ |
| // | مجلس تدوین فقہ کا طریقہ کار | ۱۲۰ | رحلت مکذوبہ امام شافعی | // | علی بن المدینی |
| ۱۳۵ | افتاء کا حق | // | تحقیق حافظ ابن حجر | // | عبید بن اسباط ۲۵۰ھ |
| // | اہم نقطہ فکر | // | امام شافعی کا امام محمد سے تعلق و تلمذ | // | عبدالعزیز بن ابی رواد ۱۵۹ھ |
| // | اصح ترین متون حدیث | // | معذرت | ۹۸ | محدث عمرو بن حماد بن طلحہ |
| ۱۳۶ | تدوین فقہ کے شرکاء کی تعداد | ۱۲۱ | حاسدین و معاندین کے کارنامے | // | محدث عبید بن اسحاق |
| // | امام اعظم اور رجال حدیث | ۱۲۲ | دوسری رحلت مکذوبہ | // | محدث یوسف بن خالد سستی |
| ۱۳۷ | اجتہاد کی اجازت شارع علیہ السلام سے | // | امام شافعی امام محمد کی خدمت میں | // | ہیان بن بظام |
| // | نقشہ تدوین فقہ | // | امام محمد کی خصوصی توجہات | ۱۰۱ | حضرت شاہ ولی اللہ صاحب |
| // | بانی علم اصول فقہ | ۱۲۳ | مالی امداد | // | محمد والدین فیروز آبادی |
| // | سب سے پہلے تدوین شریعت | // | امام شافعی کا حسن اعتراف | // | نقد و جرح |
| // | فقہ حنفی کی تاریخی حیثیت | // | امام محمد کی مزید توجہات | ۱۰۲ | ۱- قلت حدیث |

| | | | | | |
|-----|--|-----|--|-----|---|
| ۱۹۴ | ۶۷- امام جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ | ۱۵۵ | ۳۶- الامام الحج حافظ الحدیث ابو یوسف | ۱۳۸ | امام اعظم اور آپ کے ۴۰ شرکاء تدوین فقہ |
| // | ۶۸- امام زکریا بن ابی زائدہ | ۱۷۲ | ۳۷- امام ابو محمد نوح بن دراج بن خنی کوفی | // | امام صاحب کا مقام مجلس تدوین میں |
| // | ۶۹- عبد الملک بن عبد العزیز | ۱۷۲ | ۳۸- امام ہشیم بن بشیر السلسی الواسطی | ۱۳۹ | مجلس وضع قوانین کی تاسیس |
| ۱۹۵ | ۷۰- محمد بن اسحاق بن یسار | ۱۷۲ | ۳۹- امام ابو سعید یحییٰ بن زکریا | // | تدوین فقہ کا طرز خاص |
| // | ۷۱- شیخ ابو النصر سعید بن ابی عروبہ | // | ۴۰- فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ | // | فقہ حنفی اور امام شافعی |
| // | ۷۲- عبد الرحمن بن عمرو بن محمد اوزاعی | // | ۴۱- امام اسد بن عمرو بن عامر الجلی الکوفی | ۱۴۰ | خصوصیات فقہ حنفی |
| // | ۷۳- محمد بن عبد الرحمن بن ابی الذئب | // | ۴۲- الامام الجہد الجلیل محمد بن الحسن الشیبانی | | خیر القرون میں اسلام اور حنفی مذہب کا |
| ۱۹۶ | ۷۴- شعبۃ بن الحجاج | ۱۸۵ | ۴۳- امام علی بن مسہر قریشی کوفی | ۱۴۱ | چلین تک پہنچنا |
| // | ۷۵- اسرائیل بن یونس | // | ۴۴- امام یوسف بن خالد سمی | ۱۴۱ | وجہ اختلاف |
| // | ۷۶- شیخ ابراہیم بن ادہم بن منصور | ۱۸۶ | ۴۵- امام عبد اللہ بن ادیس | ۱۴۲ | امام صاحب اور سفیان ثوری |
| ۱۹۷ | ۷۷- سفیان بن سعید بن مسروق ثوری | ۱۸۶ | ۴۶- امام فضل بن موسیٰ السینیائی | ۱۴۳ | ضروری واہم گذارش |
| // | ۷۸- امام ابراہیم بن طہمان | ۱۸۷ | ۴۷- امام علی بن ظہیان | ۱۴۵ | ۲۱- امام زفر رضی اللہ عنہ |
| // | ۷۹- امام حماد بن سلمہ | // | ۴۸- امام حفص بن غیاث | ۱۴۷ | موازتہ امام ابو یوسف و زفر |
| ۱۹۸ | ۸۰- جریر بن حازم الازدی البصری | // | ۴۹- امام وکیع بن الجراح | // | امام زفر کے اساتذہ |
| // | ۸۱- لیث بن سعد بن عبد الرحمن مصری | ۱۸۸ | ۵۰- امام ہشام بن یوسف | ۱۴۸ | امام زفر کے تلامذہ |
| ۱۹۹ | ۸۲- امام حماد بن زید | // | ۵۱- امام نقد رجاہ یحییٰ بن سعید القطان | // | امام زفر اور نشر مذہب حنفی |
| // | ۸۳- شیخ جریر بن عبد الحمید الرازی | ۱۸۹ | ۵۲- امام شعیب بن اسحاق دمشقی | ۱۴۹ | امام زفر کا زہد و ورع |
| // | ۸۴- ہشیم بن بشیر ابو معاویہ السلسی الواسطی | // | ۵۳- امام ابو عمرو و حفظ بن عبد الرحمن بلخی | ۱۵۰ | ۲۲- امام مالک بن مغول |
| // | ۸۵- موسیٰ کاظم بن الامام جعفر صادق | // | ۵۴- امام ابو مطیع حکیم بن عبد اللہ بن سلمہ | // | ۲۳- امام داؤد طائی حنفی |
| // | ۸۶- شیخ عباد بن العوام | ۱۹۰ | ۵۵- امام خالد بن سلیمان بلخی | ۱۵۱ | ۲۴- امام مندل بن علی عزیزی کوفی حنفی |
| ۲۰۰ | ۸۷- امام مغیرہ بن مقسم الصنسی ابو ہاشم | // | ۵۶- امام عبد الجبید بن عبد الرحمن الکوفی | // | ۲۵- امام نصر بن عبد الکریم |
| // | ۸۸- امام ابراہیم بن محمد ابو اسحاق | // | ۵۷- امام حسن بن زیاد لولوی | ۱۵۲ | ۲۶- امام عمرو بن میمون بلخی حنفی |
| // | ۸۹- حافظ ابو بکر عبد السلام بن حرب | ۱۹۱ | ۵۸- امام ابو عاصم انبیل صحاک بن خالد بصری | // | ۲۷- امام حبان بن علی |
| // | ۹۰- شیخ عیسیٰ بن یونس سمعی کوفی | // | ۵۹- امام مکی بن ابراہیم بلخی | // | ۲۸- امام ابو عاصم نوح بن ابی مریم "جامع" حنفی |
| // | ۹۱- امام یوسف بن الامام ابی یوسف | // | ۶۰- امام حماد بن دلیل قاضی المدائن | ۱۵۳ | ۲۹- امام زہیر بن معاویہ |
| ۲۰۱ | ۹۲- شیخ ابو علی شفیق بن ابراہیم | ۱۹۲ | ۶۱- امام سعد بن ابراہیم زہری | // | ۳۰- امام قاسم بن معن |
| // | ۹۳- شیخ ولید بن مسلم دمشقی | ۱۹۲ | ۶۳/۱- امام ابراہیم بن میمون | // | ۳۱- امام حماد بن الامام الاعظم |
| // | ۹۴- اسحاق بن یوسف الازرق التتوخی | ۱۹۳ | ۶۳/۲- شیخ ابو بکر بن ابی تیمیہ السختیانی | ۱۵۴ | ۳۲- امام ہیاج بن بسطام |
| // | ۹۵- امام ابو محمد سفیان بن عیینہ کوفی | // | ۶۴- امام ربیعۃ المعروف ربیعۃ الرازی | // | ۳۳- امام شریک بن عبد اللہ الکوفی |
| ۲۰۲ | ۹۶- شیخ یونس بن بکیر ابو بکر الشیبانی | // | ۶۵- امام عبد اللہ بن شبرمۃ ابو شبرمۃ الکوفی | // | ۳۴- امام عافیہ بن یزید القاضی |
| // | ۹۷- امام عبد اللہ بن عمر العمری | ۱۹۴ | ۶۶- ہشام بن عروہ بن الزہیر العوام رضی اللہ عنہ | // | ۳۵- حضرت عبد اللہ بن مبارک |

| | | | | | |
|-----|---|-----|---|-----|--|
| ۲۱۹ | امام احمد سے تعلق | ۲۱۰ | ۱۲۹- شیخ قرخ مولیٰ امام ابو یوسفؒ | ۲۰۲ | ۹۸- حافظ عبداللہ بن نمیر |
| // | قیام بصرہ اور تصنیف | // | ۱۳۰- امام یحییٰ بن معین ابو زکریا بغدادی | // | ۹۹- شیخ عمرو بن محمد الغفیری قرشی |
| // | علم حدیث و فقہ کے لئے اسفار | ۲۱۱ | ۱۳۱- حافظ علی بن محمد ابوالحسن طنافسی | // | ۱۰۰- امام عمرو بن یثیم بن قطن |
| ۲۲۰ | ثلاثیات بخاری | // | ۱۳۲- امام محمد بن سمانہ تمیمی | // | ۱۰۱- شیخ معروف کرخی |
| // | متاخرین کی تصنیف حدیث | // | ۱۳۳- حافظ محمد بن عبداللہ نمیر کوفی | ۲۰۳ | ۱۰۲- حافظ ابوسلیمان موسیٰ بن سلیمان |
| // | آئمہ متبوعین اور اصحاب صحاح ستہ | ۲۱۲ | ۱۳۴- حافظ ابو شیمہ زہیر بن حرب النسائی | // | ۱۰۳- محدث عباد بن صہیب بصری |
| ۲۲۱ | امام بخاری کے اساتذہ | // | ۱۳۵/۱- حافظ سلیمان بن داؤد بن بشر | // | ۱۰۴- امام زید بن حباب عکلی کوفی |
| // | علم حدیث و فقہ امام بخاری کی نظر میں | // | ۱۳۶- حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ | // | ۱۰۵- محدث مصعب بن مقدم الحشعی |
| // | رجال حنفیہ اور حافظ ابن حجر | ۲۱۳ | ۱۳۷- حافظ بشر بن الولید بن خالد کندی | // | ۱۰۶- امام ابوداؤد سلیمان بن داؤد |
| // | سبب تالیف جامع صحیح | // | ۱۳۸- حافظ اسحاق بن راہویہ حنظلی | ۲۰۴ | ۱۰۷- محدث کبیر خلف بن ایوب |
| ۲۲۲ | امام بخاری سے پہلے تالیف حدیث | ۲۱۵ | ۱۳۹- حافظ ابراہیم بن یوسف لمخی | ۲۰۴ | ۱۰۸- امام جعفر بن عون بن جعفر بن عمرو |
| // | ایک اہم غلطی کا ازالہ | // | ۱۴۰- حافظ عثمان المعروف بابن ابی شیبہ | // | ۱۰۹- شیخ قاسم بن الحکم بن کثیر العرفی |
| ۲۲۳ | جامع صحیح کیلئے اساتذہ بخاری کی توثیق | // | ۱۴۱- امام یحییٰ بن اکتوم بن محمد قطن | // | ۱۱۰- امام ابو محمد حسین بن حفص اصفہانی |
| ۲۲۳ | امام بخاری کا بے نظیر حافظ | // | ۱۴۲- حافظ ولید بن شجاع ابوہام | ۲۰۵ | ۱۱۱- امام ابراہیم بن رستم مروزی |
| ۲۲۳ | تالیفات امام بخاری | // | ۱۴۳- محدث کوفہ ابوبکر محمد بن العلاما ہمدانی | // | ۱۱۲- حافظ معلیٰ بن منصور |
| ۲۲۱ | روایات بخاری | ۲۱۶ | ۱۴۴- شیخ ابو عبداللہ بن یحییٰ العدنی | // | ۱۱۳- حافظ عبدالرزاق بن ہمام |
| ۲۲۳ | اوہام بخاری | // | ۱۴۵- احمد بن منیع ابو جعفر البغوی الاسم | // | ۱۱۴- اسماعیل بن حماد بن الامام الاعظم |
| | امام بخاری اور تراجم کی نامطابقت احادیث | // | ۱۴۶- حافظ اسحاق بن موسیٰ الانصاری | ۲۰۶ | ۱۱۵- امام بشر بن ابی الازہر |
| ۲۲۷ | الباب سے | // | ۱۴۷- حافظ سلمہ بن شیبہ نیشاپوری | // | ۱۱۶- حافظ عبداللہ بن داؤد ذریبی |
| ۲۵۱ | امام مسلم | // | ۱۴۸- حافظ کبیر احمد بن کثیر ابو عبداللہ دورقی | // | ۱۱۷- حافظ ابو عبدالرحمن عبداللہ یزید المقرئی |
| ۲۵۲ | امام ابن ماجہ | // | ۱۴۹- حافظ اسمعیل بن قسطلیٰ بن قزوینی | // | ۱۱۸- اسد بن الفرات قاضی قیروان |
| ۲۵۳ | امام ابوداؤد | // | ۱۵۰- حافظ عمرو بن علی فلاس بصری | ۲۰۷ | ۱۱۹- امام احمد بن حفص ابو حفص کبیر بخاری |
| // | اسم و نسب | ۲۱۷ | ۱۵۱- امام ابو جعفر دارمی | ۲۰۸ | ۱۲۰- شیخ ہشام بن اسمعیل بن یحییٰ |
| // | علمی اسفار | ۲۱۷ | ضروری واہم گذارشات | ۲۰۸ | ۱۲۱- حافظ علی بن معبد بن شداد العبیدی |
| // | اساتذہ و تلامذہ | | جلد دوم | ۲۰۸ | ۱۲۲- امام ابو نعیم فضل بن دیکین کوفی |
| // | مادحتین | ۲۱۸ | امام بخاری | ۲۰۸ | ۱۲۳- شیخ حمیدی ابوبکر عبداللہ |
| // | روایت اکابر عن الاصابغ | // | اسم مبارک | ۲۰۹ | ۱۲۴- امام عیسیٰ بن ابان بن صدقہ بصری |
| // | سنن ابی داؤد | // | خاندانی حالات | // | ۱۲۵- امام یحییٰ بن صالح الوحاظی ابو زکریا |
| ۲۵۵ | ابوداؤد کی چار احادیث | // | سن پیدائش و ابتدائی حالات | // | ۱۲۶- حافظ سلیمان بن حرب بغدادی |
| // | بشارت | ۲۱۹ | علمی شغف و مطالعہ | // | ۱۲۷- امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام |
| // | امام ترمذی | // | تصنیف کا آغاز | ۲۰۹ | ۱۲۸- حافظ ابوالحسن علی بن الجعد |

| | | | | | |
|-----|--|-----|--|-----|--------------------------------------|
| ۲۷۷ | امام احمد اور امام محمد بن شجاع | ۲۶۷ | امام طحاوی بڑے مجتہد تھے | ۲۵۵ | اسم و نسب |
| ۲۷۷ | ۱۹- حافظ محمد بن حماد الطہرانی ابو عبد اللہ الرازی | // | تالیفات امام طحاوی | // | جامع ترمذی کی فو قیت دوسری کتب پر |
| ۲۷۸ | ۲۰- حافظ عباس دوری بن محمد | // | علامہ ابن حزم اور معانی الآثار کی ترجیح | ۲۵۶ | طریق بیان مذہب |
| // | ۲۱- حافظ ابو حاتم رازی محمد بن دریس | // | موطأ مالک پر | // | معمول بہا احادیث |
| // | ۲۲- الحافظ الفقیہ ابو العباس احمد بن محمد | ۲۶۸ | حضرت شاہ صاحب اور معانی الآثار | // | حضرت شاہ صاحب کا ارشاد |
| ۲۷۹ | ۲۳- حافظ ابو بکر بن ابی الدنیا | // | معانی الآثار کے خصائص و مزایا | // | امام ترمذی کی خدا ترسی |
| // | ۲۴- شیخ الشام حافظ ابو زرعد مشقی | ۲۷۰ | ۲- مشکل الآثار | // | کنیت ابو عیسیٰ کی توجیہ |
| // | ۲۵- حافظ ابو محمد حارث بن ابی اسامہ | // | ۳- اختلاف العلماء | ۲۵۷ | امام اعظم اور امام ترمذی |
| // | ۲۶- شیخ ابو الفضل عبید اللہ بن واصل البخاری | // | ۴- کتاب احکام القرآن | // | امام اعظم جامع ترمذی میں |
| // | ۲۷- شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن حرب عسکری | // | ۵- کتاب الشروط الکبیر | // | امام ترمذی نے مذہب حنفیہ کو ترجیح دی |
| // | ۲۸- حافظ محمد بن النظر بن سلمہ | // | ۸- مختصر الامام الطحاوی | ۲۶۰ | امام نسائی رحمہ اللہ |
| // | ۲۹- شیخ ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بزار | // | ۱۱- نقص کتاب المدلسین | // | نام و نسب |
| ۲۸۰ | ۳۰- شیخ ابو مسلم ابراہیم بن عبد اللہ الکشی | ۲۷۱ | ۱۲- الرد علی ابی عبید | ۲۶۱ | امام طحاوی |
| // | ۳۱- حافظ ابراہیم بن معقل | ۲۷۱ | ۱۳- التاريخ الکبیر | // | نام و نسب و ولادت |
| // | ۳۲- شیخ محمد بن خلف المعروف، بوجع القاضی | // | ۱۴- کتاب فی النخل و احکامہا | // | تحصیل علم و کثرت شیوخ |
| ۲۸۰ | ۳۳- حافظ ابو یعلیٰ احمد بن علی بن المثنیٰ | // | ۱۵- عقیدۃ الطحاوی | ۲۶۲ | امام طحاوی اور حافظ ابن حجر |
| ۲۸۱ | ۳۴- شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد | // | ۱۶- سنن الشافعی | // | تذکرہ امام شافعی و امام مزنی |
| // | ۳۵- شیخ ابو محمد عبد اللہ بن علی بن الجارود | // | ۱۷- شرح المغنی | ۲۶۳ | اہل حدیث کون ہیں |
| // | ۳۶- حافظ ابو البشر محمد بن احمد حماد | ۲۷۱ | ۱۸- حافظ عبد اللہ بن اسحاق ابو محمد الجوهری | // | امام طحاوی بسلسلہ امام اعظم |
| // | ۳۷- شیخ حماد بن شاکر النسفی حنفی | ۲۷۲ | ۹- امام ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بن عبد اللہ | // | ذکر امامانی الاحبار |
| // | ۳۸- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ السلسی | ۲۷۳ | ۱۰- حافظ امام عباس بحرانی بن یزید | ۲۶۴ | ثناء اکابر علماء و محدثین |
| ۲۸۲ | ۳۹- شیخ ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق | ۲۷۳ | ۱۱- حافظ ہارون بن اسحاق بن محمد | // | امام طحاوی مجدد تھے |
| // | ۴۰- شیخ ابو بکر محمد بن ابراہیم | // | ۱۲- حافظ ابو الیث عبد اللہ بن سرج | ۲۶۵ | قرن رجال اور امام طحاوی |
| // | ۴۱- شیخ ابو عبد اللہ حسین بن اسماعیل | // | ۱۳- امام ابو الحسن احمد بن عبد اللہ عجمی | // | جرح و تعدیل اور امام طحاوی |
| // | ۴۲- امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی | // | ۱۴- امام ابو بکر احمد بن عمر بن مہر خفاف | // | حافظ ابن حجر کا تعہد |
| // | ۴۳- ”حاکم شہید“ حافظ محمد بن محمد | ۲۷۴ | ۱۵- حافظ ابو یوسف یعقوب بن شیبہ بصری | // | مقدمہ امامانی الاحبار |
| ۲۸۳ | ۴۴- حافظ ابو القاسم عبد اللہ بن محمد | // | ۱۶- امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد | // | ناقدین امام طحاوی |
| // | ۴۵- حافظ ابو محمد قاسم بن اصغیٰ القرطبی | // | ۱۷- حافظ عصر امام ابو زرعد | ۲۶۶ | امام بیہقی |
| // | ۴۶- امام ابو الحسن عبید اللہ بن حسین کرخی | ۲۷۵ | ۱۸- امام ابو عبد اللہ محمد بن شجاع | // | علامہ ابن تیمیہ |
| ۲۸۳ | ۴۷- ابو محمد عبد اللہ بن محمد الحارثی البخاری | ۲۷۵ | ثناء اہل علم | // | علامہ ابن جوزی |
| // | ۴۸- امام ابو عمرو احمد بن محمد | ۲۷۶ | ابن عدی اور محمد بن شجاع | // | حافظ ابن حجر |

| | | | | | |
|-------------------------------|--|---|---|-------------------------------------|---|
| ۲۹۹ | ۱۱۱- حافظ ابو محمد حسن بن احمد | ۲۹۰ | ۸۰- شیخ ابو الحسین محمد بن احمد بن طیب | ۲۸۴ | ۴۹- شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن حسن (عزری) |
| ۱۱۲ | ۱۱۲- شیخ ابو سعید محمد بن عبد الحمید | ۸۱ | ۸۱- شیخ ابو علی حسین بن خضر بن محمد | ۵۰ | ۵۰- شیخ ابو الحسن علی بن احمد بن محمد |
| ۳۰۰ | ۱۱۳- محمد بن محمد بن محمد ابو الجاہد الغزالی | ۸۲ | ۸۲- حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن احمد | ۵۱ | ۵۱- شیخ ابو الحسن احمد بن محمد بن عبد اللہ |
| ۱۱۴ | ۱۱۴- مسند ہرات شیخ نصر بن حامد | ۸۳ | ۸۳- امام ابو الحسین احمد بن محمد بن احمد | ۵۲ | ۵۲- حافظ ابو الحسین عبد الباقی بن قانع |
| ۱۱۵ | ۱۱۵- حافظ ابو زکریا یحییٰ بن منندہ ابراہیم | ۲۹۱ | ۸۴- حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ | ۲۸۵ | ۵۳- حافظ ابو علی سعید بن عثمان |
| ۱۱۶ | ۱۱۶- شمس الائمہ بکر بن محمد بن علی | ۲۹۲ | ۸۵- حافظ ابو العباس جعفر بن محمد نسفی | ۵۴ | ۵۴- حافظ ابو حاتم محمد بن حبان |
| ۳۰۱ | ۱۱۷- الشیخ الامام محی السنۃ ابو محمد حسین | ۸۶ | ۸۶- شیخ ابو عبد اللہ حسین بن علی بن محمد | ۵۵ | ۵۵- حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد |
| ۱۱۸ | ۱۱۸- مسند سمرقند شیخ اسحاق بن محمد | ۸۷ | ۸۷- شیخ ابو جعفر محمد بن احمد بن محمد بن احمد | ۲۸۶ | ۵۶- حافظ ابو محمد حسن بن عبد الرحمن |
| ۱۱۹ | ۱۱۹- شیخ ابو المعالی مسعود بن حسین | ۲۹۳ | ۸۸- حافظ ابو سعد السمان اسماعیل بن علی | ۵۷ | ۵۷- شیخ ابو عبد اللہ محمد بن جعفر بن طرخان |
| ۱۲۰ | ۱۲۰- الشیخ المحدث ابو عبد اللہ حسین | ۸۹ | ۸۹- شیخ خلیل بن عبد اللہ بن احمد | ۵۸ | ۵۸- حافظ ابو جعفر محمد بن عبد اللہ بن محمد |
| ۱۲۱ | ۱۲۱- امام ابو اسحاق ابراہیم بن اسماعیل صفار | ۹۰ | ۹۰- شیخ محمد اسماعیل محدث لاہوری حنفی | ۵۹ | ۵۹- محدث ابو عمرو اسماعیل بن نجید |
| ۳۰۲ | ۱۲۲- شیخ ابو الحسن رزین بن معاویہ | ۹۱ | ۹۱- شیخ الائمہ شیخ عبدالعزیز بن احمد بن نصر | ۶۰ | ۶۰- ابو الشیخ ابو محمد عبد اللہ بن محمد |
| ۱۲۳ | ۱۲۳- شیخ ابو محمد عمر بن عبدالعزیز بن عمر | ۹۲ | ۹۲- شیخ ابو عثمان اسماعیل بن عبد الرحمن | ۲۸۶ | ۶۱- ابو بکر احمد بن علی رازی ہصا ص بغدادی |
| ۳۰۲ | ۱۲۴- امام طاہر بن احمد بخاری حنفی | ۹۳ | ۹۳- حافظ ابو محمد عبدالعزیز بن محمد | ۲۸۷ | ۶۲- شیخ ابو بکر احمد بن ابراہیم بن اسماعیل |
| ۱۲۵ | ۱۲۵- امام محمد بن محمد بن محمد سرحسی حنفی | ۲۹۴ | ۹۴- شیخ ابو القاسم عبد الواحد بن علی | ۶۳ | ۶۳- شیخ ابو بکر محمد بن فضل بن جعفر |
| ۱۲۶ | ۱۲۶- شیخ ابو الفضل قاضی عیاض | ۹۵ | ۹۵- حافظ ابو محمد علی بن احمد | ۶۴ | ۶۴- امام ابو الیث نصر بن محمد بن احمد |
| ۱۲۷ | ۱۲۷- حافظ قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ | ۹۶ | ۹۶- حافظ ابو بکر احمد بن الحسین بن علی | ۶۵ | ۶۵- حافظ ابو حامد احمد بن حسین بن علی |
| ۱۲۸ | ۱۲۸- شیخ ابو المعالی محمد بن نصر بن منصور | ۲۹۵ | ۹۷- شیخ حسین بن علی بن محمد بن علی | ۲۸۸ | ۶۶- حافظ ابو نصر احمد بن محمد کلابازی حنفی |
| ۳۰۳ | ۱۲۹- حافظ شیروید دیلمی ہمدانی | ۹۸ | ۹۸- شیخ ابو الحسن علی بن حسین سندی حنفی | ۶۷ | ۶۷- حافظ ابو الحسن محمد بن المظفر |
| ۱۳۰ | ۱۳۰- عبد الغفور بن لقمان بن محمد کردری | ۹۹ | ۹۹- حافظ یوسف بن عبد اللہ بن محمد عبدالبر | ۶۸ | ۶۸- حافظ ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر |
| ۱۳۱ | ۱۳۱- ابو محمد عبد الجالیق بن اسد الدمشقی | ۲۹۶ | ۱۰۰- حافظ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت | ۶۹ | ۶۹- امام ابو الحسن علی بن عمر بن احمد |
| ۱۳۲ | ۱۳۲- شیخ ابو منصور جعفر بن عبد اللہ | ۱۰۱ | ۱۰۱- شیخ ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن | ۷۰ | ۷۰- حافظ ابو حفص عمر بن احمد |
| ۱۳۳ | ۱۳۳- محمود بن ابی سعد زنجی ابن السفرالترکی | ۱۰۲ | ۱۰۲- شیخ علی محمد دم جلابی غزنوی ہجویری | ۲۸۹ | ۷۱- شیخ ابو الحسن علی معروف بزاز |
| ۱۳۴ | ۱۳۴- حافظ ابو القاسم علی بن الحسن | ۲۹۷ | ۱۰۳- شیخ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن محمد بن حسین | ۷۲ | ۷۲- حافظ ابو سلیمان احمد بن محمد |
| معروف بابن عسا کرد مشقی شافعی | ۱۰۴ | ۱۰۴- امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک | ۷۳ | ۷۳- حافظ ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق | |
| ۳۰۳ | ۱۳۵/۱- شیخ ابو موسیٰ محمد بن ابی بکر عمر | ۱۰۵ | ۱۰۵- امام ابو الحسن علی بن محمد بن حسین | ۷۴ | ۷۴- شیخ ابو الحسن محمد بن احمد |
| ۳۰۴ | ۱۳۵/۲- الشیخ المحدث ابو محمد عبد الحق | ۲۹۸ | ۱۰۶- شیخ ابو الحسین قاضی القضاة محمد | ۷۵ | ۷۵- شیخ ابو بکر محمد بن موسیٰ خوارزمی حنفی |
| ۱۳۶ | ۱۳۶- شیخ ابو نصر احمد بن محمد بن عمر عتابی | ۱۰۷ | ۱۰۷- شیخ ابو الحسن علی بن الحسن بن علی | ۷۶ | ۷۶- حافظ ابو الفضل السلیمانی احمد |
| ۱۳۷ | ۱۳۷- ابو بکر زین الدین محمد بن ابی عثمان | ۲۹۹ | ۱۰۸- شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی نصر حمیدی | ۷۷ | ۷۷- حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ |
| ۱۳۸ | ۱۳۸- ابو بکر علاء الدین بن مسعود | ۱۰۹ | ۱۰۹- شمس الائمہ ابو بکر محمد بن احمد | ۲۹۰ | ۷۸- حافظ ابو عبد اللہ محمد بن احمد |
| ۱۳۹ | ۱۳۹- ابو سعد شیخ مظہر بن حسین بن سعد بن علی | ۱۱۰ | ۱۱۰- حافظ ابو القاسم عبید اللہ بن عبد اللہ | ۷۹ | ۷۹- حافظ ابو القاسم تمام بن محمد ابی الحسین |

| | | | | | |
|-----|--|-----|---|-----|--|
| ۳۲۰ | ۲۰۰- شیخ علی بن احمد بن عبد الواحد | ۳۱۱ | ۱۷۰- شیخ محمد بن احمد بن عباد | ۳۰۵ | ۱۳۰- شیخ حسن بن منصور بن محمود |
| ۳۲۰ | ۲۰۱- محمد بن ابراہیم بن غنائم الشروطی الحنفی | ۳۱۲ | ۱۷۱- یوسف بن فرغلی بن عبد اللہ بغدادی | ۳۰۶ | ۱۳۱- شیخ ابوالحسن علی بن ابی بکر |
| ۳۲۰ | ۲۰۲- محمد بن عثمان اصفہانی معروف بابن اجمی | ۳۱۳ | ۱۷۲- محمد بن محمود بن محمد بن الحسن خوارزمی | ۳۰۷ | ۱۳۲- حافظ جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمن |
| ۳۲۰ | ۲۰۳- عبد الکریم بن عبد النور بن منیر | ۳۱۳ | ۱۷۳- ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی | ۳۰۸ | ۱۳۳- شیخ ابوالحسن حسن بن خطیر نعمانی |
| ۳۲۰ | ۲۰۴- محمد بن ابراہیم والی حنفی | ۳۱۳ | ۱۷۴- شیخ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین | ۳۰۹ | ۱۳۴- امام حسام الدین علی بن احمد |
| ۳۲۰ | ۲۰۵- امام ابوالحسن علی بن بلبان | ۳۱۳ | ۱۷۵- شیخ محمد بن سلیمان بن حسن | ۳۱۰ | ۱۳۵- امام ابوالفضل محمد بن یوسف |
| ۳۲۱ | ۲۰۶- شیخ ابو عبد اللہ ولی الدین محمد | ۳۱۳ | ۱۷۶- شیخ ابوالولید محمد بن سعید | ۳۱۱ | ۱۳۶- شیخ احمد بن عبدالرشید بن حسین بخاری |
| ۳۲۱ | ۲۰۷- ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمن | ۳۱۳ | ۱۷۷- ابوزکریا یحییٰ بن شرف الدین نووی | ۳۱۱ | ۱۳۷- شیخ ابوشجاع عمر بن محمد بن عبد اللہ |
| ۳۲۱ | ۲۰۸- شیخ ابو محمد عثمان بن علی | ۳۱۳ | ۱۷۸- شیخ ابوالفضل محمد بن محمد برہان نسفی | ۳۱۱ | ۱۳۸- شیخ محمد بن عبد اللہ صائغی قاضی مرو |
| ۳۲۱ | ۲۰۹- الحافظ الشمس السردوچی محمد بن علی | ۳۱۳ | ۱۷۹- ابوالفضل محمد بن محمد بن نصر بخاری | ۳۱۱ | ۱۳۹- حافظ ابو محمد عبدالغنی بن عبد الواحد |
| ۳۲۲ | ۲۱۰- شیخ احمد بن عثمان بن ابراہیم | ۳۱۳ | ۱۸۰- ابوالعباس احمد بن عبد اللہ | ۳۱۱ | ۱۵۰- محدث ابن اشیر جزری مجد الدین مبارک |
| ۳۲۲ | ۲۱۱- شیخ برہان الدین بن علی بن احمد | ۳۱۳ | ۱۸۱- شیخ ابو محمد عبد اللہ بن سعد بن ابی حمزہ | ۳۱۱ | ۱۵۱- شیخ ابوالحاج محمد بن محمود بن احمد بن ابی الحسن |
| ۳۲۲ | ۲۱۲- ابو حیان محمد بن یوسف بن علی | ۳۱۳ | ۱۸۲- ابوالعباس احمد بن محمد بن عبد اللہ | ۳۱۱ | ۱۵۲- شیخ ابوباشم عبد المطلب بن فضل |
| ۳۲۲ | ۲۱۳- امام عبید اللہ بن مسعود بن محمود | ۳۱۳ | ۱۸۳- ابو محمد علی بن زکریا بن مسعود انصاری | ۳۱۱ | ۱۵۳- شیخ تاج الدین ابوالیسمن زید بن حسن |
| ۳۲۲ | ۲۱۴- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی | ۳۱۳ | ۱۸۴- شہاب الدین احمد بن فرح | ۳۱۱ | ۱۵۴- شیخ ابوالغنائم سعید بن سلیمان |
| ۳۲۳ | ۲۱۵- شیخ محمد بن محمد بن احمد | ۳۱۳ | ۱۸۵- فرضی محمود بن ابی بکر ابوالعلاء بن علی | ۳۱۱ | ۱۵۵- حافظ ابوالحسن علی بن محمد بن عبد الملک |
| ۳۲۳ | ۲۱۶- علی بن عثمان بن ابراہیم مارذینی حنفی | ۳۱۵ | ۱۸۶- احمد بن مسعود بن عبدالرحمن قونوی | ۳۰۹ | ۱۵۶- شیخ زین الدین عمر بن زید |
| ۳۲۳ | ۲۱۷- حافظ ابن الوانی عبد اللہ بن محمد | ۳۱۵ | ۱۸۷- قاضی ابوعاصم محمد بن احمد عامری | ۳۰۹ | ۱۵۷- حافظ ابوحفظ ضیاء الدین عمر |
| ۳۲۳ | ۲۱۸- محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد | ۳۱۵ | ۱۸۸- احمد بن ابراہیم بن عبد الغنی حنفی | ۳۰۹ | ۱۵۸- شرف الدین عیسیٰ بن مالک |
| ۳۲۳ | ۲۱۹- حافظ ابوالحسن علی بن عبد الکانفی | ۳۱۵ | ۱۸۹- محمد بن علی بن ذہب بن مطیع قشیری | ۳۰۹ | ۱۵۹- معین الدین ابوبکر محمد بن عبد الغنی |
| ۳۲۵ | ۲۲۰- امیر کاتب عمید بن امیر عمرو | ۳۱۵ | ۱۹۰- عبد المومن خلف بن ابی الحسن دمیاطی | ۳۱۰ | ۱۶۰- الامام المسند ابو علی حسن |
| ۳۲۵ | ۲۲۱- ابو محمد عبد اللہ بن یوسف بن محمد بن ایوب | ۳۱۶ | ۱۹۱- امام ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد | ۳۱۰ | ۱۶۱- شیخ عبید اللہ بن ابراہیم |
| ۳۲۵ | ۲۲۲- مغلطائی (کجری) بن قلیج بن عبد اللہ | ۳۱۶ | ۱۹۲- قاضی القضاة شیخ ابوالعباس احمد | ۳۱۰ | ۱۶۲- محدث ابن اشیر جزری محمد بن محمد |
| ۳۲۵ | ۲۲۳- عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی ہندی حنفی | ۳۱۶ | ۱۹۳- حسام الدین حسین بن علی بن الحجاج | ۳۱۰ | ۱۶۳- شیخ شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد |
| ۳۲۸ | ۲۲۴- محمد بن احمد بن عبدالعزیز قونوی | ۳۱۶ | ۱۹۴- شیخ ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ | ۳۱۰ | ۱۶۴- محمود بن احمد الحصری جمال الدین |
| ۳۲۸ | ۲۲۵- حافظ ابوالحاج حسن دمشقی | ۳۱۶ | ۱۹۵- ابوالفتح نصر بن سلیمان منجی حنفی | ۳۱۰ | ۱۶۵- شمس الآئمہ محمد بن عبدالستار |
| ۳۲۸ | ۲۲۶- ابوالبقاء قاضی محمد بن عبد اللہ شبلی | ۳۱۶ | ۱۹۶- احمد بن شہاب الدین عبد الحلیم | ۳۱۱ | ۱۶۶- حافظ ضیاء الدین ابو عبد اللہ محمد |
| ۳۲۸ | ۲۲۷- محمد بن محمد بن محمد بن امام فخر الدین رازی | ۳۱۹ | ۱۹۷- محمد بن عثمان بن ابی الحسن عبد الوہاب | ۳۱۱ | ۱۶۷- حافظ تقی الدین ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمن |
| ۳۲۹ | ۲۲۸- عبد الوہاب بن تقی الدین علی | ۳۱۹ | ۱۹۸- شیخ عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ | ۳۱۱ | ۱۶۸- شیخ حسام الدین انیس کتی حنفی |
| ۳۲۹ | ۲۲۹- محمود بن احمد بن مسعود بن عبدالرحمن | ۳۲۰ | ۱۹۹- شیخ الامام علاء الدین علی | ۳۱۱ | ۱۶۹- حسن بن محمد بن حسن بن حیدر قرشی |
| ۳۲۹ | ۲۳۰- اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشی | | | | |

| | | | | | |
|-----|---|-----|--|-----|--|
| ۳۵۱ | ۲۹۳- احمد بن سلیمان رومی | ۳۳۲ | ۲۶۲- بن الہمام محمد بن عبد الواحد | ۳۳۰ | ۲۳۱- عبد القادر بن محمد بن محمد بن نصر اللہ |
| ۳۵۲ | ۲۹۴- شیخ اسماعیل شروانی حنفی | ۳۳۳ | ۲۶۳- شیخ یعقوب بن ادیس بن عبد اللہ | ۳۳۱ | ۲۳۲- محمد بن یوسف بن علی بن سعید کرمانی |
| ۳۵۳ | ۲۹۵- محمد بن یوسف بن علی بن یوسف الشامی | ۳۳۴ | ۲۶۴- ابن التمس الدیری نابلی حنفی | ۳۳۲ | ۲۳۳- شیخ محمد بن محمود اکمل الدین |
| ۳۵۴ | ۲۹۶- محمد بن بہاؤ الدین بن لطف اللہ | ۳۳۵ | ۲۶۵- یحییٰ بن محمد بن محمد بن محمد | ۳۳۳ | ۲۳۴- علامہ میر سید علی ہمدانی حنفی |
| ۳۵۵ | ۲۹۷- احمد بن محمد بن محمد بن ابراہیم بن محمد اطہاکی | ۳۳۶ | ۲۶۶- حافظ تقی الدین بن فہد | ۳۳۴ | ۲۳۵- محمد بن یوسف بن الیاس قونوی حنفی |
| ۳۵۶ | ۲۹۸- محمد بن علی معروف بہ ابن طولون | ۳۳۷ | ۲۶۷- شیخ احمد بن محمد بن محمد بن حسن | ۳۳۵ | ۲۳۶- محمد بن بہادر بن عبد اللہ زکشی شافعی |
| ۳۵۷ | ۲۹۹- شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم طبری | ۳۳۸ | ۲۶۸- المولیٰ علی بن محمود بن محمد بسطامی | ۳۳۶ | ۲۳۷- عبد الرحمن بن احمد بن حسین |
| ۳۵۸ | ۳۰۰- شیخ یحییٰ بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم | ۳۳۹ | ۲۶۹- قاسم بن قطلوبغا مصری حنفی | ۳۳۷ | ۲۳۸- اسماعیل بن ابراہیم بن محمد بن علی |
| ۳۵۹ | ۳۰۱- احمد بن علی المزجاجی حنفی | ۳۴۰ | ۲۷۰- محمد بن محمد بن محمد بن امیر الحاج طبری | ۳۳۸ | ۲۳۹- یوسف بن موسیٰ المملطی حنفی |
| ۳۶۰ | ۳۰۲- شیخ عبدالاول بن علاء حسینی جوہوری | ۳۴۱ | ۲۷۱- یحییٰ بن محمد اقصرائی حنفی | ۳۳۹ | ۲۴۰- عمر بن رسلان بن نصر بلقینی شافعی |
| ۳۶۱ | ۳۰۳- زین الدین بن ابراہیم بن محمد | ۳۴۲ | ۲۷۲- محمد بن سلیمان بن سعد بن مسعود | ۳۴۰ | ۲۴۱- عبد الرحیم بن حسین عراقی شافعی |
| ۳۶۲ | ۳۰۴- شیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی | ۳۴۳ | ۲۷۳- محمد بن محمد بن عمر قطلوبغا بکتری | ۳۴۱ | ۲۴۲- علی بن ابی بکر بن سلیمان شہمی شافعی |
| ۳۶۳ | ۳۰۵- احمد بن محمد بن محمد بن علی بن حجر | ۳۴۴ | ۲۷۴- شیخ عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن عمر | ۳۴۲ | ۲۴۳- محمد بن ظلیل بن ہلال حاضری طبری |
| ۳۶۴ | ۳۰۶- شیخ مکہ علی بن حسام الدین | ۳۴۵ | ۲۷۵- المولیٰ محمد بن قطب الدین ازرقی | ۳۴۳ | ۲۴۴- احمد بن عبد الرحیم عراقی شافعی |
| ۳۶۵ | ۳۰۷- شیخ محمد سعید بن مولانا خواجہ خراسانی | ۳۴۶ | ۲۷۶- مولیٰ خسرو محمد بن قرا موزر حنفی | ۳۴۴ | ۲۴۵- محمد بن عبد اللہ الدیری المقدسی حنفی |
| ۳۶۶ | ۳۰۸- شیخ محمد آفندی بن پیر علی برکلی | ۳۴۷ | ۲۷۷- عبد اللطیف بن عبدالعزیز | ۳۴۵ | ۲۴۶- شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن عمر |
| ۳۶۷ | ۳۰۹- شیخ محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی | ۳۴۸ | ۲۷۸- احمد بن موسیٰ الشہیر "بالخیالی" حنفی | ۳۴۶ | ۲۴۷- عمر بن علی بن فارسی مصری حنفی |
| ۳۶۸ | ۳۱۰- مولانا کلاں اولاد خواجہ کوبی حنفی | ۳۴۹ | ۲۷۹- احمد بن اسماعیل بن محمد کورانی حنفی | ۳۴۷ | ۲۴۸- محمد بن عبد اللہ ائمہ بزادی شافعی |
| ۳۶۹ | ۳۱۱- شیخ عبد اللہ بن سعد اللہ متقی ہندی | ۳۵۰ | ۲۸۰- احمد بن احمد بن محمد بن عیسیٰ زروق | ۳۴۸ | ۲۴۹- محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف |
| ۳۷۰ | ۳۱۲- محمد بن طاہر بن علی گجراتی پٹنی حنفی | ۳۵۱ | ۲۸۱- محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن ابی بکر | ۳۴۹ | ۲۵۰- یحییٰ بن یوسف بن عیسیٰ سیرامی مصری |
| ۳۷۱ | ۳۱۳- عبد المعطیٰ بن الحسن بن عبد اللہ باکشر | ۳۵۲ | ۲۸۲- راجح بن داؤد بن محمد حنفی | ۳۵۰ | ۲۵۱- شیخ یعقوب بن ادیس بن عبد اللہ |
| ۳۷۲ | ۳۱۴- شیخ محمود بن سلیمان کفوی حنفی | ۳۵۳ | ۲۸۳- عبد الرحمن بن محمد بن الشیخ ہمام الدین | ۳۵۱ | ۲۵۲- محمد بن حمزہ بن محمد بن محمد بن رومی |
| ۳۷۳ | ۳۱۵- عبدالنبی بن احمد بن عبدالقدوس گنگوہی | ۳۵۴ | ۲۸۴- علی بن عبد اللہ بن احمد سمودی | ۳۵۲ | ۲۵۳- احمد بن عثمان بن محمد عبد اللہ کلوتانی |
| ۳۷۴ | ۳۱۶- شیخ رحمت اللہ بن عبد اللہ بن ابراہیم | ۳۵۵ | ۲۸۵- شیخ عبدالبر بن محمد بن محمد بن محمد | ۳۵۳ | ۲۵۴- احمد بن ابی بکر محمد بن اسماعیل |
| ۳۷۵ | ۳۱۷- عبد اللہ بن ابراہیم العمری السندی | ۳۵۶ | ۲۸۶- احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی مصری | ۳۵۴ | ۲۵۵- شیخ محمد بن محمد بن محمد بن محمد |
| ۳۷۶ | ۳۱۸- شیخ جمال الدین محمد بن صدیق زبیدی | ۳۵۷ | ۲۸۷- شیخ صفی الدین خزر جی | ۳۵۵ | ۲۵۶- محمد بن زین الدین عبد الرحمن علی |
| ۳۷۷ | ۳۱۹- شیخ وجیہ الدین بن نصر اللہ بن عماد الدین | ۳۵۸ | ۲۸۸- محدث میر جمال الدین عطاء اللہ | ۳۵۶ | ۲۵۷- عبد الرحیم بن قاضی ناصر الدین علی |
| ۳۷۸ | ۳۲۰- شیخ عبد اللہ نیازی سرہندی | ۳۵۹ | ۲۸۹- شیخ یعقوب بن سید علی حنفی | ۳۵۷ | ۲۵۸- احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی |
| ۳۷۹ | ۳۲۱- شیخ اسماعیل حنفی آفندی | ۳۶۰ | ۲۹۰- شیخ پاشا جلوسی بکاتی حنفی | ۳۵۸ | ۲۵۹- ابو محمد تقیری برمش بن عبد اللہ جلالی |
| ۳۸۰ | ۳۲۲- شیخ عبدالوہاب متقی بن شیخ ولی اللہ | ۳۶۱ | ۲۹۱- المولیٰ الشہیر بامیر حسن احمد حنفی | ۳۵۹ | ۲۶۰- بدر الدین عینی محمود بن احمد قاہری |
| ۳۸۱ | ۳۲۳- شیخ ابراہیم بن داؤد ابوالکارم | ۳۶۲ | ۲۹۲- مولیٰ محمد شاہ بن المولیٰ حسن الرومی | ۳۶۰ | ۲۶۱- عبد السلام بن احمد بن عبد المعتم |

| | | | | | |
|-----|--|-----|--|-----|--|
| ۳۸۶ | ۳۸۶- ابراہیم بن محمد کمال الدین بن محمد | ۳۵۵ | ۳۵۵- شیخ علی بن جبار اللہ قرشی خالد کی حنفی | ۳۶۲ | ۳۶۲- شیخ یعقوب بن الحسن الصرغی کشمیری |
| ۳۸۷ | ۳۸۷- فخر الدین بن محبت اللہ بن نور اللہ | ۳۵۶ | ۳۵۶- حسن بن علی انجمی المکی حنفی | ۳۶۳ | ۳۶۳- شیخ طاہر بن یوسف بن رکن الدین |
| ۳۸۸ | ۳۸۸- محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق | ۳۵۷ | ۳۵۷- الشیخ محمد اعظم بن سیف الدین | ۳۶۴ | ۳۶۴- شیخ محمد بن عبد اللہ بن احمد |
| ۳۸۹ | ۳۸۹- خیر الدین بن محمد زاہد السورقی حنفی | ۳۵۸ | ۳۵۸- الشیخ مبارک بن فخر الدین الحسینی | ۳۶۵ | ۳۶۵- محمد عبد الباقی بن عبد السلام الخشی الکابلی |
| ۳۹۰ | ۳۹۰- توام الدین محمد بن سعد الدین کشمیری | ۳۵۹ | ۳۵۹- فرخ شاہ بن الشیخ محمد سعید | ۳۶۶ | ۳۶۶- ملا علی قاری |
| ۳۹۱ | ۳۹۱- رفیع الدین بن فرید الدین مراد آبادی | ۳۶۰ | ۳۶۰- شیخ عنایت اللہ شمال کشمیری حنفی | ۳۶۷ | ۳۶۷- عبد الکریم نہروانی گجراتی حنفی |
| ۳۹۲ | ۳۹۲- عبد الباسط بن رستم علی صدیقی قنوجی | ۳۶۱ | ۳۶۱- احمد بن ابی سعید بن عبد اللہ | ۳۶۸ | ۳۶۸- العلامة قلیج محمد حنفی اندجانی |
| ۳۹۳ | ۳۹۳- محمد بن عبد اللہ البعلی حنفی | ۳۶۲ | ۳۶۲- نور الدین محمد بن عبد البہادی سندی | ۳۶۹ | ۳۶۹- الشیخ العلام خواجہ جوہر نات کشمیری |
| ۳۸۸ | ۳۹۴- المحدث قاضی ثناء اللہ پانی پتی | ۳۶۳ | ۳۶۳- شیخ کلیم اللہ بن نور اللہ بن محمد | ۳۷۰ | ۳۷۰- احمد بن الشمس محمد بن احمد الشلمی |
| ۳۸۹ | ۳۹۵- صفی بن عزیز بن محمد عیسیٰ | ۳۶۴ | ۳۶۴- محمد بن عبد القادر السندی المدنی حنفی | ۳۷۱ | ۳۷۱- محمد عاشق بن عمر ہندی حنفی |
| ۳۹۰ | ۳۹۶- الشیخ سلام اللہ بن شیخ الاسلام | ۳۶۵ | ۳۶۵- عبد الغنی بن اسماعیل بن عبد الغنی | ۳۷۲ | ۳۷۲- الامام الربانی مجدد الالف الثانی دہلوی |
| ۳۹۱ | ۳۹۷- الشاہ عبد القادر بن ولی اللہ دہلوی | ۳۶۶ | ۳۶۶- شیخ محمد افضل بن الشیخ محمد معصوم | ۳۷۳ | ۳۷۳- عبد القادر احمد آبادی حنفی بن عبد اللہ |
| ۳۹۲ | ۳۹۸- السید احمد الطحطاوی حنفی | ۳۶۷ | ۳۶۷- تاج الدین قلعی بن قاضی عبد الحسن | ۳۷۴ | ۳۷۴- المحدث عبد الحق البخاری دہلوی |
| ۳۹۳ | ۳۹۹- الشاہ رفیع الدین بن ولی اللہ | ۳۶۸ | ۳۶۸- شیخ محمد بن احمد عقیلہ کی حنفی | ۳۷۵ | ۳۷۵- ابو حامد سیدی العربی بن یوسف |
| ۳۹۴ | ۴۰۰- سراج الہند الشاہ عبدالعزیز بن ولی اللہ | ۳۶۹ | ۳۶۹- نور الدین بن محمد صالح احمد آبادی | ۳۷۶ | ۳۷۶- حیدر پتلو بن خواجہ فیروز کشمیری |
| ۳۹۵ | ۴۰۱- الشیخ شاہ اسمعیل بن الشاہ عبدالغنی | ۳۷۰ | ۳۷۰- صفی اللہ بن مدینہ اللہ بن زین العابدین | ۳۷۷ | ۳۷۷- شیخ احمد شہاب بن محمد خفاجی |
| ۳۹۶ | ۴۰۲- ابو سعید بن صفی بن عزیز بن محمد عیسیٰ | ۳۷۱ | ۳۷۱- محمد معین بن محمد امین بن طالب اللہ | ۳۷۸ | ۳۷۸- شیخ زین العابدین بن ابراہیم |
| ۳۹۷ | ۴۰۳- محمد بن علی بن محمد الشوکانی الہمسی | ۳۷۲ | ۳۷۲- محمد حیات بن ابراہیم سندی مدنی | ۳۷۹ | ۳۷۹- محمد بن الامام الربانی مجدد الالف ثانی |
| ۳۹۸ | ۴۰۴- محمد عابد بن احمد علی بن یعقوب | ۳۷۳ | ۳۷۳- عبد اللہ بن محمد الامامی حنفی | ۳۸۰ | ۳۸۰- ایوب بن احمد بن ایوب |
| ۳۹۹ | ۴۰۵- محمد امین بن عمرو باین عابد بن شامی | ۳۷۴ | ۳۷۴- شیخ عبد الوالی ترکستانی کشمیری | ۳۸۱ | ۳۸۱- شیخ محمد آقندی بن تاج الدین بن احمد |
| ۴۰۰ | ۴۰۶- اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد | ۳۷۵ | ۳۷۵- محمد ہاشم بن عبد الغفور بن عبد الرحمن | ۳۸۲ | ۳۸۲- نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی |
| ۴۰۱ | ۴۰۷- الشیخ محمد احسن معروف بہ حافظ دراز | ۳۷۶ | ۳۷۶- محمد بن الحسن المعروف بہ "ابن ہمات" | ۳۸۳ | ۳۸۳- الشیخ محمد معصوم بن الامام الربانی |
| ۴۰۲ | ۴۰۸- طیب بن احمد رفیقی کشمیری حنفی | ۳۷۷ | ۳۷۷- الشاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم دہلوی | ۳۸۴ | ۳۸۴- الشیخ معین الدین بن خواجہ محمود |
| ۴۰۳ | ۴۰۹- شیخ غلام محی الدین بگوی حنفی | ۳۷۸ | ۳۷۸- شیخ محمد بن محمد بن محمد الحسینی | ۳۸۵ | ۳۸۵- شیخ محمد بن علی بن محمد بن علی |
| ۴۰۴ | ۴۱۰- رضا بن محمد بن مصطفیٰ رفیقی کشمیری حنفی | ۳۷۹ | ۳۷۹- اخوند ملا ابو الوفا کشمیری حنفی | ۳۸۶ | ۳۸۶- شیخ ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد |
| ۴۰۵ | ۴۱۱- احمد سعید بن الشاہ ابی سعید دہلوی | ۳۸۰ | ۳۸۰- عبد اللہ اسکنداری صوفی حنفی | ۳۸۷ | ۳۸۷- شیخ داؤد مشکوٹی کشمیری حنفی |
| ۴۰۶ | ۴۱۲- یعقوب بن محمد افضل العمری دہلوی | ۳۸۱ | ۳۸۱- ابو الحسن بن محمد صادق السندی حنفی | ۳۸۸ | ۳۸۸- یحییٰ بن الامام الربانی مجدد الالف الثانی |
| ۴۰۷ | ۴۱۳- صدر الدین بن لطف اللہ کشمیری | ۳۸۲ | ۳۸۲- محمد امین ولی اللہ کشمیری دہلوی حنفی | ۳۸۹ | ۳۸۹- ابو یوسف یعقوب البنانی لاہوری |
| ۴۰۸ | ۴۱۴- عبد الحلیم بن امین اللہ لکھنوی حنفی | ۳۸۳ | ۳۸۳- شیخ محمد بن احمد بن سالم بن سلیمان | ۳۹۰ | ۳۹۰- الشیخ محمد فخر الدین بن محبت اللہ |
| ۴۰۹ | ۴۱۵- احمد الدین بن نور حیات بگوی | ۳۸۴ | ۳۸۴- حبیب اللہ مرزا جان جاناں دہلوی | ۳۹۱ | ۳۹۱- شیخ محدث ملا شکر فگنائی کشمیری |
| ۴۱۰ | ۴۱۶- عبد الرشید بن الشیخ احمد سعید مجددی | ۳۸۵ | ۳۸۵- غلام علی آزاد بن نوع واسطی بگرامی | ۳۹۲ | ۳۹۲- شیخ زین الدین علی تبوری |

| | | | | | |
|-----|--|-----|--|-----|--|
| ۳۵۱ | محمد بن علی الشہر ظہیر احسن انیموی | ۳۱۲ | قطب الارشاد رشید احمد لکنوی | ۳۹۸ | قطب الدین بن محی الدین دہلوی |
| ۳۵۲ | مولانا محمد اشفاق الرحمن کاندھلوی | ۳۱۳ | شمس الحق بن الشیخ امیر علی | ۳۹۹ | عبدالغنی بن الشاہ ابی سعید مجددی |
| ۳۵۲ | العلامة ماجد علی جنو پوری حنفی | // | احمد حسن بن اکبر حسین امر دہوی | ۴۰۰ | محمد بن احمد اللہ العمری التھانوی |
| // | مولانا محمد اسحاق البردوانی حنفی | ۳۱۴ | محمد یحییٰ بن محمد اسماعیل کاندھلوی | ۴۰۱ | محمد قاسم بن سید علی الصدیقی النانوتوی |
| // | مولانا السید مرتضیٰ حسن چاند پوری | // | مولانا وحید الزماں فاروقی کانپوری | ۴۰۳ | احمد علی بن لطف اللہ السہارنپوری |
| // | مولانا عبدالرحمن امر دہوی حنفی | // | حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن | // | عبدالقیوم بن عبدالحی صدیقی بڑھانوی |
| ۳۵۳ | مولانا السید سراج احمد رشیدی حنفی | ۳۱۶ | مولانا ظلیل احمد بن مجید علی انھوی | ۴۰۴ | امۃ الغفور بنت الشاہ اسحاق |
| // | المفتی سعید احمد صاحب لکھنوی حنفی | // | حافظ محمد احمد بن حضرت نانوتوی | // | تھور علی بن مظہر علی الحسینی تگینوی |
| // | علامہ محمد ابراہیم بلیاوی حنفی | ۳۱۷ | عزیز الرحمن بن فضل الرحمن دیوبندی | // | محمد یعقوب بن مولانا مملوک علی نانوتوی |
| ۳۵۴ | المفتی محمد مہدی حسن الشاہ جہاں پوری | ۳۱۸ | المحدث محمد انور بن محمد معظم شاہ | // | محمد مظہر بن حافظ لطف علی نانوتوی |
| // | شیخ الحدیث محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی | ۳۲۳ | محمد عبدالرحمن بن عبدالرحیم | ۴۰۵ | عبدالحمیٰ بن مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی |
| // | العلامة ظفر احمد تھانوی حنفی | ۳۲۶ | محمد عبدالعزیز بن مولانا محمد نور حنفی | // | مولوی سید صدیق حسن خان |
| ۳۵۵ | مولانا محمد یوسف کاندھلوی حنفی | ۳۲۶ | حکیم الامۃ اشرف علی التھانوی حنفی | ۴۰۷ | احمد ضیاء الدین بن مصطفیٰ لکھنوی |
| ۳۵۶ | مولانا ابوالوفا افغانی حنفی رحمہ اللہ | ۳۲۷ | حسین علی نقشبندی حنفی قدس سرہ | // | مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری |
| // | مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ | ۳۲۸ | السید اصغر حسین دیوبندی حنفی | ۴۰۸ | محمد احسن بن حافظ لطف علی |
| // | مولانا عبید اللہ مبارک پوری | // | مولانا شبیر احمد العثماني دیوبندی | ۴۰۸ | حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی |
| ۳۵۷ | مولانا سید عبداللہ شاہ حیدر آبادی حنفی | // | العلامة الجلیلۃ الشہیر محمد زہد الکوشی | // | قاری عبدالرحمن بن قاری محمدی پانی پتی |
| ۳۵۷ | حالات راقم الحروف سید احمد رضا بجنوری | ۳۲۹ | المفتی کفایت اللہ شاہ جہاں پوری | ۴۰۹ | سید فخر الحسن گنگوہی حنفی |
| ۳۵۹ | مکتوبات و تقاریظ از اکابر | // | شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد دہنی | // | مولانا نذیر حسین بن جواد علی |





پیش لفظ

مقصد تالیف انوار الباری

”انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ اردو میں اپنے اکابر سلف کے حدیثی افادات شرح و بسط کے ساتھ پیش کر دیئے جائیں، صحاح میں سے جامع صحیح بخاری کی اہمیت سب پر ظاہر ہے اسی لئے اس کا انتخاب ہوا مگر شرح حدیث کے وقت دوسری صحاح، مصنفات و مسانید بھی پیش نظر رہیں گی خصوصاً احادیث احکام کے ذیل میں چونکہ آثار صحابہ، فتاویٰ تابعین اور اقوال اکابر محدثین پر بھی نظر ضروری ہے اس لئے ان کو بھی زیادہ سے زیادہ پیش کرنے کی سعی ہوگی۔

اکابر دارالعلوم کی درسی خصوصیت

ہمارے حضرات اساتذہ و اکابر دارالعلوم کی درسی خصوصیات میں یہ بھی نمایاں خصوصیت تھی کہ احادیث احکام کے ذیل میں شرح حدیث کے ساتھ بیان مذاہب اور ہر مذہب کی مؤیدات و مرجحات کا ذکر فرماتے تھے، حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ نے قدیم محدثانہ رنگ کی تجدید فرماتے ہوئے اس طرز تحقیق کو اور زیادہ مستحکم کیا، علامہ رشید رضا مصری جس وقت دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے تھے تو حضرت شاہ صاحب نے اپنی عربی تقریر میں اسی طرز تحقیق کی صراحت و وضاحت بھی فرمائی تھی جس پر علامہ مصری نے غیر معمولی تاثرات کا اظہار فرمایا تھا، اس کی تفصیل مقدمہ ہذا کے حصہ دوم میں حضرت شاہ صاحب کے حالات میں پیش ہوگی، ان شاء اللہ۔

حضرت شاہ صاحب کا درس حدیث

یہاں صرف اتنی بات کہنی ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا درس حدیث قدیم محدثین کے طرز سے ملتا جلتا تھا ان کی نظر زمانہ رسالت، صحابہ و تابعین سے گذر کر ائمہ، مجتہدین و اکابر محدثین سے ہوتی ہوئی اپنے زمانہ تک کے تمام اکابر محققین کے فیصلوں پر ہوتی تھی جس کا صحیح اندازہ آپ کی تالیفات فصل الخطاب، نیل الفرقین، بسط الیوم، کشف الستر وغیرہ سے ہو سکتا ہے، افسوس ہے کہ آپ کی مطبوعہ تقاریر درس ترمذی و بخاری آپ کی تحقیقات عالیہ کے بہت ہی ناقص نقوش ہیں جن میں جامعین کے اخذ و ضبط و اداء کے بھی نقائص و اغلاط ہیں اور مطبعی تصحیفات و اخطاء بھی۔

حضرت شاہ صاحب کا حافظہ بے نظیر اور مطالعہ بہت وسیع تھا، متقدمین و متاخرین کی تمام تصانیف قلمی و مطبوعہ، نظر غور مطالعہ فرماتے تھے، فتح الباری کا مطالعہ خصوصیت سے متعدد بار فرمایا تھا اور اس کی ایک ایک جزئی آپ کے حافظہ و نظر میں تھی، حافظ ابن حجر نے جن چیزوں کا ذکر مقابل کی نظر سے بچانے کیلئے یا کسی دوسری مصلحت سے غیر محل میں کیا ہے ان پر بھی حضرت شاہ کی نظر حاوی تھی اور اس سے جو ابدا ہی میں استفادہ فرماتے تھے، حضرت شاہ صاحب کے حالات کسی قدر تفصیل سے حصہ دوم میں ذکر ہوں گے ان شاء اللہ۔

راقم الحروف کے استفادات

راقم الحروف نے بزمانہ قیام مجلس علمی ڈابھیل دو سال درس بخاری شریف میں حاضر رہ کر حضرت کی تقریر درس قلمبند کی تھی، اس کے علاوہ علامہ نیوی کی ”آثار السنن“ دو جلد پر حضرت نے جو بے نظیر حدیثی تحقیقات خود اپنے قلم مبارک سے لکھی تھیں اس کے بھی کچھ نسخے فوٹو کے ذریعہ مجلس علمی کراچی نے محفوظ کر دیئے ہیں، جس کا ایک نسخہ سرپرست مجلس مذکور محترم و مخلص مولانا محمد میاں صاحب سورتی دام فیضہم نے احقر کو مرحمت فرمایا، ان سب کو پیش نظر رکھ کر اور فتح الباری، عمدۃ القاری، لامع الدراری، امانی الاحبار، الکوکب الدرری، اعلاء السنن وغیرہ کو سامنے رکھ کر ایک مجموعہ افادات اردو زبان میں مرتب کرنے کا خیال ہوا اور بالا قسط شائع کرنیکی قابل عمل تجویز بھی سامنے آئی اس لئے خدا کے بھروسہ پر کام کی ابتداء کر دی گئی۔ وهو المیسر و المتمم و الموفق للصواب والسداد۔

مقدمہ کی ضرورت

شرح بخاری مذکور سے قبل یہ بھی مناسب معلوم ہوا کہ حدیث کی ضرورت و تاریخ مختصر لکھ کر محدثین کا تذکرہ بھی ہو جائے جس سے ہر دور کے اکابر محدثین کا ضروری تعارف ہو۔

حضرت شاہ صاحب کی عادت مبارک تھی کہ وہ اثناء درس میں جا بجا اکابر ائمہ و محدثین و فقہاء کا تعارف کراتے تھے اس لئے موزوں ہوا کہ ابتداء ہی میں ان سب حضرات کا یکجائی تعارف ہو، اگرچہ اثناء شرح میں بھی رجال پر کلام حسب ضرورت ہوتا رہے، دوسری ضرورت یہ بھی ہوئی کہ دوسری صدی کے بعد کے اکثر محدثین نے محدثین احناف کے ذکر اذکار کو نظر انداز کیا اور کچھ حضرات نے ان کی برائیاں بے سند یا جھوٹی اسناد سے بیان کیں۔

ائمہ احناف سے تعصب

ظاہر ہے کہ یہ بات نہ تاریخی اعتبار سے محمود تھی نہ حدیثی تعلق کے تحت گوارا اور سب سے بڑا دینی و علمی نقصان اس کا یہ تھا کہ حدیث کی پر رونق بھری مجلس سے ایک ایسی عظیم موقر جماعت کو باہر کر دیا گیا جن کی حدیثی گرانقدر خدمات کسی طرح بھی نظر انداز کئے جانے کی مستحق نہ تھیں، جیسا کہ آگے آئے گا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بعض مقلین اکابر صحابہ کو بھی ان کے فتاویٰ و احکام فقہیہ کی کثرت کے باعث مکثرین صحابہ میں شامل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کے فتاویٰ و مسائل فقہیہ بھی احادیث و آثار موقوفہ کے حکم میں ہیں تو امام اعظم آپ کے اصحاب اور سینکڑوں تلامذہ محدثین جنہوں نے امام صاحب کی سرپرستی میں ساڑھے بارہ لاکھ فقہی مسائل کی تدوین کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ ﷺ آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین کی روشنی میں کی، پھر ان میں بہت بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو اباب صحاح کے شیوخ اور شیوخ الشیوخ ہیں، ان سب کو محض حسد و عصبیت کی وجہ سے نظر انداز کر دینا کسی طرح بھی موزوں نہ تھا۔

اس شرح کی تالیف کے وقت ہماری قطعی رائے ہے کہ تمام محدثین اولین و آخرین کو ایک نظر سے دیکھنا چاہئے اور اس میں کچھ بھی فرق کرنا حدیث کے مقدس علم پر ظلم کرنا ہے۔

معتدل شاہراہ

تفسیر کتاب اللہ کی طرح شرح معانی حدیث میں جزوی اختلافات ہوئے ہیں، ہو سکتے ہیں لیکن اس اجارہ داری کے زعم باطل کو کسی طرح گوارا نہیں کیا جاسکتا کہ ایک نقطہ نظر تو سراسر حدیث رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہے اور فلاں دوسرا طریق سراسر خلاف ہے، پھر اس غلط طرز فکر میں جو کچھ ترقیات ہوئیں وہ اور بھی زیادہ قابل اعتراض ہیں، پورا مقدمہ تذکرہ محدثین ہر دو حصہ پڑھ کر آپ اندازہ کریں گے کہ ہم نے افراط و تفریط سے ہٹ کر ایک معتدل شاہ راہ سامنے کرنے کی سعی کی ہے۔

صحیح تنقید اور حافظ ابن ابی شیبہ

صحیح تنقید کوئی بری چیز نہیں بلکہ ایک مفید علمی مقبول طریقہ ہے مگر اس کو تعصب، تنگ نظری اور غلط کلام سے خالی ہونا چاہئے، حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ) نے بہترین حدیثی تالیف ”مصنف ابن ابی شیبہ“ آٹھ ضخیم جلدوں میں ابواب فقہیہ پر مرتب کی جس کا مفصل ذکر اسی حصہ مقدمہ میں آپ پڑھیں گے، آپ نے ایک فصل میں امام اعظمؒ کے ۱۲۵ مسائل پر تنقید کی اس میں آپ نے امام صاحب کے خلاف جو احادیث و آثار نقل کئے ہیں، ان کی اسناد میں انقطاع بھی ہے اور ضعیف و مشکوک فیہ رجال بھی ہیں، مگر ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ جتنا کچھ بھی خلاف میں کہا گیا یا کہا جاسکتا ہے سب کو نقل کر دیں اسی لئے انہوں نے کتاب مذکور کے دوسرے ابواب میں بہ کثرت امام صاحب کی تائید میں ایسی احادیث و آثار نقل فرمائے جو مذکورہ بالا احادیث و آثار سے زیادہ قوی اور بہتر پوزیشن میں ہیں، اس سے ان کی نیک نیتی اور پر خلوص تنقید کارنگ نمایاں ہے۔

امام بخاریؒ: مشہور اختلافی مسائل پر بھی انہوں نے کوئی تنقید امام صاحب کے خلاف نہیں کی جس سے ظاہر ہے کہ ان کا مقصد جارحانہ تنقید متعصبانہ نوک جھونک نہ تھی مگر ان کے تلامذہ میں سے امام بخاری آئے تو ان کا تنقیدی رنگ دوسرا ہوا بقول حضرت شاہ صاحب بخاری شریف میں تو کچھ رعایت و مسامحت کا معاملہ بھی ہے، اگرچہ مذہب حنفی کی پوری واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے غلط انتساب اور بے ضرورت تشدد کا وجود ہے، مگر دوسرے رسائل میں تو امام صاحب وغیرہ کے بارے میں سخت کلامی تک پہنچ گئے ہیں۔ امام صاحب اور آپ کے اصحاب کو اہل علم کا درجہ دینے کو بھی تیار نہیں، حالانکہ امام صاحب کے تلامذہ ابن مبارک وغیرہ کی انتہائی تعریف کی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ: اختلاف صرف افضلیت کا تھا جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ کی تصریحات بھی ہم نے اس مقدمہ کے ص ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲ پر نقل کی ہیں اس کی مزید تفصیل امام بخاری کی تالیفات پر تبصرہ کے ضمن میں آئے گی، ان شاء اللہ۔

امام ترمذیؒ و ابوداؤدؒ: پھر کچھ رد عمل ہوا، امام ترمذی آئے تو انہوں نے اہل کوفہ کو نہ صرف اہل علم کے لقب سے نوازا، بلکہ ان کو معانی حدیث کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا طبقہ قرار دیا، امام صاحب کا قول بھی جرح و تعدیل میں نقل کیا اور اپنے استاذ حدیث امام بخاریؒ کا فقہی مذہب بھی نقل نہیں کیا، جس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے شیخ کو اس درجہ سے نازل سمجھتے تھے کہ ان کا مذہب نقل ہو، امام ابوداؤد نے امام اعظم کو ”امام“ کے لقب سے یاد کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ: بقول حضرت شاہ صاحب حافظ ابن حجر سے رجال حنفیہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا اس جملہ کی شرح بھی آپ کو اس مقدمہ میں ملے گی، ہم نے محدثین احناف کی طرف بھی زیادہ توجہ کی ہے تاکہ ان کے صحیح حالات روشنی میں آجائیں، حصہ اول میں ۱۵۱ محدثین کے حالات آسکے حصہ دوم میں امام بخاریؒ سے شروع ہو کر دور حاضر تک تقریباً دو سو محدثین کے حالات آئیں گے، ان شاء اللہ۔

محدثین احناف: محدثین احناف کے تذکروں میں یہ بات اکثر نظر آئے گی کہ ان کے طرز فکر میں احادیث کے ساتھ آثار صحابہ، فتاویٰ تابعین اور اقوال اکابر امت کا پورا لحاظ تھا تعصب و تنگ نظری بھی ان میں نہیں تھی، حدیث کے ساتھ فقہ کو بھی لازم رکھتے تھے، وغیرہ۔

حضرت شاہ صاحب

حضرت شاہ صاحب بھی ان اوصاف کے ساتھ متصف تھے اور آپ کا درس متقدمین محدثین احناف کے درس کا نمونہ تھا۔

حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ

اسی طرز و طریق کو خدا کا شکر ہے کہ آپ کے خصوصی تلامذہ حدیث نے بھی اپنا یا جو اس وقت ہندوستان و پاکستان وغیرہ کے بڑے بڑے علمی مراکز میں درس حدیث محققانہ و محدثانہ طرز سے دے رہے ہیں، ان حضرات کا ذکر خیر حصہ دوم میں ضمن حالات حضرت شاہ صاحب قدس سرہ آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری دام ظلہم

اس موقع پر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب (صدر المدرسین مظاہر العلوم سہارنپور، دام ظلہم العالی) کا ذکر بھی ضروری ہے جن کی حدیثی تالیفات قیمہ سے احقر نے اس مقدمہ میں بھی استفادہ کیا اور انوار الباری میں بھی استفادہ کیا جائے گا، تاکہ اردو جاننے والے باذوق ناظرین بھی آپ کی گرانقدر علمی و حدیثی کوششوں کے نتائج سے بہرہ یاب ہوں۔

آپ نے نہ صرف حضرت گنگوہی قدس سرہ کے علمی حدیثی آثار کو بہترین طرز سے تالیف و ترتیب دے کر محفوظ فرمایا بلکہ اپنے علمی تبحر، وسعت مطالعہ اور کثرت مراجعت کتب سے محدثانہ محققانہ طرز تحریر کے بے شمار کمالات ظاہر کئے ہیں جو اس سے دور کے ”علمی معجزات“ ہیں۔ نفعنا اللہ بعلومہ الممتعة۔ آمین۔

امام اعظم: مقدمہ کے اس حصہ اول میں امام اعظم کے حالات و مناقب ہم نے زیادہ تفصیل سے لئے ہیں، اس لئے تدوین حدیث وفقہ کے ابتدائی دور میں جو گراں قدر خدمات آپ نے کی ہیں وہ بنیادی و اصولی حیثیت رکھتی ہیں اسی لئے، ائمہ متبوعین امام مالک، امام شافعی و امام احمد اور دوسرے اکابر امت سب ہی نے آپ کے عظیم احسانات کا اعتراف کیا ہے اور آپ کی جلالت قدر و عظمت شان کے سامنے سب ہی کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔

محدث شہیر حماد نے محدث کبیر تابعی ایوب سختیانی سے نقل کیا کہ آپ کے سامنے جب کوئی شخص امام صاحب کا ذکر کسی برائی سے کرتا تو فرماتے تھے ”لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھادیں مگر اللہ اس سے انکار کرتا ہے، ہم نے ان لوگوں کے مذہب کو دیکھا ہے جنہوں نے امام ابو حنیفہ پر تنقید کی ہے کہ وہ مذہب دنیا سے ناپید ہو گئے ہیں اور امام صاحب کا مذہب ترقی پر ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔“ (عقود الجواہر المہدیہ)

یہ محدث تابعی تھے اور ارباب صحاح ستہ کے شیوخ ہیں، انہوں نے حضرت امام حسنؒ کو دیکھا ہے اور وہ ان کے حق میں فرمایا کرتے تھے

یہ اشارہ غالباً امام اوزاعی، سفیان ثوری وغیرہ کی طرف ہوگا اور یہ تنقید کی بات ان کے ابتدائی دور کی ہے، آخر میں ان کی غلط فہمیاں امام صاحب کے متعلق باقی نہ رہی تھیں بلکہ وہ امام صاحب کے علم و فضل اور تفوق کے بہت زیادہ قائل ہو گئے تھے، جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی، مگر محدث جلیل شیخ ایوب کو کیا خبر تھی کہ ان کے بعد ایک دور امام بخاری وغیرہ کا بھی آئے گا جو امام صاحب کے تلامذہ میں ہوتے ہوئے اور امام صاحب کے علمی و عملی کمالات و فضائل سے مکمل واقفیت کے اسباب مہیا ہوتے ہوئے بھی امام صاحب کو ہدف طعن و تنقید بنا لیں گے، پھر امام اوزاعی وغیرہ کا مذہب تو کچھ مدت تک رائج بھی ہوا امام بخاری کا مذہب تو ان کے تلمیذ خاص امام ترمذی نے دوسرے مذاہب کے ساتھ ذکر بھی نہ کیا اور دوسرے تلمیذ رشید امام مسلم نے بعض شرائط پر سخت الفاظ میں تنقید بھی کی، امام بخاری کے شیخ اعظم امام حمیدی (صاحب مسند) جو امام اعظم کی تنقید میں بھی امام بخاری کے مقلد تھے وہ فقہ میں امام بخاری کے درجہ پر بھی نہ پہنچ سکے اور اسی کمی کے باعث امام شافعی کی جانشینی سے محروم ہوئے اور نعیم بن حماد خزاعی بن عرعرہ تو امام حمیدی کے مرتبہ تک بھی نہ پہنچ سکے۔

یہ دونوں بھی امام اعظم کی برائیوں میں پیش پیش تھے، ہر انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے، بڑے بڑے جلیل القدر انسانوں سے غلطی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کی لغزشوں سے درگزر کرے اور ان کو اپنی بے پایاں نعمتوں و رحمتوں سے نوازے، آمین۔

کہ ایوب اہل بصرہ کے نوجوانوں کے سردار ہیں، امام شعبہ نے آپ کو سید الفقہاء کا لقب دیا، سب محدثین و ناقدین فن رجال نے آپ کو ثقہ، مثبت فی الحدیث، جامع العلوم، کثیر العلم، حجت اللہ علی الارض کہا، امام مالک نے آپ کو عالمین، عاملین، خاشعین، عباد و خیار سے بتلایا، ابو حاتم نے کہا کہ وہ تو ایسے مسلم ثقہ ہیں کہ ان جیسوں کے بارے میں سوال بھی فضول ہے، آپ کی پیدائش ۶۸ھ میں اور وفات ۱۳۱ھ میں ہوئی۔

غرض امام صاحب کا فضل و تفوق ظاہر و باہر ہے اور اکابر امت کے اقوال آپ کے مناقب و فضائل میں اس قدر ہیں کہ کم از کم مجھ جیسا نااہل تو ان کو اس تطویل کے باوجود بھی جمع کرنے سے قاصر رہا، جتنا مطالعہ کرتا گیا ایک سے ایک شہادت بڑھ چڑھ کر ہی ملتی گئی، کاش امام صاحب کے مناقب پر کوئی جامع کتاب اردو میں تالیف ہو کر شائع ہو جاتی، بعض اہل علم احباب نے اس کا ارادہ بھی کیا ہے اور رقم الحروف نے اپنے پاس سے اس کا مواد اور کتابیں بھی ان کو دے دی ہیں، خدا کرے جلد ایک کامل و مکمل سیرۃ الامام نور نظر بنے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

امام اعظم کے کسی قدر تفصیلی تذکرہ کی طرح ہم نے امام ابو یوسف اور امام محمد کے تذکروں میں بھی زیادہ جگہ لی ہے جن کی اہمیت مطالعہ کے بعد محسوس ہوگی، نیز امام اعظم کے دوسرے شرکاء تدوین فقہ کے حالات بھی کسی قدر مکمل کرنے کی سعی کی ہے۔ اسی طرح حصہ دوم میں امام بخاری کا تذکرہ بھی تفصیلی ہے، پھر دوسرے ارباب صحاح اور صاحب مشکوٰۃ، امام طحاوی، حافظ ابن حجر، حافظ عینی وغیرہ کے تذکرے بھی حسب ضرورت مفصل ہوں گے۔

ائمہ احناف اور مخالفین

حضرت الاستاذ المعظم شاہ صاحب قدس سرہ اس امر سے بہت دلگیر تھے کہ ائمہ حنفیہ اور محدثین احناف کو گرانے کی سعی ہر زمانہ میں کی گئی اور مذہب حنفی کے خلاف ناروا حملے مسلسل ہوتے رہے۔

اس سلسلہ میں درس بخاری کے وقت اکثر حافظ ابن حجر کے تعصب و بے انصافی کا شکوہ فرمایا کرتے تھے امام بخاری کے بارے میں محتاط تھے لیکن آخری سالوں کے درس میں امام بخاری کی زیادتیوں پر بھی تنقید فرمائی اور فرمایا کہ اب ضعف کا وقت ہے صبر کم ہو گیا اور ادب کا دامن چھوٹ گیا، مجھے کہنا پڑا کہ امام بخاری نے اکابر حنفیہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ان کی جرح غیر معتبر ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری کو مذہب حنفی کی پوری واقفیت نہ تھی جس کی وجہ سے باب الحیل وغیرہ میں آئمہ حنفی کی طرف مسائل کا انتساب غلط کیا ہے۔

یہ بھی فرماتے تھے کہ امام ترمذی میں تعصب کم ہے اور انہوں نے جو بیان مذہب کے وقت امام صاحب کا نام نہیں لیا وہ تعصب یا امام صاحب سے کسی کشیدگی کے باعث نہیں ہے (جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ نے سمجھا ہے) بلکہ اس لیے ہے کہ امام ترمذی کو امام صاحب کا مذہب صحیح سند سے نہیں پہنچا۔ دوسرے ائمہ کے مذاہب ان کو سندوں سے مل گئے تھے جن کو اپنی کتاب العلل میں ذکر بھی کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب اور دفاع عن الحنفیہ

حضرت شاہ صاحب کے درسی خصوصیات میں سے یہ بات بہت نمایاں تھی کہ وہ نہ صرف مذہب حنفی کی طرف سے بہترین دفاع کرتے تھے بلکہ تائید مذہب حنفی کے لیے محدثانہ محققانہ طرز سے اونچی سطح کے کافی دلائل و براہین جمع فرمادیتے تھے۔ بعض اوقات خود فرمایا کہ میں نے مذہب حنفی کی بنیادوں کو اس قدر مضبوط و مستحکم کر دیا ہے کہ مخالفانہ و معاندانہ ریشہ دو انیاں بیکار ہو گئی ہیں۔ میرے نزدیک ایک دو مسئلوں کے سوا فقہ حنفی کے تمام مسائل کے دلائل و حجج دوسرے مذاہب سے زیادہ قوی ہیں۔

امام صاحب کی کتاب الآثار اور مسانید

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے موطا امام مالک کو مرتبہ کے اعتبار سے صحاح میں سے اول قرار دیا ہے اور ان کی اصل کہا ہے جب کہ

موسط امام مالک امام اعظمؒ کی وفات کے بعد مدون ہوا ہے اور اس سے پہلے امام صاحب کی کتاب الآثار امام ابو یوسف، امام محمد، امام حسن بن زیاد اور امام زفر کی روایت سے الگ الگ مدون ہو چکی تھیں اسی طرح امام ابو یوسف، امام محمد، امام حسن بن زیاد اور امام حماد بن الامام الاعظم نے امام صاحب سے مسانید کو بھی روایت کیا اور یہ سب بلا واسطہ امام صاحب کے تلامذہ بلکہ آپ کے اخص اصحاب میں سے ہیں اور بظاہر ان سب کی کتب آثار و مسانید امام صاحبؒ کی زندگی میں تیار ہو گئی تھیں اور ان ہی کتابوں اور دوسری کتب مدونہ فقہیہ کے بارے میں یہ نقل ہوا ہے کہ امام مالکؒ امام صاحبؒ کی کتابوں کی تلاش کرتے اور ان میں نظر کرتے تھے، امام مالکؒ کا امام صاحب سے حدیث میں تلمذ اور روایت بھی ثابت شدہ ہے۔ (ملاحظہ ہو اقوام المسالک للکوثری)

یہ بھی صحیح طور سے نقل ہے کہ امام مالکؒ نے ۶۰ ہزار مسائل امام اعظمؒ کے مدونہ حاصل کئے تھے۔ ان سب امور پر نظر کی جائے تو موسط امام مالکؒ کی اصل امام صاحبؒ کی کتب آثار اور مسانید کو قرار دینا چاہئے۔

مسانید امام کی عظمت

آگے مقدمہ ہی میں یہ امر بھی ذکر ہو گا کہ امام صاحبؒ کی مسانید بڑے بڑے محدثین بڑی عظمت و وقعت کے ساتھ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور امام شعرانی نے بڑے فخر و مسرت کے ساتھ بیان کیا کہ میں امام اعظمؒ کے چند مسانید کی زیارت سے مشرف ہوا جن پر بہت سے حفاظ حدیث کے تصدیقی دستخط تھے اور ان کی اسناد بہت قوی ہیں، ان کے رجال سب ثقہ ہیں کوئی شخص بھی ان میں سے متہم بالکذب نہیں ہوا اور وہ اسناد رسول اکرم ﷺ سے بہت قریب ہیں۔ وغیرہ۔

امام صاحب سے وجہ حسد

در حقیقت امام صاحب اور آپ کے اصحاب و تلامذہ کے یہ امتیازات و تفویقات ہی ان سے حسد کا بڑا باعث بن گئے اور حاسدین و معاندین کی نظر میں ایک یہی سلوک ان سب حضرات کے حق میں موزوں و مزین ہو گیا کہ ان کی وقعت و شان کو پوری کوشش سے گرا دیا جائے اور پھر جو کچھ ناروا سلوک بعد کے بعض کوتاہ اندیش لوگوں کی طرف سے ان کے ساتھ کئے گئے ان کا ذکر جا بجا ”تذکرہ محدثین“ حصہ اول و دوم میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

”اہل الرائے“ کا پروپیگنڈا

امام صاحبؒ اور آپ کے جلیل القدر اصحاب و تلامذہ کے بارے میں ایک بہت ہی سخت مخالفانہ پروپیگنڈا یہ کیا گیا کہ وہ اصحاب الرائے ہیں اور اس کا مطلب یہ باور کرایا گیا کہ انہوں نے احادیث و آثار کے مقابلہ میں قیاس و رائے کا استعمال کیا ہے حالانکہ یہ بھی ایک حربہ تھا جس کا مقصد اس مقدس جماعت خادم حدیث و سنت کے خلاف نفرت و عداوت پیدا کرنی تھی۔ اس زہر کا تریاق بھی ”تذکرہ محدثین“ میں جا بجا ملے گا اور واقعات و حالات سے اسکی غلطی نمایاں کی جائے گی۔

محدث خوارزمی کا جواب

محدث خوارزمی نے مقدمہ جامع المسانید میں بھی خطیب کا رد کرتے ہوئے مختصر علمی پیرایہ میں چند اچھے جوابات پیش کئے ہیں۔ مثلاً۔
فرمایا کہ حدیث کے مقابلہ میں عمل بالرائی کا طعن امام صاحب کو وہی شخص دے سکتا ہے جو فقہ سے نابلد ہو، اور جس کو فقہ سے کچھ بھی

۱۔ امام شعرانی کا ہر جملہ قابل توجہ ہے خصوصاً امام صاحبؒ کے مسانید کا حفاظ حدیث کی توجہات کا مرکز بننا اور ان پر ان کے توشیحی دستخطوں کا ہونا، ان جملوں کی تائید مادحین امام اعظمؒ کے ان بیانات سے بھی ہوگی جو اس مقدمہ کے ص ۹۳ سے ص ۱۱۲ تک مذکور ہیں اور ص ۵۷ تا ص ۶۱ امام صاحب کے تفوق حدیث پر جو اکابر محدثین کے اقوال نقل ہوئے ہیں وہ بھی پیش نظر رکھے جائیں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم

مناسبت ہوگی اور ساتھ ہی انصاف کرنا چاہے گا تو اس کو اس امر کے اعتراف سے ہرگز چارہ نہیں کہ امام صاحبؒ سب سے زیادہ احادیث کے عالم اور ان کا اتباع کرنے والے تھے اور ان لوگوں کے زعم باطل پر چند دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ امام صاحبؒ احادیث مرسلہ کو حجت قرار دیتے ہیں اور ان کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں جب کہ امام شافعیؒ کا عمل اس کے برعکس ہے۔ (پھر بھی بدنام حنفیہ کو کیا جاتا ہے)

۲۔ قیاس کی چار قسمیں ہیں۔ قیاس مؤثر، قیاس مناسب، قیاس شبہ، قیاس طرد۔

امام اعظمؒ اور آپ کے اصحاب نے قیاس شبہ و مناسبت دونوں کو باطل قرار دیا۔ قیاس طرد میں امام صاحب اور آپ کے بعض اصحاب کا اختلاف ہے کہ بعض اصحاب نے اس کو بھی رد کر دیا ہے۔ اب صرف ایک قسم قیاس مؤثر کی رہی جس کو سب نے حجت کہا۔ حالانکہ امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ قیاس کی چاروں اقسام مذکورہ حجت ہیں اور قیاس شبہ کا استعمال تو وہ بکثرت کرتے ہیں (پھر بھی بدنام و معطون حنفیہ ہیں)۔

۳۔ امام اعظمؒ احادیث ضعیفہ کو بھی قیاس کے مقابلہ میں حجت سمجھتے ہیں جیسے نماز میں قہقہہ کو انہوں نے ضعیف حدیث کی وجہ سے ناقض وضوء کہا حالانکہ خلاف قیاس ہے اور امام شافعیؒ اس کے برعکس قیاس پر عمل کرتے ہیں (پھر بھی خطیب وغیرہ نے استعمال قیاس کا طعنہ امام صاحب وغیرہ کو دیا)۔

۴۔ بہت سے مسائل میں مخالفین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحبؒ نے قیاس کی وجہ سے احادیث کو ترک کر دیا۔ حالانکہ یہ بھی ایک مغالطہ ہے کیونکہ وہاں امام صاحبؒ نے قیاس کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسری رائج احادیث کی وجہ سے مرجوح احادیث پر عمل ترک کیا ہے اس کی بہت سی مثالیں بھی محدث خوارزمی نے لکھی ہیں۔

پھر آخر میں لکھا کہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب پر ”حدیث کو ترک کر کے عمل بالقیاس والرائے کا الزام“ سراسر بہتان و افتراء ہے۔ یہ حضرات اس الزام سے قطعاً بری ہیں اور یہ حضرات قیاس پر عمل صرف اس وقت کرتے ہیں جب کسی مسئلہ میں فیصلہ کے لیے حدیث رسول اکرم ﷺ بالکل موجود نہ ہو۔ (جامع المسانید ص ۱/۴۱ تا ص ۱/۵۳)

امام اعظم اور تدوین قانون اسلامی کا بے نظیر کارنامہ

افسوس ہے کہ امام اعظمؒ اور آپ کے ۴۰ شرکاء تدوین فقہ، اکابر محدثین نے جو فقہ اسلامی کی تدوین کا بینظیر تاریخی کارنامہ سرانجام دیا تھا اس کو بے وقعت بنانے کے لیے غلط کوششیں کی گئیں اور اس کی وجہ سے دور خیر القرون کی حدیث و فقہ کی ایک بے مثال عظیم الشان خدمت اپنے صحیح تعارف سے محروم ہو گئی جس کی کچھ تلافی ہم نے اس مقدمہ میں کی ہے۔

امام بخاری کا شکوہ اور جواب شکوہ

امام بخاری نے اپنے رسائل میں شکوہ کیا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ بعد کے لوگوں کی تقلید کرنے لگے حالانکہ پہلے زمانہ میں لوگ الاول فالاول کا اتباع کرتے تھے جس کا اشارہ بظاہر امام صاحب اور آپ کے اصحاب کی طرف ہے لیکن انصاف کیا جائے کہ امام صاحب سے پہلے کا دور صحابہ کرام کا تھا جو سب ہی بتصریح حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الف الف تحیات و تسلیمات عدول اور متبوع تھے لیکن ان کے زمانہ میں کسی فقہ اسلامی کی تدوین نہ ہو سکی تھی بلکہ احادیث کی تدوین بھی پوری طرح بعد ہی میں ہوئی۔ تدوین حدیث کے ساتھ ہی امام اعظمؒ نے سینکڑوں ہزاروں ائمہ حدیث کی موجودگی میں اپنے تلامذہ و اصحاب مجتہدین و کبار محدثین کی مدد سے فقہ اسلامی کو مدون کیا جس پر اسی وقت سے ساری اسلامی دنیا نے عمل بھی شروع کر دیا اور عباسی خلفاء نے باوجود ذاتی مخالفت امام اعظمؒ وغیرہ کے بھی اسی کو اسلامی قانون کی پوزیشن دی اور آگے کبھی کوئی آواز خلاف میں اٹھی تو اس کا دفاع بھی خود ہی کیا۔

ان واقعات کی تفصیل اور اس وقت کی اسلامی دنیا کتنی وسیع تھی یہ سب امور بھی مقدمہ میں آئیں گے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ امام صاحب کی حیثیت دور تا بعین میں سر تاج فقہاء و محدثین کی تھی پھر اس پر ان کا تدوین فقہ کا کارنامہ عظیم سونے پر سہاگہ ہو گیا۔

ایسے حالات میں اگر آپ کی تقلید و اتباع لوگوں نے کی تو کیا برا کیا۔ مقلد ہونے کے لیے جس جامعیت کاملہ کی ضرورت تھی وہ شخصیت سب سے پہلے آپ ہی کی سامنے آئی اس لیے اول سے اول بھی آپ ہوئے، آپ کے بعد آپ کے اصحاب و خصوصی تلامذہ دوسرے درجہ میں قابل اتباع تھے، تیسرے درجہ میں آپ کے تلامذہ امام شافعی، امام احمد، امام بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ ہوئے۔

اس لیے اگر لوگوں نے امام صاحب وغیرہ کو الاول فالاول سمجھ کر تقلید کی اور بعد کے حضرات کی نہ کی تو امام بخاری ہی کے اصول سے صحیح کام کیا امام صاحب سے پہلے صحابہ کرام اور رسول اکرم سرور کائنات ﷺ تھے جن کا اتباع امام صاحب اور آپ کے اصحاب نے جزئی جزئی میں پوری طرح کیا ہے اس لئے امام صاحب کا اتباع بعینہ ان کا اتباع ہے۔ یہ طعن کسی طرح بھی درست نہیں کہ آپ کا اتباع کرنے والوں نے آپ کے پیشروؤں کو چھوڑ دیا۔

تذکرہ محدثین کا مقصد

غرض اس مقدمہ انوار الباری موسومہ ”تذکرہ محدثین“ میں جہاں یہ مقصود ہے کہ کبار محدثین کے صحیح حالات سے روشناس کرایا جائے وہاں یہ بھی خیال ہے کہ بہت سی غلط فہمیاں بھی رفع بھی کر دی جائیں جو حدیث، فقہ اور خصوصیت سے فقہ حنفی وغیرہ سے متعلق پیدا کر دی گئی ہیں۔ واللہ المستعان۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف کو نہایت افسوس ہے کہ بعض اپنے اکابر کے کچھ ناپسندیدہ واقعات و حالات بھی لکھنے پڑے جن کی کسی مسئلہ کی تنقیح یا دوسرے اکابر سے دفاع کے لئے ضرورت پیش آئی، اگرچہ اس میں بھی اپنے اکابر ہی کا اتباع کیا گیا ہے اور الحمد للہ علی قدر مراتب سب ہی کے علمی و عملی کارناموں کی زیادہ سے زیادہ قدر و منزلت دل میں ہے مگر خطا و لغزش سے کون پاک ہے۔ الا من عصمه الله و یغفر الله لی و سائر المؤمنین۔

جن کتابوں سے تذکرہ محدثین میں مدد لی گئی ہے ان میں سے کچھ اہم کتابیں حسب ذیل ہیں۔

- | | | |
|---|--|---|
| ۱- مناقب امام اعظم، علامہ موفی | ۲- ایضاً، علامہ کردری | ۳- جامع مسانید الامام اعظم، للبخوارزمی |
| ۴- الجواہر المہدیہ، للعلامة القرشی | ۵- تہذیب التہذیب، للحافظ ابن حجر | ۶- تقریب التہذیب، ایضاً |
| ۷- تجلیل المنفعة، ایضاً | ۸- مقدمہ فتح الباری، ایضاً | ۹- مقدمہ فتح المسلمین، للشیخ العثمائی |
| ۱۰- مقدمہ لامع الدراری، للشیخ الحدیث السہارنپوری عم فیضہم | ۱۱- مقدمہ اوجز المسالک | ۱۲- مقدمہ ابن ماجہ، علامہ عبدالرشید نعمانی عم فیضہم |
| ۱۳- مناقب الائمہ، للذہبی | ۱۴- تذکرۃ الحفاظ، للذہبی | ۱۵- تہذیب الصحیفہ، للسیوطی |
| ۱۶- الخیرات الحسان، للعلامة ابن حجر مکی | ۱۷- بستان الحدیث، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب | ۱۸- حدائق الحنفیہ، للعلامة فقیر محمد صاحب جہلمی |
| ۱۹- تانیب الخطیب، للعلامة کوثری | ۲۰- بلوغ الامانی، للعلامة کوثری | ۲۱- حسن التقاضی، للعلامة کوثری |
| ۲۲- الامتاع، للعلامة کوثری | ۲۳- لغت النظر، للعلامة کوثری | ۲۴- الحاوی، للعلامة کوثری |
| ۲۵- التکت الطریفہ، للعلامة کوثری | ۲۶- ابو حنیفہ، ابو زہرہ مصری | ۲۷- الانتقاء، علامہ ابن عبدالبر مالکی |
| ۲۸- جامع بیان العلم و فضلہ، علامہ ابن عبدالبر مالکی | ۲۹- فوائد بہیہ، حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی | ۳۰- طبقات الشافعیہ الکبریٰ، للسیکی |
| ۳۱- تاریخ ابن خلکان | ۳۲- نزہۃ الخواطر، مولانا عبدالحی الحسنی | |

جو کتابیں شرح بخاری شریف کے وقت پیش نظر ہیں انہیں میں سے چند اہم یہ ہیں

- ۱- عمدۃ القاری شرح البخاری، للحافظ بدر الدین عینی (قاضی القضاة) ۲- فتح الباری شرح البخاری، للحافظ ابن حجر عسقلانی ۳- تیسیر القاری شرح البخاری، للشیخ نور الحق بن الشیخ عبد الحق المحدث دہلوی ۴- شرح البخاری، شیخ الاسلام سبط الشیخ عبد الحق المحدث دہلوی ۵- ارشاد الساری شرح البخاری، للقسطلانی ۶- ہجۃ النفوس شرح البخاری، للحافظ ابن ابی جرہ ۷- روح التوشیح علی صحیح البخاری، للشیخ علی بن سلیمان الدنقنی الجمعی ۸- شروح البخاری، للنووی وغیرہ ۹- فتح الملہم شرح صحیح المسلم، للشیخ المحدث الحدیث علامہ شبیر احمد العثماني ۱۰- عقود الجواہر المنیفہ، للسید المحدث مرتضیٰ الحسینی ۱۱- الحواشی علی جامع الصحیح، للشیخ علامہ احمد علی السہارنپوری و حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی ۱۲- العرف الشذی علی جامع الترمذی، امالی درس حافظ حدیث علامہ محمد انور شاہ لکھنوی ۱۳- فیض الباری علی صحیح البخاری، امالی درس حافظ حدیث علامہ محمد انور شاہ لکھنوی ۱۴- انوار المحمود علی سنن ابی داؤد، امالی حضرت شیخ الہند و علامہ کشمیری ۱۵- انوار السنن للشیخ النیوی مع تعلیقات غیر مطبوعہ علامہ کشمیری ۱۶- امالی درس بخاری شریف علامہ کشمیری، ضبط کردہ مرتب انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری ۱۷- بذل المنجود شرح ابی داؤد، للشیخ الحافظ الحجہ مولانا خلیل احمد السہارنپوری ۱۸- لامع الدراری علی جامع البخاری، امالی درس الحافظ الحجہ الشیخ الکنکوہی مع تعلیقات نفسیہ حضرت شیخ الحدیث السہارنپوری ۱۹- الکوکب الدرری علی جامع الترمذی، امالی درس الحافظ الحجہ الشیخ الکنکوہی مع تعلیقات نفسیہ حضرت شیخ الحدیث السہارنپوری ۲۰- اوجز المسالک شرح الموطا للامام مالک، مؤلفہ حضرت العلام شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا السہارنپوری عم فیضہم ۲۱- امالی الاحبار شرح معانی الآثار، مؤلفہ حضرت الشیخ محمد یوسف امیر المبلغین السہارنپوری عم فیضہم ۲۲- الجواہر النقی فی الرد علی البیہقی، للحافظ الحجہ الشیخ علاؤ الدین مارذینی (ابن الترمذی) ۲۳- جامع مسانید الامام اعظمؑ، للمحدث الخوارزمی ۲۴- کتاب الآثار، للامام ابی یوسف ۲۵- کتاب الآثار، للامام محمد بن الحسن۔

آخری گزارش اور شکر یہ

امید ہے کہ ”پیش لفظ“ کے اشارات مذکورہ سے آنے والے مقدمہ ”تذکرہ محدثین کی نوعیت و اہمیت واضح ہو گئی ہوگی، مقدمہ کا دوسرا حصہ شائع ہو کر جلد ہی شرح بخاری شریف کا پہلا پارہ پیش ہوگا جس کا محترم ناظرین کو بڑا اشتیاق ہے، مقدمہ انوار الباری کی تاخیر اشاعت سے جس کا واحد سبب کاتب صاحب کے اعذار ہوئے، راقم الحروف کو غیر معمولی ندامت و ملال ہے۔

لیکن یوں بھی کسی تحقیقی کام میں وقت صرف ہوتا ہے، دوسری رکاوٹیں بھی پیش آتی ہیں، اس لئے محترم ناظرین خصوصاً ان اکابر و احباب سے جنہوں نے اس کام میں میری ہمت افزائی کی ہے گزارش ہے کہ وہ میری طرف سے پوری طرح اطمینان کریں کہ میں اس کی تکمیل تک پوری کوشش و صرف ہمت سے دریغ نہ کروں گا اور اشاعت کا سلسلہ بھی ان شاء اللہ العزیز بہت جلد باقاعدہ ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں اپنے مخلص احباب اور بزرگوں سے خصوصی دعاؤں کا بھی متمنی ہوں اور انکی توجہات خاصہ کا بدل ممنون رہوں گا۔

والسلام علی من التبع الہدی۔

احقر سید احمد رضا عفا اللہ عنہ

دیوبند- ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ تقریباً ۱۹۶۱ء



احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حجیت

اور دوسرے تمہیدی مباحث

کتاب اللہ اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید حق تعالیٰ کا ایک منضبط و جامع قانون ہدایت ہے جس کی تمام تصریحات و اشارات واجب العمل ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کا کلام بھی ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، اس کو زیادہ سمجھنے والے مقررین بارگاہ سلطانی ہوتے ہیں، پھر درجہ بدرجہ دوسرے طبقوں کے لوگ سمجھتے ہیں، اسی پر اس کلام مقدس و معظم کو قیاس کر لیجئے جو سارے جہانوں کے بادشاہوں کے شہنشاہ اعظم کا کلام بلاغت نظام ہے، اسی لئے اس کا مخاطب اولیٰں اس ذات بابرکات سے ہوا جو اولین و آخرین کا سردار اور تمام علمی و عملی کمالات کا مظہر اتم تھا جو سارے انبیاء سے پہلے نبی تھا اور سب کے مدارج و احکام کا خاتم و ناسخ بھی وہی ہوا، جو دنیا والوں کی اصطلاح سے ”امی“ تھا مگر علام الغیوب نے اپنی شان کریمی سے اس کو وہ علوم عطا فرمائے تھے جو اس سے پہلے کسی کو القاء نہیں کئے گئے اور جس پر اس کا فضل سب سے زیادہ تھا۔

یہی وہ علوم نبوت تھے جن کی بناء پر قرآن مجید جیسی جامع کتاب اللہ کی تبلیغ و تفہیم کا فرض آپ کو سونپا گیا اور ارشاد ہوا وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم (ترجمہ) آپ کی طرف خدا کے ذکر و تذکیر کی یہ عظیم الشان کتاب اسی لئے بھیجی گئی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اس کے ارشادات اچھی طرح وضاحت کر کے سمجھائیں۔

خیال کیجئے کہ ایک نبی امی کو اپنی افضل ترین اور عظیم ترین جلیل القدر کتاب کی تبیین و وضاحت کی خدمت سپرد کی گئی پھر بھی اگر کوئی کہے کہ حضور اکرم ﷺ قرآن مجید کو امت تک پہنچانے کے لئے صرف واسطہ محض تھے اور اس کو سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں تو اس کو عقلی فساد کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

پھر اسی پر بس نہیں، اسی قرآن مجید میں آپ کو معلم کتاب و حکمت بھی فرمایا گیا، کیا معلم کی حیثیت صرف قاری و قاصد کے درجہ میں ہوتی ہے؟ درحقیقت معلم کے لفظ سے آپ کی خصوصی شان رسالت نمایاں ہے۔

عملی طور سے آپ کی شان رفیع کو اتنا اونچا کیا گیا کہ آپ کے اسوۂ حسنہ کو کامل و مکمل اتباع و اطاعت خداوندی کا معیار بنایا، تحلیل طیبات اور تحریم خباث کی نسبت آپ کی طرف فرما کر آپ کے خصوصی منصب رسالت اور اعلیٰ مقام نیابت و خلافت خداوندی کی طرف اشارہ ہوا۔ تمام اختلافات میں آپ ہی کو آخری حکم اور قاضی القضاۃ کا درجہ پوری وسعت قلب و انشراح صدر کے ساتھ تسلیم کرنا ہر امتی کا فرض قرار دیا گیا۔

حق تعالیٰ نے اپنی ذات پر ایمان لانے کے حکم کے ساتھ آپ پر ایمان لانے کا حکم فرمایا اور اپنی اطاعت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کا حکم فرمایا اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے مرادف قرار دیا۔

تدوین حدیث قرن اول میں؟

مذکورہ بالا بیان سے حدیث رسول اللہ کی حجیت اور اس کا تشریحی مرتبہ واضح ہوا، حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں چونکہ قرآن مجید کی جمع و کتابت کا اہتمام زیادہ ضروری تھا، اس لئے اسی کو لکھا گیا اور ابتداء میں حدیث کی کتابت سے بھی روکا گیا، تاکہ قرآن و حدیث میں اختلاط نہ ہو جائے، دوسرے اس لئے بھی اس کی ضرورت نہ تھی کہ صحابہ کے حافظے قوی تھے، جو احادیث انہوں نے سنی تھیں ان کے سینوں میں محفوظ تھیں، ان کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں تھا، اس لئے صرف لکھنے کی ممانعت کی تھی، زبانی طور سے ایک دوسرے کو حدیث روایت کرنے کی ممانعت نہ تھی، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”کہ مجھ سے سنی ہوئی چیزوں میں سے سواء قرآن کے کچھ مت لکھو اور جو کچھ کسی نے لکھ لیا ہو اس کو مٹا دے، البتہ مجھ سے حدیث کی روایت زبانی کر سکتے ہو اس میں کچھ حرج نہیں اور جو شخص میری طرف جھوٹ بنا کر حدیث منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔“

قرون ثلاثہ

واضح ہو کہ قرون ثلاثہ سے وہ قرون مراد ہوتے ہیں جن کی بابت سرور کائنات علیہ الصلوٰت والتسلیمات نے سب زمانوں سے بہتر و برتر ہونے کی شہادت دی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ان تین قرن کے بعد جھوٹ کی کثرت ہوگی، قرن اول سے مراد زمانہ بعثت مبارکہ سے ۱۱ھ تک کا زمانہ ہے جو عہد رسالت و عہد صحابہ کہلاتا ہے، قرن دوم ۱۱ھ سے ۶۰ھ تک ہے جو عہد تابعین ہے، قرن سوم ۶۰ھ سے ۲۲۰ھ تک ہے بعض حضرات مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ نے قرن سوم کی مدت ۲۶۰ھ تک قرار دی ہے۔

اجازت کتابت حدیث

اس کے بعد جب قرآن مجید کے حفاظ صحابہ میں کثرت سے ہو گئے اور قرآن کے ساتھ غیر قرآن کے اختلاط کا اندیشہ باقی نہ رہا تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے کتابت حدیث کی بھی اجازت فرمادی تھی، چنانچہ حضور ﷺ کے زمانہ میں حدیث کے نوشتوں کا بھی وجود ملتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں کچھ احادیث لکھی ہوئی تھیں اور بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک روز طویل خطبہ دیا جس میں حرم مکہ کا بھی بیان تھا، راوی حدیث مذکور ابو ہریرہؓ نے بتلایا کہ ایک یمنی شخص نے حضور علیہ السلام سے درخواست کی کہ یہ میرے لئے لکھوادیتے، آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کے لئے لکھ دو۔ ابو ہریرہؓ ہی بخاری کتاب العلم میں راوی ہیں کہ مجھ سے زیادہ کسی کو صحابہ میں سے احادیث یاد نہ تھیں سواء عبد اللہ بن عمروؓ کے کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

اور ان ہی عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ میں حضور علیہ السلام سے جو کچھ بھی سنتا تھا سب لکھ لیا کرتا تھا تو ایک دفعہ قریش نے مجھے روکا کہ تم حضور ﷺ کی ہر خبر سن کر لکھ لیتے ہو حالانکہ حضور بشر ہیں، کبھی آپ حالت غضب میں بھی کلام کرتے ہیں جیسا کہ حالت رضا میں، مطلب یہ تھا کہ حالت غضب کا کلام نہ لکھنا چاہئے، میں نے اس کے بعد لکھنا چھوڑ دیا اور حضور ﷺ سے یہ بات عرض کی، اس پر آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم لکھا کرو اقسام ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھ سے کوئی بات سوائے حق کے صادر نہیں ہوتی۔

ایک روایت علامہ ابن عبد البر نے بھی جامع بیان العلم میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد

فرمایا ”علم کو لکھ کر محفوظ کرو“ اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث وارد ہیں، جو سنن دارمی اور جامع بیان العلم میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

نشر و اشاعت حدیث

اوپر کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ گو کتابت حدیث کا سلسلہ عہد رسالت میں شروع ضرور ہو گیا تھا مگر عام طور سے اس کا رواج نہیں ہوا اور نہ توین حدیث اس دور میں ہو سکی بلکہ خلفائے راشدین کے عہد میں بھی نہیں ہوئی البتہ موافق فرمان رسالت تحدیث و روایت کے ذریعہ احادیث کی نشر و اشاعت کا اہتمام برابر صحابہ میں رہا، کیونکہ حضور ﷺ ترویج سنت و اشاعت کی ترغیب فرمایا کرتے تھے۔

ایک بار جب وفد عبدالقیس حاضر خدمت ہوا اور آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم فرمایا اور چار باتوں سے منع فرمایا تو یہ بھی فرمایا کہ ان باتوں کو یاد کر لو اور دوسرے لوگوں کو بھی پہنچا دو۔ (بخاری باب اداء النہی عن الایمان)

ایک مرتبہ فرمایا ”خدا اس بندے کو خوش عیش کرے جو میری بات سن کر یاد کر لے اور دوسروں تک پہنچائے کیونکہ بہت سی دین کی سمجھ کی باتیں کم سمجھ والے کے پاس ہوتی ہیں وہ دوسرے زیادہ سمجھ والے کے پاس پہنچ جائیں تو اس کو زیادہ نفع ہو سکتا ہے (مشکوٰۃ کتاب العلم)

صحابہؓ میں مکثرین و مقلین

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کثرت سے روایت حدیث کرنے والے بھی تھے اور کم روایت کرنے والے بھی، مگر کبار صحابہ میں اکثریت ان ہی حضرات کی ہے جو روایت حدیث کی اہم ترین ذمہ داریوں کے شدید احساس کی وجہ سے اس سے احتراز کرتے تھے۔

قلت روایت

(حضرت عثمانؓ) ابن سعد اور ابن عساکر نے عبدالرحمن بن حاطب سے روایت کی کہ صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ سے زیادہ بہتر طریقہ پر حدیث بیان کرنے والا کوئی نہ تھا اور وہ جب کوئی حدیث بیان کرتے تو پوری پوری نقل کیا کرتے تھے مگر وہ بہت کم روایت کرتے تھے، کیونکہ ڈرتے تھے۔

حضرت زبیر بن العوام

بخاری میں ہے کہ حضرت زبیر بن العوامؓ سے پوچھا گیا کہ آپ دوسروں کی طرح کثرت سے روایت حدیث کیوں نہیں کرتے؟ تو فرمایا کہ ”میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت سے جدا نہیں رہا (یعنی اوروں سے زیادہ یا ان کے برابر حدیث روایت کر سکتا ہوں، مگر میں نے حضور ﷺ سے حدیث من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار سنی ہے“ یعنی اس کی وجہ سے ڈرتا ہوں اور کم روایت کرتا ہوں۔

حضرت عمرؓ

آپ سے لوگوں نے درخواست کی کہ حدیث بیان کیجئے، فرمایا اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ حدیث میں مجھ سے کمی بیشی ہو جائے گی تو میں تم سے ضرور حدیث بیان کرتا۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت ابن مسعودؓ

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں ہے کہ وہ الفاظ کی کمی بیشی کے ڈر سے روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے اور بہت کم روایت کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی روایت حدیث میں بہت زیادہ احتیاط کی تاکید فرمایا کرتے تھے ابو عمرو شیبانی سے نقل ہے کہ میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر رہا، دیکھا کہ شاذ و نادر کبھی حضور اکرم ﷺ کی طرف نسبت کر کے حدیث

بیان کرتے تھے تو ان پر خوف و خشیت کے باعث کچھ ہی طاری ہو جاتی تھی اور فرماتے کہ ایسا ہی یا اسی جیسا یا اسی کے قریب حضور نے ارشاد فرمایا تھا، خوف کا سبب یہ تھا کہ مبادا حضور کی طرف کسی جھوٹ یا غلط بات کی نسبت ہو جائے اور وہ جھوٹ پھیل جائے۔

حضرت امام اعظمؒ

تقریباً یہی حال امام اعظمؒ کا بھی تھا کہ وہ بھی ان اکابر صحابہ کی طرح غلبہ خشیت اور غایت ورع کی وجہ سے روایت حدیث سے بہت احتراز کرتے تھے اور روایت حدیث کی سخت شرائط رکھتے تھے جو دوسرے ائمہ اور بعد کے محدثین کے یہاں نہیں تھیں، اس کی تفصیل ہم امام صاحب کے حالات میں کریں گے۔

صحابہ میں کثرت روایت

دوسری طرف حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ صحابہ بھی تھے جو بڑی کثرت سے روایت حدیث کرتے تھے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی کثرت روایت پر تو کچھ کو اعتراض بھی ہوا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے بڑی کثرت سے احادیث روایت کر دی ہیں، اگر قرآن مجید میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں ایک حدیث بھی روایت نہ کرتا، پھر وہ آیات تلاوت کرتے جن میں حق تعالیٰ نے کتمان حق و ہدایت پر وعید فرمائی ہے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ ہمارے بھائی مہاجرین تو بازاروں میں کاروبار کرتے تھے اور انصار بھائی اپنے دھندوں میں پھنسے رہتے تھے ایک ابو ہریرہؓ تھا جس کو اپنے پیٹ کے لئے کچھ کھانے کو مل گیا تو غنیمت ورنہ اس سے زیادہ کی فکر بھی نہ تھی، بس اس کا بڑا کام یہی تھا کہ حضرت رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہا جائے، اس کے سامنے وہ باتیں آتی تھیں جو دوسروں کے سامنے نہ آتی تھیں اور اسی لئے وہ ان چیزوں کو حضور اکرم سے یاد کر لیا کرتا تھا جو دوسرے نہیں کر سکتے تھے۔

صحابہ میں فقہاء و محدثین

صحابہ میں دو قسم کے حضرات تھے، ایک وہ جو ہمہ وقت حفظ حدیث اور اس کی روایت میں لگے رہتے تھے اور دوسرے وہ تھے جو نصوص میں تدبر اور غور و فکر کر کے ان سے احکام جزئیہ نکالتے تھے اور استنباط و تفقہ پر ہی پوری طرح صرف ہمت کرتے تھے اور یہ لوگ احادیث کو پورے مثبت و تحقیق اور مسلمہ قواعد شریعت پر جانچنے کے بعد معمول بہا بناتے تھے۔

فقہاء کی افضلیت

چنانچہ علامہ ابن قیم نے ”ابواب الصیب فی الکلم الطیب“ میں حدیث صحیح بخاری مثل ما بعثنی اللہ تعالیٰ بہ من الہدی والعلیم کمثل غیث اصواب ارضا مثل من فقہ فی دین اللہ تعالیٰ الحدیث نقل کی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے اپنے علوم نبوت و ہدایت کی مثال بارش سے دی ہے جو بہترین قابل زراعت و زرخیز زمین پر برسے، کہ باران رحمت سے پوری طرح سیراب ہو کر خوب گھاس دانہ اور پھل پھول اگائے اور سب کو اس سے نفع پہنچے۔

ایسے ہی میری امت کے وہ لوگ ہیں جو علوم نبوت سے سیراب ہو کر دوسروں کو اپنی علمی صلاحیتوں، اجتہادی و استنباطی مسائل نصوص شرعیہ سے اخذ کر کے دوسروں کو تعلیم دیں، یہ لوگ زمین مذکور کی طرح خود بھی ممتنع ہوئے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچایا، دوسری قسم زمین کی وہ ہے کہ بارش کا پانی اس میں جذب نہ ہو سکا نہ وہ زمین قابل کاشت ہوئی البتہ اس میں وہ پانی رکا رہا اور اس جمع شدہ پانی سے دوسروں نے نفع اٹھایا۔ ایسے ہی میری امت کے وہ لوگ جنہوں نے علم کی باتیں حاصل کیں اور دوسروں کو پہنچا دیں جنہوں نے دینی فہم و سمجھ زیادہ ہونے کی وجہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔

تیسری قسم زمین کی وہ بجز زمین ہے جو نہ قابل کاشت ہی ہے اور نہ وہاں پانی ٹھہر سکتا ہے کہ دوسروں کے کام آئے، ان کی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے خود بھی علوم نبوت و ہدایت سے فائدہ حاصل نہ کیا اور نہ دوسروں کو نفع پہنچا سکے، ان کے پاس نہ نقل ہے نہ اجتہاد۔ (بخاری شریف، باب فضل من علم و علم)۔

فقہاء علامہ ابن قیم کی نظر میں

علامہ ابن قیم نے اس حدیث کی پوری وضاحت و شرح کے بعد دوسری حدیث رب حامل فقہ الی من ہو افقہ منہ بیان کر کے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس کو دیکھئے! یہ پوری امت محمدیہ کے عالم ربانی اور ترجمان القرآن ہیں، انہوں نے اگرچہ صحابہ سے بہت سی احادیث سنیں مگر رسول اکرم ﷺ سے براہ راست روایت حدیث کی تعداد بیس تک بھی نہیں پہنچتی۔

خدا تعالیٰ نے ان کو ایسی دینی سمجھ اور قوت استنباط عطا فرمائی تھی کہ ساری دنیا کو اپنے علم و فقہ سے بھر پور کر دیا، ان کے فتاویٰ سات مجلدات کبیرہ میں جمع کئے گئے تھے اور یہ بھی جمع کرنے والوں کی کوتاہی تھی ورنہ وہ علم کے بحر و سمندر تھے، فقہ، استنباط اور فہم قرآن میں سب پر فائق تھے۔ انہوں نے بھی احادیث سنی تھیں، جیسے دوسروں نے سنیں اور قرآن مجید کو یاد کیا تھا، جیسے اوروں نے یاد کیا تھا لیکن ان کے دل و دماغ کی زمین بہترین و قابل کاشت تھی جس میں انہوں نے ان نصوص شریعت کی تخم ریزی کی اور اس سے بہترین پھل پھول اگائے و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

حضرت ابو ہریرہؓ ان سے زیادہ حافظ حدیث ہیں بلکہ ان کو حافظ امت کہا جائے تو بجا ہے، جس طرح حدیث سنتے تھے، اس کو بعینہ روایت کیا کرتے تھے اور راتوں کو بیٹھ کر درس حدیث دیتے تھے، لیکن کہاں ان کے فتاویٰ اور تفسیر اور کہاں حضرت ابن عباس کے فتاویٰ، تفسیر اور فقہی استنباطات! وجہ ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی پوری کوشش حفظ حدیث اور اس کی بے کم و کاست تبلیغ و روایت پر مصروف تھی اور حضرت ابن عباس کی پوری توجہ و صرف ہمت تفقہ، استنباط اور نصوص کتاب و سنت کے دریائے صافی سے مسائل و جزئیات احکام کے حوض و نہریں نکالنے کی طرف تھی تاکہ دین قیم کے مخفی خزانے بروئے کار آجائیں۔

مکثرین صحابہ پر فقہاء صحابہ کی تنقید

عہد صحابہ میں ایسے واقعات بھی بکثرت ملتے ہیں کہ فقہاء صحابہ نے کثرت سے روایت کرنے والے صحابہ کی روایات پر تنقید کیں، خصوصاً ان احادیث پر جو اصولی قواعد شرع کے خلاف کسی مضمون کی حامل تھیں اور اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی مشہور روایت بطور مثال پیش ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد انہوں نے نقل کیا کہ آگ سے بچی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو جاتا رہتا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے اعتراض کیا کہ گرم پانی سے وضو کرنے کے بعد پھر سے وضو کرنا پڑے گا، یہ ایک اصولی اعتراض تھا کہ حضور ﷺ کا فرمان اصول و قواعد شرعیہ کے خلاف نہیں ہو سکتا لہذا اس کا جواب اصول و قواعد شرعیہ سے تو ممکن نہ تھا اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ بولے، ”اے میرے بھتیجے! جب تم کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ کی سنا کرو تو اس کے خلاف معارضہ کرنے کو مثالیں مت نکالا کرو“۔

اسی طرح سیدہ فقہاء امت حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کے استدراکات حضرت ابو ہریرہؓ اور دوسرے صحابہ کی حدیثی روایات پر مشہور ہیں جن میں سے اکثر کا ذکر علامہ سیوطی نے عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشہ علی الصحابہ میں کیا ہے۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قرن اول میں اعتراض اگر ہوا تو فقہاء صحابہ کی طرف سے بغیر فقہ روایت حدیث کرنے والوں پر ہوتا تھا اور یہی صحیح مذاق تھا، اس کے بعد مذاق بگڑا تو دوسری صدی کے بعد مذاق اعتراض محدثین کی طرف سے فقہاء پر ہونے لگا اور اس میں اس

قدر ترقی ہوئی کہ قرن ثانی کے اکابر فقہاء محدثین پر حدیث نہ جاننے، یا کم جاننے یا رائے و قیاس سے ترک حدیث کے الزامات لگائے گئے، اگر یہ مذاق صحیح ہوتا تو ضرور محدثین صحابہ بھی فقہاء صحابہ کو اسی طرح مطعون کر سکتے تھے۔

اس کے برعکس اس دور علم و صلاح میں فوقیت فقہاء صحابہ ہی کے لئے مسلم تھی، چنانچہ علام ابن قیم نے بھی حدیث مذکور کی وضاحت کے سلسلہ میں حضرت ابن عباسؓ کو حضرت ابو ہریرہؓ پر فضیلت دی۔

عہد رسالت میں کتابت حدیث

عرض کیا جا رہا تھا کہ قرن اول میں حدیث کی جمع و تدوین، کتابت وغیرہ قرآن مجید کی طرح باضابطہ عمل میں نہیں آئی اگرچہ روایت و حفظ حدیث کا اہتمام بہت کافی رہا اور کچھ صحابہ کے پاس نوشتہ احادیث بھی ضرور موجود تھیں۔ مثلاً۔

۱- حضرت علیؓ کے پاس کچھ احادیث لکھی ہوئی تھیں۔ (ابوداؤد)

۲- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے پاس ایک ہزار احادیث کا مجموعہ تھا جس کا نام صادقہ تھا۔ (بخاری، ابوداؤد وغیرہ)

۳- حضرت انسؓ کے پاس بھی کچھ احادیث لکھی ہوئی تھیں۔ (بخاری)

۴- قبائل کے نام حضور اکرم ﷺ کے فرامین، تحریری احکام اور معاہدات حدیبیہ وغیرہ۔ (طبقات ابن سعد)

۵- مکتب مبارکہ بنام سلاطین و امراء دنیا۔ (بخاری)

۶- صحیفہ احکام و صدقات و زکوٰۃ جو رسول کریم ﷺ نے ابو بکر بن حزم والی بحرین کو لکھایا تھا، اس صحیفہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے

۹۹ھ میں آل ابن حزم سے حاصل کیا تھا۔ (دارقطنی)

۷- عمرو بن حزم والی یمن کو بھی ایک تحریر احکام صلوة، صدقات و طلاق و عتاق وغیرہ کی دی تھی۔ (کنز العمال)

۸- حضرت معاذ بن جبل کو ایک تحریر مبارکہ یمن بھیجی گئی تھی جس میں سبزی ترکاری پر زکوٰۃ نہ ہونے کا حکم تھا۔ (دارقطنی)

۹- حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو ہریرہ، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ وغیرہ کے پاس بھی احادیث کے مجموعہ

تھے۔ (جامع بیان العلم، فتح الباری، مسند احمد وغیرہ)

۱۰- وائل بن حجر صحابی کو حضور اکرم ﷺ نے نماز، روزہ، سود، شراب وغیرہ کے احکام لکھوائے تھے۔ (مجموع صغیر)

ضرورت تدوین حدیث

اسی طرح قرن اول گذر گیا، لیکن ظاہر ہے کہ تدوین حدیث کی ضرورت بلکہ شدید ضرورت سامنے آ کر رہی، کیونکہ اول تو بغیر اس کے ضیاع حدیث کا خطرہ تھا، صحابہ کرام جن کے حافظوں پر اعتماد تھا، فتوحات کی کثرت کے ساتھ دور دراز ملکوں میں منتشر ہو گئے تھے، وہ اکثر وفات پا گئے تابعین میں وہ قوت حفظ و ضبط نہ تھی کہ عام طور سے اسی پر بھروسہ کیا جاسکے، دوسرے حافظ کی چیزیں یوں بھی ایک وقت ذہن سے نکل جاتی یا کم و بیش ہو جاتی ہیں لکھی ہوئی چیزوں کے برابر محفوظ نہیں ہو سکتیں۔

تدوین حدیث کے لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی سعی

اس لئے علماء وقت نے تدوین حدیث اور کتابت کی منظم طور پر ضرورت محسوس کی، سب سے پہلے اس ضرورت کا احساس خلیفہ عادل

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ہوا جو امت کے سب سے پہلے مجدد تھے اور ان کی امامت، اجتہاد، معرفت احادیث و آثار مسلم تھی، چنانچہ آپ نے

اپنے نائب والی مدینہ ابو بکر حزمی کو فرمان بھیجا کہ ”رسول اکرم ﷺ کی احادیث اور حضرت عمرؓ کے آثار جمع کر کے لکھو“۔ (تویر الحواکک للسیوطی)

موطا امام محمد میں اس طرح ہے ”احادیث رسول اور سنن یا حدیث عمر یا مثل اس کے (دوسرے صحابہ کے آثار) سب جمع کر کے لکھو، کیونکہ مجھے علم کے ضائع ہونے اور علماء کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔“ تقریباً یہی الفاظ دارمی نے بھی اپنی سنن میں روایت کئے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر نے تمہید میں امام مالک سے بطریق ابن وہب روایت کی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز تعلیم حدیث و فقہ کے لئے تمام شہروں کو احکام بھیجا کرتے تھے، مدینہ طیبہ کے لوگوں کو عمل بالسنة کی تلقین فرماتے اور گذشتہ واقعات ان سے پوچھتے تھے اور ابو بکر حزمی کو حکم دیا تھا کہ احادیث جمع کر کے لکھوائیں اور ان کے پاس ارسال کریں۔

ابو بکر حزمی نے بہت سی کتابیں لکھوائی تھیں مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی زندگی میں ان کو نہ بھیج سکے، حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں نقل کیا ہے کہ ابن شہاب زہری کو بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جمع حدیث کا حکم کیا تھا اور انہوں نے دفتر کے دفتر جمع کئے جن کی نقول حضرت عمر نے اپنی قلمرو میں بھجوائیں۔

حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ امام شعی نے بھی احادیث جمع کی تھیں اور غالباً ان سب میں وہی مقدم تھے پھر زہری متوفی ۱۲۰ھ اور پھر ابو بکر حزمی متوفی ۱۲۳ھ نے۔

ایک اہم مغالطہ

یہاں ایک مغالطہ کا ازالہ ضروری ہے، امام بخاری نے باب کیف یقبض العلم میں بطور تعلیق حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان مذکور کو ذکر کیا ہے اور اس کے بعد یہ جملہ اپنی طرف سے بڑھایا کہ (سوائے حدیث رسول ﷺ اور کوئی چیز نہ لی جائے الخ، بعض لوگوں نے سمجھا کہ یہ جملہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ہی ہے اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو کتاب ابو بکر حزمی نے جمع کی ہوگی اس میں سوائے حدیث رسول ﷺ کے اور کچھ نہ تھا کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے فرمان میں ان کو غیر حدیث لکھوانے سے قطعاً روک دیا تھا، حالانکہ یہ ظن فاسد ہے جس کا منشاء موطا امام محمد اور سنن دارمی کی روایات مذکورہ سے ناواقفیت ہے کیونکہ ان میں صراحت سے حضرت عمر وغیرہ کے آثار و اقوال جمع کرنے کا بھی حکم تھا پھر کیونکر ممکن تھا کہ ابو بکر حزمی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان کی تعمیل کرتے اور حضرت عمر و بقیہ خلفاء کے آثار و اقوال نہ لکھتے۔

اس کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری نے یہ جملہ کیوں بڑھایا اور اس کی بناء کیا ہے؟ شاید کسی کسی روایت میں عمر بن عبدالعزیز کے فرمان مذکور کی عبارت ناقص نقل ہوئی اسی لئے غیر حدیث لکھنے کی ممانعت سمجھ لی گئی، یا اتنا کٹا روایت کا امام بخاری کی شرط پر صحیح نہ تھا، لیکن اس صورت میں بھی زیادہ سے زیادہ یہ کہ ”غیر حدیث“ کا قبول و عدم قبول دونوں بدرجہ مساوی ہی رہتے ہیں، یا دوسری صدی کے بعد جو آثار صحابہ اور تعامل کی حجیت کو گرایا گیا اسی کی یہ تمہید ہو کہ ایسی روایات پر پہلے ہی سے کڑی نظر رکھی جائے۔ واللہ اعلم بما فی الصدور۔ امام بخاری نے ”لا یقبل“ کا اضافہ شاید اس لئے کیا ہو کہ وہ آثار صحابہ کو حجت نہ سمجھتے تھے۔

آثار صحابہ قرن ثانی میں

واضح ہو کہ تمام کتب حدیث مدونہ قرن ثانی میں احادیث اور اقوال صحابہ و تابعین ساتھ ساتھ ذکر ہوتے تھے جیسا کہ امام اعظم کی کتاب الآثار اور امام مالک کی موطاء سے ظاہر ہے لیکن قرون مشہود لہا بالآخر کے بعد عدم قبول اقوال صحابہ کا نظریہ پیدا ہوا، بہت سے محدثین نے فقہاء امت کے طرز و طریق سے اعراض کیا، توارث سلف کو نظر انداز کیا اور صحت و ضعف حدیث کو صرف اسناد پر موقوف کر دیا گیا، یعنی حدیث کو جو قوت آثار و اقوال صحابہ یا تعامل سلف سے مل سکتی تھی اس کے دروازے بند کر دیئے گئے۔

قرون مشہود لہا بالخیر سے جدا طریقہ

قرون مشہود لہا بالخیر کے طور و طریق سے جدا طریقہ اپنایا گیا، پھر اس کے جو مضار و مفاسد سامنے آئے وہ اہل علم سے مخفی نہیں اور آئندہ کسی موقع پر ہم بھی بیان کریں گے ان شاء اللہ۔

اس موقع پر راقم الحروف کو یہ بات بھی کھٹکی کہ امام بخاریؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعلیق ترجمۃ الباب میں ذکر کی اور اس کے ساتھ وہ جملہ بھی بڑھایا جس کا اوپر ذکر کیا گیا مگر آگے اس کی تائید میں کوئی چیز ذکر نہیں کی، نہ اس کا ماخذ بتلایا۔ یہ بحث ما تمس الیہ الحاجة میں بھی ہے ہم نے کچھ اضافہ و تشریح سے اس کو یہاں لیا ہے۔

تین بڑے فقہاء

تین بڑے بڑے فقہاء و حفاظ حدیث اور اپنے وقت کے امام و مقتداء جنہوں نے قرن ثانی میں احادیث رسول و آثار و اقوال صحابہ کو جمع کیا اور ان کو کتابی شکل میں مدون کیں، شععی، مکحول اور زہری ہیں۔

ان میں سے امام شععیؒ بہ تصریح امام ذہبیؒ، امام اعظم کے شیوخ میں سے ہیں جنہوں نے پانچ سو اصحاب رسول اللہ ﷺ کو پایا ہے، ان کے بعد سراج الامت، نقیۃ السلت، حافظ حدیث، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دور شروع ہو جاتا ہے، جو حسب تصریح اقران و معاصرین امام اس زمانہ کے تمام فقہاء و محدثین پر اپنے غیر معمولی حفظ، تفقہ اور کمال زہد و ورع کی وجہ سے فائق تھے۔

امام مسعر کی مدح امام اعظمؒ

چنانچہ مشہور حافظ حدیث مسعر بن کدام (جن کے بارے میں رامہرمی نے ”المحدث الفاصل“ میں لکھا ہے کہ جب کبھی امام شعبہؒ اور امام سفیانؒ میں کسی امر میں اختلاف ہوتا تھا تو دونوں کہتے تھے کہ چلو میزان عدل مسعر کے پاس چل کر ان سے فیصلہ کرائیں حالانکہ ان دونوں اماموں کو بھی امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا تھا یہ مسعر کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ حدیث کو طلب کیا تو وہ ہم پر غالب آگئے اور زہد و تقویٰ میں چلے تو اس میں بھی ہم سے فوقیت لے گئے اور فقہ میں بھی ان کے ساتھ ہوئے تو اس کا حال تم خود دیکھ رہے ہو (کہ اس میں ان کی فوقیت سب پر روشن ہے)۔

امام اعظمؒ شاہان شاہ حدیث

اور اسی جلالت قدر کے باعث شیخ الاسلام امام الحدیث عبداللہ بن یزید گونی جب امام صاحبؒ سے روایت حدیث کرتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ ہم سے حدیث بیان کی شاہان شاہ نے، جس کو خطیب وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

حافظ سمعانی نے اپنی کتاب ”الانساب“ میں کہا: ”امام صاحب طلب علم کی راہ میں چلے تو اتنے آگے بڑھے کہ انہوں نے علم کے وہ مدارج حاصل کئے جو کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سکے۔“

امام یحییٰ بن سعید القطانؒ کی رائے

امام جرح و تعدیل یحییٰ بن سعید القطانؒ نے فرمایا: ”واللہ ابو حنیفہؒ اس امت میں علوم قرآن و حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔“ اس کو محدث شہیر مسعود بن شیبہ سندی نے مقدمہ کتاب التعلیم میں امام طحاوی کی کتاب سے نقل کیا جس میں انہوں نے اصحاب حنیفہ کے مناقب جمع کئے ہیں، اس کتاب کا قلمی نسخہ ”مجلس عملی کراچی“ میں موجود ہے خدا کرے اس کی طبع و اشاعت جلد ہو سکے۔

ان ہی یحییٰ القطان سے علی بن المدینی (شیخ اعظم بخاری، امام احمد اور یحییٰ بن معین دست بستہ حاضر خدمت رہ کر استفادہ علوم کیا کرتے تھے۔

امام اعظم اور تدوین حدیث

امام اعظم نے باوجود اس قدر علم و فضل و تفوق کے برسوں کی چھان بین اور تحقیق و تفرغ کے بعد ”کتاب الآثار“ تالیف کی جس کو امام صاحب نے بہ تصریح امام موفق مکی چالیس ہزار احادیث سے منتخب کیا تھا اور آپ سے آپ کے تلامذہ کبار امام زفر، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام حسن بن زیاد وغیرہ محدثین و فقہانے اس کو روایت کیا۔

مناقب امام اعظم للموفق ہی میں ہے کہ امام صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ ”میرے پاس ذخیرہ حدیث کے بہت سے صندوق ہیں جن میں سے بہت تھوڑا حصہ انتفاع کے لئے نکالا ہے۔“

امام صاحب نے حسب تصریح مورخین چار ہزار ائمہ حدیث سے احادیث کا ذخیرہ جمع کیا تھا اور یحییٰ بن نصر کا بیان ہے کہ میں ایک بار امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو گھر میں پایا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا، میں نے عرض کیا ”یہ کیا ہے؟“ فرمایا ”یہ احادیث ہیں جن کی تحدیث میں نے نہیں کی بجز ان تھوڑی حدیثوں کے جن سے لوگوں کو نفع ہو۔“ (مقدمہ کتاب الآثار)

امام شعرائی نے ”میزان“ میں یہ بھی بتلایا کہ امام ابو حنیفہ احادیث رسول پر عمل سے قبل یہ ضروری سمجھتے تھے کہ صحابہ سے ان کو روایت کرنے والے بھی متقی و پرہیزگار حضرات ہوں۔

امام سفیان ثوری کی شہادت

امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ علم حدیث کے اخذ میں غیر معمولی طور پر محتاط تھے، وہی احادیث لیتے تھے جن کو روایت کرنے والے ثقہ ہوتے تھے اور حضور اکرم ﷺ کے آخری فعل کو لیتے تھے، باوجود اس کے کچھ لوگوں نے ان پر تشیع کی، خدا ہمیں اور ان کو بخش دے۔

امام وکیع کی شہادت

امام حدیث وکیع نے کہا۔ امام ابو حنیفہ سے حدیث کے بارے میں اس درجہ کی احتیاط و ورع پائی گئی جو کسی سے نہیں ہوئی، امام وکیع وغیرہ سے امام اعظم کی مدح و توصیف کے تفصیلی بیانات امام صاحب کے مستقل تذکرہ میں آئیں گے اور امام صاحب کے بارے میں جو ترمذی میں وکیع کا قول نقل ہوا ہے اس پر بھی ہم مفصل بحث کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ وکیع وہ ہیں جن کے بارے میں امام احمد نے فرمایا کہ وکیع سے زیادہ علم جمع کرنے والا اور حدیثیں یاد کرنے والا میں نے نہیں دیکھا، اصحاب صحاح ستہ امام شافعی و امام احمد وغیرہ کے شیوخ کبار میں ہیں۔

امام علی بن الجعد

امام بخاری کے شیخ مشہور محدث علی بن الجعد کہتے تھے کہ جب کبھی امام ابو حنیفہ کوئی حدیث لاتے تو موتی کی طرح صاف لاتے ہیں۔ غرض یہ امام صاحب کی کتاب الآثار علم حدیث کی سب سے پہلی تصنیف ہے جس میں امام صاحب نے احادیث صحاح اور اقوال صحابہ و تابعین ترتیب فقہی پر جمع کئے پھر آپ امام مالک کی موطا اور امام سفیان ثوری کی جامع مرتب ہوئی اور ان تینوں کے نقش پر بعد کے محدثین نے کتب حدیث تالیف کیں۔

علامہ سیوطی نے تبیيض الصحیفة فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں بھی یہی تحقیق مذکور ذکر کی ہے اور کہا کہ امام صاحب کے مناقب میں سے یہ بھی ہے کہ علم شریعت کو سب سے پہلے امام صاحب نے ہی مدون کیا اور ترتیب ابواب سے مرتب کیا، پھر ان کی اتباع میں

امام مالکؒ نے موطا ترتیب دی اور امام صاحبؒ سے اس بارے میں کوئی سابق نہیں ہوا۔
امام مسعود بن شیبہ نے امام طحاوی کے حوالہ سے نقل کیا کہ امام سفیان ثوریؒ نے علی بن مسعر کے ذریعہ امام ابو حنیفہؒ کی فقہ حاصل کی اور ان کے ساتھ مذاکرات کرتے تھے اور ان ہی علوم کی مدد سے انہوں نے ”جامع“ تالیف کی۔ (ماتمس الیہ الحاجۃ ص ۱۲)

امام علی بن مسہر

یہ علی بن مسہر وہی ہیں جن کے بارے میں امام ضمیری نے فرمایا کہ ان سے امام سفیان نے امام صاحب کے علوم حاصل کئے اور ان کے پاس سے امام صاحبؒ کی کتابیں لکھیں، اور علامہ قرشی نے جوہر مصیۃ میں کہا کہ وہ امام وقت و حافظ حدیث تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے فقہ و حدیث کو جمع کیا اور اسی طرح تذکرۃ الحفاظ میں ہے۔

یہ تصریح امام ذہبی و علامہ سیوطی تذکرۃ الحفاظ اور تاریخ الخلفاء میں ہے کہ اسی زمانہ میں بڑے بڑے فقہا محدثین نے تدوین حدیث و آثار کا کام کیا اور کثرت سے تصانیف ہوئیں۔

دوسری صدی کے نصف آخر میں امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے بڑے بڑے اصحاب و تلامذہ نے حدیث و فقہ میں بہت کثرت سے چھوٹی بڑی تصانیف کیں چنانچہ امام ابو یوسفؒ کی تالیفات تو غیر معمولی کثرت سے بتائی جاتی ہیں جن میں سے اکثر کا ذکر فہرست ابن ندیم میں ہے اور امالی ابی یوسف کا تذکرہ کشف الظنون میں ہے کہ وہ تین سو ملحد میں تھیں، حافظ قرشی نے جوہر مصیۃ میں کہا کہ جن لوگوں نے امام ابو یوسف کے امالی روایت کئے ہیں ان کی شمار نہیں ہو سکتی۔

امام اعظم کی کتاب الآثار

ان کی ہی تالیفات میں سے ”کتاب الآثار“ بھی ہے جس کو امام اعظمؒ نے روایت کیا ہے اور ”اختلاف ابی حنیفہ“ و ”ابن ابی لیلیٰ“ اور ”کتاب الرد علی سیر الاوزاعی“ یہ تینوں کتابیں ”ادارۃ احياء المعارف العثمانیہ“ حیدرآباد دکن سے شائع ہوئیں جن کی تصحیح تھیہ اور مقدمہ کی گراں قدر خدمات حضرت مولانا ابوالوفا افغانی دامت فیوضہم نے انجام دیں اور کتاب الخراج (طبع مصر) وغیرہ ہیں۔

یہ وہی کتاب الآثار ہے جس کو ہم نے لکھا کہ سلسلہ تدوین حدیث کی سب سے پہلی خدمت ہے جو امام اعظمؒ کے مناقب جلیلہ اولیہ میں شمار کی گئی ہے اور موطا امام مالکؒ وغیرہ سب اس کے بعد کی ہیں، اسی طرح امام محمدؒ کی تالیفات قیمر ظہور میں آئیں جن کا تفصیلی ذکر ان کے حالات میں مستقل طور سے آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

غرض یہ کہ قرن ثانی ہی میں امام اعظمؒ، امام مالکؒ اور ان دونوں کے اصحاب کے ذریعہ حدیث و فقہ کی خدمت تصانیف کثیرہ سے اور تدوین فقہ حنفی و مالکی احادیث اور آثار صحابہ و تابعین کی روشنی میں ہو چکی تھی اور ان حضرات نے پوری دنیا کو علم و فقہ و حدیث کی روشنی میں سے منور اس وقت کر دیا تھا کہ ابھی امام بخاریؒ و مسلمؒ اور دوسرے محدثین اصحاب صحاح اس دنیا میں تشریف بھی نہ لائے تھے۔

وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

قرن ثانی میں اسلامی دنیا

شائد کوئی خیال کرے کہ اس وقت ”اسلامی دنیا“ کا رقبہ بہت مختصر ہوگا اس لئے ذرا اس کی سیر بھی علامہ ذہبی کے بیان کی روشنی میں کرتے چلے! تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ خامسہ کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔

”اس طبقہ کے زمانہ میں اسلام اور اہل اسلام کی بہت بڑی عزت و شوکت تھی، علم کے دریا بہہ رہے تھے، جہاد کے جھنڈے ساری دنیا پر لہرا رہے تھے، سرور کائنات ﷺ کی سنتوں کا ہر جگہ پوری طرح رواج تھا اور بدعتوں کے سرنگوں تھے، حق کی آواز بلند کرنے والے بکثرت موجود تھے، عباد و زہاد سے دنیا بھری ہوئی تھی، سب لوگ عیش و آرام اور سکون و امن کی زندگی گزار رہے تھے، امت محمدیہ کے عسا کر قاہرہ ممالک عربیہ کے علاوہ اقصائے مغرب اور جزیرہ اندلس سے لے کر ایشیا کے ملک چین کے قریب تک اور ہند کے کچھ حصوں تک نیز ملک حبشہ تک پھیلے ہوئے تھے۔“

”اس زمانہ کے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی تھے، جس کے ظلم سے اگر قطع نظر کر لیں تو اس کی شجاعت، تدبیر، کمال عقل فہم علم و ادب اور رعب و جلال بے مثال تھے، پھر اس کا بیٹا مہدی، سخاوت، کثرت محاسن اور زنادقہ، ملاحدہ وغیرہ فرق باطلہ کے استیصال میں مشہور ہوا، پھر اس کا بیٹا ہارون رشید اگر اس کے لہو و لعب سے غص بھر کر لیں تو اس کے جہاد و غزاکے کارنامے، تعظیم حرمت دین، علمی و ادبی اعلیٰ قابلیت، اصابت رائے، احیاء سنت، حج و زیارت حرمین کا اہتمام شوکت و دبدبہ بے نظیر تھے، اس دور کے صالحین و عباد میں ابراہیم بن ادہم، دافو دطائی، سفیان ثوری جیسے تھے، علماء نحاۃ میں عیسیٰ بن عمرو، خلیل بن احمد، حماد بن سلمہ جیسے تھے، قراء میں حمزہ، ابو عمر بن العلاء، نافع، شبل و سلام جیسے بہت تھے، شعراء میں مروان بن ابی حفصہ، بشار بن برد ایسے مسلم شعراء بڑی کثرت سے تھے، فقہاء میں امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام اوزاعی جیسے ائمہ و کالمین تھے، رحمہم اللہ تعالیٰ۔“

تدوین حدیث کے تین دور

تدوین حدیث کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تفصیلات کا خلاصہ یہ ہوا کہ سب سے پہلا اقدام تدوین حدیث و کتابت سنن و آثار کے لئے وہ تھا جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے کیا انہوں نے مجموعہ حدیث تالیف کیا جس کا نام ”صادقہ“ رکھا تھا اور ان کی طرح دوسرے حضرات صحابہؓ نے بھی انفرادی طور سے اس خدمت کو انجام دیا۔

دوسرا اقدام حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دور میں ہوا اور امام شعبیؒ، زہریؒ و ابو بکر حزمی نے احادیث و آثار کو جمع کیا اگرچہ ترتیب و تبویب اس دور میں بظاہر نہ تھی۔

تیسرا اقدام امام اعظمؒ نے کتاب الآثار کی تالیف سے اٹھایا جس میں احادیث ماثورہ اور فتاویٰ صحابہ و تابعین کو جمع کیا اور ترتیب و تبویب فقہی کی طرح ڈالی جس کی متابعت میں بعد کو امام مالک اور دوسرے معاصرین محدثین و فقہانے تالیفات کیں۔

حدیث مرسل و حسن کا انکار

دوسری صدی کے بعد حدیث مرسل و حسن سے استدلال و احتجاج کے خلاف نظریہ پیدا ہوا حالانکہ سلف و متقدمین ان سے برابر حجت پکڑتے تھے۔

خصوصیت سے امام بخاریؒ نے حدیث حسن سے استدلال و احتجاج کا بڑی شد و مد سے انکار کیا، جس پر امام و سر تاج غیر مقلدین شوکانی بھی ساکت و خاموش نہ ہو سکے اور نیل الاوطار میں امام بخاریؒ کے خلاف لکھا کہ۔

”اسی طرح اس حدیث سے بھی استدلال و احتجاج درست ہے جس کے حسن ہونے کی تصریح ائمہ معتبرین نے کی ہو کیونکہ حدیث حسن پر عمل جمہور کے نزدیک صحیح ہے اور اس کے خلاف عدم جواز کا فیصلہ صرف بخاری اور ابن عربی نے کیا ہے لیکن حق وہی ہے جو جمہور علماء امت کا فیصلہ ہے۔“

قرن ثالث میں حدیث شاذ پر عمل

اس دور میں زیادہ اعتناء طرق حدیث کی طرف ہوا حتیٰ کہ وہ احادیث جو عہد صحابہ و تابعین میں شاذ کے درجہ میں سمجھی جاتی تھیں اور

فقہاء صحابہ و تابعین نے ان کو معمول بہا بھی نہیں بنایا تھا مگر طرق حدیث کی زیادتی کے باعث وہ قرن ثالث میں معمول بہا بن گئیں۔
مثلاً حدیث قلتین کہ وہ شاذ تھی اور حسب تصریح ابن قیم وغیرہ سلف میں اس پر عمل بھی نہیں ہوا اس کی ہر طرح حمایت کی گئی اور اس کے خلاف آراء کو گرانے کی سعی کی گئی۔

اس طرح قرن ثالث کے محدثین نے ان تمام احادیث کو جن پر صحابہ و تابعین کے جلیل القدر ارباب فتویٰ نے عمل نہیں کیا تھا معمول بہا بنالیا اور اس طریقہ سے ان لوگوں نے سلف کے خلاف کافی اقدامات کئے اور صحابہ و تابعین کے فتاویٰ و اقوال کو اپنی مرویات پر اعتماد کرتے ہوئے نظر انداز کر دیا، حتیٰ کہ یہ بھی کہہ دیا گیا کہ ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں، ان کو کوئی ترجیح نہیں ہے۔

عمل متواتر کی حجیت

عمل متواتر عند الفقہاء ہمارے لئے بہت بڑی اہم دستاویز ہے اور اسی سے بہت سی احادیث کی صحت کی جانچ ہو سکتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا کہ اتفاق سلف اور ان کا تواتر فقہ میں اصل عظیم ہے اور امام ابو داؤد نے اپنی سنن کے باب ”لحم صید المحرم“ میں فرمایا کہ۔ ”جب دو حدیثیں متضاد ہمارے سامنے آئیں تو دیکھا جائے گا کہ صحابہ نے کس پر عمل کیا ہے۔“
امام محمد نے امام مالک سے روایت کیا کہ جب نبی کریم ﷺ سے دو مختلف حدیثیں آجائیں اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ ابو بکر و عمر نے کسی ایک پر عمل کیا اور دوسری کو چھوڑا ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حق ان ہی کے عمل کے ساتھ ہے۔ (تعلیق الحجہ)
امام بیہقی نے داری سے نقل کیا کہ جب ایک باب میں دو متضاد حدیث مروی ہوں تو اگر سلف کا عمل کسی ایک پر معلوم ہو تو وہی برقرار رکھی جائے گی۔

شیخ ابن ہمام نے فتح القدر میں لکھا کہ جن چیزوں سے حدیث کی صحت معلوم کی جاتی ہے ان میں سے اس کے موافق علماء کا عمل ہونا بھی ہے، علامہ محدث مولانا حیدر حسن خاں صاب کا عمل متواتر کی حجیت پر مستقل رسالہ قابل دید ہے (ماتمس الیہ الحاجتہ)

سلف میں باہمی اختلاف رحمت تھا

حدیث صحیح ہے کہ ”میری امت کا اختلاف رحمت ہے“ اس سے معلوم ہوا کہ فروعی مسائل میں اختلاف امت کے لئے رحمت و سہولت کا باعث چنانچہ قرون مشہور لہا بالخیر میں یہ اختلاف ایسا ہی تھا مگر بعد کے لوگوں نے اس اختلاف رحمت کو اختلاف زحمت بنا دیا اور معمولی معمولی اختلاف پر دوسروں کو ہدف ملام بنایا، طعن و تشنیع پر کمر باندھی، بہتان و افتراء تک بھی نوبت پہنچائی، ایک دوسرے کے خلاف کتابیں تصنیف ہوئیں اور بے تحقیق دوسروں پر غلط مسائل و نظریات تھوپے گئے، ایسے ہی وہ اختلاف ہے جو امام اعظم اور آپ کے اصحاب و تلامذہ کے ساتھ پیش آیا۔
امام صاحب نے اپنے زمانہ میں بڑے بڑے فتنوں کا بے جگری سے مقابلہ کیا، فرق باطلہ، معتزلہ، قدریہ، جبریہ اور دہریہ وغیرہ سے مناظرے کئے، ان کو دلائل و براہین قویہ سے لاجواب کیا، اس سلسلہ میں چونکہ امام صاحب نے بہت سے ضروری عقائد و مسائل کو پوری صراحت و وضاحت سے بیان فرمایا تو ان کو بھی موجب فتنہ بنالیا گیا۔

امام اعظم اور فرقہ مرجہ

مثلاً امام صاحب نے فرمایا کہ (۱) عمل کا درجہ ایمان سے مؤخر ہے اور (۲) گنہگار مومن بندوں کی عاقبت امر الہی پر معمول ہے، چاہے تو عذاب دے اور چاہے بخش دے اور (۳) معاصی کی وجہ سے کوئی مومن بندہ ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا، یہ سب اصول چونکہ معتزلہ کے خلاف

تھے اور صدر اول میں جو بھی ان کی مخالفت کرتا تھا اس کو وہ مرجی کا لقب دیدیا کرتے تھے، اسی لئے وہ تمام اہل سنت کو ہی فرقہ مرجہ کہتے تھے۔ اس سے بہت سے اہل ظاہر محدثین نے یہی سمجھ لیا کہ امام صاحب اور مرجہ کا نظریہ متحد ہے، حالانکہ دونوں کے نظریات میں بہت بڑا فرق ہے اور خود امام صاحب جس طرح معتزلہ کا رد کرتے تھے، انہوں نے فقہ اکبر وغیرہ میں فرقہ مرجہ کا بھی رد کیا ہے۔

فرقہ مرجہ کا مذہب

فرقہ مرجہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان و عمل دو مختلف چیزیں ہیں اور ایمان و تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں کرتا، یعنی ایک شخص اگر دل سے توحید و نبوت کا معترف اور فرائض ادا نہیں کرتا تو وہ مواخذہ سے بری ہے، اس کو کوئی عذاب نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس کا پہلا جزو درست ہے کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے تعلق رکھتا ہے اور فرائض و اعمال جو ارح سے متعلق ہیں اسی لئے دونوں ضرور مختلف ہیں مگر آگے جو نظریہ امام صاحب کا ہے وہ فرقہ مرجہ مذکورہ سے بالکل الگ ہے، وہ تارک فرائض اور مرتکب محرمات کو مستحق عذاب سمجھتے ہیں، پھر خواہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے یا بخش دے اور یہ فرقہ مستحق عذاب ہی نہیں سمجھتا۔ اس معنی سے اگر امام صاحب کو مرجی کہا جائے تو دوسرے بڑے بڑے محدثین بھی مرجی کہلائیں گے جن سے بخاری و مسلم میں سینکڑوں روایتیں موجود ہیں۔

امام صاحب اور امام بخاری

مگر سب سے زیادہ حیرت امام بخاری کے رویہ پر ہے کہ امام صاحب کو مرجی کہہ کر مطعون کرتے ہیں اور دوسرے ایسا ہی عقیدہ رکھنے والوں سے روایات بھی لائے ہیں، اسی کے ساتھ یہ کہ غسان کوئی مرجی بھی اپنے مذہب کی ترویج کے لئے امام صاحب کو مرجی مشہور کیا کرتا تھا، اسی سے بہت سے لوگوں کو امام صاحب کے بارے میں مغالطہ ہوا۔

امام صاحب کو مطعون و بدنام کرنے کی ایک وجہ اس کے علاوہ یہ ہوئی کہ مامون کے زمانہ میں جن محدثین و رواۃ حدیث کو خلق قرآن کے مسئلہ میں قضاۃ خلافت نے تکالیف پہنچائیں وہ قاضی اکثر حنفی تھے، لہذا اس کے انتقام میں ان محدثین و رواۃ نے ان کے مقتداء یعنی امام صاحب پر الزامات لگائے اور امام صاحب سے تکدر رکھنے کی وجہ سے ہی یہ لوگ امام صاحب کے علوم فاضلہ، ان کے بہترین طریق نقد، روایات کو عموم قرآن مجید اور اصول مسلمہ مجمع علیہا پر پیش کرنے کے زریں اصول کے منفع نہ ہو سکے اور اپنے طور پر اصول شریعت وضع کئے جو امام صاحب کے اصول و طریق کار سے بہت کم درجہ کے ہیں، اسی لئے بیشتر اکابر فقہاء و مجتہدین کا فیصلہ ہے کہ جو شخص امام صاحب کے علوم سے انتفاع کے بغیر فقہ حاصل کرے گا وہ ناقص رہے گا۔

واضح ہو کہ زمانہ قدیم سے ہی حالمین دین مبین کی دو قسمیں رہی ہیں جیسا کہ علامہ ابن قیم نے بھی ”الوابل الصیب“ ص ۸۳۳ و ص ۸۳۴ میں لکھا ہے کہ ایک قسم حفاظ کی تھی جو احادیث کے حفظ و ضبط اور سننے ہوئے الفاظ کو بعینہا روایت کرنے پر پوری سعی کرتے تھے، لیکن یہ لوگ ان احادیث یا الفاظ نصوص سے اصول احکام و مسائل کا استنباط و استخراج نہیں کر سکتے تھے، جیسے ابو زرہ، ابو حاتم، ابن واریہ یا ان سے پہلے ہندار محمد بن بشار، عمرو الناقد، عبدالرزاق تھے یا ان سے بھی پہلے محمد بن جعفر غندر، سعید بن ابی عمرو وغیرہ تھے۔

دوسری قسم علماء فقہاء کی تھی جو روایت حدیث کے ساتھ استنباط و فقہ کو جمع کرتے تھے جیسے ائمہ مجتہدین تھے۔

پھر اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ بعض محدثین نے ائمہ مجتہدین متبوعین کے خلاف محاذ بنالیا اور ہر طرح سے ان کی عزت و وقعت گرانے کی کوشش کی، چنانچہ احمد بن عبداللہ العجلی نے امام شافعی کے بارے میں لکھا کہ ”وہ ثقہ، صاحب رائے اور متکلم تھے، لیکن ان کے پاس حدیث نہیں تھی“۔ (الذبیح المذہب ص ۲۴۹)

ابوحاتم رازی نے کہا کہ شافعی فقیہ ضرور تھے لیکن حدیث میں ان کی معرفت نہیں تھی۔ (طبقات حنابلہ ص ۲۰۴)۔ حالانکہ یہ باتیں غلط تھیں اور بقول حافظ ابن قیم مذکورہ بالا حدیث وفقہ کے حامل ہوتے تھے کیونکہ تفقہ بغیر حدیث کے ممکن ہی نہیں، البتہ روایت و حفظ حدیث بغیر تفقہ کے بھی ہوتا ہے۔

اسی طرح امام اعظمؒ کی بارے میں زیادتی ہوئی ہے اور جیسا ان کا مقام و مرتبہ بلند و بالا تھا، ان پر حسد کرنے والے یا نقد و جرح کرنے والے بھی بڑے ہی لوگ تھے جنہوں نے چھوٹوں اور جھوٹوں کی روایات موضوعہ کی آڑ لے کر امام صاحبؒ کو ہدف ملامت بنایا۔ آپ حیرت کریں گے کہ امام بخاریؒ نے جن کے غیر معمولی علم و فضل کا امتیاز امام و کعبہ، عبد اللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، مکی بن ابراہیم اور علی بن مدینی وغیرہ کا رہن منت ہے اور یہ سب امام اعظمؒ کے بالواسطہ یا بے واسطہ خوشہ چین ہیں (جس کی تفصیل آگے آئے گی، ان شاء اللہ) امام اعظمؒ کے خلاف نہایت غیر محتاط روش اختیار کی ہے۔

پھر اس سے قطع نظر خود امام بخاریؒ طلب علم کے سلسلہ میں لاتعداد مرتبہ کوفہ آئے گئے ہیں جو امام صاحبؒ کا وطن تھا اور سینکڑوں ہزاروں لوگوں سے امام صاحبؒ کے حالات و سوانح سنے ہوں گے لیکن ان کی مشہور زمانہ حافظہ میں جو چیز قابل ذکر باقی رہی اور جس کو وہ اپنے سارے اساتذہ کو چھوڑ کر صرف حمیدی کے واسطے سے نقل کر سکے وہ بھی سن لیجئے۔

تاریخ صغیر میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ”میں نے حمیدی سے سنا، کہتے تھے کہ ابو حنیفہ نے بیان کیا میں مکہ معظمہ حاضر ہوا تو ایک حجام سے تین سنتیں پیارے رسول اللہ ﷺ کی حاصل ہوئیں، جب میں اس کے سامنے حجامت بنوانے کے لئے بیٹھا تو اس نے مجھ سے کہا (۱) آپ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھئے! (۲) پھر اس نے میرے سر کے داہنے حصے سے شروع کیا (۳) اور اس نے حجامت دونوں ہڈیوں تک بنائی۔“ اس کو نقل کر کے حمیدی نے کہا۔ ایک شخص کہ نہ اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی سنتیں مناسک وغیرہ میں تھی اور نہ اس کے اصحاب کے پاس تھیں، بڑی حیرت کے لوگوں نے اس کو خدا کے احکام وراثت، فرائض، زکوٰۃ، صلوات اور دوسرے امور اسلام میں اپنا پیشوا و مقتدا بنا لیا ہے۔ (التاریخ الصغیر ص ۱۵۸)

واقعی بڑی حیرت ہی کی بات بھی تھی کہ دو ملت دنیا کے علماء، صوفیہ و عباد نے تو امام صاحب ایسے کم علم اور حدیث رسول ﷺ سے ناواقف شخص کی تقلید کر لی اور باقی ایک ملت نے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا اتباع کر لیا اور حمیدی و امام بخاری جیسے ارباب علم و فضل کی کسی نے بھی تقلید نہ کی۔

ایسے ہی کچھ لوگوں نے امام صاحبؒ کی طرف ان کو بدنام کرنے کے لئے بہت سی جھوٹی باتیں منسوب کیں حتیٰ کہ یہ بھی کہا گیا کہ امام صاحبؒ خنزیر بری کو حلال کہتے تھے، کچھ حد ہے اس عداوت و حسد کی؟ اس کے رد میں علامہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ ص ۳۵۹ ج ۱ میں لکھا کہ۔

”امام ابو حنیفہؒ سے اگرچہ کچھ لوگوں کو مسائل میں اختلاف رہا ہے لیکن ان کے فقہ، فہم اور علم میں کوئی ایک آدمی بھی شک و شبہ نہیں کر سکتا، کچھ لوگوں نے ان کی تذلیل و تحقیر کیلئے ان کی طرف ایسی باتیں بھی منسوب کی ہیں جو قطعاً جھوٹ ہیں جیسے خنزیر بری کا مسئلہ اور اس جیسے دوسرے مسائل“ امام بخاری نے تاریخ صغیر میں ایک دوسری جھوٹی روایت نعیم بن حماد سے امام صاحبؒ کی تنقیص میں نقل کی ہے حالانکہ نسائی نے ان کو ضعیف کہا اور ابوالفتح ازدی وغیرہ نے کہا کہ نعیم بن حماد ابو حنیفہؒ کی تنقیص کے لئے جھوٹی روایات گھڑا کرتے تھے، اور تقویت سنت کے خیال سے حدیثیں بھی بنا لیا کرتے تھے۔

امام بخاریؒ نے باوجود جلالت قدر چونکہ امام صاحبؒ کے بارے میں بہت ہی غیر محتاط رویہ اختیار کیا ہے اس لئے کبار محدثین نے اس

بارے میں ان کی اتباع کرنے سے بھی روکا ہے، چنانچہ علامہ سخاوی شافعی نے اپنی کتاب ”الاعلان بالتوبخ“ میں ص ۶۵ پر تحریر کیا۔
 ”جو کچھ (۱) حافظ ابوالشیخ بن حبان نے اپنی کتاب السنہ میں بعض مقتداء ائمہ کے بارے میں نقل کیا ہے (۲) یا حافظ ابوالاحمد بن عدی نے اپنی کامل میں یا حافظ ابوبکر خطیب نے تاریخ بغداد میں یا ان سے پہلے ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں اور بخاری و نسائی نے لکھا ہے اور ایسی چیزیں لکھی ہیں کہ ان کی شان علم و اتقان سے بعید ہیں، ان امور میں ان کے اتباع و پیروی سے اجتناب و احتراز کرنا ضروری ہے۔“
 راقم الحروف نے اس سلسلہ میں کافی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور بہت کم لوگوں نے امام بخاری کا نام لے کر اس طرح ان کی اس غلط روش پر نقد کیا ہے، اکثر حضرات اجمالی طور سے ضرور ان لوگوں کی غلطی کی طرف اشارہ کرتے آئے ہیں، جنہوں نے امام صاحب، امام شافعی یا امام احمد وغیرہ کی شان میں تنقیص کا پہلو اختیار کیا ہے۔

پھر ایک زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ خطیب نے کئی سو برس کے بعد حالات لکھے ہیں اتنے عرصہ میں جھوٹ کا شیوع بہت کافی ہو چکا تھا، خطیب کو جیسے اچھے برے ملے سب نقل کر دیئے اور راویوں کی چھان بین نہ کر سکے یا نہ کی اگرچہ یہ ان کی محدثانہ و مؤرخانہ منصب کے خلاف بات تھی، اور خطیب کی عادت تھی کہ وہ دوسرے کا برا مت کے خلاف بھی کچھ نہ کچھ اسی طرح گرے پڑے راویوں سے نقل کرے ہیں۔
 مگر حیرت تو سب سے زیادہ امام بخاری پر ہے کہ ان کا دور امام صاحب سے بہت ہی قریب ہے اور امام صاحب کے زمانہ کے تقریباً سب ہی بڑے بڑے حضرات نے امام صاحب کی بے حد مدح و توصیف کی ہے جس کی تفصیل ہم ذکر کریں گے، پھر امام بخاری کے بڑے بڑے شیوخ امام صاحب کے خاص خاص شاگرد ہیں اور ان سب ہی سے امام صاحب کے بے شمار مناقب منقول ہیں۔

پھر بھی امام بخاری نے کوئی اچھا اثر نہ لیا، نہ ان کی کوئی منقبت اپنی تاریخ میں نقل کرنے کو ملی اور ملیں تو امام حمیدی جیسے متعصب مغلوب الغضب تشددوں یا نعیم جیسے وضاع لوگوں سے امام صاحب کی تنقیص کی روایات ملیں اور ان کو نمایاں کر کے نقل کرنا ضروری سمجھا۔
 بہر حال امام صاحب کے مراتب عالیہ ان باتوں سے کم نہیں ہو سکتے، بلکہ ان زیادتیوں کے باعث دوسرے مذاہب کے آئمہ کبار ابن عبدالبر، ابن حجر مکی، علامہ سیوطی، یافعی، سخاوی، ذہبی جیسے متوجہ ہوئے اور ان محققین نے امام صاحب کی طرف سے حق دفاع ادا کیا۔ جزا ہم اللہ خیر الجزاء۔
 تفصیل کا موقع تو ہر ایک کے مفصل تذکرہ میں آئے گا مگر جب بات یہاں تک آگئی تو اتنا اور بھی عرض کر دوں کہ حافظ ابن حجر جیسے علامہ فہامہ محقق و مدقق بھی اس سلسلہ میں کافی عصبیت کا شکار ہو گئے یعنی رجال حنفیہ سے تعصب یا حنفی شافعی کا تعصب تو الگ رہا اس کے تو وہ مسلم امام ہیں، بعض ہمارے بزرگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ کم از کم امام صاحب کے بارے میں ان کا ذہن صاف ہے اور انہوں نے امام صاحب کی ہر جگہ مدح و توصیف ہی کی ہے، مگر مجھے نہایت ہی افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑا کہ پوری بات اس طرح نہیں جس طرح سمجھ لی گئی ہے، درحقیقت حسد، عداوت، عصبیت کی عروق اس قدر باریک و مخفی ہوتی ہیں کہ ان کا پتہ لگانا بڑے بڑے آپریشن کے ماہروں کے لئے بھی سخت دشوار ہوتا ہے۔

بیشک میں بھی مانتا ہوں کہ امام صاحب کے تذکروں کو اگرچہ انہوں نے ان کے شاگردوں کے تذکروں سے بھی مختصر در مختصر کیا ہے مگر کوئی بات خلاف نہیں لکھی، لیکن ساتھ ہی یہ بھی دیکھئے کہ جہاں وہ امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ کے حالات بیان کرتے ہیں تو جہاں ان حضرات پر کسی غلط تہمت کا ذکر کرتے ہیں تو ساتھ ہی یہ جملہ بھی چھوٹا سا بڑھا دیتے ہیں کہ ان کے شیخ کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے۔ اب آپ نے دیکھا کہ خطیب اور حافظ ابن حجر میں کتنے قدم کا فاصلہ رہ گیا؟

مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی نور اللہ مرقدہ نے تذکرہ امام اعظم میں بڑے اطمینان و مسرت کا اظہار کیا ہے کہ خطیب کے بعد اس روش کو دوسروں نے نہیں اپنایا بلکہ اس سے بیزاری کا اظہار کیا ہے، ان ہی لوگوں میں حافظ ابن حجر کا نام بھی لیا ہے، اس لئے مجھے یہ تنبیہ کرنی پڑی، واللہ اعلم بما فی صدور عباده۔

یہاں کچھ مختصر حال علم و علماء کی فضیلت کا ذکر کر کے حضور سرور کائنات ﷺ کے زمانہ خیر و برکت کے علمی حالات بیان ہوں گے اور آگے محدثین کے تذکرے ہوں گے، واللہ الموفق۔

علم اور علماء کی فضیلت

قال الله تعالى

- ۱- من یوت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً۔
 - ۲- هل یتوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔
 - ۳- یرفع اللہ الذین امنو منکم والذین اوتوا العلم درجات۔
- جس کو علم و حکمت عطا ہوئی اس کو خیر کثیر دے دی گئی۔
کیا اہل علم اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔
تم میں سے جن کو دولت ایمان عطا ہوئی ان کا درجہ خدا کے
یہاں بلند ہے اور جن کو علم بھی عطا ہوا ان کے درجات و
مراتب تو بہت ہی زیادہ ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

- ۱- من یرد اللہ بہ خیر یرفقہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعصی (متفق علیہ)
 - ۲- فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد۔
 - ۳- فضل العالم علی العابد کفضل علی ادناکم، ان اللہ و ملائکتہ و اهل السموات و الارض حتی النملة فی حجرہ و حتی الحوت لیصلون علی معلم الناس الخیر (ترمذی)
- جن کے واسطے اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتے ہیں ان کو دین کی سمجھ عطا کرتے ہیں، علوم نبوت عطا خداوندی ہیں جن کو میں پہنچاتا ہوں۔
ایک فقیہ عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔
ایک عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنی آدمی پر، اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور زمین و آسمان کے رہنے والے حتیٰ کے چوئیٹیاں اپنے سوراخوں میں اور مچھلیاں بھی ان عالموں کے حق میں دعاء خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو خیر و بھلائی کی تعلیم دیتے ہیں۔

عہد نبوی میں تعلیمی انتظامات

- علم و حکمت و قرآن و حدیث اور فقہی مسائل کی تعلیم و ترویج کے لئے حضور اکرم ﷺ نے اپنے زمانہ ہی میں معلمین، مدرسین و مبلغین کا تقرر فرمایا تھا جس کا اجمالی خاکہ ذیل کے مختصر اشارات سے ہوگا۔
- ۱- انصار مدینہ کے ہمراہ ابن ام مکتوم اور مصعبؓ کو روانہ فرمایا کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور مسلمانوں کو قرآن مجید اور احکام اسلام سکھائیں۔ (بخاری کتاب التفسیر، کامل ابن اثیر و ابن خلدون)
 - ۲- نجران والوں کے لئے عمرو بن حزم کو مقرر فرمایا کہ ان کو قرآن مجید پڑھائیں اور احکام شریعت بتائیں۔ (استیعاب)
 - ۳- یمن اور حضرموت کے لئے حضرت معاذ بن جبل کو معلم بنا کر بھیجا۔ (ابن خلدون)
 - ۴- قارہ و عضل دو قبائل اسلام لائے، قرآن کی تعلیم کے لئے یہ چھ اساتذہ مقرر فرمائے، مرشد بن ابی مرشد، عاصم بن ثابت، ضعیب ابن عدی، خالد بن البکیر، زید بن وثنہ، عبداللہ بن طارق۔
 - ۵- مدینہ طیبہ تمام علمی و تبلیغی جدوجہد مساعی کا مرکز تھا جہاں چار بڑے معلم اور ایک خوشنویس کا تب تعلیم کے لئے مقرر تھے اور خود

سرور کائنات ﷺ اس کے مدبر اعلیٰ اور سرپرست تھے، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا ”قرآن مجید کی تعلیم ان چار بزرگوں سے حاصل کروا۔ عبداللہ بن مسعود ۲۔ سالم مولیٰ حذیفہ ۳۔ ابی بن کعب ۴۔ معاذ بن جبل اور معلم کتاب عبداللہ بن سعید ابن العاص تھے۔ (استیعاب) چنانچہ ماہ رمضان ۱۰ھ ہجری میں قبیلہ عامر کے دس نفر ایمان لائے اور مدینہ طیبہ کے مرکزی دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی، حضرت ابی بن کعب ان کے استاذ تھے۔

اور اس سال قبیلہ بنی حنیفہ کا ایک وفد اسلام لایا جنہوں نے دوسرے طلباء کے ساتھ موصوف ہی کے حلقہ درس میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کی۔ (ابن خلدون)

پھر قبیلہ تمیم کے ستر ۷۰، اسی ۸۰ آدمی اسلام لاکر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو انہوں نے بھی اسی مرکزی دارالعلوم میں پڑھا۔ (استیعاب) اور قبیلہ بنی سلیمان کے سات طلباء علم مدینہ طیبہ پہنچے جن کے سردار حضرت خبیب تھے، انہوں نے بھی اسی مرکز علم سے خوشہ چینی کی۔ (ابن خلدون) اس کے علاوہ بہت سے خوش نصیب عالی مرتبت صحابہ ایسے بھی تھے جن کی تعلیم و تربیت سرور کائنات ﷺ خود بنفس نفیس فرماتے تھے جن کے سرپرست حضرت خلفاء راشدین، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو ذر، حضرت انس وغیرہ تھے اور حضرت ابوالدرداء نے تمام قرآن مجید حضور ﷺ ہی سے یاد کیا۔ (تذکرہ ذہبی)

یہ سب حضور اکرم ﷺ کی شان انما بعثت معلما کا فیض تھا کہ خود حضور ﷺ کا امتیاز خصوصی علم و تعلیم کی زیادہ سے زیادہ ترویج و اشاعت تھا، یہی وجہ تھی کہ تھوڑے ہی دنوں میں سرزمین عرب کا جہالت کدہ علوم و فنون کا گہوارہ بن گیا اور ان ہی عربوں کی شاگردی ایشیا، افریقہ اور یورپ تک نے اختیار کی۔

اس عہد نبوی ہی کے علمی شوق کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ بخاری کتاب المغازی میں ہے کہ عمر بن سلمہ نے بیان کیا۔

”میں ۶-۷ سال کا تھا اور میرے والدین اور قبیلہ کے لوگ بھی مسلمان نہ ہوئے تھے، ہمارا گاؤں مدینہ طیبہ کے راستے پر تھا، میں ہر روز راستہ پر آ کر بیٹھ جاتا تھا اور مدینہ طیبہ آنے والوں سے پوچھ پوچھ کر قرآن مجید یاد کیا کرتا تھا، کچھ دن کے بعد جب میرے قبیلہ کے لوگ اسلام لائے اور میں بھی مسلمان ہوا تو وہ لوگ مجھ ہی کو نماز میں امام بناتے تھے، کیونکہ میں نے پہلے ہی سے راستہ پر گزرنے والوں سے قرآن مجید کا بہت سا حصہ یاد کر لیا تھا اور مجھ سے زیادہ کسی کو یاد نہ تھا۔“

معجم البلدان میں کوفہ کے بیان میں امام احمد سے سفیان ثوری کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔ ”احکام حج کے لئے مکہ، قرأت کے لئے مدینہ اور حرام و حلال کے لئے کوفہ مرکز ہے۔“

مرکز علم کوفہ کے دارالعلوم سے فارغ شدہ علماء

ابن قیم نے امام صاحب کے زمانہ تک ایسے محدثین، فقہا، مفتیین و قضاة کے پانچ طبقے گنائے ہیں۔

۱- طبقہ اول میں۔ علامہ شععی کوفی، علقمہ بن قیس کوفی، اسود بن یزید کوفی، مسروق الاجدع (متنبی حضرت عائشہ) عمرو بن میمون کوفی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، عبیدہ بن عمر کوفی، قاضی شریح کوفی، قاضی سلیمان بن ربیعہ کوفی، عبدالرحمن بن یزید کوفی، ابووائل کوفی وغیرہ، یہ اکابر محدثین اکابر تابعین سے ہیں جو ابن مسعود اور علیؑ کے خاص شاگرد تھے۔

۲- طبقہ دوم میں۔ ابراہیم نخعی، قاسم بن عبدالرحمن بن عبداللہ، ابوبکر بن موسیٰ، محارب بن وثار، حکم بن عتبہ، جبلیہ بن سہیم وغیرہ۔

۳- طبقہ سوم میں۔ حماد بن ابی سلیمان، سلیمان اصغر، سلیمان اعمش، مسعر بن کدام وغیرہ۔

۴- طبقہ چہارم میں - محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن شبرمہ، قاسم بن معن، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ، حسن بن صالح وغیرہ۔
 ۵- طبقہ پنجم میں - اصحاب ابی حنیفہ، حفص بن غیاث، وکیع بن الجراح، زفر بن ہذیل، حماد بن ابی حنیفہ، حسن بن زیاد، محمد بن الحسن، عافیۃ القاضی، اسد بن عمرو، نوح بن دراج، القاضی، سخی بن آدم اور اصحاب سفیان ثوری وغیرہ۔

تہذیب التہذیب میں ہے کہ جب حماد فقیہ العراق حج سے واپس آئے تو فرمایا - ”اے اہل کوفہ! میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ کوفہ کے کمسن لڑکے عطاء، طاؤس، مجاہد محدثین مکہ سے افتخار ہیں۔“

صحیح حاکم میں شععی سے روایت ہے کہ صحابہ میں ۶ قاضی تھے، جن میں سے تین مدینہ میں تھے، عمر، ابی بن کعب، زید اور تین کوفہ میں علی، ابن مسعود، ابو موسیٰ۔

علامہ عبد بن رجب سے نقل ہے کہ آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا، جواب دیا تو سائل نے کہا کہ اہل شام تو آپ کی اس بات کے خلاف بتلاتے ہیں، آپ نے فرمایا ”اہل شام کو ایسا مرتبہ کہاں سے حاصل ہوا؟ یہ مرتبہ تو صرف اہل مدینہ و اہل کوفہ کا ہے (کہ ان کے اقوال سے حجت پکڑی جائے) (عقود الجواہر المذیہ)

امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں تحصیل علم کے لئے مختلف شہروں میں گیا ہوں لیکن کوفہ و بغداد میں تو اتنی بار گیا ہوں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔

شیوخ امام اعظمؒ

۱- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضور ﷺ کے زمانہ خیر القرون کے مشاہیر اصحاب فضل و کمال میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے، آپ حضرت عمرؓ سے پہلے ایمان لائے تھے اور ایمان لانے کا واقعہ استیعاب میں اس طرح ہے۔ ایک روز وہ عقبہ کی بکریاں چرا رہے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کا اس طرف سے گذر ہوا، حضور ﷺ نے ایک بانجھ بکری کو پکڑ کر اس کا دودھ دوہا، خود بھی نوش فرمایا اور حضرت ابو بکرؓ کو بھی پلایا، اس وقت عبداللہ ایمان لائے اور عرض کیا کہ مجھے قرآن تعلیم فرمائیے! آپ نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا یرحمک اللہ فانک علیم معلم (اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تو دنیا میں علم پھیلانے والا لڑکا ہے) پھر حضور ﷺ نے ان کو اپنے پاس ہی رکھ لیا تا کہ کسی وقت علیحدہ نہ ہوں اور فرمایا کہ تمہارے اندر آنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں جب چاہو پردہ اٹھا کر بلا روک ٹوک چلے آیا کرو اور ہماری ہر قسم کی باتیں سنو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسی وقت سے دنیا کے اس مربی اعظم اور سردار اولین و آخرین کی خدمت عالی کو لازم پکڑ لیا، ہر وقت خدمت اقدس میں حاضر رہتے اور علوم نبوت سے دامن مراد بھرتے۔ (استیعاب)

پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ اختصاص اس حد تک ترقی کر گیا تھا کہ صحابہ ان کو خاندان نبوت ہی کا ایک فرد سمجھنے لگے تھے اور حضور اکرم ﷺ کی توجہ خاص اور خود موصوف کے طلب و شوق علم نے ان کو اس درجہ پر پہنچایا کہ جب عبدالرحمن بن یزید نے حضرت حذیفہ صحابی سے دریافت کیا کہ صحابہ میں سے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اخلاق، اعمال و سیرت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اشبہ کون ہیں؟ تا کہ ہم ان سے استفادہ کریں، تو حذیفہؓ نے فرمایا کہ حضرت ابن مسعودؓ کے سوا کوئی صحابی ان باتوں میں آپ کے ساتھ اشبہ نہیں ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی تکمیل علوم کے بعد حضور ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ہی ان کو درس و تعلیم کی اجازت عطا فرمادی تھی اور قرآن و حدیث و تعلیم مسائل ہر ایک کے لئے صراحت سے صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ ابن مسعودؓ سے حاصل کرو، استیعاب میں ہے کہ ابن مسعودؓ قرآن مجید کے سب سے بڑے عالم اس لئے بھی تھے کہ حضرت جبریلؑ کا معمول تھا کہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک بار قرآن مجید کا دور

کرتے تھے لیکن وفات کے سال اسی ماہ میں دوبارہ دور کیا اور ان دونوں دوروں میں حضرت ابن مسعودؓ بھی موجود تھے۔

اور پھر ایک بار یہ بھی فرمایا کہ ابن مسعودؓ جن امور کو پسند کریں میں ان کو اپنی ساری امت کے لئے پسند کرتا ہوں اور جن امور کو وہ ناپسند کریں میں بھی انہیں ناپسند کرتا ہوں۔ (کنز العمال، اکمال خطیب)

اور علم و فضل، سیرت و کردار کی ان عالی اسناد کے ساتھ حضور ﷺ نے ان کو کمال فہم و فراست، اعلیٰ قابلیت، انتظام ملکی، علم سیاست و تدبیر منزل اور معاملہ فہمی کی سند بھی اس طرح عطا فرمائی۔

”اگر میں کسی کو بلا مشورہ امیر المؤمنین بناتا تو بے شک ابن مسعود اس کے مستحق تھے۔“

کوفہ والوں نے ایک دفعہ فاروق اعظمؓ سے شکایت کی کہ اہل شام کے وظائف میں ترقی کر دی گئی اور ہم محروم رہے، تو انہوں نے فرمایا ”اہل شام کے تو وظائف میں ترقی کی گئی لیکن تمہارے علوم میں ترقی کی گئی ہے، کیونکہ تمہاری تعلیم کے لئے ابن مسعود کو بھیج دیا گیا ہے جن کے فضل و کمال کا اندازہ اس سے کرو کہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس وقت بھی حاضر رہتے تھے، جب ہم لوگ اپنے کاروبار میں ہوتے تھے اور جب ہم لوگ پردہ کی وجہ سے اندر نہیں جاسکتے تھے اور وہ اندر ہوتے تھے۔“

یہ ابن مسعود کے لئے فاروق اعظمؓ کی طرف سے علوم قرآن و حدیث سے واقفیت تامہ کی بڑی سند ہے، ظاہر ہے کہ جو ہمہ وقت حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر باش رہا، اس نے علوم نبوت سے کتنا بڑا استفادہ کیا ہوگا۔

اور ایک دفعہ فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ ”ابن مسعود مجسم علم ہیں۔“

حضرت علیؓ سے جب حضرت عبداللہ بن مسعود کے علم کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا۔

”ابن مسعود نے تمام قرآن کو پڑھا اور احادیث رسول ﷺ کو جانا، یہی کافی ہے۔“

علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں امام مسروق (جلیل القدر تابعی) سے نقل کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دیکھا تو ان سب کے علوم کا سرچشمہ چھ صحابہ کو پایا، علی، ابن مسعود، عمر، زید، ابوالدرداء، اور ابی اس کے بعد پھر دیکھا تو ان چھ کے علم کا خزانہ حضرات علی اور ابن مسعود کو پایا، ان دونوں کا علم یثرب کی پہاڑیوں سے اٹھا اور کوفہ کی وادیوں میں برسا ان دونوں آفتاب و ماہتاب نے ریگستان کوفہ کے ذرہ ذرہ کو چمکا دیا تھا۔

پھر اس آفتاب خیر و سعادت اور نیر علم و فضل سے علمی دنیا نے کس قدر استفادہ کیا اس کا اندازہ اسرار الانوار کے اس اقتباس سے کیا جائے کہ۔

”کوفہ میں ابن مسعود کے حلقہ درس میں بیک وقت چار چار ہزار طلباء شریک ہوتے تھے، جس وقت حضرت علیؓ کوفہ پہنچے تو ابن مسعود اپنے

شاگردوں کو لے کر استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے، تمام میدان طلباء سے بھر گیا تھا، حضرت علیؓ نے ان کو دیکھ کر فرط مسرت سے فرمایا ”ابن مسعود! تم نے تو کوفہ کو علم و فقہ سے مالا مال کر دیا اور یہ شہر تمہاری وجہ سے علم کا مرکز ہو گیا۔“ یہ واقعہ مبسوط سرخی وغیرہ میں بھی نقل ہوا ہے، مگر خلاف

تحقیق ہے، علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا کہ۔ ”فن تاریخ کے امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اسلام میں کوئی شخص ابن مسعود کے سوا ایسا نہیں ہوا جس کے درس سے نامور علماء نکلے ہوں اور اس کے مذہب و فتاویٰ کے ساتھ یہ اعتنا کیا گیا ہو کہ ان کو حرف بحرف لکھا ہو۔“

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفاء ص ۱۸۵ میں لکھا ہے کہ۔

”ابن مسعود بڑے جلیل القدر صحابی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں اور اپنی امت کے لئے اپنے بعد، قراءۃ قرآن اور فقہ و تذکیر میں انہیں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا اور تمام اصحاب میں سے حضور ﷺ کی خدمت و صحبت کا شرف ان کو زیادہ تھا۔“

انبیاء کے بعد انسانی ترقی کا یہ سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے کہ ایک شخص علوم انبیاء کا جانشین ہو اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ یہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ امام اعظمؓ کے علمی خاندان کے مورث اعلیٰ ہوئے۔

۲- حضرت علقمہ بن قیس (فیہ عراق)

جلیل القدر تابعی تھے۔ ۶۲ھ میں وفات پائی، حضرت عمر، عثمان، علی، سعد، حذیفہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ کی زیارت سے مشرف اور ان کے علوم سے فیضیاب ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کامل و مکمل استفادہ علوم و کمالات کیا اور ان کے بعد ان کی جگہ تعلیم و رشد و ہدایت کی مسند پر بٹھائے گئے، علامہ ذہبی نے ان کے تذکرہ میں لکھا۔

”انہوں نے ابن مسعود سے قرآن پڑھا، تجوید سیکھی اور تفقہ حاصل کیا اور ان کے تمام شاگردوں میں سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔“

جس طرح حضرت ابن مسعود رسول اکرم ﷺ کے علوم، اعمال، اخلاق و عادات کا نمونہ تھے اسی طرح ان امور میں علقمہ ابن مسعود کا

نمونہ تھے، تہذیب التہذیب میں اعمش سے نقل ہے کہ۔

”عمارہ سے ابو عمر نے کہا، مجھے ایسے شخص کے پاس لے چلو جو اخلاق، عادات و اعمال میں ابن مسعود کا نمونہ ہو، تو عمارہ اٹھے اور ان کو

لے کر علقمہ کی مجلس میں جا بیٹھے۔

ابوالمثنیٰ نے فرمایا کہ۔

”جس نے عبداللہ بن مسعود کو نہ دیکھا ہو وہ علقمہ کو دیکھ لے، ان دونوں میں کچھ فرق نہیں۔“

علقمہ فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت ابن مسعود نے ان کو مندرجہ ذیل الفاظ میں سند فضیلت عطا کی۔

”میں نے جو کچھ پڑھا اور مجھے آتا ہے وہ سب علقمہ پڑھ چکے اور ان کو آ گیا ہے۔“

پہلے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن و حدیث کے عالم تھے اور انہوں نے اپنے تمام علوم علقمہ کو ودیعت

فرمائے تو ظاہر ہے کہ تابعین میں علقمہ سے زیادہ قرآن و حدیث کا عالم نہ تھا، علقمہ سے کتب احادیث میں ہزاروں احادیث مروی ہیں۔

۳- حضرت ابراہیم نخعی (فیہ عراق)

ولادت ۵۰ھ و وفات ۹۶ھ چند صحابہ کرام کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے، فن حدیث کے امام ہیں اور اس قدر کمال و تبحر حاصل تھا

کہ ”صیر فی الحدیث“ کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ ان کی علمی عظمت و جلال کا رعب سلاطین جیسا تھا، حالانکہ وہ شہرت سے بہت بچتے تھے،

درس میں بھی ممتاز جگہ نہ بیٹھتے تھے، خلاصۃ التہذیب کے حاشیہ میں ابن شعیب سے نقل ہے کہ بصرہ، کوفہ، حجاز اور شام میں ابراہیم سے زیادہ

کوئی عالم نہ تھا، ابن سیرین اور حسن بصری بھی علم میں ان سے زیادہ نہ تھے۔

ان کے انتقال پر علامہ شععی نے فرمایا تھا کہ ”انہوں نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے زیادہ عالم نہیں چھوڑا“۔ کوفہ میں بعہدہ اناء ممتاز تھے

اور حضرت علقمہ کے افضل ترین شاگرد تھے، ان کی جگہ یہی مسند علم پر بیٹھے۔

تہذیب التہذیب میں ابوالمثنیٰ سے نقل ہے کہ ”علقمہ ابن مسعود کے فضل و کمال اور اعمال کا نمونہ ہیں اور ابراہیم نخعی تمام علوم میں علقمہ

کا نمونہ ہیں، ان کی وفات کے وقت امام اعظم کی عمر ۲۶ سال تھی، امام صاحب نے ان سے بھی روایت کی ہے، امام صاحب کے سال ولادت

میں اختلاف ہے، علامہ کوثری نے ۷۰ھ کو ترجیح دی ہے۔

۴- حماد بن ابی سلیمان (فیہ عراق)

خادم خاص رسول اکرم ﷺ حضرت انس اور کبار محدثین زید بن وہب، سعید بن جبیر، سعید بن المسیب، عکرمہ، ابووائل، حسن

بصری، عبدالرحمن بن بریدہ، عبدالرحمن بن سعید اور علامہ شععی سے روایت کی اور ان کے بھی بڑے بڑے محدثین عاصم، شعبہ، ثوری، حماد بن مسلمہ، مسعر بن کدام اور ہشام جیسے ائمہ فن شاگرد ہیں۔

امام بخاری و مسلم نے بھی ان سے روایت کی ہے اور سنن اربعہ میں تو بکثرت ان کی روایات ہیں، حضرت ابراہیم نخعی کے تمام شاگردوں سے افقہ ہیں۔ (بخ، تہذیب، ونیل الفرقین ص ۸۰)

تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ ابراہیم کی حدیثوں کا حماد سے زیادہ کوئی واقف نہ تھا، چنانچہ ابراہیم کے بعد ان کی مسند تعلیم پر بھی وہی بٹھائے گئے اور فقیہ العراق مشہور ہوئے (وفات ۱۲۰ھ)

۵- عامر بن شراحیل الشععی (علامہ التابعین)

ولادت ۱۰۳ھ ان کو پانچ سو صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل ہے، عاصم کہتے ہیں کہ کوفہ، بصرہ، حجاز میں شععی سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا خود فرمایا کرتے تھے کہ بیس سال سے آج تک کوئی وایت کسی محدث سے ایسی نہیں سنی کا مجھے علم نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر صحابی نے ایک بار شععی کو مغازی کا درس دیتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ تمام محدثین سے اور مجھے سے بھی زیادہ یہ مغازی کو جانتے ہیں، یہ صحابہ کے سامنے درس دیتے تھے اور صحابہ بھی شریک درس ہوتے تھے۔

ابوہاز نے کہا کہ ”حضرت سعید بن المسیب مفتی مدینہ، عطاء محدث مکہ، حسن بصری و ابن سیرین محدث بصرہ سب کو میں نے دیکھا مگر شععی کو ان سب سے زیادہ افقہ پایا۔“

ابن عیینہ محدث کہا کرتے تھے کہ ابن عباس، شععی، سفیان ثوری اپنے وقت میں بے مثل ہوئے ہیں، ابواسحاق کہا کرتے تھے کہ شععی تمام علوم میں بے نظیر ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا۔

سب سے پہلے علامہ شععی نے ہی امام اعظم کی غیر معمولی صلاحیتوں کو انداز کر کے ان کو علم حاصل کرنے کا شوق دلایا تھا اور امام صاحب برسوں کے ان کے حلقہ درس میں شریک رہے، اسی لئے امام صاحب کے بڑے شیوخ میں ان کا شمار ہے۔

امام صاحب نے دس سال حضرت حماد کی خدمت میں رہ کر فقہ کی تحصیل کی اور دوسرے بزرگوں سے بھی استفادہ کیا اس کے بعد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور کوفہ میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے آپ نے احادیث نہ سنی ہوں، ابوالحسان شافعی نے امام صاحب کے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں جن میں سے ۹۳ کوفہ کے ساکن یا نزیل کوفہ تھے، جن میں سے امام شععی کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور چند دوسرے حسب ذیل ہیں۔

۶- سلمہ بن کہیل

مشہور محدث و تابعی تھے، سفیان (استاد امام شافعی) نے فرمایا کہ سلمہ ایک رکن ہیں ارکان میں سے، ابن مہدی کا قول ہے کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایۃ تھے، منصور، سلمہ، عمرو بن مرہ، ابو حصین۔

۷- سلیمان بن مہران ابو محمد الاعمش الکوفی

کوفہ کے جلیل القدر محدث و فقیہ تابعی تھے، باوجودیکہ امام صاحب کے اساتذہ کے طبقہ میں تھے اور امام صاحب نے ان سے روایات بھی کی ہیں مگر امام صاحب کے تفقہ و اجتہاد کے بڑے مداح تھے۔

ایک بار امام صاحب بھی آپ کی مجلس میں تھے، کسی نے سوال کیا تو آپ نے امام صاحبؒ ہی کو جواب کے لئے ارشاد فرمایا، امام صاحب نے جواب دیا تو اس کو بہت پسند فرمایا اور پوچھا کہ یہ جواب آپ نے کس دلیل سے دیا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ فلاں حدیث سے جو آپ ہی سے میں نے سنی ہے، امام اعمش اس پر بہت متحیر ہوئے اور فرمایا کہ ”اے گروہ فقہاء! واقعی ہم لوگ تو صرف دو فروش ہیں اور تم طیب ہو“۔ (عتود الجواہر المیہ)

اسی طرح کا واقعہ امام اعمشؒ ہی کا امام ابو یوسفؒ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا کہ امام اعمشؒ نے فرمایا تھا کہ یہ حدیث مجھ کو اس وقت سے یاد ہے کہ تمہاری پیدائش کے آثار بھی نہ تھے لیکن اس کے معانی پر آج تنبیہ ہوا، بیشک ہم لوگ دو فروش ہیں اور آپ لوگ اطباء ہیں۔

یعنی دو فروش تو دواؤں کے نام اور ان کے اچھے برے اقسام وغیرہ سب جانتا پہچانتا ہے لیکن طیب نہ صرف ان چیزوں کا عالم ہوتا ہے بلکہ وہ ان کے خواص تاثرات اور طریق استعمال وغیرہ کو بھی جانتا ہے۔

امام اعمش کی ولادت باختلاف روایت ۵۹ھ یا ۶۱ھ میں ہوئی اور وفات میں بھی تین قول ہیں ۱۲۵ھ، ۱۲۷ھ اور ۱۲۸ھ واللہ اعلم۔

ان ہی اعمش سے منقول ہے کہ ابراہیم نخعی (استاذ استاذ الامام الاعظمؒ) کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ابراہیم کے سامنے جب بھی حدیث پیش کی تو اس کا علم ضرور ان کے پاس پایا اور اعمش ان کو حدیث کا صیرفی (کھرا کھوٹا پہچاننے والے) کہا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی لئے میں جب کسی سے حدیث سنتا ہوں تو ابراہیم پر ضرور پیش کرتا ہوں (تا کہ ان کی صحت کے بارے میں اطمینان کر لوں، نیز اعمشؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو حدیث فقہاء میں دائر و سائر ہو وہ اس سے بہتر ہے جو شیوخ (محدثین رواۃ) میں دائر و سائر ہو۔

حسب تصریح ابن عبدالبرنی التمشید اہل نقد ابراہیم نخعی کے مراسیل کو صحیح احادیث کے درجہ میں سمجھتے تھے بلکہ ان کے مراسیل کو اپنے مسانید پر بھی ترجیح دیتے تھے۔

ایسے ہی اسمعیل بن ابی خالد کا قول ہے کہ امام شععی، ابوالضحیٰ، ابراہیم اور ہمارے دوسرے شیوخ مسجد میں جمع ہو کر حدیث کا مذاکرہ کرتے تھے جب ان کے پاس کوئی ایسا مسئلہ آجاتا تھا جس کو وہ حل نہ کر سکتے تھے تو ابراہیم نخعی کی طرف محول کر دیا کرتے تھے کہ ان سے معلوم کرو اور امام شععی نے فرمایا کہ ابراہیم نے فقہی گھرانہ میں تعلیم و تربیت پائی ہے، اس لئے فقہ تو ان کے گھر کی چیز تھی، پھر ہمارے پاس پہنچے تو ہمارے پاس کی تمام اعلیٰ درجہ کی احادیث لے کر اپنے حاصل کردہ فقہ کے ساتھ ملا لیں۔

حضرت سعید بن جبیر علمی حدیثی سوال کرنے والوں سے فرمایا کرتے تھے کہ حیرت کی بات ہے کہ تم مجھ سے سوالات کرتے ہو حالانکہ تمہارے پاس ابراہیم نخعی موجود ہیں، امام اعمش یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ ابراہیم کبھی کوئی بات اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے، معلوم ہوا کہ ابراہیم نخعی سے جتنے فقہی اقوال نقل کئے جاتے ہیں، خواہ وہ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الآثار میں ہوں یا امام محمدؒ کی کتاب الآثار میں یا ابن ابی شیبہ کی مصنف میں وہ سب آثار مرفوعہ کے حکم میں ہیں۔

روایت و درایت

حق یہ ہے کہ ابراہیم نخعی روایت بھی کرتے تھے اور درایت سے بھی کام لیتے تھے جب وہ روایت کرتے تھے تو علم حدیث کے امام بلکہ حجت تھے اور جب اجتہاد و استنباط کرتے تھے تو وہ ایسے دریائے صافی تھے کہ اس میں شائبہ تکدر نہ تھا کیونکہ تمام اسباب و شرائط اجتہاد ان میں موجود تھے۔ اسی لئے حسب روایت ابی نعیم وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ”نہ کوئی رائے بغیر حدیث کے مستقیم ہے اور نہ کوئی حدیث بغیر رائے کے“۔

اور یہی بہترین طریقہ ہے حدیث و رائے کو جمع کرنے کا، خطیب نے بھی الفقیہ والمتفقہ میں ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ جب حدیث صریح مل جاتی ہے تو اس سے مسائل کا جواب دیتا ہوں اور جب حدیث نہیں ملتی تو میں دوسری احادیث کی روشنی میں قیاس کر کے

جواب دیتا ہوں، غرض یہی سچ فقہ ہے۔

شیخ حماد: یہی امام جلیل ابراہیم نجفی تھے جن سے حدیث و فقہ حماد بن ابی سلیمان نے حاصل کیا اور ان کے جانشین ہوئے۔

امام اعظم: امام اعظم ان حماد سے حدیث و فقہ کا علم حاصل کر کے ان کے جانشین ہوئے، خود شیخ حماد کی موجودگی میں امام صاحب کا طرز یہ تھا کہ جب کوئی آکر سوال کرتا تو جواب دیتے پھر فرماتے کے ٹھیرو! میں آتا ہوں، حماد کی خدمت میں جاتے اور فرماتے کہ میں آپ شخص کو اس طرح جواب دیا ہے، آپ کیا فرماتے ہیں؟ شیخ حماد فرماتے کہ ہمیں اس بارے میں حدیث اس طرح پہنچی ہے، ہمارے اصحاب کا قول اس طرح ہے، ابراہیم کا قول یہ ہے، امام صاحب دریافت کرتے کہ کیا میں آپ سے اس حدیث کی روایت کر دوں؟ حماد فرماتے کہ ہاں۔

اللہ اکبر! یہ تھا امام اعظم کا ورع و تقویٰ اور احتیاط کس کس طرح ایک ایک مسئلہ کی تحقیق اپنے شیخ سے کرتے تھے اور حدیث کو روایت کرنے کی اجازت لیتے تھے، حدیث کی عظمت و قدر ان کے اور ان کے شیوخ کے دلوں میں کس قدر تھی! کہنے والوں نے امام اعظم کو کیا کچھ نہیں کہا مگر واقعات و حقائق پر پوری طرح نظر رکھنے والے کبھی وہ جھوٹی باتیں امام صاحب کی طرف منسوب نہیں کر سکتے جو امام صاحب کے دشمنوں اور حاسدوں نے کہی ہیں۔

امام صاحب اس طرح مسئلہ کی تحقیق کرنے کے بعد باہر آ کر پھر اس سائل کا مزید اطمینان کر دیا کرتے تھے، پھر اس طرح سے حاصل کئے ہوئے علم میں جو خیر و برکت تھی وہ بھی سب نے دیکھ لی۔

تفقہ و تحدیث

ابن عدی نے کامل میں بطریق یحییٰ بن معین نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ شیخ حماد نے فرمایا ”میں قتادہ، طاؤس اور مجاہد سے ملا ہوں، تمہارے بچے ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں، بلکہ بچوں کے بچے بھی زیادہ علم والے ہیں، اور یہ انہوں نے کسی شیخی یا بڑائی سے نہیں کہا، بلکہ بطور تحدیث نعمت کہا اور اس وجہ سے کہا کہ اس زمانہ کے بعض اہل حدیث جن کو فقہ سے مناسبت نہ تھی فقہ پر بے جا تنقید کرتے تھے، مسجد کوفہ میں بیٹھ کر غلط فتویٰ دیتے تھے اور ساتھ ہی بطور تعلیٰ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ شاید یہاں کے کچھ بچے ان مسائل میں ہماری مخالفت کریں گے، بچوں سے ان کی مراد وہ طلباء و تلامذہ ہوتے تھے جو ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہیں، یہ تصریح ابن عدی منقول ہے کہ ابراہیم سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد ہم کس سے تحقیق مسائل کریں؟ تو فرمایا حماد سے۔

شیخ حماد کی جانشینی

عقیلی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ابراہیم کی وفات کے بعد پانچ اشخاص نے مل کر چالیس ہزار روپے جمع کئے، ان میں ایک امام ابو حنیفہ بھی تھے اور یہ رقم لے کر حکم بن عقبہ کے پاس گئے کہ آپ ہماری جماعت کی سرپرستی کریں اور یہ رقم اپنے پاس رکھیں (غالباً اس رقم سے جماعت اہل علم کی ضروریات کا تکفل پیش نظر ہوگا، انہوں نے انکار کیا تو شیخ حماد کی خدمت میں پہنچے انہوں نے اس خدمت کو قبول فرمایا۔

کوفہ کے محدثین و فقہاء

علامہ محدث رامہرمزی نے ”الفاصل“ میں حضرت انس بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ میں کوفہ پہنچا تو دیکھا کہ ہاں چار ہزار طلباء تحصیل علم حدیث کر رہے تھے اور چار سو فقہا تھے، سواء کوفہ کے کون سا شہر بلاد اسلامیہ کے شہروں میں سے ایسا تھا جس میں اتنی بڑی تعداد محدثین و فقہاء کی بیک وقت موجود رہی ہو۔

رامہرمزی نے یہ بھی فرمایا کہ حافظ عفان محدث نے بتلایا کہ دوسری جگہوں پر روایت حدیث کا طریقہ ایسا تھا کہ ایک محدث کے پاس سے جو احادیث ملتی تھیں وہ دوسرے کے پاس نہیں ملتی تھیں مگر کوفہ پہنچ کر ہم نے چار ماہ رہ کر پچاس ہزار احادیث لکھیں اور ہم چاہتے تو ایک لاکھ بھی لکھ سکتے تھے مگر ہم نے ہر محدث سے وہی حدیثیں لیں جن کی تلقی بالقبول عام طور سے امت میں ہو چکی تھی بجز شریک کے کہ انہوں نے ہماری اس خواہش کی رعایت نہیں کی۔

خیال کیجئے کہ اتنی سخت شرط کے ساتھ اتنی بڑی مقدار میں مسند احمد میں کہ اتنی زیادہ نہیں ہیں، صرف چار ماہ کے اندر احادیث مشہورہ مطلقاً بالقبول کا بہ آسانی جمع کر لینا مرکز علم کوفہ کی کتنی بڑی فضیلت و خصوصیت ہے۔

امام بخاری اور کوفہ

غالباً اسی وجہ سے امام بخاری نے فرمایا تھا کہ میں تحصیل علم حدیث کے لئے کوفہ میں اتنی مرتبہ آیا گیا ہوں کہ ان کا شمار نہیں کر سکتا۔ یہ عفان بن مسلم الانصاری البصری، امام بخاری اور امام احمد وغیرہ کے استاذ ہیں، یہ روایت حدیث میں اس قدر محتاط تھے کہ ابن المدینی فرمایا کرتے تھے کہ کسی حدیث کے ایک حرف میں بنی ان کو شک ہو جاتا تو اس کی روایت نہیں کرتے تھے (تقدمہ نصب الراية للکوثری) جس مرکز علمی سے ایسی سخت شرطوں کے ساتھ محتاط محدثین نے احادیث جمع کی ہوں اور امام بخاری ایسے جلیل القدر امام حدیث نے بھی سب سے زیادہ اسی شہر سے علمی استفادہ کیا ہو، اس شہر میں امام اعظم اور ان کے اصحاب و تلامذہ کے پاس کیسے کیسے قیمت حدیثی ذخیرہ ہوں گے جن کی ساری عمریں اسی مرکز میں بسر ہوئیں۔

امام صاحب اور محدثین کی مالی سرپرستی

امام صاحب کو جماعت اہل علم کی مالی سرپرستی کا بھی ابتداء سے ہی کس قدر خیال تھا کہ بڑی بڑی رقوم جمع کرتے تاکہ محدثین و فقہاء پورے فراغ و اطمینان سے صرف تحصیل حدیث و فقہ کی طرف متوجہ رہیں، یہ ابتداء حال کا حوالہ میں نے اس لئے دیا کہ بعد کو جب امام صاحب خود ایک امام بلکہ امام الائمہ اور سید الفقہاء بنے تو اس وقت تو انہوں نے اہل علم کی وہ مالی خدمات کی ہیں کہ اس کی نظیر بھی مشکل سے ملے گی، امام صاحب کے حالات میں شائد ان کے ذکر کا موقع بھی آئے گا۔

کثرت محدثین و قلت فقہاء

ایک اہم چیز قابل لحاظ یہاں یہ بھی ہے کہ سب جانتے ہیں کہ صحابہ کے دور میں صرف محدثین تو ہزاراں ہزار تھے لیکن فقہاء صحابہ صرف چند ہی تھے جن کو آپ چاہیں تو انگلیوں پر گن لیں۔ اسی طرح آپ نے ابھی پڑھا کہ مرکز علمی کوفہ میں بھی تعداد فقہاء کی بہ نسبت محدثین کے بہت کم ہے حالانکہ حضرت علیؓ و عبداللہ ابن مسعودؓ کی وجہ سے وہ خاص طور سے فقہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقیہ کی مہم بہت شاق اور فقہ کا علم سب سے زیادہ دشوار ہے اور جن حضرات نے فقہ کو سہل و آسان قرار دیا وہ درست نہیں، پھر جن حضرات نے فقہ و حدیث دونوں میں کمال حاصل کیا ان کا مرتبہ سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔

واقعہ امام احمد رحمہ اللہ

علامہ سیوطی نے ”تدریب“ میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے امام احمد کو ملامت کی کہ آپ سفیان بن عیینہ کو چھوڑ کر امام شافعی کی مجلس

میں کیوں جاتے ہیں؟ امام احمد نے اس کو کیا اچھا جواب دیا، سنئے! فرمایا۔
 ”خاموش رہو! تم نہیں سمجھتے کہ اگر تمہیں کوئی حدیث اونچی سند سے کسی بڑے محدث کے پاس بیٹھ کر نہ ملی تو وہی حدیث کسی قدر نزول کے ساتھ دوسرے محدث سے مل جائے گی، اس سے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا! لیکن اگر تم اس جو ان (امام شافعیؒ) کی عقل و فہم سے فائدہ نہ اٹھا سکتے تو اس کا تدارک کسی دوسری جگہ سے ہرگز نہ ہو سکے گا۔“

واقعہ والد شیخ قابوس

رامہرمزی نے ”الفصل“ میں قابوس سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو چھوڑ کر علاقہ کے پاس کیوں جایا کرتے ہیں؟ فرمایا ”بات یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ خود رسول اکرم ﷺ کے صحابہ ان کے پاس مسائل کی تحقیق کے لئے آتے ہیں۔“
 ان کے علاوہ کوفہ میں ۳۳ حضرات فقہاتاء بعین اور بھی ایسے موجود تھے جو صحابہ کی موجودگی میں ”ارباب فتویٰ“ سمجھے جاتے تھے، قاضی شریح کو خود حضرت علیؓ نے ”اقضی العرب“ کا خطاب مرحمت فرمایا تھا، یہ بات اور ہے کہ آگے چل کر امام اعظمؒ کے تفقہ کے سامنے ان کے تفقہ کا رنگ بھی پھیکا پڑ گیا تھا اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ قاضی شریح کی توثیق و توصیف اگر حضرت علیؓ نے فرمائی تھی تو امام اعظمؒ کے تفقہ یا علمی و دینی بصیرت کی شہادت بطور بشارت و پیشگوئی سید الانبیاء رحمت دو عالم ﷺ نے دی تھی۔

دین و رائے

درحقیقت دین و رائے کو جمع کرنا ہی سب سے بڑا فقہا محدثین کا کمال تھا لیکن اس کمال کے لئے بہت بڑی عقل و سمجھ کی ضرورت ہے
 من یرد اللہ بہ خیر ایفقہہ فی الدین سے اسی دین و رائے کے جمع کرنے کی استعداد و صلاحیت کی طرف اشارہ ہے۔

واقعہ سفر شام حضرت عمرؓ

حضرت عمرؓ کے سفر شام کے مشہور واقعہ کو یاد کیجئے، شام کے قریب پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے، رک جاتے ہیں، آگے قدم نہیں بڑھاتے، اپنے رفقاء سے شہر میں داخل ہونے نہ ہونے کے بارے میں مشورہ کرتے ہیں اور پھر قطعی فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اسی جگہ سے مدینہ طیبہ کو واپس ہو جائیں۔

گورنر شام حضرت ابو عبیدہ (جلیل القدر صحابی) متحیر ہو کر حضرت عمرؓ سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ خدا کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ حضرت عمرؓ جواب میں فرماتے ہیں کہ ہاں! ہم خدا کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں، پھر مثال سے سمجھایا کہ اگر ایک زمین خشک ہو اور دوسری سرسبز تو چرواہا اپنے جانور اگر بجائے خشک زمین کے سرسبز زمین میں چرائے گا تو کیا تم اس کے اس عمل کو خدا کی تقدیر سے بھاگنا کہو گے؟ جس طرح وہ تقدیر سے بھاگنا نہیں، یہ بھی نہیں۔

فقیہ کا منصب

یہ حضرت عمرؓ کی اپنی فراست و فقاہت تھی، جس میں ان کا مرتبہ حضرت ابو عبیدہ جیسے ہزاروں صحابیوں سے بڑھا ہوا تھا، ایسے فیصلوں کو کسی ایک حدیث و اثر کے خلاف بظاہر سمجھا جاتا ہے یا باور کرایا جاسکتا ہے مگر درحقیقت ان فیصلوں کے پیچھے کتاب و سنت کی دوسری تصریحات و اشارات ہوتے ہیں، جن پر ہر ایک کی نظر نہیں جاتی، یہ صرف فقیہ ہی کا کام ہے کہ وہ تمام جوانب کو مستحضر رکھتا ہے اور حقائق و معانی سے اس کی نظر کسی وقت نہیں ہٹتی۔

ایسے ہی مواقع میں جب کبھی امام اعظمؒ کے کسی فیصلہ پر اس زمانہ کے اہل حدیث تنقید کرتے تھے تو حضرت امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارکؒ (جو امام بخاری کے کبار شیوخ میں ہیں) فرمایا کرتے تھے کہ ”اس جگہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے مت کہو بلکہ حدیث کی تشریح کہو“۔ یعنی جس کو تم امام کی ذاتی رائے سمجھ کر اعتراض کر رہے ہو وہ درحقیقت ان کی اپنی رائے نہیں بلکہ حدیث کے معنی، مراد اور شرح یہی ہے۔

۸- ابواسحاق سبعمی

کبار تابعین سے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور بہت سے صحابہ سے جن کے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھے ہیں (احادیث سنن، عجمی نے کہا کہ ۳۰ صحابہ سے بالمشافہ روایت کرتے تھے، علی بن المدینی (استاد بخاری) کا قول ہے کہ ابواسحاق کے شیوخ الحدیث کم و بیش تین سو تھے۔

۹- سماک بن حرب

بڑے محدث اور تابعی تھی، حضرت سفیان ثوری نے کہا کہ سماک نے حدیث میں کبھی غلطی نہیں کی، خود سماک نے فرمایا کہ میں ۸۰ صحابہ

سے ملا ہوں۔

۱۰- ہشام بن عروہ

مشہور تابعی تھے، بہت سے صحابہ سے روایت کرتے تھے، بڑے بڑے ائمہ حدیث مثل سفیان ثوری، امام مالک، سفیان بن عیینہ ان کے شاگرد تھے، ابن سعد نے ثقہ کثیر الحدیث کہا، ابو حاتم نے امام حدیث۔

بصرہ

کوفہ کے بعد امام صاحب نے بصرہ کا رخ کیا اور قنادہ سے حدیث حاصل کی جو بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے، عقود الجمان میں ہے کہ امام صاحب نے شعبہ سے روایت کی اور انہوں نے اپنے سامنے ہی امام صاحب کو فتویٰ و روایت کی اجازت بھی دیدی تھی۔

۱۱- قنادہ

حضرت قنادہ نے حضرت انس بن مالکؓ، عبداللہ بن سرجیسؓ، ابوالطفیل وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت کی۔

۱۲- شعبہ (متوفی ۱۶۰ھ)

بڑے مرتبہ کے محدث تھے، سفیان ثوری نے ان کو فن حدیث میں امیر المؤمنین مانا ہے، امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا، حضرت شعبہ امام صاحب کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے اور غائبانہ تعریف و توصیف کیا کرتے تھے۔ ایک روز فرمایا۔ جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے، اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہؒ ہم نشین ہیں، یحییٰ بن معین سے کسی نے پوچھا کہ آپ کا ابوحنیفہ کے بارے میں کیا خیال ہے، فرمایا کہ اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے ان کو حدیث و روایت کی اجازت دی، اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں۔ (عقود الجمان)

بصرہ کے دوسرے شیوخ عبدالکریم، ابوامیہ اور عاصم بن سلیمان الاحول وغیرہ سے بھی امام صاحب نے احادیث سنیں۔

مکہ معظمہ

بصرہ کے بعد امام صاحب نے تکمیل علم حدیث کے لئے مکہ معظمہ کے شیوخ حدیث سے استفادہ کیا۔

۱۳- عطاء بن ابی رباح

مشہور تابعی اور مکہ معظمہ کے ممتاز ترین محدث تھے، اکابر صحابہ نے استفادہ علوم کیا اور درجہ اجتہاد کو پہنچے خود فرمایا کرتے تھے کہ میں دو سو اصحاب رسول اللہ ﷺ سے ملا ہوں، عطاء ۱۵ھ تک زندہ رہے اور امام صاحب جب بھی مکہ معظمہ حاضر ہوتے تھے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ فرماتے تھے۔

۱۴- عکرمہ

عطاء کے علاوہ امام صاحب نے مکہ معظمہ کے دوسرے محدثین سے بھی حدیث حاصل کی جن میں سے حضرت عکرمہ (شاگرد حضرت عبداللہ بن عباس) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جنہوں نے حضرت ابن عباس، حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ صحابہ سے علم حدیث حاصل کیا تھا اور کم و بیش ستر مشہور تابعین تفسیر و حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔

مدینۃ الرسول ﷺ

مکہ معظمہ کے بعد امام صاحب نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ فرمایا، مختصر حالات ان شیوخ کے ملاحظہ کیجئے۔

۱۵- سلیمان

امام صاحب نے تحصیل حدیث میں علماء و محدثین مدینہ طیبہ سے بھی استفادہ کیا جن میں سے ایک حضرت سلیمان تھے جو ام المومنین حضرت میمونہ کے غلام تھے اور مدینہ طیبہ کے مشہور فقہائے سبعہ میں سے تھے۔

۱۶- سالم

دوسرے حضرت سالم امیر المومنین حضرت عمر فاروق کے پوتے تھے، یہ بھی وہاں اس وقت علم فقہ و حدیث اور مسائل شرعیہ میں مرجع عام و خاص تھے۔

شام

ملک شام کے مشہور و معروف امام حدیث و فقہ اوزاعی سے بھی امام صاحب مکہ معظمہ میں ملے ہیں اور دنوں میں علمی مذاکرات جاری رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن مبارک (تلمیذ خاص امام اعظم) کا بیان ہے کہ میں امام اوزاعی کی خدمت میں شام حاضر ہوا تو انہوں نے یہی ملاقات میں دریافت کیا کہ کوفہ میں ابو حنیفہ کون ہیں جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہے، اس پر میں خاموش رہا اور امام اوزاعی کو امام صاحب کے خاص خاص مشکل استنباطی مسائل سنا تا رہا اور جب پوچھتے کہ یہ کس کی تحقیق ہے تو کہتا کہ عراق کے ایک عالم ہیں وہ کہتے کہ وہ تو بڑے فقیہ معلوم ہوتے ہیں۔

ایک روز کچھ لکھے ہوئے اجزاء لے گیا جن میں امام صاحب کے ملفوظات قیمہ تھے اور سرنامہ پر ہی قال نعمان بن ثابت تحریر تھا، غور سے پڑھا، پھر پوچھا کہ یہ نعمان کون بزرگ ہیں؟

میں نے کہا کہ عراق کے ایک شیخ ہیں جن کی صحبت میں میں رہا ہوں، فرمایا کہ یہ بڑے پایہ کا شخص ہے، میں نے کہا کہ یہ وہی ابو حنیفہ ہیں جن کو آپ مبتدع بتلاتے تھے، امام اوزاعی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا اور جب حج کے لئے گئے تو امام صاحب سے ملاقات ہوئی اور ان ہی مسائل مہمہ کا ذکر آیا اور امام صاحب نے اس خوبی سے تقریر فرمائی کہ امام اوزاعی حیران رہ گئے اور امام صاحب کے جانے کے بعد مجھ سے کہا کہ ”اس شخص کے کمال نے اس کو لوگوں کی نظر میں محسود بنا دیا ہے، بے شبہ میری بدگمانی غلط تھی جس کا مجھے افسوس ہے“۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام

اوزاعی اور امام صاحب کے درمیان مذاکراتی افادہ کا تعلق رہا ہے۔

یہاں چند شیوخ کے اسماء گرامی ہم نے ذکر کر دیئے ہیں ورنہ امام صاحب کے شیوخ حدیث کثیر تھے، امام ابو حفص کبیر (تلمیذ امام محمد و شیخ امام بخاری نے تو دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے کم سے کم چار ہزار اشخاص سے احادیث روایت کی ہیں صرف شیخ حماد ہی سے دو ہزار حدیث کی روایت منقول ہے۔

علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں شیوخ کے نام گنا کر آخر میں ”وخلق کثیر“ لکھا ہے اور حافظ ابوالمحاسن شافعی نے عقود الجمان میں کئی سو حضرات شیوخ کے نام بقید نسب لکھے ہیں۔

خاص بات قابل ذکر یہ بھی ہے کہ امام صاحب کے اساتذہ اکثر تابعین ہیں اور رسول اکرم ﷺ تک صرف ایک واسطہ ہے، یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل، دیانت و پرہیزگاری کے اعلیٰ نمونہ خیال کئے جاتے تھے، ان دو قسموں کے سوا بہت کم ہیں۔

امام اعظم کے پاس ذخیرہ حدیث

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ”شرح سفر السعادت“ میں لکھا ہے کہ علماء سے منقول ہے کہ امام صاحب کے پاس بہت سے صندوق تھے جن میں احادیث مسموعہ کا ذخیرہ محفوظ تھا اور آپ نے تین سو تابعین سے علم حاصل کیا اور کل اساتذہ حدیث آپ کے چار ہزار تھے، جن کو کچھ لوگوں نے بحروف تہجی جمع کیا ہے، حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر وغیرہ ائمہ شافعیہ نے بھی اسی تعداد کو ذکر کیا ہے، مسند خوارزمی میں بھی سیف الائمہ سائلی سے یہی تعداد نقل کی گئی ہے۔

خاص کوفہ ہی جو امام اعظم کا مولد و مسکن تھا، اس میں ایک ہزار سے زیادہ صحابہ تو طبقات ابن سعد وغیرہ میں بھی مذکور ہیں لیکن ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ درس بخاری شریف میں فرمایا کرتے تھے کہ وہاں کئی ہزار صحابہ پہنچے ہیں۔

اسی لئے عفان بن مسلم نے کوفہ میں صرف چار ماہ اقامت کر کے پچاس ہزار حدیثیں لکھ لیں اور وہ بھی ایسی جو جمہور کے نزدیک مسلم و مقبول تھیں، یہ بات کوفہ کے سوا دوسری کسی جگہ کو خود ان ہی کے قول سے حاصل نہیں تھی، جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہی اور یہی وجہ ہے کہ تمام اکابر ائمہ و حفاظ حدیث کو طلب حدیث کے لئے کوفہ کا سفر کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

رجال کی کتابیں دیکھئے تو ہزاروں راوی کوفہ ہی کے ملیں گے جن کی روایت سے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دوسری کتب صحاح بھری ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے اپنی کتب صحاح میں تعامل سلف کے ساتھ اہل کوفہ کا تعامل بھی بڑی اہمیت سے نقل کیا ہے یہاں تک کہ امام ترمذی نے احکام فقہی کا کوئی باب کم چھوڑا ہے، جہاں اعتناء کے ساتھ اہل کوفہ کا مذہب نقل نہ کیا ہو اور اہل کوفہ کو ”علم بمعانی الحدیث“ اور ”اہل علم“ کے خطابات سے بھی نوازا ہے۔

یہ بات اس لئے اور زیادہ اہم ہو جاتی ہے کہ امام ترمذی، امام بخاری کے شاگرد رشید ہیں، ان سے ترمذی میں نقل حدیث بھی کرتے ہیں، باوجود اس کے جب مسائل و احکام میں دوسرے ائمہ کے مذاہب نقل کرتے ہیں تو امام بخاری کا مذہب نقل نہیں کرتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کو مجتہد مطلق ماننے کو وہ بھی تیار نہ تھے، حالانکہ آجکل کے اہل حدیث امام بخاری کو مجتہد منوانے پر بڑا زور صرف کرتے ہیں، ہم بھی امام بخاری کو مجتہد مانتے ہیں مگر مجتہدین کے مدارج و مراتب ہیں، امام اوزاعی بھی مجتہد تھے بلکہ ان کا مذہب بھی تیسری صدی کے وسط تک معمول بہ رہا، اسی طرح اور بھی ہوئے ہیں، مگر جو اجتہاد کا مرتبہ عالیہ ائمہ اربعہ کو حاصل ہوا وہ دوسروں کو حاصل نہ ہوسکا اور ان میں سے

بھی جو منصب عالی امام اعظم کو نصیب ہوا، دوسروں کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکی، امام صاحب کا یہ تفوق اپنوں اور غیروں سب ہی میں تسلیم شدہ ہے اور اسکا انکار روز روشن میں آفتاب عالم تاب کا انکار ہے جن لوگوں نے ایسا کیا ہے اس کا سبب محض حسد و عداوت یا امام صاحب کے مدارک اجتہاد سے ناواقفیت ہے۔

علامہ شعرانی شافعی نے ”میزان کبریٰ“ میں حضرت سیدنا علی الخواص شافعی سے نقل کیا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے مدارک اجتہاد اس قدر دقیق ہیں کہ ان کو اولیاء اللہ میں سے بھی صرف اہل کشف و مشاہدہ اچھی طرح جان سکتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ وضو کے مستعمل پان میں گناہوں کا مشاہدہ کرتے تھے اور وضو کرنے والے کو تنبیہ فرما دیا کرتے تھے زنا، غیبت یا شرب وغیرہ سے توبہ کرے جس میں ہو بتلا ہوتا تھا۔

نیز فرمایا کہ اہل کشف وضوء کے مستعمل پانی میں گناہوں کے اثرات اس طرح مشاہدہ کرتے ہیں جس طرح تھوڑے پانی میں نجاست غلیظہ پڑی ہو یا کتا مرا ہوا سڑ رہا ہو جس کو سب لوگ ظاہر کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں، اسی لئے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف ماء مستعمل کو مکروہ فرماتے تھے اور انہوں نے اس کی تین قسمیں کفری ہیں، ایک مثل نجاست غلیظہ کے جب کہ مکلف نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو، دوسری مثل نجاست متوسطہ جب کہ ارتکاب صغیرہ کیا ہو، تیسری ظاہر غیر مطہر اس احتمال پر کہ اس نے کسی مکروہ کا ارتکاب کیا ہو۔

علامہ شعرانی نے فرمایا کہ میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اہل کشف و شہود میں سے تھے، انہوں نے فرمایا، ہاں یہی بات ہے امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحب امام ابو یوسف اکابر اہل کشف میں سے تھے اور اسی لئے وہ ماء مستعمل میں کبار، صغائر اور مکروہات کو الگ الگ ممتاز حالت میں مشاہدہ کرتے تھے، رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ کاملۃ تامۃ۔

غرض یہ تھا امام اعظم کا مولد و مسکن اور علمی گہوارہ جس کی آغوش میں رہ کر انہوں نے تربیت پائی اور مذکورہ صدر قسم کے اکابر کے علوم نبوت سے سیراب ہو کر انہوں نے اپنی ساری عمر خدمت حدیث و فقہ میں بسر کی۔

ظاہر ہے کہ ایسی علمی وحدیثی سرزمین کا محدث اعظم اور فقیہ معظم بھی اگر کتاب وسنت کا پورا پورا تبع نہیں ہوا تو اور کون ہو سکتا ہے، اس کے بعد امام احب کے کسی قدر تفصیلی تعارف کے لئے ہم ان کے علمی و عملی کارناموں پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ ”انوار الباری“ میں زیر بحث آنے والے فقہی مسائل میں آپ کی عظمت و سیادت کی تصدیق ہو۔

وما توفیقنا الا باللہ علیہ توکلنا والیہ انیب

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثَّرِيَاءِ لَنَالَهُ رَجُلٌ مِنْ هَؤُلَاءِ (ابن ماجه)

تذكرة النعمان

يعنى

امام الائمة، سراج الائمة، حافظ حدیث، الحجّة البتة سید الفقہاء والمجتہدین شیخ المحدثین

فقیہ الملت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

کے علمی و عملی کمالات کا مرقع جمیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حالات امام اعظمؒ

تاریخ ولادت وغیرہ

تاریخ خطیب اور تاریخ ابن خلکان وغیرہ میں سند صحیح سے نقل ہے کہ امام صاحب کے پوتے اسماعیل نے کہا کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن مرزبان فارس کے ابناء احرار میں سے ہوں اور خدا کی قسم ہم پر کبھی غلامی کا دور نہیں آیا، آپ کے آباء و اجداد رؤساء میں سے تھے، ان کے والد ثابت بڑے تاجر تھے، حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ان کے خاندان کے لئے دعا فرمائی تھی۔ (تاریخ بغداد لابن جزلیہ)

۶۰۔ ہجرتی میں پیدا ہوئے، سنہ ولادت میں اختلاف ہے علامہ کوثری نے ۶۰ھ کو قرآن و دلائل سے ترجیح دی ہے۔

۸۷۔ ہجرتی میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گئے وہاں حضرت عبداللہ بن الحارث صحابی سے ملے اور حدیث سنی۔

۹۶۔ ہجرتی میں پھر حج کو گئے اور جو صحابہ زندہ تھے ان سے ملے۔

در مختار میں ہے کہ آپ نے بیس ۲۰ صحابہ کو دیکھا ہے۔

خلاصہ و اکمال فی اسماء الرجال میں ہے کہ چھبیس ۲۶ صحابہ کو دیکھا ہے۔

سکونت: امام صاحب کا وطن کوفہ حدیث کا سب سے بڑا مرکز تھا کیونکہ کوفہ میں ہزاروں صحابہ مقیم رہے، طبقات ابن سعد میں ایک ہزار سے زیادہ فقہاء کوفہ کا ذکر ہے جن میں ڈیڑھ سو صحابہ ہیں، کوفہ میں تین سو صحابہ تو بیعت الرضوان میں شریک ہونے والے ہی تھے اور ستر بدری تھے۔ (طبقات ابن سعد)

امام احمد نے سفیان ثوری کا قول نقل کیا ہے کہ احکام حج کے لئے مکہ، قراءت کے لئے مدینہ اور حلال و حرام کے مسائل کے لئے کوفہ مرکز ہیں۔ (معجم البلدان)

رسول اکرم ﷺ کے بعد علوم نبوت کے تین مرکز تھے، مکہ، مدینہ و کوفہ، مکہ کے صدر مدرس حضرت ابن عباس تھے، مدینہ کے حضرت ابن عمر اور زید بن ثابت اور کوفہ کے حضرت عبداللہ بن مسعود تھے۔ (اعلام الموقعین)

عبدالجبار بن عباس نے بیان کیا کہ میرے والد نے عطاء بن ابی رباح محدث مکہ معظمہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا تو فرمایا کہ تمہارا مکان لہا ہے؟ کہا کوفہ! عطاء نے فرمایا تعجب ہے تم مجھ سے مسئلہ پوچھتے ہو، مکہ والوں نے تو علم کوفہ والوں سے حاصل کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد)

کوفہ میں چار ہزار سے زیادہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اور آٹھ سو سے زیادہ حضرت ابو ہریرہ کے شاگرد تھے، غرض امام صاحبؒ

۱۔ تاریخ ابن خلکان ص ۶۶ ج ۲ میں ۶۱ھ اور ۸۰ھ دو قول نقل کئے ہیں، مسند خوارزمی ص ۲۱ ج ۱ اور معجم المصنفین ص ۹ ج ۲ میں بھی ۶۱ھ کی روایت نقل ہے جو حافظ حدیث حسن الخلال م ۳۳۹ھ سے ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۰ ج ۳ میں ان کا مفصل تذکرہ ہے)

نے اتنے بڑے علمی مرکز میں تربیت و تعلیم حاصل کی اور علماء حرمین شریفین سے بھی برابر استفادہ فرماتے رہے، اسی لئے امام صاحبؒ کے شیوخ کی تعداد چار ہزار تک آئی ہے۔ (شرح سفر السعادت شیخ محدث ملوی و مسند خوارزمی)
حافظ ابن حجر وغیرہ محدثین سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔
امام صاحبؒ کے اساتذہ میں صحابہ کے بعد اعلیٰ درجہ کے اہل علم و فضل تابعین تھے۔

امام صاحب کے بارے میں حدیثی بشارت

محدث کبیر علامہ جلال الدین سیوطی شافعیؒ نے تلبیض الصحیفة فی مناقب الامام ابی حنیفة میں تحریر کیا ہے کہ حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتسلیمات نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں بشارت دی ہے جس حدیث میں آپ نے فرمایا کہ ”اگر علم ثریا پر بھی ہوگا تو کچھ لوگ ابناء فارس کے اس کو ضرور حاصل کر لیں گے۔“ (اخرج ابو نعیم فی المحلیۃ عن ابی ہریرہؓ)
شیرازی نے ”القاب“ میں قیس بن سعد بن عبادہ سے ان الفاظ میں روایت کیا کہ ”اگر علم ثریا پر بھی معلق ہوگا تو اس کو ابناء فارس کی ایک قوم ضرور حاصل کر لے گی۔“
حدیث ابی ہریرہؓ مذکور کی اصل صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ان الفاظ سے ہے کہ ”اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو فارس کے کچھ لوگ اس کو وہاں سے بھی حاصل کر لیں گے۔“
مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو ابناء فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے بھی حاصل کر لے گا۔“
قیس بن سعد سے معجم طبرانی کبیر میں اس طرح ہے کہ ”اگر ایمان ثریا پر بھی معلق ہوگا کہ عرب اس کو نہ پہنچ سکیں تب بھی رجال فارس اس کو حاصل کر لیں گے۔“
حضرت ابن مسعودؓ سے معجم طبرانی میں اس طرح ہے کہ ”اگر دین ثریا پر بھی معلق ہوگا تو اس کو کچھ لوگ ابناء فارس میں سے ضرور حاصل کر لیں گے۔“
یہ سب تفصیل علامہ سیوطیؒ نے ذکر کر کے تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث اصل کے اعتبار سے صحیح ہے، بشارت و فضیلت کے باب میں معتمد ہے اور اس کے ہوتے ہوئے امام صاحب کی منقبت میں کسی غیر معتمد حدیث کی ضرورت نہیں، جس طرح امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے بارے میں بھی دو حدیثیں بشارت و فضیلت کے طور پر ائمہ نے ذکر کی ہیں اور کافی ہیں۔

امام صاحب تابعی تھے

علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ نے شرح مشکوٰۃ شریف میں تصریح کی ہے کہ امام صاحب نے آٹھ صحابہ کا زمانہ پایا ہے اور حضرت انس بن مالکؓ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی تہذیب التہذیب ص ۴۳۹ ج ۱۰ میں تصریح کی ہے کہ امام صاحب نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے۔

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت انسؓ کو جب وہ کوفہ میں تشریف لائے تو امام صاحبؒ نے ان کو کئی بار دیکھا ہے نواب صدیق حسن خان صاحب پیشوائے غیر مقلدین نے باوجود تعصب و مخالفت کے ”التاج المکمل“ میں روایت حضرت انسؓ کا اقرار کیا ہے اور خطیب کی تاریخ بغداد سے اس کو نقل کیا۔

غرض حافظ ذہبی، امام نووی، ابن سعد، خطیب بغدادی، دارقطنی، حافظ ابن حجر، ابن الجوزی، حافظ جلال الدین سیوطی، حافظ ابن حجر مکی، حافظ زین عراقی، حافظ سخاوی، ابن مقرئ شافعی، امام یافعی، امام جزری، ابو نعیم اصفہانی، ابن عبد البر، سمعانی، عبد الغنی مقدسی، سبط ابن

الجوزی، فضل اللہ توربشتی، ولی عراقی، ابن الوزیر، حافظ بدرالدین عینی، قسطلانی وغیرہ محدثین کبار نے روایت انسؓ کو تسلیم کیا ہے۔
جو حدیث صحیح کے مطابق اور محققین محدثین کے اصول پر بھی تابعی ہونے کے لئے کافی ہے۔

اسی لئے حافظ ذہبی نے امام صاحبؒ کو تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ خامسہ میں ذکر کیا ہے اور تقریب میں طبقہ سادسہ میں ذکر کرنے کو لغزش قلم قرار دیا گیا ہے۔

تاریخ خطیب ص ۸۳۰ ج ۴ میں ایک قول دارقطنی کی طرف بروایت حمزہ سہمی یہ بھی منسوب کیا گیا کہ جب دارقطنی سے دریافت کیا گیا کہ امام صاحبؒ کا سماع حضرت انسؓ سے صحیح ہے یا نہیں؟ تو کہا کہ ”نہیں اور نہ روایت ہی صحیح ہے“ حالانکہ دارقطنی نے کہا یہ تھا کہ ”نہیں مگر روایت صحیح ہے“۔
شاطر حسین نے لا الہ الا رؤیة کولاولا رؤیة بنادیا، چنانچہ امام سیوطی کی ”تمییز الصحیفہ“ میں حمزہ سہمی سے ہی دارقطنی کا جواب تفصیل سے نقل کیا ہے کہ امام صاحبؒ نے حضرت انسؓ کو یقیناً اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر روایت نہیں سنی۔

علامہ ابوالقاسم بن ابی العوام نے اپنی کتاب ”فضائل ابی حنیفہ واصحابہ“ میں بڑی تفصیل سے امام صاحبؒ کے معاصرین صحابہ کا تذکرہ کیا ہے، مکتبہ ظاہری دمشق میں یہ کتاب موجود ہے (ذکرہ العلامة الکوثری فی تانیب الخطیب ص ۱۵)

اس کے علاوہ مسند حصکفی میں ایک روایت بھی امام صاحبؒ کی حضرت انسؓ سے روایت کی گئی ہے یعنی ”الذال علی الخیر کفاعلہ“ اور یہ حدیث مسند بزار میں بھی حضرت ابن مسعودؓ اور انسؓ سے مروی ہے اور ابن ابی الدنیا نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔

نیز حافظ موفق نے مناقب الامام میں اپنی مسند سے بھی امام ابو یوسف کے واسطے سے امام صاحبؒ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت انسؓ بن مالکؓ سے سنا کہ ”رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، الذال علی الخیر کفاعلہ واللہ سبح اعانہ اللہفان (یعنی جو شخص نیکی کا راستہ بتلاے وہ بھی نیکی کرنے والے کے برابر اجر و ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ مظلوم و مصیبت زدہ کی فریاد رسی کو پسند فرماتے ہیں)“، جامع بیان العلم لابن عبدالبراء، فتح المغیث للسخاوی سے بھی امام صاحبؒ کی روایت میں وحدان کا ثبوت ملتا ہے۔

اسی طرح امام موفق نے کئی روایات امام ابو یوسفؒ وغیرہ کے واسطے سے حضرت انسؓ سے امام صاحبؒ کی زبانی نقل کی ہیں اس سے مخالفین معاندین کی یہ بات بھی رد ہوگئی کہ اگر امام صاحبؒ کی روایت کسی صحابی سے ثابت ہوتی تو آپ کے اصحاب ضرور اس کو روایت کرتے، ملاحظہ کر لیجئے کہ ایک امام ابو یوسف ہی سے کتنی روایات منقول ہیں۔ (مسانید امام اعظمؒ میں چھ وحدان ملتی ہیں)۔

واضح ہو کہ حدیث میں طوبی لمن رآنی و آمن بسی وطوبی لمن رای من رآنی وارد ہے جس سے ایمان کے ساتھ محض روایت پر صحابیت اور اسی طرح محض روایت پر تابعیت کا ثبوت واضح ہے، اسی لئے جمہور محدثین نے روایت کے ساتھ روایت وغیرہ کی شرط نہیں لگائی ہے، امام بزاز نے مقدمہ مناقب الامام میں اس پر بحث کی ہے وہ دیکھ لی جائے۔

اور ہدیۃ المہدی جلد دوم میں مولانا وحید الزماں صاحب حیدرآبادی پیشوائے غیر مقلدین نے لکھا ہے کہ ”تابعی وہ ہے جو کسی صحابی سے حالت ایمان میں ملا ہو“ لہذا ابو حنیفہؒ بھی اس لحاظ سے تابعین میں سے ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت انسؒ صحابی کو دیکھا ہے، جس کو ابن سعد نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔

اسی طرح فتاویٰ حافظ ابن حجر میں بھی تصریح ہے کہ ”امام صاحبؒ نے ایک جماعت صحابہ کو پایا جو کوفہ میں تھے لہذا وہ طبقہ تابعین میں سے تھے اور یہ فضیلت کسی کو آپ کے معاصرانہ امصار میں سے حاصل نہ ہوئی، مثلاً امام شام اوزاعی، امام بصرہ ہرودجماد، امام کوفہ سفیان ثوری، امام مدینہ امام مالک اور امام مصر لیث بن سعد“ (یعنی ان سب جلیل القدر ائمہ امصار کو شرف تابعیت حاصل نہ ہوا جو امام صاحبؒ کو حاصل ہوا)۔

۱۰ یعنی ایسی احادیث جن میں امام صاحبؒ نے براہ راست صحابہ سے سنا اور روایت کیا ہے نیز ملاحظہ ہوں جامع المسانید، مناقب کی، تمییز الصحیفہ للسیوطی۔

حافظ ابن حجر شافعی کا یہ نقل کر کے علامہ ابن حجر کی شافعی نے ”الخیرات الحسان“ میں لکھا کہ امام صاحب اجلہ تابعین میں سے تھے جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

والذین اتبعوہم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ واعدلہم جنات تجری تحتہا الانہار خالدین
فیہا ابداء ذالک الفوز العظیم۔

یہاں اس امر کی صراحت بھی غالباً بے محل نہ ہوگی کہ امام اعظم امام مالک سے کم از کم پندرہ سال بڑے تھے کیونکہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے (اگرچہ اقوال اس سے قبل پیدائش کے بھی ہیں، اور امام مالک ۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔

گویا امام صاحب کا زمانہ امام مالک سے بہت مقدم ہے پھر بھی صاحب مشکوٰۃ شیخ ولی الدین خطیب نے ”اکمال فی اسماء الرجال“ کے باب ثانی میں ائمہ متبوعین کا تذکرہ کیا تو امام مالک کو سب سے پہلے ذکر کیا اور یہ بھی لکھا کہ ہم نے امام مالک کا ذکر سب سے پہلے اس لئے کیا ہے کہ وہ زمانہ اور مرتبہ کے اعتبار سے مقدم ہیں۔

ملاحظہ کیجئے کہ امام اعظم کو صاحب مشکوٰۃ نے امام مالک سے عمر اور مرتبہ دونوں میں کم قرار دیا، یہ ایسے ایسے جلیل القدر محدثین کا امام صاحب کے ساتھ انصاف ہے۔

زمانہ کے تقدم و تاخر کو تو ناظرین خود ہی دیکھ لیں کہ پیدائش میں بھی امام صاحب مقدم ہیں اور پھر وفات میں بھی کہ امام صاحب کی وفات ۱۵۰ھ میں ہو جاتی ہے اور امام مالک کی ۱۹۹ھ میں ہوئی۔

اس کے بعد مرتبہ کو دیکھئے کہ حافظ ابن حجر شافعی کی تصریح ابھی آپ پڑھ چکے کہ امام صاحب تابعی تھے اور آپ کے معاصرین حتیٰ کہ امام مالک بھی تابعی نہیں تھے تو مرتبہ تابعی کا بڑا ہے یا تبع تابعین کا۔

پھر امام مالک کو علامہ ابن حجر کی شافعی نے امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کیا ہے، ملاحظہ ہو الخیرات الحسان ص ۶ تو مرتبہ استاد کا زیادہ ہے یا شاگرد کا، امام صاحب امام مالک کی روایت حدیث پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور امام صاحب کی روایت امام مالک سے مشکوک ہے چنانچہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام صاحب کی روایت امام مالک سے ثابت نہیں ہے اور دارقطنی نے جو روایتیں ذکر کی ہیں ان میں کلام ہے کیونکہ وہ بطور مذاکرہ تھیں، بطور تحدیث یا بقصد روایت نہ تھیں۔

علامہ کوثری نے اپنی بے نظیر محققانہ تصنیف ”احقاق الحق بابطال الباطل فی مغیث الخلق“ (جو امام الحرمین شافعی کے رد میں لکھی) کے آخر میں ۶ صفحہ کا ایک رسالہ بنام ”اقوام المساکل فی بحث روایۃ مالک عن ابی حنیفہ وروایۃ ابی حنیفہ عن مالک“ ملحق کیا ہے جس میں اپنی حسب مادہ تحقیق و تدقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

اس سے بھی امام مالک کا تلمذ ثابت ہے، امام صاحب جب کبھی مدینہ طیبہ حاضر ہوتے تھے تو امام مالک ان سے علمی مذاکرات کرتے تھے، بعض اوقات پوری پوری رات مذاکرے میں گزر جاتی تھی، ایک دفعہ طویل مذاکرہ کے بعد اٹھ کر اپنے حلقہ تلامذہ میں امام مالک آئے تو پسینہ میں تر تھے، کسی نے سوال کیا تو فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے ساتھ بحث کرتے کرتے مجھ کو اس قدر پسینہ آ گیا ہے (اور اس سے تعجب کیا ہے؟ بے شک وہ بہت بڑے فقیہ ہیں) (یعنی ان کے قوی دلائل سے مجھ کو اس قدر متاثر ہونا چاہئے)۔

ایک بار کسی نے امام صاحب کا حال دریافت کیا تو فرمایا کہ ”سبحان اللہ! ان کا کیا کہنا وہ اگر لکڑی کے ستون کے بارے میں دعویٰ کر بیٹھتے کہ یہ سونے کا ہے تو اس کو بھی دلائل کی قوت سے ثابت کر دیتے“۔

پھر یہ بھی ثابت ہے کہ امام مالک امام اعظم کی کتابوں کی کھوج میں رہتے تھے اور بڑی کوشش سے حاصل کر کے مطالعہ کرتے اور

مستفید ہوتے تھے، یہ بھی منقول ہے کہ ساٹھ ہزار مسائل امام صاحب کے ان کو پہنچے اور خود امام مالک کا تالیفی دور امام صاحب کی وفات کے بعد شروع ہوا ہے، اس لئے ان سے امام صاحب کے مستفید ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شاید صاحب مشکوٰۃ کے نظریہ مذکورہ بالا کے تتبع میں ہی بعض غیر مقلدین نے مزید ترقی کرے یہ بھی دعویٰ کر دیا کہ امام اعظمؒ نہ صرف امام مالک کے شاگرد تھے بلکہ تلمیذ التلمیذ تھے، یعنی ایک مرتبہ اور نیچے گرا دیا اور اس کا ثبوت بھی فراہم کیا جس کی پوری سرگزشت مولانا امیر علی صاحب (تلمیذ خاص مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی) محشی تقریب التہذیب نے تذیب کے ص ۵ پر لکھی ہے، مزید بصیرت کے لئے دیدہ عبرت کشا سے اس کو بھی پڑھتے چلئے!

”بعض اہل حدیث نے جن کے پاس حدیث کا صرف اتنا علم ہوتا ہے کہ اس سے اپنی متعصبانہ ذہنیت کا مظاہرہ کر سکیں لکھ دیا ہے کہ ”امام ابو حنیفہ نے ابو الولید طیاہی سے اور انہوں نے امام مالک سے روایت کی ہے لہذا امام صاحب امام مالک کے شاگرد کے شاگرد ہوئے لیکن حنفیہ کو تعصب نے اندھا کر دیا ہے اس لئے وہ ان کے تلمذ کو تسلیم نہیں کرتے“ حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے کیونکہ یہ ابو الولید طیاہی سے روایت کرنے والے ابو حنیفہ نہیں ہے بلکہ ابو الخلیفہ ہیں، لہذا تعصب سے اندھا ہونے کی بات ایسے کم علم اہل حدیث پر ہی الٹی پڑتی ہے، نعوذ باللہ من شر العصبیۃ۔“

راقم الحروف کے سامنے اس وقت صاحب مشکوٰۃ کی ”اکمال“ مذکور کھلی ہوئی ہے، حاشا وکلا ان کی جلالت قدر سے یا ان کی بیش بہا اور گرانقدر کتاب مستطاب ”مشکوٰۃ شریف“ کی عظمت و افادیت سے سر مو انحراف و انکار نہیں مگر چونکہ یہ ہمارے درسی سلسلہ کی اہم کتاب ہے اس لئے بنظر افادہ طلبہ علم دو تین باتیں اور بھی لکھتا ہوں۔

ص ۶۲۴ پر امام مالک کا ذکر مبارک دو کالم میں کرنے کے بعد امام صاحب کا ذکر خیر بھی ایک کالم میں کیا ہے، تحریر فرمایا کہ ”امام صاحب نے چار صحابہ کا زمانہ پایا، حضرت انسؓ وغیرہ کا مگر نہ کسی صحابی سے ملے اور نہ کسی سے روایت کی“ پھر امام صاحب سے روایت کرنے والوں میں امام مالک کا کچھ ذکر نہیں، خلیفہ منصور نے ان کو کوفہ سے بغداد منتقل کر دیا تھا جہاں وہ مقیم ہوئے اور وفات پائی۔

ابن ہبیرہ نے کوفہ کی قضا قبول نہ کرنے پر کوفوں کی سزا دی، پھر کچھ حضرات کے اقوال امام صاحب کی منقبت میں ذکر کئے ہیں، امام صاحب کی درسی، افتائی اور بے نظیر علمی کارنامہ تدوین فقہ وغیرہ مہمات کا کوئی ذکر فکر نہیں، اور بس۔

ان کے بعد امام شافعی کا ذکر مبارک تقریباً چار کالم میں ہے، اس میں امام محمد کی خدمت میں رہنا، تلمذ، ان سے غیر معمولی استفادہ اور اس سلسلہ کی چیزیں جن کو امام شافعی نے خود بڑی اہمیت سے بیان کیا ہے وہ سب ان کے تذکرہ میں سے حذف ہو گئیں، البتہ امام مالک کے تلمذ کا ذرا چھی تفصیل سے فرمایا ہے۔

پھر لکھا ہے کہ ان کے فضائل کا شمار نہیں ہو سکتا وہ دنیا کے امام تھے، مشرق و مغرب کے عالم تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ علوم و مفاخر عطا کئے تھے جو ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی امام کے لئے جمع نہیں کئے اور ان کا ذکر دنیا میں اس قدر پھیلا کہ کسی کا ذکر اتنا نہیں پھیلا وغیرہ اس کے بعد امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی وغیرہ کے تذکرے ہیں۔

علم: حضرت حماد کے حلقہ درس میں ان کے سوا کوئی اور استاد کے سامنے نہ بیٹھتا تھا، دس برس ان کی خدمت میں رہے تھے کہ ایک دفعہ اپنی جگہ بٹھا کر حماد باہر گئے، امام صاحب لوگوں کے سوالات کے جوابات دیتے رہے، جن میں وہ مسائل بھی آئے جو استاد سے نہ سنے تھے۔

استاد کی واپسی پر وہ سب مسائل ان کی خدمت میں پیش کئے جن کی تعداد ساٹھ ۶۰ تھی، استاد نے چالیس ۴۰ سے اتفاق کیا، بیس ۲۰ سے اختلاف، امام صاحب نے قسم کھائی کہ ساری عمر حاضر رہوں گا، چنانچہ استاد کی وفات تک ساتھ رہے، کل زمانہ رفاقت اٹھارہ سال ہوا۔

حضرت حماد کے صاحبزادے اسماعیل نے بیان کیا کہ ایک بار والد سفر میں گئے اور کچھ دن باہر رہے واپسی پر میں نے پوچھا، ابا جان آپ کو

سب سے زیادہ کس کے دیکھنے کا شوق تھا؟ فرمایا ابوحنیفہؒ کے دیکھنے کا اگر یہ ہو سکتا کہ میں کبھی نگاہ ان کے چہرے سے نہ اٹھاؤں تو یہی کرتا۔
 عبادت و ورع: حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے کہ میں نے کوفہ پہنچ کر پوچھا کہ کوفہ والوں میں سب سے زیادہ پارسا کون ہے؟ لوگوں نے کہا ابوحنیفہؒ، ان ہی کا یہ بھی قول ہے کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے زیادہ کوئی پارسا نہیں دیکھا حالانکہ دروں سے، مال و دولت سے ان کی آزمائش کی گئی۔
 سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ ہمارے وقت میں کوئی آدمی مکہ میں ابوحنیفہؒ سے زیادہ نماز پڑھنے والا نہیں آیا۔
 ابو مطیع کا قول ہے کہ میں قیام مکہ کے زمانہ میں رات کی جس ساعت میں طواف کو گیا، ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کو طواف میں مصروف پایا۔
 ابو عاصم کا قول ہے کہ کثرت نماز کی وجہ سے ابوحنیفہؒ کو لوگ ”میخ“ کہنے لگے تھے۔

شب بیداری و قرآن خوانی

یحییٰ بن ایوب الزاہد کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہؒ رات کو نہیں سوتے تھے۔
 اسد بن عمرو کا قول ہے کہ ابوحنیفہؒ شب کی نماز میں ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کر دیتے تھے اور یہ بھی کہا کہ جس مقام پر وفات ہوئی ہے وہاں امام صاحبؒ نے سات ہزار قرآن مجید ختم کئے تھے۔
 ابوالجوریہ کا قول ہے کہ میں حماد بن ابی سلیمان، محارب بن دثار، علقمہ بن مرشد، عون بن عبداللہ اور امام ابوحنیفہؒ کی صحبت میں رہا ہوں میں نے ان سب میں کسی کو ابوحنیفہؒ سے بہتر شب گزار نہیں پایا، مہینوں ان کی صحبت میں رہا لیکن ایک رات بھی ان کو پہلو لگاتے نہیں دیکھا۔
 مسعر بن کدام نے بیان کیا کہ میں ایک رات مسجد میں گیا تو کسی کے قرآن مجید پڑھنے کی دلکش آواز سنی جو دل میں اتر گئی، وہ پڑھتے ہی رہے یہاں تک کہ پورا کلام مجید ایک رکعت میں ختم کر دیا میں نے دیکھا تو وہ ابوحنیفہؒ تھے۔
 خارجہ بن مصعب کا قول ہے کہ خانہ کعبہ میں چار اماموں نے پورا قرآن پڑھا ہے، حضرت عثمانؓ، تمیم داریؒ، سعید بن جبیرؒ اور امام ابوحنیفہؒ۔
 قاسم بن معن کا بیان ہے کہ ایک رات امام ابوحنیفہؒ نے نماز میں یہ آیت پڑھی بل الساعة موعدهم والساعة ادھی و امر تمام رات اس کو دہراتے رہے اور شکستہ دلی سے روتے رہے۔

جو دو سخاوت اور امداد مستحقین

ہر شخص کی التجا و آرزو پوری کرتے تھے سب کے ساتھ احسان کرتے، مال تجارت بغداد بھیجتے اس کی قیمت کا مال کوفہ منگواتے، سالانہ منافع جمع کر کے شیوخ محدثین کے لئے ضرورت کی اشیاء خریدتے، خوراک، لباس وغیرہ جملہ ضروریات کا انتظام کرتے اور نقد بھی دیتے۔
 امام ابو یوسف کا قول ہے کہ امام صاحبؒ ہر سائل کی حاجت پوری کرتے تھے، دربار کے عطیوں سے ہمیشہ بچتے رہے، خلیفہ منصور نے ان کو ایک مرتبہ تیس ہزار روپے بھیجے انہوں نے خلاف مصلحت سمجھ کر کہا کہ میں بغداد میں غریب الوطن ہوں اجازت دیجئے کہ یہ رقم خزانہ شاہی میں ہی میرے نام سے جمع ہوتی رہے، منصور نے منظور کیا۔ مدوفات منصور نے سنا کہ اس جیلہ سے احتراز کیا ہے اور یہ بھی سنا کہ امام صاحبؒ کے پاس لوگوں کی امانتیں پچاس ہزار روپے کی تھیں جو بعد وفات بکنہ واپس کر دی گئیں، تو کہا کہ ابوحنیفہؒ میرے ساتھ چال چل گئے، امانت داری مسلم تھی، وکیج کا قول ہے کہ ”واللہ ابوحنیفہؒ بڑے امین تھے، اللہ کی جلالت و کبریائی ان کے دل میں بھری ہوئی تھی“ اور کہا کہ امام صاحبؒ جب اپنے بال بچوں کے لئے کپڑے بناتے تو ان کی قیمت کے برابر صدقہ کر دیتے اور جب خود دنیا کپڑا پہنتے تو اس کی قیمت کے برابر شیوخ علماء کے لئے لباس تیار کراتے، جب کھانا سامنے آتا تو اول اپنی خوراک کے مقدار سے دگنا نکال کر کسی محتاج کو دے دیتے۔

وفور عقل وزیر کی اور باریک نظری

یہ عنوان خطیب نے مستقل قائم کیا ہے اور ہم اس سلسلے میں مادحین امام اعظم کے اقوال کے ضمن میں ثبوت پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امام صاحب کے اساتذہ محدثین

حافظ ابن حجر کی شافعی نے الخیرات الحسان میں لکھا ہے کہ امام صاحب نے چار ہزار اساتذہ سے حدیث حاصل کی، امام سیوطی نے تہذیب الصحیفہ میں اور امام موفق اور امام کردری نے مناقب میں امام صاحب کے بہت سے شیوخ و اساتذہ کے نام لکھے ہیں، واضح ہو کہ امام صاحب کے اساتذہ میں سے اکثر تابعین اور صحابہ کے شاگرد ہیں جن کی روایتیں کثرت سے صحاح ستہ میں موجود ہیں اور جن کی روایات بعض محدثین نے نہیں لیں وہ یا تو بعد زمانہ کے سبب ان کی عدم معرفت کی وجہ سے ہو، یا مخالفوں، حاسدوں کی افتراء پر دازیوں کے باعث کسی غلط فہمی کی وجہ سے۔ اور چونکہ تحقیق حال کی سعی نہیں کی اس لئے ان کو اپنے اساتذہ کے سلسلہ میں نہیں لیا مثلاً امام بخاری کے بعض اساتذہ ایسے بھی ہیں کہ امام مسلم وغیرہ نے ان میں کلام کر کے ان کی روایات کو داخل صحاح نہیں کیا اور بخاری کے نزدیک وہ سچے تھے، اس لئے ان کو استاد بنا لیا، امام صاحب نے بھی اپنے سب اساتذہ کو ذاتی تحقیق حال کے بعد استاد بنایا تھا اس لئے ان میں کسی کلام کی گنجائش نہیں۔ الحاصل امام صاحب کو جتنی روایات ان کے شیوخ سے پہنچیں، ان کی صحت میں کلام نہیں اور اگر کسی روایت میں متاخرین کو کلام ہو تو بمقابلہ تقدم زمان و قلت وسائل و جلالت شان امام صاحب و دیگر قرآن قابل اعتبار نہیں۔

امام صاحب کا تفوق حدیث دوسرے اکابر علماء کی نظر میں

یزید بن ہارون: میں نے علماء سے سنا ہے کہ ابو حنیفہ کے زمانہ میں ان کا نظیر تلاش کیا گیا مگر نہ ملا اور کہا کرتے تھے کہ امام صاحب اعظم الناس ہیں، حفظاً للحدیث۔ (مناقب موفق و ذب الذبابات ص ۴۳۷ ج ۱)

ابو بکر بن عیاش: ابو حنیفہ اپنے زمانہ کے لوگوں میں افضل تھے۔

ابو یحییٰ حمالی: میں نے ابو حنیفہ سے بہتر شخص کبھی نہیں دیکھا، (مناقب موفق) ایک روز شریک اپنی بیٹی بیٹھے تھے کہ قریش کی ایک قوم آئی اور ابو حنیفہ کا ذکر کر کے کہ پوچھا کہ آپ کا کیا حال تھا؟ کہا وہ ایک اجنبی شخص تھے مگر ہم سب پر غالب آگئے۔ (کردری، موفق، انصار)

خارجہ بن مصعب: میں ایک ہزار سے زیادہ علماء سے ملا ہوں مگر علم و عقل میں میں نے کسی کو ابو حنیفہ کا نظیر نہیں پایا (علم سے مراد اس دور میں اکثر علم حدیث ہی ہوتا تھا) ان کے روبرو آتے ہی ان کے علم، زہد، ورع اور تقویٰ کی وجہ سے آدمی کی یہ حالت ہو جاتی تھی کہ اپنے نفس کو حقیر سمجھ کر متواضع ہو جاتا تھا۔ (موفق، کردری و انصار)

عبداللہ بن مبارک: کسی نے امام صاحب کا ذکر بے ادبی سے کیا تو فرمایا ”تمام علماء میں سے ایک تو ابو حنیفہ کا مثل پیش کرو، ورنہ ہمارا پیچھا چھوڑو اور ہم کو عذاب میں مت ڈالو، میں ان کی مجلس میں اکابر کو دیکھتا کہ صغیر معلوم ہوتے، ان کی مجلس میں اپنے آپ کو جس قدر ذلیل پاتا تھا اور کسی مجلس میں نہیں پایا تھا، اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ افراط کی نسبت میری طرف کی جائے گی تو امام ابو حنیفہ پر کسی کو مقدم نہ کرتا۔ (موفق انصار)

سفیان ثوری: ابو حنیفہ کی مخالفت ایسا شخص کر سکتا ہے جو ان سے قدر اور علم میں بڑا ہو اور ایسا شخص کون ہے (افسوس ہے کہ بعد کے دور میں ان سے کم مرتبہ لوگوں نے مخالفت کی)

سفیان بن عیینہ: عبداللہ بن عباس اپنے زمانہ کے عالم تھے ان کے بعد شععی اپنے زمانہ کے عالم ہوئے ان کے بعد ابو حنیفہ اپنے زمانہ کے عالم

ہوئے، یعنی ان قرون ثلاثہ میں ہر ایک اپنے دور میں بے مثل تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ ابوحنیفہ کا مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ (خیرات حسان) مسیب بن شریک: اگر تمام شہروں کے لوگ اپنے اپنے علماء کو لائیں اور ہم ابوحنیفہ کو پیش کریں تو وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ (کردری) خلف بن ایوب: امام صاحب کے زمانہ میں ان سے بڑھا ہوا علم میں کوئی نہ تھا۔ (کردری) ابو معاذ خالد بن سلیمان بخمی: ابوحنیفہ سے افضل شخص میں نے نہیں دیکھا۔ (موفق و کردری) عبد الرحمن بن مہدی: ابوحنیفہ علماء کے قاضی القضاة ہیں (یعنی ان کے فیصلہ کو کوئی توڑ نہیں سکتا)۔ (موفق، انتصار، کردری) مکی بن ابراہیم: امام ابوحنیفہ اپنے زمانے کے علماء میں علم تھے یعنی علم میں سب سے زیادہ تھے، حالانکہ امام صاحب کے زمانہ کے علماء میں امام مالک، اوزاعی، سفیان ثوری، مسعر اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ صد ہا محدثین تھے جن کے شاگردوں میں اصحاب صحاح ستہ کے معتمد اساتذہ تھے۔ (تمییز الصحیفہ و خیرات حسان)

یہ مکی بن ابراہیم حدیث و فقہ میں امام صاحب کے شاگرد اور امام بخاری وغیرہ کے استاد ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ) امام بخاری ان کی شاگردی پر جس قدر ناز کریں کم ہے کہ صحیح بخاری کو جو ۲۲ ثلاثیات کا فخر حاصل ہے ان میں سے ۱۱ حدیث ان ہی کے طفیل سے ملیں اور باقی میں سے بھی ۹ ثلاثیات حنفی روایت سے ہیں اور ۲ غیر حنفی روایت سے ہیں۔ شداد بن حکیم: امام ابوحنیفہ سے زیادہ علم والا ہم نے نہیں دیکھا، (تمییز الصحیفہ) فرمایا کہ نوح بن مریم جب کوئی روایت سلف سے بیان کرتے تو اس کے آخر میں امام صاحب کا قول ضرور بیان کرتے اور کہتے کہ جس طرح امام صاحب نے اس کی تفسیر و تشریح کی ہے کسی نے نہیں کی۔ (کردری) امام مالک: امام شافعی نے امام مالک سے کئی محدثین کا حال دریافت کر کے امام ابوحنیفہ کا حال دریافت کیا تو فرمایا "سبحان اللہ! وہ عجیب شخص تھے، ان کا مثل میں نے نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان)

معروف بن حسان: میں نے جن علماء کو دیکھا اور برتا ان میں ابوحنیفہ کا مثل علم، فقہ، ورع اور صیانت نفس میں نہیں دیکھا۔ (موفق، انتصار، کردری) یوسف بن خالد اسلمتی: امام ابوحنیفہ دریائے بے پایاں تھے، ان کی عجیب شان تھی میں نے ان کا مثل دیکھا نہ سنا۔ (موفق، انتصار، کردری) قاضی ابن ابی لیلیٰ: امام ابو یوسف سے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ گو مت چھوڑنا فقہ اور علم میں ان کا مثل نہیں ہے۔ (موفق و انتصار) سعید بن ابی عمرو: کئی مسائل میں امام صاحب سے گفتگو کی، آخر میں کہا ہم نے جو متفرق اور مختلف مقامات سے حاصل کیا تھا وہ سب آپ کے پاس مجتمع ہے (یعنی جو حدیثیں انہوں نے خلق کثیر سے بہ تصریح ذہبی حاصل کی تھیں وہ سب امام صاحب کے پاس جمع تھیں)۔ (انتصار و کردری) خلف بن ایوب: امام ابوحنیفہ ایک نادر الوجود شخص ہیں۔ (موفق، انتصار) علم خدا کی طرف سے محمد ﷺ کے پاس آیا پھر صحابہ میں تقسیم ہوا، پھر تابعین میں، ان کے بعد ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب میں آیا۔ (تمییز الصحیفہ) بحر سقا: میں امام ابوحنیفہ سے علمی مسائل میں بحث کیا کرتا تھا، ایک روز انہوں نے کہا کہ تم اپنے نام کی طرح بحر ہو، میں نے کہا کہ اگر میں بحر ہوں تو آپ بحر ہیں۔ (موفق، انتصار، کردری)

حسن بن زیاد لولوی: امام ابوحنیفہ ایک دریائے بے پایاں تھے ان کے علم کی انتہاء ہمیں معلوم نہ ہو سکی۔ (موفق، انتصار) اسرائیل بن یونس: اس زمانہ میں لوگ جن چیزوں کے محتاج ہیں امام صاحب ان کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ (کردری) جس حدیث میں فقہ کا کوئی مسئلہ ہو اس کو امام ابوحنیفہ خوب یاد رکھتے تھے۔ (تمییز الصحیفہ) یہ اسرائیل وہ ہیں کہ تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے کہا کہ خلق کثیر سے حدیث سنی اور ان کے حافظ پر امام احمد تعجب کیا کرتے تھے، ظاہر ہے لوگوں کو فقہ و حدیث دونوں ہی کی شدید ضرورت تھی تو گویا امام صاحب کو دونوں میں امام تسلیم کیا، چنانچہ یہی بات اعمش کہا

کرتے تھے کہ آپ فقہ و حدیث دونوں کو خوب جانتے ہیں۔

حفص بن غیاث: امام ابوحنیفہؒ جیسا عالم ان احادیث کا میں نے نہیں دیکھا جو احکام میں مفید و صحیح ہوں۔ (کردری)

ابوعلقمہ: میں نے بہت سی حدیثیں جو اساتذہ سے سنی تھیں امام ابوحنیفہؒ پر پیش کیں انہوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کر دیا کہ فلاں لینے کے قابل ہے اور فلاں نہیں، اب مجھے افسوس آتا ہے کہ کل حدیثیں ان کو کیوں نہ سنائیں۔ (موفق، کردری و انتصار) معلوم ہوا کہ امام صاحب حدیث میں بھی امام تھے اور اسی لئے محدثین ابو داؤد وغیرہ نے آپ کو امام ہی کے لفظ سے سراہا ہے۔

ابراہیم بن طہمان: امام ابوحنیفہؒ ہر بات کے امام ہیں۔ (کردری)

ابوامیہ: ان سے پوچھا گیا کہ عراق سے جو علماء آپ کے پاس آئے ان میں افقہ کون ہے؟ کہا ابوحنیفہؒ اور وہی امام ہیں۔ (کردری)

ابن مبارک: فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ امام اعظمؒ کی نسبت یہ کیونکر کہہ سکتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے۔ (کردری)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام اعظمؒ کا لقب بھی امام صاحب کو "امیر المؤمنین فی الحدیث" ابن مبارک نے ہی دیا تھا جس کی اتباع سب محدثین کو کرنی چاہئے، چنانچہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام صاحب کے ترجمہ کی ابتداء الامام الاعظم ہی کے لفظ سے کی ہے۔

امام ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ نیشاپوری: اپنی کتاب مناقب "ابی حنیفہ" میں یحییٰ بن نصر بن حاجب سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس کئی صندوق حدیثوں کے ہیں ان میں سے بوقت ضرورت انتفاع کے لئے نکالتا ہوں۔ (موفق، انتصار، کردری)

اور کشف بزودی میں بھی روایت موجود ہے، آپ نے روایت حدیث کا کام تو رعا اور بوجہ اشتغال فقہ نہیں کیا لیکن تدوین فقہ کی مجلس میں آپ سب سے فرما دیا کرتے تھے کہ اپنے اپنے پاس جو آثار و احادیث ہوں بیان کرو، وہ سب پیش کرتے تو آپ آخر میں اپنی صدارتی تقریر میں اپنے پاس کی احادیث پیش کرتے تھے، جس طرح صدیق اکبرؓ نے روایت سے اجتناب کیا مگر ضرورت کے خاص مواقع میں جب دوسروں کے پاس روایت نہ ہوتی تو آپ پیش کر دیا کرتے تھے۔

غرض بلا شدید ضرورت یہ دونوں روایت نہ کرتے تھے، اسی لئے صدیق اکبرؓ کی مرویات بھی بہت کم ہیں، حالانکہ نبی اکرم ﷺ کی صحبت مبارکہ سب صحابہ سے زیادہ آپ ہی کو حاصل تھی اور سب سے زیادہ روایت بھی کر سکتے تھے، کیا کوئی کمی روایت کی بنا پر کہہ سکتا ہے کہ ان کے پاس احادیث کم تھیں، امام صاحبؒ نے بھی چار ہزار تابعین و تبع تابعین محدثین کبار سے حدیثیں حاصل کیں، پھر آپ کے مخصوص و ممتاز کمالات کی وجہ سے سینکڑوں بڑے بڑے محدثین آپ کے پاس جمع ہو گئے تھے اور جب کوئی نیا عالم کوفہ آتا تو اپنے تلامذہ کو بھیجتے تھے کہ کوئی نئی حدیث ان کے پاس ہو تو لاؤ، پھر امام صاحب کے پاس احادیث رسول میں سے نسخ و منسوخ کا علم بہت بڑا تھا، جس کا تفحص امام صاحب خاص طور سے ہمیشہ رکھتے تھے اور احادیث کے معانی و مطالب کا فہم بھی غیر معمولی تھا یہ اور اسی قسم کے دوسرے کمالات کی طرف اشارات و تصریحات علماء و محدثین سے بہ کثرت وارد ہیں۔

حافظ محمد بن میمون: بہ حلف فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ کے افادات سننے میں جس قدر خوشی مجھے حاصل ہوتی ہے، لاکھ اشرفی ملنے میں بھی نہیں حاصل ہو سکتی۔ (موفق، انتصار، خیرات، کردری)

معروف بن عبد اللہ: نے فرمایا کہ میں ایک روز علی بن عاصم کی مجلس میں تھا انہوں نے سب سے فرمایا کہ تم لوگ علم سیکھو، ہم نے کہا کیا آپ سے جو کچھ ہم سیکھتے ہیں وہ علم نہیں ہے؟ فرمایا علم وہ ہے جو امام ابوحنیفہؒ جانتے ہیں اگر امام صاحب کا علم ان کے زمانہ کے تمام علماء کے ساتھ وزن کیا جاتا تو ان کا ہی علم غالب ہوتا۔ (موفق، انتصار، کردری)

ابوسفیان حمیری: امام ابوحنیفہؒ امت کے بہترین اشخاص میں سے ہیں، سخت مشکل مسائل کا کشف اور احادیث مبہمہ کی تفسیر جو انہوں

نے کی کسی سے نہ ہو سکی۔ (موفق، انتصار، کردری)

مقاتل بن سلیمان: میں نے امام ابوحنیفہ کو علم کی تفسیر کرتے دیکھا، وہ ایسی تفسیر و تشریح کرتے تھے کہ اس سے تسکین ہو جاتی تھی۔ (موفق، انتصار، کردری)
 فضل بن موسیٰ سینانی: ہم حجاز و عراق کے علماء کی مجلسوں میں پھرا کرتے تھے مگر جو برکت و نفع امام ابوحنیفہ کی مجلس میں تھا وہ کہیں نہ تھا۔ (مناقب موفق)
 وکیع: مشہور محدث کبیر امام بخاری وغیرہ کے شیوخ کبار میں تھے، ان کی مجلس میں ایک حدیث پیش ہوئی جس کا مضمون بہت مشکل تھا وہ کھڑے ہو گئے اور سختی سانس بھر کر کہا، اب ندامت سے کیا فائدہ؟ وہ شیخ یعنی ابوحنیفہؒ اب کہاں ہے جن سے یہ اشکال حل ہوتا؟ (کردری)
 ابن مبارک: فرمایا کرتے تھے کہ ابوحنیفہ کی رائے مت کہو بلکہ حدیث کی تفسیر کہو۔ (موفق، انتصار، کردری)

امام صاحب کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا ابراہیم نخعی اور حماد نے مرتے وقت اپنا خلیفہ چھوڑا تھا، خدا آپ پر رحم کرے کہ آپ نے اپنا خلف نہیں چھوڑا، یہ کہہ کر دیر تک زار زار روتے رہے۔ (خیرات)

یہ ہیں تمام محدثین کے شیخ اعظم جن کی تعریف میں محدثین نے دفتر کے دفتر لکھے ہیں لیکن آپ نے دیکھا کہ وہ خود کس جوہر قابل کی یاد میں مرمت رہے تھے، کچھ لوگوں نے ایسی باتیں بھی گھڑی ہیں کہ ابن مبارک نے کہا کہ ہم شروع زمانہ میں امام صاحب کے پاس غلط فہمی میں گئے، مگر پھر ترک کر دیا، کیا ایسے دروغ بے فروغ چند قدم بھی چل سکتے تھے۔

بالاتفاق سب مورخین نے لکھا ہے کہ یہ شیخ اعظم جس نے دنیائے حدیث کے گوشہ گوشہ میں جا کر لاکھوں روپے اسفار پر صرف کر کے اس دور خیر القرون کے ایک ایک محدث سے حدیثیں حاصل کی تھیں اور اپنے سینہ سے لاکھوں احادیث لگائے پھرتے تھے وہ جب امام صاحب کے پاس آئے تو آخر تک آپ سے جدا نہ ہوئے اور انتقال کے بعد بھی ان کی قبر مبارک پر کھڑے ہو کر کیا فرما رہے ہیں۔
 یہ عجیب بات ہے کہ جھوٹی باتیں چلتی کرنے میں فرقہ روائض کے بعد امام صاحب کے معاندین و حاسدین اہل حدیث کا نمبر معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات حد درجہ افسوس ناک ہے، اللہ تعالیٰ رحم کرے۔

بعد محدثین نے یہ بھی کہا ہے کہ ابن مبارک امام صاحب سے علم میں بڑھے ہوئے تھے، اسی پر ابو سعید بن معاذ مشہور محدث نے کہا تھا کہ ان لوگوں کی مثال رافضیوں کی سی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو امام بنا لیا لیکن خود حضرت علیؑ نے جس کو اپنا امام بنایا تھا، یعنی ابو بکر و عمرؓ ان کو امام نہیں سمجھتے اور طرح طرح سے ان میں عیب نکالتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی ابن مبارک کو اپنا امام قرار دیتے ہیں اور خود انہوں نے جن امام اعظم کو اپنا امام و پیشوا بنایا تھا ان کو کوئی درجہ دینے کو تیار نہیں۔

حالانکہ امام صاحب کے فضل و علم کا اعتراف ان کے معاصرین تک نے بھی کیا ہے، مشہور امام سفیان ثوری کے بھائی کا انتقال ہوا، امام صاحب تعزیت کو گئے تو حضرت سفیان ان کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے، معانقہ کر کے اپنی جگہ بٹھایا اور خود رو برو بیٹھ گئے اور امام صاحب کے جانے کے بعد ابو بکر بن عیاش نے کہا کہ آپ کے طرز عمل سے ہم سب اہل مجلس کو تکلیف ہوئی، فرمایا کیا بات ہے؟ کہا کہ آپ ابوحنیفہ کے لئے اٹھے اور ان کو اپنی جگہ بٹھا کر خود سامنے شاگردوں کی طرح بیٹھ گئے۔

فرمایا اعتراض کی کیا بات ہے؟ میں ایسے شخص کے لئے اٹھا جو علم میں اعلیٰ درجہ پر ہے اور اگر فرض کرو کہ علم کی وجہ سے نہ بھی اٹھتا تو عمر کے لحاظ سے اٹھنا تھا، اگر عمر کی وجہ سے نہ اٹھتا تو ان کے فقہ کی وجہ سے اٹھنے کی ضرورت تھی، ابو بکر کہتے ہیں کہ اس کا جواب مجھ سے نہ ہو سکا۔

ایسے واقعات ایک دو نہیں بیسیوں ہیں، مگر غیر مقلدین زمانہ نے رافضیوں کی طرح امام صاحب کی برائیاں تلاش کر کے پروپیگنڈا کیا ہے اور ہمارے صوفی صافی بزرگ حنفیوں نے اس کے مقابلہ میں امام صاحب کی خوبیوں کا پروپیگنڈا کچھ بھی نہیں کیا جس سے سادہ لوح ناواقف لوگ غیر مقلدوں کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔

امام صاحب کے خلاف جس قدر مواد جمع ہو سکتا تھا، خطیب نے اپنی تاریخ میں اس کو یک جا جمع کیا ہے، جس کو ہر جگہ کے غیر مقلدوں نے بڑی مسرت کے ساتھ شائع کیا مگر علامہ کوثری کے دربات خدا بلند کرے، تانیب الخطیب میں ہر واقعہ کی سند پر کلام کر کے اس کی قلمی کھولی ہے اور امام صاحب و اصحاب امام کے بارے میں جس قدر جھوٹی حکایات گھڑی گئی تھیں اور شائع کی گئیں سب کا جھوٹ نمایاں کر کے امت مرحومہ پر احسان عظیم کیا ہے۔

علامہ محدث ابن حجر کی شافعی نے ”الخیرات الحسان من مناقب النعمان“ میں لکھا ہے کہ ایک بار امام صاحب اور سفیان ثوری کا سفر حج میں ساتھ ہو گیا تو سفیان ثوری نے یہ بات لازم کر لی تھی کہ ہر جگہ امام صاحب کو آگے بڑھاتے اور خود پیچھے رہتے تھے اور جب کوئی مسئلہ ان سے پوچھا جاتا تو خاموش ہو جاتے تاکہ امام صاحب ہی جواب دینے پر مجبور ہوں۔

کیا سفیان ثوری بھی تقیہ کیا کرتے تھے کہ ہمیشہ تعریفیں کرتے رہے اور انتقال کی خبر پہنچی تو بروایت نعیم خزاعی امام صاحب کی وفات پر خوشی کا اظہار کیا کہ اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا اچھا ہوا چلا گیا۔

کچھ ٹھکانہ ہے اس جھوٹ کا اور اس کے پیر لگانے والے امام بخاری جیسے محتاط محدث، کسی طرح عقل باور نہیں کرتی کہ امام بخاری جیسا بال کی کھال نکالنے والا شخص اور وہ جس نے سب سے پہلے وکیع اور ابن مبارک کی کتابیں یاد کیں اور تحصیل علم کے لئے ہر شہر پہنچے بار بار گئے اور کوفہ و بغداد تو اتنی دفعہ گئے کہ خود کہتے ہیں کہ ان کا شمار میں نہیں کر سکتا، کیا امام صاحب اور آپ کے انصاف کے صحیح حالات سے ان کو ایسی بے خبری ہو اور وکیع، ابن مبارک، مکی بن ابراہیم اور دوسرے اپنے بیسیوں شیوخ سے جو امام صاحب اور صاحبین کے شاگرد تھے، ان حضرات کے بارے میں اچھی باتیں نہ پہنچی ہوں؟ ہاں پہنچیں تو نعیم سے اوپر جیسی خبریں، حالانکہ سب اکابر رجال لکھتے ہیں نعیم ترویج سنت کے لئے جھوٹی روایتیں کیا کرتے تھے اور امام صاحب پر طعن کرنے کے لئے جھوٹی حکایات گھڑا کرتے تھے۔

یا اپنی تاریخ ہی میں نقل کیا تو اپنے شیخ حمیدی کا قول کہ امام صاحب نے حج کے موقع پر ایک حجام سے تین مسئلے سیکھے، بس اتنا علم تھا جس پر لوگوں نے ان کو قابل تقلید سمجھ لیا۔ مع بسوخت جان زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

امام صاحب کے معاندین و حاسدین یا جن لوگوں نے کسی غلط فہمی سے ان پر طعن کیا سب پر بحث دوسری جگہ مستقل آئے گی اس لئے یہاں ترک کرتا ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ سب سے زیادہ اس بارے میں امام بخاری کا رویہ قابل حیرت ہے اور کبھی کبھی تو دل کا میلان اس طرف بھی ہو جاتا ہے کہ کہیں یہ سب عبارتیں بھی امام بخاری کی تاریخ میں بعد کے لوگوں نے نہ داخل کر دی ہوں۔ واللہ اعلم۔

ابن مبارک اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ آثار و احادیث کو لازم سمجھو مگر ان کے معانی کیلئے ”ابو حنیفہ“ کی ضرورت ہے کیونکہ وہ حدیث کے معنی جانتے ہیں۔ (موفق، انتصار، کردری)

امام ابو یوسف: امام صاحب کی وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ کاش! امام صاحب کی ایک مجلس مجھے نصیب ہوتی اور میں آدھا مال اس کے لئے صرف کر دوں، لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ان کی ملکیت میں بیس لاکھ روپے تھے، اسمعی نے اس آرزو کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ”بعض مسائل میں شبہات ہیں جن کو امام صاحب ہی حل فرما سکتے تھے“۔ (کردری)

زہیر بن معاویہ: ”خدا کی قسم امام ابو حنیفہ کے پاس ایک روز بیٹھنا میرے پاس ایک مہینہ بیٹھنے سے زیادہ نفع بخش ہے“۔ (موفق و انتصار)

یہ تھے اس خیر القرون کے معاصرین، کیسے نیک نفس تھے، اس قول سے معاشرت کی چشمک کی کہیں بو بھی آرہی ہے؟ اس کے بعد وہ زمانہ آیا کہ اپنے شیوخ کا احترام کرنے والے بھی کم رہ گئے، صرف اپنے اپنے خیال و عقیدہ کے مطابق دھڑے بندیاں ہونے لگیں۔

وکیع: محدثین سے کہا کرتے تھے کہ اے قوم! تم حدیثیں طلب کرتے ہو اور ان کے معانی طلب نہیں کرتے اس میں تمہاری عمر اور دین

ضائع ہو جائے گا، کاش! مجھے امام ابوحنیفہ کی فقہ کا دسواں حصہ ہی نصیب ہوتا، ایک روز فرمایا، لوگو! حدیث سننا بغیر فقہ کے تمہیں کچھ نفع نہ دے گا اور نہ تم میں دین کی سمجھ پیدا ہوگی جب تک اصحاب ابوحنیفہ کے پاس نہ بیٹھو گے اور وہ ان کے اقوال کی تفسیر نہ بیان کریں گے۔ (کردری)

یوسف بن خالد سمستی: میں عثمان بن عتی کی خدمت میں بصرہ جایا کرتا تھا اور سمجھا کہ مجھے کافی علم آ گیا ہے مگر جب امام ابوحنیفہ کی خدمت میں پہنچا تو اس وقت میری آنکھیں کھلیں اور یہ معلوم ہوا کہ علم کچھ بھی مجھے نہیں آیا پھر جو کچھ حاصل ہوا وہ امام صاحب کے پاس رہ کر ہوا۔ (موفق انتصار)

شداد بن حکیم: اگر خدا ہم پر احسان نہ فرماتا اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے وجود سے جنہوں نے علم کو ظاہر کیا اور اس کی شرح کی تو ہم نہ جان سکتے کہ کس چیز کو اختیار کریں اور کس کو نہیں۔ (موفق، انصار، کردری)

علی بن ہاشم: امام ابوحنیفہ علم کے خزانہ تھے، جو مسائل اعلیٰ درجہ کے عالم پر سخت ہو وہ ان پر آسان تھے۔ (موفق، انصار، کردری)

وقبہ بن مسقلہ: امام ابوحنیفہ نے علم میں ایسا خوض کیا تھا کہ کسی نے اتنا نہیں کیا تھا، اس لئے جو وہ چاہتے تھے ان کو حاصل ہو گیا۔ (موفق، انصار، کردری)

یحییٰ بن آدم: امام ابوحنیفہ نے فقہ میں ایسی کوشش کی کہ ان سے پیشتر کسی نے نہیں کی، اس لئے خدا نے ان کو راہ بتلادی اور اس کو آسان کر دیا اور خاص و عام نے ان کے علم سے نفع اٹھایا۔ (موفق، انصار، کردری)

نضر بن محمد: میرا ظن غالب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ کو رحمت پیدا کیا ہے اگر وہ نہ ہوتے تو بہت سا علم گم ہو جاتا (کردری)

ابو عمرو بن علا: علم اگر پوچھو تو امام ابوحنیفہ کا ہے اور ہم لوگ جس علم میں مصروف ہیں وہ بہت آسان ہے۔ (موفق انتصار)

امام صاحب کیلئے ائمہ حدیث کی توثیق

(۱) محمد بن سعد العوفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابن معین سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ”امام حدیث ابوحنیفہ ثقہ تھے، کوئی حدیث اس وقت تک بیان نہ فرماتے تھے جب تک کہ ان کو پوری طرح یاد نہ ہو اور جو یاد نہ ہوتی اس کو بیان نہ فرماتے تھے (تہذیب التہذیب ص ۴۵۰ ج ۱۰)

(۲) صالح بن محمد اسدی نے بیان کیا کہ امام ابن معین نے فرمایا، امام ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ تھے۔ (تہذیب التہذیب ص ۴۵۰ ج ۱۰)

(۳) احمد بن محمد بن قاسم بن محرز، امام یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ میں اصول جرح و تعدیل کی رو سے کوئی عیب نہیں تھا اور نہ وہ کبھی برائی کے ساتھ مہتم ہوئے۔ (تذکرہ الحفاظ ص ۱۵۲ ج ۱)

(۴) امام ابو داؤد سجستانی (صاحب سنن) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ امام شریعت تھے (تذکرہ الحفاظ ص ۱۵۲ ج ۱)

(۵) حافظ ابن حجر مکی، شمس شافعی نے حضرت سفیان ثوری کا یہ قول نقل کیا ہے ”امام ابوحنیفہ حدیث و فقہ دونوں میں ثقہ و صدوق ہیں“۔ (خیرات الحسان ص ۱۳)

حافظ ابن حجر مکی نے نقل کیا کہ ابن مدینی نے فرمایا ”امام ابوحنیفہ سے ثوری، ابن المبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن العوام اور جعفر بن عون نے روایت کی ہے یعنی یہ سب ائمہ حدیث میں امام صاحب کے شاگرد ہیں اور فرمایا کہ امام صاحب ثقہ ہیں ان میں کوئی عیب نہیں اور امام شعبہ بھی ان کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے ہیں اور حضرت یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ ہمارے کچھ لوگ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے متعلق تفریط میں مبتلا ہیں اور ان کی تنقیص کرتے ہیں۔

پھر کسی نے سوال کیا کہ کیا امام صاحب کی طرف بیان حدیث و مسائل میں کسی مسامت یا کذب و غلط بیانی کی نسبت صحیح ہے تو فرمایا ”ہرگز نہیں“۔ (خیرات الحسان فصل نمبر ۳۸)

خیرات حسان ہی میں ہے کہ خطیب نے اسرائیل بن یوسف سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا ”امام ابوحنیفہ بہت ہی اچھے شخص تھے اور حدیث کو پوری طرح یاد رکھنے والا ان کے برابر کوئی شخص نہیں ہوا“۔

(۶) حافظ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ بن معین سے امام صاحب کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا ”ثقة ہیں، میں نے سنا ہی نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کو کسی نے ضعیف کہا ہو (معلوم ہوا کہ اس دور کے اکابر و اصاغر میں سے کسی نے بھی آپ پر جرح نہیں کی) اور شعبہ بن الحجاج امام صاحب کو لکھا کرتے تھے کہ احادیث کی روایت ہمارے لئے کریں اور فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ ثقہ تھے اور سچے لوگوں میں سے تھے کہ کبھی ان کو جھوٹ کی تہمت نہیں لگی اور اللہ کے دین میں مامون و معتمد تھے احادیث صحیحہ بیان فرماتے تھے۔

حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، حضرت سفیان بن عیینہؒ، حضرت اعمشؒ، حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت عبدالرزاقؒ، حضرت حماد بن زید وغیرہ بڑے بڑے ائمہ و حفاظ نے امام صاحب کی تعریف کی ہے اور حضرت وکیع مدح کرتے تھے اور امام صاحب کی رائے کے موافق فتویٰ بھی دیا کرتے تھے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین)

ان جلیل القدر ائمہ کے مذکورہ بالا اشارات سے چند نتائج نکلتے ہیں۔

(۱) نمبر ۱ اور نمبر ۲ سے یہ بات خاص طور سے واضح ہوتی ہے کہ امام صاحب نہ صرف جلیل القدر حافظ حدیث تھے جن کو لاکھوں احادیث یاد تھیں، بلکہ یہ بھی کہ وہ ہر حدیث کے ایک ایک لفظ، اس کے معنی و روح کی حفاظت کرتے تھے، جس سے شارع علیہ السلام کی مراد کا کوئی گوشہ کوئی نکتہ بھی ان کے منور دل و دماغ سے اوجھل نہ ہوتا ہوگا اور شاید اسی وجہ سے حفاظ حدیث و ائمہ مجتہدین میں آپ کو سب سے اونچا منصب و مقام حاصل ہوا اور امام شافعیؒ جیسے مجتہد عالی مقام کو بھی کہنا پڑا کہ الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفہ یعنی تمام لوگ فقہ میں امام صاحب کے عیال ہیں اور دست نگر ہیں اور بڑے بڑے حفاظ حدیث کو کہنا پڑا کہ نحن الصیادلة وانتم الاطباء یعنی ہم لوگ صرف دوا فروش ہیں اور آپ لوگ طبیب ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کی رہنمائی میں فقہ حنفی کی ترتیب و تدوین اس شان سے عمل میں آئی کہ دوسرے فقیہ اس امتیاز کے حامل نہ ہو سکے۔

(۷) فن حدیث میں امام صاحب کو نقادان حدیث کا پیشوا مانا جاتا ہے اور امام صاحب کے قول کو رواۃ کی تنقید میں استدلالاً ائمہ حدیث نے پیش کیا ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ نے امام صاحب کے قول کو جابر جعفی کی جرح میں پیش کیا ہے۔

صاحب خلاصہ رواۃ کی جرح و تعدیل میں امام صاحب کے قول کو پیش کرتے ہیں۔

حاکم نے مستدرک میں ایک مقام پر امام صاحب کے قول کو پیش کیا ہے، اس سے حضرت الامام کی مہارت و کمال فن حدیث میں معلوم ہوتا ہے۔

(۸) حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں امام صاحب کو طبقہ خامسہ کے حفاظ حدیث میں ذکر کیا ہے، اصطلاح محدثین میں حافظ حدیث وہ ہوتا ہے جس کو کم از کم ایک لاکھ احادیث یاد ہوں اور تذکرۃ الحفاظ میں امام صاحب کی سند سے دور روایتیں بھی موجود ہیں۔

مثلاً امام بخاریؒ کہ ان کے ساتھ ایک ہزار سے کچھ اوپر ہیں اور ان کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں اور وہ حضرت امام صاحب کے بھی شاگردوں کے شاگرد ہیں، اسی سے قیاس ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کو کتنی لاکھ احادیث یاد ہوں گی۔

(۱۰) حافظ ابن عبدالبر نے انتقاء میں نقل کیا ہے کہ امام محمدؒ نے ایک دفعہ امام مالکؒ کے تلامذہ و اصحاب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

”تمہارے شیخ پر ضروری نہیں کہ کچھ فرمائیں اور ہمارے استاد (امام ابوحنیفہؒ) کے لئے خاموش رہنا درست نہیں تھا، مطلب یہ کہ امام مالکؒ حدیث کے امام ہیں مگر فقہ و افتاء میں کمی ہے، اس لئے اگر کچھ نہ فرمائیں تو بہتر ہے، دوسرے اس فن میں ان سے بہتر موجود ہیں وہ جواب دے سکیں گے اور امام ابوحنیفہؒ چونکہ فقہ کے بھی امام تھے اس لئے ان کو ہر سوال کا جواب دینا چاہئے تھا، کیونکہ ان سے اونچا مقام ان کے زمانہ میں کسی کو حاصل نہ تھا اور ان کے سکوت و خاموشی سے علمی استفادہ رک جاتا۔

امام صاحب تمام اصحاب کتب حدیث کے استاد ہیں

(۱۱) روایات حدیث میں تقریباً تمام اصحاب کتب حدیث امام صاحب کے بواسطہ شاگرد ہیں۔
حافظ ابن حجر نے تقریب میں امام صاحب کے ترجمہ میں نسائی و ترمذی کی علامت لگائی ہے کہ امام ترمذی و نسائی نے امام صاحب کی روایت کی تخریج کی ہے اور تہذیب التہذیب میں ہے ان روایوں کو ذکر بھی کیا ہے۔
صاحب جمع البحار نے بھی ترمذی و نسائی کا حوالہ دیا ہے۔
صاحب خلاصہ نے امام کے ترجمہ میں شامل ترمذی، نسائی اور جزو البخاری کی علامت لگائی ہے۔
مسند ابی داؤد طیالسی میں امام صاحب کی ایک روایت موجود ہے۔
معجم صغیر طبرانی میں دو روایتیں موجود ہیں۔

مستدرک حاکم جلد دوم میں امام صاحب کی ایک حدیث شہادت میں پیش کی ہے اور جلد سوم میں بھی ایک روایت موجود ہے۔
امام دارقطنی نے اپنی سنن میں ۳۳ جگہ امام صاحب کے طرق سے احادیث روایت کیں (حالانکہ وہ امام صاحب سے تعصب بھی رکھتے تھے)۔
مشہور محدث کبیر ابو حمزہ سکری نے بیان کیا کہ میں نے امام صاحب سے سنا فرماتے تھے ”ہمیں جب کوئی حدیث صحیح الاسناد مل جاتی ہے تو اسی کو لیتے ہیں اور جب صحابہ کے اقوال و آثار ملتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک قول کو منتخب کر لیتے ہیں اور ان کے دائرہ سے نہیں نکلتے، البتہ جب کوئی قول تابعین کا آتا ہے (اور وہ ہمارے فیصلہ کے خلاف ہوتا ہے تو) اس سے مزاحمت کرتے ہیں۔
خالد بن صبیح نے بیان کیا کہ میں نے ابو حمزہ سکری سے بارہا سنا کہ جو کچھ میں نے امام ابو حنیفہ سے سنا ہے وہ مجھ کو ایک لاکھ درہم و دنانیر سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے۔

ابوالعلاء صاعد بن محمد نے ابو حمزہ سکری سے نقل کیا کہ ”میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سب سے بہتر و انسب طریقہ پر کلام کرنے والا امام ابو حنیفہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا، وہ ہر ایک صاحب فضل و کمال کے حق کو پورا پورا ادا کرتے تھے، پھر اس سے بڑی بات یہ کہ وفات کے وقت تک کبھی کسی صاحب فضل کا (خواہ صحابہ میں سے ہوں یا غیر صحابہ سے) تنقیص و برائی کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔ (الجواہر المہیہ ص ۲۵۰ ج ۲)

امام صاحب اور قلت روایت

حضرت عمر ثبوت کے چھٹے سال اسلام لائے اور آخر تک خدمت نبوی میں باریاب رہے مگر ان سے صرف ۵۲۵ حدیث مروی ہیں۔
حضرت علیؓ پہلے مشرف باسلام ہونے والوں میں ہیں آپ کو حضور اکرم ﷺ نے اپنی پرورش میں لے لیا تھا تقریباً ۲۴ سال خلوت و جلوت میں حضورؐ کے ساتھ رہے مگر کل ۵۸۶ حدیث روایت کیں۔
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اسلام لانے کے بعد تقریباً ۲۴ سال برابر خدمت مبارکہ میں حاضر رہے اندر، باہر اور ہر موقع پر ساتھ رہے لیکن کل ۸۴۸ حدیث روایت کیں۔

یہ سب دوسرے مکثرین صحابہ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے کہیں زیادہ روایات کر سکتے تھے مگر روایت حدیث خصوصاً براہ راست حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر کے روایت کرنا خلاف احتیاط خیال فرماتے تھے کہ مبادا بیان میں کوئی فرق ہو جائے اور وعید کے مستحق ہوں اس لئے بہت کم روایتیں ان سے مروی ہیں لیکن ان حضرات نے اپنی حدیثی وافر معلومات کو مسائل و فتاویٰ کی صورت میں بیان کیا چنانچہ وہ اس کثرت سے ہیں کہ ہر ایک کے لئے بڑی بڑی کتابیں تیار ہو سکتی ہیں۔

اصابہ میں ہے کہ تمام صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فتاویٰ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ سے ایک ایک موٹی ضخیم جلد تیار ہو۔ بعینہ یہی صورت امام اعظمؒ کے طریق روایت حدیث کی ہے کہ ہزاروں لاکھوں مسائل و فتاویٰ کی تدوین ان کی راہنمائی میں کی گئی اور یہی طریق روایت امام صاحب کے اتباع میں کثرت کے ساتھ تعامل و آثار صحابہ اور خصوصیت سے ان حضرات مذکورہ بالا کے تعامل، و آثار و فتاویٰ کی تحقیق و جستجو کرتے تھے۔

پھر معانی حدیث کی تعین میں بھی ان سے مدد لیتے تھے، وغیرہ ذلک، یہی وہ طریق انیق تھا جس کو خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے بھی اختیار کیا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے تدوین حدیث کی مہم شروع فرماتے ہوئے جا بجا احکام بھیجے تھے کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آثار و اقوال صحابہ بھی جمع کرو جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

ظاہر ہے کہ امام صاحب کا یہ طریقہ بہت ہی مستحکم، جامع اور محتاط تھا، اس کے برخلاف دوسری صدی کے بعد کے اس طریقہ کو دیکھتے جو نرے محدثین یا اصحاب ظاہر اہل حدیث نے اختیار کیا کہ آثار و اقوال صحابہ سے صرف نظر، معانی حدیث کی جگہ ظاہر الفاظ کا تتبع، حضور ﷺ کے آخری عمل اور نسخ و منسوخ کی تحقیق کی بجائے صرف روایتی اعتبار سے حدیث کی قوت و ضعف پر مدار، زمانہ خیر القرون میں جو احادیث صحیح تھیں لیکن یسلفوا الکذب کے دور میں داخل ہو کر اگر ان میں کوئی راوی مہتمم آ گیا تو وہ احادیث تو روایتی بنیاد پر گر گئیں اور ان کی جگہ ان کم درجہ کی احادیث نے لے لی جن کو اتفاق وقت سے اچھے راوی مل گئے، مثلاً حدیث قلتمین وغیرہ۔

غرض امام صاحب نے جس اچھے وقت میں تدوین فقہ کی مہم کو سر کیا اور جن اصولوں پر کام کیا اور جیسے بلند پایہ محدثین و فقہا ان کے رفیق و معاون ہوئے (کہ بعد کے سارے محدثین ان ہی کے خوشہ چین ہیں) اس کی خوبی و برتری کا مقابلہ زمانہ مابعد میں نہ ہو سکتا تھا اور نہ ہوا۔

ظاہر ہے کہ فقہ حنفی کا یہ کھلا ہوا فضل و تفوق ہی حاسدین و معاندین کے تنگ دلوں اور متعصب ذہنوں کے لئے سب سے بڑی وجہ عداوت بن گئی اور پھر انہوں نے اپنے ان اساتذہ و بزرگوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھے ان کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ ناظرین خود کریں گے، اس کار خیر کی تقسیم اس طرح ہوئی۔

(۱) کچھ محدثین نے تو اپنی حدیثی تالیفات میں امام صاحب اور اصحاب امام کی روایت اور ذکر خیر سے بھی احتراز کیا، موافق احناف احادیث کی روایت کم سے کم کی، نقل مذہب کی ضرورت سمجھی گئی تو وہ بھی غیر دقیق الفاظ سے کی گئی، مذہب سے پوری طرح واقفیت حاصل کئے بغیر، بے تحقیق بھی مسائل کی نسبت غلط کر دی گئی (جس کی نشاندہی شرح بخاری میں جا بجا ہم کرتے رہیں گے) (ان شاء اللہ)

(۲) کچھ محدثین نے حق شاگردی ادا کرنے کو ایک دور روایات لیں اور نقل مذہب بھی کسی قدر دقیق الفاظ سے کیا اگرچہ مذہب سے پوری واقفیت حاصل نہ کی۔

(۳) شرح حدیث نے موافق احناف احادیث کو روایتی طریقہ سے گرانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اگر کسی حدیث کے ایک لفظ میں بھی فرق پایا تو ”لم اجده“ کہہ کر اس کو ختم کیا، ملاحظہ ہو فتح الباری اور ضمیمہ منیۃ المعنی وغیرہ۔

(۴) تاریخ و رجال کے مؤلفین اور جرح و تعدیل کے مصنفین نے حتی الامکان رجال احناف کو مسخ شدہ بنا کر پیش کیا بڑے بڑوں پر گری پڑی جھوٹی روایات کی آڑ لے کر طعن کر گئے۔

(۵) کچھ لوگوں نے کتابوں کی طباعت کے وقت حذف و الحاق یا تصحیف کے ذریعہ رجال حنفیہ کے حالات میں تلخیص کی۔

(۶) کچھ حضرات نے کتب تاریخ وغیرہ میں حکایت مکذوبہ روایت کر کے کہا حنفیہ کی پاک و پاکیزہ زندگی کو داغ دار بنانے کی سعی کی وغیرہ۔

امام صاحب کی طرف قلت روایت کا طعن کرنے والوں کے لئے ایک جواب اوپر نقل ہوا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ احادیث دو قسم کی ہیں، ایک وہ جو احکام سے متعلق ہیں، دوسری وہ جن کا تعلق احکام سے نہیں۔

اس دوسری قسم کی احادیث کی روایت سے فقہا صحابہ اور خلفاء راشدین نے خود بھی اجتناب کیا اور دوسروں کو بھی روکا تھا، تاکہ اس ابتدائی دور میں قرآن مجید اور حدیث کا اختلاط نہ ہو جائے، باقی احادیث احکام کا روایت کرنا اور جاننا تو دین پر عمل کرنے کے لئے ضروری تھا، اس لئے ان کی روایت سے نہیں روکا گیا تھا، چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ جب حضرت عمر فاروق خلیفہ ہوئے تو صحابہ سے فرمایا کہ ”رسول اکرم ﷺ کی احادیث کی روایت کم کرو۔ بجز ان احادیث کے جن کی عمل کیلئے ضرورت ہے۔“

مسلم شریف میں ہے کہ عبادہ بن صامتؓ نے فرمایا کہ ”جن احادیث میں تم لوگوں کا دینی فائدہ تھا وہ سب میں نے تم سے بیان کر دی ہیں۔“ علامہ نوووی نے شرح مسلم میں قاضی عیاض سے اس کی تشریح بھی نقل کی ہے کہ عبادہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ انہوں نے وہ حدیثیں بیان نہیں کیں جن سے مسلمانوں کے کسی ضرر یا فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ تھا یا جن کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا تھا اور یہ وہ احادیث تھیں جن کا تعلق احکام سے یا کسی حد سے حدود شرعیہ میں سے نہ تھا، ایسی احادیث کا روایت نہ کرنا کچھ عبادہ ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ایسا کرنا دوسرے صحابہ سے بھی بہت زیادہ ثابت ہے۔

امام صاحب نے خلفاء راشدین اور فقہاء کی رائے مذکور کا بھی اتباع کیا اور صرف وہی احادیث روایت کیں جن کا تعلق احکام سے تھا، ان کی تعداد کا اندازہ تین ہزار کیا گیا ہے، امام صاحب سے روایت شدہ احادیث بھی علاوہ ان صریح مرفوع احادیث کے جو ان کی مسانید وغیرہ میں ہیں اور ان کا کافی ذخیرہ اس وقت ہمارے سامنے مطبوعہ شکل میں بھی آ گیا ہے، احادیث موقوفہ اور مسائل و احکام کی صورت میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں اور جس طرح حضرت شاہ ولی اللہ نے حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو جمہور محدثین کے خلاف صحابہ کے مکثرین میں داخل کیا ہے اور اسی وجہ سے کیا جو ہم نے اوپر بھی بیان کی ہے، اسی طرح امام صاحبؒ کو بھی تابعین کے مکثرین میں داخل کرنا مناسب ہے اور قلت روایت کی نسبت امام صاحبؒ کی طرف درست نہ ہوگی، حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق ازالۃ الخفاء ص ۲۱۴ مقصد دوم میں اس طرح ہے۔

”جمہور محدثین نے مکثرین صحابہ آٹھ صحابہ کو قرار دیا ہے، ۱ حضرت ابو ہریرہؓ، ۲ حضرت عائشہؓ، ۳ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ۵ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، ۶ حضرت انسؓ، ۷ حضرت جابر اور حضرت ابوسعید خدری اور متوسطین میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کو شمار کیا ہے (جن سے ۵ سو سے ایک ہزار سے کم تک احادیث مروی ہیں) لیکن اس فقیر کے نزدیک ان حضرات سے احادیث بڑی کثرت سے موجود ہیں، کیونکہ جو احادیث بظاہر موقوف ہوئی ہیں وہ بھی حکماً و حقیقت مرفوع ہیں اور ان حضرات سے باب فقہ، باب احسان اور باب حکمت میں جس قدر ارشادات مروی ہیں وہ بہت سی وجوہ سے مرفوع کے حکم میں ہیں، لہذا ان حضرات کو مکثرین میں داخل کرنا زیادہ موزوں ہے۔“

حضرت شاہ صاحبؒ نے ان حضرات کو مکثرین کے طبقہ میں اس بناء پر داخل کیا کہ ان کے بہت سے مسائل و فتاویٰ احادیث ہیں اور ان کو احادیث قرار دینا بہت سے دلائل و وجوہ سے ہے، پھر آگے حضرت شاہ صاحبؒ نے ان دلائل میں سے ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ ان احکام و مسائل کو اگر متداولہ کتب حدیث کی احادیث مرفوعہ سے موازنہ کیا جائے گا تو ان کی باہم موافقت و مطابقت ہی ملے گی، لہذا ان حضرات نے ان ہی احادیث کو احکام و مسائل و فتاویٰ کی صورتوں میں روایت کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ تحقیق و تدقیق چونکہ سطحی افہام اور ظاہر پر اکتفاء کرنے والی عقول سے بلند تھی اس لئے خود ہی آپ نے یہ بھی

فرمایا کہ ”قصہ کوتاہ! حضرت عمر، حضرت علی و حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کردہ بہت سی احادیث و فتروں میں موجود ہیں مگر ان حضرات کی جانب بحیثیت حدیث ان کا انتساب کم سمجھ اور غیر دانشمند لوگ نہیں کر سکیں گے (کہ ان کی افہام و دسترس سے باہر ہے)۔
اس موقع پر مجھے اس حقیقت کے اظہار کا بھی موقع دیجئے کہ یہ دفاتر وہی ہیں جن کی روشنی میں امام اعظم قدس سرہ اور آپ کے چالیس رفقاء و محدثین و فقہاء مجتہدین نے ”فقہ حنفی“ کو مرتب کیا ہے۔

خليفة منصور نے امام صاحب سے دریافت کیا تھا کہ آپ نے علم کس سے حاصل کیا؟ تو امام صاحب نے جواب دیا تھا کہ اصحاب عمر سے عمر کا، اصحاب علی سے علی کا اور اصحاب عبداللہ بن مسعود سے عبداللہ کا جس پر منصور نے کہا تھا کہ خوب خوب! ابوحنیفہ! تم نے بہت مضبوط علم حاصل کیا وہ سب طبیبین طاہرین تھے، سب پر خدا کی رحمت ہو۔

اور شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لمبی بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کے استاذ الاستاذ حضرت ابراہیم نخعی نے اپنے مذہب کی بنیاد حضرت علیؑ اور حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کے مسائل و فتاویٰ پر قائم کی، ابراہیم تمام علماء کوفہ کے علوم کا مخزن تھے، ابن المسیب اور ابراہیم کے فقہ کے اکثر مسائل اصل میں سلف یعنی صحابہ سے مروی ہیں۔

ابراہیم کے فضل و کمال اور تفقہ و جلالت قدر پر تمام فقہاء کوفہ متفق ہو گئے تھے اور سب نے ان کی شاگردی کا فخر حاصل کیا، ابراہیم نے وہی مسائل جمع کئے تھے جن کو مشہور احادیث اور قوی دلائل کی صحیح کسوٹی پر کس لیا تھا۔ (حجۃ اللہ ص ۱۳۹)

پھر آگے چل کر شاہ صاحب نے یہ بھی واضح کیا کہ ان مسائل کو ابراہیم سے امام صاحب نے اخذ کیا اور امام صاحب تو انہیں کلیہ سے جزئیات کا حکم دریافت کرنے میں غیر معمولی ملکہ رکھتے تھے، فن تخریج مسائل کی باریکیوں پر اپنی دقیقہ رسی سے پوری طرح حاوی ہو جاتے تھے۔ فروع کی تخریج پر کامل طور پر توجہ فرماتے تھے اور ابراہیم اور ان کے اقران کے اقوال و مسائل کو اگر مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق اور کتاب الآثار امام محمد کی مرویات سے موازنہ کر کے دیکھو گے تو چند مسائل کے سوا سب میں اتفاق و اتحاد پاؤ گے۔ (حجۃ اللہ ص ۱۵۱)

علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں نقل کیا کہ سروق (جلیل القدر تابعی) نے بیان کیا کہ ”میں نے رسول اللہ کے اصحاب کو گہری نظر سے دیکھا تو سب کے علوم کا سرچشمہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت زید، حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابی رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پایا اور اس کے بعد پھر گہری نظر سے دیکھا تو ان چھ حضرات کے علوم کا خزانہ حضرت علیؑ و حضرت عبداللہ بن مسعود کو پایا۔“
غرض اس تمام بحث سے یہ امر واضح ہے کہ امام صاحب کو مقلدین سے زیادہ مکثرین کے طبقہ میں شمار کرنا چاہئے، واللہ اعلم۔

علامہ محمد بن یوسف شافعی نے کتاب عقود الجمان میں (جو امام صاحب کے مناقب میں ہے) ایک مستقل باب ۲۳ واں امام صاحب کی روایت حدیث کی کثرت اور آپ کے اعیان و اکابر حفاظ حدیث ہونے پر قائم کیا ہے، مناقب موفق ص ۳۸ ج ۱ میں امام ابو عبداللہ بن ابی حفص الکبیر بخاری سے امام صاحب کی چار ہزار شیوخ حدیث کا ذکر نقل کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ یہ امام صاحب کے ادنی فضائل میں سے ایک ہے۔

کبراء محدثین کا امام صاحب سے استفادہ

امام زفر نے بیان کیا کہ بڑے بڑے محدثین وقت مثل زکریا بن ابی زائدہ، عبدالملک، ابن سلیمان، لیث بن سلیم، مطرف بن طریف، حصین بن عبدالرحمن وغیرہم امام صاحب کے پاس آتے جاتے تھے اور ان مشکل مسائل کے بارے میں جن کا حاصل کرنا ان کو دشوار ہوتا تھا اور ان احادیث کے بارے میں بھی جوان پر مشتبہ ہوتی تھیں، امام صاحب سے تشفی حاصل کرتے تھے۔ (مناقب کردری ص ۱۰۱ ج ۲)

امام صاحب محدثین و فقہاء کے ماویٰ و بلجاتھے

ابن سماک: کوفہ کے استاد چار ہیں، سفیان ثوری، مالک بن مغول، ولفوطائی، ابوبکر ہشلی اور یہ سب ابوحنیفہؒ کے حلقہ میں بیٹھے ہیں (موفق، انتصار، کردری)۔
حارث بن عمر: جب امام ابوحنیفہؒ مکہ معظمہ جاتے تو ابن جریج اور عبدالعزیز بن ابی روادان کے ساتھ بیٹھتے اور ابن جریج ان کی مدح کرتے عبدالعزیز سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو امام صاحب سے مل کر معلوم کر کے بتاتے (کردری، انتصار)۔

توبہ ابن سعد: اہل مرو کے امام تھے، بقول ابن مبارک مومن قوی القلب تھے اور امام مالک کہا کرتے تھے کہ کاش! ان جیسا ایک شخص ہمارے یہاں ہوتا، یہ توبہ مذکور امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھے تھے، استفادہ کرتے تھے اور قضاء میں امام صاحب کے قول پر فیصلہ کرتے اور کہتے تھے کہ امام ابوحنیفہ میرے اور میرے رب کے درمیان ہیں (کردری)۔

نوح بن مریم: میں امام ابوحنیفہؒ کی صحبت و حلقہ میں رہا ہوں ان کے بعد ان کا مثل نہیں دیکھا۔ (کردری)۔
ابن مبارک: فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابوحنیفہؒ تابعین کے زمانہ میں امام ہو جاتے تو تابعین بھی ان کی طرف محتاج ہوتے۔ (موفق ص ۱۲۵ انتصار، کردری)۔

یسین بن معاذ زیات: نے مکہ معظمہ میں ایک کثیر جماعت میں بلند آواز سے جس طرح اذان دی جاتی ہے پکار کر کہا کہ لوگو! ابوحنیفہؒ کو غنیمت سمجھو، ان سے علم حاصل کرو، ان سے زیادہ حلال و حرام کو جاننے والا تمہیں کوئی نہیں ملے گا، (موفق، انتصار، کردری) یسین مذکور کو ذہبی نے کبار فقہاء کوفہ میں سے لکھا ہے مفتی کوفہ بھی تھے۔

ابراہیم بن فیروز: اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو دیکھا کہ مسجد میں بیٹھے ہیں اور اہل مشرق و مغرب کا ہجوم ہے وہ مسائل پوچھتے ہیں اور آپ جواب دیتے ہیں، وہ پوچھنے والے بھی فقہاء و خیار الناس تھے۔ (موفق، انتصار، کردری)۔

ابو نعیم: لوگ طوعاً و کرہاً امام صاحب کے منقاد ہوتے جاتے تھے، آپ کے یہاں جو ہجوم رہتا تھا وہ دن و رات کے کسی حصہ میں منقطع نہیں ہوتا تھا خواہ آپ مسجد میں ہوں یا مکان میں۔ (کردری)۔

خالد بن صبیح: امام صاحب ایک رات عشاء کی نماز پڑھ کر جا رہے تھے کہ امام زفر نے کوئی مسئلہ پوچھا، امام صاحب نے جواب دیا، اس میں دوسری بحث اور تیسری بحث نکلی اور صبح تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور صبح کے بعد بھی یہ گفتگورہی حتیٰ کہ زفر کو شرح صدر ہو گیا، معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے رات کے اوقات عبادت و نماز وغیرہ میں جب ہی گذرتے ہوں گے کہ آپ کے پاس طالبین علوم کا ہجوم نہ ہو ورنہ درس و افادہ ہی مقدم رکھتے ہوں گے جیسا کہ واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا۔

بعض ائمہ حدیث نے لکھا ہے کہ جس قدر امام صاحب کے اصحاب و تلامذہ تھے کسی امام کو نصیب نہیں ہوئے، حافظ ابوالحسن شافعی نے نو سو اٹھارہ علمائے کبار کے نام بقید نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے، غالباً یہ تعداد مشہور محدثین کی ہوگی یا ان محدثین و فقہاء کی جو اکثر ملازم حلقہ رہا کرتے تھے اور اس کا ثبوت ردالمحتار سے بھی ملتا ہے، چنانچہ اس میں بحوالہ طحاوی لکھا ہے کہ فقہ کے جمع کرتے وقت ایک ہزار عالم امام صاحب کے ساتھ تھے جن میں چالیس شخص درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔

اتنے علماء میں ہر مسئلہ کی تحقیق ہوتی تھی اور سب کے اتفاق سے جب طے ہوتا تو اس وقت کتاب میں لکھا جاتا تھا، ہم امام صاحب کے خاص خاص تلامذہ و اصحاب کے مختصر مختصر حالات بھی لکھیں گے اور ابتداء میں ان چالیس محدثین کے حالات لکھیں گے جو تدوین فقہ کے شریک تھے۔

امام صاحبؒ کی امامت فقہ اکابر علم کی نظر میں

پہلے علم فقہ کی اہمیت اقوال اکابر سے ملاحظہ کیجئے۔

(۱) حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن غنم کو صرف فقہ سکھانے کے لئے شام بھیجا تھا۔

(۲) امام مالکؒ نے اپنے بھانجے ابو بکر اور اسمعیل سے کہا میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں حدیث کا بہت شوق ہے اور اس کو طلب

کرتے ہو کہا ہاں فرمایا اگر تم دوست رکھتے ہو کہ خدا تعالیٰ اس کا نفع تمہیں دے تو حدیث کی روایت کم کرو اور فقہ زیادہ حاصل کرو۔ (مختصر کتاب النصیحہ مولفہ خطیب بغدادی)

(۳) امام شافعیؒ جو شخص صرف حدیثوں کو جمع کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی رات کو لکڑیاں جمع کرے کبھی ایسا بھی ہوگا کہ

سانپ کو لکڑی سمجھ کر اٹھائے گا اور تکلیف اٹھائے گا (مختصر کتاب النصیحہ مولفہ خطیب بغدادی)

(۴) اعمش:

کہتے ہیں کہ جب میں تحصیل حدیث سے فارغ ہوا تو فتویٰ دینے کے لئے مسجد میں بیٹھا تھا پہلا ہی سوال ہوا تو اس کا جواب مجھ سے نہ بن سکا۔

(۵) امام احمد:

کسی نے مسئلہ پوچھا، فرمایا فقہاء سے پوچھو، ابو ثور سے پوچھو (جو مشہور فقیہ تھے)۔ (توالی التابیس)

(۶) علی بن المدینی:

بخاری نے نقل کیا کہ ابن مدینی کہتے تھے کہ فقہ معانی حدیث یعنی فہم معنی حدیث نصف علم ہے اور معرفت رجال نصف علم ہے۔

(۷) امام ترمذی:

فقہاء نے اس طرح تشریح کی ہے اور وہ معانی حدیث کو زیادہ جانتے ہیں (جامع ترمذی)

عبداللہ بن مبارک:

ابو حنیفہ فقہ الناس تھے میں نے فقہ میں ان کا مثل نہیں دیکھا۔ (مناقب، موفق والانصار بسط ابن الجوزی)

اعمش:

ابو حنیفہ وہ مسائل جانتے ہیں کہ نہ حسن بصری جانتے ہیں نہ ابن سیرین، نہ قتادہ، نہ یحییٰ، نہ ان کے سوا کوئی اور (انتصار و مناقب کردری) کسی

نے اعمش سے مسئلہ پوچھا، کہا کہ اس کا جواب ابو حنیفہؒ خوب جانتے ہیں، میرا ظن غالب یہ ہے کہ ان کے علم میں برکت دی گئی ہے (خیرات

حسان)

سعید بن ابی عمرو بہ:

سفیان بن سے فرمایا کہ تمہارے بلاد سے ابوحنیفہؒ کی جو خبریں آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ افتخار کوئی نہیں ہے، مجھے آرزو ہے کہ جو علم خدائے تعالیٰ نے ان کو دیا ہے وہ تمام مسلمانوں کے دلوں میں ڈالا جائے، ان کو خدا نے فقہ میں فتحیاب کیا ہے گویا وہ اسی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ (موفق، انتصار، کردری)

یحییٰ بن سعید القطان: کہا کرتے تھے کہ جو واقعات لوگوں پر وقتاً فوقتاً پیش آتے ہیں ان میں حکم شرعی بیان کرنے والا سواء ابوحنیفہؒ کے کوئی نہیں۔ (موفق، انتصار)

عثمان المدینی: حماد، ابراہیم، علقمہ اور ابن اسود سے ابوحنیفہؒ زیادہ فقیہ تھے۔ (موفق، انتصار)

جریر بن عبد اللہ: نے کہا کہ مجھ سے مغیرہ نے کہا کہ ابوحنیفہؒ کے حلقہ میں رہا کرو گے تو فقیہ ہو جاؤ گے، اگر ابراہیم نخعی ہوتے تو وہ بھی ان کے حلقہ میں بیٹھتے۔ (موفق، کردری)

مسعر: کوفہ میں امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ فقیہ میں نے نہیں دیکھا، ان کی فقاہت پر مجھے رشک آتا ہے (موفق، انتصار)

مقاتل: میں نے تابعین اور تبع تابعین کو دیکھا مگر ان میں ابوحنیفہؒ جیسا نکتہ رس اور بصیرت والا شخص نہیں دیکھا۔

یحییٰ بن آدم: تمام اہل فقہ اور اہل بنیہ کا اتفاق ہے کہ ابوحنیفہؒ سے افتخار کوئی نہیں، اس امر میں انہوں نے ایسی کوشش کی کہ ان سے پہلے کسی نے نہیں کی تھی اسی لئے خدائے تعالیٰ نے ان کو راستہ دکھا دیا۔ (موفق، انتصار، کردری)

امام شافعی: جس کو فقہ کی معرفت منظور ہو وہ ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کو لازم پکڑے، کیونکہ فقہ میں سب ان کے عیال ہیں۔ (موفق، انتصار)

وکیع: میں کسی عالم سے نہیں ملا جو امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ فقیہ ہو۔ (موفق، انتصار، کردری)

حالانکہ امام وکیع بڑے بڑے محدثین سے ملے تھے، مثلاً ہشام بن عروہ، اعمش، اسماعیل بن ابی خالد، ابن عون، ابن جریج، سفیان اور اودی، اور امام احمد کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے وکیع جیسا عالم نہیں دیکھا حدیث و فقہ میں وہ بہت بڑے پایہ کے تھے امام احمد نے فرمایا کہ وہ فقہ کا مذاکرہ بڑی عمدگی سے کرتے تھے، یہ فقہ حنفی کی ہی طرف اشارہ ہے کیونکہ بتصریح ذہبی وہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

واضح ہو کہ امام وکیع بھی اعمش اور اوزاعی کی طرح ابتداء میں امام صاحب کے مخالف تھے پھر صحیح حالات معلوم ہونے پر معتقد و مقلد ہو گئے تھے۔ سفیان ثوری: اگر سفیان ثوری کے پاس کوئی جاتا اور کہتا کہ میں امام ابوحنیفہؒ کے پاس سے آیا ہوں، تو فرماتے کہ تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ روئے زمین پر اس جیسا فقیہ عالم نہیں۔ (الخیرات الحسان)

امام جعفر صادق: ابوحنیفہؒ کل فقہاء کوفہ سے افتخار ہیں۔ (موفق، انتصار)

حسن بن عمارہ: یہ سفیان ثوری کے استاد ہیں، عبد اللہ بن مبارک نے نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے گھوڑے کی رکاب پکڑے ہوئے کہتے تھے کہ خدا کی قسم میں نے تم سے بڑا فقیہ، بلیغ و حاضر جواب نہیں دیکھا اور آپ تمام فقہاء کے سردار ہیں جو لوگ آپ پر طعن کرتے ہیں وہ صرف حسد کرتے ہیں۔ (تبیض الصحیفہ وخیرات الحسان)

اسحاق بن راہویہ: امام بخاری کے اجلہ شیوخ میں تھے کہا کہ میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا جو احکام اور قضایا کو امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ جانتا ہوں ہر چند قبول قضاء پر زبردستی اور سختی کی گئی مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ خالصاً لوجه اللہ تعلیم اور ارشاد کیا کرتے تھے۔ (موفق، انتصار)

عیسیٰ بن یونس: نے اپنے شاگردوں کو ہدایت کی کہ اگر امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کوئی بدگویی کرے تو ہرگز اس کا یقین مت کرنا میں خدا کی قسم کھا کر تم سے کہتا ہوں کہ میں نے ان سے افضل اور افتخار نہیں دیکھا۔ (خیرات)

آئے ہو کہ روئے زمین پر اس جیسا فقیہ عالم نہیں۔ (الخیرات الحسان)
 امام جعفر صادق: ابوحنیفہ کل فقہاء کوفہ سے افتخار ہیں۔ (موفق، انتصار)
 حسن بن عمارہ: یہ سفیان ثوری کے استاد ہیں، عبد اللہ بن مبارک نے نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے گھوڑے کی رکاب پکڑے ہوئے کہتے تھے کہ خدا کی قسم میں نے تم سے بڑا فقیہ، بلوغ و حاضر جواب نہیں دیکھا اور آپ تمام فقہاء کے سردار ہیں جو لوگ آپ پر طعن کرتے ہیں وہ صرف حسد کرتے ہیں۔ (تبیض الصحیفہ و خیرات الحسان)
 اسحاق بن راہویہ: امام بخاری کے اجلہ شیوخ میں تھے کہا کہ میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا جو احکام اور قضایا کو امام ابوحنیفہ سے زیادہ جانتا ہوں ہر چند قبول قضاء پر زبردستی اور سختی کی گئی مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ خالصاً لوجه اللہ تعلیم اور ارشاد کیا کرتے تھے۔ (موفق، انتصار)
 عیسیٰ بن یونس: نے اپنے شاگردوں کو ہدایت کی کہ اگر امام ابوحنیفہ کے بارے میں کوئی بدگویی کرے تو ہرگز اس کا یقین مت کرنا میں خدا کی قسم کھا کر تم سے کہتا ہوں کہ میں نے ان سے افضل اور افتخار نہیں دیکھا۔ (خیرات)
 امام شعبہ: اعمش اور سفیان ثوری کے استاد ہیں ان کو جب امام صاحب کے انتقال کی خبر ملی تو ان اللہ پڑھ کر کہا کہ اب اہل کوفہ کی روشنی علم جاتی رہی، یاد رکھو کہ ان جیسا شخص وہ کبھی نہ دیکھیں گے۔ (موفق، انتصار، کردری)

امام صاحب ورع و تقویٰ میں یکتا تھے

یحییٰ بن معین: کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا ابوحنیفہ ثقہ تھے؟ کہاں ہاں ثقہ تھے، ثقہ تھے، پھر کہا خدا کی قسم ان کا رتبہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا کہ جھوٹ کہتے، ورع میں وہ سب سے زیادہ تھے اور کہا کہ جس کو ابن مبارک و کعب نے عدل کہا اس کو تم کیا کہتے ہو۔ (موفق، انتصار، کردری)
 عبد اللہ بن مبارک: جب میں کوفہ پہنچا، لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کے علماء میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ سب نے کہا ابوحنیفہ! پھر پوچھا کہ زہد میں سب سے زیادہ کون ہے؟ کہا ابوحنیفہ، پوچھا ورع و پارسائی میں سب سے زیادہ کون ہے؟ کہا ابوحنیفہ! (موفق، انتصار، کردری و تبیض)
 مکی بن ابراہیم: میں کوفہ کے تمام علماء کے ساتھ بیٹھا مگر ابوحنیفہ سے زیادہ اورع کسی کو نہیں دیکھا، تہذیب الکمال میں بھی یہ روایت موجود ہے مگر اس کا جو خلاصہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں کیا ہے، اس میں شوافع کے مناقب زیادہ نقل کئے اور حنفیہ کے کم کر دیئے، اسی طرح تہذیب الکمال میں مزنی نے سینکڑوں محدثین کے متعلق لکھا تھا کہ وہ امام صاحب کے یا ان کے اصحاب کے شاگرد ہیں مگر حافظ نے خلاصہ کیا کہ اس امر کا ذکر کم سے کم کر دیا۔

ابو یوسف: نو سال اور کئی ماہ میں ابوحنیفہ کے ساتھ بیٹھا، اس مدت میں کوئی بات ایسی نہیں دیکھی جو قابل انکار ہو، وہ صاحب ورع و صلوة و صدقہ مواصاۃ تھے۔ (موفق، انتصار، کردری)

بکیر بن معروف: جس نے ابوحنیفہ کو دیکھا اس کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اعلیٰ درجہ کے فقیہ اور صاحب معرفت اور پرہیزگار کیسے ہوا کرتے ہیں، اور ان کو دیکھنے والے پر یہ ثابت ہو جاتا تھا کہ وہ خیر ہی کے لئے مخلوق ہیں۔

ابن جریر: مجھے نعمان فقیہ اہل کوفہ کے حالات معلوم ہوئے ہیں کہ وہ ورع میں کامل اور دین و علم کی حفاظت کرنے والے تھے، اہل آخرت کے مقابلہ میں اہل دنیا کو اختیار نہیں کرتے تھے، میں گمان کرتا ہوں کہ قریب میں ان کے علم کی عجیب شان ہوگی۔ (موفق، انتصار، کردری)
 عبد الوہاب بن ہمام: جتنے مشائخ عدن طلب حدیث کے لئے کوفہ گئے تھے وہ بالاتفاق کہتے تھے کہ ابوحنیفہ کے زمانہ میں ان سے بڑا فقیہ اور ورع کوفہ میں ہم نے نہیں دیکھا۔ (موفق، انتصار)

وکیع: حدیث کے باب میں ابوحنیفہؒ کو جس قدر روع تھا کی میں نہیں پایا گیا۔ (موفق، انتصار)
 یزید بن ہارون: میں نے ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا مگر خدا کی قسم ابوحنیفہ سے اور کسی کو نہیں پایا۔ (موفق، انتصار)
 مناقب موفق و کردری اور الانتصار میں سفیان بن عیینہ، عثیر، عبدالرزاق بن ہمام صاحب مصنف مشہور، ابراہیم بن مکرّم، عمر بن ذر، ابو غسان مالک، حفص بن عبدالرحمن، عطاء بن جبلة، شداد بن حکیم، عمرو بن صالح، عیسیٰ بن یونس اور دوسرے بڑے بڑے محدثین سے بہ سند متصل نقل کیا کہ امام صاحب سب سے زیادہ متقی، پرہیزگار عابد و زاہد تھے۔

امام صاحب کی تقریر اور قوت استدلال

قوت تقریر کا مدار کثرت معلومات، استحضار مضامین اور طبیعت نکتہ رس پر ہے اور امام صاحب اپنے زمانہ کے علماء میں سے سب سے علم و فضل میں فائق، قوت حافظہ میں ممتاز تھے اور طبیعت دقیقہ رس، نکتہ آفریں تھی اسی لئے آپ کی تقریر بھی غیر معمولی طور سے مؤثر ہوتی تھی، اس کے بارے میں معاصرین امام اور اکابر علماء کے اقوال پڑھئے۔

یزید بن ہارون: جب امام ابوحنیفہ کلام کرتے تو کل حاضرین کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ (موفق، کردری)
 شیخ کنانہ: امام ابوحنیفہ کا کل علم مفہوم و کارآمد ہے اور دوسروں کے علم میں حشو و زوائد بہت ہیں، میں ان کی صحبت میں ایک مدت تک رہا مگر ایک بات بھی ان سے ایسی نہیں سنی جو قابل مواخذہ ہو، یا اس پر عیب لگایا جاسکے۔ (موفق، انتصار، کردری)
 ابو معاویہ ضریر: شریک، جہل و حسد کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کے ساتھ دشمنی تو رکھتے تھے مگر جب ان کا کلام سنتے تو بیچارے سر نہ اٹھا سکتے میں نے امام صاحب سے زیادہ علم والا نہیں دیکھا، کوئی شخص تقریر میں ان پر غالب نہیں آسکتا تھا، کبھی ان کو مغلوب ہوتے نہیں دیکھا۔ (موفق، کردری)
 یحییٰ بن آدم: امام ابوحنیفہؒ کا کلام خالصہ اللہ تھا اگر اس میں دنیوی امور کی آمیزش ہوتی تو ان کا کلام آفاق میں ہرگز نافذ نہ ہو سکتا کیونکہ ان کے حاسد اور کسرشان کرنے والے لوگ بہت تھے۔ (موفق، انتصار، کردری)

جس مجلس میں امام صاحب ہوتے تو کلام کا مدار ان پر ہی ہوتا اور جب تک وہ وہاں رہتے کوئی دوسرا بات نہ کر سکتا (خیرات، کردری)
 مسعر بن کدام: کسی نے ان سے کہا کہ ابوحنیفہؒ کے دشمن کس قدر کثرت سے ہیں؟ یہ سن کر مسعر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور کہا دور ہو! میں نے جب کسی کو ان کے ساتھ مباحثہ کرتے دیکھا تو امام کو ہی غالب دیکھا۔ (موفق، انتصار، کردری)

مطلب بن زیاد: جب کبھی امام ابوحنیفہؒ نے کسی مسئلہ میں کسی کے ساتھ گفتگو کی تو وہ شخص ان کا مطیع و منقاد ہو گیا۔ (موفق)
 امام مالک: پوچھا گیا کہ اہل عراق میں سے جو آپ کے یہاں آئے ان میں افتخار کون ہیں؟ فرمایا۔ کون آئے ہیں؟ کہا گیا ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہؒ، امام مالک نے فرمایا کہ تم نے ابوحنیفہؒ کا نام آخر میں لیا، میں نے ان کو دیکھا کہ ہمارے یہاں کے کسی فقیہ سے ان کا مناظرہ ہوا اور تین بار اس کو اپنی رائے کی طرف رجوع کرا کے امام صاحب نے آخر میں کہہ دیا کہ یہ بھی خطا ہے۔ (موفق)
 اور امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ امام مالکؒ سے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا سبحان اللہ! وہ تو ایسے شخص تھے کہ اگر تم سے کہہ دیتے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو پھر اس کو دلیل و حجت سے ثابت بھی کر دکھاتے۔ (کردری، خیرات، تبیض)

حافظ ابو حمزہ محمد بن میمون: نے قسم کھا کر کہا کہ ابوحنیفہؒ کی تقریریں کر مجھے جس قدر خوشی ہوتی وہ لاکھ اشرفی کے ملنے سے بھی نہیں ہو سکتی۔ (موفق، انتصار، کردری)

یوسف بن خالد سمستی: جب میں علم حاصل کر کے امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھا اور ان کی تقریریں سنیں تو معلوم ہوا کہ علم کے چہرہ پر

امام ابو حنیفہؒ طیب امت تھے

سعدان بن سعید سلمی: امام ابو حنیفہؒ اس امت کے طیب ہیں اس لئے کہ جہل سے زیادہ کوئی بیماری نہیں اور علم ایسی دوا ہے کہ اس کی نظیر نہیں اور امام صاحبؒ نے علم کی ایسی شافی تفسیر کی کہ جہل جاتا رہا۔

امام اوزاعی: امام صاحبؒ کو طیب امت کہا کرتے تھے اور محدثین کو عطاروں میں داخل کرتے تھے۔

عفان بن سیار: امام ابو حنیفہؒ کی مثال طیب حاذق کی سی ہے جو ہر بیماری کی دوا جانتا ہے۔ (موفق، انتصار، کردری)

امام صاحبؒ محسود تھے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے آیت ومن شر حاسد اذا حسد کی تفسیر میں لکھا ہے کہ تمام شرور کا مبداء حسد ہے، آسمان و زمین میں جو پہلا گناہ ہوا وہ حسد ہی تھا، وہاں ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا تھا، یہاں قابیل نے ہابیل پر۔

سفیان ثوری: آپ سے جب کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے کہ اس مسئلہ میں کوئی عمدہ تقریر نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جس پر ہم لوگ حسد کرتے ہیں (یعنی ابو حنیفہؒ) پھر امام صاحب کے شاگردوں سے پوچھتے کہ اس مسئلہ میں تمہارے استاد کا کیا قول ہے؟ اور جو وہ جواب دیتے اسی کو یاد کر کے اسی کے موافق فتویٰ دیتے تھے۔ (موفق، کردری)

عبید بن اسحق: امام ابو حنیفہ سید الفقہاء ہیں اور جوان پر تہمت لگاتا ہے وہ حاسد ہے یا شری شخص ہے۔ (موفق، انتصار، کردری)

ابن مبارک: اگر میں سفہاء کی بات سنتا (جو حسد و عداوت کی وجہ سے امام صاحب کے پاس آنے سے روکتے تھے) تو ابو حنیفہؒ کی ملاقات فوت ہو جاتی، جس سے میری مشقت اور خرچ جو تحصیل علم میں ہوا تھا سب ضائع ہو جاتا، اگر میں ان سے ملاقات نہ کرتا اور ان کی صحبت نصیب نہ ہوتی تو میں علم میں مفلس رہ جاتا اور فرمایا کرتے تھے کہ آثار و احادیث کو لازم پکڑو مگر اس کے لئے ابو حنیفہؒ کی ضرورت ہے۔ (موفق، انتصار، کردری)

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں بہت سے شہروں میں رہا، علم حاصل کیا مگر جب تک امام صاحبؒ سے ملاقات نہ ہوئی حلال و حرام کے اصول مجھے معلوم نہ ہوئے۔ (موفق و کردری)

حضرت عبداللہ بن مبارک امام صاحب پر نقد و جرح کرنے والوں کے بارے میں ایک مشہور شعر پڑھا کرتے تھے کہ جب کسی شخص کے علم و فضل کے غیر معمولی مرتبہ پر لوگوں کو پہنچنا دشوار ہوتا ہے تو اس پر حسد کرنے لگا کرتے ہیں اور حسد کی وجہ سے جرح پر اتر آتے ہیں، خود ایام صاحب سے بھی چند اشعار ایسے منقول ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے پاکیزہ قلب پر بھی حاسدین کے حسد کا صدمہ تھا۔

قیس بن ربیع: ابو حنیفہؒ پر بیزار، فقیہ اور محسود خلاق تھے۔

حسن بن عمارہ: لوگ امام ابو حنیفہؒ کی نسبت جو کلام کرتے ہیں، اس کا منشاء حسد ہے، تفقہ میں ان کی فضیلت مسلم تھی۔

امام صاحبؒ مؤید من اللہ تھے

عبدالرحمن بن عبداللہ مسعودی: امام ابو حنیفہؒ فقہ اور فتویٰ میں مؤید من اللہ تھے، ابو عبدالانفار نے کہا کہ امام صاحب ہمارے زمانہ کے فقیہ ہیں، قیس بن ربیع نے کہا کہ مسعودی نے سچ کہا ہے۔ (کردری)

سوید بن سعید: اگر امام ابو حنیفہؒ اور خدائے تعالیٰ کے درمیان کوئی امر محکم نہ ہوتا تو ان کو اس قدر توفیق نہ ہوتی۔ (موفق، انتصار، کردری)

امام مالک: امام ابو حنیفہؒ کو فقہ کی توفیق دی گئی ہے جس سے ان پر اس کی مشقت نہ رہی۔ (خیرات)

اعمش: نے امام صاحب سے کہا تھا کہ اگر طلب سے فضیلت حاصل ہوتی تو میں تم سے افتخار ہو جاتا مگر وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہے (کردری)

امام صاحب خدا تعالیٰ کی رحمت تھے

ابوبکر بن عیاش: میں نے محمد بن السائب الکھمی سے بارہا سنا ہے کہ ”ابوحنیفہ خدا کی رحمت ہیں“۔ (موفق، انتصار، کردری)

امام صاحب کی مدح افضل الاعمال ہے

محدث شفیق بلخی: عبدالوہاب مروزی نے نقل کیا کہ جب شفیق مکہ معظمہ آئے تو ہم ان کی مجلس میں اکثر جایا کرتے تھے ان کی عادت تھی کہ امام ابوحنیفہ کی تعریفیں کثرت سے کیا کرتے تھے، ایک بار ہم نے کہا حضرت! کب تک آپ ان کی تعریف و توصیف کریں گے، ایسی باتیں بیان کیجئے جن سے ہمیں کچھ نفع ہو، فرمایا افسوس ہے کہ تم لوگ ابوحنیفہ کے ذکر کو اور ان کے مناقب کو افضل الاعمال نہیں سمجھتے اگر ان کو دیکھتے اور ان کے ساتھ بیٹھتے تو یہ بات کبھی نہ کہتے۔ (موفق، انتصار، کردری)

حضرت شعبہ: یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ شعبہ کے روبرو جب امام صاحب کا ذکر ہوتا تو ان کی تعریف و توصیف میں بہت اطناب کرتے تھے حالانکہ وہ امام صاحب کے اقران میں سے تھے۔ (حوالہ بالا)

شیخ یسین زیات: محمد بن قاسم کا بیان ہے کہ یسین زیات امام صاحب کی تعریف حد سے زیادہ کرتے تھے، جب کبھی ذکر آجاتا دیر تک ذکر کرتے اور خاموش رہنا نہیں چاہتے تھے۔ (موفق، انتصار)

تلامذہ امام اعظم

حاشیہ نسائی میں حافظ ابن حجر کے حوالہ سے بعض ائمہ کا قول نقل ہے کہ اسلام کے مشہور ائمہ میں سے کسی کے اتنے اصحاب و شاگرد ظاہر نہیں ہوئے جتنے امام ابوحنیفہ کے تھے اور جس قدر علماء نے آپ سے اور آپ کے اصحاب سے تفسیر آیات مشککہ، حل احادیث مشتبہ، تحقیق مسائل مستنبطہ، لوازل، قضایا اور احکام وغیرہ میں استفادہ کیا ہے اور کسی سے نہیں کیا۔

بعد محدثین نے آپ کے خصوصی تلامذہ میں سے آٹھ سو تلامذہ کا تذکرہ مع ذکر نسب و مقام وغیرہ تفصیل سے کیا ہے اور جنہوں نے آپ کی مسند کو روایت کیا ان کی تعداد پانچ سو لکھی ہے۔

حافظ ذہبی نے امام صاحب کو حفاظ حدیث میں ذکر کیا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ امام صاحب سے تحصیل علم کرنے والے دو قسم پر تھے، ایک وہ جو حدیث آپ سے اخذ کرتے تھے، دوسرے وہ جو فقہ کے زانوائے ادب تہ کرتے تھے۔

حافظ محمد بن یوسف الصالحی شافعی مؤلف ”السیرۃ الکبریٰ الشامیہ“ نے عقود الجمان میں لکھا ہے کہ ”امام ابوحنیفہ اعیان و کبار حفاظ حدیث میں سے تھے اور اگر ان کی غیر معمولی توجہ و شغف حدیث کے ساتھ نہ ہوتی تو وہ استنباط مسائل فقہ نہیں کر سکتے تھے اور اسی کثرت اعتناء بالحدیث کی وجہ سے ان کو حافظ ذہبی نے ”طبقات الحفاظ“ میں ذکر کیا ہے اور ان کا یہ فعل نہ صرف درست و صواب ہے بلکہ قابل تحسین ہے۔“

پھر ۲۳ ویں باب میں لکھا کہ ”باوجود امام صاحب کے وسعت حافظ کے جو ان سے روایت حدیث کم ہوئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استنباط مسائل میں زیادہ مشغول رہے اور اسی طرح امام مالک و امام شافعی سے بھی روایت حدیث بہ نسبت ان کے کثیر الحدیث ہونے کے کم ہوئی ہے۔“

جس طرح حضرت ابوبکر، حضرت عمر وغیرہ صحابہ سے بہ نسبت ان کے کثرت علم حدیث کے روایت کم ہوئی ہے، پھر علامہ موصوف نے امام صاحب کی کثرت علم حدیث کے بھی کچھ واقعات پیش کئے ہیں اور اس کے بعد امام صاحب کی ۷۱ مسانید کی اسانید کو پوری تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

علامہ کوثری نے نقل مذکور کے بعد تحریر فرمایا کہ امام صاحب کی یہ مسانید بطریق خیر ملی بھی امام صاحب سے مروی ہیں اور حافظ حدیث شمس ابن طولون نے بھی ان کی اسانید ”فہرست اوسط“ میں ذکر کی ہیں اور ہماری سند امام صاحب تک ”التحریر الوجیز“ میں ہے۔
خطیب بغدادی نے جس وقت دمشق کا سفر کیا تو اپنے ساتھ مسند نمبر ۱۱۸ امام اعظم لدارقطنی، اور مسند نمبر ۱۱۹ امام لابن شاہین اور ایک مسند نمبر ۲۰ خود اپنالے گئے تھے۔

حافظ بدرالدین عینی حنفی نے اپنی تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے مسند نمبر ۱۲۱ بن عقدہ میں ایک ہزار حدیث سے زیادہ ہیں، علامہ حافظ سیوطی شافعی نے تعقیبات میں لکھا کہ ابن عقدہ کبار حافظ حدیث میں سے تھے جن کی سب نے توثیق کی ہے، بجز کسی متعصب کے۔
ان کے علاوہ امام زفر نے بھی کتاب نمبر ۲۲ کتاب الآثار تالیف کی تھی جس میں امام صاحب سے بہ کثرت احادیث مروی ہیں، اس نسخہ کا ذکر حاکم نے ”معرفۃ علوم الحدیث“ میں کیا ہے۔ (تانیب الخطیب ص ۱۵۶)

مسند خوارزمی میں ہے کہ امام صاحب جس وقت اپنے استاد امام حماد کی جگہ جامع مسجد کوفہ میں مسند درس پر رونق افروز ہوئے تو ایک ہزار شاگرد آپ کے پاس جمع ہو گئے جن میں چالیس ایسے محدثین و فقہاء تھے جن کو اجتہاد کا درجہ حاصل تھا، ان پر آپ کو فخر تھا اور ان کو دیکھ کر اکثر یہ جملہ فرمایا کرتے تھے۔

”تم سب میرے راز دار غم گسار ہو، میں نے اس فقہ کے اسپ تازی کوزین و لگام کے ساتھ بنا سنوار کر تیار کر دیا ہے اس پر تم اپنا دینی، علمی سفر طے کرو) تم میری مدد کرو کیونکہ لوگوں نے مجھ کو جہنم کا پل بنایا ہے، وہ سب اس پر سے گذر کر پار ہوتے ہیں اور سب بار بوجھ میری پیٹھ پر ہے، یعنی وہ لوگ تو تقلید سے نجات پالیں گے لیکن اگر اجتہاد و استنباط احکام میں ذرا سا بھی تساہل رونما ہو تو اس کا مواخذہ مجھ سے ہوگا۔“
چنانچہ امام صاحب نے تدوین فقہ کی ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی جس میں علاوہ چالیس فقہاء مذکورین کے دوسرے سینکڑوں محدثین و فقہاء بھی وقتاً فوقتاً شرکت کیا کرتے تھے جو امام صاحب کی خدمت میں دور دراز ملکوں سے تحصیل حدیث و فقہ کیلئے حاضر ہوتے رہتے تھے، کیونکہ تدوین فقہ کا یہ عظیم الشان کام تقریباً ۲۵-۳۰ سال تک جاری رہا ہے۔
یہاں ہم امام صاحب کے تلامذہ محدثین کے کچھ نام لکھتے ہیں۔

تلامذہ محدثین امام اعظمؒ

۱- عبداللہ بن مبارک: خلیلی نے کہا کہ متفق علیہ امام ہیں، نسائی کہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے بزرگ اور صاحب اخلاق حمیدہ ہیں، نووی کہ امامت و جلالت پر اجماع ہے، امام احمد کہ امام وقت و افضل الحدیث تھے اور کل احادیث از بر تھیں، باوجود اس کے کہا کرتے تھے کہ امام صاحب کے علوم کی طرف ہر محدث محتاج ہے اور بعد تکمیل حدیث امام صاحب کے ساتھ آخری عمر تک رہے۔

۲- مسعر بن کدام: تذکرہ میں ہے الامام الحافظ، احد الاعلام، باوجودیکہ امام صاحب نے بھی ان سے روایت کی ہے مگر حلقہ درس امام میں رو برو بیٹھے اور شاگردوں کی طرح سوال کرتے، امام صاحب کو دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے۔

۳- وکیع بن الجراح: تذکرہ امام حافظ محدث العراق، تہذیب الکمال و تبیض الصحیفہ و خیرات الحسان میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد تھے۔

۴- مقرئ: محدثین میں شیخ الاسلام اور امام سمجھے جاتے تھے، امام صاحب کے شاگرد تھے اور ان کو شاہ مرداں کہا کرتے تھے۔

۵- ابراہیم بن طہمان: تذکرہ میں ہے کہ الامام الحافظ کہے جاتے تھے، امام احمد کی مجلس میں ذکر آتا تو سیدھے ہو کر بیٹھ جاتے تھے،

تذکرہ تبیض الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

۶- یزید بن ہارون: تذکرہ میں الامام القدوسہ شیخ الاسلام ۳۰ سال عشاء کے وضو سے نماز صبح ادا کی، تلامذہ کا شمار نہیں ستر ہزار ایک وقت میں ہوتے تھے تذکرہ تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد تھے اور سب اساتذہ پر ترجیح دیتے تھے کہ ان کا مثل بہت تلاش کیا مگر نہ ملا۔
۷- حفص بن غیاث: کروری نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے امام صاحب سے ان کی کتابیں اور آثار سنے ہیں، خطیب کا بیان ہے کہ امام صاحب کے مشہور شاگردوں میں ہیں۔

۸- ابو عاصم الضحاک البلیل: تذکرہ میں ہے کہ الحافظ اور شیخ الاسلام کہتے جاتے تھے تہذیب الکمال اور تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

۹- یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ: تذکرہ الحفظ میں صاحب ابی حنیفہ کا لقب دیا ہے، مدت تک ساتھ رہے اور لکھنے کا کام سپرد تھا۔
۱۰- یحییٰ بن سعید القطان: حلقہ درس میں شرکت کرتے، اکثر اقوال لئے، امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیتے حالانکہ سید الحفظ تھے۔
۱۱- عبدالرزاق بن ہمام: تذکرہ میں الحافظ الکبیر، امام بخاری نے ان کی کتاب سے استفادہ کیا، ذہبی نے اس کتاب کو علم کا خزانہ کہا، تہذیب الکمال و تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد تھے صحاح ستہ میں ان سے روایات ہیں۔

۱۲- الخلق بن یوسف ازرق: تہذیب الکمال و تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں صحاح ستہ میں ان سے روایات ہیں۔
۱۳- جعفر بن عون: خیرات حسان و تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں ترمذی ابن ماجہ میں ان سے روایات ہیں۔
۱۴- حارث بن نبهان: تہذیب التہذیب و تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں ترمذی ابن ماجہ میں ان سے روایات ہیں۔
۱۵- حیات بن علی الحضرمی: تہذیب التہذیب و تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں ابن ماجہ میں ان سے روایات ہیں۔
۱۶- حماد بن دلیل: تہذیب التہذیب و تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں ابوداؤد میں ان سے روایات ہیں۔
۱۷- حفص بن عبدالرحمن الخلی: تہذیب التہذیب و تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں نسائی میں ان سے روایات ہیں۔
۱۸- حکام بن مسلم الرازی: تہذیب التہذیب و تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں مسلم وغیرہ میں ان سے روایات ہیں۔
۱۹- صخرہ بن حبیب الزیاتی قاری: تہذیب الکمال و تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں مسلم وغیرہ میں ان سے روایات ہیں۔
۲۰- خارجہ بن مصعب الصبیعی: تہذیب الکمال میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں ترمذی ابن ماجہ میں ان سے روایات ہیں۔
۲۱- داؤد بن نصیر الطائی: نجات الأنس جامی میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں نسائی وغیرہ میں ان سے روایات ہیں۔
۲۲- زید بن حباب عکلی: تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں مسلم وغیرہ میں ان سے روایات ہیں۔
۲۳- شعیب بن الخلق بن عبدالرحمن الدمشقی: تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں بخاری و مسلم وغیرہ میں ان سے روایات ہیں۔
۲۴- صباح بن محارب: تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں ابن ماجہ میں ان سے روایات ہیں۔
۲۵- صلت بن الحجاج الکوفی: تہذیب الکمال میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں بخاری میں ان سے روایات ہیں۔
۲۶- عائد بن حبیب العبسی: نسائی و ابن ماجہ میں روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز الصحیفہ، تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

۲۷- عباد بن العوام: صحاح ستہ میں روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز و خیرات میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
۲۸- عبدالحمید بن عبدالرحمن الحمائی: بخاری و مسلم وغیرہ میں روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز، تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

- ۲۹- عبدالعزیز بن خالد بن زیاد ترمذی - نسائی میں روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۳۰- عبدالکریم بن محمد الجرجانی - ترمذی میں روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۳۱- عبدالعزیز بن ابی رواد - بخاری وغیرہ میں روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۳۲- عبید اللہ بن عمرو الرقی - صحاح ستہ میں روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۳۳- عبید اللہ بن موسیٰ - صحاح ستہ میں روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۳۴- علی بن ظہیران الکوفی - ابن ماجہ میں روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز، خلاصہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۳۵- علی بن عاصم الواسطی - ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی میں روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۳۶- علی بن مسہر - صحاح ستہ میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۳۷- ابو نعیم الفضل بن دکین - صحاح ستہ میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۳۸- الفضل بن موسیٰ السینانی - صحاح ستہ میں ان سے روایات ہیں، اتحق بن راہویہ نے فرمایا کہ میرے اساتذہ میں کوئی ان سے اوثق نہیں تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۳۹- عبدالوارث بن سعید - صحاح ستہ میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۴۰- القاسم بن الحکم العرفی - ترمذی میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز الصحیفہ تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۴۱- القاسم بن معن المسعودی - نسائی میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۴۲- قیس بن الربیع - ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۴۳- محمد بن بشر العبیدی - صحاح ستہ میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۴۴- محمد بن الحسن بن آتش الصدعانی - امام احمد میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۴۵- محمد بن خالد الوہبی - ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز الصحیفہ، تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۴۶- محمد بن عبدالوہاب العبیدی - ابوداؤد، ترمذی، نسائی میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۴۷- محمد بن یزید الواسطی - ابوداؤد، ترمذی، نسائی میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز، تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۴۸- مروان بن سالم - نسائی میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۴۹- مصعب بن مقدم - مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تمییز، تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

- ۵۰- المعانی بن عمران الموصلی - بخاری، ابوداؤد، نسائی میں ان سے روایات ہیں تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۵۱- مکی بن ابراہیم انہی - صحاح ستہ میں روایات ہیں تہذیب الکمال، تمییز، تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۵۲- النعمان بن عبدالسلام الاصبہانی - ابوداؤد، نسائی میں روایات ہیں تہذیب الکمال، تمییز، تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۵۳- نوح بن دراج القاضی - تہذیب الکمال، تمییز، تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۵۴- نوح بن ابی مریم - تہذیب الکمال، تمییز، تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۵۵- ہریم بن سفیان - صحاح ستہ میں روایات ہیں تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۵۶- ہودہ بن خلیفہ - ابوداؤد میں روایات ہیں تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۵۷- ہیاج بن بسطام الرجمی - ابن ماجہ میں روایات ہیں تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۵۸- یحییٰ بن یمان - بخاری و مسلم میں روایات ہیں تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۵۹- یزید بن زریج - صحاح ستہ میں روایات ہیں تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۶۰- یزید بن ہارون (۲۰۶ھ) - من رواة الصحاح (تہذیب و جواہر)۔
- ۶۱- یونس بن بکیر - مسلم، ابوداؤد وغیرہ میں روایات ہیں تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۶۲- ابوالحق الفزاری - صحاح ستہ میں روایات ہیں تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۶۳- موسیٰ بن ابن نافع ابوشہاب الاکبر الجناط - بخاری و مسلم وغیرہ میں روایات ہیں تہذیب الکمال، تمییز میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۶۴- حماد بن زید - صحاح ستہ، بخاری و مسلم وغیرہ میں روایات ہیں سفیان ثوری ان کے سامنے دوزانو ہوتے تھے۔ خیرات میں بحوالہ ابن مدینی ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۶۵- ہشام بن عروہ - صحاح ستہ، بخاری و مسلم وغیرہ میں روایات ہیں حدیث میں امام تھے۔ خیرات میں بحوالہ ابن مدینی ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔
- ۶۶- یحییٰ بن القطان - سید الحفاظ تھے، صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں، امام احمد، امام یحییٰ بن معین، ابن المدینی وغیرہ اکابر محدثین کے شیخ ہیں۔ ابن المدینی (شیخ کبیر امام بخاری) کا قول ہے کہ یحییٰ القطان سے بزار جال کا عالم میں نے نہیں دیکھا۔ یہ بھی امام صاحب کے شاگرد اور ان کے مذہب کے متبع تھے۔

تلامذہ محدثین و اصحاب امام اعظمؒ

جامع مسانید امام اعظمؒ جلد دوم (مطبوعہ حیدرآباد) میں ص ۳۵۳ سے ص ۵۷۴ تک امام صاحب کے ان تلامذہ کے اسماء گرامی پھیلے ہوئے ہیں کہ جن کو صاحب جامع نے اصحاب الامام، لکھ کر ممتاز حیثیت دی ہے اور ساتھ ہی ان کے جلالت قدر کی طرف بھی اشارات کئے ہیں کہ مثلاً وہ شیوخ اصحاب صحاح ستہ یا شیوخ بخاری و مسلم میں سے ہیں، ساتھ ہی امام صاحب کے اصحاب میں سے اور امام صاحب کی اسانید کے رواۃ میں سے بھی ہیں۔ کچھ نام ان میں سے یہاں بھی درج کرتے ہیں۔

۶۷- محمد بن ربیع - ابو عبد اللہ الکلابی الکوفی یروی عن الامام فی ہذہ المسانید

- ۶۸- محمد بن خازم ابو معاویہ الضریر- (راوی صحاح ستہ) ولادت ۱۱۳ھ وفات ۱۹۵ھ یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۶۹- محمد بن فضیل بن غزوان الکوفی- وفات ۱۹۵ھ یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۷۰- محمد بن عمرو الواقدی مدنی قاضی بغداد- (ابن ماجہ) وفات ۲۰۰ھ یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۷۱- محمد بن جابر الیمامی- (ابوداؤد وابن ماجہ) یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۷۲- محمد بن حفص بن عائشہ- یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۷۳- محمد بن ابان ابو عمر- یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۷۴- محمد بن خالد الوہبی الحمصی الکندی- یروی عن الامام فی ہذہ المسانید کثیراً
- ۷۵- محمد بن یزید بن مدحج الکوفی- یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۷۶- محمد بن صبیح بن السماک الکوفی- ابو العباس یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۷۷- محمد بن سلیمان ابن حبیب ابو جعفر البغدادی- یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۷۸- محمد بن سلمۃ الحرانی ابو عبد اللہ- وفات ۱۹۱ھ یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۷۹- محمد بن عبید ابو عبید اللہ الطنابی الکوفی الاحدب- وفات ۲۰۳ھ سمع الامام وروی فی ہذہ المسانید
- ۸۰- محمد بن جعفر ابو عبد اللہ البصری (غندر) شیخ مشائخ البخاری و مسلم و شیخ احمد وروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۸۱- محمد بن یعلیٰ السلمی الکوفی- یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۸۲- محمد بن الزرقان ابو ہمام الہوازی- یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۸۳- محمد بن الحسن الواسطی- کتب عنہ البخاری اول سنیۃ انحد رالی البصرۃ یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۸۴- محمد بن شریک ابو عبد اللہ الکوفی- وفات ۲۰۳ھ یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۸۵- محمد بن الفضل بن عطیۃ المروزی- یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۸۶- محمد بن یزید الواسطی ابو سعید الکلاعی- وفات ۱۸۸ھ یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۸۷- محمد بن الحسن المدنی- یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۸۸- محمد بن عبد الرحمن- ابو عمر و القرشی الکوفی القاضی- روی عنہ الثوری ومع جلالتہ قدرہ یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۸۹- محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار المدنی- (صاحب المغازی) طول الخطیب فی الاطراء علیہ ثم حکى فیہ طعننا کما فعل باجلۃ العلماء
- ۹۰- محمد بن میسر ابو سعید جعفی الصاعانی- یروی عن الامام کثیراً فی ہذہ المسانید
- ۹۱- ابراہیم بن محمد ابو اسحاق الفزازی- ولادت ۱۸۶ھ یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- من شیوخ شیوخ البخاری و مسلم و من شیوخ الامام الشافعی روی عنہ فی سندہ الکثیر
- ۹۲- ابراہیم بن میمون ابو اسحاق الخراسانی- من شیوخ شیوخ البخاری و مسلم و من شیوخ الامام الشافعی وروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۹۳- ابراہیم بن طہمان الخراسانی- مع جلالتہ قدرہ وروی عن الامام فی ہذہ کثیراً
- ۹۴- ابراہیم بن یوب الطبری- وروی عن الامام فی ہذہ

- ۹۵- ابراہیم الجراح - قاضی مصر - اخو کعب بن الجراح - روی کثیراً عن ابی یوسف و یروی عن الامام فی ہذہ کثیراً
- ۹۶- ابراہیم بن المختار - و یروی عن الامام فی ہذہ
- ۹۷- اسمعیل بن عیاش بن عتیبہ الحمصی العنسی - وفات ۱۸۱ھ و یروی و موہن کبار محدثی تابعی التابعین -
- ۹۸- ابراہیم بن سعید بن ابراہیم القرشی المدنی - وفات ۱۸۳ھ و یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۹۹- ابراہیم بن عبدالرحمن الخوارزمی - یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۱۰۰- اسماعیل بن ابی زیاد - من اصحاب الامام و یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۱۰۱- اسماعیل بن موسیٰ - الکوفی الفزاری وفات ۱۴۵ھ و یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۱۰۲- اسماعیل بن یحییٰ بن عبداللہ بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر (کوفی) - یروی عن الامام فی ہذہ المسانید
- ۱۰۳- اسحاق بن یوسف الواسطی - مع جلالة قدره و ہو کونہ من شیوخ احمد و یحییٰ بن معین و ہو شیخ بعض شیوخ البخاری و مسلم وفات ۱۹۵ھ
- یروی عن الامام فی ہذہ الاحادیث الکثیرة
- ۱۰۴- اسحاق بن حاجب بن ثابت العدل - وفات ۱۹۹ھ و یروی عن الامام
- ۱۰۵- اسحاق بن بشر البخاری - من فقہاء بخاری و یروی عن الامام
- ۱۰۶- اسباط بن محمد بن عبدالرحمن القرشی وفات ۱۸۶ھ و یروی مع کونہ من شیوخ شیوخ البخاری و مسلم و من شیوخ الامام احمد و یحییٰ بن معین
- ۱۰۷- اسد بن عمرو الجبلی - وفات ۱۹۰ھ - یروی عن الامام الخ کثیراً مع کونہ من شیوخ احمد و امثالہ من صفار اصحاب الامام
- ۱۰۸- ابوبکر بن عیاش - نام سے مشہور نہیں اور نام متعین بھی نہیں - وفات ۱۹۳ھ - امام عظیم مخرج عنہ کثیرانی البخاری و مسلم و یروی عن الامام الخ
- ۱۰۹- اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبعمی - ولادت ۱۰۰ھ وفات ۶۲، ۶۱، ۶۰ھ مع جلالة قدره و کونہ من اعلام ائمة الحدیث و من شیوخ شیوخ الثمینیین و یروی عن الامام الخ و ہو من شیوخ احمد ایضاً
- ۱۱۰- ابان بن ابی عیاش البصری - من کبار اصحاب الحسن البصری و یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۱۱- ایوب بن ہانی - یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۱۲- احمد بن ابی ظہیر - یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۱۳- اسماعیل بن ملحان - یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۱۴- اسماعیل بن النسوی - یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۱۵- اسماعیل بن بیاع الساہری - یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۱۶- اسماعیل بن علبان - یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۱۷- اخضر بن حکیم - یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۱۸- السبع بن طلحہ - یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۱۹- ابراہیم بن سعید - یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۲۰- ایض بن الاغر - یروی عن الامام فی المسانید

- ۱۲۱- اسحاق بن بشر البخاری - وفات ۲۰۶ھ یروی عن الامام فی المسانید قال الخطیب روى عنه جماعة من الخراسانيين وقال اقدمه
بارون الرشید بغداد وحدث بها
- ۱۲۲- بکر بن حمیس - یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۲۳- بشر بن المفصل البصری - وفات ۱۸۶ھ یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۲۴- بکیر بن معروف الاسدی دمشقی، قاضی نیشاپور - وفات ۱۶۳ھ یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۲۵- بلال بن ابی بلال مرداس الفزاری - یروی عن الامام مع انه شیخ البخاری
- ۱۲۶- بشر بن زیاد - یروی عن الامام
- ۱۲۷- بشار بن قیراط - یروی عن الامام
- ۱۲۸- بقیہ بن الولید الکلاعی الحضرمی - وفات ۱۷۷ھ یروی عن الامام
- ۱۲۹- جنادہ بن مسلم العامری الکوفی - یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۳۰- جارود بن یزید ابو علی العامری النیشاپوری - یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۳۱- جریر بن عبد الحمید الکوفی الرازی - وفات ۱۸۶ھ یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۳۲- جعفر بن عون الخزازی - وفات ۲۰۶ھ یروی عن الامام فی المسانید
- ۱۳۳- جریر بن حازم البصری - وفات ۱۷۰ھ یروی عن الامام مع جلالة قدره
- ۱۳۴- حماد بن زید ابو اسمعیل الازرق - وفات ۱۷۹ھ یروی عن الامام کثیراً
- ۱۳۵- حماد بن اسامة الکوفی - یروی عن الامام
- ۱۳۶- حماد بن زید النصبی - یروی عن الامام
- ۱۳۷- حماد بن یحییٰ ابو بکر اللاح - یروی عن الامام
- ۱۳۸- حسن بن صالح بن حی الکوفی - ولادت ۱۰۰ھ وفات ۱۶۶ھ یروی عن الامام
- ۱۳۹- الحسن بن عمارہ (خت، ت، ق) - وفات ۱۵۳ھ یروی عن الامام کثیراً
- ۱۴۰- حفص بن غیاث النخعی الکوفی - من کبار اصحاب الامام وفات ۱۹۶ھ یروی عن الامام (من رجال السنہ)
- ۱۴۱- حاتم بن اسماعیل الکوفی سکن المدینہ - وفات ۱۸۶ھ یروی عن الامام (من رجال السنہ)
- ۱۴۲- حسان بن ابراہیم الکرمانی - یروی عن الامام
- ۱۴۳- حمزہ بن حبیب المقرئ الکوفی - وفات ۱۵۶، ۱۵۸ھ یروی عن الامام فی المسانید کثیراً
- ۱۴۴- حمید بن عبد الرحمن الکوفی - یروی عن الامام
- ۱۴۵- الحسن بن الحسن بن عطیہ العونی الکوفی - وفات ۲۱۱ھ یروی عن الامام
- ۱۴۶- حکیم بن زید قاضی مرد - ومن اصحاب الامام یروی عن الامام
- ۱۴۷- الحسن بن فرات التیمی - ومن اصحاب الامام یروی عن الامام فی المسانید کثیراً
- ۱۴۸- حبان بن سلیمان الجعفی الکوفی - یروی عن الامام فی..... المسانید

- ۱۴۹- حسین بن ولید النیشاپوری القرظی - وفات ۲۰۳ھ یروی عن الامام فی..... المسانید
 ۱۵۰- حسن بن الحر الکوفی - یروی عن الامام فی..... المسانید
 ۱۵۱- حریث بن نبهان - یروی عن الامام فی..... المسانید
 ۱۵۲- حسن بن بشر الکوفی - وفات ۲۲۱ھ یروی عن الامام فی المسانید
 ۱۵۳- حسین بن علوان الکلمی - یروی عن الامام عن الامام فی..... المسانید
 ۱۵۴- الحسن بن المسیب - وهو معروف عند اصحاب الحدیث، یروی عن الامام فی المسانید
 ص ۳۴۳ جلد نمبر ۲.....

- ۱۵۵- خالد بن عبد اللہ الواسطی - وفات ۱۸۲ھ ممن یروی الكثير عن الامام فی..... المسانید وهو من شیوخ الامام احمد
 ۱۵۶- خالد بن خدش المہلمی - وفات ۲۲۳ھ ممن یروی قليلاً عن الامام فی وكثيراً عن اصحاب الامام واحمد
 ۱۵۷- خالد بن سليمان الانصاري - من یروی عن الامام و شیخ شیخ البخاری
 ۱۵۸- خلف بن خليفة بن صاعد الأشجعي - یروی عن الامام وهو من شیوخ شیوخ البخاری ومسلم
 ۱۵۹- خارجة بن مصعب ابوالحجاج الخراساني الضبعي - یروی عن الامام
 ۱۶۰- خارجة بن عبد اللہ بن سعد بن ابی الوقاص - من اهل المدينة یروی عن الامام فی..... المسانید
 ۱۶۱- خاقان بن الحجاج - من كبار العلماء یروی عن الامام فی..... المسانید
 ۱۶۲- خلف بن یسین بن معاذ الزيات - من اصحاب الامام یروی عن الامام فی..... المسانید
 ۱۶۳- خوئل الصقار (وقيل خويلد الصقار) - وقال البخاری وهو خلاص الصقار الکوفی یروی عن الامام فی..... المسانید
 ۱۶۴- خالد بن عبد الرحمن السلمي - یروی عن الامام فی..... المسانید
 ص ۳۴۷ جلد ۲.....

- ۱۶۵- داؤد الطائی - (زاهد هذه الامة) انه من اجلاء اصحاب الامام ۲ وروی عنه ۲ فی..... المسانید كثيراً وفات ۱۶۰ھ
 ۱۶۶- داؤد بن عبد الرحمن المکی - وروی عنه ۲ فی..... المسانید وروی عنه الامام ايضاً
 ۱۶۷- داؤد بن الزبرقان - مع جلاله قدره وتقدمه وروی عنه ۲ فی..... المسانید
 ۱۶۸- داؤد بن الحجر الطائی البصری - المسانید وفات ۲۰۶ھ
 ص ۳۵۸ جلد.....

- ۱۶۹- زکریا بن ابی زائدة الهمدانی الکوفی - وروی عنه كثيراً مع جلاله قدره وتقدمه وكونه من شیوخ شیوخ الشيخین
 ۱۷۰- زهیر بن معاذية الحدتج الکوفی - كثيراً مع جلاله قدره وتقدمه وكونه من شیوخ شیوخ الشيخین
 ۱۷۱- زائدة بن قدامة الشقي الکوفی - كثيراً مع تجمره فی علوم الحدیث
 ۱۷۲- زافر بن ابی سیمان الایادی القوهستانی قاضي بختان - روى عن الامام فی..... المسانید
 ۱۷۳- زید بن الحباب بن الحسن التیمی الکوفی - روى عن الامام كثيراً مع جلاله وكونه شيخ احمد وامثاله

۱۷۴- زبیر بن سعید البہاشمی القرشی - روی عن الامام کثیراً

۱۷۵- زکریا بن ابی العتیک - روی عن الامام

ص ۵۶۳ جلد

۱۷۶- نافع بن المقری المدنی - روی عن الامام

۱۷۷- نعیم بن عمر المدنی - روی عن الامام

۱۷۸- نوح بن دراج الکوئی (قاضی الکوئیة) وفات ۱۸۲ھ (روی عن الامام

۱۷۹- نوح بن ابی مریم الکوئی - روی عن الامام

۱۸۰- نصر بن عبدالکریم البلیخی - وفات ۱۹۹ھ روی عن الامام صاحب مجلس الامام

۱۸۱- نعمان بن عبدالسلام ابوالمزدر - روی عن الامام

۱۸۲- یزید بن ہارون ۲۰۶ھ ۴ روی عن الامام فی المسانید و ہوش الامام احمد۔ (جامع المسانید ص ۵۷۷، ج ۲)

ضروری اشارات

- ۱- علامہ موفق نے لکھا کہ مشائخ اسلام میں سے مختلف اطراف و اکناف کے سات سو مشائخ نے امام صاحب سے روایت حدیث کی یعنی چھوٹوں کا ذکر نہیں کیا وہ تو ہزاراں ہزار ہوں گے حالانکہ اس زمانہ کے چھوٹے بھی بعد کے محدثین کے کبار شیوخ ہوئے ہیں۔
- ۲- علامہ مزنی نے تہذیب الکمال میں ۹۷ شیوخ حدیث کے نام گنائے جو امام صاحب کے حدیث میں شاگرد تھے۔ اور غالباً وہ وہی ہیں جن کے اسماء گرامی علامہ سیوطی نے تہذیب الصغیر، مناقب الامام ابی حنیفہ میں لکھے ہیں۔ علامہ مزنی نے ۲ نام ان اکابر تابعین کے لکھے ہیں جن سے امام صاحب نے روایت کی ہے (تہذیب المزنی قلمی ص ۲۷۱ ج ۵ تا ص ۲۸۳ ج ۵ ترجمہ امام اعظم، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد)
- ۳- حافظ ابن حجر نے اپنی روایتی عصبت کو کام میں لا کر ان شیوخ کی تعداد صرف ۲۳ دکھائی اور بڑے بڑے محدثین جسے ابن مبارک، داؤد طائی وغیرہ کے نام حذف کر دیئے (۴) حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں بطور مثال ۸ فقہاء اور ۸ کبار محدثین حفاظ حدیث کا ذکر کیا اور بشر کثیر سے اشارہ کیا کہ ان کے علاوہ ان جیسے بہت ہیں (۵) علی بن المدینی (شیخ کبیر امام بخاری) نے فرمایا کہ امام صاحب سے ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، کعب، عباد بن العوام اور جعفر بن عون نے روایت حدیث کی۔
- ۶- امام بخاری نے مزید اختصار کر کے لکھا کہ امام ابوحنیفہ سے عباد بن العوام، ہشیم، کعب، مسلم بن خالد، ابو معاویہ ضریر نے روایت حدیث کی اور تاریخ میں یہ بھی لکھ گئے کہ امام صاحب کی حدیث سے لوگوں نے سکوت کیا، حالانکہ چند بڑوں کے نام تو انہوں نے خود بھی لکھے جنہوں نے بقول امام بخاری ہی امام صاحب کی حدیث روایت کی، پھر سکوت کا دعویٰ کیسے صحیح ہوا، دوسرے ابن مبارک اور ثوری جیسے ائمہ حدیث کی روایت حدیث کی شہادت ان کے شیخ اعظم علی بن المدینی نے پیش کر دی، امام بخاری کو کیا خبر تھی کہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب کو حدیث کے میدان سے نکال کر دور پھینکنے کی مہم جو ان سے بلکہ ان کے شیخ حمیدی وغیرہ سے شروع ہو کر حافظ ابن حجر وغیرہ سے پاس ہو کر اس دور کے متعصب غیر مقلدین تک پہنچی وہ نہ صرف ناکام ہوگی بلکہ اس سے حدیث کو بھی نقصان پہنچے گا، جس کی تلافی ناممکن ہوگی۔ واللہ المستعان

حضرت امام الائمہ امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی

اس موضوع پر مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کی مستقل تصنیف نفیس اکیڈمی کراچی نمبر ۱ سے شائع ہوئی ہے جو قابل دید ہے، مولانا نے امام صاحب کی سیاسی زندگی کے سارے گوشے تاریخ کی روشنی میں نمایاں کئے ہیں اور ایسے دلچسپ انداز میں بیان کیا کہ پوری چار سو صفحہ کی کتاب مسلسل بے تکان پڑھی جاسکتی ہے، پھر مولانا نے جو موٹے موٹے آفرینیاں جگہ جگہ کی ہیں وہ تو ان کا خاص امتیاز تھا۔ مذکورہ بالا کتاب اور دوسری کتب تواریخ و مناقب کے مطالعہ کا حاصل و خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

امام اعظمؒ پہلی صدی میں پیدا ہوئے، دور رسالت اور عہد صحابہ کے سارے حالات جن معتمد ذرائع سے ان کو پہنچے تھے وہ ذرائع بعد کے لوگوں کو حاصل نہ ہو سکے، اسی لئے ان کی روشنی میں امام صاحب نے اپنی محیر العقول دانشمندی سے جو سیاسی مسلک اختیار کیا تھا وہ ظاہر ہے کس قدر پختہ کارانہ ہوگا۔

دور بنی امیہ کے غیر اسلامی رجحانات اور دینی ابتری کے حالات سے وہ بہت زیادہ متاثر تھے وہ دیکھ چکے تھے کہ خلفاء بنی امیہ کی بے راہ روی کے اثر سے بتدریج عام مسلمان شریعت حقہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی نعمت سے محروم ہوتے جا رہے تھے، ان خرابیوں پر نظر کر کے امام صاحب کا سیاسی رجحان یہ رہا کہ کوئی انقلاب ہو کر پھر خلافت راشدہ کے طرز پر کوئی حکومت برسر اقتدار آجائے اور اسی تمنا میں انہوں نے اہل بیت نبوت میں خلافت کی واپسی کے لئے کوششیں کیں اور جب بنو العباس میں خلافت آئی تو وہ کچھ مطمئن سے ہوئے مگر ان کے حالات بھی جب ان کی توقعات کو پورا کرنے والے ثابت نہ ہوئے تو وہ پھر درپردہ اہل بیت کے افراد کو حصول خلافت کے لئے آمادہ کرتے رہے حتیٰ کہ اسی کی وجہ سے خلیفہ ابو جعفر منصور کی نظروں میں مشتبہ بھی ہوئے بلکہ بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو امام صاحب کی ان درپردہ کوششوں اور رجحانات کا یقین ہو گیا تھا اور اسی لئے اس نے امام صاحب کو بڑے بڑے ہدایا پیش کر کے اور وزارت و قاضی القضاة وغیرہ کے عہدے پیش کر کے اپنے ساتھ ملانا چاہا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ امام صاحب کا حلقہ اثر دور دراز ممالک تک پھیلا ہوا ہے، لیکن امام صاحب نے نہ سلطانی تحفے قبول کئے اور نہ کوئی عہدہ، خلیفہ نے ہزار سمجھایا، کوششیں کیں، ڈرایا دھمکایا مگر امام صاحب کو آمادہ نہ کر سکا۔

اس کی بڑی وجہ امام صاحب کا غیر معمولی ورع، تقویٰ اور پرہیزگاری تھی، دوسرے آپ کے سامنے ایک ایسا اہم ترین پروگرام تھا جو دنیا کی تاریخ میں بے مثال اثرات کا حامل تھا اور وہ اسلامی قانون کی مکمل تدوین تھی، وہ سمجھتے تھے کہ حکومت کے زیر اثر رہ کر وہ کوئی ایسا عظیم الشان بے لاگ کارنامہ انجام نہیں دے سکتے۔

چنانچہ انہوں نے اپنے ہزاروں اصحاب و تلامذہ میں سے چالیس اصحاب کا انتخاب کر کے اپنی سرپرستی میں اس جماعت کی تشکیل کی، وہ سب مجتہد کا درجہ رکھتے تھے ان میں بڑے بڑے، محدث مفسر، لغوی، عالم تاریخ و مغازی اور ان علوم میں دوسرے مشائخ بلاد کے خصوصی تربیت یافتہ بھی تھے کہ ایک ایک مسئلہ پر گھنٹوں اور بعض مرتبہ ہفتوں بحثیں ہوتی تھیں، ہر شخص کو احادیث، آثار اور اجماع و قیاس کی روشنی میں آزادی گفتگو و بحث کرنے کا موقع دیا جاتا تھا، نقل ہے کہ امام صاحب کے سامنے ہی سب لوگ اپنے اپنے دلائل پیش کرتے تھے اور بحث میں بسا اوقات ان کی آواز بھی بلند ہو جاتی تھی، عام بحث کے دوران میں خود امام صاحب سے بھی جو سب کے مسلم استاد و شیخ تھے کوئی صاحب جھگڑ پڑتے تھے اور یہاں تک بھی کہہ گزرتے تھے کہ آپ نے فلاں دلیل میں خطا کی ہے۔

بعض اوقات اجنبی لوگوں نے اعتراض بھی کیا اور امام صاحب کے دوسرے اہل مجلس تلامذہ کو متوجہ کیا کہ تم لوگ ایسی گستاخی اور بیباکی سے بات کرنے والوں کو روکتے کیوں نہیں؟ تو امام صاحب خود ہی فرما دیا کرتے تھے کہ میں نے خود ان لوگوں کو آزادی دی ہے اور اس امر کا

عادی بنایا ہے کہ یہ ہر ایک حتیٰ کہ میرے دلائل پر بھی نکتہ چینی کریں۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی نقل ہے کہ اس مجلس کی پوری بحث کے بعد آخر میں امام صاحب جب بحیثیت صدر مجلس تقریر فرماتے تھے تو پھر سب دم بخود ہو کر ہمہ تن متوجہ ہو کر امام صاحب کے فرمودات سنتے تھے اور ان کو نوٹ کرتے تھے، ان کو یاد کرنے کی فکر میں لگ جاتے تھے اور امام صاحب جس طرح فرماتے تھے اس نتیجہ شدہ مسئلہ کو تحریر میں باضابطہ محفوظ کر لیا جاتا تھا۔

حنفی چیف جسٹسوں کے بے لاگ فیصلے

دور بنی امیہ میں محکمہ عدلیہ (قضا) پر ایسا وقت گذر چکا تھا کہ قاضی کے لئے معمولی پڑھا لکھا ہونا بھی ضروری نہ تھا، مشائخ وقت عدالت میں جا کر شریعت کی رو سے شہادت دیا کرتے تھے کہ خلفا و سلاطین کی ذات قانونی دار و گیر سے بالاتر ہے۔

پھر دور عباسی میں بھی ابتداء میں حالات بہتر نہ تھے، قاضی شریک نے جب عہدہ قضا منظور کیا تو انہوں نے شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ فیصلہ مقدمات میں رو رعایت نہ کریں گے، مگر عمل کا حال یہ کہ خلیفہ کی ڈیوٹی کی ایک لونڈی کی شکایت پر قاضی صاحب بر طرف کر دیئے گئے۔

امام صاحب نے تمام حالات کا جائزہ لے کر یہ منصوبہ بنایا کہ تدوین فقہ کے ساتھ ہی ایسے قضا تیار کریں جو ہر حالت میں قانون اسلام کی برتری کو برقرار رکھ سکیں، اور وہ اپنے علم و فضل، تقویٰ و طہارت، جرأت ایمانی اور معاملہ فہمی میں خصوصی کردار کے حامل ہوں، چنانچہ امام صاحب نے فرمایا تھا کہ میرے اصحاب میں نہ صرف محدثین، فقہاء و قضاة ہیں بلکہ ایسے بھی کچھ ہیں کہ وہ محکمہ افتاء و عدلیہ کی سرپرستی کے بھی اہل ہیں اور ایسے ہی اصحاب کو دیکھ کر آپ خوش ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ ”تم میرے دل کا سرور اور میرے غم و فکر کا مداوا ہو“ گویا امام صاحب نے اپنے ان تلامذہ و اصحاب سے بڑی اچھی اچھی امیدیں وابستہ کی تھیں اور خدا کا فضل ہے کہ وہ امیدیں حسب مراد پوری بھی ہوئیں۔

ایک طرف تو امام صاحب کے درس و تدریس کے مشغلہ نے دور دراز ملکوں تک صحیح علم و عمل کے محکم و استوار نمونے پھیلا دیئے تھے، دوسری طرف فصل خصومات کے لئے ایسے بلند کردار کے قضاة و چیف جسٹس پیدا ہو گئے تھے کہ قانون اسلام کی سر بلندی کے امکانات پوری طرح روشن ہو گئے تھے اور اسی مقصد کو پورا ہوتے دیکھ کر امام عالی مقام مندرجہ بالا فقرے فرمایا کرتے تھے، پھر امام صاحب کو اپنے اس پاکیزہ مقصد میں کتنی کامیابی ہوئی اور آپ کے تلامذہ نے قاضی ہونے کے بعد کس قسم کے تجربات خلفاء کو دیئے اور ان کے دلوں میں کس قدر احترام شریعت کا پیدا کر لیا، اس کی چند مثالیں بھی ملاحظہ کیجئے۔

۱- ابو جعفر منصور کے بعد مہدی خلیفہ ہوا، بخارا میں قاضی ابو یوسف کے شاگرد مجاہد بن عمرو قاضی تھے مہدی نے اپنا ایک قاصد کسی خاص غرض سے بھیجا، قاضی صاحب نے اس کا جواب خلیفہ کی منشاء کے خلاف دیا، قاصد نے اپنی طرف سے کوئی دوسری بات جھوٹی بنا کر خلیفہ سے بیان کر دی وہ قاصد بخارا ہی کا ساکن تھا واپس آیا تو قاضی صاحب نے اس پر افتراء کا مقدمہ کر کے اسی ۸۰ کوڑے لگوا دیئے، مجاہد کے شاگردوں کو تشویش ہوئی کہ مہدی کو اس کے خاص قاصد کو تازیانے لگانے کی خبر ہوگی تو شاید کوئی ناگوار صورت پیش آئے لیکن خلیفہ کو خبر ہوئی تو اس نے قاضی صاحب کے اس فعل کو تحسین کی نظروں سے دیکھا اور خوش ہو کر انعام و کرام سے نوازا۔

قاضی صاحب مذکورہ سب انعام و کرام کا مال لے کر اپنی مسجد پہنچے کچھ اس کی ضروریات پر صرف کیا، باقی شہر کے فقرا کو تقسیم کر دیا اور خلعت کو بھی فروخت کر کے مساکین اور قیدیوں پر صرف کر دیا۔

یہ قاضی صاحب بہت زاہد و عابد تھے، عہدہ قضا بہت مجبور ہو کر جس و قید اور ایذا میں اٹھا کر قبول کیا تھا پھر وہ کس سے دبے ڈرنے والے تھے۔ (مناقب کردری ص ۲۳۹ ج ۲)

۲- مہدی کے بعد ہادی خلیفہ ہوا، اس وقت بغداد کے قاضی ابو یوسف تھے، ایک باغ کی ملکیت کے بارے میں رعیت کے آدمی نے خود خلیفہ کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا اور گواہ بھی خلیفہ کی طرف سے ثبوت کے گذر گئے، مگر قاضی صاحب نے کسی طرح معلوم کر لیا کہ حق اسی غریب کا ہے اس لئے فیصلہ مقدمہ ملتوی کیا اور تدبیر یہ کی کہ جب خلیفہ سے ملے اور اس نے دریافت کیا کہ ہمارے مقدمہ میں آپ نے کیا کیا؟ تو کہا کہ فریق ثانی کا مطالبہ یہ ہے کہ آپ عدالت میں اس امر پر حلف اٹھائیں کہ آپ کے گواہوں نے جو بیان دیا ہے وہ صحیح ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ کیا اس کو ایسے مطالبہ کا حق پہنچتا ہے، کہا قاضی ابن ابی لیلیٰ کے سابقہ فیصلوں کی رو سے اس کو اس مطالبہ کا حق ہے، یہ سنتے ہی خلیفہ نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو وہ باغ اسی کو دیدو۔

۳- ہادی کے بعد ہارون رشید خلیفہ ہوا، امام اعظم کے شاگرد حفظ بن غیاث مشرقی بغداد کے قاضی تھے، ہارون کی شاہ بیگم زبیدہ خاتون کا ایک کارندہ پارسی تھا اور اس پر ایک خراسانی نے تیس ہزار درہم اونٹوں کی قیمت کا دعویٰ دائر کر دیا، پارسی نے رقم کا اقرار کر لیا مگر ادائیگی نہ کی، قاضی صاحب نے مدعی کے مطالبہ پر اس کو قید کر دیا۔

شاہ بیگم کو معلوم ہوا تو بہت غضبناک ہوئی کہ میرا آدمی جانتے ہوئے بھی قاضی صاحب نے اس کو جیل بھیج دیا اپنے غلام کو کہا کہ میرے آدمی کو فوراً جیل سے چھڑا کر لاؤ، شاہی محل کا غلام گیا تو جیل والوں نے پارسی کو چھوڑ دیا، قاضی صاحب کو خبر ہوئی تو وہ اس کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے، امام صاحب کے تربیت یافتہ تھے، بولے۔ یا تو زبیدہ کا وکیل پارسی واپس جیل آئے ورنہ میں عہدہ قضا سے مستعفی ہوں۔

اس سندھی غلام کو خبر ہوئی تو وہ روتا ہوا زبیدہ کے پاس گیا کہ یہ قاضی حفظ کا معاملہ ہے اگر خلیفہ نے مجھ سے باز پرس کی کہ قاضی کے جیل بھیجے ہوئے آدمی کو تمہیں چھڑانے کا کیا حق تھا تو میں کیا جواب دوں گا، اور کہا کہ اس وقت اس پارسی کو جیل واپس کرنے کی اجازت دیدیتے، پھر میں قاضی صاحب کو راضی کر کے رہا کر دوں گا، زبیدہ نے غلام پر رحم کھا کر اجازت دیدی اور وہ پھر جیل پہنچ گیا۔

کچھ دیر بعد خلیفہ محل میں آئے تو ان سے زبیدہ نے شکایت کی کہ قاضی صاحب نے میرے آدمی کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے، جس سے میری سخت توہین ہوئی ہے، ایسے قاضی کو معزول کرنا چاہئے، ہارون بہت متفکر ہوا کہ کیا کرے، کیونکہ زبیدہ کی کبیدگی خاطر بھی اسے بڑی شاق تھی آخر اس نے کچھ سوچ کر قاضی صاحب کو حکم لکھا کہ اس پارسی کے معاملہ کو رفع دفع کر دو۔

ادھر خلیفہ یہ لکھوا رہا تھا اور ادھر قاضی صاحب کے لوگوں نے ان کو اس کی خبر پہنچائی کہ ایسا حکم آیا ہے، قاضی صاحب نے فوراً خراسانی کے گواہوں کو بلا کر ان کے بیانات قلمبند کرائے اور تحریری فیصلہ مرتب کر کے عدالت کی مہر لگانے کا حکم دیا تاکہ خلیفہ کے حکم سے پہلے تمام کارروائی مکمل ہو جائے، اتفاق سے اس کام میں دیر لگی اور اس کارروائی کے دوران ہی میں خلیفہ کا حکم آ گیا مگر قاضی صاحب نے کہا کہ میں پہلے اپنے ہاتھ کا کام پورا کر دوں پھر فرمان پڑھوں گا، خلیفہ کے آدمی نے بار بار حکم دینا چاہا اور کہا کہ امیر المؤمنین کا فرمان ہے مگر قاضی صاحب نے نہ لیا حتیٰ کہ تمام کارروائی باضابطہ پوری کر دی۔

اس کے بعد فرمان پڑھا اور جواب دیدیا کہ فرمان پڑھنے سے پہلے میں فیصلہ کر چکا ہوں، فرمان لانے والے نے کہا کہ آپ نے جان بوجھ کر فرمان نہیں لیا، اور میرے سامنے سب کارروائی کی ہے، میں یہ بات بھی خلیفہ سے کہوں گا، قاضی صاحب نے کہا کہ تم ضرور کہہ دینا مجھے اسکی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اس نے سب حال خلیفہ سے جا کر کہا مگر خلیفہ بجائے اس پر ناراض ہونے کے قاضی صاحب کی جرأت اور موافق حق فیصلہ سے خوش ہوئے اور حاجب سے کہا کہ قاضی صاحب کی خدمت میں ۳۰ ہزار درہم روانہ کر دو۔

اس صورت حال سے زبیدہ کو خبر دی گئی تو وہ اور بھی مشتعل ہو گئی اور خلیفہ سے کہا کہ جب تک تم قاضی حفظ کو برطرف نہیں کرتے ہو میرا تم سے کوئی علاقہ نہیں۔

ہارون رشید نے یہ سب کچھ دیکھا مگر چونکہ وہ حق کو حق سمجھنے پر مجبور ہو چکا تھا اس لئے انصاف کو ہاتھ سے نہ دیا اور جس طرح اسی قسم کے ایک واقعہ میں جہانگیر نے نور جہاں سے کہہ دیا تھا کہ اے جان جہاں میں نے تجھ کو اپنی جان کا مالک بنایا ہے ایمان کا نہیں، ہارون نے بھی زبیدہ خاتون کو ایسی ہی بات صفائی سے کہی جس سے زبیدہ کا سارا نشہ ہرن ہو گیا اور اس نے اپنی سخت منانے کیلئے دوسرا طریقہ اختیار کیا، یعنی نیاز مندانہ خوشامد درآمد کر کے ہارون کو اس پر راضی کر لیا کہ قاضی صاحب کا تبادلہ کسی دوسری جگہ کو کر دیا جائے، چنانچہ خلیفہ نے ان کا تبادلہ ان کے وطن کوفہ کی طرف کر دیا۔ (خطیب ج ۸ ص ۱۹۲)

۳- اسی ہارون رشید کے دور خلافت میں ایک بار قاضی ابو یوسف نے جواب قاضی القضاة بھی ہو گئے تھے خلیفہ کے ایک وزیر علی بن عیسیٰ کی شہادت رد کر دی تھی اس کی سخت ذلت ہوئی خلیفہ سے جا کر کہا، خلیفہ نے قاضی صاحب سے دریافت کیا کہ اس بیچارے کو آپ نے کیوں مردود الشہادۃ قرار دیدیا؟

قاضی صاحب نے کہا کہ میں نے ان کو یہ کہتے سنا ہے کہ ”میں خلیفہ کا غلام ہوں“ اور غلام کی شہادت مقبول نہیں اور بعض روایات میں ہے کہ قاضی صاحب نے کہا کہ یہ شخص نماز جماعت کا تارک ہے، خلیفہ یہ سن کر خاموش ہو گیا اور یہ بھی نقل ہے کہ پھر اس وزیر نے اپنے محل کے صحن میں مسجد تعمیر کرائی اور جماعت کی نماز کا التزام کیا۔ (موفق ص ۲۲۷ ج ۲)

یہ بھی موفق ہی میں ہے کہ قاضی ابو یوسف نے اسی طرح ایک فوجی افسر کی شہادت بھی اس کے عبدالخلیفہ کہنے کی وجہ سے مسترد کر دی تھی۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۲۳۰)

۵- ایک باغ پر ہارون رشید کا قبضہ تھا اس پر ایک بوڑھے کسان نے دعویٰ کیا کہ میرا ہے اور خلیفہ کا قبضہ عاصبانہ ہے، قاضی ابو یوسف نے پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے اس نے کہا کہ امیر المؤمنین سے حلف لیا جائے، قاضی صاحب نے خلیفہ سے کہا کہ آپ کو حلف اٹھانا چاہئے، ہارون نے تکلف کہا کہ یہ باغ میرے والد مہدی نے مجھ کو عطا کیا تھا اور میں اس کا مالک ہوں اور اسی لئے قابض ہوں قاضی صاحب نے فیصلہ کر دیا مگر اپنی اس کوتاہی پر رنج و افسوس کیا کرتے تھے کہ عدالت کے وقت خلیفہ کرسی پر بیٹھے تھے اور میں اتنا نہ کہہ سکا کہ جیسے آپ کا فریق زمین پر کھڑا ہے آپ بھی کرسی سے اتر کر زمین پر کھڑے ہو جائیے یا اس کے لئے بھی کرسی منگوائیے! (موفق ص ۲۳۳ ج ۲)

۶- ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید اور ایک یہودی کا مقدمہ امام ابو یوسف کی عدالت میں پیش ہوا تو یہودی خلیفہ سے پیچھے ہٹ کر بیٹھا آپ نے یہودی سے کہا کہ خلیفہ کے برابر بیٹھو، عدالت میں کسی کو تقدم نہیں، یہاں امیر و غریب سب برابر ہیں۔ (سیر الاحناف ص ۵۹)

۷- قاضی عافیہ ادوی (امام صاحب کے خاص اصحاب میں سے ہیں اور مجلس تدوین فقہ کے رکن رکیں) بغداد کے قاضی تھے، ایک مرتبہ کسی حاسد نے خلیفہ کے یہاں ان کی فصل مقدمات میں بیجا پاسداری کی شکایت پہنچائی، خلیفہ کو یہ امر ناگوار ہوا اور عافیہ کو طلب کیا ابھی اصل معاملہ کے متعلق کوئی بات نہ ہوئی تھی کہ خلیفہ کو چھینک آئی اور ہر طرف سے یرحمک اللہ کی صدا بلند ہوئی، عافیہ نے کچھ نہ کہا، ہارون نے پوچھا کہ سب نے مجھے موافق سنت یرحمک اللہ کہا لیکن آپ خاموش رہے اس کی کیا وجہ ہے؟ عافیہ نے جواب دیا سنت اسی طرح ہے جس طرح میں نے کیا، حدیث میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی مجلس میں دو شخصوں کو چھینک آئی ایک نے الحمد للہ کہا اس پر آپ نے یرحمک اللہ فرمایا دوسرا خاموش رہا تو آپ بھی خاموش رہے، اسی طرح تم نے بھی خود الحمد للہ نہیں کہا اس لئے میں نے بھی حضور ﷺ کی خاموشی کی سنت پر عمل کیا۔

ہارون نے پورا جواب سن کر کہا- ”جائیے آپ اپنا کام قضا کا کیجئے! بھلا جو شخص میری چھینک کے ساتھ رو رعایت پر آمادہ نہ ہو سکا وہ کسی دوسرے کی پاسداری اپنے فیصلہ میں کیا کرے گا“ پھر جھوٹی شکایت کرنے والوں کو سرزنش کی۔ (تاریخ بغداد ص ۳۰۹ ج ۸)

امام صاحب نے گویا یہ بات طے شدہ سمجھ کر کہ حکومت معیاری لوگوں کے ہاتھ میں آنا دشوار ہے مگر اسلامی قانون کو اس طرح اونچے معیار

پر مدون کر دیا جاسکتا ہے کہ ارباب حکومت اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جائیں اور اس طرح ایک ایسی عظیم خدمت امام صاحب کر گئے کہ رہتی دنیا تک اسلامی قانون سر بلند ہو گیا اور اسی تدوین فقہ کے ذیل میں سینکڑوں محدثین، فقہا مفتیین اور قضاہ معیاری درجہ کے بنائے گئے جن کی شاگردی اور شاگردوں کی شاگردی کا فخر امام شافعی، امام احمد اور بڑے بڑے محدثین امام بخاری و مسلم اصحاب صحاح ستہ وغیرہ نے حاصل کیا۔

ابو جعفر منصور نے چاہا بھی کہ امام صاحب سے بے نیاز ہو کر دوسرے علماء وقت سے مدد لیکر امور خلافت و سلطنت کو قوت پہنچائے مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی اور غیر حنفی علماء حجاج بن ارطاة، وہب بن وہب وغیرہ کے ناکام تجربات خلفاء عباسیہ کو ہوتے رہے اس لئے علماء حنیفہ اور فقہ حنفی سے وابستگی ہی لابدی نظر آئی بلکہ فقہ حنفی میں سے بھی امام صاحب کے اقوال کی اہمیت زیادہ تھی۔

قاضی خالد مرو کے قاضی تھے، کہتے ہیں کہ ایک مقدمہ میں بجائے امام صاحب کے میں نے قاضی ابو یوسف کے قول کے مطابق فیصلہ کر دیا، اس کی خبر مامون کو ہوئی تو مجھے ہدایت بھیجی کہ مسئلہ میں جب تک امام ابو حنیفہ کا قول موجود ہو فیصلہ اسی کے مطابق کیا کرو اور اس سے ہرگز تجاوز نہ کرو۔ (مناقب موفق ص ۱۵۹ ج ۲)

ہارون رشید نے مامون رشید کو فقہ حنفی کی اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم دلانی تھی اور مامون کو خود بھی فقہ حنفی سے بڑی مناسبت تھی حتیٰ کہ امام اعظم کی طرف سے مدافعت میں وہ بڑے بڑے محدثین کو لاجواب کر دیتا تھا۔

اس موقع پر ایک واقعہ بطور مثال سنئے!

نضر بن شمل حدیث و عربیت میں اہل مرو کے امام تھے مگر فقہ میں کمزور تھے چنانچہ جب کبھی خلیفہ کی مجالس میں اصحاب امام اعظم سے ان کا مناظرہ ہوتا تو ان کو شرمندگی اٹھانی پڑتی تھی، اپنے لوگوں کو وہ سمجھایا بھی کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کا ذکر برائی سے مت کرو اور کہا کرتے تھے کہ میں تو بصرہ میں تھا، امام صاحب کوفہ میں، لیکن میں یہی سنتا تھا کہ وہ صالح بزرگ ہیں، ایک دفعہ کہا کہ لوگ سو رہے تھے ان کو ابو حنیفہ نے بیدار کیا، پھر پوچھا گیا تو اہل حدیث کے ڈر سے خاموش ہو گئے اور اس قسم کے تعریفی کلمات سے اجتناب کرنے لگے۔

ایک بار کچھ اہل حدیث معاندین امام اعظم نے امام صاحب کی کتابیں ضائع کرنے کے لئے دریا برد کرنے کی سکیم بنائی، خالد بن صبیح قاضی مرو کو خبر ہوئی وہ فضل بن سہل کو لے کر مامون کے پاس گئے جو خلیفہ ہارون رشید کی طرف سے اس وقت مرو کے گورنر تھے، ان کو خبر دی تو پوچھا کہ ادھر کون لوگ ہیں اور ادھر کون ہیں، کہا وہ لوگ نئی عمر کے اسحاق بن راہویہ اور احمد بن زہیر وغیرہ ہیں البتہ نضر بن شمل بھی ان میں ہیں اور یہ لوگ خالد بن صبیح، سہل بن مزاحم، ابراہیم بن رستم ہیں۔

مامون نے کہا اچھا! کل میں ان سب کو بلاؤں گا اور ان کے دلائل سن کر میں خود فیصلہ کروں گا کہ کون حق پر ہے اسحق وغیرہ کو خبر پہنچی کہ مامون نے اس طرح کہا ہے تو فکر ہوئی کہ ان کی طرف سے کون بات کرے گا، چونکہ نضر بن شمل مباحث کلام و حدیث میں مامون سے مات کھائے ہوئے تھے اس لئے سب نے احمد بن زہیر کو بات کرنے کے لئے منتخب کیا۔

صبح کو سب مامون کے پاس جمع ہوئے، مامون نے نضر بن شمل کی طرف دیکھتے ہوئے خطاب کیا کہ تم لوگوں نے ابو حنیفہ کی کتابوں کو دریا پر لیجا کر کیوں ضائع کیا؟ نضر تو خاموش رہے کچھ جواب نہ دیا، احمد بن زہیر بولے امیر المؤمنین! مجھے اجازت ہو تو بات کروں؟ مامون نے کہا اگر تم اچھی طرح وکالت کر سکتے ہو تو تم ہی بولو!

کہا اے امیر المؤمنین! ہم نے ان کتابوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مخالف پایا، مامون نے کہا کس چیز میں مخالفت دیکھی، پھر خالد بن صبیح سے ایک مسئلہ کے بارے میں پوچھا کہ اس میں ابو حنیفہ نے کیا کہا ہے؟ خالد نے امام صاحب کے قول کے موافق فتویٰ دیدیا، احمد بن زہیر نے اس کے خلاف ایک حدیث سنائی اس پر مامون نے خود جواب دینا شروع کیا اور امام صاحب کے قول کے موافق

ایسی احادیث سنائیں جس سے وہ لوگ واقف نہ تھے۔

اور اسی طرح برابر وہ لوگ مسائل حنفی کے خلاف احادیث پڑھتے رہے اور مامون امام صاحب کی طرف سے احادیث سناتے رہے اور جب اس طرح کافی بحث ہو چکی تو مامون نے کہا۔

”اگر ہم امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کو کتاب اور سنت رسول ﷺ کے مخالف پاتے تو ہم خود ہی ان کو معمول بہ نہ بناتے، آئندہ ہرگز ایسی حرکت کا اعادہ نہ ہو، پھر کہا کہ یہ شیخ (نضر بن شمل) تمہارے ساتھ نہ ہوتے تو تمہیں ایسی سزا دیتا کہ یاد کرتے۔“

مناقب موفق میں یہ واقعہ نقل کر کے یہ بھی اضافہ کیا کہ مامون جب خود بغداد میں تخت خلافت پر بیٹھا تو اپنے پاس دو سو فقہاء کو بٹھلاتا تھا اور ان میں سے کوئی وفات پاتا تو اس کی جگہ دوسرا متعین کر دیتا تھا کہ تعداد مذکور کم نہ ہو اور مامون خود ان سب سے زیادہ علم و افتخار تھا۔

مادحین امام الائمہ ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

امام صاحب کی سیرت لکھنے والوں نے ایک مستقل عنوان امام صاحب کی مدح و ثناء کرنے والوں کا بھی رکھا ہے اسی لئے راقم الحروف نے بھی اس سلسلہ کی کچھ چیزیں انتخاب و اختصار کر کے یک جا کر دی ہیں اور اس میں اس امر کی رعایت کی ہے کہ ان ہی حضرات کے اقوال جمع کئے ہیں جن کی بلند پایہ شخصیات تمام محدثین کے یہاں مسلم ہیں اور ان کا احصاء نہیں کر سکا نہ یہاں اتنی گنجائش تھی اس لئے سینکڑوں اکابر کے اقوال اب بھی نقل نہیں ہو سکے، پھر جن کے اقوال لئے ہیں ان کے بھی اختصار کی وجہ سے بیشتر اقوال چھوڑ دینے پڑے۔

تاہم بطور نمونہ اور بقدر ضرورت شاید یہ بھی کافی ہو، پھر ہم نے ان اقوال کی اسناد بھی ترک کر دی ہیں، ورنہ موفق وغیرہ میں ان کی پوری پوری سندیں درج کی گئی ہیں۔

۱- امام یحییٰ بن سعید القطان: بڑے محدث ہیں فن رجال کے سب سے اول لکھنے والے ہیں، امام احمد، علی بن المدینی وغیرہ مؤدب کھڑے ہو کر ان سے حدیث کی تحقیق کیا کرتے تھے اور نماز عصر سے مغرب تک (جو ان کے درس کا وقت تھا، برابر کھڑے رہتے تھے، امام صاحب کے حلقہ درس میں شرکت کرتے تھے اور امام صاحب کے شاگرد ہونے پر فخر کرتے تھے، تمام کتب صحاح میں ان سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ”خدا گواہ ہے کہ ہم جھوٹ نہیں بول سکتے، ہم نے امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر کسی کو صائب الرائے نہیں پایا اور ہم نے ان کے اکثر اقوال اخذ کئے ہیں۔“

”واللہ ہم امام ابوحنیفہ کی مجالس میں بیٹھے ہیں اور ان سے استفادہ کیا ہے اور اللہ جب بھی میں ان کے چہرہ مبارک کی طرف نظر کرتا تھا تو مجھے یقین ہوتا تھا کہ وہ اللہ عزوجل کے خوف و خشیت سے پوری طرح متصف ہیں۔“ (موفق ص ۱۹۱ ج ۱)

”لوگوں کو جو مسائل پیش آتے ہیں ان کو حل کرنے کے واسطے امام ابوحنیفہ کے سوا دوسرا نہیں ہے، پہلے پہلے امام صاحب کے علمی کمالات زیادہ نمایاں نہ تھے پھر یکدم بڑی تیزی سے ان کی قدر و منزلت اور عظمت ترقی کرتی گئی۔“ (موفق ص ۴۵ ج ۲)

”خدائے برتر کی قسم کہ امام ابوحنیفہ اس امت میں قرآن و حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔“ (مقدمہ کتاب التعليم)

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک: ائمہ کبار سے اور فن حدیث کے رکن اعظم ہیں، صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے سینکڑوں احادیث موجود ہیں امام صاحب کے مخصوص شاگردوں میں سے ہیں، امام بخاری نے اپنے رسالہ رفع یدین میں فرمایا کہ ”ابن مبارک“ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور لوگ اگر دوسرے کم علم لوگوں کے اتباع کی بجائے ان کا اتباع کرتے تو بہتر ہوتا، اس کے بعد مطالعہ کیجئے کہ یہی امام بخاری کے شیوخ الشیوخ امام اعظم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

۱- فرمایا کہ ”ابوحنیفہ فقہ میں سب علماء سے زیادہ تھے میں نے ان جیسا فقہ میں نہیں دیکھا“۔

۲- ایک دفعہ فرمایا ”خدا کی قسم ابوحنیفہ علم حاصل کرنے میں بہت سخت تھے، محارم سے دور رہتے تھے، وہی کہتے تھے جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، ناسخ و منسوخ حدیث کے بڑے ماہر تھے اور معتبر اور دوسری قسم کی احادیث کو فعل رسول اللہ ﷺ سے تلاش کیا کرتے تھے۔

۳- ”میں نے مسعر بن کدام کو امام ابوحنیفہ کے حلقہ درس میں مستفید ہوتے دیکھا ہے، اگر خدا تعالیٰ ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے سبب سے میری فریادری نہ کرتا تو میں بھی اور عام آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہوتا“۔

”علامہ کردری نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابن مبارک امام صاحب کی طرف سے مدافعت کرتے تھے، ان کے مذہب کی تائید کیا کرتے تھے اور یہ بات مشہور و معروف تھی، اسی طرح امام صاحب کی طرف اپنی نسبت اور شاگردی پر بھی فخر کیا کرتے تھے“۔ (ص ۱۰۸ ج ۱)

۴- ”یہ بھی بیان کیا کہ جب میں کوفہ پہنچا تو وہاں کے علماء سے سوال کیا کہ تمہارے شہر میں کون سب سے بڑا عالم ہے، سب نے کہا امام ابوحنیفہ، پھر میں نے پوچھا کہ سب سے زیادہ پرہیزگار کون ہے تو سب نے کہا امام ابوحنیفہ، پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ زاہد کون ہے سب نے کہا کہ امام ابوحنیفہ، پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ عابد اور علم کا شغل رکھنے والا کون ہے تو سب نے کہا کہ امام ابوحنیفہ عرض میں نے اخلاق محمودہ و حسنہ میں سے جس وصف کا بھی سوال کیا سب نے امام صاحب کو ہی افضل و برتر بتلایا“۔ (حدائق ص ۷۶)

۵- حموی نے شرح اشباہ میں صحیفہ ذہبی سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ مبارک نے فرمایا ”حدیث تو مشہور و معروف ہوگئی اب اگر اجتہاد کی ضرورت پڑے تو اجتہاد مالک، سفیان و ابوحنیفہ کا ہے لیکن ان میں سے ابوحنیفہ اجتہاد کے لحاظ سے احسن اور رسائی کی حیثیت سے ادق اور دونوں سے انفقہ ہیں“۔

یہ سب کے نزدیک مسلم امیر المؤمنین فی الحدیث کا فیصلہ خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ ”حدیث تو مشہور و معروف ہوگئی“ یعنی جس قدر ذخیرہ احادیث صحاح کا موجود تھا وہ سب نہ صرف اس وقت سامنے آ گیا تھا بلکہ بدرجہ شہرت پہنچ گیا تھا، اس زمانہ کی احادیث بھی اکثر ثانیات، ثلاثیات تھیں، زمانہ خیر القرون کا تھا، جھوٹ کا شیوع بھی نہ ہوا تھا، راقہ عدل و ثقہ تھے اور حضرت عبداللہ بن مبارک نے تو ہزاروں لاکھوں روپے صرف کر کے حدیث حاصل کرنے کے لئے دنیائے اسلام کا کونہ کونہ چھانا تھا، پھر آخر میں امام ابوحنیفہ کے پاس پہنچے تو ان کے تبحر علوم حدیث و فقہ کے ایسے گرویدہ ہو گئے کہ امام صاحب ہی کے ہور ہے۔

ظاہر ہے کہ جس قدر ذخیرہ احادیث صحاح کا اس وقت مدون ہو گیا تھا وہ بعد کو مدون ہونے والی کتب حدیث کے لئے بطور اصول و امہات تھا اور اصحیت کے لحاظ سے بھی ان ہی کا نمبر اول تھا، اسی لئے ہم نے امام بخاری کے حالات میں بہت سی کتب حدیث کے نام بھی لکھے ہیں جو پہلے سے موجود تھیں، افسوس ہے کہ کچھ لوگوں کی غلط رہنمائی سے اکابر شیوخ محدثین (جن میں سے اکثر شیوخ اصحاب صحاح ستہ تھے) کی مساعی جمع حدیث نمایاں مقام حاصل نہ کر سکیں اور جو بھی تعارف کرایا گیا صحاح ستہ اور ان کے بعد کی کتابوں کا کرایا گیا، ان کے اصول و امہات اور دوسرے ذخیرہ ثانوی درجہ میں سمجھے گئے، حالانکہ صحت روایت و علوسند کے اعتبار سے وہ اول فالاول تھے، اس سے ایک بڑا نقصان یہ بھی ہوا کہ بعد کے ذخیرہ حدیث میں جو کچھ ضعیف رواۃ کی وجہ سے پیدا ہوا وہ غلطی سے پورے ذخیرہ حدیث کی طرف منسوب ہو گیا، عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں۔

۶- میں تمام شہروں و بستیوں میں علم کی طلب کے لئے گیا، لیکن امام ابوحنیفہ کی ملاقات سے قبل تک حلال و حرام کے اصول سے واقف نہ ہو سکا (کیونکہ فقہ و اصول فقہ کے امام وہی تھے)

۷- اگر امام صاحب تابعین میں ہوتے تو وہ بھی ان کی طرف محتاج ہوتے (یہ اس لئے کہا کہ امام صاحب تابعین کے آخری دور میں پیدا ہوئے اور امام صاحب کے علم و فضل کے ظہور کا زمانہ تابعین کے گذر جانے کے بعد کا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ امام صاحب خود بھی تابعی تھے)

- ۸- اکثر فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے کا لفظ مت کہو، بلکہ تفسیر حدیث کہو (جو حقیقت ہے)
- ۹- اگر مجھے افراط کا الزام دیئے جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں امام صاحب پر کسی کو بھی ترجیح نہ دیتا۔
- ۱۰- فرمایا امام صاحب مجید الغور تھے یعنی مسائل کی گہرائیوں تک جاتے تھے۔
- ۱۱- فرمایا کہ علماء امام صاحب سے مستغنی نہیں ہو سکتے کم سے کم تفسیر حدیث کے لئے تو ان کی احتیاج ظاہر و باہر ہے۔
- ۱۲- اگر میں بعض بے وقوفوں کی باتوں پر رہتا تو امام صاحب سے محروم رہتا اور ان سے محروم ہوتا تو یوں کہنا چاہئے کہ طلب علم کی راہ میں میری ساری مشقت و تعب اور ہزاروں لاکھوں روپے کا صرف رائیگاں چلا جاتا۔
- ۱۳- اگر میں امام صاحب سے نہ ملتا تو علم کے لحاظ سے دیوالیہ ہوتا، ایک روایت ہے کہ میں بھی دوسرے حدیث کے نقالوں کی طرح ہوتا۔
- ۱۴- ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مبارک کی مجلس میں امام صاحب کا ذکر ہوا اور کچھ موافق کچھ مخالف باتیں ہوئیں تو ابن مبارک نے فرمایا کہ علماء میں سے کسی کو امام صاحب جیسا پیش کر دو ورنہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو اور ہمیں عذاب مت دو۔ (معلوم ہوا کہ امام صاحب سے عناد و حسد و مخالفت کا بیج اس وقت بھی موجود تھا اور ایسے لوگ بڑے بڑے حضرات کو اپنی غیر ذمہ دارانہ روش سے تکلیف پہنچایا کرتے تھے)۔
- ۱۵- فرمایا کہ میں نے بڑے بڑوں کو دیکھا ہے کہ امام صاحب کی مجلس میں ان کی کوئی علمی حیثیت نہ تھی اور میں نے خود کو کسی مجلس میں پہنچ کر حقیر نہیں پایا سوا امام صاحب کی مجلس کے اور میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا کہ اس نے امام صاحب سے کسی مسئلہ پر بحث کی ہو اور اس کی علمی بے بضاعتی پر مجھے رحم نہ آیا ہو۔
- ۱۶- فرمایا کہ وہ شخص محروم ہے جس کو امام صاحب کے علم سے حصہ نہیں ملا۔
- ۱۷- فرماتے تھے کہ خدا اس کا برا کرے جو ہمارے شیخ کا ذکر برائی کے ساتھ کرے، یعنی امام صاحب کا۔
- ۱۸- ایک دفعہ ایک شخص نے کوئی مسئلہ پوچھا ابن مبارک نے طاؤس کا قول بھی نقل کر دیا اور امام صاحب کا بھی جو اس کے خلاف تھا۔ اس شخص نے کہا کہ ہم تو طاؤس کے قول پر عمل کریں گے اور ابوحنیفہ کے قول کو دیوار پر پھینک ماریں گے، ابن مبارک نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر کیا تو نے امام صاحب کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا - واللہ! اگر تو ان کو دیکھ لیتا تو ایسی بات نہ کہتا اور وہ تیرے خلاف اتنے قوی دلائل لاتے کہ جوان کے ہوتے ہر نئے امام صاحب کے قول کو دیوار پر نہ مار سکتا۔
- ۱۹- ایک دفعہ ابن مبارک - حدیث امام صاحب سے روایت کر کے سنائی ایک شخص نے اس میں کچھ کلام کیا تو ابن مبارک نے غصہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کا اس سے کیا قصد ہے، تم لوگوں کا اس سے کیا مقصد ہے، جس کو خدا نے بلند مرتبہ بنایا ہے وہ ہی بلند ہوگا اور جس کو خدا نے برگزیدہ کر لیا ہے وہی برگزیدہ ہوگا۔ (موفق ۵۱، ۵۲، ۵۳ ج ۲)
- ۲۰- فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو مسجد حرام مکہ معظمہ میں دیکھا ہے کہ مشرق و مغرب کے لوگوں کو فتویٰ دے رہے تھے اور لوگ اس زمانہ کے جیسے تھے ظاہر ہے یعنی بڑے بڑے فقہا تھے اور بہترین علم کے لوگ حاضر رہتے تھے۔ (موفق ص ۵۷ ج ۲)
- راقم الحروف نے حضرت عبداللہ بن مبارک کے اقوال اس لئے زیادہ نقل کئے ہیں کہ امام بخاری نے اپنے رسائل میں ان کو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم تسلیم کیا ہے اور ان کے مقابلہ میں دوسروں کو بے علم تک کہہ دیا ہے اور غالباً پہلے اور محدثین بھی ایسے تھے جو ابن مبارک کو امیر المؤمنین فی الحدیث وغیرہ وغیرہ سب کچھ مانتے تھے مگر خود ابن مبارک جن کو اپنا بڑا اور سب کچھ سمجھتے تھے وہ ان کی نظر میں کچھ نہ تھے اس لئے محدث ابو عصمہ سعد بن معاذ جب محدثین سے یہ سنتے تھے کہ عبداللہ بن مبارک اعلم ہیں امام ابوحنیفہ سے، تو فرمایا کرتے تھے کہ ”جو لوگ عبداللہ بن مبارک کو امام سمجھتے ہیں اور خود عبداللہ نے جس کو امام مانا تھا اس کو امام نہیں مانتے ان کی مثال شیعہ حضرات کی ہے کہ حضرت علیؑ کو تو امام مانتے ہیں

لیکن جن کو حضرت علیؑ نے اپنے لئے امام تسلیم کیا تھا ان کو امام ماننے کے لئے تیار نہیں یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم (موفق ۵۴ ج ۲) ۳- محدث ابن داؤد: ۱- امام ابو حنیفہؒ پر طعن دو قسم کے لوگوں نے کیا ہے ایک ان لوگوں نے جو ان سے ناواقف تھے اور دوسرے وہ جن کو ان سے حسد ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ بصرہ والوں کا فخر چار کتابیں ہیں، حافظ کی کتاب البیان والتمییز کتاب الحجو ان، سیبویہ کی کتاب اور غلیل کی کتاب العین، لیکن ہمارا فخر حلال و حرام کے ستائیس ہزار مسائل پر ہے جو ایک کوئی محمد بن حسن کے نتیجہ عمل ہیں وہ ایسے قیاسی و عقلی ہیں کہ کسی انسان کو ان کا نہ جاننا روا نہیں۔

۲- جب کوئی آثار یا حدیث کا قصد کرے تو اس کے لئے سفیان ہیں اور جب آثار یا حدیث کی باریکیوں کو معلوم کرنا چاہے تو ابو حنیفہؒ ہیں۔ ۳- اہل اسلام پر نماز میں امام ابو حنیفہؒ کے لئے دعا کرنی ضروری ہے کیوں کہ انہوں نے دوسروں کے واسطے سنن و آثار و محفوظ کر دیا ہے یعنی بصورت احادیث و آثار مرویہ و بصورت احکام و مسائل)۔ (حدائق الحنفیہ)

۴- مکی بن ابراہیمؒ: بلخ کے امام اور امام بخاری وغیرہ کے استاد تھے (۱) فرماتے تھے کہ ابو حنیفہؒ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عالم زاہد، راغب فی الآخرت اور احفظ اہل زمانہ تھے اور عالم کی اصطلاح محدثین کے یہاں یہ ہے کہ اس کو احادیث کے متون و اسناد دونوں حفظ ہوں۔

۲- موفق کروری میں ہے کہ اسماعیل بن بشر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم مکی کی مجلس میں تھے، انہوں نے فرمانا شروع کیا ”یہ حدیث روایت کی ہم سے ابو حنیفہؒ نے“ اتنا ہی کہ تھا کہ ایک مسافر اجنبی شخص چیخ پڑا کہ ہم سے ابن جریج کی حدیث روایت کرو، ابو حنیفہؒ سے روایت مت کرو، مکی نے جواب دیا کہ ہم بیوقوفوں کو حدیث سنانا نہیں چاہتے، میں ہدایت کرتا ہوں کہ تم میری حدیث مت لکھو اور میری مجلس سے نکل جاؤ، چنانچہ جب تک وہ اٹھ کر نہ چلا گیا انہوں نے حدیث روایت نہ کی، اس کے جانے کے بعد پھر امام ابو حنیفہؒ سے ہی حدیث روایت کی۔

۳- فرمایا میں علماء کوفہ کی مجالس میں بیٹھا ہوں میں نے ان میں کسی کو امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ متورع نہیں پایا۔ (موفق ۱۹۳ ج ۱) ۵- محدث خلف بن ایوب: ۱- میں اکثر علماء کی مجالس میں جایا کرتا تھا اکثر ایسا ہوتا تھا کہ بعض باتوں کے معنی نہ سمجھ سکتا تھا، پھر امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں جاتا، ان سے دریافت کرتا، وہ مجھ سے ان کی تفسیر فرماتے اور اس تقریر و تفسیر سے میرے قلب میں ایک نور داخل ہو جاتا تھا۔ ۲- فرمایا کہ خدا سے علم محمد ﷺ کو پہنچا، ان سے اصحاب کو، اصحاب سے تابعین کو اور تابعین سے ابو حنیفہؒ کو اس بات سے خواہ کوئی راضی ہو یا ناراض ہو۔ (حدائق ص ۷۵)

۶- امام شعرانی: ۱- میں نے امام ابو حنیفہؒ کے مسانید ثلاثہ کے صحیح نسخوں کو مطالعہ کیا جن پر حفاظ کی تصدیق تھی، میں نے دیکھا کہ ہر حدیث بہترین عدول وثقات تابعین سے مروی و منقول ہے مثلاً، اسود، علقمہ، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مکحول، حسن بصری وغیرہ وغیرہ سے، پس امام صاحب اور جناب رسالت مآب ﷺ کے درمیان تمام راوی عادل، ثقہ، عالم اور بہترین بزرگ ہیں جن میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب نہیں۔ ۲- ہمارے لئے کسی طرح موزوں نہیں کہ ایسے امام عظیم پر اعتراض کریں جس کی جلالت قدر علم و روع پر اجماع و اتفاق ہو چکا ہے۔

۳- امام صاحب پر اعتراض مناسب نہیں کیونکہ وہ ائمہ متبوعین میں سے سب سے بڑے مرتبہ کے تھے اور ان کا مذہب سب سے پہلے مدون ہوا اور ان کی سند حدیث بھی دوسرے ائمہ کے لحاظ سے رسول اکرم ﷺ کی طرف زیادہ قریب ہے، وغیرہ (میزان کبریٰ)۔ ۴- امام اعظم ابو حنیفہؒ کے کثرت علم، پرہیزگاری، عبادت، استنباط و سمجھ کی دقت و گہرائی پر سلف و خلف کا اتفاق و اجماع ہے (حدائق ص ۷۶)

۷- محدث حسن بن زیاد: امام ابو حنیفہؒ چار ہزار احادیث روایت کرتے تھے، دو ہزار حماد سے اور دو ہزار باقی شیوخ سے۔

۸- امام احمد: امام احمد سے ابن حجر نے نقل کیا کہ ابو حنیفہؒ علم و تقویٰ، زہد و اختیار آخرت میں اس جگہ تھے کہ کوئی ان کو نہیں پہنچ سکا۔ (شامی ذخیرات ص ۳۳)

۹- عطاء بن ابی رباح (م ۱۱۳ھ): کبار تابعین سے ہیں، ائمہ صحاح کے اعلیٰ رواۃ سے ہیں، امام صاحب جب ان کے پاس آتے تو

سب سے آگے اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ (موفق ص ۶۷ ج ۲)

۱۰- فضیل بن عیاض (م ۱۸۷ھ): اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں، بڑے عابد، زاہد اور صاحب کرامات بزرگ تھے انہوں نے فرمایا کہ ”امام ابوحنیفہ بڑے فقیہ تھے، ورع و تقویٰ میں مشہور تھے، لوگوں پر جو دوشفقیت کرنے میں بڑے حریص تھے، رات و دن تعلیمی کاموں میں منہمک رہتے تھے، بہت خاموش اور کم گو تھے البتہ جب کوئی مسئلہ ان سے دریافت کیا جاتا تو خوب بولتے تھے۔ (تمییز الصحیفہ وغیرہ)

۱۱- حفظ بن عبدالرحمن نخعی (م ۱۹۹ھ): نسائی و ابوداؤد کے اعلیٰ شیوخ سے ہیں، فرمایا کہ میں نے ہر قسم کے علماء و فقہاء، زاہد اور اہل ورع کی خدمت میں حاضری دی لیکن ان سب اوصاف کا جامع سوائے امام ابوحنیفہ کے اور کسی کو نہیں دیکھا۔ (موفق ص ۲۰۰ ج ۱)

۱۲- حسن بن صالح کوفی (م ۱۶۹ھ): ائمہ صحاح کے اعلیٰ رواۃ سے ہیں، کہا کہ امام ابوحنیفہ ناسخ و منسوخ حدیث کی سخت تلاش میں مصروف رہتے تھے اور اسی حدیث پر عمل کرتے تھے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب سے ان کو ثابت ہوتی تھی اور حدیث و فقہ اہل کوفہ کے صرف عارف ہی نہ تھے بلکہ اپنے شہر کے لوگوں کی معمول بہا احادیث کا سختی سے اتباع کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح کتاب اللہ میں ناسخ و منسوخ آیات ہیں اسی طرح احادیث میں بھی ناسخ و منسوخ ہیں اور رسول خدا ﷺ کی اخیر زندگی کے اعمال کے حافظ تھے (موفق ص ۸۹ ج ۱)

۱۳- محدث شہیر ابن جریج (م ۱۵۰ھ): ائمہ صحاح ستہ کے اعلیٰ شیوخ سے ہیں، ابن عیینہ نے بیان کیا کہ ابن جریج کو جب امام حنیفہ کے علم و ورع اور استقامت دین کا علم ہوا تو کہنے لگے کہ عنقریب اس شخص کے علمی کمالات کا حیرت انگیز چرچا ہوگا۔

۲- ایک روز کسی نے ان کے سامنے امام صاحب کا کسی قدر برائی سے ذکر کیا تو فرمایا، خاموش رہو وہ تو بہت بڑے فقیہ ہیں، بہت بڑے فقیہ ہیں، (خیرات حسان ص ۳۳)

۳- خطیب نے روح بن عبادہ سے روایت کی کہ میں ابن جریج کے پاس تھا جب امام اعظم کی خبر وفات ان کو دی گئی تو سن کر انا لله و انا الیہ راجعون پڑھا اور افسوس سے فرمایا کہ کیسا علم جاتا رہا۔ (تمییز الصحیفہ ص ۱۱۳ امام سیوطی)

شعبۃ بن الحجاج (م ۱۶۰ھ): ائمہ صحاح کے اعلیٰ رواۃ سے ہیں سفیان ثوری ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا کرتے تھے۔

۱- جب ان سے امام ابوحنیفہ کا حال دریافت کیا جاتا تو وہ بہت تعریف ان کی کیا کرتے تھے اور ہر سال نیا تحفہ امام صاحب کو بھیجا کرتے تھے۔ (موفق ص ۴۶ ج ۲)

۲- امام صاحب کو حسن الفہم جید الحفظ فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان پر تشنیع کی ہے واللہ وہ خدا کے یہاں اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے کیونکہ خدا ان چیزوں سے پوری طرح واقف ہے۔ (خیرات ص ۳۴)

۳- جب وفات پہنچی تو انا للہ پڑھا اور کہا کہ آج کوفہ کا چراغ علم گل ہو گیا اور اب اہل کوفہ کو قیامت تک اس کی نظیر نہ ملے گی۔ (خیرات ص ۶۹)

محمد بن میمون (م ۱۶۷ھ): ائمہ صحاح کے اعلیٰ شیوخ میں سے ہیں امام اعظم کے بارے میں فرمایا کہ امام صاحب کے زمانہ میں علم و ورع اور زہد میں کوئی شخص ان سے بڑھ کر نہ تھا اور نہ کوئی شخص علم و فطانت میں ان کا مساوی تھا بخدا مجھے ان سے ایک حدیث سن لینے کی خوشی ایک لاکھ اشرفی کے مل جانے سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔

محدث اسمعیل بن حماد بن ابی سلیمان

یہ حضرت حماد استاذ امام اعظم کے صاحبزادے تھے ان کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ میرے والد ماجد کے خصوصی رازداروں میں سے تھے اور والد ماجد امام صاحب پر اپنی وہ خاص علمی چیزیں ظاہر کرتے تھے اس لئے میں بھی اپنے والد سے بہت سی علمی باتیں نہ سن سکا اور ان

سے محروم رہا، اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ ہی کے واسطے سے مجھے اپنے والد ماجد کی خاص خاص چیزیں پہنچیں جو صرف ان کے پاس تھیں۔ اس خبر کے راوی یحییٰ بن آدم نے یہ بھی کہا کہ اسماعیل بن حماد بڑی عمر کے تھے، سب لوگوں کا زمانہ پایا تھا لیکن اپنے اور والد کے امام صاحب سے خصوصی تعلق کے باعث امام صاحب ہی سے سماع حدیث کیا اس واقعہ سے بھی حضرت مغیرہ کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت حماد کے خصوصی علوم کے قابل امام صاحب ہی تھے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حصول علم کے لئے خاص تعلق و مناسبت بھی استاد سے ضروری ہے، نیز معلوم ہوا کہ امام صاحب بذل علم کے اعتبار سے بھی بڑے سخی تھے وغیرہ۔

محدث محمد بن طلحہ

محدث ابو غیلہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم دونوں آپس میں امام ابوحنیفہؒ کی باتیں کر رہے تھے تو محمد بن طلحہ نے کہا کہ ابو غیلہ! اگر تمہیں امام صاحب کا کوئی قول معتبر ذریعہ سے مل جائے تو اس کو مضبوط پکڑ لینا، اس کی قدر کرنا، کیونکہ امام صاحب سے جو بات آتی ہے وہ چھنی چھنائی صاف ہوتی ہے (یعنی کھرے سونے کی طرح بے کھوٹ ہوتی ہے)۔ (موفق ج ۲۰ ج ۲)

محدث فضل بن موسیٰ سینائی

امام صاحب کے زمانہ میں بڑے مشہور و معروف حفاظ حدیث میں سے تھے، امام صاحب سے بکثرت روایت حدیث کی ہے، امام صاحب کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے اور مخالف علماء سے جھگڑتے تھے لوگوں کو امام صاحب کے مذہب کی طرف ترغیب دیا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم حجاز و عراق کے مشائخ علم کی مجالس میں آیا جایا کرتے تھے لیکن کسی مجلس کو امام صاحب کی مجلس سے زیادہ عظیم البرکت اور کثیر المنفعت نہیں پایا۔ (موفق ج ۵۰ ج ۲)

امام شمس الدین شافعی

عقود الجواہر المذیفہ میں امینی کی خلاصۃ الاثر سے نقل کیا ہے کہ امام شمس الدین محمد بن علاء الباہلی شافعی فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم سے افضل الائمہ کے بارے میں سوال ہوتا تھا تو ہم ابوحنیفہؒ ہی کو بتلایا کرتے تھے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ

تذکرۃ الحفاظ میں امام صاحب کو حفاظ حدیث میں شمار کیا اور آپ کا تذکرہ امام الاعظم فقیہ العراق سے شروع کیا اور لکھا کہ حضرت انسؓ صحابی کوفہ میں تشریف لائے تو امام صاحب نے ان کو متعدد بار دیکھا اور امام صاحب نے عطار، نافع، سلمہ بن کہیل، عمرو بن دینار اور خلق کثیر سے روایت حدیث کی اور امام صاحب سے فقہ حاصل کرنے والے بھی تھے، جیسے زفر، داؤد طائی، قاضی ابو یوسف، محمد بن الحسن وغیرہ اور حدیث حاصل کرنے والے بھی تھے جیسے کعب، یزید بن ہارون، سعد بن اہصت، ابو عاصم، عبدالرزاق (صاحب مصنف) عبداللہ بن موسیٰ، ابو نعیم، ابو عبدالرحمن المقرئ اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ تھے۔

امام صاحب عالم باعمل، عابد و زاہد اور بڑے عالمی مرتبت انسان تھے، بادشاہوں کے نذرانے قبول نہیں کرتے تھے بلکہ خود تجارت کر کے کسب کرتے تھے، بنی نوع انسان میں امام صاحب نہایت زکی تھے۔

اس کے بعد علامہ ذہبی نے حضرت عبداللہ بن مبارک وغیرہ کبار محدثین کے اقوال امام صاحب کے مناقب میں نقل کئے ہیں جو ہم نے دوسری جگہ نقل کئے ہیں، علامہ ذہبی نے امام صاحب اور صاحبین کے مناقب میں مستقل کتاب بھی لکھی۔

محدث عمر بن ذرؓ

ہم جب بھی کہیں امام ابوحنیفہ کے ساتھ سفر میں جاتے تھے، دیکھتے تھے کہ امام صاحب وہاں کے تمام اہل علم پر فقہ، علم و ورع میں غالب رہتے تھے۔ (موفق ص ۱۹۵ ج ۱)

سیدنا علی الخواص شافعیؓ

اولیاء کالمین میں سے اور امام شعرانی شافعی کے شیخ اعظم تھے، فرمایا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے مدارک اجتہاد اس قدر دقیق ہیں کہ اولیاء اللہ میں سے بھی صرف اہل کشف و مشاہدہ ہی ان کو اچھی طرح جان سکتے ہیں، اسی لئے انہوں نے اور امام ابو یوسف نے ماء مستعمل کو نجس قرار دیا ہے، امام صاحب وضوء کے مستعمل پانی میں صاحب وضوء کے گناہوں کی نجاست ملاحظہ فرماتے تھے اور ہر ایک کے گناہ کو ممتاز دیکھتے اور تنبیہ کرتے تھے، توبہ کی تلقین فرماتے تھے۔ (میزان کبریٰ)

علامہ ابن الاثیر جزری

اگر ہم امام ابوحنیفہ کے فضائل و کمالات بیان کرنا چاہیں تو وہ اتنے ہیں کہ ہم سب کو بیان نہیں کر سکتے بات بہت لمبی ہو جائے گی اور غرض پھر بھی پوری نہ ہوگی، مختصر یہ کہ وہ عالم باعمل، زاہد، عابد متقی پرہیزگار اور علوم شریعت کے مسلم و پسندیدہ امام تھے۔ (جامع الاصول)

ابن ندیم

اپنی مشہور و معروف کتاب ”الفہرست“ میں امام اعظم کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھا کہ ”مشرق سے مغرب تک زمین کے تمام خشکی و تری کے حصوں میں دور و نزدیک جو کچھ علم کی روشنی پھیلی وہ امام صاحب ہی کی تدوین کا صدقہ ہے رضی اللہ عنہ“۔

امام مالکؓ

محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے امام مالکؓ کو دیکھا امام صاحب کا ہاتھ تھامے جا رہے تھے جب مسجد نبوی میں پہنچے تو امام صاحب کو آگے بڑھایا میں نے سنا کہ امام صاحب نے مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہوئے یہ دعا پڑھی بسم اللہ ہذا موضع الامان فامنی من عذابک و نجسی من النار یعنی خدا کے نام کے ساتھ داخل ہوتا ہوں، یہ امان کی جگہ ہے یا اللہ! مجھ کو اپنے عذاب سے مامون کر اور عذاب جہنم سے نجات دے۔ (موفق ص ۳۳ ج ۲)

امام شافعی نے فرمایا کہ میرے سامنے ایک شخص نے امام مالکؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے امام ابوحنیفہؓ کو دیکھا ہے؟ تو فرمایا ہاں! میں نے ایسا شخص دیکھا ہے کہ اگر اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہے تو اس پر بھی دلیل قائم کر سکتا ہے۔ (مناقب ذہبی ص ۱۹)

امام مالک اکثر اقوال امام صاحب کے اختیار کرتے تھے اور آپ کی آراء و اقوال کی تلاش میں رہتے تھے اکثر مسائل میں امام صاحب کے اقوال کو معتبر جانتے تھے، موسم حج و زیارت میں امام صاحب کا انتظار کیا کرتے تھے جب امام صاحب مدینہ طیبہ حاضر ہوتے تو کافی وقت امام صاحب کے ساتھ علمی مذاکرات میں گزارتے تھے۔

ایک دفعہ کوئی لمبی بحث چلی اور امام مالک امام صاحب کی مجلس سے اٹھے تو پسینہ پسینہ ہو رہے تھے، تلامذہ نے عرض کیا کہ آپ کو بہت پسینہ آیا! امام مالک نے فرمایا کہ ہاں! ابوحنیفہؓ کے ساتھ بحث میں ایسا ہوا اور تم ان کو کیا سمجھتے ہو وہ تو بہت بڑے فقیہ ہیں۔

امام ابو یوسفؒ

۱- اصمعی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم چند احباب بیٹھے ہوئے اپنی اپنی آرزوؤں کا ذکر کرنے لگے تو میں نے امام ابو یوسفؒ سے کہا کہ اب تو آپ بڑے سے بڑے مرتبہ پر پہنچ گئے ہیں (کیونکہ قاضی القضاة تھے اور وہ بھی اس شان سے کہ خلفاء ان کے فیصلوں کے سامنے سر جھکاتے تھے) تو کیا اس سے زیادہ کی بھی کوئی تمنا آپ کو ہے؟ تو فرمایا کہ ”ہاں میری تمنا ہے کہ کاش مجھے ابن ابی لیلیٰ کا جمال مسعر بن کدام کا زہد اور امام ابو حنیفہ کا فقہ حاصل ہوتا“۔ اصمعی کا بیان ہے کہ میں نے اس کا ذکر امیر المؤمنین یعنی خلیفہ وقت سے کیا تو انہوں نے کہا کہ امام ابو یوسف نے جو تمنا کی ہے وہ خلافت سے بھی اونچی چیز کی ہے۔

۲- ایک دفعہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا، کاش مجھے امام ابو حنیفہؒ کی ایک مجلس میری آدھی دولت کے عوض نصیب ہو جاتی، اصمعی کہتے ہیں کہ اس وقت ان کی دولت بیس لاکھ روپیہ سے زیادہ تھی، میں نے کہا کہ یہ تمنا آپ کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کچھ مسائل کی تحقیق کے لئے دل میں خلش ہے امام صاحب ہی سے تسلی ہو سکتی ہے، ان سے دریافت کر لیتا۔

۳- عصام بن یوسف کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو یوسف سے کہا علماء وقت کا اتفاق ہے کہ آپ سے بڑھ کر علم حدیث و فقہ میں کوئی نہیں ہے تو فرمایا میرا علم امام صاحبؒ کے علم کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے، ایسا سمجھو جیسے ایک چھوٹا راجہ یا نالہ بڑی نہر فرات کے مقابلہ میں۔
۴- ایک روز فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ بڑے عظیم البرکت تھے ان کی وجہ سے ہم پر دنیا و آخرت کے راستے کھل گئے۔

۵- فرمایا کہ میں نے امام صاحب سے زیادہ تفسیر حدیث کا عالم نہیں دیکھا، ہمارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا تو امام صاحب کے پاس حاضر ہوتے اور امام صاحب اس کا فوراً ہی حل پیش کر کے ہماری تشفی کر دیتے تھے۔ (موفق ص ۴۳ ج ۲)

امام ابو یوسف علم حدیث میں امام احمد، علی بن مدینی اور یحییٰ بن معین وغیرہ کا بر محمد ثین کے استاذ تھے جو امام بخاری وغیرہ محدثین کے شیوخ میں ہیں، ان کا تذکرہ مفصل آگے آئے گا، باوجود اس جلالت قدر کے امام ابو حنیفہ کے کس قدر مداح و قدر دان ہیں، امام صاحب کے مرتبہ عالی کا اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ

مشہور محدث ہیں امام اعظمؒ کے تلمیذ اور راوی مسانید الامام ہیں، حمیدی (استاذ بخاری) کے استاذ ہیں حمیدی راوی ہیں کہ امام سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ - دو چیزیں ایسی تھیں کہ ہم ابتداء میں یہ تصور بھی نہ کرتے تھے کہ وہ کوفہ کے پل سے آگے بڑھیں گی، حمزہ کی قرأت اور امام ابو حنیفہ کی رائے لیکن وہ دونوں تمام آفاق میں پہنچ گئیں (مناقب ذہبی ص ۲۰) محدث عمرو بن دینار کی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے، کوفہ آئے تو امام صاحب نے ان کے علم و فضل کی تعریف کی جس سے ان کا حلقہ درس بھر گیا فرماتے تھے کہ کوفہ میں امام صاحب سے زیادہ افتخار، افضل، اور عظیم نہیں تھا۔ (موفق ص ۱۹۵ ج ۱)

امام شافعیؒ

علی بن میمون (شاگرد امام شافعیؒ) نے روایت کی کہ مجھ سے امام شافعیؒ نے کہا - میں ابو حنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں، ہر روز ان کی قبر کی زیارت کو جاتا ہوں، جب کوئی حاجت پیش آ جاتی ہے دو رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، دعا کے بعد مراد بر آنے میں دیر نہیں لگتی، خیرات حسان میں یہ قول بھی نقل ہے کہ امام ابو حنیفہ سے زیادہ کوئی عقیل آدمی پیدا نہیں ہوا۔

شامی میں ابن حجر مکی سے بحوالہ ربیع روایت ہے کہ امام شافعی نے فرمایا، لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے عیال ہیں کیونکہ میں نے ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا، یہ بھی فرمایا کہ جو شخص ابوحنیفہ کی کتابوں کو نہ دیکھے وہ نہ تو علم میں تبحر ہوگا اور نہ فقیہ بنے گا۔ (حدائق ص ۷۷) یہ بھی فرمایا کہ ابوحنیفہ فقہ کے مربی و مورث اعلیٰ ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

امام مزنی

مزنی سے کسی نے پوچھا کہ ابوحنیفہ کے حق میں کیا کہتے ہو؟ کہا سیدہم، ان کے سردار ہیں، کہا اور ابو یوسف؟ کہا تبعہم للحدیث ان میں حدیث کا سب سے زیادہ اتباع کرنے والے، کہا اور محمد بن حسن؟ کہا اکثر ہم تعریفاً، سب سے زیادہ مسائل نکالنے والے، کہا زفر! کہا احسنہم قیاساً، قیاس میں سب سے بہتر۔

خلیفہ منصور عباسی

محمد بن فضیل عابدی نے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے بیان کیا کہ میں خلیفہ منصور کے پاس گیا تو مجھ سے پوچھا کہ تم نے علم کس سے حاصل کیا؟ میں نے کہا حماد سے، انہوں نے ابراہیم نخعی سے، انہوں نے حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے، منصور نے سن کر کہا! خوب خوب، ابوحنیفہ تم نے بہت مضبوط علم حاصل کیا، وہ سب کے سب ظہیرین و طاہرین تھے، سب پر اللہ کی رحمت ہو۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ خلیفہ منصور سے عیسیٰ بن منصور نے کہا کہ یہ (ابوحنیفہ) آج دنیا کے عالم ہیں، پوچھا نعمان! تم نے علم کس سے حاصل کیا جواب دیا اصحاب عمرؓ سے عمر کا، اصحاب علیؓ سے علی کا، اصحاب عبداللہؓ سے عبداللہ کا، اور ابن عباسؓ کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر عالم روئے زمین پر نہ تھا۔

محدث حفص بن غیاثؓ

امام صاحبؓ کے تلمیذ خاص اور محدثین کے شیوخ کبار میں تھے، فرماتے تھے کہ امام صاحبؓ سے میں نے ان کی کتابیں پڑھیں اور ان کے آثار مرویہ سنے میں نے ان سے پاک باطن اور باب احکام میں فاسد و صحیح کا علم رکھنے والا نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ فرمایا کہ امام ابوحنیفہؓ یکتائے روزگار تھے، ان کی جیسی فہم و نظر کا کوئی شخص میں نے نہیں سنا۔ (موفق ص ۴۱ ج ۲)

محدث عیسیٰ بن یونس

مشہور محدث تھے، امام صاحبؓ کے حدیث و فقہ میں شاگرد تھے، علماء کوفہ میں سے امام صاحبؓ ہی کا قول اختیار کرتے تھے اور اسی پر فتویٰ دیتے تھے، اپنے شاگرد سلیمان بن شاذکونی کو یہ نصیحت فرمائی کہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں ہرگز کوئی کلمہ برائی کا نہ کہنا اور نہ کبھی کسی برائی بیان کرنے والے کی تصدیق کرنا، اس لئے کہ واللہ میں نے کسی کو ان سے افضل اور اورع نہیں دیکھا۔

محمد بن داؤد کا بیان ہے کہ ہم محدث عیسیٰ بن یونس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے امام ابوحنیفہ کی کتاب نکالی تاکہ ہمیں اس میں سے سنائیں، کسی نے مجلس میں کہا کہ آپ ابوحنیفہ سے روایت حدیث کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کی زندگی میں ان کو اور ان کے علم و فضل کو پسند کیا تو کیا اب ان کی وفات کے بعد ان کو پسند نہ کرونگا۔

محدث یحییٰ بن آدم

امام علی بن المدینی (استاذ امام بخاری) فرمایا کرتے تھے کہ یحییٰ بن آدم علماء اور ان کے اقوال کے بڑے واقف تھے۔ حدیث و فقہ کے بڑے عالم تھے اور امام ابوحنیفہ کی طرف میلان شدید رکھتے تھے معلوم ہوا کہ امام صاحب سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے مسلم حدیثین تھے۔ اب سنئے! یہ محدث کبیر یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے فقہ میں وہ اجتہاد کیا جس کی سابق میں نظیر نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی خصوصی رہنمائی فرمائی اور اجتہاد فقہ کے دشوار راستے ان کے لئے سہل بنا دیئے، ان کے علم سے خواص و عوام دونوں طبقوں نے فائدہ اٹھایا۔ یہ بھی فرمایا کہ کوفہ فقہ کا مرکز تھا اس میں بڑی کثرت سے اکابر فقہاء موجود تھے جیسے ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ، حسن بن صالح، شریک وغیرہ لیکن امام صاحب کے اقوال کے مقابلہ میں ان سب کے اقوال بے قیمت ہو کر رہ گئے، امام صاحب کا علم ایک ایک شہر و بستی میں پہنچ گیا، خلفاء ائمہ اور حکام نے اس کے مطابق فیصلے کئے اور عملی دنیا کے لئے وہی مدار عمل ٹھہر گیا۔ (موفق ج ۳۱ ص ۲)

امام زفر

فرمایا کہ بڑے بڑے محدثین امام صاحب کے پاس آتے جاتے تھے اور آپ سے مسائل مشکلہ میں حل طلب کرتے تھے اور جو احادیث ان پر مشتبہ المراد ہوتی تھیں ان کی تفسیر آپ سے کراتے تھے۔ (موفق ص ۱۳۹ ج ۲)

وکیع بن الجراح

اصحاب ستہ کے کبار شیوخ میں تھے، فرمایا کہ میں نے کسی شخص کو جو امام ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہ اور ان سے بہتر طور پر نماز پڑھنے والا ہو نہیں دیکھا۔ (حدائق ص ۷۸)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ وکیع امام صاحب کے متعلق بہت اچھی رائے رکھتے تھے اور ورع و صحت دین کے اعتبار سے ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔ (موفق ص ۱۹۷ ج ۱)

سلیمان بن مہران ابو محمد الاعمش الکوفی

محدثین کے مشہور و معروف شیخ الشیوخ ہیں، مسند خوارزمی میں امام اعمش کا قول منقول ہے کہ۔

۱- ابوحنیفہ مواضع فقہ دقیقہ اور غوامض علم خفیہ کو بخوبی جانتے ہیں اور ان کو تاریک مقام میں بھی اپنے چراغ قلب کی وسیع نورانی روشنی سے اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ میری امت کے چراغ ہیں۔

۲- فرماتے کہ اس مسئلہ کا بہتر جواب ابوحنیفہ ہی دے سکتے تھے اور میرے خیال میں خدا نے ان کے علم میں بڑی برکت بخشی ہے۔ (خیرات ص ۳۳)

۳- ایک بار امام صاحب سے چند مسائل میں گفتگو کی، آپ نے جواب دیئے، پوچھا کہاں سے، امام صاحب نے احادیث بیان کرنی شروع کر دیں جو اعمش ہی سے سنی تھیں، اعمش نے کہا کہ بس کافی ہے، آپ نے تو حد کردی میں نے جو احادیث ۱۰۰۰ سودن میں بیان کی تھیں وہ آپ نے ایک ساعت میں سنا دیں، مجھے یہ علم نہ تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کر رہے ہیں، اے جماعت فقہاء! آپ لوگ طبیب ہیں اور ہم دو فروش اور آپ نے دونوں طرف (فقہ و حدیث) سے حظ وافر حاصل کیا۔ (خیرات ص ۶۷) خطیب عن الامام ابی یوسف

۴- حضرت اعمش نے ایک بار امام ابو یوسف سے پوچھا کہ تمہارے رفیق ابوحنیفہ نے عبد اللہ کے قول عتق الامۃ طلاقھا کو کیوں ترک کر دیا؟ جواب دیا کہ اس حدیث کی وجہ سے جو آپ نے واسطہ ابراہیم و اسود حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ بریرہ جب آزاد ہو گئیں تو

ان کو اختیار دیا گیا، اعمش نے یہ سن کر بڑا تعجب کیا اور کہا کہ ابوحنیفہ بہت زریک ہیں۔“

امام اسحاق بن راہویہ

میں نے کسی کو احکام و قضایا کا امام صاحب سے زیادہ جاننے والا نہیں پایا، قضا کے لئے مجبور کیا گیا اور مارا بھی گیا مگر قبول نہ کی، آپ کا محبوب مشغلہ یہ تھا کہ جبہ اللہ تعلیم و ارشاد کرتے رہیں۔ (مناقب موفق ج ۵۸ ص ۲)

یزید بن ہارون

اپنے زمانہ کے امام کبیر اور محدث ثقہ تھے، امام اعظم، امام مالک اور سفیان ثوری کے شاگرد اور یحییٰ بن معین و ابن مدینی وغیرہ کے شیوخ صحاح ستہ کے استاد تھے فرمایا۔ میں نے سترہ شیوخ سے علم حاصل کیا لیکن خدا کی قسم میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کو ورع، حافظ اور عقل میں نہیں پایا۔ (حدائق ص ۷۹)

۲- کسی نے پوچھا کہ ایک عالم فتویٰ دینے کے قابل کب ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جب وہ امام ابوحنیفہ جیسا ہو جائے، ان سے کہا گیا کہ آپ ایسی بات کہتے ہیں؟ فرمایا ہاں، بلکہ اس سے بھی زیادہ مجھے کہنا چاہئے میں نے ان سے زیادہ کسی عالم کو فقیہ و متورع نہیں دیکھا ایک روز میں نے ان کو دیکھا کہ ایک شخص کے دروازہ کے سامنے دھوپ میں بیٹھے ہیں، میں نے عرض کیا کہ آپ سایہ میں ہو جاتے! فرمایا میرے اس گھر والے پر کچھ روپے قرض ہیں اس لئے اس کے گھر کے سایہ میں بیٹھنا مجھے ناپسند ہوا، محدث یزید نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا بتلاؤ! اس سے بڑا درجہ بھی ورع کا ہو سکتا ہے!

۳- ایک روز یزید بن ہارون کی مجلس میں یحییٰ بن معین، علی بن المدینی اور امام احمد وغیرہ موجود تھے کہ ایک شخص نے آ کر ایک مسئلہ دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ اہل علم کے پاس جا کر معلوم کر لو، ابن المدینی بولے کہ آپ اہل علم نہیں ہے حالانکہ حدیث کے عالم ہیں، فرمایا نہیں اہل علم اصحاب ابی حنیفہ ہیں، تم تو عطار ہو۔ (موفق ج ۳۷ ص ۲)

محدث ابو عاصم النبیل

امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے اور امام بخاری وغیرہ کے شیوخ کبار میں سے تھے، کہا کرتے تھے ”مجھے امید ہے کہ امام ابوحنیفہ کے لئے ہر روز ایک صدیق کے برابر اعمال خدا کی بارگاہ عالی میں پہنچتے ہیں“، راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کیوں؟ تو کہا اس لئے کہ لوگ برابر ان کے علم و اقوال سے منتفع ہوتے رہتے ہیں (لہذا ان سب کے صحیح علم و عمل کا سبب امام صاحب ہوئے)۔ (موفق ص ۳۵ ج ۲)

ابو نعیم فضل بن وکین

صاحب تصانیف امام بخاری کے استاد ہیں، امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

۱- فرمایا، امام ابوحنیفہ مسائل کی تہ اور حقیقت تک پہنچنے والے تھے۔ (تہذیب التہذیب)

۲- امام صاحب بڑے خدا ترس تھے اور بغیر جواب کے کلام نہ کرتے تھے اور نہ لایعنی باتوں میں پڑتے تھے۔ (حدائق ص ۸۰)

بحر السقاء

بصرہ کے اکابر ائمہ حدیث میں سے تھے فرماتے تھے کہ میں امام ابوحنیفہ سے علمی مذاکرات کیا کرتا تھا وہ فرمایا کرتے تھے کہ اے بحر! تم

تو واقعی اسم باسمنی یعنی علم کا سمندر ہو، تو میں عرض کرتا تھا حضرت! میں تو صرف ایک بحر ہوں لیکن آپ تو بحور ہیں (موفق ص ۴۴ ج ۲) خیال کیجئے امام صاحب کا یہ بھی کتنا بڑا کمال تھا کہ چھوٹوں کے فضل و کمال کا بھی برملا اعتراف کرتے تھے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، یہ امام صاحب کی علمی تربیت کی خصوصی شان تھی۔

محدث عبدالرحمن بن مہدی

بصرہ کے قابل فخر فقہاء و حفاظ حدیث میں سے تھے، امام صاحب کے معاصر تھے کہتے ہیں کہ میں حدیثیں نقل کرتا تھا، میری رائے علی وجہ البصیرۃ یہ ہے کہ سفیان ثوری علماء کے امیر المومنین تھے، سفیان بن عیینہ امیر العلماء تھے، شعبہ حدیث کی کسوٹی تھے، عبداللہ بن مبارک صرف حدیث تھے، یحییٰ بن سعید قطان قاضی العلماء تھے، اور ابو حنیفہ قاضی قضاة العلماء تھے جو شخص تم سے اس کے سوا کوئی بات کہے اس کو بنی سلیم کی کوڑی پر پھینک دو۔ (موفق ص ۴۵ ج ۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی

(تہذیب التہذیب میں) نعمان بن ثابت امام ابو حنیفہ نے حضرت انس صحابی کی زیارت کی ہے اور عطاء، عاصم، علقمہ، حماد، حکم، سلمہ، ابو جعفر، علی، زیاد، سعید حدی، عطیہ، ابوسفیان، عبدالکریم، یحییٰ اور ہشام سے حدیث پڑھی اور روایت کی ہے اور امام صاحب سے حماد، ابراہیم، حمزہ، زفر، قاضی ابو یوسف، ابو یحییٰ، عیسیٰ، وکیع، یزید، اسد حکام، خارجہ، عبدالمجید، علی، محمد، عبدالرزاق، محمد بن حسن، یحییٰ بن یمان، ابو عصمتہ، نوح، ابو عبدالرحمن، ابو نعیم، ابو عاصم اور دوسروں نے روایت کی ہے۔ (ص ۴۴۹ ج ۱۰)

علامہ صلی الدین

خلاصۃ التہذیب میں ہے کہ ”ابو حنیفہ امام العراق، فقیہ الامت نے عطاء، نافع، اعرج اور ایک جماعت محدثین سے حدیث پڑھی اور روایت کی ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور ابن مبارک نے فرمایا کہ میں ن ابو حنیفہ کے مثل کسی کو فقیہ نہیں پایا، مکی فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عالم تھے۔“

محدث یسین الزیات

ایک روز مکہ معظمہ میں ان کے پاس بہت سے لوگ جمع تھے (غالباً مستفیدین و تلامذہ) سب کو با آواز بلند خطاب کیا کہ تم لوگوں کو چاہئے امام ابو حنیفہ کے پاس کثرت سے آؤ جاؤ اور ان کی علمی مجالس کو غنیمت سمجھو، ان کے علم سے استفادہ کرو کیونکہ تم ان جیسے پھر نہ پاؤ گے اور نہ کسی کو ان سے زیادہ حلال و حرام کا عالم پاؤ گے، اگر تم ان سے فائدہ نہ اٹھاؤ گے تو علم کثیر سے محروم رہو گے۔

اس سال امام صاحب بھی حج کے لئے پہنچے تھے، غالباً اسی لئے یہ تریبی تعارف کرایا ہو گا یہ بھی منقول ہے کہ حضرت یسین زیات امام صاحب کے بہت بڑے مداح تھے اور جب امام صاحب کا ذکر شروع کر دیتے تو خاموش ہونا اور ان کا ذکر خیر ختم کرنا پسند نہ کرتے تھے (موفق ص ۳۸ ج ۲)

محدث عثمان المدنی

فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ اپنے استاد حماد سے افتخار تھے بلکہ ابراہیم، علقہ و اسود سے بھی زیادہ افتخار تھے۔ (موفق ص ۳۷ ج ۲)

محدث محمد انصاری

فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات چیت، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے میں بھی دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا۔ (محدث اعظم)

محدث علی بن عاصم

علم حدیث، فقہ و دیگر انواع علوم میں علی بن عاصم امام اہل واسط تھے، امام صاحب سے حدیث و فقہ کی روایت بہ کثرت کی ہے، جب آپ کے اصحاب و تلامذہ چاہتے کہ آپ سے زیادہ احادیث سنیں تو امام ابوحنیفہ اور مغیرہ کا ذکر چھیڑ دیتے تھے۔ (موفق ص ۴۷ ج ۲)

۱- آدمی دنیا کی عقل ترازو کے ایک پلہ میں اور ابوحنیفہ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو ابوحنیفہ کا پلہ بھاری رہتا، (قلائد العسیان)۔

۲- اگر امام ابوحنیفہ کے علم کو ان کے زمانہ کے علماء کے ساتھ تو لاجائے تو امام صاحب ہی کا علم بڑھ جائے گا۔ (موفق ص ۴۷ ج ۲)

۳- معروف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ علی بن عاصم کی مجلس میں تھا، فرمانے لگے کہ تمہیں علم حاصل کرنا چاہئے، فقہ حاصل کرنا چاہئے، ہم نے کہا جو کچھ ہم آپ سے حاصل کرتے ہیں کیا وہ علم نہیں ہے، کہا نہیں علم تو درحقیقت امام ابوحنیفہ کا ہی ہے۔ (موفق ص ۴۷ ج ۲)

۴- فرمایا کہ امام صاحب کے اقوال علم صحیح کی تفسیر ہیں، جو شخص ان کے اقوال پر مطلع نہیں ہوگا وہ اپنے جہل کی وجہ سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام سمجھ لے گا اور سیدھے راستے سے بھٹک جائے گا۔ (موفق ص ۴۷ ج ۲)

محدث خارجہ بن مصعب

کہا کرتے تھے کہ میں کم و بیش ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں جن میں صاحب عقل صرف تین چار دیکھے اور ان میں سے سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کا نام لیتے تھے اور کہتے تھے کہ امام صاحب کی طرف جو بھی دیکھتا تھا وہ اپنے علم کو حقیر سمجھنے لگتا تھا اور ان کے سامنے جھک جاتا تھا، ان کے فقہ، صیانت نفس، زہد اور ورع کے باعث۔

یہ خارجہ بن مصعب سرخس کے بڑے امام حدیث و فقہ تھے، امام صاحب سے بکثرت روایت حدیث کرتے تھے اور امام صاحب کا علم خراسان میں پھیلا یا، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک لاکھ روپے اپنی طلب علم پر صرف کئے اور ایک لاکھ لوگوں کی امداد پر صرف کئے اپنے والد سے بھی بکثرت حدیث سنی تھی، ان کے والد حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ جمل و صفین میں شریک ہوئے تھے، حضرت علیؑ، طلحہ، زبیر و اصحاب بدر سے احادیث سنی تھیں اور خارجہ نے امام صاحب کے مشائخ سے بھی حدیث سنی ہیں۔ (موفق ص ۴۹ ج ۲)

عمرو بن دینار المکی

کبار تابعین سے ہیں، صحاح ستہ کے راوی، امام صاحب کی ابتدائی حالت کا بیان حماد بن زید نے کیا ہے ہم عمرو بن دینار کے پاس آتے جاتے تھے، پس امام صاحب آتے تو آپ ان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور ہمیں چھوڑ دیتے کہ امام صاحب سے ہم مسائل پوچھیں، ہم ان سے مسائل پوچھتے اور امام صاحب جواب دیتے اور احادیث بیان کرتے تھے۔ (خیرات حسان ص ۳۵)

مسعر بن کدام

ائمہ صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں اور اہل حدیث کے پیشوا جن کی جلالت قدر پر شاہد شیخ الحدیث ابن مبارک جیسے ہیں امام اعظم کے خاص شاگرد تھے، سفیان ثوری، اور سفیان بن عیینہ کے استاد تھے۔

- ۱- ایک روز امام صاحب اور آپ کے اصحاب کی مجلس میں آئے دیکھا کہ مسائل فقہ کے مذاکرے کر رہے ہیں اور خوب بلند آواز سے بحث ہو رہی ہے، کچھ دیر ٹھہر کر سنتے رہے پھر فرمایا کہ ”یہ لوگ شہیدوں، عابدوں، تہجد پڑھنے والوں سے افضل ہیں یہ لوگ سنت رسول اکرم ﷺ کو زندہ کر رہے ہیں اور جاہلوں کو جہل سے نکالنے میں کوشش کر رہے ہیں۔ (موفق ص ۲۳۹ ج ۱)
- ۲- فرمایا کہ ہم نے امام صاحب کے ساتھ تحصیل علم حدیث کی سعی کی مگر وہ ہم پر غالب ہو گئے، زہد میں سعی کی تو اس میں بھی وہ ہم سے بڑھ گئے، فقہ میں کوشش کی تو تم سب جانتے ہو کہ کیا کچھ ان کے کارنامے ہیں۔ (مناقب الامام للذہبی)
- ۳- ایک روز فرمایا کہ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان امام ابوحنیفہ کو وسیلہ بنائے گا اور ان کے مذہب پر چلے گا میں امید کرتا ہوں کہ اس کا کچھ خوف نہ ہوگا، پھر یہ اشعار پڑھے

حسبى من الخيرات ما اعدتہ يوم القيامة فى رضى الرحمان
دين النبى محمد خير الورى ثم اعتقادي مذهب النعمان
(حدائق ص ۷۹)

معمر بن راشد

جو اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں اور رئیس اصحاب حدیث تھے، کہا کہ جن لوگوں نے فقہ میں کلام و کوشش کی ہے ان میں سے کسی کو امام ابوحنیفہ سے بہتر نہیں جانتا۔ (حدائق ص ۷۸)

سہیل بن عبداللہ تستری

درمختار میں ہے کہ جرجانی نے مناقب نعمانیہ میں سہیل تستری سے روایت کی کہ ”اگر حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی امتوں میں امام ابوحنیفہ جیسا کوئی شخص غزیرا العلم، ثاقب الفہم، قائم بالصدق اور عارف بالحق ہوتا تو وہ یہودی یا نصرانی نہ ہوتے۔“ اس آخری جملہ کی وضاحت علامہ شامی نے یہ کی ہے کہ اپنے اپنے مذہب صحیح کی تعلیمات میں تحریف کر کے جو یہودیت و نصرانیت بنالی تھی اگر امام صاحب ایسے مجتہدان میں ہوتے وہ دین کے اصول و فروع کو ایسی طرح منضبط کر دیتے کہ تحریف نہ ہو سکتی۔

یہ قول بھی منقول ہے کہ اگر بنی اسرائیل میں ابوحنیفہ جیسا کوئی عالم ہوتا تو وہ گمراہ نہ ہوتے۔ (حدائق ص ۷۹)

محدث ابن السماک

کوفہ کے کبار اہل علم و واعظین سے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ کوفہ کے استاد چار ہیں، سفیان ثوری، مالک ابن مغول، داؤد طائفی (صاحب ابی حنیفہ) اور ابو بکر ہشلی اور یہ سب امام صاحب کی مجلس علمی کے بیٹھنے والے تھے اور سب نے امام صاحب سے حدیث کی روایت کی ہے۔ (موفق ص ۳۹ ج ۲)

حضرت ابن السماک بڑا پراثر و عظیم کہا کرتے تھے جس سے تمام سامعین روتے تھے اور رقت قلب و خوف و خشیت الہی کے اثرات لے کر ان کی مجلس و عظ سے اٹھا کرتے تھے، اور ان کا طریقہ تھا کہ وعظ کے بعد امام صاحب کیلئے دعا کرتے تھے اور سب حاضرین سے آمین کہلاتے تھے اور ان کو امام صاحب کی مجالست کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے، یہ ہارون رشید کے زمانہ تک زندہ رہے ہیں، ایک دفعہ خلیفہ مذکور کو بھی نصیحت اور تذکیر آخرت کی وہ بہت متاثر ہوا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ (موفق ص ۳۹ ج ۲)

علامہ ابن سیرین

مشہور و معروف عابد و زاہد اور علم تعبیر خواب کے بڑے عالم تھے، تاریخ ابن خلکان میں خطیب کی تاریخ سے نقل کیا کہ جب امام ابوحنیفہ نے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کھودنے کا خواب دیکھ کر ایک شخص کو ابن سیرین کے پاس تعبیر پوچھنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ اس خواب کا دیکھنے والا اس حد تک علم نبوت کو روشن و واضح کرے گا کہ اس سے پہلے کسی نے سبقت نہ کی ہوگی۔ (حدائق الحنفیہ ص ۷۶)

محدث شہیر شفیق بلخی

امام ابوحنیفہ علم الناس، عبدالناس، اکرم الناس اور دین میں بڑی احتیاط کرنے والے تھے۔ (حدائق ص ۷۶)

سفیان ثوری

کردری ص ۱۰ جلد ۲ بروایت عبداللہ بن مبارک۔

۱- بخدا امام ابوحنیفہ علم کے اخذ و تحصیل میں سخت مستعد اور منہیات کی روک تھام کرنے والے تھے، وہی حدیث لیتے تھے جو حضور ﷺ سے پایہ صحت کو پہنچ چکی ہو، نسخ و منسوخ کی پہچان میں قوی ملکہ رکھتے تھے، ثقہ اصحاب کی احادیث اور آخری فعل رسول ﷺ کی تحقیق و تلاش میں رہتے تھے، حق کی پیروی میں جس بات پر جمہور علماء، کوفہ کو متفق پاتے تھے اس سے تمسک کرتے تھے اور اسی کو اپنا دین و مذہب قرار دیتے تھے۔

کچھ لوگوں نے آپ پر بے جا طعن و تشنیع کی اور ہم نے بھی ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جس کی نسبت ہم خدا سے استغفار کرتے ہیں، بلکہ ہم سے بھی پہلے آپ کے حق میں کچھ الفاظ بیجا نکلے ہیں، ابن مبارک نے کہا مجھے امید ہے کہ خدا آپ کی اس خطا کو بخش دے گا۔ (کردری ص ۱۰ ج ۲ و خیرات ص ۳۲)

۲- ہم ابوحنیفہ کے سامنے ایسے تھے جیسے باز کے سامنے چڑیاں ہوتی ہیں اور امام ابوحنیفہ سید العلماء ہیں۔ (قلائد العقیان)

۳- امام نووی نے تہذیب الاسماء میں ابو بکر بن عیاش سے روایت کی کہ جب امام سفیان ثوری کے والد کا انتقال ہوا تو لوگ تعزیت کے لئے جمع ہوئے، جب امام ابوحنیفہ آئے تو امام سفیان ثوری اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور ان کو اپنی جگہ بٹھا کر خود ان کے سامنے بیٹھ گئے، جب لوگ چلے گئے تو امام سفیان کے اصحاب نے عرض کیا کہ آج ہم نے آپ کو عجیب بات کرتے دیکھا، آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اہل علم میں سے ایک شخص آیا، اگر میں اس کے علم کے لئے نہ اٹھتا تو اس کی عمر کے لئے اٹھتا، اگر اس کی عمر کے لئے بھی نہ اٹھتا تو اس کی فقاہت کے لئے اٹھتا اور اگر اس کی فقاہت کے لئے بھی نہ اٹھتا تو اس کی پرہیزگاری کے لئے اٹھتا۔ (حدائق ص ۷۷)

۴- خطیب بغدادی نے محمد بن بشر سے نقل کیا کہ میں ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے پاس جایا کرتا تھا، پس جب ابوحنیفہ کے پاس جاتا تو وہ پوچھتے کہاں سے آئے ہو؟ میں کہتا کہ سفیان کے پاس سے وہ فرماتے تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ اگر علقمہ و اسود بھی موجود ہوتے تو اس کے محتاج ہوتے اور جب میں سفیان کے پاس جاتا تو وہ پوچھتے کہاں سے آئے ہو؟ میں کہتا کہ ابوحنیفہ کے پاس سے وہ فرماتے کہ تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو ساری دنیا کے فقہاء سے فقہ میں بڑھ کر ہے۔ (حدائق ص ۷۸)

۵- عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز امام سفیان ثوری سے کہا کہ امام ابوحنیفہ غیبت سے کس قدر محتاط ہیں؟ کہ میں نے کبھی کسی دشمن کی غیبت کرتے ہوئے ان کو نہیں سنا، امام سفیان نے فرمایا واللہ وہ تو بہت بڑے عاقل ہیں، وہ کس طرح ایسی بات کر سکتے

ہیں جس سے ان کی نیکیاں دوسرے کے حوالہ ہو جائیں۔ (مناقب موفق ص ۱۹۰ ج ۱)

محدث ابو ضمیرہ

امام صاحب کا ذکر اچھائیوں کے ساتھ کرتے تھے اور فرماتے کہ بڑا تعجب اس سے ہے کہ اس قدر علمی مشاغل کے باوجود اتنی زیادہ عبادت کس طرح کرتے ہیں۔ (موفق ص ۳۳ ج ۲)

محدث عبدالعزیز بن ابی سلمۃ المباحثون

مدینہ طیبہ کے فقہاء و محدثین کبار میں سے تھے، امام زہری کے تلامذہ میں تھے اور ان کے تلامذہ لیث بن مہدی وغیرہ تھے، ابن سعد و ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے، ان کا ارشاد ہے کہ امام ابو حنیفہ مدینہ طیبہ آئے تو ہم نے ان کے مسائل میں ان سے لمبی مذاکرات کئے اچھے دلائل سے استدلال کرتے تھے اور ان کی رائے پر ہم عیب نہیں لگا سکتے کیونکہ ہم سب بھی تورائے سے استفادہ و استدلال کرتے ہیں۔ (موفق ص ۳۳ ج ۲)

محدث کبیر و شہیر حضرت مغیرہؓ

محدث جریر کا بیان ہے کہ حضرت مغیرہ مجھے تاکید کیا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ کی مجلسوں میں بیٹھا کرو، اگر ابراہیم نخعی (امام صاحب کے استاد) بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی ان کی مجلس میں بیٹھتے، ایک دفعہ فرمایا کہ امام صاحب کے حلقہ درس میں ضرور جایا کرو فقیہ بن جاؤ گے۔ ایک بار حضرت مغیرہ نے کوئی فتویٰ دیا، اس پر عمل کرنے میں لوگوں کو تامل ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ایسا ہی ابو حنیفہ بھی فرماتے تھے، دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت مغیرہ سے جب لوگ کوئی مسئلہ معلوم کرتے اور ان کے جواب پر معترض ہوتے تو حضرت مغیرہ فرمادیا کرتے تھے کہ یہی جواب تو ابو حنیفہ کا بھی ہے، معلوم ہوا کہ امام صاحب کا قول اس زمانہ میں بڑے بڑوں کے لئے سند ہوتا تھا۔ حضرت جریر ہی یہ بھی کہتے تھے کہ اگر میں کبھی امام صاحب کی مجلس میں نہ جاتا تو حضرت مغیرہ مجھے ملامت کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام صاحب کے ساتھ ہر وقت رہو اور ان کی مجلس سے کبھی غائب مت ہو کیونکہ ہم حضرت حماد کی مجلس میں بیٹھتے تھے تو ہم ان کے علوم سے اس قدر استفادہ نہ کر سکتے تھے، جس قدر امام صاحب کر لیتے تھے۔ (موفق ص ۳۵ ج ۲)

یہ وہی حماد ہیں جن کے اقوال سے امام بخاری استشہاد کرتے ہیں اور ان کی علمی عظمت و رفعت کے معترف ہیں، مگر آپ نے دیکھا کہ حضرت مغیرہ جیسے عالی حوصلہ اور بے نفس عالم بھی اسی دنیا میں ہو گزرے ہیں، اتنے بڑے محدث و مفتی اور اپنے وقت کے مرجع انام و مقتدا ہو کر بھی امام صاحب کے علم و فضل کا کس کس طرح اعتراف کر رہے ہیں نہ معاصرت کی چشمک ہے نہ حسد و عناد اور یہاں تک بھی کہہ دیا کہ امام حماد کے سب سے بڑے اور صحیح جانشین امام صاحب ہی تھے کہ ہمارے اور دوسرے شاگردوں کے لئے ان کے علوم کے وہ دروازے نہ کھل سکے جو ان کے لئے کھلے تھے۔

اس قسم کے اعتراف کی مثالیں خیر القرون کے علماء میں بہ کثرت ملتی ہیں، دور مابعد میں بہت کم ملتی ہیں۔

محمد بن سعدان

یزید بن ہارون کی مجلس میں یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، احمد بن حنبل، زہیر بن حرب اور ایک جماعت بیٹھی تھی کہ کسی شخص نے ایک مسئلہ دریافت کیا، یزید بن ہارون نے کہا کہ "اہل علم کے پاس جاؤ" اس پر ابن مدینی نے کہا کہ کیا اہل علم اور اہل حدیث آپ کے پاس نہیں بیٹھے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ اہل علم اصحاب ابو حنیفہؓ ہیں اور تم تو عطار ہو۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی

یہ وہم بھی نہ کرنا چاہئے کہ امام ابو حنیفہ علم فقہ کے سوا اور علوم نہیں جانتے تھے، حاشا للہ! وہ علوم شرعیہ تفسیر حدیث اور علوم عالیہ، ادیبہ، قیاس و علوم و حکمیہ کا ایک سمندر تھے، ان کے بعض مخالفوں کا قول اس کے خلاف ہے ان کا منشاء محض حسد اور اپنی برتری کی خواہش ہے، ہمیشہ علماء اور اہل حاجات امام ابو حنیفہ کی قبر کی زیارت کرتے اور مزار امام کو وسیلہ قضاء حاجات گردانتے تھے جن میں امام شافعی بھی تھے الخ (خیرات حسان ص ۶۹) علامہ موصوف کی کتاب ”الخیرات الحسان فی مناقب النعمان“ باوجود اختصار کے اعلیٰ ترین معلومات کا خزانہ ہے، امام صاحب کے علمی و عملی کمالات کے ہر قسم کے نمونے اس میں یک جا مل جاتے ہیں تھوڑے وقت میں امام صاحب کے تعارف کے لئے یہ مختصر کتاب بے نظیر و لا جواب ہے جس طرح مطولات میں مناقب امام اعظم للموفق و علامہ کروری مطبوعہ حیدرآباد، نہایت معتبر مفید و نایاب تحفہ ہے، ضرورت ہے ان دونوں کتابوں کے اردو ترجمے مع وضاحتی نوٹس شائع کئے جائیں۔ واللہ الموفق۔

علامہ ابن عبد البر مالکی

جو شخص فضائل صحابہ کرام و فضائل تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے فضائل و مناقب کا مطالعہ غور و فکر سے کرے گا اور ان کی بہترین سیرت و کردار سے واقف ہوگا تو وہ اس کو اپنا برگزیدہ عمل پائے گا، خدا ہم سب کو ان نفوس قدسیہ کی محبت سے نفع اندوز کرے۔

امام ثوری فرمایا کرتے تھے کہ ذکر صالحین کے وقت رحمت الہیہ متوجہ ہوتی ہے (اور جس شخص نے ان حضرات کے حالات میں سے صرف ان باتوں کو یاد کیا جو حسد، غصہ، خواہشات نفسانی یا کسی غلطی یا غلط فہمی سے ایک دوسرے کو کبھی گئی ہیں اور ان کے فضائل و مناقب کو نظر انداز کیا وہ شخص توفیق الہی سے محروم ہوا، نسبت میں داخل ہوا اور صحیح راستہ سے بھٹک گیا، خدا ہمیں اور تمہیں ان لوگوں میں سے کرے جو باتیں سب کی سنتے ہیں مگر اتباع صرف اچھی باتوں کا کرتے ہیں، ہم نے اس باب کو حدیث صحیح دب الیکم داء الامم قبلکم الحسد و البغضاء سے شروع کیا تھا جس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے اندر بھی پہلی امتوں کی بیماری ضرور گھس کر رہے گی جو حسد و بغض ہے۔

ہم نے اپنی کتاب تمہید میں حدیث لا تحاسد و لولا تقاطعو (نہ آپس میں ایک دوسرے پر حسد کرو اور نہ آپس کے تعلقات کو قطع کرو) کے تحت اس حدیث کی بھی اچھی طرح تشریح کی ہے اور بہت سے لوگوں نے نظم و نثر میں حسد کی برائی بیان کی ہے۔

امام یحییٰ بن معین

مشہور و معروف محدث اور رجال کے بڑے عالم تھے، امام بخاری وغیرہ کے استاد ہیں اور النجوم الزاہرہ کی روایت سے یہ بھی نقل ہے کہ امام بخاری فرماتے تھے کہ میں نے اپنے آپ کو سوائے یحییٰ بن معین کے کسی کے سامنے حقیر نہیں سمجھا، کسی نے ان سے پوچھا کہ کسی شخص کے پاس حدیث لکھی ہوئی ہے مگر اب وہ اس کے حافظہ میں محفوظ نہیں رہی کیا اس تحریر پر بھروسہ کر کے اس کی روایت کر سکتا ہے؟

فرمایا، امام ابو حنیفہ تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ صرف وہی حدیث تم بیان کر سکتے ہو جس کو اچھی طرح پہچانتے ہو اور وہ تمہارے حافظہ میں بھی اول سے آخر تک محفوظ رہے۔ (موفق ص ۱۹۳ ج ۱) (یعنی اگر درمیانی مدت میں کسی وقت میں حافظہ سے نکل گئی اور ذہول ہو گیا تو اس کو روایت کرنے کا حق نہیں رہا)۔

روایت حدیث میں امام صاحب کا یہ خاص ورع و تشدد تھا جو دوسرے محدثین کے یہاں نہیں تھا، پھر بھی امام یحییٰ امام صاحب ہی کے

قول سے استناد کر رہے ہیں، کیونکہ امام صاحب کے علم اور فضل و کمال سے غیر معمولی طور پر متاثر ہیں۔
فرمایا کہ میں نے وکیع سے زیادہ افضل کسی کو نہیں دیکھا اور وکیع امام ابوحنیفہ کے اقوال پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور امام صاحب سے بہت
ساعلم حاصل کیا تھا۔ (یعنی ص ۵۶۳ ج ۱)

محدث حسن بن عمارہ

۱- ایک دفعہ امیر کوفہ نے علماء کوفہ کو جمع کیا اور ایک مسئلہ میں سب سے سوال کیا سب نے جوابات دیئے اور سب نے بالاتفاق مان لیا
کہ امام ابوحنیفہ کا جواب زیادہ صحیح ہے امیر نے بھی اس کو تسلیم کر لیا اور حکم دیا کہ اسی کو لکھ لیا جائے، لیکن امام صاحب نے فرمایا کہ ہم سب کے
جوابات و آراء میں کچھ نہ کچھ غلطی ہے اور میرے نزدیک سب سے بہتر اور صحیح تر جواب حسن بن عمارہ کا ہے۔
حسن بن عمارہ نے کہا کہ مجھے امام صاحب کے اس فرمانے سے بڑا تعجب ہوا کیونکہ وہ مجلس حاکم وقت کی اور مجلس فاخرت تھی ہر شخص چاہتا
تھا کہ میری بات اونچی ہو اور امام صاحب اگر چاہتے تو اپنی قوت استدلال سے بھی میری بات کو گرا کر اپنی بات اونچی کر سکتے تھے مگر انہوں نے
کسی چیز کی پروا نہیں کی اور میری بات کو ایسے موقعہ پر حق بتلایا، اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ ان سب میں وہی سب سے زیادہ باورع ہیں۔
اس سے پہلے حسن بن عمارہ بھی امام صاحب سے کچھ بدظن تھے اور کسی موقعہ سے کچھ برائی بھی کر دیا کرتے تھے، مگر اس واقعہ کے بعد
ہمیشہ امام صاحب کی غیر معمولی مدح و ثنا کرتے تھے۔

محمد بن خزیمہ نے کہا کہ اسی وجہ سے اصحاب حدیث حسن بن عمارہ کی تصنیف کرنے لگے کیونکہ وہ امام صاحب کی طرف مائل ہو گئے
تھے اس واقعہ کے ساتھ یہ بھی نقل ہے کہ نہ صرف حسن بن عمارہ کے دل میں امام صاحب کی عزت بڑھی بلکہ دوسرے لوگوں کا رجحان بھی ان کی
طرف بڑھ گیا۔ (موفق ص ۱۹۶ ج ۱)

۲- حماد بن الامام کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے والد (امام صاحب) اور حسن بن عمارہ کہیں ساتھ جا رہے تھے پل پر پہنچے تو میرے
والد نے ان سے کہا کہ آپ آگے بڑھیں! انہوں نے کہا کہ میں آگے نہیں بڑھوں گا، آپ ہی بڑھیں کیونکہ آپ ہم سب سے زیادہ افتخار، علم و
افضل ہیں۔ (موفق ص ۳۷ ج ۲)

علی بن المدینی م ۲۳۴ھ

امام بخاری کے استاد کہا کہ ابوحنیفہ سے سفیان ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن العوام اور جعفر بن عون نے (جو سب
کے سب پیشوائے محدثین اور ائمہ صحاح ستہ کے روات ہیں) روایت حدیث کی ہے اور وہ ثقہ ہیں، کوئی عیب ان میں نہیں۔ (خیرات ص ۷۴)

عبید بن اسباط م ۲۵۰ھ

ترمذی واہن ماجہ کے شیوخ میں ہیں، کہا کہ امام ابوحنیفہ سید الفقہاء تھے اور ان کے دین میں جو نکتہ چینی کرے وہ حاسد یا شریر ہوگا۔ (موفق ص ۴۲ ج ۲)

عبدالعزیز بن ابی رواد م ۱۵۹ھ

امام بخاری اور سنن اربعہ کے اعلیٰ شیوخ میں ہیں، کہا کہ جو شخص امام ابوحنیفہ سے محبت رکھتا ہو وہ سنی ہے اور جو بغض رکھتا ہو وہ مبتدع
ہے، ایک دفعہ کہا کہ امام ابوحنیفہ ہمارے اور لوگوں کے درمیان ہیں جو ان سے محبت کرے گا ہم اس کو اہل سنت سمجھتے ہیں اور جو ان سے بغض
رکھتا ہے ہم اس کو اہل بدعت قرار دیں گے۔

محدث سعید بن ابی عمرو

بصرہ کے امام حلیل، حفظ وفقہ، دیانت وزہد کے لحاظ سے وہاں کے مفاخر میں سے تھے، امام صاحب سے بہت محبت کرتے تھے اور امام صاحب ان کے پاس کوفہ سے ہدایا بھیجا کرتے تھے جن پر وہ فخر کیا کرتے تھے۔

کوفہ آتے تو امام ابو یوسف کہتے ہیں میں بھی ان سے ملتا تھا، ایک روز کہنے لگے کہ میں امام صاحب کے پاس آتا جاتا ہوں، علمی مذاکرات کرتا ہوں، ابو یعقوب! تم جو علمی و تحقیقی لحاظ سے ٹھوس پختہ باتیں کرتے ہو شاید یہ سب امام صاحب ہی سے استفادہ کے باعث ہیں؟ میں نے کہا ہاں! ایسا ہی ہے کہنے لگے کہ ان کا طرز تحقیق کتنا اچھا ہے؟

پھر مجھے معلوم ہوا کہ وہ امام صاحب سے بہت سے اہم مسائل میں گفتگو کرتے رہے اور امام صاحب سے کہا کہ جو کچھ علمی تحقیقات ہم نے بہت سے لوگوں سے الگ الگ حاصل کی تھیں ان سب کو آپ کے پاس یک جا پایا۔ (موفق ص ۴۴ ج ۲)

محدث عمرو بن حماد بن طلحہ

جس مجلس میں امام ابو حنیفہ ہوتے تھے بات کرنے کا حق ان ہی کا سمجھا جاتا تھا اس لئے جب تک آپ موجود رہتے تھے کوئی دوسرا بات نہ کرتا تھا۔ (موفق ص ۴۲ ج ۲)

محدث عبید بن اسحاق

امام ابو حنیفہ سید الفقہاء تھے، ان کے دین و دیانت پر صرف گیری کرنے والے یا حاسد تھے یا شریک۔ (موفق ص ۴۱ ج ۲)

محدث یوسف بن خالد سمی

کبار مشائخ حدیث میں سے تھے، امام اعظم کے شاگرد اور امام شافعی وغیرہ اکابر ائمہ و محدثین کے استاد تھے ان کا بیان ہے کہ میں بصرہ میں تھا عثمان بنی کی خدمت میں جایا کرتا تھا اپنے دل میں خیال کیا کرتا تھا کہ میں اب کمال کی انتہاء تک پہنچ گیا اور علم سے حظ وافر حاصل کر لیا ہے، امام ابو حنیفہ کے علم وفقہ کا شہرہ تھا، میں نے بھی سفر کیا اور ان کی خدمت میں پہنچا کہ آپ کے اصحاب و تلامذہ بھی حاضر تھے، ان کی علمی موشگافیاں سنیں، ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میرے چہرہ پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا وہ اٹھ گیا اور گویا ان سے پہلے میں نے علمی باتیں سنی ہی نہ تھیں، پھر تو میں نے اپنے آپ کو بہت حقیر سمجھا اور اپنے علم کا سابق غرور ختم ہو گیا یہ بھی فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ ایک سمندر تھے جس کا پانی ختم نہیں کیا جاسکتا اور ان کی عجیب شان تھی میں نے تو ان جیسا نہ سنا نہ دیکھا۔

ہیان بن بسطام

امام اہل ہرات، امام صاحب کی خدمت میں ۱۲ سال رہے، ان کا قول ہے کہ میں نے کوئی عالم فقیہ امام صاحب سے زیادہ عبادت گزار نہیں دیکھا۔

کہا کہ میں نے خواب دیکھا گویا قیامت قائم ہو گئی اور امام صاحب کو دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک جھنڈا ہے جس کو وہ اٹھائے ہوئے کھڑے ہیں میں نے عرض کیا کہ آپ کیوں کھڑے ہیں، فرمایا اپنے ساتھیوں کا انتظار کر رہا ہوں، ان کے ساتھ جاؤں گا، میں بھی کھڑا ہو گیا پھر دیکھا کہ ایک بہت بڑی تعداد لوگوں کی آپ کے پاس جمع ہو گئی اور آپ چلے گئے ہم بھی آپ کے پیچھے ہو لیے۔

کہتے ہیں کہ یہ خواب میں نے امام صاحب کی خدمت میں ذکر کیا تو آپ رو پڑے اور دعا کی کہ بار اٹھا! ہماری سب کی عاقبت بخیر کیجیو! (مناقب کردری ص ۱۱۴ ج ۲)

علامہ تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن تیمیہؒ

اپنی تالیفات میں امام اعظم ابوحنیفہ کا نام اہمیت و عظمت کے ساتھ لیتے ہیں اور جب کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں تو ائمہ متبوعین کے مذاہب ذکر کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر امام اعظم کا مذہب اول ذکر کرتے ہیں ان کے بعد امام مالک و شافعی و احمد کا بہت سی جگہ امام صاحب کے مذہب کو قرآن و حدیث کی روشنی میں ترجیح بھی دیتے ہیں۔

نہ صرف امام صاحب کے اقوال نقل کرتے ہیں بلکہ امام ابو یوسف، امام محمد و سفیان، بن عیینہ وغیرہ اصحاب و تلامذہ امام اعظم کے اقوال و آراء بھی بطور استناد و استشہاد پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو مجموعہ رسائل کبریٰ مطبوعہ عادہ شرقیہ مصر ص ۴۲۵ و ص ۴۳۶ اور ص ۴۳۷ ج ۱ پر یہ بھی بتلایا کہ امام محمد نے ان عقائد کو امام ابوحنیفہ و امام مالک اور ان کے طبقہ کے دوسرے علماء سے اخذ کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے کتاب مذکور کے پہلے رسالہ ”الفرقان بین الحق والباطل“ میں فرق باطلہ خوارج، شیعہ، معتزلہ، قدریہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے پھر مرجعہ کا ذکر کیا اور کہا کہ اس فرقہ کے لوگ اکثر اہل کوفہ تھے لیکن حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور ابراہیم نخعی وغیرہ کے اصحاب و تلامذہ کا اس فرقہ مرجعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا البتہ معتزلہ و خوارج کے مقابلہ میں ان حضرات نے اعمال کو جزو ایمان قرار دینے کے خلاف پر زور دیا، کیونکہ خوارج مرتکب کبائر اہل اسلام کی تکفیر کرتے تھے اور ان کو مغلدنی النار کہتے تھے، معتزلہ نے ایک مرتبہ درمیانی نکالا کہ ایسے لوگ نہ مومن ہیں نہ کافر، اس لئے خوارج کی طرح وہ اسے مسلمانوں کو قتل کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

غرض ان دونوں باطل فرقوں کے مقابلہ میں مرجعہ اہل سنت نے کہا کہ اہل کبائر کو آخرت میں عذاب ہوگا لیکن وہ مغلدنی النار نہ ہوں گے بلکہ وہ شفاعت سے دوزخ سے نجات حاصل کر لیں گے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اس جگہ پر بھی تصریح کی کہ ان فرقہ باطلہ کی وجہ سے اس نظریہ کو کسی قدر نئے قالب میں پیش کیا گیا، لہذا یہ بہت ہلکی بدعت تھی بلکہ اس کے خلاف جن لوگوں نے کہا کہ ان دونوں میں اختلاف اسی و لفظی تھا حکمی و حقیقی نہ تھا کیونکہ جن فقہاء کی طرف قول مذکور منسوب ہے مثلاً امام حماد بن ابی سلیمان (استاد امام اعظم) اور امام ابوحنیفہ وغیرہ سب اہل سنت کے عقائد کے ساتھ پوری طرح متفق ہیں ان کی رائے درحقیقت الگ نہیں ہے وہ حضرات بھی دوسرے تمام اہل حق کی طرح یہ کہتے ہیں کہ اہل کبائر کو عذاب غیر مغلد ہوگا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے، وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ایمان صرف فعل قلبی نہیں بلکہ زبان سے بھی اقرار ضروری ہے، یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اعمال مفروضہ کی ادائیگی واجب و لازم ہے اور ان کا ترک کرنے والا دنیا میں ملامت اور آخرت میں عذاب کا مستحق بنتا ہے۔

غرض اعمال جزو ایمان ہیں یا نہیں یا استثناء وغیرہ کے مسائل میں جو کچھ بھی اختلاف ہے وہ نزاعی لفظی ہے، پھر ایک صفحہ کے بعد علامہ نے فرمایا کہ خلاصہ بحث یہ ہے کہ جن اکابر پر ارجاء کی تہمت لگی ہے ان کا ارجاء اسی نوع کا ہے (مجموعہ رسائل کبریٰ ص ۲۸، ۲۹ و ۱)

البتہ ایک فرقہ مرجعہ اہل ابدعت کا بھی تھا جو اس امر کا قائل تھا کہ اعمال مفروضہ کے ترک سے ایمان کو ضرر لاحق نہیں ہوتا، ان کا قول غیر مقبول ہے نہ وہ لوگ اہل سنت تھے۔

ص ۳۵ پر فرمایا کہ ”اوپر جو نزاع ذکر ہوا وہ اہل علم و دین میں اسی قسم کا ہے جیسے بہت سے احکام میں ہوا ہے حالانکہ وہ سب ہی اہل ایمان و اہل قرآن میں ہیں۔“

یہاں ہم نے علامہ ابن تیمیہ کی عبارات اس لئے پیش کی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ بعض محدثین امام بخاری وغیرہ نے جو امام صاحب وغیرہ کو مرجح کہہ کر تضعیف کی یا امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے اپنی کتاب میں ایسے رواۃ سے روایت نہیں کی جو اعمال کو جزو ایمان نہیں کہتے تھے، یہ ان کا محض تشدد یا تعصب تھا یا بقول علامہ ابن تیمیہ ایک اسی لفظی نزاع کو حقیقی و حکمی نزاع بنا دیا تھا جس سے اہل سنت، اہل ایمان و قرآن ہی بے وجہ دو ٹولی بن گئے، اسی طرح امام بخاری نے امام محمد کو جہنمی کہہ دیا اور علامہ ابن تیمیہ نے اسی مجموعہ رسائل کے ص ۶۳۶ ج ۱ میں امام محمد سے ہی روایت پیش کی ہے وہ جمعی عقائد والے کو خارج ملت قرار دیتے تھے۔

افسوس آج علامہ ابن تیمیہ کے خاص متبعین اہل حدیث حضرات امام بخاری وغیرہ کے اقوال کو شائع کر کے امام صاحب وغیرہ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

علامہ ابن تیمیہ نے مجموعہ رسائل مذکورہ کے ص ۳۷۳ و ۳۷۴ ج ۲ میں یہ بحث بھی صاف کر دی ہے کہ مشہور اختلافی مسائل میں اختلاف صرف افضلیت و استحباب یا راجح مرجوح کا ہے، مثال کے طور پر بتلایا کہ۔

۱- قرأت فاتحہ نماز جنازہ میں بہت سے سلف سے ماثور نہیں ہے اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ و مالک کا بھی ہے، پھر قائلین میں سے بعض وجوب کے قال ہوئے اور بعض صرف استحباب کے اور یہی استحباب کا قول اعدل اقوال ہے کیونکہ سلف سے پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں ہی منقول ہیں۔

۲- پھر بسم اللہ بھی اسی طرح ہے کہ سلف میں نماز جہر بسم اللہ کے ساتھ بھی تھی اور بغیر جہر کے بھی۔

۳- رفع یدین بھی بعض سلف سے منقول ہے اور بغیر رفع کے بھی سلف میں نماز پڑھتے تھے۔

۴- امام کے پیچھے قرأت کرتے بھی تھے اور نہیں بھی کرتے تھے۔

۵- نماز جنازہ میں کبھی تکبیر کہتے تھے کبھی پانچ اور چار بھی ثابت ہیں۔

۶- اذان میں بھی ترجیح اور غیر ترجیح دونوں ثابت ہیں جس طرح اقامت میں شفع و ایتاردونوں ثابت ہیں یہ سب امور نبی اکرم ﷺ

اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ماثور ہیں اور ان میں سے ہر امر کو مصلحت راجح کی وجہ سے راجح اور خلاف کو مرجوح کہہ سکتے ہیں اور جس پر بھی کوئی عمل کرے گا اس کو بلا تکبیر درست کہا جائے گا۔

آگے امام بخاری کے حالات میں تالیفات امام بخاری کے ضمن میں معلوم ہوگا کہ رسائل رفع یدین و قرأت خلف الامام میں غیر قائلین رفع و قرأت کے لئے انہوں نے کیسے کیسے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں، یہاں آپ نے دیکھا کہ علامہ ابن تیمیہ نے اس قسم کے تمام مسائل میں اختلاف کو معمولی اختلاف افضلیت و استحباب کا قرار دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے جیسا کہ ہمارا کاروا سلاف نے تصریحات کی ہیں، اور حضرت الاستاد الامام شاہ صاحب قدس سرہ کا رسالہ فصل الخطاب اور نیل الفرقین پڑھ کر بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے مگر غیر مقلدین ایسے مسائل میں امام بخاری وغیرہ کی آڑ لے کر اپنی عدم تقلید کے لئے فضا ہموار کرتے رہتے ہیں ان کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ حقائق کیا ہیں یا خود ان کے مسلم اکابر علامہ ابن تیمیہ وغیرہ نے کیا تحقیق کی ہے۔

ص ۲۳۰ ج ۲ میں استحالہ سے طہارت نجاست کے مسئلہ میں علامہ نے فرمایا کہ اس میں اختلاف مشہور ہے امام مالک و امام احمد سے دو قول ہیں طہارت بھی اور عدم طہارت بھی، امام شافعی عدم طہارت کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہ طہارت کے قائل ہیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ نجاست جب نمک یا راکھ بن گئی تو اس کی حقیقت، نام، صفت وغیرہ سب چیزیں بدل گئیں پھر حکم کیوں نہ بدلے گا لہذا آگے اس کی مزید وضاحت کی ہے۔ ان فی ذالک لذكری لمن كان له قلب او القى السمع وهو شهيد۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب

امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ میں سب سے اعلم تھے، یہاں تک کہ امام شافعی نے کہا کہ ”سب لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے عیال ہیں“۔ (عقد الجید) جس طرح امام سیوطی شافعی اور علامہ ابن حجر مکی شافعی وغیرہ بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ حدیث لو کان العلم بالشریاء لتنا ولہ اناس من ابناء فارس (مسند احمد ص ۲۹۶ ج ۲ کا اولین مصداق ابوحنیفہ ہی کی ذات گرامی ہے اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس حدیث کا مصداق امام صاحب ہی کو قرار دیا ہے، چنانچہ ان کے مکتوبات میں ہے کہ۔

”ایک روز اس حدیث پر ہم نے گفتگو کی کہ ایمان اگر ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اہل فارس کے کچھ لوگ یا ان میں کا ایک شخص اس کو ضرور حاصل کر لیتا، فقیر (شاہ صاحب) نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اس حکم میں داخل ہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے علم فقہ کی اشاعت آپ ہی کے ذریعہ کرائی اور اہل اسلام کی ایک جماعت کو اس فقہ کے ذریعہ مہذب کیا، خصوصاً اس اخیر دور میں کہ دولت دین کا سرمایہ یہی مذہب، سارے ملکوں اور شہروں میں بادشاہ حنفی ہیں، قاضی حنفی ہیں، اکثر درس علوم دینے والے علماء اور اکثر عوام بھی حنفی ہیں“۔ (کلمات طیبات یعنی مجموعہ مکاتیب شاہ صاحب وغیرہ مجتہبائی ص ۱۶۸)

مجدوالدین فیروز آبادی

قاموس کے باب الفاظ میں لکھا ہے کہ ابوحنیفہ بیس ۲۰ فقہا کی کنیت ہے لیکن ان میں سے بہت زیادہ مشہور امام الفقہاء نعمان ہیں۔ (حدائق ص ۷۸)

نقد و جرح

امام اعظم کے حالات و سوانح حیات، کچھ مادحین کے اقوال بیان ہو چکے، بڑے لوگوں کے جہاں مدح و ثناء کرنے والے اور متبعین و حلقہ بگوش ہوتے ہیں، کچھ حاسدین، معاندین یا غلط فہمی کی بناء پر مخالفت کرنے والے بھی ہوتے ہی، بڑوں کے مرتبے جہاں ان کے ذاتی کمالات و خصوصی فضائل و مناقب سے بلند ہوتے ہیں، غیروں کی بدگوئی اور دل آزاریوں پر صبر کرنے سے بھی ترقی پاتے ہیں، پھر صبر کے بھی بقدر مراتب درجات ہیں، حضرت عبداللہ بن مبارک نے ایک دفعہ اپنے شفیق استاد سفیان ثوری سے عرض کیا کہ امام صاحب کس قدر محتاط ہیں کہ کبھی کسی دشمن کی بھی غیبت نہیں کرتے تو سفیان نے فرمایا! ”بھائی! ان کا درجہ اس سے بہت بلند ہے“۔

آپ نے دیکھا کہ امیر المؤمنین فی الحدیث بڑوں کے بھی بڑے امام جلیل القدر نے اظہار تعجب کیسے کیا، ظاہر ہے کہ وہ خود اپنے وقت کے ولی کامل تھے، انہوں نے دیکھا ہوگا کہ پانی سر سے اتر گیا ہے، کہنے والوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی لیکن امام اعظم اس سے ذرا بھر بھی متاثر نہیں ہوئے، نہ کسی کا جواب دیتے ہیں، نہ کبھی کسی دشمن و بدخواہ کی برائی کرتے ہیں، اتنا بڑا ظرف عالی یقیناً قابل تعجب ہے، مگر جواب دینے والے کا کمال اور بھی زیادہ ہے جس نے اپنے چہار حرقی جواب ”ہو ابل من ذلک سے بتلایا کہ امام صاحب جس مرتبہ پر ہیں اسکی رو سے تعجب میں پڑنے کی ضرورت نہیں، یہ گویا اس طرف اشارہ تھا کہ امام صاحب اعلیٰ علیین کے رجال میں سے ہیں ایسے لوگوں کا حال ایسا ہی ہوا کرتا ہے، غرض! بات دونوں ہی اماموں کی بہت اونچی ہے۔

۱۔ جعفر بن الحسن کا بیان ہے کہ میں نے ابوحنیفہ کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ خدا نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا کہ بخش دیا، میں نے کہا کہ علم و فضل کے طفیل میں؟ فرمایا نہیں، فتویٰ تو بڑی ذمہ داری کی چیز ہے، میں نے کہا پھر؟ فرمایا لوگوں کی ناحق نکتہ چینیوں کے طفیل جو لوگ مجھ پر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی جانتا تھا کہ وہ مجھ میں نہ تھیں (جامع بیان العلم)

حضرت امام محمدؐ کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا گیا، پوچھا کیا معاملہ ہوا، فرمایا خدا نے بخش دیا اور فرمایا کہ ”اگر مجھے تم کو عذاب دینا ہوتا تو اپنا علم تمہارے سینہ میں نہ رکھتا، پوچھا امام ابو یوسف کس حاصل میں ہیں فرمایا کہ وہ مجھے سے ایک دو درجہ اوپر ہیں۔ پوچھا امام اعظم ابو حنیفہ کہاں ہیں؟ فرمایا ان کا تو کہنا ہی کیا وہ (ہم سے بہت اوپر) اعلیٰ علیین میں ہیں۔

اسی لئے امام ناقدین رجال حضرت یحییٰ بن معین فرمایا کرتے تھے کہ ”ہم لوگ آج ان حضرات پر نقد و جرح کر رہے ہیں جو ہم سے برسہا برس پہلے جنت میں ڈیرے خیمے نصب کر چکے ہیں۔“

امام صاحب پر نقد و جرح بھی اسی قبیل سے ہے اس لئے اس کا مستقل تذکرہ اور جواب دہی بھی چنداں ضروری معلوم نہیں ہوتی مگر چند ضروری باتیں بطور تکمیل تذکرہ لکھی جاتی ہیں۔ وبیدہ التوفیق و منه السداد۔

۱۔ قلت حدیث

امام صاحب کے حق میں یہ طعنہ بہت پرانا ہے، امام بخاری نے اپنے استاد حمیدی سے نقل کر دیا کہ امام صاحب نے چار سنتیں ایک حجام سے حاصل کی تھیں اور صرف اتنے مبلغ علم حدیث پر ان کو لوگوں نے امام و مقلد بنا لیا خود امام بخاری نے اپنی تاریخ میں تحریر فرمادیا کہ ”سکتوا عن رأیہ و حدیثہ امام صاحب کی رائے اور حدیث سے لوگوں نے سکوت کیا ہے (یعنی رائے بے وزن اور حدیث بوجہ قلت یا ضعف ناقابل ذکر پائی) لیکن انصاف کی دہائی!! امام صاحب کو مجتہد بلکہ امام المجتہدین سب ہی نے تسلیم کیا ہے تو کیا کوئی مجتہد بغیر پوری مہارت علوم قرآن و حدیث کے مجتہد ہو سکتا ہے؟ بلکہ آئمہ اصول حدیث نے تو لکھا ہے کہ مجتہد کا آثار، تاریخ، لغت اور قیاس میں بھی ماہر و کامل ہونا ضروری ہے، ہم امام صاحب کے مناقب کے ذیل میں امام صاحب کے علم حدیث پر کافی لکھ آئے ہیں اور دراسات اللیب میں شیخ معین سندھی نے فرمایا۔

”میں حیرت میں ہوں کہ امام اعظم ابو حنیفہ کی طرف جو خدائے عظیم کی طرف سے علوم عقلیہ و نقلیہ کے اونچے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ تھے امام بخاری جیسے کی طرف سے ار جاء کی تہمت مان لوں جب کہ ار جاء کا بطلان اور خلاف کتاب و سنت و اجماع ہونا بلکہ اس کا بطلان ضروریات دین میں سے ہونا اور اس کے قائل کی حماقت و بے عقلی مثل سوفطانیوں کی حماقت و بے عقلی کے ظاہر و باہر ہے، لیکن خدا کی تقدیر اسی طرح تھی، چار و ناچار اس کا ظہور ہوتا، ہم خدا کی تقدیر و قضاء پر راضی ہیں، لیکن بات وہی قابل اتباع ہے جو حق و صواب ہے، باقی رہا امام بخاری کا امام صاحب کے حق میں سکتوا عن رأیہ و حدیثہ کہنا تو اتنا اعتراف ان کا بھی ہے کہ کبار سلف میں سے عباد بن العوام، ابن مبارک، ہشیم، کعب، مسلم بن خالد، ابو معاویہ مقری وغیرہ شیوخ بخاری جیسے آئمہ حدیث نے امام صاحب سے روایت حدیث کی ہے اور دوسرے حضرات نے تو سینکڑوں کی تعداد میں امام صاحب سے سماع حدیث کرنے والے گنائے ہیں اور امام صاحب کی رائے کو اخذ کرنے والوں سے تو دنیا بھری ہوئی ہے، حتیٰ کہ کچھ ملک تو ایسے ہیں کہ امام صاحب کے مذہب کے سوا دوسرا مذہب ہی وہاں رائج نہ ہوا، پھر میں نہیں سمجھتا کہ امام صاحب کی رائے سے سکوت کرنے والے ان کی رائے پر عمل کرنے والوں کے مقابلہ میں کتنے نفر ہیں؟ بہت ہوئے تو ایک قطرہ کے برابر بہ نسبت سمندر کے جو شخص عقد الجمان فی مناقب النعمان میں ان کا شمار پڑھے گا وہ ہمارے اس بیان کی تصدیق کرے گا۔“ (دراسات طبع جدید کراچی ص ۴۵۲)

۱۔ مسعر بن کدام (تلمیذ امام اعظم) طبقہ کبار تبع تابعین میں سے بڑے پایہ کے حافظ حدیث تھے، سفیان ثوری جیسے حافظ حدیث ان کے تلامذہ میں ہیں، جب حافظ حدیث امام شعبہ اور سفیان ثوری میں کوئی اختلاف ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ چلو! مسعر کی خدمت میں جا کر فیصلہ کرائیں، امام نووی شارح مسلم نے لکھا کہ آپ سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کے جو مجتہد اور استاد الحدیث تھے، استاد ہیں، آپ کی جلالت قدر، حفظ و اتقان متفق علیہ ہے، اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ کبار میں ہیں احد الاعلام اور مرجع آئمہ محدثین تھے، حفاظ ذہبی نے لکھا ہے کہ یہی امام مسعر کہتے تھے کہ ہم نے حدیث فقہ اور زہد میں امام صاحب سے آگے بڑھنے کی سعی کی مگر وہ ان سب چیزوں میں ہم سے آگے بڑھ گئے، کیا اس سے بڑھ کر بھی امام صاحب کیلئے حدیث دانی کی کسی اور شہادت کی ضرورت ہے۔

۲- ارجاء

ابھی اوپر صاحب دراسات نے واضح کیا کہ امام صاحب کی طرف ارجاء کی نسبت قطعاً غلط ہے البتہ ارجاء سنت کی نسبت صحیح ہو سکتی ہے، لیکن وہ عیب نہیں بلکہ خوارج و معتزلہ کے مقابلہ میں ارجاء سنت ہی تمام اہل حق کا مسلک ہے اور وہ قرآن و سنت سے ثابت ہے، تمہید ابو الشکور میں ہے کہ مرجعہ کی دو قسم ہیں ایک مرجعہ مرحومہ جو صحابہ کرام کی جماعت ہے اور دوسری قسم مرجعہ ملعونہ کی ہے جو کہتے ہیں کہ معصیت سے کوئی ضرر نہیں اور گنہگار کو عذاب نہ ہوگا، یہی تفصیل عقائد میں ملتی ہے، جس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں، اور مزید شرح بخاری میں آئے گی، ان شاء اللہ۔

۳- قلت حفظ

امام دارقطنی کی طرف منسوب ہے کہ امام صاحب کو سیء الحفظ کہا اس کا مفصل جواب تو علامہ عینی وغیرہ نے دیا ہے، مختصر یہ ہے کہ اول تو امام دارقطنی خود بھی اپنی سنن میں امام صاحب سے روایت کرتے ہیں جو ان کے حافظہ پر اعتماد کی بڑی دلیل ہے، دوسرے یہ کہ امام صاحب کا حافظہ تو ضرب المثل تھا، ان کو سیء الحفظ کہنا ”برعکس نہند نام زنگی کا فور“ کا مصداق ہے، حافظ ذہبی نے امام صاحب کا شمار حفاظ حدیث میں کیا ہے اور امام صاحب کی شرط روایت حدیث سب سے زیادہ سخت تھی کہ جس وقت سے حدیث سنی ہو وقت روایت تک کسی وقت میں بھی وہ ذہن سے نہ نکلی ہو، اتنی کڑی شرط امام بخاری وغیرہ کے یہاں بھی نہیں ہے، پھر امام صاحب کے حافظہ کی تعریف کرنے والے امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ جیسے ہیں جو اصحاب ستہ کے شیوخ کبار میں تھے، امام احمد ان کو رجال و حدیث کا امام بتلاتے تھے اور سفیان پر بھی ترجیح دیتے تھے، امام حماد بن زید فرمایا کرتے تھے کہ جب امام شعبہ میری موافقت میں ہوں تو مجھے کسی کی مخالفت کی پروا نہیں، امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا فروغ نہ ہوتا، امام سفیان کو شعبہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو فرمایا کہ ان کے ساتھ علم حدیث رخصت ہوا۔

صالح جزرہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے رجال حدیث پر امام شعبہ نے کلام کیا پھر امام قطان نے پھر امام احمد اور امام یحییٰ بن معین نے غرض یہ امام شعبہ امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”واللہ! امام ابو حنیفہ اچھی سمجھ اور جید حفظ والے تھے، لوگوں نے ان پر تہمتیں لگائیں کہ خدا ہی ان کو خوب جانتا ہے، واللہ وہ لوگ اس کے نتائج خدا کے یہاں دیکھ لیں گے۔“

امام صاحب بڑے جید حافظ قرآن تھے، تیس سال تک ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا ہے، بیت اللہ میں ایک دفعہ داخل ہوئے تو ایک پیر پر دوسرا پیر رکھ کر کھڑے ہوئے اور نصف قرآن مجید ایک رکعت میں پڑھا پھر اسی طرح دوسرے پیر پر باقی نصف کو ختم کیا اور فرمایا کہ ”بار اللہ! نہ میں تجھ کو پہچان سکا جیسا کہ پہچانا چاہئے، نہ تیری عبادت ہی کا حق ادا ہو سکا، بیت اللہ کے گوشہ سے جواب ملا کہ تم نے اچھی معرفت حاصل کی اور عبادت بھی اخلاص سے کی، ہم نے تمہیں بخش دیا اور ان کو بھی جو قیامت تک تمہارے مذہب پر چلیں گے۔ (کردری ص ۵۵ ج ۱)

جس جگہ آپ کی وفات ہوئی صرف اسی جگہ سات ہزار قرآن مجید ختم کئے، ہر روز ایک ختم کے عادی تھے اور ماہ رمضان میں عید کی رات اور عید کا دن ملا کر ۶۳ ختم کیا کرتے تھے۔ (مناقب کردری ص ۲۳۵ ج ۱) کیا سیء الحفظ ایسے ہی ہوتے ہیں؟

۴- استحسان

امام صاحب کی قدر و منزلت گھٹانے کی سعی کرنے والوں نے امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے ترک قیاس و اخذ استحسان کو بھی نشانہ لیا اس طعن کا مفصل و مدلل جواب انوار الباری ص ۹۸ تا ص ۱۰۸ ج ۸ میں قابل مطالعہ ہے، جس میں صاحب تحفۃ الاحوذی اور صاحب مرعاۃ کے پیدا کردہ مغالطوں کو بھی رفع کر دیا گیا ہے۔

ملا مت بنایا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ امام صاحب اپنی بینظیر علمی و دینی بصیرت کی وجہ سے استحسان کی غیر معمولی صلاحیت و مہارت رکھتے تھے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے اصحاب جب تک قیاسوں میں بحث علمی چلتی تھی ان سے خوب جھگڑ لیتے تھے لیکن جوں ہی امام صاحب کہتے کہ اب میں استحسان سے یہ بات کہتا ہوں تو پھر سب دم بخود رہ جاتے کیونکہ اس درجہ تک ان میں سے کسی کی رسائی نہ تھی، جب امام محمد کا یہ اعتراف ہے جن کی کتابوں کے مطالعہ سے امام احمد جیسے مجتہد مسلم امام دقیق النظر بنے اور امام شافعی نے ان سے تفقہ حاصل کیا، تو اگر دوسرے لوگ یا امام شافعی بھی امام صاحب کے استحسان پر اعتراض کریں تو کیا تعجب ہے۔

امام مالک نہ صرف استحسان کے قائل تھے بلکہ علم کے دس حصوں میں سے نو حصے استحسان بتلاتے تھے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب سے براہ راست استفادہ کرنے والے استحسان کی حقیقت و حقیقت سے واقف ہو گئے تھے اور بعد والے اس کے سمجھنے سے عاجز رہے، امام مالک بھی امام صاحب سے بہت مسفید ہوئے ہیں بلکہ علامہ ابن حجر مکی نے تو ان کو امام صاحب کے تلامذہ میں شمار کیا ہے اور علامہ کوثری نے روایت حدیث کا بھی ثبوت دیا ہے۔

استحسان درحقیقت قیاس خفی ہے اور کسی قوی وجہ سے قیاس جلی کو ترک کر کے اس کو اختیار کیا جاتا ہے اسی لئے امام صاحب نے استحسان کو ترجیح دی ہے اور جن لوگوں نے ایسے موقع پر بھی قیاس کو لیا انہوں نے راجح کی موجودگی میں مرجوح کو لیا ہے جو خالص فقہی نقطہ نظر سے غیر مستحسن ہے، ہم استحسان کی مفصل بحث کسی موقع پر آئندہ مع مثالوں کے لکھیں گے۔ ان شاء اللہ۔

۵- حیلہ

امام صاحب اور آپ کے اصحاب کی طرف غیر شرعی حیلوں کو بھی منسوب کیا گیا ہے مگر وہ نسبتیں سب غلط ہیں، حتیٰ کہ امام بخاری نے بھی کتاب الحیل میں احناف کے خلاف سخت جارحانہ پہلو اختیار کیا ہے، لیکن ہم ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اس کو امام بخاری کی حنفی مذہب سے ناواقفیت کا نتیجہ قرار دیتے تھے وغیرہ، حافظ ذہبی نے بھی امام محمد کے تذکرہ میں ان اور دوسرے اصحاب امام کی طرف کتاب الحیل کی نسبت کو غلط کہا ہے۔

۶- قلت عربیت

عراق نحو کا مرکز رہا ہے بڑے بڑے سب نحوی وہیں ہوئے، ہزار ہا صحابہ وہاں پہنچے ہیں جو فصاحت و بلاغت کے امام تھے امام صاحب کی نشوونما تربیت و تعلیم سب اسی ماحول میں ہوئی، بڑے بڑے نحو و لغت کے امام خود امام صاحب کے تلامذہ میں تھے لیکن نہ معلوم کس طرح امام صاحب کی طرف قلت عربیت کو منسوب کر دیا گیا۔

درحقیقت امام صاحب عربیت کے بھی بڑے امام تھے، اسی لئے ابو سعید سیرانی، ابو علی قاری اور ابن جنی جیسے ارکان عربیت نے باب الایمان میں امام صاحب کے الفاظ کی شرح کے لئے کتابیں تالیف کی ہیں اور آپ کی وسعت اطلاع لغت عربیہ پر متعجب ہوئے ہیں، البتہ مخالفین نے امام صاحب کی طرف ایک کلمہ لا و لور ماہ بابا قیس منسوب کیا ہے جو کسی کتاب میں معتمد سند سے نہیں ہے اور بالفرض صحیح بھی ہو تو بعض قبائل عرب کی وجہ سے کوفیوں کی لغت میں اب کا استعمال جب غیر ضمیر متکلم کی طرف مضاف ہو تو تمام احوال میں الف کے ساتھ ہی آیا ہے اور اسی سے یہ مشہور شعر ہے

ان ابابا و ابابا ہا قد بلغا فی المجد غایتا ہا

ظاہر ہے کہ امام صاحب بھی کوفی تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی لغت بھی یہی ہے، چنانچہ بخاری میں ہے کہ انہوں نے انت ابا

جہل فرمایا، دوسرے اباقبیس اس لکڑی کو کہتے ہیں جس پر گوشت لٹکایا جاتا ہے، اور ابو سعید سیرانی نے کہا کہ امام صاحب کی مراد یہی ہو سکتی ہے نہ جبل ابی قبیس جیسا کہ معترضین نے سمجھا ہے۔ (تانیب الخطیب ص ۲۳)

امام ابو بکر رازی نے لکھا ہے کہ امام اعظم کے اشعار زیادہ لطیف اور فصیح ہیں امام شافعی کے اشعار سے اور ظاہر ہے کہ جو دہ شعر بغیر کمال بلاغت ممکن نہیں۔ (مناقب کردرنی ص ۵۹ ج ۱)

غرض اس قسم کے اعتراضات مخالفین و حاسدین کی طرف سے ہوئے ہیں اور ایسی باتیں امام صاحب کی طرف منسوب کی ہیں جن سے وہ بری ہیں، البتہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کسی غلط فہمی سے خلاف کرتے تھے اور پھر صحیح حالات معلوم ہونے پر انہوں نے اظہار افسوس و ندامت کیا جیسے امام اوزاعی و سفیان ثوری وغیرہ۔

امام ابن عبدالبر مالکی نے فرمایا کہ امام صاحب پر حسد کیا جاتا تھا، اس لئے ان کی طرف وہ چیزیں منسوب کی گئیں جو ان میں نہیں تھیں اور ایسی باتیں گھڑی گئیں جو ان کی شان کے لائق نہ تھیں۔

یہ بھی لکھا ہے کہ جن لوگوں نے امام صاحب سے روایت حدیث کی ہے جنہوں نے ان کی توثیق کی ہے اور جنہوں نے ان کی مدح و ثنا کی ہے وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جنہوں نے اعتراض کیا ہے اور اہل حدیث کی طرف سے زیادہ عیب رائے و قیاس کے استعمال کا لگایا گیا حالانکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ وہ کوئی عیب نہیں ہے، اہل فقہ امام صاحب پر طعن کرنے والوں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ ان برائیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ امام وکیع فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو رنجیدہ و افسردہ پایا، غالباً قاضی شریک کی طرف سے کچھ باتیں ان کو پہنچی تھیں۔

محدث عیسیٰ بن یونس (شیخ اصحاب صحاح ستہ) کا قول ہے کہ تم اس شخص کو ہرگز سچا مت سمجھنا جو امام صاحب کا ذکر برائی سے کرتا ہو کیونکہ واللہ! میں نے ان سے بڑھ کر افضل کسی کو نہیں دیکھا۔

امام اعمش شیخ اصحاب ستہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا فرمایا اس کا اچھا جواب تو نعمان ہی دے سکتے ہیں جن پر تم حسد کرتے ہو۔ محدث یحییٰ بن آدم شیخ اصحاب ستہ سے کہا گیا کہ آپ امام صاحب کی برائی کرنے والوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ وہ لوگ امام صاحب کی کچھ علمی باتیں سمجھ سکے اور کچھ نہ سمجھ سکے اس لئے حسد کرنے لگے اور فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کا کلام فقہ میں خدا کے لئے تھا اگر اس میں کچھ شائبہ بھی دنیوی غرض کا ہوتا تو ان کا کلام ایسے اثر و نفوذ کے ساتھ باوجود حاسدوں اور مشفقوں کی کثرت کے سارے آفاق میں نہ پھیل سکتا۔ اسد بن حکیم نے فرمایا کہ امام صاحب کی برائی کرنے والا یا تو جاہل ہے یا مبتدع ہے۔

ابو سلیمان نے فرمایا کہ امام صاحب کی شخصیت عجیب و غریب تھی اور ان کی باتوں سے اعراض کرنے والے وہی لوگ ہیں جو ان کو نہیں سمجھ سکے، امام فن تنقید رجال کا قول ہے کہ ہمارے اصحاب (اہل حدیث) امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے بارے میں تفریط کا معاملہ کرتے ہیں، کسی نے کہا کیا وہ خلاف واقعہ کہتے تھے فرمایا وہ اس سے بہت بلند تھے۔

علامہ تاج سبکی نے طبقات میں لکھا کہ خبردار! کہیں ایسا نہ سمجھ لینا کہ اہل نقد و جرح نے جو قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جرح مقدم ہے تعدیل پر وہ علی الاطلاق ہر جگہ ہے کیونکہ صحیح یہ ہے کہ جس شخص کی عدالت و امامت ثابت ہو چکی ہو اور اس کے جرح کرنے والے بہ نسبت مدح کرنے والوں کے کم ہوں اور وہاں کوئی ایسا قرینہ بھی ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جرح کسی مذہبی تعصب وغیرہ کے باعث ہے تو اس جرح کا کوئی اعتبار نہ کریں گے۔

پھر طویل بحث کے بعد لکھا کہ ہم تمہیں بتلا چکے ہیں کہ جرح اگرچہ مفسر بھی ہو اس شخص کے حق میں قبول نہ ہوگی جس کی طامعات معصیت پر غالب ہوں اور مدح کرنے والوں مذمت کرنے والوں سے زیادہ ہوں، تزکیہ کرنے والے جارحین سے بیش ہوں، پھر جب کوئی قرینہ بھی اس

امر کا موجود ہو کہ وہ تنقید و جرح کسی مذہبی تعصب یا دنیوی منافقت کی وجہ سے ہوئی ہے جیسا کہ معاصرین و اقران میں باہم ہوتا ہے۔
عبدالرحمن بن مہدی کا قول ہے کہ میں حدیثیں نقل کیا کرتا تھا میں نے ثوری کو امیر المؤمنین فی العلماء پایا، سفیان بن عیینہ کو امیر العلماء، عبداللہ بن مبارک کو صراف الحدیث، یحییٰ بن سعید کو قاضی العلماء، امام ابوحنیفہ کو قاضی قضاة العلماء پایا اور جو شخص اس کے سوا کچھ کہے تو اس کو بنی سلیم کی کوڑی پر پھینک دو۔

یہاں جن اکابر کی تعریف کی گئی ہے ان میں ثوری امام صاحب کے خاص مداحین میں ہیں، ابن عیینہ امام صاحب کے شاگرد ہیں مسانید میں امام صاحب سے بہ کثرت روایت کرتے ہیں، ابن مبارک امام صاحب کے تلمیذ خاص اور بڑے مداحین میں ہیں، یحییٰ بن سعید امام صاحب کے تلمیذ اور حنفی ہیں امام صاحب کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور امام ابو یوسف سے جامع صغیر پڑھی ہے۔ (عقود الجواہر ص ۱۱۱ ج ۱) سبط ابن الجوزی نے مرآة الزمان میں لکھا کہ خطیب پر تو کوئی تعجب نہیں کیونکہ علماء کی ایک جماعت پر انہوں نے طعن کیا ہے، زیادہ تعجب تو نانا جان (ابن الجوزی) کی روش سے ہے کہ انہوں نے کیوں خطیب کا شیوہ اختیار کیا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے بھی بعض کتابوں میں کچھ ایسی باتیں آگئی تھیں جن سے تقلید و حقیقت کے خلاف لوگوں نے فائدہ اٹھایا مگر آخر میں ”فیوض الحرمین“ میں انہوں نے صاف نور سے فرما دیا کہ ”مجھ کو آں حضور ﷺ نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ہی وہ طریقہ ایتھ ہے جو دوسرے سب طریقوں سے زیادہ اس سنت نبویہ معروفہ کے موافق ہے جو بخاری و دیگر اصحاب صحاح کے دور میں مرتب و منقح ہو کر مدون ہو گئی ہے۔ (فیوض الحرمین) حضرت شاہ صاحب کو جو شرح صدر ”مذہب حنفی“ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی توجہ خاص کے ذریعہ حاصل ہوا وہ بڑی اہم دستاویز ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بخاری اور اس دور کی دوسری کتب صحاح مدونہ کے مجموعہ سے تقویت مذہب حنفی ہی کو ہوتی ہے ان اشارات سے احناف کو مستفید ہونا چاہئے۔

حضرت شاہ صاحب نے اپنی اس آخری تحقیق و شرح صدر ہی کی روشنی میں اپنے کو صاف طور سے ”حنفی“ لکھا ہے اور اس تحریر کی نقل راقم الحروف نے ”مقدمہ خیر کثیر“ میں درج کر دی تھی جو عرصہ ہوا مجلس علمی ڈابھیل سے شائع ہو چکی ہے۔

علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۶۷ ج ۳ اور بنیایہ شرح ہدایہ میں دارقطنی کی جرح کا مفصل جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ (جن کی توثیق و مدح اکابر ائمہ محدثین نے کی ہے اور ان کے علوم سے دنیا کا ہر گوشہ آباد ہے) ایسے عالم جلیل کی تضعیف کا حق دارقطنی کو کیا ہے جس کہ وہ خود تضعیف کے مستحق ہیں کہ اپنی سنن میں منکر، معلول، سقیم اور موضوع احادیث روایت کی ہیں اور جہر لسم اللہ کی احادیث روایت کر دیں پھر حلف دیا گیا کہ تو کہا کہ واقعی اس میں کوئی حدیث صحیح قوی نہیں ہے اور بنیایہ میں ابن القطان کی جرح پر کہا کہ یہ ابن قطان کی بے ادبی اور بے حیائی ہے کہ امام صاحب کی طرف ضعف کو منسوب کیا جن کی توثیق امام ثوری اور ابن مبارک جیسے حضرات نے کی ہے، ان اعلام کے مقابلہ میں ابن قطان وغیرہ کی کیا وقعت ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب نے التعلیق الممجد میں فرمایا کہ بعض جرح متاخرین متعصبین سے صادر ہوئیں جیسے دارقطنی، ابن عدی وغیرہ، جن پر کھلے قرآن شاہد ہیں کہ انہوں نے تعسف و تعصب سے کام لیا ہے اور متعصب کی جرح مردود ہے بلکہ ایسی جرح خود ان کے حق میں موجب جرح ہے۔ علامہ شعرانی نے میزان کبریٰ میں فرمایا کہ ”امام ابوحنیفہ کے بارے میں بعض متعصبین کے کلام کا کچھ اعتبار نہیں اور نہ ان کے اس قول کی کوئی قیمت ہے کہ وہ اہل رائے میں سے تھے بلکہ جو لوگ امام صاحب پر طعن کرتے ہیں محققین کے نزدیک ان کے اقوال ہدیانات سے مشابہ سمجھے جاتے ہیں، نیز فرمایا کہ ”امام اعظم ابوحنیفہ کی کثرت علم و ورع و عبادت و وقت مدارک و استنباط پر سلف و خلف نے اجماع کیا ہے، یہ اجماع دوسرے مذاہب والے نقل کر رہے ہیں، کوئی حنفی نہیں کہ عقیدت پر محمول کر لیا جائے۔“

علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ بعض متعصبین نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ بعض ائمہ میں سے حدیث میں کم پونجی والے تھے حالانکہ ایسا خیال کبار ائمہ کے بارے میں کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ شریعت و فقہ کا مدار قرآن و حدیث پر ہے بغیر قرآن و حدیث کے کس طرح فقہ کی تدوین ہو سکتی تھی۔

باقی قلت روایت کی وجہ غایت ورع اور شروط تحمل روایت و نقل میں سختی ہے یہ نہیں کہ بے وجہ عمد روایت حدیث ترک کر دی ہو اور ان کے کبار مجتہدین و محدثین میں سے ہونے پر یہ دلیل ہے کہ علماء میں ان کا مذہب ہمیشہ معتمد اور رد و قبولاً مذکور ہوتا رہا۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے ریاض المرآض ص ۲۱ پر لکھا ہے کہ ”حضرت مجدد صاحب سرہندی کے کشف کبھی بھی شریعت کے خلاف نہیں ہوئے بلکہ اکثر کی شریعت نے تائید کی ہے اس لئے ان کے کشف کے مراتب بہت بلند و برتر ہیں۔“ وہی مجدد صاحب امام اعظم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ۔

بے شائبہ تکلف و تعصب کہا جاتا ہے کہ نظر کشفی میں مذہب حنفی کی نورانیت دریائے عظیم کی طرح معلوم ہوتی ہے اور دوسرے مذاہب چھوٹی چھوٹی نہروں اور حوضوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور ظاہر نظر سے بھی دیکھا جائے تو سواد اعظم اہل اسلام امام اعظم کا تبع ہے۔ (مکتوبات جلد ثانی مکتوب ص ۵۵) حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ نے حضرت زبدۃ العارفین خواجہ فرید گنج شکر قدس سرہ کا قول نقل فرمایا کہ۔
امام اعظم کی شان کا تو کہنا ہی کیا ہے، ان کے ایک شاگرد امام محمد کا وہ درجہ تھا کہ وہ جب سوار ہو کر کہیں جاتے تو امام شافعی ان کے گھوڑے کی رکاب کے ساتھ پیدل چلتے تھے (راحتہ القلوب) اور یہ بھی فرمایا کہ اسی سے دونوں مذاہب کا فرق بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

مشہور امام حدیث اسحاق بن راہویہ نے (جو حضرت عبداللہ بن مبارک (تلمیذ امام اعظم) کے خاص اور پہلے حنفی تھے پھر بعض دوسرے اساتذہ کے اثر سے ان میں ظاہریت آگئی تھی اور امام بخاری کے بڑے شیوخ میں تھے) امام اعظم کے بارے میں فرمایا کہ میں نے کسی کو ان سے زیادہ احکام و قضایا کا عالم نہیں پایا، قبول قضا کے لئے ان کو مجبور کیا گیا اور مارا بھی گیا مگر انہوں نے کسی طرح قبول نہ کیا اور تعلیم و ارشاد محض خدا کے لئے کرتے تھے۔ (کردری ص ۵۸ ج ۲)

امام اہل بلخ حضرت مقاتل بن حیان جلیل القدر عالم حدیث جنہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری، نافع اور ایک جماعت کبار تابعین کا زمانہ پایا اور ان سے روایت حدیث بھی کی، امام اعظم کی خدمت میں پہنچے اور استفادہ کیا، فرماتے تھے کہ میں نے تابعین کے دور پایا لیکن امام ابوحنیفہ سے اجتہادی مائل میں بالغ نظر، جس کا ظاہر باطن سے مطابق و مشابہ اور باطن ظاہر سے مشابہ ہو کسی کو نہیں دیکھا، فتویٰ دیتے تو فرمادیتے کہ یہی قول کوفہ کے شیخ امام ابوحنیفہ کا ہے۔ (کردری ص ۵۹ ج ۲)

بعض کتب منزلہ سابقہ میں امت محمدیہ کے تین شخصوں کے اوصاف مذکور ہوئے ہیں جو اپنے زمانہ کے سب لوگوں پر فقہ و علم میں فائز ہوں گے، نعمان بن ثابت، مقاتل بن سلیمان، وہب بن منبہ اور بعض روایات میں وہب کی جگہ کعب احبار کا نام ہے۔ (موفق ص ۶۰ ج ۲) حضرت مقاتل بن سلیمان علم تفسیر کے مشہور امام جو امام اعظم کے شریک درس بھی رہے اور تابعین حضرت عطاء، نافع، محمد بن منکدر، ابوالزبیر اور ابن سیرین وغیرہ سے دونوں نے ساتھ ہی سماع حدیث کیا ہے، وہ اکثر امام صاحب کی تعریف کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ کی ۱۵ مناقبتیں وہ ہیں جن میں ان کا کوئی ہم عصر شریک و سہم نہیں ہوا۔ (موفق ص ۵۹ ج ۲)

حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا کہ اسی لئے جارحین کی جرح امام ابوحنیفہ کے بارے میں مقبول نہیں جنہوں نے امام صاحب کو کثرت قیاس، قلت عربیت، یا قلت روایت حدیث وغیرہ سے مطعون کیا کیونکہ یہ سب جروح ایسی ہیں کہ ان سے کسی راوی کو مجروح نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح علامہ ماوی وغیرہ کی مدافعت ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جنہوں نے امام بخاری کی روش سے بھی محترز رہنے کی

ہدایت کی ہے، اب کچھ میزان الاعتدال کی الحاقی جرح کے بارے میں لکھ کر اس بحث کو مختصر کرتا ہوں۔

امام صاحب کے مخالفوں کے کارنامے

کچھ لوگوں کو امام صاحب سے بغض و عداوت یا حسد ہے، کہتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے میزان میں ان کی تضعیف کی ہے لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ بات نئے دشمنوں کا دھوکہ ہے اور پرانے دشمنوں کے خاص کارنامہ سے متعلق ہے کہ انہوں نے میزان میں ایسی عبارت داخل کر دی چنانچہ امام ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ اور تہذیب التہذیب شاہد ہے کہ ان کتابوں میں انہوں نے بجز تعریف کے ایک لفظ بھی جرح کا نہیں لکھا اور نہ نقل کیا، دوسرے اس بات کے غلط و بے اصل ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ خود حافظ ذہبی نے میزان کے مقدمہ میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ اس کتاب میں ائمہ متبوعین ابوحنیفہ، امام شافعی وغیرہ کا ذکر نہیں کروں گا کیونکہ ان حضرات کی جلالت قدر اسلام میں بڑائی و برتری لوگوں کے قلوب میں جاگزیں ہے (اور ذکر سے مستغنی ہے) (میزان ص ۱۲ ج ۱)

علامہ سخاوی شرح الفیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام ذہبی نے ابن عدی کی ہر ایسے شخص کے ذکر کرنے میں تقلید کی ہے جس میں ثقہ ہونے کے باوجود بھی کچھ کلام کیا گیا ہے، لیکن پھر بھی اس امر کا التزام کیا ہے کہ نہ تو کسی صحابی کو ذکر کیا اور نہ ائمہ متبوعین کو۔

حافظ سیوطی تدریب الراوی میں بیان کرتے ہیں کہ امام ذہبی نے نہ تو کسی صحابی کا ذکر کیا اور نہ کسی امام کا ائمہ متبوعین میں سے۔

حافظ عراقی نے شرح الفیہ میں تصریح کی ہے کہ ابن عدی نے کتاب الکامل میں ہر ایسے شخص کو ذکر کیا ہے جس میں کلام کیا گیا ہے گو وہ ثقہ

ہی کیوں نہ ہو اور ان ہی کی اتباع امام ذہبی نے میزان میں کی ہے لیکن انہوں نے کسی صحابی یا کسی امام کو ائمہ متبوعین میں سے ذکر نہیں کیا ہے۔

ان سب ائمہ کبار کی شہادتوں کے بعد یہ امر واضح ہے کہ امام صاحب کا ترجمہ میزان میں الحاقی ہے، دوسرے یہ کہ حافظ ذہبی نے

میزان میں یہ بھی التزام کیا ہے جن لوگوں کا اسماء کے ساتھ ذکر کرتے ہیں ان کا ذکر کثرت سے باب الکنی میں بھی ضرور کرتے ہیں اور تدریس و تلمیس کرنے والوں سے یہ چوک ہو گئی کہ باب الکنی میں یہ الحاق نہیں کیا، یہ بھی الحاقی ہونے کا بڑا ثبوت ہے۔

واضح ہو کہ کتابوں میں الحاق اور ضروری اجزاء کے حذف کا باقاعدہ منظم فن استعمال ہوتا رہا ہے جس کے حیرت انگیز کمالات شاطر

دشمنوں اور حاسدوں نے بڑی بڑی جلیل القدر تالیفات کی کتابت و طباعت کے وقت دکھائے ہیں اور اسی کا ایک نمونہ اوپر پیش کیا گیا ہے اور دوسرے نمونے بھی پیش کئے جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ فن پروپیگنڈہ کا ایک بڑا جزو ہے جس سے کسی سفید چیز کو سیاہ اور سیاہ کو سفید تک ثابت کر دینے کے جوہر دکھائے جاتے ہیں یورپ کے

عقلاء نے اس فن کو بڑی ترقی دی ہے مگر اسلامی دور کی تاریخ میں بھی اس نوع کے کارنامے بڑی کثرت سے ملتے ہیں، کیونکہ مسلمانوں میں بد قسمتی سے ایک فرقہ ابتداء ہی سے ایسا پیدا ہو گیا تھا جو جھوٹ کو کار خیر و ثواب سمجھ کر پھیلاتا رہا اور ان کے اثرات دوسرے سادہ لوح مسلمانوں پر

بھی پڑتے رہے، حالانکہ ایسے ہی جھوٹ کی روک تھام کے لئے صادق و صدق سرور انبیاء علیہم السلام نے ارشاد فرمایا تھا کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ماسمع یعنی ایک شخص کے بھونا ہونے کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بے تحقیق آگے چلتا کر دے۔

اس قسم کی بے سند باتوں کے ذکر سے پہلے زمانہ میں تو امام صاحب کے دشمنوں اور حاسدوں نے فائدہ اٹھایا تا کہ امام صاحب کی

جلالت قدر کو کم کر کے دکھایا جائے یا خوبیوں کے ساتھ برائیاں بھی کہیں کہیں سے لے کر سامنے کی گئیں تاکہ ان کمالات و خوبیوں کا کوئی اثر نہ رہے یا لوگ شک و تردد میں پڑ جائیں یا ان کی فقہ کی عالمگیر مقبولیت کو کم کیا جائے، اکثر اسلامی حکومتوں کا مذہب بھی فقہ حنفی رہا اور عہدہ قضا

وغیرہ حنفی علماء کے پاس رہے یہ بات بھن حسد و عداوت کا بڑا سبب بنی رہی، پھر نئے دور میں غیر مقلدین رونما ہوئے اور انہوں نے تو امام

صاحب کے ساتھ حسد و عداوت کا وہ معاملہ کیا کہ ریکارڈ ہی مات کر دیا، ان کی نظر میں ”ہنر پنچشم عداوت بزرگ تر پچھے ست“ والی بات پوری پوری صادق ہو گئی، اسی لئے ان حضرات نے تو امام صاحب قدس سرہ کی علو قدر عظمت شان اور علمی رفعت کو گرانے اور چھپانے میں کوئی دقیقہ بھی فرو گذاشت نہیں کیا اور اس کا رثواب میں دن رات ایک کر دیا۔

ان قدیم و جدید تلمیذات کا پردہ چاک کرنے کے لئے خدا کا شکر ہے کہ ہمارے شیوخ و اکابر نے بروقت توجہ کی اور برابر اپنی تالیفات و درسی افادات میں احقاق حق و ابطال باطل کا فریضہ ادا کیا۔

قریبی دور میں مصر میں علامہ کوثری کی جلیل القدر شخصیت گذری ہے جنہوں نے اس سلسلہ میں گرانقدر تالیفات کیں اور مصری رسائل میں لاتعداد تحقیقی مضامین شائع کئے جن کے مطالعہ سے اہل علم کبھی مستغنی نہیں ہو سکتے، ان کتابوں سے معاندین کے حوصلے پسند ہو گئے ہیں اور جب تک ان کی اشاعت ہوتی رہے گی ان کے مطالعہ و استفادہ کی وجہ سے علماء حق، معاندین مذہب حنفی پر غالب رہیں گے ان شاء اللہ۔ اسی طرح ہمارے اکابر حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب (صاحب بذل الجہود) حضرت علامہ کشمیری، حضرت علامہ عثمانی، حضرت مولانا مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی تالیفات و درسی افادات میں اس فتنہ قدیم و جدید کی طرف پوری توجہ فرما کر حنفی مسلک کی تائید اور معاندین کے اعتراضات و شبہات کے مدلل و مکمل جوابات دیے ہیں جو موقع بہ موقع اسی شرح بخاری میں پیش کئے جائیں گے۔

پھر اس دور میں اس فتنہ جدید کے خلاف قابل ذکر خدمات مخدوم و محترم حضرت مولانا علامہ مفتی سید مہدی حسن صاحب صدر المفتیین دارالعلوم دیوبند و امت برکاتہم و عم فیضہم کی ہیں جنہوں نے غیر مقلدین کے رد میں بیشتر علمی مضامین لکھے، فیصلہ کن کتابیں تالیف کیں اور طبع کرا کر شائع کیں، جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

آپ جامعیت علوم و فنون، وسعت مطالعہ، کثرت معلومات اور خصوصیت سے فن حدیث و فقہ میں بلند پایہ عالم ربانی اور اپنے اکابر کا نمونہ ہیں، احقر کو ”مجلس علمی“ ڈاٹ بھیل ہی کے زمانہ سے حضرت موصوف کے ساتھ تعلق ارادت و عقیدت رہا ہے اور مجلس و مجلسی افراد آپ کے علوم و فیوض سے مستفید ہوتے رہے اور اب بھی برابر آپ کے افادات علمی سے متمتع ہوتا رہتا ہوں۔

اس مختصر مقدمہ کی جمع و ترتیب میں بھی مستند کتب مناقب اور حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ کے ارشادات کے علاوہ آپ کی تالیفات و خصوصی ارشادات سے استفادہ کیا ہے اور توقع ہے کہ شرح بخاری کے اثناء میں بھی حضرت موصوف دام ظلہم کی تحقیقات عالیہ پیش کر سکوں گا۔ ہمیں احساس ہے کہ امام اعظم کا تذکرہ باوجود سنی اختصار جز و مقدمہ ہونے کی حیثیت سے طویل ہو گیا ہے لیکن چونکہ تمام محدثین کے مسلم امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک کا ارشاد ہے کہ امام ابوحنیفہ کی رائے مت کہو بلکہ تفسیر حدیث کہو، پھر امام بخاری نے خاص طور سے ابن مبارک کو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم حدیث اور قابل تقلید فرمایا ہے۔

ان ظروف میں امام صاحب نے جو اپنے ۴۰ فقہاء و مجتہدین کے ساتھ تدوین فقہ کی جس کے ایک رکن رکن خود ابن مبارک بھی تھے اور ساڑھے بارے لاکھ مسائل کی تدوین اسی مجلس سے عمل میں آئی جو بمنزلہ احادیث موقوفہ ہیں، کہ قرآن و حدیث سے بہ صراحت یا بطریق استنباط ماخوذ ہیں، دوسری طرف امام بخاری کی جامع صحیح احادیث مجردہ مرفوعہ کا بہترین شاہکار مجموعہ، اس لئے امام اعظم کی شخصیت کا جس قدر تعارف بھی کرایا جائے وہ کم ہے، پھر دوسرے درجہ پر بڑا تعارف خود امام بخاری کا کرایا گیا ہے، اگر بنظر تامل و تدقیق دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ مقدمہ نہ صرف تذکرہ محدثین ہے بلکہ شرح حدیث کا ایک لازمی و ضروری اور اہم جزو بھی ہے۔

ان سب اکابر کی علمی شخصیات سے صحیح تعارف کے بعد ان کی حدیثی تشریحات، استنباطات، آراء و اقوال کی قدر و قیمت صحیح ترین اندازوں میں سامنے آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تالیفات امام اعظمؒ

امام صاحب کی طرف بہت سی تصنیفات منسوب ہیں اور امام مالک وغیرہ کے حالات میں یہ سند صحیح منقول ہے کہ وہ امام صاحب کی کتابوں میں نظر کرتے تھے اور ان کی تلاش و جستجو رکھتے تھے، ایک مجموعہ فقہ بھی ضرور امام صاحب نے مرتب کر دیا تھا جس کا ذکر عقود الجمان میں جا بجا ملتا ہے، اسی طرح علامہ کوثری نے بلوغ الامانی کے حاشیہ میں ص ۱۸ پر تحریر فرمایا کہ مؤلفات اقدین میں امام صاحب کی مندرجہ ذیل کتب کا ذکر ملتا ہے۔ ۱- کتاب الرأی (ذکرہ ابن العوام) ۲- کتاب اختلاف الصحابہ (ذکرہ ابو عاصم العامری و مسعود بن شیبہ) ۳- کتاب الجامع (ذکرہ العباس بن مصعب فی تاریخ مرو) ۴- کتاب السیر ۵- الکتاب الاوسط ۶- الفقہ الاکبر ۷- الفقہ الاوسط ۸- کتاب العالم و المتعلم ۹- کتاب الرد علی القدریہ ۱۰- رسالۃ الامام الی عثمان البتی فی الارحاء ۱۱- چند مکاتیب بطور وصایا جو آپ نے اپنے چند احباب کو لکھے اور یہ سب کتب مشہور ہیں۔ لیکن اس وقت تک ہمارے سامنے صرف العالم و المتعلم، الفقہ الاکبر اور مکاتیب وصایا آسکے ہیں اور غالب یہ ہے کہ باقی کتب اس وقت کہیں موجود نہیں، اس زمانہ کی ہزاروں کتابوں کے نام کتب تراجم میں ملتے ہیں جو اس وقت کہیں موجود نہیں۔

امام صاحب کے معاصرین میں سے بھی امام اوزاعی، سفیان ثوری، حماد بن سلمہ، ہشیم، معمر، جریر بن عبد الحمید اور عبد اللہ بن مبارک وغیرہ نے حدیث و فقہ میں بڑی بڑی کتابیں لکھیں لیکن آج ان کا کہیں پتہ نہیں ملتا، اسی لئے امام رازی نے مناقب الشافعی میں لکھا کہ امام ابو نیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی، غالباً اس وقت فقہ اکبر وغیرہ بھی نمایاں نہ ہوئی ہوں گی اور ممکن ہے کہ کچھ مخفی علمی خزانے امام صاحب وغیرہ کے اور بھی کسی وقت ظاہر ہوں۔

اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بعض ممتاز اہل علم نے امام محمد کی کتاب الآثار کو بھی امام اعظم کی تصنیف قرار دیا ہے اور شاید امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کے بارے میں بھی یہی خیال ہو مگر ہمارے ناقص خیال میں ابھی تک اس کی صحیح توجیہ نہیں آئی کیونکہ اول تو تنقید میں علماء نے ان کو امام صاحب کی تصنیفات میں شمار نہیں کیا دوسرے یہ کہ ان میں روایت کرنے والے امام محمد اور امام ابو یوسف ہیں امام صاحب سے جس سے ظاہر ہے کہ مؤلف و مصنف بھی یہی ہیں۔ واللہ اعلم۔

البتہ امام صاحب کے تذکروں میں جہاں امام صاحب کی وسعت اطلاع حدیث زیر بحث آتی ہے تو آپ کے مسانید کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے چنانچہ کوثری صاحب نے تانیب کے ص ۱۵۶ پر امام صاحب کی طرف منسوب مسانید کی تعداد ۲۱ گنائی ہے اور چونکہ کتاب الآثار کے نام سے بھی امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر تینوں نے کتابیں تالیف کی ہیں اور ان میں بھی بہ کثرت احادیث امام صاحب سے ہی مروی ہیں، ان کو ملا کر یہ سب ۲۴ مجموعے احادیث کے آپ کی ذات مبارک سے منسوب ہو جاتے ہیں جن میں ہزار ہا احادیث اور ہزار ہا آثار آپ سے سند صحیح مروی ہیں۔ و کفی بہا مزیة و فخرا۔

کتب مناقب الامام اعظمؒ

آخر میں تکمیل تذکرہ امام کے لئے مناسب ہے کہ آپ کے مناقب میں جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں وہ بھی ذکر کر دی جائیں، ضمناً جن کتابوں میں امام صاحب کے مناقب ذکر ہوئے ہیں ان کو ہم بخوف مزید طوالت ترک کرتے ہیں۔

۱- عقود المرجان ۲- قلاند عقود الدرر والعقیان

۳- البستان فی مناقب النعمان، علامہ محی الدین عبدالقادر بن ابی الوفا قرشی (صاحب جواہر مہنیہ) کی تصنیف ہے۔

۴- شقائق النعمان فی مناقب النعمان، علامہ جبار اللہ زختر کی تصنیف ہے۔

- ۵- کشف الاسرار، علامہ عبداللہ بن محمد حارثی نے لکھی۔
- ۶- الانتصار لامام ائمۃ الامصار، علامہ یوسف سبط ابن الجوزی نے تالیف کی۔
- ۷- تمييز الصحيفه في مناقب الامام ابى حنيفه، امام جلال الدين سيوطي شافعي نے لکھا۔
- ۸- تحفة السلطان في مناقب النعمان، علامہ ابن کاس نے تصنیف کیا۔
- ۹- عقود الجمان في مناقب النعمان، علامہ محمد یوسف دمشقی شافعی نے تالیف کی۔
- ۱۰- الابانہ فيردا لمشتعين علی ابی حنیفہ، علامہ احمد بن عبداللہ شیرآبادی نے لکھی۔
- ۱۱- تنوير الصحيفه في مناقب ابى حنيفه، علامہ یوسف بن عبدالبہادی کی تصنیف ہے۔
- ۱۲- الخيرات الحسان في مناقب الامام الاعظم ابى حنيفه النعمان، شارح مشکوٰۃ علامہ حافظ ابن حجر مکی شافعی کی تالیف لطیف ہے۔
- ۱۳- قلائد العقیان في مناقب الامام الاعظم ابى حنيفه النعمان، یہ بھی علامہ موصوف ہی کی تصنیف ہے۔
- ۱۴- الفوائد المہمہ، علامہ عمر بن عبدالوہاب عرضی شافعی نے لکھی۔
- ۱۵- مرآة الجمان في معرفۃ حوادث الزمانی، علامہ یافعی شافعی کی تاریخی کتاب ہے جس میں امام صاحب کا ذکر ضمناً ہوا ہے۔
- ۱۶- مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ ابی یوسف و محمد بن الحسن، حافظ ذہبی شافعی (صاحب تذکرۃ الحفاظ و میزان الاعتدال وغیرہ) کی تصنیف ہے۔
- ۱۷- جامع الانوار، علامہ محمد بن عبدالرحمن غزنوی کی تالیف ہے۔
- ۱۸- الانتقاء في فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء، الامام الحافظ یوسف بن عبدالبر مالکی کی تصنیف ہے۔
- ۱۹- مناقب الامام الاعظم، علامہ صدرالائمہ موفق بن احمد مکی کی تالیف قیم ہے۔ ۲ جلد مطبوعہ حیدرآباد۔
- ۲۰- مناقب الامام اعظم، تالیف علامہ امام حافظ الدین محمد بن محمد شہاب کردری۔ ۲ جلد مطبوعہ حیدرآباد۔
- ۲۱- فتح المنان في تائيد مذہب النعمان، تالیف علامہ شیخ محدث دہلوی قدس سرہ۔
- ۲۲- اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، تالیف ابی عبداللہ حسین بن علی صیری (متوفی ۴۰۲ھ)۔
- ۲۳- مناقب الامام اعظم، تالیف بی القاسم عبداللہ بن محمد بن احمد السفدی معروف بابن العوام۔
- ۲۴- کشف الغمۃ عن سراج الامۃ (اردو)، تالیف علامہ مولانا السید مفتی محمد حسن شاہ جہانپوری دام فیضہم۔
- ۲۵- سیرۃ النعمان (اردو)، علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ۔
- ۲۶- "ابوحنیفہ"، تالیف محمد ابو زہرہ مصری تقریباً ۵۵ صفحات کی جدید الطبع تحقیقی کتاب ہے۔

ان کے علاوہ جن کتابوں میں امام صاحب کا تذکرہ ہوا ہے وہ ۶۰ سے اوپر تو راقم الحروف کے پاس یا داشت میں درج ہیں اور مستقل کتابیں بھی دوسری بہت ہیں یہاں احصاء مقصود نہیں تھا۔ ولہ محل اخر ان شاء اللہ تعالیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

آخر میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں دو باتیں ہمیں اور لکھنی ہیں ایک تو جرح و تعدیل میں ان کے اقوال کی حجیت جس کا ضمناً کچھ ذکر ہوا بھی ہے، دوسرے جامع المسانید کے بارے میں۔ واللہ الموفق والہادی الی الصواب۔

امام اعظم اور فن جرح و تعدیل

امام صاحب کے اقوال جرح و تعدیل کی اس فن کے علماء نے اسی طرح تلقی بالقبول کی ہے جس طرح امام احمد، امام بخاری، ابن معین

اور ابن مدینی وغیرہ کے اقوال کی، یہ بھی آپ کی عظمت و سیادت اور وسعت علم پر بڑی شہادت ہے، اس سلسلہ کی چند نقول جو اہر معنیہ ص ۳۰ و ص ۳۱ و ص ۳۲ ج ۱ سے پیش کی جاتی ہیں۔

- ۱- امام ترمذی نے کتاب العلیل جامع ترمذی میں امام صاحب کا قول فضل عطاء بن ابی رباح اور جرح جابر بعضی میں پیش کیا۔
- ۲- مدخل لمعرفة دلائل النبوة للیہتی میں ہے کہ ابو سعد سغانی نے امام صاحب کی خدمت میں کھڑے ہو کر پوچھا کہ امام ثوری سے حدیث لینے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا ثقہ ہیں ان کی احادیث لکھو۔ بجز احادیث ابی اسحاق عن الحارث اور احادیث جابر بعضی کے۔
- ۳- امام صاحب نے فرمایا کہ خلق بن حبیب قدری عقیدہ رکھتے تھے۔ ۴- فرمایا کہ زید بن عیاض ضعیف ہیں۔ ۵- امام سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ میں کوفہ پہنچا تو امام صاحب نے میرا تعارف کرایا اور توثیق کی جس سے سب لوگوں نے میری حدیث سنی۔ ۶- حافظ حماد بن زیاد ایسے محدث جلیل نے فرمایا کہ حافظ عمرو بن دینار کی کنیت ابو محمد سب سے پہلے ہمیں امام صاحب ہی سے معلوم ہوئی ورنہ صرف ان کے نام سے جانتے تھے۔ ۷- امام صاحب نے فرمایا کہ خدا عمرو بن عبید پر لعنت کرے کہ اس نے کلامی مسائل سے فتنوں کے دروازے کھول دیے۔
- ۸- فرمایا خدا جہم بن صفوان اور مقاتل بن سلیمان کو ہلاک کرے ایک نے نفی میں افراط کی، دوسرا تشبیہ میں حد سے بڑھ گیا۔ ۹- فرمایا کہ حدیث کی روایت کسی سے اسی وقت درست ہے کہ جس وقت سے سنی روایت کے وقت تک برابر اس کو یاد رکھا ہو۔ (امام صاحب کی یہ شرط دوسرے محدثین کے مقابلے میں بہت سخت تھی اس لئے نیز دوسری احتیاطوں کے باعث ہی خود امام صاحب نے روایت کم کی ہے۔ ۱۰- امام صاحب سے جب سوال کیا گیا کہ خبرنا وغیرہ سے روایت کیسی ہے؟ تو فرمایا کہ کچھ حرج نہیں۔ ۱۱- محدث جلیل ابوقطن نے امام صاحب کا قول بطور سند پیش کیا کہ شیخ کو حدیث سنا کر بھی حدیث سے روایت کر سکتے ہیں۔ ۱۲- امام صاحب نے فرمایا کہ میرے نزدیک رسول اکرم ﷺ سے سراویل پہننے کی روایت پائے ثبوت کو نہیں پہنچی۔

جامع المسانید للإمام الاعظم

محدث خوارزمی نے اپنے جمع کردہ پندرہ مسانید کے اصحاب مسانید کے حالات و مناقب بیان کئے ہیں اور اپنی سند ان تمام اصحاب مسانید تک بیان کی ہے، علامہ کثری نے تانیب میں مسانید کی تعداد ۲۱ لکھی ہے، ان سب مسانید کی اسانید متصل ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ”انسان العین فی مشائخ الحرمین“ میں اپنے استاذ الاساتذہ محدث عیسیٰ جعفری مغربی م ۱۰۸ھ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ”انہوں نے امام اعظم ابو حنیفہ کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے جس میں اپنے سے امام صاحب تک اسناد کا سلسلہ متصل کیا ہے“۔ اور اس سے لوگوں کی یہ بات قطعاً غلط ہو جاتی ہے کہ حدیث کا سلسلہ آج تک متصل نہیں رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے سلسلہ حدیث کی سند کو متصل ثابت کرنے کے لئے دلیل ہی امام صاحب کے سلسلہ سند کے اتصال کی دی ہے جس پر شاہ صاحب کو بڑا اعتماد تھا، امام ذہبی نے مناقب الامام الاعظم میں لکھا ہے کہ امام صاحب سے محدثین و فقہاء کی انتہائی بڑی تعداد نے حدیث کی روایت کی ہے جن کا شمار نہیں ہو سکتا، حافظ مزنی نے تہذیب الکمال میں ایک سو کے قریب کبار محدثین کے نام گنائے ہیں، مطبوعہ جامع المسانید دو جلد میں سینکڑوں محدثین کی روایات امام صاحب سے موجود ہیں جن میں اکثر وہ ائمہ حدیث و جہال علم ہیں جو اصحاب صحاح ستہ اور دوسرے بعد کے کبار محدثین کے شیوخ و اساتذہ حدیث ہیں۔

مشہور حافظ حدیث محمد بن یوسف صالحی شافعی (صاحب سیرۃ شامیہ کبریٰ) نے ”عقود الجمان فی مناقب النعمان“ میں ۷۱ مسانید امام کی اسانید اپنے زمانہ سے جامعین مسانید تک بیان کی ہیں، علامہ شعرانی نے بڑے فخر و مسرت کے ساتھ بیان کیا کہ امام اعظم کی مسانید ثلاثہ کے صحیح نسخوں کی زیارت و مطالعہ سے مشرف ہوئے جن پر حفاظ حدیث کے توثیقی دستخط تھے، جن کی اسناد بہت عالی اور رجال سب ثقہ ہیں وغیرہ۔

غرض ان نقول سے ثابت ہوا کہ امام اعظم کی مسانید کی اہمیت تمام دوسری مسانید و تالیفات حدیث سے زیادہ رہی ہے اور ان کی اسناد کے اتصال و بیان اتصال کا بھی اکابر امت نے ہمیشہ اہتمام کیا ہے، حسب تصریح علامہ کوثری امام صاحب کے مسانید کو محدثین سفر و حضر میں ساتھ رکھتے تھے۔ (تانیب) مسانید امام اعظم میں احادیث احکام کا بہترین ذخیرہ ہے جن کے رواۃ ثقہ اور فقہاء محدثین ہیں، اس تفصیل کے بعد ناظرین حیرت کریں گے کہ علامہ شعی مرحوم نے ”سیرۃ النعمان“ میں محدث خوارزمی کی جامع المسانید کو امام صاحب کی طرف مجازاً منسوب کیا ہے حالانکہ عقود الجمان بھی ان کے مطالعہ میں رہی ہے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے، غالباً ان کو مغالطہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ سے ہوا جس میں طبقہ رابعہ کی کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مسند خوارزمی بھی تقریباً اسی طبقہ میں داخل ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ جملہ الحاقی ہے حضرت شاحب صاحب نے نہیں ہے یا جامع المسانید کے مطالعہ کے بغیر لکھا ہوگا اور اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ بستان الحدیث میں حضرت شاہ عبدالعزیز نے بھی اس کا کچھ ذکر نہیں کیا، اگر اس کتاب کا کچھ تعارف اس وقت ہوا بھی ہوگا تو سنا سنا یا معمولی درجہ کا اور نا کافی یا غلط، علامہ شبلی نے اس پر یہ بھی اضافہ کر دیا کہ ”بعض مسانید کی نا اعتباری پر یہ بھی شہادت ہے کہ ان میں امام صاحب کی روایت براہ راست صحابہ سے درج ہوئی ہیں، حالانکہ امام صاحب کی روایت صحابہ پر اتفاق اور روایت میں اختلاف ہے اور علامہ ابن عبدالبر مالکی جیسے اکابر نے بھی امام صاحب کی روایت عن الصحابی اپنی کتاب ”جامع البیان العلم وفضلہ“ باب فضل العلم ص ۴۵ ج ۱ میں نقل کی ہے۔ جو اہل علم میں بہترین معتمد و مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۹۳ھ وفات ۱۷۹ھ بعمر ۸۶ سال

نام و نسب

مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان بن خثیل۔ (اصابہ)

حارث کا لقب ذوالصبح تھا اس لئے امام مالک کو صبحی بھی کہتے ہیں، آپ تبع تابعین کے طبقہ میں ہیں، امام اعظم سے تقریباً ۲۳ سال چھوٹے تھے، کیونکہ امام صاحب کی ولادت صبح قول میں ۷۷ھ میں ہوئی ہے، کما حقہ الکوثری۔ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب مشکوٰۃ نے جو ”اکمال“ میں امام مالک کو زمانا اور قدراً مقدم کہا اور استاذ الائمہ قرار دیا وہ خلاف واقعہ ہے، امام اعظم ان سے عمر میں بڑے، قدر و مرتبہ میں زیادہ اور وہی استاذ الائمہ اور تابعی ہیں، امام مالک ان سے مستفید بلکہ حسب تحقیق علامہ ابن حجر مکی (شارح مشکوٰۃ) وغیرہ امام اعظم کے تلمیذ ہیں۔

مشائخ و اساتذہ

زرقانی نے لکھا کہ امام مالک نے نوسو سے زائد شیوخ سے اخذ علم کیا ہے اور ابتداء عمر ہی سے حضرت نافع کے پاس جانے لگے تھے اور حدیث سنتے تھے چنانچہ موطاً میں بھی بڑی کثرت سے روایات ان ہی سے ہیں، نیز اصح الاسانید میں سے مالک عن نافع عن ابن عمر کو قرار دیا گیا ہے، بلکہ اس کو سلسلۃ الذہب بھی کہا گیا ہے۔

ہارون رشید نے امام مالک سے کہا کہ ہم نے آپ کی کتاب میں حضرت علی وعباس کا ذکر نہیں دیکھا؟ فرمایا کہ وہ میرے شہر میں نہیں

۱۔ بعینہ اسی طرح روایت امام ابوحنیفہ کی نافع عن ابن عمر موجود ہیں، ملاحظہ ہو عقود الجواہر المنیفہ جلد اول ص ۱۴۳ و ص ۲۱۷ وغیرہ اور ابوحنیفہ عن عطاء عن ابن عباس ص ۱۴۵ ج ۱ اور مقسم عن ابن عباس ص ۲۱۸ ج ۱ اور عبدالکریم عن انس ص ۱۴۷ اور عن جابر عن علی ص ۱۵۰ ج ۱ وغیرہ بہ کثرت روایات ہیں مگر امام صاحب کے ان سلسلوں کو سلسلۃ الذہب نہیں بتایا جاتا۔ واللہ المستعان والیہ العزیز۔

تھے اور نہ میں ان کے اصحاب سے مل سکا (یہ فخر امام ابوحنیفہ کو حاصل ہے)

ابن فرحون نے کہا کہ امام مالک سلیمان بن یسار کا قول اختیار کیا کرتے تھے اور سلیمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اختیار کرتے تھے تہذیب میں ابن معین سے مروی ہے کہ امام مالک جس سے بھی روایت کریں وہ ثقہ ہے سوا عبد الکریم کے۔

اعلام الموقعین میں ہے کہ دین، فقہ اور علم امت میں اصحاب ابن مسعود، اصحاب زید بن ثابت، اصحاب عبداللہ بن عمر اور اصحاب ابن عباس کے ذریعہ پھیلا ہے، لہذا اکثر لوگوں کا علم ان ہی چار اصحاب کے ماخوذ ہے، پھر اہل مدینہ کا علم اصحاب زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر سے، اہل مکہ کا اصحاب ابن عباس سے اور اہل عراق کا اصحاب ابن مسعود سے۔

امام اعظم شیوخ امام مالک ہیں

بعض روایات غلطی سے اس طرح روایت ہوئیں کہ ان سے کچھ حضرات نے یہ سمجھا کہ امام صاحب نے امام مالک سے روایت کی ہے، مثلاً مسند ابن شاہین میں ایک روایت اسماعیل بن حماد عن ابی حنیفہ عن مالک روایت ہوئی جو درحقیقت حماد بن ابی حنیفہ عن مالک تھی، بلکہ حماد کو بھی اکابر میں سے شمار کیا گیا ہے اس خیال سے کہ ان کی وفات امام مالک سے تین سال قبل ہوئی ہے اور غالب یہ ہے کہ ان کی ولادت بھی امام مالک سے قبل ہوئی ہوگی (تانیب الخطیب میں کوثری صاحب نے اس پر بحث کی ہے) ایک روایت ابوحنیفہ عن نافع تھی جس کے درمیان میں مالک کا واسطہ نہیں ہے لیکن اسی کو ابوحنیفہ عن مالک عن نافع سمجھا اور نقل کیا گیا، اسی لئے حافظ ابن حجر شارح بخاری نے فیصلہ کیا کہ امام ابوحنیفہ کی روایت امام مالک سے ثابت نہیں ہے، اور دارقطنی و خطیب نے جو دو روایتیں نقل کی ہیں ان دونوں کی سند میں کلام ہے اس کے علاوہ ابن ابی حاتم نے مقدمہ جرح و تعدیل میں جو لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ امام مالک کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے وہ بھی غلط ہے جس کو ہم آگے لکھیں گے، دوسرے یہ کہ امام مالک نے موطا سے پہلے کوئی تالیف نہیں کی اور یہ تالیف بھی انہوں نے اواخر عہد منصور عباسی میں امام اعظم کی وفات کے بعد کی ہے، پھر یہ کہ امام مالک کے عروج و ارتقاع شان کا دوران کے ابتداء ۱۴۶ھ کے بعد شروع ہوا ہے اور اس کے بعد ان کا اجتماع امام صاحب کے ساتھ ثابت نہیں ہے اور امام صاحب و امام مالک کی وفات کے درمیان ۲۹ سال کا فاصلہ ہے۔ (اقوام المسالک علامہ کوثری)

یہ تو غلط و غیر ثابت روایات کا مذکرہ تھا، اس کے بعد صحیح واقعات پڑھئے۔

۱- امام شافعی نے کتاب الام ص ۳۳۸ ج ۷ میں فرمایا کہ میں نے دروردی سے پوچھا کیا مدینہ میں کوئی اس کا قائل تھا کہ مہربن دینار سے کم نہ ہونا چاہئے؟ کہا نہیں (واللہ مجھے معلوم نہیں کہ امام مالک سے قبل کوئی اس کا قائل ہوا ہو اور میرا خیال ہے کہ امام مالک نے اس کو امام ابوحنیفہ سے لیا ہوگا۔

۲- علامہ مسعود بن شیبہ نے امام طحاوی کی کتاب اخبار اصحاب الامام سے نقل کیا کہ دروردی نے امام مالک سے سنا فرمایا کہ میرے پاس امام ابوحنیفہ کے فقہ سے ستر ہزار مسائل ہیں اور اسی کے مثل ایک روایت موفق ص ۹۶ ج ۱ میں ہے۔

۳- قاضی عیاض نے اوائل مدارک میں نقل کیا کہ لیث بن سعد نے فرمایا میں امام مالک سے مدینہ میں ملا اور کہا کہ میں دیکھتا ہوں آپ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں؟ فرمایا ہاں! امام ابوحنیفہ کے ساتھ بحث کرنے میں پسینہ آ گیا، اے مصری! وہ بہت بڑے فقیہ ہیں۔ ناقل کہتے ہیں کہ پھر میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ شخص (امام مالک) کیسی قدر و منزلت کے ساتھ آپ کی باتوں کو قبول کرتے ہیں، امام صاحب نے فرمایا میں نے ان سے زیادہ جلد صحیح جواب دینے والا پوری پرکھ والا نہیں دیکھا، امام صاحب نے امام مالک کی سمجھ، تفقہ اور ذکاوت کے ساتھ نقد تمام یعنی حدیث کی پوری پرکھ اور پہچان کی بھی داد دی۔

اگر امام صاحب بقول حمیدی وغیرہ کے فن حدیث میں کامل نہیں تھے تو امام مالک جیسے مسلم امام حدیث کے علم حدیث کی داد کیونکر دے سکتے تھے اور امام مالک فقہی وحدیثی مسائل میں گھنٹوں بحث کر کے ان کے تفقہ کی تعریف کیسے کرتے، کیا تفقہ بغیر حدیث ہی کے صاحب کو حاصل ہو گیا تھا؟ اور اگر تفقہ بغیر مطابقت حدیث کے تھا تو اس کی تعریف ایسا امام جلیل کیوں کرتا؟

۳- امام صمیری نے اپنی کتاب مناقب الامام میں ابن دراوردی سے نقل کیا کہ میں نے امام اعظم اور امام مالک کو مسجد رسول اللہ ﷺ میں دیکھا کہ عشاء کی نماز کے بعد سے مدارسہ و مذاکرہ شروع کیا تو صبح کی نماز تک اس میں مشغول رہے، جب کسی مسئلہ میں ایک شخص ان میں سے دوسرے کے قول سے مطمئن ہو جاتا تھا تو بے تامل اس کو اختیار کر لیتا تھا کسی کو اپنی بات پر بے دلیل جمود نہیں ہوتا تھا نہ دوسرے کی حق بات کو قبول کرنے سے کوئی عار لاحق ہوتی تھی۔

۵- مناقب موفق ص ۳۳ ج ۳ میں بسند صحیح اسماعیل بن اسحاق بن محمد سے نقل ہے کہ امام مالک بسا اوقات مسائل میں امام ابوحنیفہ کا قول معتبر سمجھتے تھے۔

۶- موفق ص ۲۳ ج ۲ میں محمد بن عمرو اقدی سے نقل کیا کہ امام مالک اکثر اوقات امام ابوحنیفہ کی رائے پر عمل کرتے تھے۔
۷- علامہ صمیری نے نقل کیا کہ ایک شخص نے امام مالک سے پوچھا جس کے پاس دو کپڑے ہوں جن میں ایک بغیر تعیین کے پاک اور دوسرا ناپاک ہو تو نماز کس میں پڑھے، فرمایا کہ تخری کر کے ایک میں پڑھ لے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے کہا کہ امام ابوحنیفہ کی رائے تو یہ ہے کہ ہر ایک میں نماز پڑھے تو امام مالک نے فوراً اس سائل کو واپس بلایا اور پھر مسئلہ وہی بتلایا جو امام صاحب کی رائے تھی۔

۸- ابو العباس احمد بن محمد بن عبد اللہ بن ابی العوام نے جو اضافات اپنے دادا کی کتاب اخبار ابی حنیفہ پر کئے ہیں، امام شافعی عن الدر اور دی نے نقل کیا کہ امام مالک امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے، یہ کتاب مع اضافات مذکور مکتبہ ظاہریہ دمشق میں نمبر ۶۳ میں موجود ہے۔ (اقوم المساک للکوثری)

امام مالک کے تلامذہ واصحاب

بقول امام ذہبی و زرقانی بڑی کثرت امام مالک کے تلامذہ واصحاب کی ہے اور رواۃ احادیث بھی بہت بڑی مقدار میں ہیں، بلکہ امام مالک سے ان کے بعض شیوخ نے بھی روایت کی ہے، مثلاً زہری، ابوالاسود، ایوب انصاری، ربیعہ، یحییٰ بن سعید انصاری، محمد بن ابی ذئب، ابن جریج، اعلمش وغیرہ۔

امام احمد اور اصحاب صحاح نے امام مالک سے روایت کے لئے اپنی اپنی صوابدید سے الگ الگ رواۃ اختیار کئے ہیں، مشہور اہل علم و فضل تلامذہ میں سے امام محمد، امام شافعی، عبد اللہ بن مبارک اور لیث بن سعد، شعبہ، سفیان ثوری، ابن جریج، ابن عیینہ، یحییٰ القطان ابن مہدی وغیرہ ہیں۔ (مقدمہ اوجز ص ۱۸)

فضل و شرف، عادات و معمولات

امام مالک مدینہ منورہ میں جس مکان میں رہے وہ مکان حضرت عبد اللہ بن مسعود کا تھا، کرایہ پر لے کر ہمیشہ اسی میں رہے، اپنا ذاتی مکان نہیں بتا اور مسجد نبوی میں نشست اس جگہ تھے جہاں امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نشست کرتے تھے اور وہی جگہ تھی جہاں حضور اکرم ﷺ کا اعتکاف کے وقت بستر مبارک بچھایا جاتا تھا، امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ میں مدت العمر کبھی کسی بے وقوف یا کوتاہ عقل والے کی صحبت میں نہیں بیٹھا، امام محمد نے فرمایا کہ یہ امام مالک کی ایسی فدیہت ہے جو کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی، علماء کے لئے یہ بہت بڑی نعمت ہے

کیونکہ کم عقل لوگوں کی صحبت نور علم کو تاریک کر دیتی ہے اور تحقیق کی بلند چوٹی سے گرا کر تقلید کی پستی میں گرا دیتی ہے جس کی وجہ سے علم کی نفاست میں خرابی و نقصان آجاتا ہے۔ (بستان المحدثین)

امام مالک میں طلب علم کی خواہش کے جذبات غیر معمولی طور پر ودیعت تھے، ظاہری سرمایہ کچھ نہ تھا، اس لئے مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیوں کو فروخت کر کے کتب وغیرہ خریدتے تھے، اسکے بعد دولت کا دروازہ کھل گیا اور کثرت سے مال و دولت خود بخود آنی شروع ہو گئی (غالباً یہ جدی مکان ہوگا) حافظ نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا، فرماتے تھے کہ جس چیز کو میں نے محفوظ کر لیا اس کو پھر کبھی نہیں بھولا علامہ زرقانی نے لکھا کہ امام مالک نے ۷۱ سال کی عمر میں درس دینا شروع کر دیا اور آپ نے اپنے دست مبارک سے ایک لاکھ احادیث لکھیں، جب آپ دفن ہوئے تو آپ کے گھر سے بہت سے صندوق احادیث کے برآمد ہوئے، جن میں سے سات صرف ابن شہاب کی حدیث کے تھے اور آپ کا حلقہ درس آپ کے مشائخ کے حلقوں سے بھی بڑا ہوا گیا تھا، لوگ ان کے دروازہ پر حدیث و فقہ حاصل کرنے کے واسطے اسی طرح جمع ہوتے تھے جیسے بادشاہوں کے محلات پر جمع ہوتے ہیں، آپ ایک دربان بھی رکھتے تھے جو پہلے خواص کو اندر جانے دیتا تھا پھر عوام کو۔

ایک روایت ہے کہ اندر سے ایک جاریہ (باندی) آ کر دریافت کرتی کہ آپ لوگ حدیث کے لئے آئے ہیں یا مسائل کے لئے؟ اگر کہتے کہ مسائل کے لئے تو فوراً باہر آتے اور فتویٰ دیتے تھے، اگر کہتے حدیث کے لئے تو کہلا دیتے کہ توقف کریں اور غسل کر کے نئے کپڑے پہنتے، عمامہ باندھتے، یا لمبی ٹوپی اوڑھتے، خوشبو لگاتے، پھر ادب سے بیٹھ کر حدیث سناتے اور تعظیم حدیث کے لئے پوری مجلس عود سے مہکتی رہتی تھی، تین دن میں ایک بار بیت الخلاء جاتے اور فرماتے کہ مجھے بار بار جاتے شرم آتی ہے، تمام عمر قضاء حاجت کے لئے مدینہ طیبہ کے حرم سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ بجز بیماری وغیرہ کے، سر پر بزار و مال ڈالتے تھے کہ نہ کوئی ان کو دیکھے نہ وہ دوسروں کو دیکھیں (ہمارے حضرت شاہ صاحب کے بارے میں لوگوں نے بیان کیا کہ دہلی میں قیام مدرسہ امینیہ کے زمانہ میں جب بازار میں نکلتے تھے تو سر پر رومال ڈالتے تھے کہ چہرہ پر بھی اس کا کچھ حصہ بطور نقاب آجاتا تھا، غالباً اسی مصلحت مذکورہ سے ہوگا)

امام مالک ایسی جگہ کھانے پینے سے بھی احتراز کرتے تھے جہاں لوگوں کی نظریں پڑیں، کسی نے پوچھا، کیسی صبح آپ نے کی؟ فرمایا ایسی عمر میں جو کم ہو رہی ہے اور ایسے گناہوں میں جو زیادہ ہو رہے ہیں۔

باوجود ضعف و کبر سن بھی مدینہ طیبہ میں کبھی سوار ہو کر نہیں چلتے تھے کہ جس ارض مقدس کے اندر جسم مبارک رسول اللہ ﷺ ہو اس کے اوپر سوار ہو کر چلنا خلاف ادب جانتے تھے۔

مادحین امام مالک

ابن مہدی کا قول ہے کہ سفیان ثوری امام حدیث تھے، امام سنت نہ تھے، امام اوزاعی امام سنت تھے، امام حدیث نہ تھے، لیکن امام مالک دونوں کے امام ہیں، ابن صلاح نے اس کی وضاحت کی کہ سنت سے یہاں ضد بدعت مراد ہے کیونکہ بعد لوگ عالم بالحدیث تو ہوتے ہیں مگر عالم بالسنت نہیں ہوتے۔

امام اعظم نے فرمایا کہ میں نے امام مالک سے زیادہ جلد صحیح جواب دینے والا اور اچھی پرکھ والا نہیں دیکھا، امام شافعی نے فرمایا کہ امام مالک بعد تابعین کے خدا کی حجت تھے اس کی مخلوق پر۔ (تہذیب ص ۸ ج ۱۰)

امام بخاری سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ صحیح سند کونسی ہے تو فرمایا مالک عن نافع عن ابن عمر (تہذیب ص ۶ ج ۱۰) پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ امام اعظم سے بھی یہ اصح الاسانید مروی ہے اگرچہ امام بخاری وغیرہ نے اس کو نہیں بتلایا۔

امام یحییٰ القطان اور امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ امام مالک امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں، اسحق بن ابراہیم کہتے تھے کہ جب ثوری، مالک اور اوزاعی ایک امر پر متفق ہو جائیں تو وہی سنت ہے اگرچہ اس میں نص صریح نہ ہو، امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ امام مالک سے بغض رکھتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ بدعتی ہے، مصعب الزبیری کا قول ہے کہ امام مالک ثقہ، مامون، مثبت، عالم فقیہ حجت و راع ہیں، ابن عیینہ اور عبدالرزاق کا قول ہے کہ حدیث ابو ہریرہ کے مصداق اپنے زمانہ میں امام مالک ہیں۔

تالیقات: امام مالک کی مشہور و مقبول ترین کتاب تو موطا ہی ہے، لیکن اس کے سوا ان کے بہت سے رسائل ہیں جن کی تفصیل مقدمہ اوجز المسالک میں حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے کی ہے، ابن الہیاب نے ذکر کیا کہ امام مالک نے ایک لاکھ احادیث روایت کی تھیں، ان میں سے دس ہزار منتخب کر کے موطاً میں درج کیں پھر برابر ان کو کتاب و سنت اور آثار و اخبار صحابہ پر پیش کرتے رہے یہاں تک کہ وہ کم ہو کر پانچ سو ۵۰۰ رہ گئیں، علامہ کیا الہر اسی نے اپنی تعلیق اصول میں کہا موطا مالک میں ۹ ہزار احادیث تھیں پھر کم ہوتے ہوتے سات سو ۷۰۰ رہ گئیں، علامہ ابوبکر ابہری نے کہا کہ موطا میں کل آثار نبی اکرم ﷺ اور صحابہ و تابعین کے ایک ہزار سات سو بیس ۱۷۲۰ ہیں جن میں مسند ۶ سو ہیں، محدث ابو نعیم نے حلیہ میں لکھا کہ ابوخلید نے کہا میں امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا، موطاً چار روز میں پڑھا امام مالک نے فرمایا وہ علم جس کو ایک شیخ نے ساٹھ سال میں جمع کیا تھا تم نے اس کو چار دن میں حاصل کر لیا، تم لوگ کبھی فقیہ نہ بن سکو گے امام مالک سے ان کے زمانہ میں ہی تقریباً ایک ہزار لوگوں نے موطا کو سن کر جمع کیا تھا اور فقہاء، محدثین، صوفیاء، امراء اور خلفاء نے تبرکاً بھی آپ سے موطاً کی سند حاصل کی، موطاً کا سب سے مشہور نسخہ مہمودی اندلسی کا ہے اور فقہ و حدیث و آثار کی جمع و ترتیب کے اعتبار سے امام محمد کا موطاً سب سے زیادہ اہم و اعظم ہے، موطاً امام مالک کی شروح بڑی کثرت سے لکھی گئیں، ان کی تفصیل شیخ الحدیث نے مقدمہ اوجز میں کی ہے۔

بعض اقوال و کلمات امام مالک

امام مالک اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے جو علم و حکمت سے پر اور ایک حدیث نبوی کا مضمون ادا کرتا ہے۔

(وخیر امور الدین ما کان سنہ وشر الامور المحدثات البدائع)

یعنی دین کا بہتر کام وہ ہے جو طریقہ رسول اکرم ﷺ کے مطابق ہو اور بدترین وہ ہے جو سنت کے خلاف اور نئی نئی بدعتیں تراش لی جائیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں ڈال دیتا ہے، امام اعظم پر قلت روایت کا طعن کرنے والے ذرا اسی مقولہ امام مالک پر غور کریں۔

ایک دفعہ کسی نے طلب علم کے بارے میں کچھ پوچھا، فرمایا طلب علم اچھی چیز ہے مگر انسان کو زیادہ اس امر کا خیال کرنا چاہئے کہ صبح سے شام تک جو امور واجبہ ہیں، ان پر مضبوطی سے اور استقلال کے ساتھ عمل کتنا کیا ہے، ایک مرتبہ فرمایا کہ عالم کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ علمی مسائل کو ایسے لوگوں کے سامنے بیان کرے جو ان کو سمجھنے سے قاصر ہوں کیونکہ اس سے علم کی اہانت و ذلت ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص ۶ ماہ کی مسافت طے کر کے امام مالک کی خدمت میں پہنچا اور ایک مسئلہ دریافت کیا، آپ نے بے تکلف فرمادیا کہ مجھے اس کا جواب اچھی طرح معلوم نہیں وہ حیران ہو کر کہنے لگا کہ اچھا! میں اپنے شہر والوں سے کیا کہوں؟ فرمایا! کہہ دینا کہ مالک نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا ہے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ بے کار اور غلط باتوں کے پاس پھنگنا بربادی ہے، غلط بات زبان پر لانا سچائی سے دوری کی بنیاد ہے، اگر انسان کا دین بگڑنے لگے تو دنیا کتنی بھی زیادہ ہو بیکار ہے، یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ علم آئندہ اور گھٹے گا بڑھے گا نہیں اور ہمیشہ نزول کتب سماویہ اور بعثت انبیاء علیہم السلام کے بعد گھٹنا ہی کرتا ہے

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو وزیر جعفر برکی کو آپ کے پاس بھیجا کہ سلام پہنچائے اور خواہش کی کہ موطالا کر مجھے سنادیں آپ نے فرمایا کہ خلیفہ سے بعد سلام کہہ دینا کہ علم کسی کے پاس نہیں جاتا بلکہ لوگ اسی کے پاس آتے ہیں، جعفر نے پیغام پہنچا دیا پھر امام مالکؒ بھی خلیفہ سے ملے تو خلیفہ نے شکایت کی کہ آپ نے میرا حکم رد کر دیا، امام مالک نے اول تو سند کے ساتھ روایت سنائی کے زید فرماتے ہیں نزول وحی کے وقت سرکارِ دو عالم ﷺ کا زانوئے مبارک میرے زانو پر تھا، صرف کلمتہ غیر اولی الضرر نازل ہوا تا کہ اس کے وزن سے میرا زانو چور چور ہو جانے کے قریب ہو گیا تھا، پھر فرمایا کہ علوم نبوت پچاس ہزار سال کی مسافت سے ہم تک پہنچے ہیں ہمیں بھی ان کی تعظیم و توقیر کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت و بادشاہت دی ہے، اگر آپ ہی ان علوم کی قدر نہ کریں گے تو خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عزت برباد نہ کر دے، یہ سن کر خلیفہ اٹھا اور موطاً سننے کے لئے امام کے ساتھ ہو گیا، یہ بھی ایک روایت ہے کہ اس موقع پر خلیفہ نے اپنے صاحبزادوں کو بھی ساتھ لیا تا کہ وہ بھی موطا سنیں، امام مالک نے اس کو اپنی مسند پر بٹھایا لیکن جس وقت موطاً پڑھنے کا وقت آیا تو خلیفہ نے کہا کہ آپ ہی مجھے پڑھ کر سنائیے، امام نے فرمایا کہ میں خود پڑھ کر سنانا چھوڑ چکا ہوں، دوسرے پڑھتے ہیں اور میں سنتا ہوں خلیفہ نے کہا اچھا! میں خود سنانا ہوں مگر اور سب لوگوں کو آپ باہر کر دیجئے! فرمایا کہ علم کی خاصیت یہ ہے کہ اگر خاص لوگوں کی رعایت سے عام لوگوں کو محروم کیا جائے تو پھر خواص کو بھی اس سے نفع نہیں ہوتا، اس کے بعد آپ نے معن بن عیسیٰ کو حکم دیا کہ وہ قرأت کریں اور جب قرأت شروع ہوئی تو امام صاحب نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! اس شہر میں اہل علم کا یہ دستور ہے کہ وہ علم کے لئے تواضع کرنا پسند کرتے ہیں، خلیفہ ہارون رشید یہ سن کر مسند سے اتر کر سامنے آ بیٹھا اور موطاً سننے لگا۔

امام مالک کا ابتلاء ۱۴۶ھ

والی مدینہ جعفر بن سلیمان سے کسی نے شکایت کر دی کہ امام مالک آپ لوگوں کی بیعت کو صحیح نہیں سمجھتے تو اس پر جعفر کو سخت غصہ آیا اور امام مالک کو بلوا کر کوڑے لگوائے، ان کو کھینچا گیا اور دونوں ہاتھ کھنچوا کر مونڈھے اتروا دیئے، ان سب باتوں سے امام صاحب کی عزت و وقعت بہت بڑھ گئی اور شہرت دور دراز تک پہنچ گئی، بعض کہتے ہیں کہ تقدیم عثمان، علی پر وجہ ابتلاء ہوئی، بعض نے طلاق مکہ کا مسئلہ بیان کیا کہ امام صاحب اس کو درست نہ کہتے تھے۔

یہ ابتلاء غالباً ۱۴۶ھ کا ہے اس کے بعد جب خلیفہ منصور حج کے لئے حرمین حاضر ہوا تو امام مالک کا قصاص جعفر بن سلیمان سے لینا چاہا، یعنی سزا دینی چاہی مگر امام مالک نے روک دیا اور فرمایا خدا کی پناہ! ایسا نہیں ہو سکتا، واللہ! جب بھی مجھ پر کوڑا پڑتا تو میں اس کو اسی وقت حلال و جائز کر دیتا تھا بسبب جعفر کی قرابت رسول اکرم ﷺ کے، در اور دی کہتے ہیں کہ میں اس وقت موجود تھا جب کوڑے مارے جاتے تھے تو امام صاحب فرماتے تھے، اے اللہ! ان کو بخش دے وہ مجھے نہیں جانتے، یہ بھی نقل ہے کہ جب آپ کوڑوں کی ضرب سے بیہوش ہو گئے اور گھر پر لائے گئے تو ہوش میں آتے ہی فرمایا کہ تم سب گواہ رہو کہ میں نے اپنے مارنے والے کو معاف کر دیا ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ الی الابد۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ

ولادت ۱۵۰ھ، وفات ۲۰۴ھ عمر ۵۴ سال

اسم و نسب

ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع، قریشی، آں حضرت ﷺ کے جد اعلیٰ عبد مناف میں آپ کا نسب مل جاتا ہے، بیت المقدس سے دو مرحلہ پر ایک مقام غزہ یا عسقلان میں آپ کی ولادت ہوئی، دو سال کی عمر میں آپ کے والدین آپ کے ساتھ مکہ معظمہ

آگئے تھے نہایت تنگدستی میں آپ کی پرورش ہوئی یہاں تک کہ علمی یاداشتوں کے لئے کاغذ میسر نہ ہوتا تو ہڈیوں پر لکھ لیتے تھے۔

تحصیل علم

آپ کی ابتدائی عمر ادب، تاریخ و شعر وغیرہ کی تحصیل میں گذری، ایک مرتبہ منیٰ میں تھے کہ پشت کی طرف سے آواز سنی علیک بالفقہ یعنی فقہ سیکھو، اس کے علاوہ مسلم بن خالد زنجی نے بھی آپ کی فہم و ذکاوت اور حسن استعداد کا اندازہ کر کے ترغیب دی کہ علم فقہ حاصل کریں چنانچہ اولاً ان ہی کی شاگردی اختیار کی، پھر امام مالک کی خدمت میں پہنچے اس وقت موطاً حفظ کر چکے تھے اور عمر صرف ۱۳ سال تھی، امام مالک کے سامنے موطاً کی قرأت زبانی کی، امام مالک کو تعجب ہوا اور قرأت پسند کی اور فرمایا، تم تقویٰ کو اپنا شعار بنانا، ایک زمانہ آئیگا کہ تم بڑے شخص ہو گے، یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں ایک نور ودیعت کیا ہے، معصیت سے اس کو ضائع نہ کرنا، امام شافعی امام مالک کے پاس صرف آٹھ ماہ رہے جیسا کہ تانیب ص ۱۸۲ میں ہے۔

امام محمد و امام شافعی کا تلمذ امام مالک سے

امام محمد (استاد امام شافعی) امام مالک کی خدمت میں تین سال سے زیادہ رہے، اسی لئے قاضی ابو عاصم محمد بن احمد عامری نے اپنی مبسوط میں (جو مبسوط سرخسی کی طرح، تیس جلدوں میں ہے، یہ عامری شیوخ سرخسی کے طبقہ میں تھے) لکھا ہے کہ ایک دفعہ امام شافعی نے امام محمد سے سوال کیا کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک میں سے آپ کے نزدیک کون زیادہ اعلم ہے؟ فرمایا امام محمد نے کہا کس اعتبار سے؟ کہا علم کتاب اللہ کے اعتبار سے فرمایا، ابو حنیفہ، پھر پوچھا علم سنت کے اعتبار سے؟ فرمایا امام ابو حنیفہ معانی حدیث کے زیادہ عالم تھے اور امام مالک الفاظ حدیث کی بصیرت زیادہ رکھتے تھے، پوچھا اقوال صحابہ کا علم کس کے پاس زیادہ تھا؟ تو اس پر امام محمد نے دکھلانے کے لئے امام اعظم کی کتاب ”اختلاف الصحابہ“ طلب کی الخ (پورا واقعہ حسب روایت عامری)، واقعہ بظاہر صحیح یہی ہے کہ جس کو الٹ پلٹ کر اور مسخ و تحریف کر کے جھوٹے رواۃ کی روایت سے خطیب وغیرہ نے کچھ سے پوچھ کر دیا جو روایت و درایت کی رو سے مغالطہ آمیزی کا اعلیٰ شاہکار ہے، علامہ کوثری نے تانیب، بلوغ الامانی اور احقاق الحق بابطال الباطل فی مغيث الخلق میں ان غلط روایات کی پوری طرح تردید کر دی ہے، امام محمد رحمہ اللہ کے حالات میں ہم بھی کچھ بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ.

امام شافعی کا پہلا سفر عراق

امام شافعی مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں محدث شہیر سفیان بن عیینہ (تلمیذ امام اعظم فی الحدیث) سے حدیث حاصل کی، اس کے بعد یمن چلے گئے اور وہاں فکر معاش کی وجہ سے علمی مشاغل سے ہٹ کر بعض ولایہ و حکام کے یہاں کچھ کام انجام دے کر روزی حاصل کرتے رہے، علامہ ابن عماد حنبلی حافظ ابن عبدالبر سے امام شافعی کے تذکرہ میں نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی وہاں سے علوی خاندان کے نو اشخاص کے ساتھ گرفتار ہو کر بغداد آئے، ہارون رشید اس وقت رقبہ میں تھا، اس لئے یہ لوگ بغداد سے رقبہ آئے اور خلیفہ کے سامنے پیش ہوئے، وہاں رقبہ کے قاضی امام محمد موجود تھے جو امام شافعی کے محبت تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ امام شافعی ہارون رشید کی خلافت پر طعن کرنے کے الزام میں گرفتار ہو کر آئے ہیں تو وہ بہت بے چین ہوئے اور امام شافعی کو بچانے کی فکر میں لگے رہے، پیشی کے بعد اور لوگ تو قتل کر دیئے گئے ایک علوی نوجوان اور امام شافعی بچ گئے، اس نوجوان نے الزام سے برأت ظاہر کی مگر مسموع نہ ہوئی وہ بھی قتل کر دیا گیا، پھر خلیفہ نے امام شافعی سے سوالات کئے اور اس وقت امام محمد بھی دربار میں پہنچ گئے تھے، امام شافعی نے کہا میں تو علوی ہی نہیں ہوں زبردستی ان لوگوں کے

ساتھ گرفتار کر کے لایا گیا ہوں، میں بنی عبدالمطلب سے ہوں اور اسی کے ساتھ کچھ علم سے بھی تعلق ہے، آپ کے یہ قاضی صاحب بھی ان سب باتوں سے واقف ہیں، ہارون رشید نے کہا اچھا آپ محمد بن ادریس ہیں؟ امام نے کہا جی ہاں؟ پھر خلیفہ نے امام محمد سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ کیا واقعی اسی طرح ہے جس طرح یہ کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا بیشک ایسا ہی ہے اور علم میں ان کا پایہ بہت بلند ہے جو شکایت ان کی کی گئی ہے وہ ان کی شان سے بعید ہے، خلیفہ نے کہا اچھا تو آپ ان کو اپنے ساتھ لے جائیے! میں ان کے معاملہ میں غور کروں گا۔

”خود امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام محمد مجھ کو اپنے ساتھ لے گئے اور اس طرح وہی میری گلو خلاصی کا سبب ہوئے، گویا امام محمد کا یہ سب سے پہلا اور بڑا احسان نہ صرف امام شافعی پر بلکہ ان کے سارے متبعین الیٰ یوم القیامۃ پر ہے کہ امام شافعی کی جان بچائی۔

رحلت مکذوبہ امام شافعی

مگر افسوس ہے کہ متبعین میں آبری اور محدث بیہتی وغیرہ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اس احسان عظیم کی مکافات میں ایک رحلت مکذوبہ اپنی کتابوں میں نقل کی پھر امام رازی نے بھی مناقب شافعی میں اس کو نقل کر کے اور آگے چلتا کیا اور آج تک اس کو نقل کرنے والے اور بہت سے غیر محقق مزاج ہو گئے ہیں۔

تحقیق حافظ ابن حجر

چنانچہ حافظ ابن حجر نے تو الیٰ التامیس بمعالی ابن ادریس ص ۱۷ میں لکھا کہ اس رحلت مکذوبہ کو آبری اور بیہتی وغیرہ نے مطول و مختصر نقل کیا اور امام رازی نے بھی اسی کو چلتا کر دیا، حالانکہ اس کی کوئی معتمد سند نہیں ہے اور وہ جھوٹی ہے اکثر حصہ اس کا موضوع اور کچھ حصے دوسری روایات کے ٹکڑے جمع کر کے جوڑ دیئے گئے ہیں، اور سب سے زیادہ واضح جھوٹ اس میں یہ ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد نے ہارون رشید کو امام شافعی کے قتل پر آمادہ کیا اور اس کا بطلان دو وجہ سے ہے ایک تو یہ کہ امام شافعی جس وقت بغداد آئے تو اس وقت امام ابو یوسف موجود ہی نہ تھے کیونکہ ان کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہو چکا تھا، اور امام شافعی پہلی بار ۱۸۳ھ میں اس سے دو سال بعد وہاں پہنچے ہیں، دوسرے یہ کہ وہ دونوں اس امر سے بہت برگزیدہ تھے کہ کسی بے گناہ مسلمان کے قتل کے لئے سعی کریں، ان کا منصب عالی اور جلالت قدر اور جو کچھ ان کے دین و تقویٰ کے بارے میں مشہور ہے وہ ایسے امور کے قطعاً منافی ہے۔

امام شافعی کا امام محمد سے تعلق و تلمذ

امام شافعی کی ملاقات اس موقع پر امام محمد سے ضرور ہوئی ہے اور وہ ان کو پہلے سے بھی حجاز سے جانتے تھے اور انہوں نے امام محمد سے علم حاصل کیا بلکہ ان کی خدمت میں رہ پڑے تھے، نیز حافظ ابن حجر نے ساجی کی ایک دوسری روایت کی بھی تردید کی اور کہا کہ یہ بھی بے سند بات ہے کیونکہ امام محمد نے امام شافعی کے ساتھ ہمیشہ لطف و محبت اور مساعدت کا معاملہ کیا ہے اور اسی لئے امام شافعی سے بھی ائمہ میں سے کسی امام کے حق میں اتنی ثناء و مدح منقول نہیں ہے جس قدر امام محمد کے بارے میں ہے (واقعی وہ ایسی تعریف کے مستحق بھی تھے) اور یہ خود بڑی تکذیب جھوٹ گھڑنے والوں کیلئے ہے جس تردید نہیں کی جاسکتی۔

معذرت

راقم الحروف معذرت خواہ ہے کہ ایسے امور کے بیان میں خاص طور سے اطناب و طول کو ترجیح دی ہے جس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اردو میں ان بزرگوں کے حالات لکھنے والے ہمارے حنفی علماء نے بھی ضرورت سے زیادہ اختصار سے کام لیا ہے اور ایسے اہم واقعات کا

ذکر تک نہیں کیا، ان کی تنقیح و تصحیح وغیرہ تو کیا کرتے اسی لئے ہمارے اکابر کا صحیح اور کامل تعارف بہت کم سامنے آیا اور دوسری طرف حاسدین و معاندین برابر ایسی ہی بے سند جھوٹی باتوں کا پروپیگنڈا کر کے عوام و خواص کو اکابر احناف سے بدظن کرتے رہے، ہمارا صحیح نظریہ ہے کہ صحیح واقعات و حالات کے تمام گوشے یک جا ہو کر ضرور سامنے ہو جائیں، و بیدہ التوفیق۔ خدا تعالیٰ جزائے خیر دے، علامہ کوثری کو کہ ان کی وجہ سے ہمیں ایسے تاریخی حقائق کے بیان میں بڑی مدد مل جاتی ہے۔

حاسدین و معاندین کے کارنامے

رحلۃ مکذوبہ مذکورہ بالا کے ساتھ دونوں مذہب کے بدخواہوں نے اختلاف و تعصب کو ہوا دینے کے لئے دوسری حاشیہ آرائیاں بھی کیں، مثلاً کہا گیا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد امام شافعی پر حسد کرتے تھے حالانکہ امام شافعی اس زمانہ میں طالب علم کی حیثیت میں تھے اس وقت ان میں کوئی خاص فضل و امتیاز قابل حسد نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ امام شافعی نے جو موطا امام مالک سے روایت کیا تھا اس کا تذکرہ بھی اور موطاؤں کی طرح نہ ہوا، کیونکہ وہ ان کی ابتدائی دور کی چیز تھی اور وہ مدینہ سے مکہ ہو کر یمن چلے گئے تھے، جہاں عرصہ تک وہ علمی زندگی سے الگ رہے۔

دوسرے اگر امام شافعی اس وقت بھی محسود ہو گئے تھے تو وہ اپنے حاسد امام محمد ہی کا کیوں دامن پکڑتے ان سے ہی علم حاصل کرتے باقاعدہ تلمیذ بنتے اور اپنی کتابوں میں بھی ان سے روایت کرتے اور ہمیشہ بقول حافظ ابن حجر کی ان کی تعریف بھی سب سے زیادہ کرتے، امام محمد کی خدمت میں رہنے کے زمانہ میں امام شافعی اس طرح رہتے تھے کہ راحة القلوب میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے حضرت زبدۃ العافرین خواجہ فرید الدین گنج کا قول ذکر کیا ہے کہ امام اعظم کی توشان ہی بہت بلند ہے ان کے شاگرد امام محمد کا وہ درجہ تھا کہ جب وہ سوار ہو کر کہیں جاتے تھے تو امام شافعی ان کی رکاب کے ساتھ پیدل چلتے تھے اور فرمایا کہ اسی سے دونوں مذاہب میں فرق کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے، اتنی ملخصاً۔ (حدائق الحنفیہ ص ۱۰۴)

پھر یہ بھی ہر دوست دشمن امام محمد کے حالات پڑھ کر جانتا ہے کہ اہل علم میں سے وہ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے والے تھے چنانچہ طالبی کے ان کا مشہور واقعہ اس کے لئے کافی ہے کہ خلیفہ ہارون رشید کے وفور جذبات غیظ و غضب کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے امام محمد نے اس کے امان کی آخر تک تائید کی جب کہ دوسرے علماء نے مداخلت کی، یہ واقعہ امام محمد کے حالات میں لکھا جائے گا، علامہ کوثری نے اس موقع پر لکھا ہے کہ محدث بیہتی کا تعصب تو معرفۃ السنن سے بھی معلوم تھا کہ امام طحاوی پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے بلکہ اپنے معائب ان کی طرف منسوب کئے مگر یہ خیال نہ تھا کہ وہ جھوٹے واقعات بلوی ایسے کذاب راویوں سے امام ابو یوسف و امام محمد ایسے جلیل القدر ائمہ پر بھی نقل کر دیئے، اور اس امر کی بھی پرواہ نہ کریں گے کہ صحیح تاریخ کی روشنی میں اس قسم کا جھوٹ پیروں پر نہ چل سکے گا تو کتنی فضیحت ہوگی، چنانچہ بیہتی پر اعتماد کر کے امام الحرمین جوینی، ابو حامد طوسی اور فخر الدین رازی جیسے حضرات بھی دھوکہ میں پڑ گئے جو خود تنقیح و تمحیص روایات نہ کر سکتے تھے اور ان واقعات کو صحیح سمجھ کر نہ صرف ان حضرات نے ان کو نقل کیا بلکہ دوسرے معاملات میں بھی جذبات غضب سے مجبور ہو کر بے انصافی پر اتر آئے جو ان کی شان کے مناسب نہ تھی، ملاحظہ ہو امام الحرمین کی مشہور کتاب ”مغیث الخلق“ جس کا جواب علامہ کوثری نے ”احقاق الحق بابطال الباطل فی مغیث الخلق“ لکھا اور سبط ابن الجوزی نے الانتصار والترجیح للمذہب الصحیح“ لکھی۔ ارادہ ہے کہ ان مفید و نادر کتابوں کے تراجم ”ادارہ ناشر العلوم“ سے شائع کئے جائیں گے۔ وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔

غرض امام شافعی کی طرف منسوب ایک رحلۃ مکذوبہ تو یہ تھی جس کی تردید حافظ ابن حجر سے آپ پڑھ چکے ہیں اور ان سے پہلے علامہ ابن تیمیہ نے منہاج میں اور ان سے پہلے مسعود بن شیبہ نے کتاب التعلیم میں بھی تردید کی تھی کیونکہ بلوی مشہور کذاب تھا۔

دوسری رحلت مکذوبہ

دوسری رحلت مکذوبہ ہندو مصر میں حاسدین و معاندین احناف کی سعی سے مسند شافعی کے ساتھ شائع کی گئی بلکہ اس کو دلچسپ قصہ کے طور پر مرتب کر کے الگ بھی خوب شائع کیا گیا اور بلاوجہ علامہ سیوطی و شعرانی کی طرف بھی اس کو منسوب کر دیا گیا تا کہ زیادہ رواج ہو اور طبع مصر میں تو یہ بھی کہ دیا گیا کہ امام شافعی کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی یہ رحلت دستیاب ہوئی ہے، بعض لوگوں نے یہ بھی دعویٰ کر دیا کہ امام شافعی ۱۶۴ھ میں مدینہ سے عراق چلے گئے تھے تا کہ امام ابو یوسف و امام محمد دونوں سے ملاقات ثابت ہو جائے اور پہلی سب اکذوبات صحیح سمجھی جائیں، یہ بھی نقل کیا گیا کہ اس وقت امام شافعی نے ان دونوں سے مناظرے کئے اور امام محمد کی چوری سے ان کے خاص کتب خانہ سے امام اعظم کی کتاب الاوسط لے کر ایک رات میں ساری حفظ کر لی اور پھر امام محمد اس سے کوئی چیز نقل کرتے تو اس کی تغلیط بھی کرنے لگے اور امام محمد اپنی کتابیں امام شافعی کو دینے میں بھی بخل کرنے لگے، پھر امام شافعی بلاد فارس گئے، بعض لوگوں نے لکھا کہ امام شافعی ۱۷۱ھ میں وہاں سے واپس ہو کر پھر بغداد آئے اور کتاب الزعفرانی تالیف کی، حالانکہ اس وقت زعفرانی کی ولادت بھی نہ ہوئی تھی، چہ جائیکہ اس کے نام پر امام شافعی کتاب لکھتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ سب واقعات بے بنیاد اور خود حافظ ابن حجر کی تصریح سے کہ امام شافعی ۱۸۴ھ سے پہلے بغداد پہنچے ہی نہیں، یہ سارے اکذوبات حرف غلط کی طرح ختم ہو جاتے ہیں۔ (بلوغ الامانی ص ۲۸ تا ص ۳۵)

افسوس ہے کہ ہمارے بعض محترم معاصرین نے بھی امام شافعی کے تذکرہ میں مدینہ طیبہ کے بعد عراق کے سفر کا ذکر بے تحقیق کر دیا ہے اور پھر اس چیز کا بھی ذکر تک نہیں کیا کہ عراق پہنچ کر امام شافعی نے امام محمد کے پاس برسوں رہ کر وہ علوم حاصل کئے جن سے وہ امام مجتہد بنے کیونکہ ان کی ساری ممتاز علمی زندگی کا دور امام محمد کی خدمت میں رہنے کے بعد ہی سے شروع ہوتا ہے ۱۸۴ھ سے قبل کی زندگی علمی اعتبار سے قابل ذکر نہیں ہے۔

امام شافعی امام محمد کی خدمت میں

غرض امام شافعی اس الزام سے بری ہو کر جس میں گرفتار ہو کر یمن سے بغداد آئے تھے، امام محمد ہی کی خدمت میں رہ کر علم فقہ وغیرہ کی تحصیل کرتے رہے، تقریباً ساٹھ دینار صرف کر کے امام محمد کی تصنیفات نقل کرائیں اور خود بھی نقل کی ہوں گی، امام محمد سے ایک سختی اونٹ کی بوجھ کے برابر کتابوں کا علم حاصل کیا جو امام شافعی نے ان سے تنہا پڑھیں یعنی دوسرے تلامذہ کے ساتھ جو کچھ علم حاصل کیا وہ اس کے سوا ہے اور اس کے بعد ان کی قدر و منزلت بڑھنی شروع ہو گئی۔

امام محمد کی خصوصی توجہات

امام شافعی نے ابتداء میں جب کتابیں نقل کر رہے تھے اور ایک دفعہ کتابیں دینے میں امام محمد صاحب نے کچھ دیر کی تو امام محمد کو چار شعر لکھ کر بھیجے، جن کا مفہوم یہ تھا کہ اس شخص کو جس کو دیکھنے والوں نے اس کا مثل نہیں دیکھا اور جس نے اس کو دیکھا اس نے گویا اس سے پہلے کے (استاذ و امام) کو بھی دیکھ لیا، میرا پیغام پہنچاؤ کہ علم اہل علم کو اس امر سے روکتا ہے کہ وہ مستحقین علم سے روکا جائے کیونکہ امید یہی ہے کہ وہ مستحق علم بھی آگے کے مستحق علم ہی کو مستفید کرے گا۔

ابن جوزی نے منتظم میں نقل کیا کہ امام محمد ان اشعار کو پڑھ کر اتنے مسرور و متاثر ہوئے کہ مطلوبہ کتابیں عاریتاً نہیں بلکہ فوراً ہی بطور ہدیہ امام شافعی کے پاس بھیج دیں، اس واقعہ کو مع ابیات کے ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں اور صیری وغیرہ نے بھی مع سند کے نقل کیا ہے اس سے اندازہ کیا جائے کہ امام شافعی جیسے جلیل القدر امام بطور خوشامد جھوٹی تعریف تو نہیں کر سکتے تھے اور وہ امام محمد سے پہلے امام مالک، امام وکیع،

سفیان بن عیینہ جیسے جبال علم حدیث و فقہ کو دیکھ چکے تھے پھر بھی اعتراف کیا کہ انہوں نے امام محمد جیسا نہیں دیکھا اور امام محمد ہی کے علم و فضل سے امام اعظم ابوحنیفہ کے فضل و امتیاز کا بھی اندازہ لگالیا اور بر ملا اس کا اعتراف بھی کر لیا، یہ خود ان کی بڑائی و برتری کی بھی بڑی شہادت ہے وہ کذا یكون شان اهل العلم والتقوى، یرحمہم اللہ جمیعاً و جعلنا معہم یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من الی اللہ بقلب سلیم۔

یہ امام شافعی کا قلب سلیم ہی تھا جس کی ہم نوائی ان کی زبان و قلم نے بھی کی پھر ان کے ہی تبعین میں وہ لوگ ہوئے جنہوں نے اپنے امام کے اساتذہ و اماموں کے ساتھ غیر منصفانہ رویہ جائز رکھا، یوں بھی امام شافعی کی عملی زندگی اس کی گواہ ہے کہ ان کے دل میں امام اعظم کی بے حد قدر و منزلت تھی خود فرمایا کرتے تھے کہ میں امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر روزانہ حاضر ہوتا ہوں اور جب کبھی مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو نفل پڑھ کر امام صاحب کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں اور وہاں خدا سے اپنی حاجت مانگتا ہوں جس سے بہت جلد میری ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ (موفق ص ۱۹۹ ج ۲)

مالی امداد

حافظ ذہبی نے اپنی تاریخ کبیر میں ابو عبید سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام شافعی کو دیکھا کہ امام محمد نے ان کو پچاس اشرفیاں دیں اور اس سے پہلے پچاس روپے اور دے چکے تھے اور کہا کہ اگر آپ علم حاصل کرنا چاہیں تو میرے ساتھ رہیں؟ یہ بھی فرمایا کہ اس رقم کو لینے میں آپ کو کوئی تکلف و تامل نہ کریں جس پر امام شافعی نے کہا اگر آپ میرے نزدیک ان لوگوں میں سے ہوتے جن سے مجھے تکلف برتنا چاہیے تو یقیناً آپ کی امداد قبول نہ کرتا، اس سے امام شافعی نے اپنے خاص تعلق و یگانگت کا بھی اظہار فرمادیا۔

امام شافعی کا حسن اعتراف

امام شافعی نے یہ بھی فرمایا کہ علم اور اسباب دنیوی کے اعتبار سے مجھ پر کسی کا بھی اتنا بڑا احسان نہیں ہے جس قدر امام محمد کا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ امام محمد اکثر اوقات ان کا خیال رکھتے تھے، ابن ساعد کا بیان ہے کہ امام محمد نے امام شافعی کے لئے کئی بار اپنے اصحاب سے ایک ایک لاکھ روپے جمع کر دیئے۔

امام مزنی سے منقول ہے کہ امام شافعی فرماتے تھے، ایک دفعہ عراق میں قرضہ کی وجہ سے میں مجبوس ہو گیا امام محمد کو معلوم ہوا تو مجھے چھڑا لیا، اسی لئے میں ان کا سب سے زیادہ شکر گزار ہوں۔ (کردری ص ۱۵۰ ج ۲)

امام شافعی فرماتے تھے کہ میں نے امام محمد سے زیادہ کسی کو کتاب اللہ کا عالم نہیں دیکھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ان پر ہی اتری ہے ایک دفعہ فرمایا کہ امام محمد کی کتابیں نقل کرانے پر میں نے ساٹھ اشرفیاں صرف کیں پھر غور و تدبر کیا تو ان کے لکھے ہوئے ہر مسئلہ کے ساتھ ایک ایک حدیث رکھی یعنی اقوال و مسائل کو مطابق احادیث نبویہ پایا۔

امام محمد کی مزید توجہات

ابن ابی حاتم نے یہ بھی نقل کیا کہ امام شافعی نے فرمایا کہ میں امام محمد کی خدمت میں رہ پڑا ان کی کتابیں نقل کیں اور ان حضرات کے اقوال و نظریات پر مطلع ہوا اور جب امام محمد مجلس سے چلے جاتے تھے تو میں ان کے اصحاب سے بحث و مباحثہ بھی کرتا تھا..... امام محمد نے ایک روز فرمایا کہ میں نے سنا تم میرے اصحاب سے بحث مباحثہ کرتے ہو آؤ آج میرے ساتھ بھی شاہد یمین کے مسئلہ پر بحث کرو، مجھے ادب مانع ہوا، انکار کیا تو بڑے اصرار سے مجھے مجبور کیا اور میری بحث سن کر اس کو پسند کیا، مجھے داد دی اور اس کا ذکر ہارون رشید سے بھی کیا

خلیفہ نے بھی اس کو پسند کیا اور مجھے اپنے پاس آنے جانے کا موقعہ دیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد امام شافعی پر کس قدر شفقت فرماتے تھے اور مناظرہ و مباحثہ میں بھی ان کی رہنمائی و حوصلہ افزائی فرماتے تھے اور خلیفہ کے یہاں بھی ان کی قدر افزائی کی سعی فرمائی، ادھر امام شافعی کا فرط ادب سے بحث سے رکننا وغیرہ امور سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو قصے دوسرے طرز کے گھڑے گئے وہ درایت و روایت کے اعتبار سے کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتے، واللہ المستعان۔

علامہ صیری نے ربیع سے یہ بھی روایت کی کہ امام شافعی نے فرمایا کہ بجز امام محمد کے جس سے بھی میں نے مسائل پوچھے اس نے جواب میں کچھ نہ کچھ ناگواری کے آثار ظاہر کئے، صرف امام محمد کو ہر موقعہ پر پوری طرح ہشاش بشاش پایا (انتقاء میں بھی اسی طرح ہے ص ۶۹) خطیب نے امام شافعی کے ترجمہ میں (ص ۶۱ ج ۲) ایک روایت امام محمد و امام شافعی کے مناظرہ اور امام محمد کو ساکت کر دینا اور ہارون رشید کی طرف سے بھی تائید امام شافعی کی ابن جارد سے نقل کی ہے حالانکہ خود خطیب نے بھی ابن جارد کو ص ۳۴۷ ج ۲ میں کذاب کہا ہے۔

خطیب و حافظ کا ذکر خیر

لیکن خطیب کی عادت ہے کہ جب کوئی بات ان کے زعم کے موافق ہو تو اس کے جھوٹ ہونے پر تنبیہ کئے بغیر نقل کر دیا کرتے ہیں اس سے کچھ تعجب نہیں، تعجب تو قاضی ابوالطیب طبری سے ہے کہ انہوں نے بھی امام شافعی کی جلالت قدر بتلانے کے لئے خطیب جیسی روش اپنائی اور ان سے بھی زیادہ حیرت حافظ ابن حجر پر ہے کہ انہوں نے بھی مناقب شافعی میں اس حکایت مکذوبہ کو نقل کیا حالانکہ وہ یقیناً جانتے ہوں گے کہ یہ حکایت جھوٹی ہے اور بیہتی میں بھی خطیب کی طرح اپنی تائید کے لئے روایت اکاذیب سے احتراز نہیں کرتے، اس لئے یہ عذر بھی نہیں ہو سکتا کہ حافظ نے بیہتی کا اس معاملہ میں اتباع کیا ہو۔ (بلوغ الامانی ص ۲۶)

امام شافعی اور اصول فقہ

امام شافعی نے ابن مہدی کی فرمائش پر اصول فقہ ”الرسالہ“ کے نام سے تصنیف کی جس کی وجہ سے ان کو اصول فقہ کا موسس و بانی بھی کہا جاتا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ ان سے پہلے امام ابو یوسف اصول فقہ پر تصنیف کر چکے تھے اس لئے اصل موسس و بانی تو وہ تھے البتہ امام شافعی نے اصول فقہ شافعی پر سب سے پہلی تصنیف کی ہے۔

فقہ شافعی

فقہ میں امام شافعی کا خاص طریقہ یہ تھا کہ آپ صحیح احادیث کو لیتے اور حجت سمجھتے تھے ضعیف احادیث کو ترک کر دیتے تھے کسی اور مذہب و فقہ میں ایسا نہیں ہے چنانچہ فقہ حنفی میں بھی حدیث ضعیف قیاس کے مقابلہ میں حجت ہے لیکن دنیا کو پروپیگنڈے کے زور سے باور یہی کرایا گیا کہ احناف اہل رائے و قیاس ہیں حدیث مرسل بھی فقہ حنفی میں قیاس کے مقابلہ میں راجح و مقبول ہے جبکہ بعض دوسرے محدثین اس کو حجت نہیں مانتے، غرض احناف کی مظلومیت کی داستان اس قدر طویل ہے کہ شاید بخاری شریف کے آخری پارہ تک ہم اس پر کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہیں گے۔ (واللہ الموفق)

دوسرا سفر بغداد

امام شافعی دوسری بار امام محمد کی وفات سے ۶ سال بعد ۱۹۵ھ میں بھی بغداد آئے اور دو سال رہ کر پھر مکہ معظمہ واپس گئے، پھر تیسری بار ۱۹۸ھ میں بغداد آئے اور صرف ایک ماہ قیام کر کے مصر تشریف لے گئے اور وہیں ۲۰۴ھ میں وفات پائی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ الی ابد الابد۔

صاحب مشکوٰۃ کا تعصب

صاحب مشکوٰۃ نے امام شافعی کے اساتذہ میں امام محمد کا کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ پہلی مرتبہ ۱۸۴ھ میں ان کے بغداد آنے کا کوئی تذکرہ کیا شاید اس لئے کہ اس کے ساتھ امام محمد کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم کے زمانہ کے حالات کا تذکرہ کرنا پڑتا حالانکہ حافظ ابن حجر وغیرہ سب ہی نے ان باتوں کو پوری فراخ دلی کے ساتھ تسلیم کیا ہے، دوسری طرف وہ لوگ ہیں کہ امام ابو یوسف و امام محمد سے مناظرے اور عناد و عداوت ثابت کرنے کے لئے انہوں نے ۱۶۴ھ میں پھر اے ۱۸۴ھ میں بھی امام شافعی کا بغداد پہنچنا ثابت کرنے کی سعی کی ہمارے بعض معاصرین نے بھی غالباً صاحب مشکوٰۃ وغیرہ کی اتباع میں صرف ۱۹۵ھ اور ۱۹۸ھ کے سفر بغداد کا ذکر کر کے اپنا فرض سوانح نگاری پورا کر دیا اور صحیح حالات کی تحقیق و جستجو کی تکلیف نہ فرمائی۔

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم کہ با من آنچه کرد آں آشنا کرد

صاحب مشکوٰۃ نے امام شافعی کی منقبت میں ایک جملہ یہ بھی فرمایا کہ ان کے علوم و مفاخر اس قدر جمع ہو گئے تھے جو نہ ان سے پہلے کسی امام کے لئے جمع ہوئے نہ ان کے بعد ہوئے اور ان کا ذکر بھی اتنا پھیلا کہ کسی کا نہیں پھیلا تھا، عام طور سے تعریف کے موقع پر کچھ افراط ہو جاتی ہے لیکن بڑے لوگوں کی شان یہ نہیں کہ وہ بھی افراط و تفریط کے راستے پر چل پڑیں، ان کی شان کے مناسب تو زیادہ سے زیادہ احتیاط ہے۔

امام شافعی کا امام محمد سے خصوصی استفادہ

خفش بن حرب کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار امام شافعی کو امام محمد کی مجلس میں دور بیٹھے ہوئے دیکھا کہ غور سے امام محمد کی باتیں سن رہے تھے، یحییٰ بن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو دیکھا کہ امام محمد سے بعض مسائل دقیقہ کی شرح کرنے کے لئے عاجزانہ التماس کرتے تھے، اہلق بن ابراہیم نے کہا امام شافعی پہلے اصحاب حدیث کے مذہب پر تھے پھر جب امام محمد اور ان کے اصحاب کی صحبت میں آئے تو ان سے فقہی مذہب اختیار کیا۔ علی بن حسن رازی کا بیان ہے کہ ایک تقریب نکاح پر چند اصحاب اہل علم جمع ہوئے ان میں امام شافعی بھی تھے فقہ کے کچھ دقیق مسائل میں بحث ہونے لگی، سفیان بن حبان نے امام شافعی کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ سمجھ سکے تو اور زیادہ ادق مسائل میں مذاکرہ شروع کر دیا جس سے وہ اور زیادہ متحیر و پریشان ہوئے، امام محمد کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے اصحاب سے فرمایا۔ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو اور آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا کہ وہ پریشان ہوں وہ ہمارے شریک مجلس و مصاحب ہیں، پھر یہی سفیان کہا کرتے تھے کہ اگر امام محمد امام شافعی سے خوش عقیدہ نہ ہوتے تو ہم ان سے اچھی طرح بحث و مباحثہ کرتے، یہ سفیان امام محمد کے اصحاب میں سے بہت ذکی، ذہین اور طباع تھے اور مزاج میں غالباً شوخی بھی تھی اس لئے امام شافعی کو معاصرانہ چشمک کے باعث ستاتے ہوں گے جس سے امام محمد نے روکا۔

محمد بن شجاع نے کہا کہ ایک دن امام شافعی نے ایک مسئلہ کی تقریر بہت ہی اچھے دلنشین انداز میں کی، پھر فرمایا کہ یہی طرز ہمارے شیخ و استاذ امام محمد کا ہے۔ (کردری ص ۱۵۱، ج ۲)

امام شافعی فرماتے تھے کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر کی برابر کتابیں لکھیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو مجھے علم سے کوئی مناسبت پیدا نہ ہوتی سب لوگ علم میں اہل عراق کے دست نگر ہیں اہل عراق اہل کوفہ کے دست نگر ہیں اور اہل کوفہ امام ابو حنیفہ کے۔ (کردری ص ۱۵۴)

امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے دس سال امام محمد کی مجالست کی اور ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر ان کے افادات علمیہ لکھے وہ اگر اپنی عقل و فہم کے اندازہ سے ہمیں افادہ کرتے تو ہم ان کے علوم کو سمجھ بھی نہ سکتے تھے لیکن چونکہ وہ ہماری عقول و افہام کی رعایت سے سمجھاتے تھے اسی لئے ہم نے فائدہ اٹھایا (کردری ص ۱۵۵، ج ۲)

ایک دفعہ فرمایا کہ حلال و حرام کے مسائل اور نسخ و منسوخ احادیث کا سب سے بڑا عالم میں نے امام محمد کو پایا۔ (کردری ص ۵۵۷ ج ۲) اسی قسم کے کلمات امام اعظم و استاد امام محمد کے بارے میں امام صاحب کو دیکھنے جاننے والے کبار محدثین نے بھی فرمائے ہیں۔ ایک دفعہ امام محمد اور امام شافعی نے ایک ہی مکان میں رات گزاری، امام شافعی تو رات بھر نفل پڑھتے رہے لیکن امام محمد ساری رات لیٹے رہے، امام شافعی کو یہ بات عجیب معلوم ہوئی، صبح کی نماز کے لئے اپنے استاذ کے وضو کے واسطے پانی رکھا، امام محمد نے بغیر جدید وضو کے صبح کی نماز پڑھی تو اور بھی تعجب ہوا، پوچھا تو امام محمد نے فرمایا کہ تم نے تو اپنی ذات کے فائدے کے لئے ساری رات نفلیں پڑھیں مگر میں نے امت محمدیہ کے لئے ساری رات جاگ کر کتاب اللہ سے ایک ہزار سے زیادہ مسائل نکالے ہیں، امام شافعی نے فرمایا یہ سن کر میں اپنی ساری رات کی عبادت و بیداری کو بھول گیا کیونکہ عبادت کرتے ہوئے جاگنا آسان ہے اور امام محمد کے لیٹ کر جاگنے پر تعجب کرنے لگا۔ (کردری ص ۱۵۹ ج ۲)

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ساری رات لیٹتے ہوئے جاگتے رہنا بہت مشکل ہے اور وہ بھی امام محمد جیسے کچھ شہیم کے لئے مگر ان حضرات کی زندگیوں کے سارے حالات عجیب ہی ہیں، اسی لئے امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی موٹے آدمی کو ذہین و ذکی نہیں پایا، سوائے امام محمد کے ایک شخص نے امام شافعی سے کوئی مسئلہ پوچھا، جواب سن کر وہ کہنے لگا کہ اس کے خلاف تو دوسرے فقہاء کہتے ہیں، امام شافعی نے فرمایا کیا تم نے بھی کبھی کسی فقیہ کو دیکھا ہے؟ ہاں۔ امام محمد کو دیکھا ہو تو وہ تو واقعی فقیہ تھے اور ایسے فقیہ کو ان کو دیکھ کر بھی اور باتیں سن کر بھی آنکھیں سیر ہوتی تھیں اور دل نورانیت سے معمور ہو جاتا تھا۔ (کردری ص ۱۵۷ ج ۲)

حمیدی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ امام شافعی اور امام محمد مکہ معظمہ میں تھے اور شدت گرمی کے وقت عادت تھی کہ دونوں ایک ساتھ اٹح کی طرف چلے جایا کرتے تھے، ایک روز ایک شخص سامنے سے گذرا تو دونوں نے ذکاوت سے معلوم کیا کہ یہ شخص کیا پیشہ کرتا ہے، امام محمد نے تین بار تاکید سے کہا کہ یہ درزی ہے، امام شافعی نے کہا بڑھئی ہے، میں نے جا کر اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں پہلے درزی تھا مگر اب بڑھئی بن گیا ہوں۔ (کردری ص ۱۵۷ ج ۲)

محدث محمد بن عبدالسلام کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو یوسف سے ایک مسئلہ پوچھا، جواب دیا، پھر امام محمد سے وہی مسئلہ پوچھا تو دوسرا جواب دیا اور دلائل سے سمجھایا، میں نے کہا امام ابو یوسف نے تو آپ کے خلاف جواب دیا ہے اگر آپ دونوں مل کر فیصلہ کر دیں تو اچھا ہے وہ مسجد میں جمع ہوئے اور دونوں میں بحث ہونے لگی ابتداء میں میں نے کچھ باتیں سمجھیں مگر پھر ایسی باریک باتیں ہونے لگیں کہ میں کچھ نہ سمجھ سکا (کردری ص ۱۵۷ ج ۲) یہاں سے چند باتیں معلوم ہوئیں امام صاحب یہ امام ابو یوسف و امام محمد کے مدارک اجتہاد و استنباط بہت بلند تھے ان کو پوری طرح سمجھنا بڑوں بڑوں کے لئے بھی آسان نہ تھا، بقول علامہ کوثری رحمہ اللہ، ان کے باہم تعلقات نہایت خوشگوار تھے جس طرح ایک کنبہ کے افراد آپس میں ہوتے ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ امام شافعی کا تعلق تلمذ امام محمد سے دس سال تک رہا ہے جس کی ابتداء مکہ معظمہ سے ہوئی اور پھر ۷۷ھ میں امام شافعی بغداد پہنچے تو غالباً امام محمد کی آخر عمر تک ان کی خدمت میں رہے، امام مزنی امام شافعی کے تلمیذ خاص بھی امام محمد کی بہت زیادہ تعریف کیا کرتے تھے اور اگر کوئی اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتا تو فرمایا کرتے تھے کہ میں تو کم بیان کرتا ہوں امام شافعی کو تو میں نے اس سے بہت زیادہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ (ملاحظہ ہو کردری ص ۱۵۴ ج ۲)

یہ اس لئے لکھا گیا کہ بعد کو امام مزنی میں بھی دوسروں کے اثر سے کچھ فرق ہو گیا تھا جس طرح نصر بن شہیل، اسحاق بن راہویہ اور نعیم بن حماد خزاعی وغیرہ چند حضرات میں بھی کچھ فرق پڑ گیا تھا، واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

بعد وفات امام شافعی گورنر بن سلیمان مرادی نے خواب میں دیکھا، پوچھا اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا، فرمایا ”مجھے ایک سنہری کرسی پر بٹھا کر میرے اوپر تازہ بتازہ موتیوں کی بھیر کی“۔ (رحمہ اللہ رحمة واسعة الى ابد الآباد)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۶۲ھ، وفات ۲۴۱ھ، عمر ۷۷ سال

اسم و نسب

الامام الحافظ ابو عبد اللہ احمد بن حنبل الشیبانی المروزی رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی، اول بغداد کے علماء و شیوخ سے علم حاصل کیا، پھر کوفہ، بصرہ، یمن، شام وغیرہ اور حرین شریفین کا بھی سفر کیا، شیخ تاج الدین سبکی نے امام ابو یوسف، امام شافعی، امام وکیع، یحییٰ بن ابی زائدہ وغیرہم کو آپ کے اساتذہ میں اور امام بخاری و مسلم و ابو داؤد وغیرہ کو تلامذہ میں شمار کیا ہے۔

صاحب مشکوٰۃ نے اکمال میں اساتذہ یزید بن ہارون، یحییٰ القطان، سفیان بن عیینہ، امام شافعی، عبدالرزاق بن الہمام کے نام لکھ کر وخلق کثیر سواہم لکھ دیا اور امام ابو یوسف کا نام ذکر نہیں کیا، امام بخاری کو تلامذہ میں لکھنے کے بعد یہ بھی لکھا کہ انہوں نے اپنی صحیح میں امام احمد سے بجز ایک حدیث کے کوئی روایت نہیں کی جو آخری کتاب العقوبات میں تعلیقاً لی ہے۔

امام ابو یوسف سے تلمذ

امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ سب سے پہلے مجھے حدیث کا علم امام ابو یوسف ہی کی خدمت میں رہ کر حاصل ہوا پھر اسی میں ترقی کی، ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سوال کیا کہ یہ دقیق مسائل آپ نے کہاں سے حاصل کئے؟ تو فرمایا امام محمد کی کتابوں سے۔ (موفق ۱۶۰ ج ۲) حافظ ابن سید الناس نے شرح السیرۃ وغیرہ میں لکھا ہے کہ امام احمد نے ابتدا میں امام ابو یوسف کے پاس فقہ و حدیث کا علم حاصل کیا، تین سال تک ان سے پڑھتے رہے اور ان سے بقدر تین الماریوں کے کتابیں لکھیں اور امام محمد کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا، حضرت مولانا عبدالحی صاحب نے التعلیق المجد میں انساب سمعانی سے یہ بھی نقل کیا کہ امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مسئلہ میں تین حضرات کی رائے جمع ہو جائے تو پھر کسی کی بھی مخالفت کی پرواہ نہ کی جائے، پوچھا گیا وہ کون ہیں؟ تو فرمایا۔ ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد بن الحسن، کیونکہ ابو حنیفہ قیاس کی بصیرت میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں، ابو یوسف کا علم آثار سے متعلق بہت وسیع ہے اور محمد عربیت کے امام ہیں۔

اسی طرح وکیع، یحییٰ بن ابی زائدہ، یحییٰ القطان، سفیان بن عیینہ، عبدالرزاق اور یزید بن ہارون بھی امام اعظم کے فن حدیث کے تلامذہ میں سے تھے، لیکن تحریر حالات کے وقت بڑے بڑے حضرات بھی حقائق سے چشم پوشی کر جاتے ہیں۔

امام یحییٰ القطان امام اعظم سے خاص مستفیدین میں تھے اور امام صاحب ہی کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے، ان کی خدمت میں امام احمد، علی بن مدینی اور یحییٰ بن معین تینوں ایک ساتھ حاضر ہوا کرتے تھے ان کے درس کا وقت عصر سے مغرب تک تھا اور یہ تینوں ہاتھ باندھے ان کے سامنے کھڑے ہو کر احادیث سنتے تھے اور رجال کا علم حاصل کرتے تھے، ان کے رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ نہ ان کو خود بیٹھنے کی جرأت تھی نہ وہ فرماتے تھے، یہ تینوں بھی اپنے وقت کے حدیث و رجال کے بلند پایہ عالم ہوئے ہیں، اور تینوں حضرات کی شاگردی کا فخر امام بخاری کو حاصل ہے بلکہ علی بن مدینی اور ابن معین کے بارے میں تو فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے آپ کو صرف ان ہی کی سامنے علمی اعتبار سے حقیر و کمتر پایا ہے یزید بن ہارون کو علامہ ذہبی نے امام صاحب کے تلامذہ حدیث میں شمار کیا ہے، یہ ایک مدت تک امام صاحب کی خدمت میں رہے اور امام صاحب سے روایت حدیث بھی کرتے ہیں سفیان بن عیینہ بھی فن حدیث میں امام صاحب کے شاگرد ہیں اور جامع مسانید امام اعظم میں امام صاحب سے روایت حدیث بھی کرتے ہیں اسی طرح دوسرے مذکورہ حضرات ہیں۔

امام شافعی سے بھی امام احمد کو حصہ و صی تلمذ کا فخر حاصل تھا اور جب تک امام شافعی بغداد میں رہے وہ ان سے جدا نہیں ہوئے۔

امام شافعی بھی امام احمد سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور ان کے ورع و تقویٰ کی تعریف فرمایا کرتے تھے، امام شافعی نے قیام مصر کے زمانہ میں خواب دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ نے امام احمد کو سلام کہلایا اور خلق قرآن کے مسئلہ میں امتحان پر ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمائی امام شافعی نے اس خواب کو لکھ کر امام احمد کے پاس بھیج دیا، امام احمد اس کو پڑھ کر بے حد مسرور ہوئے اور اپنے نیچے کا کرتہ اتار کر قاصد کو بطور انعام بخشا وہ شخص واپس مصر پہنچا تو امام شافعی نے فرمایا کہ یہ تکلیف تو میں تمہیں نہیں دیتا کہ وہ کرتا ہی مجھے دے دو، البتہ یہ چاہتا ہوں کہ اس کو پانی میں بھگو کر نچوڑ کر اس کا پانی مجھے دیدو تاکہ میں اس کو بطور تبرک اپنے پاس رکھ لوں۔ (طبقات)

اس واقعہ ابتلا کی تفصیل طبقات، شافیہ وغیرہ میں مذکور ہے جس کو بطور اختصار یہاں ذکر کیا جاتا ہے، خلق قرآن کے مسئلہ کی وجہ سے لوگوں پر ظلم و ستم کا آغاز خلیفہ مامون کے عہد میں ہوا پھر معتصم باللہ اور واثق باللہ کے عہد میں مامون کی وصیت کے باعث اس کی تکمیل ہوئی سب سے پہلے جس شخص نے یہ کہا کہ ”قرآن مخلوق ہے“ وہ جعد بن درہم تھا جو عہد اموی کا ایک فرد تھا جس کو خالد بن عبداللہ القسری نے قتل کر دیا تھا، پھر جہم بن صفوان نے بھی صفت کلام کی خدا سے کھلم کھلا نفی کا اظہار کیا اور ”قرآن قدیم نہیں مخلوق ہے“ کا نعرہ لگایا، پھر معتزلہ کا دور شروع ہوا جنہوں نے پہلے صفات باری کا انکار کیا پھر خدا کے کلام سے انکار کیا و کلم اللہ موسیٰ تکلیماً کی تائید کی کہ خدا نے صفت کلام پیدا کی اور کہا کہ خدا نے جس طرح اور تمام چیزیں پیدا کی ہیں اسی طرح صفت کلام بھی پیدا کی ہے لہذا قرآن مخلوق ہے معتزلہ نے مامون پر اس سلسلہ میں کافی اثر ڈال دیا تھا اور اس کے دماغ میں یہ بات بھی اتار دی تھی کہ نصاریٰ نے حضرت مسیح کو کلمۃ اللہ کہہ کر ہی خدا کا شریک قرار دیا تھا لہذا قرآن کو کلام اللہ غیر مخلوق کہنے سے بھی لوگ خدائی میں شریک کرنے لگیں گے، مصری علماء میں سے بشر بن غیاث بھی ان کی طرف مائل ہو گئے تھے جو امام ابو یوسف کے شاگرد تھے اور امام ابو یوسف نے ان کو سمجھانے کی سعی کی جب وہ نہ مانے تو اپنی مجلس سے نکلوا دیا تھا۔

معتزلہ کی تحریک اگرچہ ہارون رشید ہی کے زمانہ میں شروع ہو گئی تھی مگر وہ ان سے متاثر نہ ہوا تھا بلکہ بشر کے بارے میں شکایت پہنچی تو اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ اس کے دور میں وہ روپوش ہو گیا تھا۔

علماء میں سے احمد بن ابی داؤد معتزلی پر بھی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس نے ہی مامون کو خلق قرآن کے مسئلہ میں زیادہ تشدد پسند بنا دیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ سب احکام بھی اسی کے اشارے پر دیئے جاتے تھے اسی کو مامون نے اپنا وزیر و مشیر بھی بنا لیا تھا، مامون نے تمام علماء و محدثین پر دار و گیر کا سلسلہ اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم کے ذریعہ قائم کیا تھا جو بغداد میں رہتا تھا، اس نے امام احمد کو بلا کر پوچھا کہ قرآن کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ امام احمد نے کہا قرآن کلام الہی ہے، اسحاق نے کہا کیا وہ مخلوق ہے؟ امام احمد نے کہا وہ کلام الہی ہے اور میں اس سے زیادہ کچھ کہنے کو تیار نہیں ہوں، اسحاق نے کہا کہ خدا کے مشابہ تو کوئی نہیں ہو سکتا، امام احمد نے کہا کہ میں بھی ایسے کھٹلہ شیء و هو السميع البصیر مانتا ہوں، اسحاق نے کہا کہ خدا کے سميع و بصیر ہونے کے کیا معنی ہیں امام احمد نے کہا اس نے جیسا اپنا وصف بیان کیا ہے ویسا ہی ہے، اسحاق نے کہا اس کے کیا معنی ہوئے؟ امام احمد نے کہا میں نہیں جانتا بس وہ ویسا ہی ہے جیسا اس نے اپنا وصف بیان کیا۔

اسحاق نے اور لوگوں کے جوابات کے ساتھ امام احمد کا بیان بھی قلمبند کر کے مامون کے پاس بھیج دیا جس کے جواب میں مامون نے لکھا کہ احمد کو بتادو کہ امیر المؤمنین اس کے مفہوم و منشاء سے پوری طرح واقف ہیں، اس مسئلہ میں وہ اس کے جاہلانہ عقیدہ سے مطلع ہوئے اس کا خمیازہ بہر حال اسے اٹھانا پڑے گا اور اسی طرح دوسرے علماء و بھی تخویف و تہدید کی جنہوں نے خلق قرآن کا عقیدہ تسلیم نہیں کیا تھا، ان کے لئے تعذیب کا حکم بھیج دیا چنانچہ ایسے سب حضرات پر خوب ظلم و ستم کئے اور جو لوگ ضعیف جسم کے تھے وہ ان کی مظالم کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے، امام احمد باقی رہے جو برابر کوڑے کھاتے رہے اور محبوس رہے، مامون کے بعد معتصم باللہ کا دور آیا جو علم سے بھی کورا تھا اس نے تمام اختیارات احمد بن ابی داؤد کے سپرد کر دیئے، معتصم نے دربار میں بلا کر امام احمد کو سمجھانے کی سعی کی مگر لا حاصل سختیاں بھی کیں، جب دیکھا کہ امام احمد کسی

طرح نہیں مانتے تو جیل سے رہا کر کے بھیج دیا گیا، معتصم کے بعد واثق باللہ کا دور آیا تو امام احمد کے پاس لوگوں کے آنے جانے کی ممانعت کر دی گئی اور وہ گھر میں ہی بطور نظر بند رہنے لگے، حتیٰ کے نماز وغیرہ کے لئے بھی گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے۔

واثق کا بعد امام احمد کا ابتدائی دور ختم ہو گیا جو تقریباً پانچ سال یعنی ۲۳۲ھ تک جاری تھا اور وہ درس و تدریس کی مسند پر رونق افروز ہوئے، پہلے بھی اشارہ ہوا کہ اس ابتلاء میں نہ صرف امام احمد ہی ماخوذ تھے، بلکہ دوسرے علماء حق بھی تھے، متعدد شہروں سے فقہاء و محدثین گرفتار ہو کر آتے اور سختیاں جھیلتے تھے، چنانچہ فقیہ مصر بویطی تلمیذ امام شافعی بھی انکار خلق قرآن کے باعث قید ہوئے اور حالت قید ہی میں وفات پائی، نعیم بن حماد بھی قید ہوئے اور جیل خانہ میں وفات پائی اور بہت سے ابتدائی دور میں امام احمد کے ساتھ ہی جو گرفتار ہوئے تھے مظالم کی تاب نہ لا کر شہید ہو چکے تھے، بہر حال امام احمد نے بھی صبر و استقلال و عزیمت کا جو کردار ادا کیا وہ قابل تقلید شاہکار ہے۔

تصانیف

امام احمد کی مشہور و مقبول ترین تالیف آپ کی مسند ہے جس میں کچھ زیادات آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے اور کچھ راوی مسند مذکور ابو بکر قطیبی نے کئے ہیں، مسند مذکور ۱۸۱۸ منندوں پر مشتمل ہے، مسند مذکور کو امام صاحب نے بطور بیاض جمع کیا تھا، ترتیب نہیں دی تھی، یہ خدمت شیخ عبداللہ مذکور نے انجام دی جس میں بہت سی اغلاط بھی ہو گئیں، اصفہان کے بعد محمد شین نے اس کو ترتیب ابواب پر بھی مرتب کیا تھا مگر وہ شائع نہ ہو سکا، البتہ اب مصر سے ”الفتح الربانی“ کے نام سے فقہی ابواب کی ترتیب سے مع حواشی کے تقریباً ۲۳-۲۴ سال سے زیر طبع ہے ۲۳ حصے طبع ہو چکے ہیں اور ۲-۳ حصے مزید طبع ہو کر کتاب مکمل ہو جائیگی ان شاء اللہ، امام احمد نے اس مسند کو ساڑھے سات لاکھ احادیث سے منتخب کر کے تالیف کیا ہے جس میں مکررات کے ساتھ چالیس ہزار ورنہ تیس ہزار احادیث ہیں، امام محمد نے یہ بھی فرمایا کہ اس کتاب کو معیار و مرجع بنایا جائے کہ جو حدیث اس میں نہ ہو اس کو غیر معتبر سمجھا جائے گا مگر شاہ عبدالعزیز نے بستان میں فرمایا کہ اس سے مراد وہی احادیث ہو سکتی ہیں جو درجہ شہرت یا تو اتر معنی کو نہیں پہنچیں ورنہ ایسی احادیث مشہورہ صحیحہ بہت ہیں جو مسند میں نہیں ہیں، ابو زرعہ کا بیان ہے کہ امام احمد کو دس لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں، امام احمد کی دوسری تصانیف یہ ہیں۔

ایک مبسوط تفسیر، کتاب الزہد، کتاب النسخ والنسخ، کتاب المنسک الکبیر، کتاب المنسک الصغیر، کتاب حدیث شعبہ، کتاب فضائل صحابہ، کتاب مناقب صدیق اکبر و حسنین، رضی اللہ عنہم، ایک کتاب تاریخ میں، کتاب الاشریہ۔

شأن امثال

اسحق بن راہویہ کا قول ہے کہ امام احمد اس زمین پر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان بطور حجت ہیں، امام شافعی نیرمایا کہ میں بغداد سے نکلا تو اس میں امام احمد سے زیادہ اور ع، اتقی، اقلقہ و اعلم نہیں چھوڑا، ابو داؤد سختیانی نے فرمایا کہ امام احمد کی مجلس آخرت کی مجلس تھی اس میں کوئی بات دنیا کی نہیں ہوتی تھی۔

حسن بن العزیز کے پاس ورثہ میں ایک لاکھ اشرفی مصر سے آئیں، انہوں نے تین تھیلیاں ایک ایک ہزار کی امام احمد کی خدمت میں بھیجیں اور کہا کہ یہ حلال و طیب مال ہے اس سے اپنی ضرورتوں میں مدد لیجئے، امام احمد نے ان کو واپس کر دیا کہ میرے پاس بقدر ضرورت کافی ہے، عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میں اپنے والد کو اکثر یہ دعا کرتے ہوئے سنتا تھا کہ یا اللہ! جس طرح آپ نے میری پیشانی کو اپنے غیر کے سجدہ سے پچایا، اسی طرح اپنے غیر کے سوال سے بھی اس کو پچائیے۔

فقہ حنبلی کے پانچ اصول

- ۱- کسی مسئلہ کے متعلق نص صریح موجود ہو تو کسی کی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر اس نص پر عمل کرنا، چنانچہ متبوتہ کے لئے امام احمد کے نزدیک فاطمہ بنت قیس کی حدیث کی وجہ سے نفقہ و سکنی دونوں واجب نہیں امام مالک و امام شافعی کے نزدیک سکنی ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نفقہ و سکنی دونوں واجب ہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ کی مرویہ حدیث کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی مخالفت کی وجہ سے رد کر دیا تھا، معلوم ہوا کہ ایسی جگہ خبر واحد پر عمل درست نہ ہوگا، جہاں اس کی وجہ سے کتاب اللہ و سنت مشہورہ کا ترک لازم آئے اور یہی اصول حنفیہ کا ہے، جس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول مذکور سے بھی ہو رہی ہے۔
- ۲- فتاویٰ صحابہ کی حجیت حتیٰ کے حافظ ابن قیم نے تصریح کی کہ امام احمد کے نزدیک فتاویٰ صحابہ کی اہمیت حدیث مرسل سے بھی زیادہ تھی اسحاق بن ابراہیم نے امام احمد سے دریافت کیا کہ آپ کو صحیح مرسل حدیث زیادہ محبوب ہے یا صحابی کا اثر؟ فرمایا صحابی کا صحیح اثر۔
- ۳- جس مسئلہ میں صحابہ کو اختلاف ہو اس میں جس کا قول کتاب و سنت سے قریب ہو اسی کو اختیار کرنا، یہی مسلک امام ابوحنیفہ کا ہے۔
- ۴- ضعیف و مرسل حدیث کو قیاس پر مقدم رکھنا، یہی اصول احناف کا بھی ہے۔
- ۵- قیاس کا استعمال صرف اس وقت کرنا جب کسی مسئلہ میں کوئی منصوص حکم نہ ملے، یہی اصول احناف کا بھی ہے۔

امام احمد اور ائمہ احناف

جیسا کہ ابتداء میں ذکر ہوا امام احمد ائمہ احناف کی طرف میلان رکھتے تھے اور ان کی شاگردی کی ہے مگر پھر جب وہ فقہ و استنباط ادا کام سے کچھ زیادہ خوش نہ رہے اور اپنے مسائل سے بھی رجوع کیا بلکہ روایت حدیث سے بھی توریع اختیار کر لیا تھا، نیز ابتلاء کے دور میں حنفی قضاة کے رویہ کی وجہ سے بددلی پیدا ہوئی ہوگی اس لئے اس دور میں ائمہ احناف کے بارے میں بھی کچھ باتیں ایسی فرمائیں جو ابتدائی دور کے اقوال سے مختلف تھیں مگر پھر آخر میں بھی امام ابوحنیفہ وغیرہ کے بارے میں اچھی رائے کا اظہار فرماتے تھے، جیسا کہ ائمہ حنابلہ میں سے ابوالورد نے اپنی کتاب اصول الدین میں ذکر کیا اور اسی کو علامہ سلیمان بن عبدالقوی الطوفی حنبلی نے بھی شرح مختصر الروضہ میں نقل کیا یہ کتاب مکتبہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے۔ (بلوغ الامانی ص ۵۲)

ترجمہ کتاب استاد محمد ابو زہرہ "امام احمد بن حنبل" (شائع کردہ مکتبہ سلفیہ لاہور) پر جو یہ لکھا گیا ہے کہ "امام احمد باوجود غیر معمولی فقہی شغف کے فقہاء عراق مثلاً امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کے نتائج فکر سے متفق نہیں تھے" اس سے ہمیں اتفاق نہیں کیونکہ امام احمد فرماتے تھے کہ جس قول پر امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف و امام محمد متفق ہو جائیں تو پھر کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کرنی چاہیے۔

اسی طرح کتاب مذکور میں امام محمد کے اساتذہ میں امام ابو یوسف کو کوئی خاص مقام نہیں دیا گیا حالانکہ سب سے پہلے امام احمد ان ہی کی خدمت میں رہ کر تین سال حدیث و فقہ حاصل کرتے رہے اور بقدر تین الماریوں کے ان کے پاس سے کتابیں لکھیں اور امام ابو یوسف کو آثار و حدیث کا سب سے بڑا عالم بھی کہتے تھے، ص ۳۲۸ میں امام حنیفہ کی طرف خبر واحد پر قیاس کو ترجیح دینے کی نسبت بھی صحیح نہیں ہے، اسی طرح اور بھی قابل تنقید امور ہیں۔ والذکر ہا محل آخر ان شاء اللہ۔

فقہ حنبلی کے تفردات

بطور نمونہ بعض تفردات بھی ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ ناظرین کو بصیرت ہو۔

۱۔ جس برتن میں کتانہ ڈالے اس کو سات مرتبہ دھو کر آٹھویں مرتبہ مٹی سے مانجھا جائے، دوسرے ائمہ اس کے قائل ہیں ۲۔ دوسری نجاستوں کو پاک کرنے میں بھی امام احمد کا راجح قول یہی ہے کہ سات مرتبہ دھونا ضروری ہے، دوسرے ائمہ تین بار کافی سمجھتے ہیں ۳۔ اگر کسی شخص کے پاس ایک برتن میں پاک پانی ہو اور دوسرے میں نجس پھر اس میں شک ہو جائے کہ کون سا پاک ہے تو دونوں پانی پھینک کر تیمم کرنا چاہئے، امام ابوحنیفہ و شافعی تحریر کرتے ہیں، مالکی کہتے ہیں کہ دونوں سے وضو کر کے نماز پڑھے ۴۔ مشرکوں کے برتن نجس ہیں بغیر پاک کئے ان کا استعمال جائز نہیں، دوسرے ائمہ نجس نہیں سمجھتے ۵۔ نیند سے اٹھ کر ہاتھ دھونا واجب ہے دوسرے ائمہ مستحب کہتے ہیں ۶۔ وضو میں مضمضہ و استنشاق فرض ہے، دوسرے ائمہ مستحب کہتے ہیں ۷۔ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، خواہ کچا کھائے یا پکا ہوا، دوسرے ائمہ اس کو کسی حال میں بھی ناقص وضو نہیں کہتے۔

ائمہ اربعہ کے ابتلاؤں پر ایک نظر

امام اعظم ابوحنیفہ نے سب سے پہلے ابتلائی میدان میں قدم رکھا اور ہم ان کے حالات بتلا چکے ہیں کہ جو کچھ سختیاں اور مصائب ان پر عباسی حکومت نے نازل کئے وہ سیاسی نظریہ کے اختلاف ہی کا نتیجہ تھا اول امام صاحب کا فطری میلان حضرت علی اور آل بیت رسول اکرم ﷺ کی طرف تھا، پھر عباسی دور حکومت کی بعض غلط کاریوں کے باعث آل بیت کی درپردہ امداد و اعانت وغیرہ اسباب تھے کہ امام صاحب ان کی نظروں میں کھٹکتے تھے، لیکن امام صاحب کا بلند علمی و دینی منصب اور علماء و عوام میں غیر معمولی مقبولیت بھی ایسی نہ تھی کہ آسانی سے ان پر ہاتھ ڈالا جاسکتا، اس لئے قضاء کے مسئلہ کو بہانہ بنایا گیا، امام صاحب نے کوڑے کھائے، قید و بند کی مصیبت سہی، تکالیف اٹھائیں مگر اس دنیوی منصب کو اختیار نہ کیا۔

موفق ص ۲۱۵ ج ۱ میں ہے کہ منصور نے قاضی القضاة کا عہدہ پیش کیا اور کہا کہ قاضیوں کو آپ کے علم کی ضرورت ہے، امام صاحب نے فرمایا اس عہدہ کے لئے وہ شخص موزوں ہو سکتا ہے جس کا اتنا بڑا قلب و حوصلہ ہو کہ آپ پر، شہزادوں پر اور فوج کے سرداروں پر بھی بے تامل شرعی احکام نافذ کر سکے اور میں ایسا نہیں کر سکتا، خلیفہ نے کہا کہ اگر یہی بات ہے تو آپ میرے عطایا کیوں قبول نہیں کرتے؟ مطلب یہ تھا کہ اس بات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے زیادہ جری اور با حوصلہ کوئی بھی نہیں، کیونکہ کوئی دوسرا ایسا نہیں کر سکتا تو امام صاحب نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ بیت المال سے دیتے ہیں جس کا میں کسی اعتبار سے بھی مستحق نہیں ہوں، اس پر خلیفہ لا جواب ہو کر غضبناک ہو گیا اور امام صاحب کے کپڑے اتروا کر سردر بار کوڑے لگوائے گئے جس کی وجہ سے آپ کے بدن سے خون بہا اور پیروں کی ایزڈیوں تک پہنچا لیکن امام صاحب نے پھر یہی فرمایا کہ میں اس عہدہ کے لائق نہیں ہوں، خلیفہ کو اور غصہ آیا کہنے لگا کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ اب تو آپ نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ میں اہل نہیں ہوں کیونکہ جھوٹے کو ایسا اہم منصب سپرد کر دینا جائز نہیں، اس پر خلیفہ نے حلف اٹھایا کہ آپ کو یہ عہدہ ضرور قبول کرنا پڑے گا، امام صاحب نے فوراً ہی جوابی حلف اٹھایا کہ میں ہرگز قبول نہیں کروں گا، وزیر دربار نے امام صاحب کو توجہ دلائی کہ آپ امیر المومنین کے مقابلہ میں ان کے حلف پر حلف اٹھا رہے ہیں، ایسا تو نہ کیجئے، امام صاحب نے بڑے اطمینان قلب کے ساتھ فرمایا کہ میں نے غلطی نہیں کی، اگر امیر المومنین چاہیں تو وہ مجھ سے زیادہ سہولت سے کفارہ حث ادا کرنے پر قادر ہیں، گویا سردر بار ہی یہ بھی کہہ ڈالا کہ اگر خلیفہ چاہے تو حلف کے خلاف کرے، میں اپنے حلف کے خلاف کرنے والا نہیں ہوں۔

اللہ اکبر! یہ تھی جرأت ایمان اور قوت قلب جس کی نظیر مشکل سے ملے گی، کتب تاریخ میں ہے کہ امام صاحب کی اس جرأت و بیباکی پر تمام درباری حیرت زدہ تھے، چنانچہ اسی مجلس میں اسی وقت خلیفہ کے چچا عبدالصمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے خلیفہ کو آگے قدم بڑھانے سے

روکا اور کہا کہ یہ آپ کیا غضب کر رہے ہیں؟ ابھی آپ کے مقابلہ پر ایک لاکھ تلواریں میانوں سے نکل کر آجائیں گی، یہ معمولی شخص نہیں ہے، یہ فقیہ عراق ہے یہ تمام اہل مشرق کا پیشوا ہے، اس پر خلیفہ نے بھی معاملہ کی نزاکت کا احساس کیا، اس کی تلافی کے لئے ہر کوڑے کے مقابلہ میں ایک ہزار درہم کا حساب کر کے تیس ہزار درہم امام صاحب کی خدمت میں بطور معذرت و اظہار افسوس پیش کئے، عبدالعزیز کہتے ہیں کہ اس وقت روپیہ بہت کم تھا اور گویا اس وقت کا ایک روپیہ آج کے ایک سو روپیہ کے برابر تھا یعنی تیس ہزار تیس لاکھ کے برابر تھے مگر جس وقت یہ عظیم القدر رقم امام صاحب کے سامنے لائی گئی تو اس کو ٹنکر ادا کیا، کسی نے عرض کیا کہ لیکر صدقہ کر دیجئے گا تو ناراض ہو کر فرمایا کیا ان لوگوں کے پاس حلال کی کمائی ہے، کیا ان کے پاس کچھ حلال طیب مال ہے کہ میں اس کو لیکر فقراء کو دیدوں یعنی ایسے مال کا صدقہ بھی درست نہیں۔

ملوک و امراء کے ہدایا و تحائف ہمیشہ اسی جرأت سے رد کر دیتے تھے اور اسی طرح عہدہ قضاء کو بھی بار بار ٹھکرایا ہے اور بالآخر قید و بند کو بھی گوارا کیا جیل میں حکم تھا کہ ہر روز دس کوڑے آپ کے مارے جائیں مگر آپ نے انکار کیا، پھر ایک سو کوڑوں کا حکم ہوا، اس پر بھی وہی انکار رہا، دس روز تک کھانے پینے سے روکا گیا، یہ بھی ایک روایت ہے کہ زہر کا پیالہ پیش کیا گیا، آپ نے پہچان کر پینے سے انکار کیا کہ خود کشی کا شائبہ ارتکاب نہ ہو مگر اس کے پینے پر مجبور کیا گیا اور منہ میں ڈال دیا گیا، جب وفات کا وقت قریب ہوا تو سجدہ میں گر گئے اور تقریباً تین سال کی قید کے بعد اسی جیل کی چار دیواری میں واصل بحق ہوئے۔

قاضی حسن بن عمارہ نے (جو آپ کے عاشق و محب صادق تھے، آپ کو غسل دیا اور انہوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی، خطیب نے نقل کیا ہے کہ لوگ بیس روز تک آتے اور نماز پڑھتے رہے، خلیفہ بھی نماز جنازہ میں حاضر ہوا اور اپنے کئے پر سخت افسوس کرنے لگا، پہلی بار نمازیوں کی تعداد پچاس ہزار تھی، لیکن لوگ آتے رہے، یہاں تک کہ چھ بار نماز ہوئی۔

درحقیقت انہوں نے حکومت سے باہر رہ کر بادشاہوں سے زیادہ بادشاہی کی، پھر ان کی آنکھیں دیکھنے والے تربیت یافتہ حضرات نے بھی اسی طرح بادشاہی کی جیسا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے واقعات اس پر شاہد ہیں، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

یہ وہ دور تھا کہ منصب قضا و غیرہ کے لئے بہت سے لوگ دل و جان سے آرزو کرتے تھے ایک تنہا امام صاحب ہیں جو بار بار مناصب خلافت کو ٹھکرا کر مصیبتوں کا پہاڑ سر پر اٹھاتے ہیں، امراء و ملوک کے ہدایا و تحائف کو کبھی قبول نہیں کرتے تھے اور اگر کبھی کسی مصلحت یا اصحاب کے زور دینے پر قبول کیا تو بدستور امانت رکھوادیئے کہ مرنے کے بعد واپس کر دیئے جائیں، اور واپس کئے گئے۔

کہا گیا ہے کہ امام صاحب مال دار تھے اس لئے ان کے ہدایا قبول نہ کرتے تھے اور امام احمد نادر ہونے کے باوجود قبول نہ کرتے تھے لیکن اس طرح موازنہ کرنے والوں نے یہ نہیں دیکھا کہ امام صاحب نے قید و بند کے زمانہ میں بھی اپنی خورد و نوش کے لئے ایک پیسہ حکومت یا کسی مالدار سے نہیں لیا بلکہ اس ناداری کے وقت بھی کوفہ سے خرچ کے لئے اپنے گھر سے منگواتے تھے حتیٰ کہ ایک دفعہ روپیہ پہنچنے میں دیر ہوئی تو اپنے صاحبزادہ کو شکایت کہلائی کہ میرا خرچ معمولی ستو وغیرہ کا ہے اور اس کے بھیجنے میں بھی تم بخل کرتے ہو، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام صاحب بہت کم خوراک اور معمولی خوراک کے عادی تھے۔

غرض امام صاحب نے گھر کی راحت و عیش اور عزت کی زندگی چھوڑ کر مناصب حکومت کو ٹھکرایا اور مصائب و ذلتیں برداشت کیں مال و دولت کو چھوڑ کر اولاد کے چند درہم بھیجنے پر زندگی بسر کی جس پر امام احمد خود فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے وہ مقام حاصل کیا جس کو حاصل کرنے کی دوسرے ہوس نہیں کر سکتے، امام احمد کا ابتلاء یقیناً بہت بڑا ہے اور ان کی ثابت قدمی بھی بے نظیر ہیں مگر ان کے ساتھ اور بہت سے علماء و مشائخ شریک ابتلا تھے اور نہ صرف امام احمد اس وقت مصائب کا شکار ہوئے تھے بلکہ دوسرے بعض وہ بھی تھے جو کہ مصائب کی تاب نہ لا کر شہید ہوئے اور کچھ جیل میں فوت ہوئے۔

دوسرے خلق قرآن کا مسئلہ تھا بھی اسی قدر اہم کے معتزلہ کے غلط نظریہ کے مقابلہ پر تمام اہل حق کو ایک صف میں کھڑا ہونا ہی چاہئے تھا، اس لئے امام احمد اور دوسرے حضرات نے جو کچھ قربانیاں دیں وہ وقت کے اہم فریضہ کی ادائیگی کے مترادف ہیں، البتہ امام صاحب نے جن نظریات کے ماتحت ایک جائز امر سے قبول اہاء کر کے بڑی بڑی تکالیف اٹھائیں اور پھر جیل ہی کی زندگی میں وفات پائی اور تنہا میدان میں آئے اس لئے ان کی قربانی نمبر اول پر آ جاتی ہے دوسرے درجہ میں امام احمد اور ان کے ساتھ دوسرے شریک ابتلاء ہیں تیسرے نمبر پر امام مالک ہیں کہ انہوں نے بھی حکومت وقت کی ناراضی کی پرواہ کئے بغیر کلمہ حق کہا اور تکالیف برداشت کیں، چوتھے نمبر پر امام شافعی کا ابتلاء ہے کہ یمن سے گرفتار ہو کر بغداد لائے گئے مگر امام محمد وغیرہ کی سعی سے بری ہو گئے، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام احمد کے واقعہ ابتلاء کو بعض اہل قلم نے بہت بڑھا چڑھا کر اور وقائع نگاری کا مرقع بنا کر نہایت دلکش و موثر انداز میں پیش کیا ہے، اس طرز سے امام صاحب کے واقعہ ابتلاء کو آج تک کسی نے پیش کرنے کا حوصلہ نہیں کیا اور ہم نے بھی یہی بات زیادہ پسند کی کہ سادے و مختصر انداز میں دونوں بزرگوں کے حالات لکھنے پر اکتفا کریں، موازنہ و محاکمہ کی ذمہ داریاں ناظرین کی طبائع سنبھالیں گی تو زیادہ اچھا ہے۔ واللہ المستعان

تدوین فقہ حنفی

امام اعمش سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتا تو فرماتے کہ ابوحنیفہ کے حلقہ میں جاؤ، وہاں جو مسئلہ پیش ہوتا ہے اس پر وہ لوگ یہاں تک غور کرتے ہیں کہ وہ روشن ہو جاتا ہے، اس موقع پر اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ حنفی حدیثیں ممالک اسلامیہ میں پہنچی تھیں وہ سب امام صاحب کے اجتہاد کے وقت موجود تھیں تو بے موقع نہیں بلکہ بعض محدثین نے تو صاف کہہ دیا کہ صحابہ کا کل علم امام صاحب اور ان کے اصحاب میں موجود تھا جس سے ثابت ہوا کہ فقہ حنفی سے کوئی حدیث خارج نہیں رہی۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے گرامی

حضرت علامہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ ”حنفیہ کی اکثر جزئیات احادیث کے ماتحت نکلیں گی، بخلاف دیگر مذاہب کے کہ ان کے یہاں تخصیصات زیادہ ہیں اسی لئے حنفیہ کا مذہب زیادہ اسفر ہے۔“ اسی وجہ سے اکابر محدثین نے ان کے اقوال پر فتاویٰ دیئے ہیں اور ان کے فقہ کی توثیق کی، علامہ کردری نے مناقب میں ابن جریج کا قول نقل کیا ہے کہ ما افتی الامام الامن اصل محکم امام صاحب کا ہر فتویٰ ایک اصل محکم پر مبنی ہے یعنی قرآن و حدیث پر۔

امام صاحب کے شیوخ

امام اعظم نے چار ہزار شیوخ سے احادیث حاصل کیں اور عبد اللہ بن مبارک نے بھی چار ہزار شیوخ سے حاصل کیں جو امام صاحب کی مجلس کے بڑے رکن تھے اور آخر تک امام صاحب ہی کے پاس حاضر باش رہے، پھر اصحاب امام میں سے جو حضرات تدوین فقہ کی مجلس کے ارکان خصوصی تھے، ان میں سے بقول امام کعب، حفص بن غیاث، یحییٰ بن ابی زائدہ، حبان بن علی، اور مسندل تو خاص طور پر حدیث میں ممتاز تھے، پھر صد ہا محدثین ہر ملک سے حدیث کے ذخائر حاصل کر کے آتے تھے اور امام صاحب کی خدمت میں حدیث و فقہ وغیرہ کی تحصیل کے لئے موجود رہتے تھے۔

امام صاحب کے دور میں حدیث

اس طرح خیال کیجئے کہ امام صاحب کے پاس تدوین فقہ کے طویل زمانہ میں لاکھوں احادیث رسول و آثار صحابہ و تابعین کا ذخیرہ بہترین اسناد سے ہر وقت موجود رہتا تھا، یہ بھی واضح ہو کہ جتنا زمانہ گذرتا گیا اور عہد رسالت سے بعد ہوتا گیا علم میں کمی آگئی، صحابہ کے زمانہ

میں جس قدر علم تھا وہ تابعین کے عہد میں نہ رہا اور اسی طرح انحطاط ہوا۔

امام صاحب کے زمانہ کا علم

امام صاحب کے زمانہ میں جس درجہ کا علم تھا اور جیسے جیسے جلیل القدر محدثین و فقہاء تھے وہ بعد کو نہیں ہوئے دیکھئے! امام احمد کو محدثین نے آٹھویں طبقہ میں لکھا ہے ان کو ساڑھے دس لاکھ احادیث پہنچی تھیں، امام بخاری نویں طبقے میں ہیں اور ان کو صرف چھ لاکھ پہنچیں صرف ایک طبقہ کی ہے تقدم و تاخر سے اتنا فرق ہو گیا ہو کہ چار لاکھ احادیث کم ہو گئیں، یہ اس کے باوجود ہے کہ امام بخاری امام احمد کے شاگرد ہیں جنہوں نے ساڑھے سات لاکھ احادیث سے مسند احمد کو مرتب کیا ہے اور امام احمد کے علاوہ ایک ہزار شیوخ امام بخاری کے اور تھے تو گویا ان سب سے حاصل شدہ احادیث امام بخاری کے پاس صرف چھ لاکھ تھیں، اس سے قیاس کر لیجئے کہ امام صاحب پانچویں طبقہ میں تھے ان کو خود کتنی احادیث چار ہزار اساتذہ سے پہنچی ہوں گی، جبکہ امام بخاری کو ایک ہزار اسی اساتذہ سے ۶ لاکھ پہنچیں۔

تعصب سے قطع نظر

اب تعصب سے دور ہو کر امام صاحب اور امام بخاری کے علم کا موازنہ کیا جائے تو صاف واضح ہوگا کہ خود امام صاحب کے پاس اپنی ذاتی سعی سے احادیث کا ذخیرہ اور وہ بھی بدرجہا زیادہ صحت و قوت کے ساتھ امام احمد اور امام بخاری وغیرہ سے بہت زیادہ تھا اور جو ان کے پاس محدثین کبار کے اجتماع عظیم کے باعث جمع ہو گیا تھا اس کو بھی ملا لیا جائے تو کتنی عظیم القدر چیز بن جاتی ہے پھر جب کہ یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ حضرات جو امام صاحب کے گرد جمع ہوئے تھے وہ مابعد کے تمام محدثین، امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابو بکر بن ابی شیبہ وغیرہ وغیرہ کے شیوخ حدیث بھی تھے۔

حضرت ابن مبارک

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مبارک نے جن کو سب ہی محدثین نے بالاتفاق امیر المؤمنین فی الحدیث کا لقب دیا امام صاحب کو امام اعظم کا لقب حدیث دانی کی وجہ سے دیا تھا۔

امام صاحب کے مناظرے

امام صاحب نے اپنے وقت کے بڑے بڑے محدثین سے مناظرے کئے اور غالب آئے یہ بھی ان کی غیر معمولی طور پر حدیث دانی پر دلیل ہے، اسی طرح دور، دور سے بڑی بڑی تعداد میں محدثین کرام آ کر امام صاحب کے حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے اس سے بھی ان کا محدث اعظم ہونا عیاں ہے، اس زمانہ میں بڑی اہمیت علم حدیث ہی کی تھی اور جو اس میں ناقص ہوتا وہ محدثین کا مرجع نہیں بن سکتا تھا۔

مجلس تدوین فقہ کا طریقہ کار

تدوین فقہ کی مجلس میں جب مسائل پر بحث ہوتی تھی تو سب شرکاء حصہ لیتے تھے جن میں بڑے بڑے محدثین بھی تھے اور سب سے آخر میں امام صاحب ہی محاکمہ کر کے قول فیصل ارشاد فرماتے تھے یہ بات بھی آپ کے ہر علم میں اور خصوصاً حدیث میں امتیاز خاص بتلاتی ہے۔ پھر امام صاحب اپنے وقت کے مفتی اعظم تھے اور مشکلات نوازل میں ان ہی کا قول آخر تھا، بغیر عظیم الشان سرمایہ حدیث کے فتویٰ دینا اور وہ بھی اس دور میں کہ قدم قدم پر بیلیل القدر محدثین بیٹھے ہوئے تھے، ناممکن تھا۔

افتاء کا حق

امام احمد سے کسی نے سوال کیا تھا کہ فتویٰ دینے کے لئے ایک ایک لاکھ حدیثیں کافی ہیں؟ فرمایا نہیں! وہ شخص بڑھاتا گیا، یہاں تک کہ اس نے پانچ لاکھ کہا تو فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اتنی حدیثیں کافی ہو جائیں گی، اس اعتبار سے امام صاحب کے فتویٰ کیلئے بھی کم سے کم پانچ لاکھ احادیث تو بقول امام احمد ضرور ہوں گی جبکہ ان کے اقوال و فتاویٰ اس بہترین زمانہ کے محدثین میں بھی مقبول و متداول تھے۔

اہم نقطہ فکر

ایک بہت ضروری واہم بات یہاں یہ بھی کہنی ہے کہ یہ پانچ لاکھ یا سات لاکھ کی تعداد امام احمد کے وقت میں حدیث کے تعدد و طرق و کثرت اسناد کے باعث ہو گئی تھی کہ حسب تصریح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ان کے وقت میں ایک ایک حدیث کے سو سو طریقے متن و سند کے اختلاف سے ہو گئے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز امام صاحب وغیرہ کے سابق ادوار میں نہ تھی جتنا زمانہ بڑھتا گیا طرق حدیث بھی بڑھتے گئے یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت صدیق اکبر کا دور چونکہ عہد رسالت سے قریب تھا وہ جمع حدیث کو پسند نہ کرتے تھے کہ مبادا پہلی امتوں کی طرح اصل کتاب کی اہمیت کم ہو جائے، پھر حضرت عمر کا دور آیا اور اسلام دور، دور تک پھیلا تو ضرورت قانون اسلام کی بڑی شدت کے ساتھ سامنے آنی شروع ہوئی اور اس کی تکمیل بغیر احادیث و آثار ناممکن تھی اس لئے حضرت عمر نے ضرورت حدیث کا احساس کیا تاہم اس خیال سے کہ لوگ روایت میں بے احتیاطی نہ کریں اس پر سختی کی کہ کوئی شخص بغیر پورے اطمینان و یقین کے کوئی روایت بیان نہ کرے، اسی لئے بعض اوقات گواہ تک طلب کرتے تھے۔

اس روک تھام کے ساتھ اور اس لئے بھی کہ وہ دور اختیار و اتقیاء کا تھا، روایات کا سلسلہ محتاط اور کم رہا، پھر تابعین کا دور آیا اور اسلامی فقہ کی ضرورت کا احساس بڑھا تو روایات میں اور اضافہ ہوا اور لوگوں میں اخذ و نقل روایات کا رجحان ترقی پذیر ہوا تاہم یہ دور بھی خیر القرون میں تھا اور لوگ صدق و دیانت کے شیدائی تھے اس لئے روایات کا دائرہ عدول و ثقات تک ہی رہا۔

لہذا امام احمد کے زمانہ کی پانچ لاکھ احادیث کو امام صاحب کے زمانہ کی پانچ ہزار کے برابر سمجھنا چاہئے اس سے اس زمانہ کے بعض جاہل عالموں کی اس بات کا جواب ہو گیا جو کہا کرتے ہیں کہ متاخرین کو لاکھوں احادیث پہنچی ہیں جو مجتہدین کو نصیب نہیں ہوئیں اس لئے کہ لاکھوں حدیثیں پہنچنا تو مسلم ہے مگر وہ حدیثیں وہی تھیں جو مجتہدین کے پاس بھی تھیں، وہی اسنادوں کی کثرت اور متون کے اختلاف سے لاکھوں بن گئیں ورنہ ان کو موضوعات کہنا پڑے گا کہ پہلوں کے پاس نہ تھیں اور بعد کو وضع کر لی گئیں۔

اصح ترین متون حدیث

بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ جس قدر صحیح متون احادیث کے قدماء کو ملے تھے وہ سب متاخرین کو قوی و صحیح طریقوں سے نہ پہنچ سکے اور برابران میں کمی ہوتی گئی اور کمی ہوتی رہے گی، اندازہ کیجئے کہ امام احمد کو ساڑھے سات لاکھ حدیثیں پہنچیں مگر ان کے ارشد تلامذہ امام بخاری کو صرف ۶ لاکھ پہنچیں جب کہ ان کا حافظہ بے نظیر اور سعی حصول حدیث بھی غیر معمولی تھی، اسی طرح پانچویں طبقہ سے نویں طبقہ تک سوچئے!

اسی سے یہ بھی کہنا بجا ہے کہ جو ذخیرہ صحیح حدیثوں کا امام صاحب کے پاس تھا وہ امام بخاری تک نہیں پہنچا۔

اور جو ذخیرہ امام بخاری وغیرہ محدثین مابعد کے پاس پہنچا ہے اس سے کہیں زیادہ امام صاحب کے پاس تھا۔

تدوین فقہ کے شرکاء کی تعداد

اسی دور میں امام اعظم کے گرد نبائے اسلام کے بہترین محدثین جمع ہو گئے اور امام صاحب نے اپنی غیر معمولی قابلیت و صلاحیت سے کام لے کر تدوین فقہ کی مجلس ترتیب دی جس کے متعین اراکین تو چالیس ہی تھے مگر دوسرے صدہا محدثین بھی اس سلسلہ میں برابر اعانت کرتے رہتے تھے جس کو میں نے دوسری جگہ نقل کیا ہے اس کے بعد حسب تصریح حدیث صحیح وہ دور آیا جس میں جھوٹ کو فروغ ہونا شروع ہوا لوگوں نے احادیث تک وضع کرنی شروع کر دیں اور اسی لئے جرح و تعدیل کے فن کی ضرورت ہوئی، صحیح روایات بیان کرنے والوں میں بھی کثرت روایات کا رجحان بڑھا اور یہی چیز رفتہ رفتہ ترقی کر کے اس حد تک پہنچی کہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحب امام احمد کے وقت میں ایک ایک حدیث کی روایت سو سو طریقوں سے ہونے لگی اور محدثین کی اصطلاح میں ایک ہی حدیث الفاظ حدیث کے اختلاف اور روایت کرنے والوں کی کثرت سے بڑھ جاتی ہے..... مثلاً ایک حدیث کے ایک سو راوی ہوں تو ان کو ایک سو احادیث گنا جائے گا اور اسی طرح ایک حدیث کا متن والفاظ دس راوی الگ الگ بیان کریں تو وہ ایک نہیں دس حدیث گنی جائیں گی، اسی سے بعد کے محدثین کے پاس یہ کہا جانے لگا کہ مثلاً امام احمد کے پاس دس لاکھ احادیث تھیں امام بخاری کے پاس چھ لاکھ احادیث تھیں حالانکہ یہ تعداد حدیث کے ابتدائی طبقات کے لحاظ سے بہت کم تھی کیونکہ وہاں نہ تو اتنے زیادہ ایک ایک حدیث کے روایت کرنے والے تھے اور نہ متون کا اس قدر اختلاف تھا۔

اسی لئے جو احادیث مجتہدین امت کو پہنچی تھیں وہ بہ نسبت دور مابعد کے زیادہ قوی اور باوثوق تھیں اور کیا عجب ہے کہ اسی لئے حق تعالیٰ نے تقدم و قوت ہی کے لحاظ سے مذاہب اربعہ کو رواج و قبول بخشا ہو اور ان کے بعد کے جو مذاہب ہوئے وہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی ختم ہو گئے، یہاں سے مذہب حنفی کی برتری بھی مفہوم ہوتی ہے کہ حسب اعتراف امام سیوطی شافعی وغیرہ امت محمدیہ کا نصف یا دو تہائی حصہ ہر دور میں اسی کا تابع رہا ہے، اس کے بعد درجہ بدرجہ باقی تینوں مذاہب حقہ کا رواج و قبول ہوا۔

امام اعظم کی جامع المسانید: اثرۃ المعارف حیدرآباد سے دو ضخیم جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے اس کے روادے بیشتر وہ کبار محدثین ہیں جو اصحاب صحاح ستہ کے بھی شیوخ ہیں، جامع مسانید میں علامہ خوازمی نے آخر میں رجال کے تذکرہ میں جا بجا اس پر تنبیہ کی ہے۔

امام اعظم اور رجال حدیث

پھر امام اعظم نہ صرف محدث اعظم تھے بلکہ ان کے اقوال رجال حدیث کی جرح و تعدیل میں بھی بطور سند مانے جاتے تھے چنانچہ امام ترمذی و حافظ ابن حجر وغیرہ نے کتب حدیث و رجال میں ان کے اقوال پیش کئے ہیں۔

غرض تدوین فقہ کے بانی اعظم امام صاحب کا خود بھی علم حدیث میں نہایت بلند مرتبہ تھا اور فقہی مسائل کے استنباط میں بھی انہوں نے حدیث کی رعایت سب سے زیادہ کی ہے، چنانچہ فخر الاسلام بزدوی نے لکھا ہے کہ ”امام صاحب اور آپ کے اصحاب (شرکاء تدوین فقہ) حدیث سے بھی بہت زیادہ قریب ہیں کیونکہ انہوں نے اولاً نسخ کتاب سنت سے جائز رکھا، ثانیاً مراسیل پر عمل کیا اور ان کو رائے و قیاس پر مقدم کیا، ثالثاً روایت مجہول کو بھی قیاس پر مقدم کیا، رابعاً قول صحابی کو بھی قیاس پر مقدم کیا (یہ سمجھ کر قول صحابی بھی غیر مدرك بالقیاس میں حدیث ہی کے قریب درجہ رکھتا ہے)

امام محمد نے کتاب ادب القاضی میں فرمایا کہ ”حدیث بغیر استعمال رائے کے مستقیم نہیں ہو سکتی اور نہ رائے بغیر حدیث کی مطابقت کے مستقیم ہو سکتی ہے اسی لئے امام محمد نے اپنی کتابوں کو احادیث و آثار سے بھر دیا ہے، ہاں جن لوگوں نے سہولت اور راحت پسندی سے کام لیا اور صرف ظاہر احادیث پر کفایت کی معافی کا کھوج نہ لگایا ترتیب فروغ علی الاصول اور استنباط وغیرہ کی تکلیف برداشت نہ کی وہ ظاہر حدیث کی

طرف منسوب ہو گئے اور احناب اصحاب رائے کہلائے کیونکہ وہ حلال و حرام کی معرفت میں حاذق اور متقن تھے، استخراج مسائل نصوص سے کرنے میں اور دقت نظر و کثرت تفریع میں ممتاز تھے اور ان سب امور سے اکثر اہل زمانہ عاجز تھے۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۷۲)

اجتہاد کی اجازت شارع علیہ السلام سے

واضح ہو کہ اجتہاد کرنے کا حکم خود شارع علیہ السلام نے دیا ہے اور خود بھی اس پر عمل کیا چنانچہ ترمذی، ابو داؤد اور دارمی میں حدیث موجود ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ کو قاضی مین بنا کر بھیجا تو ان سے پوچھا کہ جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ملے تو کیا کرو گے؟ کہا سنت رسول خدا کی روشنی میں اس کا حکم دیکھوں گا فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ ملے تو کیا کرو گے، کہا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس حکم کو نکالنے کی پوری سعی کروں گا، حضرت معاذ ہی کا بیان ہے کہ اس کو سن کر رسول اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مار کر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے جس نے رسول کے رسول کو اس امر کی توفیق دی جس سے خدا کا رسول راضی ہوا۔

اسی طرح کی دوسری احادیث بھی کتب حدیث میں موجود ہیں امام اعظم اور آپ کے شرکاء تدوین فقہ نے تدوین فقہ کی ضرورت محسوس کر کے وہ کارنامہ انجام دیا جس کا مثل دوسرے مذاہب پیش نہیں کر سکتے۔

نقشہ تدوین فقہ

شامی میں لکھا ہے کہ فقہائے نے فقہ کی تدوین کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ ابن مسعود نے بویا، علقمہ نے اس کو سینچا، ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا، حماد نے اس کو ماٹا یعنی اناج کو بھوسی سے الگ کیا، ابو حنیفہ نے اس کو پیسا، ابو یوسف نے اس کو گوندھا، محمد بن الحسن نے اس کی روٹیاں پکائیں اور باقی سب اس کے کھانے والے ہیں۔

تشریح: یعنی اجتہاد و استنباط کا طریقہ حضرت ابن مسعود سے شروع ہوا، سراج اللامۃ امام الائمہ امام اعظم نے اس کو کمال پر پہنچا کر تدوین فقہ کی مہم سرکاری، تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ مسائل و جزئیات کو منج کر کر ان کو ابواب پر مرتب کر لیا جن سے کتاب الفرائض، کتاب الشروط وغیرہ تصنیف ہوئیں، پھر آپ ہی کے نقش قدم پر چل کر امام مالک، امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر، امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کبار ائمہ مجتہدین نے اصول فقہیہ و تفریع وغیرہ مرتب کرے ترقیات کیں اور فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث و رجال وغیرہ پر بہترین کتابیں وجود میں آئیں۔

بانی علم اصول فقہ

موفق ص ۲۲۵ ج ۲ میں تصریح ہے کہ سب سے پہلے علم اصول فقہ میں امام ابو یوسف نے امام اعظم کے مذہب پر کتابیں لکھیں اس لئے امام شافعی کے بارے میں جو کسی نے لکھا ہے کہ اصول فقہ پر سب سے پہلے کتاب لکھی وہ خود امام شافعی کے اصول فقہ سے متعلق سمجھنا چاہئے۔

سب سے پہلے تدوین شریعت

مسند خواری میں ہے کہ امام صاحب نے سب سے پہلے علم شریعت کو مدون کیا کیونکہ صحابہ و تابعین نے علم شریعت میں ابواب فقہیہ کی ترتیب پر کوئی تصنیف نہیں کی، ان کو اپنی یاد پر اطمینان تھا لیکن امام صاحب نے صحابہ و تابعین کے بلاد اسلامیہ میں منتشر ہونے کی وجہ سے علم شریعت کو منتشر پایا اور متاخرین کے سوا حفظ کا خیال کر کے تدوین شریعت کی ضرورت محسوس کی روایت ہے کہ آپ کے مذہب کو چار ہزار شخصوں نے نقل کیا ہے اور پھر ہر ایک کے اصحاب و تلامذہ کی تعداد ملا کر لاکھوں تک پہنچتی ہے، ملا علی قاری نے اپنے رسالہ میں جو قتال مروزی کے جواب میں

یہ بھی انہوں نے بیان کیا کہ جب امام صاحب کے اصحاب آپ کی خدمت میں جمع ہوتے تھے تو پوری طرح مستعد ہو کر شاگردوں کے طریق پر بیٹھتے تھے اور جب امام صاحب تقریر فرماتے تھے تو ان کی تقریر صرف قوی استعداد کے لوگ سمجھ سکتے تھے۔ (مناقب کردری ص ۱۰۳ ج ۱)

مجلس وضع قوانین کی تاسیس

حرمین شریفین میں تقریباً ۶ سال گزارنے کے بعد جب امام صاحب کوفہ واپس آئے تو مجلس مذکورہ قائم کرنے کا منصوبہ ذہن میں تھا اور یہ ایسا عظیم الشان تاریخی کارنامہ تھا جس کی نظیر اسلام تو اسلام، غیر اسلامی تاریخوں میں بھی نظر نہیں آتی، امام صاحب جن کی دو خصوصیتیں اس وقت زیادہ نمایاں ہو چکی تھیں، ایک نو احادیث و آثار کی تاریخی جستجو کی اہمیت ان کے ناسخ و منسوخ، تقدم و تاخر کی معلومات میں غیر معمولی امتیاز حاصل کر لیا تھا اور ان کے حالات میں بڑے بڑے لوگوں نے امام صاحب کے اس امتیاز کو نمایاں کیا ہے کہ ناسخ و منسوخ احادیث و آثار کے آپ بہت بڑے عالم تھے، دوسری خصوصیت مسائل و نوازل کے وقوع سے پہلے ان کے احکام کتاب و سنت کی روشنی میں ان کی غیر موجودگی میں قیاس و رائے سے متعین کرنا، ان دونوں وصف کے وہ شہرت یافتہ امام تھے۔

قیس بن ربیع حفاظ حدیث میں تھے ان سے جب کوئی امام صاحب کی خصوصیت دریافت کرتا تو جواب میں فرماتے "اعلم الناس بما لم یکن" یعنی جو حوادث ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے، ان کے متعلقہ احکام کے وہ سب سے بڑے عالم تھے۔ (مناقب موفق ص ۴۰ ج ۲)

تدوین فقہ کا طرز خاص

امام صاحب نے جس طرز پر تدوین فقہ کا کام کیا درحقیقت وہ رسول اکرم ﷺ کے فرمان کی تعمیل تھیں جو طبرانی نے اوسط میں حضرت علیؑ سے روایت کی ہے۔ قال قلت يا رسول الله ان ينزل بنا امر ليس فيه بيان امر ولا نهى فما تامرني؟ قال تشاور و الفقهاء و العابدین ولا تمضوا فيه رای خاصة اسی لئے یہ مذہب حنفی جو دراصل ایک جماعت شوری کا مذہب تھا اور حضور اکرم ﷺ کے ارشاد "ید اللہ علی الجماعۃ سے مؤید تھا ہر زمانہ میں مقبول و خواص و عوام رہا اور اسی لئے امام مالک جیسے امام و مجتہدان کی جماعت کے تدوین کردہ مذہب سے مستفید ہوتے تھے، موفق میں ہے کہ امام مالک اکثر امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق حکم دیتے تھے اور ان کے فیصلوں کو تلاش کرتے تھے خواہ ظاہر نہ کریں۔ (موفق ص ۳۳ ج ۲) یہ روایت اسحاق بن ابی اسرائیل سے جو شیوخ ابوداؤد و نسائی میں ہیں اور محمد بن عمر واقدی سے ہے جو امام مالک کے شاگرد تھے۔

فقہ حنفی اور امام شافعی

امام اعظم کے بعد ائمہ متبوعین میں سے فقہی نقطہ نظر سے امام شافعی کا درجہ مانا گیا ہے، اس لئے ان کی رائے فقہ حنفی میں یہاں خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ ۱۔ فرمایا کہ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں میں نے کوئی شخص بھی ابوحنیفہ سے افقہ نہیں دیکھا۔ (خیرات حسان ص ۳۱)

۲۔ جس شخص نے ابوحنیفہ کی کتابوں میں نظر نہیں کی وہ علم و فقہ میں تبحر حاصل نہیں کر سکتا۔ (خیرات ص ۳۱)

۳۔ جو شخص فقہ میں تبحر ہونا چاہے وہ امام ابوحنیفہ کا نمک خوار بنے کیونکہ وہ ان میں سے تھے جن کو فقہ میں کامل توفیق ملی ہے (ایضاً)

۴۔ دیلمی نے امام شافعی سے نقل کیا کہ میں امام محمد کی خدمت میں دس سال رہا اور ان کی تصانیف اس قدر پڑھیں جس کو ایک اونٹ اٹھا سکے، اگر امام محمد اپنی عقل و فہم کے مطابق ہم سے کلام کرتے تو ہم ان کا کلام کبھی نہ سمجھ سکتے لیکن وہ ہم سے ہماری عقل و فہم کے مطابق کلام

۵۔ کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی ایسا امر پیش آئے جس میں امر و نہی منصوص نہ ملے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ فرمایا "فقہاء و عابدین سے معلوم کرو اور کسی ایک کی رائے پر مت چلو"۔

کرتے تھے (کردری ص ۱۵۵ ج ۲)

۵- فرمایا مجھے خدا نے علم میں دو شخصوں سے امداد دی حدیث میں ابن عیینہ سے اور فقہ میں امام محمد سے (کردری ص ۱۵۰ ج ۲)
۶- جو فقہ حاصل کرنا چاہے وہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب و تلامذہ کی صحبت کو لازم سمجھے کیونکہ معانی ان کو ہی میسر ہوئے ہیں، بخدا میں امام احمد کی کتابیں ہی پڑھ کر فقیہ بنا ہوں۔ (در مختار ص ۳۵)

خصوصیات فقہ حنفی

بے شمار خصوصیات میں سے چند بطور مثال ملاحظہ کیجئے۔

۱- باقی فقہ حنفی کا نظریہ یہ تھا کہ نہ صرف اپنے وقت کے موجودہ مسائل کو طے کیا جائے بلکہ جو حوادث و نوازل آئندہ بھی تا قیام قیامت پیش آسکتے ہیں، ان سب کا فیصلہ کیا جائے، برخلاف اس کے اس زمانہ کے دوسرے محدثین و اکابرین حتیٰ کے امام مالک وغیرہ کا بھی نظریہ یہ تھا کہ صرف ان مسائل کی تحقیق کی جائے جو پیش آچکے ہیں، وہ فرضی مسائل کے جوابات بھی نہیں دیتے تھے اس لئے یہ فقہ حنفی کی بڑی خصوصیت و فضیلت ہے جو مذکور ہوئی اور اسی سے امام اعظم کی بھی عظیم منقبت نکلتی ہے کیونکہ بنی آدم کے استحقاق خلافت کا بڑا سبب علم ہے اور علمی کمالات کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کو سردار اولین و آخرین کہتے ہیں پھر وہ علم جو معاملات متعلقہ بالغیر کے انصرام سے متعلق ہو سب سے زیادہ نافع قرار دیا گیا ہے اور حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد جن لوگوں کے علم سے امت کو زیادہ فائدہ پہنچا وہ بہ نسبت دوسروں کے افضل ہوں گے، چنانچہ حامل علوم صحابہ و تابعین میں سے امام اعظم کے علم اور علمی خدمات سے جو نفع دوسری صدی سے چودھویں صدی تک پہنچا ہے وہ دوسروں کے علمی افادات سے ہزاروں حصہ زیادہ ہے اور ان شاء اللہ اسی شان سے اس کی افادیت آخر زمانہ تک رہے گی۔ وما ذلک علی اللہ العزیز۔

۲- فقہ حنفی کی تدوین کسی ایک دوفرد نے نہیں کی بلکہ ایک بڑی جماعت نے کی ہے جس کی ابتدائی تشکیل ہی میں کم سے کم چالیس افراد کے نام آتے ہیں جو اپنے وقت کے بڑے بڑے مجتہد اور بعد کے اجلہ محدثین امام احمد، امام بخاری، امام مسلم وغیرہ کے شیوخ اور استادوں کے استاد تھے اور اسی لئے بعض مصنفین نے تصریح کی ہے کہ اگر صحاح ستہ اور دوسری مشہور کتب حدیث میں سے امام اعظم کے تلامذہ کے سلسلہ کی احادیث و آثار کو الگ کر لیا جائے تو ان میں باقی حصہ بمنزلہ صفر رہ جائے گا۔

پھر اس دور کے بعد سے اب تک فقہ حنفی کی خدمت ہر زمانہ میں بڑے بڑے فقہاء و محدثین کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ سب بھی امام صاحب ہی کا مذکورہ نظریہ رکھتے ہوں گے اور ہر دور میں لاکھوں لاکھ مسائل کا فیصلہ قرآن و حدیث، آثار صحابہ و تابعین، اجماع و قیاس سے ہوتا رہا تو اب تک کتنی تعداد ہوئی ہوگی، دوسرے فقہ میں نہ اتنی وسعت تھی اور نہ کام کرنے والوں نے اس وسعت حوصلہ سے کام کیا تو ظاہر ہے کہ فقہ حنفی کے مقابلہ میں ان کی پوزیشن کیا ہے۔

۳- عامر بن الضرات نسائی امام اعظم کے خاص تلامذہ اہل نساء میں سے تھے، محمد بن یزید کا بیان ہے کہ میں ان کی خدمت میں آتا جاتا تھا، ایک روز فرمانے لگے تم نے امام صاحب کی کتابیں بھی دیکھی ہیں؟ میں نے عرض کیا میں تو حدیث کا طالب ہوں، ان کی کتابوں کا مطالعہ کر کے میں کیا کروں گا؟ فرمایا کہ میں ستر سال سے برابر آثار کا علم حاصل کر رہا ہوں لیکن امام صاحب کی کتابوں کے مطالعہ سے پہلے میں اچھی طرح استنباء بھی نہیں جانتا تھا۔ (کردری ص ۲۳۷ ج ۲)

۴- فقہ حنفی سے دوسرے فقہوں نے بھی مدد لی جس کی تفصیل بلوغ الامانی میں ملاحظہ کی جائے اور امام شافعی وغیرہ کے اقوال اس پر گواہ ہیں۔

۵- فقہ حنفی جس طرح خواص اہل علم و فضل اور سلاطین اسلام کی نظروں میں بوجہ اپنی جامعیت و معقولیت کے مقبول و محبوب ہوا، عوام

میں بھی بوجہ سہولت عمل و تشریح جزئیات میں فروع کثیرہ پسند کیا گیا، نیز مذہب حنفی میں ہر زمانہ کی ضروریات اور جدید سے جدید ترقیات کے ساتھ چلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے، اسی لئے ابتداء ہی سے اس کا نفوذ و شیوع دور، دراز بلاد و ممالک میں ہو گیا تھا، چنانچہ ذیل کا ایک واقعہ بطور مثال پڑھ لیجئے۔

خیر القرون میں اسلام اور حنفی مذہب کا چین تک پہنچنا

نواب صدیق حسن خان نے کتاب ریاض المرئاض و غیاض الاریاض میں ص ۳۱۶ پر سد سکندری کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔
 ”کتاب مسالک الممالک میں لکھا ہے کہ واثق باللہ (خلیفہ عباسی) نے چاہا کہ سد سکندری کا حال معلوم کرے چنانچہ اس نے اس کے تفصیل کے لئے ۲۲۸ھ میں سلام نامی کو جو چند زبانوں کا واقف تھا پچاس آدمیوں کے ساتھ سامان رسد دیکر روانہ کیا، یہ لوگ بلاد آرمینیا، سامرہ، ترخان وغیرہ سے گذر کر ایسی سرزمین پر پہنچے جہاں سے سخت بدبو نکلتی تھی، پھر دور و زمرید چل کر ایسی سرزمین پر پہنچے جہاں ان کو ایک پہاڑ نظر آیا وہاں ایک قلعہ بھی تھا اور کچھ لوگ اس میں تھے مگر آس پاس آباد کاری کے نشانات نہ تھے ۲۷ منزل وہاں سے آگے اور طے کیں اور ایک قلعہ پر پہنچے جہاں سے ایک پہاڑ قریب تھا اور اس کی گھاٹیوں میں سدا جوج ماجوج تھی اگرچہ اس کے قریب بستیاں کم تھیں مگر صحرا اور متفرق مکانات بہت تھے، سد مذکور کے محافظ جو اس جگہ تھے وہ سب مسلمان تھے اور ان کا مذہب حنفی تھا زبان عربی و فارسی بولتے تھے۔“

وجہ اختلاف

امام صاحب کی بلند شخصیت اور وسیع حلقہ درس استنباط احکام کے نئے مستحکم اسالیب کی شہرت دور، دور تک پہنچ گئی تھی اور دور سے لوگ صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے تھے، اس لئے خلاف کرتے تھے اور آپ کے وسیع علم، غیر معمولی ورع و تقویٰ اور جلالت قدر کا اندازہ نہ کر کے نئی بات سن کر منکر سمجھتے تھے چنانچہ جو لوگ واقف ہو جاتے تھے وہ تعظیم کرتے تھے اور موافقت کرتے تھے مثلاً امام اوزاعی نے جو فقیہ شام اور آپ کے معاصر تھے، عبد اللہ بن مبارک سے کہا کہ یہ کون مبتدع کوفہ میں پیدا ہوا ہے ابو حنیفہ؟ انہوں نے جواب نہ دیا بلکہ مشکل مشکل مسائل بیان کئے اور ان کے جوابات فتاویٰ امام صاحب کے بتائے ہوئے، انہوں نے دریافت کیا کہ یہ جوابات و فتاویٰ کس کے ہیں؟ کہا کہ ایک شخص کے ہیں جن سے میں عراق میں ملا تھا، اوزاعی نے کہا کہ یہ تو مشائخ میں بڑی قابل قدر شخصیت معلوم ہوتے ہیں، تم جاؤ اور ان سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو، اس پر انہوں نے کہا کہ وہی تو ابو حنیفہ ہیں، پھر امام اوزاعی اور امام صاحب مکہ میں جمع بھی ہوئے اور مسائل کا مذاکرہ کیا جن کو حل کیا (ابن المبارک ذکر کرتے ہیں کہ) جب جدا ہوئے تو امام اوزاعی نے ان سے فرمایا ”مجھے تو اس شخص کے کثرت علم اور وفور عقل پر غبطہ ہوا اور میں خدا سے استغفار کرتا ہوں کہ ان کے بارے میں جو کچھ کہا میں تو کھلی غلطی پر تھا، جاؤ ان کی صحبت کو لازم کر لو کسی طرح ساتھ نہ چھوڑو کیونکہ ان کے بارے میں جو چیزیں مجھ کو پہنچی تھیں میں نے ان کو ان کے بالکل خلاف پایا (الخیرات الحسان ص ۳۳)

امام صاحب کی بلند ترین شخصیت علمی کے گہرے اثرات نئے طریق فکر، افتاء و تخریج مسائل کے نئے اسلوب، فہم معانی حدیث و استنباط احکام کے گراندہ اصول، شورائی طرز کی فقہی مجالس کی دھاک دور دور تک بیٹھی ہوئی تھی اور یہ دنیا کی بے نظیر علمی مہم دو چار دس سال تک بھی نہیں تقریباً تیس سال بلکہ زیادہ تک پورے شد و مد سے جاری رہی، اتنے بڑے عظیم الشان کام کو انجام دینے والی عظیم شخصیت کے ایسے غیر معمولی کارنامہ کو دیکھ کر دنیا کے علم جویرت و تماشہ تھی، قریب سے دیکھنے والوں نے اچھے اثرات لئے دور سے اندازہ کرنے والوں میں سچ و غلط دونوں ہوئے، کچھ رشک و حسد کا شکار ہوئے کچھ اور آگے بڑھے اور مخالفانہ پروپیگنڈے شروع کئے جیسے نعیم بن حماد کہ امام ذہبی میزان جلد سوم ص ۲۳۹ پر ازدی سے نقل کرتے ہیں کہ نعیم تقویت سنت کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے اور امام ابو حنیفہ کے معائب میں جھوٹی

دکا بیتیں گھڑا کرتے تھے جو سب کی سب بھوٹ ہوتی تھیں۔

افسوس ہے کہ امام بخاری نے ان نعیم کی بھی ایک غلط روایت اپنی تاریخ صغیر میں نقل کر دی ہے جو امام اعظم کے بارے میں حضرت سفیان ثوری کی طرف منسوب کی گئی ہے اور وہ حضرت سفیان پر بھی افتراء ہے کیونکہ شیخ ابن حجر کی شافعی نے خیرات حسان میں حضرت سے امام اعظم کی توثیق نقل کی ہے۔

امام صاحب اور سفیان ثوری

امام سفیان ثوری ان لوگوں میں سے تھے جن کو امام صاحب سے ہمسری کا دعویٰ تھا پھر بھی وہ امام صاحب کے علوم سے بے نیاز نہ تھے، انہوں نے بڑے لطائف الحیل سے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اس کو اکثر پیش نظر رکھتے تھے، زائدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیان کے سر ہانے ایک کتاب دیکھی جس کا وہ مطالعہ کر رہے تھے ان سے اجازت لے کر میں اس کو دیکھنے لگا تو امام ابو حنیفہ کی کتاب الرہن نقلی، میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہ کی کتابیں دیکھتے ہیں؟ بولے، کاش ان کی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں۔ (عقود الجمان باب عاشر)

حسن بن مالک کا قول ہے کہ امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے، سفیان ثوری مجھ سے زیادہ امام ابو حنیفہ کا اتباع کرنے والے ہیں، حضرت علامہ عثمانی نے لکھا کہ اس امر کا ثبوت جامع ترمذی کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۶۹)

اس کے علاوہ حضرت ابو نعیم اصبہانی نے بھی کچھ روایات امام اعظم کی شان کے خلاف نقل فرمادی ہیں جن کے راوی درجہ اعتبار سے ساقط ہیں، کیا اچھا ہوتا کہ ایسے بڑے لوگ، جو روایت حدیث کے وقت بال کی کھال نکالتے ہیں اور کسی طرح شک و شبہ کے پاس بھی نہیں پھٹکتے ایک ایک لفظ کو جانچ تول کر اور کسوٹی پر کس کر نقل کرتے ہیں امام اعظم ایسی عظیم و جلیل شخصیتوں کے بارے میں بھی اپنی محتاط روش کو بے داغ رکھتے تاکہ جواب دینے والے بضرورت جواب بھی اپنے محبوب و محترم امام بخاری یا محدث ابو نعیم کے متعلق کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شکوہ بے احتیاطی وغیرہ پر بھی مجبور نہ ہوتے، یہ ظاہر ہے کہ امام اعظم کی جلالت قدر کو وہ حضرات ہم سے بھی زیادہ جانتے پہنچاتے تھے اور ہم سے زیادہ ان کے دلوں میں ان کی قدر و منزلت تھی یہی وجہ ہے کہ محدث ابو نعیم اصبہانی نے امام اعظم کی مسانید کے ۷۱ یا ۲۱ روایت کرنے والوں میں سے ایک ہیں، اور امام بخاری امام اعظم کے شاگردوں کے شاگرد ہیں (اس کی تفصیل امام بخاری کے تذکرہ میں آئے گی اور پھر اس شان سے کہ امام بخاری حضرت علی بن المدینی کے شاگرد ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں نے علمی اعتبار سے اپنے آپ کو کسی سے حقیر و کمتر نہیں سمجھتا بجز علی بن مدینی کے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷)

اور یہ علی بن مدینی حضرت یحییٰ بن سعید القطان کے شاگرد ہیں اس طرح کے جواہر مزیہ میں ہے، حضرت یحییٰ نماز عصر کے بعد مینارہ مسجد سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے تھے اور امام احمد، یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی ان کے سامنے کھڑے ہو کر حدیثی سوالات کیا کرتے تھے اور نماز مغرب تک اسی طرح کھڑے کھڑے جوابات سنتے تھے نہ وہ ان سے بیٹھنے کے لئے فرماتے تھے اور نہ یہ ان کی عظمت و ہیبت کی وجہ سے بیٹھتے تھے، یہ حضرت یحییٰ القطان باوجود اس فضل و کمال کے امام اعظم کے حلقہ درس میں اکثر شریک ہوتے تھے اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے اور اکثر مسائل میں امام صاحب کی ہی تقلید کی ہے خود کہتے ہیں قد اخذنا باکثر اقوالہ (تہذیب التہذیب ترجمہ امام ابو حنیفہ) تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی نے وکیع بن الجراح کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہ اور یحییٰ القطان دونوں امام ابو حنیفہ کے اقوال پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور یحییٰ بن معین نے بھی اسی طرح لکھا ہے پھر امام اعظم کے بعد بواسطہ ابن مبارک بھی امام اعظم کے شاگرد رہے ہیں، نیز علی بن المدینی معلیٰ بن منصور کے بھی شاگرد ہیں اور وہ امام اعظم کے شاگرد ہیں اسی طرح اور بہت سے اساتذہ و شیوخ ہیں کہ ان کے واسطوں سے امام بخاری کو امام اعظم

کے علمی فیوض و برکات پہنچے ہیں اور امام بخاری نے بیسیوں مسائل میں امام اعظم کی موافقت بھی فرمائی ہے۔

اس کے بعد تیسرے نمبر پر خطیب بغدادی کا ذکر بھی مناسب ہے کہ انہوں نے تاریخ بغداد میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر امام اعظم کی شان رفیع کے خلاف بے سرو پار وایات کا ایک ڈھیر لگا دیا ہے جن کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو تک پہنچادی ہے، اس کے جواب میں ملک معظم عیسیٰ بن ابی بکر ایوبی نے السہم المصیب فی کبد الخطیب لکھا، اور ہمارے استاد محترم حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو بڑی تمنا تھی کہ وہ چھپ جائے لیکن جب طبع ہو کر آیا تو اس کو جیسا خیال تھا نہ پایا، اس کے علاوہ سبط ابن الجوزی نے الانتصار لام انمة الامصار دو جلدوں میں تالیف کی اور خطیب کا پورا رد کیا اور ابوالمؤید الخوارزمی نے مقدمہ جامع المسانید میں بھی اچھا رد کیا ہے لیکن آخر میں حضرت الاستاذ المحترم شیخ محمد زاہد الکوثری قدس سرہ نے جو کافی و شافی رد لکھا وہ یقیناً سب پر فائق ہے اس کا نام تنسیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب ہے یہ لا جواب کتاب قابل دید ہے جس میں ایک ایک چیز کا روایت و درایت سے جواب لکھا ہے اور تحقیق و تدقیق کی پوری پوری داد دی ہے اور الحمد للہ امت پر جو خطیب کے جواب کا قرض تھا اس کو انہوں نے پورا پورا ادا کر دیا ہے۔ جزاہم اللہ عن سائر الامۃ خیر الجزاء۔

ضروری واہم گذارش

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حالات کے ساتھ ہی موزوں ہوتا کہ ان کے ۴۰ شرکاء تدوین فقہ کے حالات بھی متصل آجاتے لیکن ائمہ متبوعین کو ایک جگہ کرنے اور ائمہ ثلاثہ کی جلالت قدر و اہمیت شان کے پیش نظر امام صاحب کے بعد ان تینوں اکابر ائمہ مجتہدین، امام مالک، امام شافعی، امام احمد کے حالات پیش کر دیئے گئے، دوسرے اس لئے بھی یہ ترتیب غیر موزوں نہیں رہی کہ یہ تینوں حضرات بھی امام صاحب کے سلسلہ تلامیذ میں داخل ہیں۔

اب ان چالیس حضرات اکابر مجتہدین محدثین و فقہاء عظام کے حالات پیش کئے جاتے ہیں جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کی تاریخی مہم میں شریک تھے ان کی تعیین و تلاش اور حالات جمع کرنے میں مجھے کافی صعوبت اس لئے ہوئی کہ اب تک کسی تصنیف میں یکجا ان کے حالات تعیین و تشخیص کے ساتھ نہیں ملے، کتابوں میں بھی تلاش بلیغ کی گئی اور موجودہ اکابر اہل علم سے بھی رجوع کیا گیا مگر کہیں سے رونمائی نہ ہوئی، علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ مجھے بڑی تمنا تھی کہ ان چالیس شرکاء تدوین فقہ کے حالات جمع کروں مگر نہ مل سکے اس لئے انہوں نے بھی صرف ۱۲-۱۳ حضرات کی تعیین کی۔

چونکہ اوپر سے ہی برابر نقول میں یہ چیز ملتی ہے کہ امام صاحب نے اپنے بے شمار تلامذہ اصحاب میں سے ۴۰ افراد منتخب کر کے ان کو تدوین فقہ کے کام پر لگا دیا تھا اور وہ تب مجتہدین کے درجہ کے تھے اس کے بعد تفصیل ندارد ہو جاتی تھی، اس لئے راقم الحروف کو بھی بڑی تمنا تھی کہ ان سب کی تعیین ہو کر حالات بھی یک جا ہو جائیں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس میں کامیابی ہوئی۔

پھر جمع حالات کے سلسلے میں یہ بھی دقت ہوئی کہ رجال حدیث کے حالات لکھنے والے قلم غیروں کے ہاتھ میں تھے انہوں نے شروع سے ہی کاٹ چھانٹ اور اپنے پرانے کی تفریق کے نظریہ سے کام لیا تھا، حافظ ابن حجر کا تو کہنا ہی کیا کہ بقول حضرت شاہ صاحب ان سے زیادہ رجال حنفیہ کو کسی اور سے نقصان نہیں پہنچا انہوں نے امام اعظم کے تلامذہ کا ذکر کرتے وقت ہی سب کچھ آئندہ کا نقشہ سوچ لیا ہوگا کہ حافظ مزنی نے تہذیب الکمال میں اگر ایک سو تلامذہ کبار کا ذکر کیا تھا تو انہوں نے تہذیب التہذیب میں ان کو گھٹا کر صرف ۲۳ ذکر کئے اور حضرت عبداللہ بن مبارک، امام حسن بن زیادہ، حضرت داؤد طائی، شیخ الاسلام یزید بن ہارون، امام حدیث سعد بن الصلت، محدث کبیر عبید اللہ بن موسیٰ، محدث و فقیہ جلیل ابو مطیع بلخی جیسے حضرات تلامذہ و اصحاب امام اعظم کا ذکر ہی نہیں کیا، حالانکہ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں بھی ان

حضرات کو امام صاحب کے تلامذہ میں گنایا ہے۔

پھر حافظ ذہبی نے ان چالیس حضرات میں سے اکثر کو حفاظ میں شامل نہیں کیا کیونکہ تعصب وہاں بھی کم نہیں ہے اگرچہ دوسرے طرز کا اور حافظ سے نسبتاً کم ہے اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ امام محمد کو حفاظ میں ذکر نہیں کیا جبکہ علامہ ابن عبد البر اور ان سے پہلے محدث دارقطنی نے بھی امام محمد کو کبار حفاظ و ثقات میں تسلیم کیا ہے جس کا ذکر ہم امام محمد کے حالات میں کریں گے۔

غرض حافظ ذہبی نے بھی زیادہ تو یوں نکال دیئے اس کے بعد حافظ کبیر عبد الرزاق (صاحب مصنف) شیخ الاسلام حافظ ابو عاصم ضحاک بن مخلد الامام الحافظ مکی بن ابراہیم، الحافظ الامام فضل بن موسیٰ سینانی، الامام الحافظ حفص بن غیاث، سید الحافظ یحییٰ القطان، الامام الحافظ الثبت محدث العراق احد الائمة الاعلام و کعب بن الجراح، الامام الحافظ احد الاعلام مسعر بن کدام، الاعلام الحافظ ابراہیم بن طہمان، الامام العلام قاضی الکوفہ احد الاعلام قاسم بن معن، الامام القدوة شیخ الاسلام شیخ الحرم فضیل بن عیاض، الحافظ الحجہ محدث البصرہ یزید بن زریح، الامام الحافظ العلام شیخ الاسلام فخر المجاہدین قدوة الزاہدین عبد اللہ بن مبارک، الامام القدوة الحجہ عبد اللہ بن ادریس، الامام الحافظ علی بن مسہر، ان سب کو مذکورہ بالا القاب و آداب کے ساتھ بڑی عظمت سے ذکر کیا مگر یہ نہیں بتلایا کہ ان کا کچھ تعلق امام اعظم سے بھی تھا یا نہیں صرف امام ابو یوسف کو الامام العلامہ فقیہ العراقیین لکھ کر صاحب ابی حنیفہ اور یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کو الحافظ المتقن الفقیہ لکھ کر صاحب ابی حنیفہ لکھا۔

یہاں اس تفصیل سے مجھے یہ بھی دکھانا تھا کہ امام صاحب کے تلامذہ و اصحاب کتنے بڑے پایہ کے ائمہ و حفاظ تھے جن کے لئے حافظ ذہبی نے مذکورہ بالا القاب لکھے ہیں۔

غرض اپنے سلسلہ کے اکابر کی تصانیف نابود ہیں نہ حافظ عینی کی تاریخ ہے نہ سبط ابن الجوزی کی مرآة الزمان نہ امام طحاوی کی تاریخ کبیرہ کفوی کی طبقات الحنفیہ ملتی ہے نہ قاسم بن قطلوبغا کی تالیفات، فوائد یہیہ دیکھئے تو وہاں بھی نقول غیروں سے ہی ہیں اپنی بہت کم اور بہت سے علمائے کبار حنفیہ کے تذکرہ سے خالی، بتان الحدیثین وغیرہ کا مطالعہ کیجئے تو اس میں بھی اپنے حضرات کا تذکرہ بہت کم اور کسی کا ہے تو وہ بھی بغایت اختصار، حد ہے کہ حافظ کا ذکر فتح الباری شرح بخاری کی وجہ سے ہے مگر حافظ عینی کا ذکر باوجود عمدة القاری شرح بخاری کے نہ آسکا، اسی طرح علامہ عینی نے معانی الآثار امام طحاوی کی دو شرحیں لکھیں ایک نخب الافکار فی شرح معانی الآثار ۸ ضخیم جلدوں میں دوسری مبانی الاخبار ۶ ضخیم جلدوں میں جس کے ساتھ دو جلدوں میں رجال معانی الآثار کی تاریخ لکھی معانی الاخبار، باوجود ان سب حدیثی خدمات کے بھی چونکہ وہ حنفی تھے ان کے ذکر کو غیروں نے نظر انداز کیا تو ہم نے بھی ان کی ہی تقلید کر لی۔

امام طحاوی کا ذکر معانی الآثار کی وجہ سے ہوا مگر ان کی مشکل الآثار، سنن الشافعی اور شرح المغنی وغیرہ کا نام تک بھی نہیں آیا، امام طحاوی کے حالات میں ہم نے ان سب کو لیا ہے، بتان الحدیثین میں تاریخ بغداد کے ذکر کے لئے بھی کئی صفحات ہیں مگر ان میں کہیں ایک کلمہ اس بارے میں نہیں کہ اکابر امت کے خلاف اس میں کیا کچھ زہر موجود ہے، حافظ حدیث جمال الدین زیلیعی حنفی کی نصب الراية جیسی عظیم و جلیل کتاب کا کہیں ذکر نہیں جب کہ دوسری چھوٹی چھوٹی کتابوں کا بھی ذکر موجود ہے۔

مختصر یہ کہ دوسروں نے اگر تعصب و عناد کی وجہ سے ہمارے اکابر کا ذکر مٹایا تھا تو ہم اپنی سادگی یا بے اعتنائی سے اسی راہ پر چل پڑے حتیٰ کے آج نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ کچھ اہل حدیث یہ کہنے کو بھی تیار ہو گئے کہ حنفیہ کے پاس نہ حدیث ہے نہ محدثین، اور بعض حضرات نے تو حضرت سفیان بن عیینہ کے بارے میں یہ بھی کہہ دیا کہ وہ امام اعظم کے فن حدیث میں شاگرد نہ تھے، جس پر علامہ کوثری کو تانیب الخطیب میں لکھنا پڑا کہ جامع المسانید امام اعظم کی مراجعت کی جائے اس سے معلوم ہو جائے گا کہ سفیان بن عیینہ نے کس قدر کثرت سے امام اعظم سے احادیث کی روایت کی ہیں، اسی وجہ سے راقم الحروف نے بھی تلامذہ و اصحاب امام اعظم کے تذکروں میں جا بجا اس تصریح

امام زفر کی قوم کے کچھ لوگوں نے تو امام صاحب کے ان مدحیہ کلمات پر اظہار مسرت کیا اور کہا کہ امام صاحب کے سوا کوئی دوسرا خطبہ پڑھتا تو ہمیں اتنی خوشی نہ ہوتی مگر کچھ لوگوں نے اپنی خاندانی تعلیٰ کا اظہار کرتے ہوئے امام زفر سے کہا کہ آپ کے بنو عم اور شرفاء قوم یہاں جمع تھے ایسے موقع پر کیا مناسب تھا کہ (غیر خاندان کے شخص) ابو حنیفہ سے خطبہ نکاح پڑھنے کو آپ نے کہا؟ امام زفر نے جواب میں فرمایا کہ یہ آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں (امام صاحب کی موجودگی میں) تو اگر میرے والد ماجد بھی موجود ہوتے تو ان پر بھی میں امام صاحب کو مقدم کرتا۔

امام صاحب نے جو تعریفی کلمات امام زفر کے لئے ارشاد فرمائے وہ ان کے فضل و تقدم کے لئے بہت بڑی شہادت ہیں اور امام زفر جو پہلے اصحاب حدیث میں سے تھے اور جن کے مداح ابو بکر ابن ابی شیبہ جیسے محدثین بھی تھے جو امام صاحب پر معترضین میں سے تھے ان کا امام صاحب کی انتہائی تحسین و توقیر کرنا اور تلمذ اختیار کرنا بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔

امام حسن بن زیادہ فرماتے ہیں کہ امام زفر اور امام دلاؤ دطائی میں حقیقی بھائیوں جیسا تعلق تھا پھر دلاؤ دطائی نے توفیقہ کو چھوڑ کر عبادت گزار کی اختیار کی اور امام زفر نے فقہ کے ساتھ عبادت کو جمع کیا اور امام زفر دلاؤ دطائی سے ملاقات کے لئے بصرہ جایا کرتے تھے (لمحات النظر ص ۶، ۷) امام وکیع کا قول ہے کہ امام زفر بڑے متورع، اچھا قیاس کرنے والے، کم لکھنے والے تھے اور جو کچھ لکھتے تھے وہ ان کو یاد رہتا تھا، امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ امام زفر صاحب رائے، ثقہ اور مامون تھے، میں نے فضل بن دکین کو دیکھا کہ جب ان کے سامنے امام زفر کا ذکر ہوتا تو ان کی عظمت و جلالت قدر کے حالات بیان کرتے اور ثقہ، مامون بتلاتے کبھی ان کو خیار ناس میں سے فرماتے تھے، یحییٰ بن اسلم کا بیان ہے کہ میں نے امام وکیع (شیخ اصحاب ستہ) کو آخر عمر میں دیکھا کہ وہ صبح کو امام زفر اور شام کو امام ابو یوسف کے پاس آتے تھے، مگر پھر انہوں نے دونوں وقت امام زفر کے پاس آنا شروع کر دیا۔

امام وکیع سے کسی نے بطور اعتراض کہا کہ آپ زفر کے پاس آتے جاتے ہیں ”فرمایا تم لوگوں نے مغالطہ آمیزیاں کر کے ہمیں امام ابو حنیفہ سے چھڑانا چاہا حتیٰ کہ وہ دنیا سے رنست ہوئے اب تم اسی طرح امام زفر سے چھڑانے کی سعی کرتے ہوتا کہ ہم ابو اسید اور ان کے اصحاب کے محتاج ہو جائیں۔“

یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امام وکیع امام اعظم سے آخر وقت تک وابستہ رہے اور کسی مغالطہ آمیزی سے بھی متاثر نہ ہوئے، امام صاحب ہی کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے جیسا کہ اتفاقاً میں علامہ ابن عبدالبر نے تصریح کی ہے اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ کے ص ۳۲۷ ج ۱۳ میں ذکر کیا کہ کسی نے وکیع سے کہا ”امام ابو حنیفہ نے خطا کی“ تو فرمایا کہ وہ کیسے خطا کر سکتے ہیں حالانکہ ان کے ساتھ ابو یوسف و زفر جیسے قیاس کرنے والے یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، حبان، مندلی ایسے حفاظ حدیث، قاسم بن معن لغت و عربیہ کے ماہر، دلاؤ دطائی و فضیل بن عیاض جیسے زاہد و متورع ہیں اور جس کے ہم مجلس ایسے لوگ ہوں وہ خطا نہیں کر سکتا، کیونکہ اگر خطا کرے تب بھی اس کو صواب کی طرف لوٹادیں گے۔

ایک مشہور روایت ترمذی شریف باب الاشعار میں ہے کہ وکیع کے سامنے امام صاحب کا قول ذکر کیا گیا تو ان کو نبیارت نصیب آیا، اس کی نسبت بھی از روئے درایت امام وکیع کی طرف سے معلوم نہیں ہوتی کیونکہ وکیع امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے اور امام صاحب کے بہت بڑے مداح تھے اور اس واقعہ کی روایت ابوالسائب سلم بن جنادہ سے ہے جو امام صاحب سے منحرف و معاند تھے اور وہی وکیع کی طرف بہت سی غیر صحیح حکایات کی طرف نسبت کرتے ہیں جو تاریخ بغداد وغیرہ میں منقول ہیں اور روایات حدیث میں بھی وہ متفق نہیں تھے ابو احمد حاکم کبیر نے کہا کہ وہ بعض احادیث میں مخالفت کرتے تھے، غرض وکیع سے کوئی ایسی کلمہ امام صاحب کے بارے میں صحیح و قوی سند سے مروی نہیں ہے۔ (حاشیہ رسالت المنیب ص ۷۰)

محدث ابو نعیم فضیل بن دکین نے فرمایا کہ مجھ سے امام زفر نے کہا ”میرے پاس اپنی حدیثیں لاؤ تا کہ تمہارے لئے ان کی چھان پچھوڑ کر دوں، حافظہ ذہبی نے کہا کہ امام زفر فقہاء و زاہدوں میں سے تھے، صدوق تھے بہت لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے اور ابن معین نے بنی

حافظ ابن حجر نے کہا کہ ابن حبان نے امام زفر کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ وہ متقن حافظ حدیث تھے، اپنے صاحبین کے طریقہ سے نہیں چلے اور اپنے اصحاب میں سب سے زیادہ قیاس کرنے والے اور حق کی طرف رجوع کرنے والے تھے، حافظ ابن عبدالبر نے انتقاء میں لکھا کہ امام زفر صاحب عقل و دین و ورع تھے اور روایت حدیث میں ثقہ تھے۔

موازنہ امام ابو یوسف و زفر

حدیث و فقہ و استنباط میں یہ دونوں امام تقریباً یکساں درجہ کے تھے دونوں کے باہم علمی مناظرے مشہور ہیں خود امام صاحب کی موجودگی میں ہوتے تھے اور امام صاحب فیصلہ فرمایا کرتے تھے اور بعض مرتبہ امام صاحب نے امام ابو یوسف کو ترجیح بھی دی ہے یہ بھی روایت ہے کہ امام اب و یوسف کثرت روایت میں غالب ہو جاتے تھے اور امام زفر میدان قیاس میں آگے بڑھ جاتے تھے۔

محدث خالد بن صبیح کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے سفر کیا تو راستہ میں ہی امام صاحب کے انتقال کی خبر ملی، جب مسجد کوفہ میں پہنچا تو دیکھا کہ سب لوگ امام زفر کے گرد جمع ہیں اور امام ابو یوسف کے پاس صرف دو چار آدمی ہیں خیال ہے کہ یہ ابتداء زمانہ کی بات ہے ورنہ پھر تو امام ابو یوسف سے حدیث و فقہ حاصل کرنے والے کثرت سے ہو گئے تھے کہ کوئی ان کے مقابل نہ تھا اور درس کے کسی وقت نہ اکتانا اور کمال وسعت صدر تو ان کا بڑا امتیاز شمار ہوا ہے، غرض امام زفر بھی امام ابو یوسف کی طرح مجتہد مطلق کے درجہ میں تھے ایک دفعہ امام صاحب نے فرمایا کہ ۳۶ آدمی ہیں ان میں سے ۲۸ قاضی و حج بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ۶ فتویٰ دینے کے اہل ہیں دو ایسے ہیں جو اباب قضا و اصحاب فتویٰ کی تربیت و سرپرستی کر سکتے ہیں اور امام ابو یوسف و امام زفر کی طرف اشارہ فرمایا۔

خدا کی شان کے امام ابو یوسف امام صاحب کے اشارہ کے موافق قاضی القضاة اور چیف جسٹس ہوئے اور امام زفر کو حکومت نے قضاء کے لئے مجبور کیا مگر انہوں نے امام صاحب کی طرح صاف انکار کر دیا کسی طرح بھی راضی نہ ہوئے، پھر چھپ گئے اور آپ کا مکان گرا دیا گیا آپ نے آکر مکان بنایا اور پھر قضاء کے لئے مجبور کئے گئے اور آپ چھپ گئے دوبارہ مکان گرایا گیا، حتیٰ کہ آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا اور سمجھ لیا گیا کہ کسی طرح راضی نہ ہوں گے۔

کسی نے حسن بن زیاد سے پوچھا کہ آپ نے امام ابو یوسف اور امام زفر کو امام صاحب کی خدمت میں کیسا دیکھا ہے؟ فرمایا کہ جیسے دو چیزیاں باز کے مقابلہ میں، غرض جاننے والے یہی جانتے تھے کہ یہ دونوں ایک درجہ کے تھے، اگرچہ امام صاحب کے مقابلہ میں کچھ نہ تھے اور نہ کچھ اپنے کو سمجھتے تھے، امام زفر جب بصرہ پہنچے اور علماء نے ملاقاتیں کیں، ان سے مشکل مشکل سوالات کئے اور جوابات سن کر متحیر ہوئے ان کو بصرہ کے قیام پر مجبور کیا اور ہر طرف تعریفیں ہونے لگیں لوگوں نے کہا کہ ہم نے فقہ میں زفر جیسا نہیں دیکھا، وہ سب سے بڑے عالم ہیں وغیرہ! امام زفر کو خبر ہوئی کہ تعریف ہو رہی ہے تو بے لبا، تم میری تعریف کرتے ہو اگر ابو یوسف کو دیکھتے تو کیا کہتے! ایک دفعہ فرمایا کہ ابو یوسف سب سے بڑے فقیہ ہیں، باہم معاصرین کی اس قدر بے نفسی اور اقران کے ساتھ ایسی وسعت حوصلہ کے ساتھ مدح و ثناء کی مثالیں خیر القرون کی خیریت کا بڑا ثبوت و امتیاز ہیں اور خصوصیت سے امام صاحب کے اصحاب تلامذہ میں یہ بات خاص طور سے دیکھی گئی کہ ان میں تحاسد و تباغض نہیں تھا اور جو بعض قصایے نقل ہوئے ہیں وہ مخالفین کے چلائے ہوئے بے ثبوت ہیں علامہ کوثری نے جا بجا ایسی چیزوں کی تردید کی ہے، جزاہ اللہ خیرا۔

امام زفر کے اساتذہ

علم فقہ میں امام صاحب کے شاگرد ہیں خود فرماتے ہیں کہ میں بیس سال سے زیادہ امام صاحب کی خدمت میں رہا میں نے کسی کو ان سے زیادہ خیر خواہ، ناصح و مشفق نہیں دیکھا وہ محض اللہ کے لئے اپنی جان کو صرف کرتے تھے، سارا دن تو مسائل کے حل و تعلیم اور نئے حوادث

کے جوابات دینے میں صرف کرتے، جس وقت مجلس سے اٹھتے تو کسی مریض کی عیادت کے لئے جاتے، جنازہ کی تشییع کرتے، کسی ضرورت مند کی حاجت روائی کرتے، کسی فقیر کی امداد کرتے یا کسی پچھڑے ہوئے سے رشتہ اخوت تازہ کرتے تھے، رات ہوتی تو خلوت میں تلاوت، عبادت و نماز کا شغل رہتا، وقت و فوات تک یہی معمول رہا، تفقہ کے ساتھ ہی امام صاحب سے روایت حدیث بھی بکثرت کرتے ہیں، امام سمعانی وغیرہ نے امام زفر کی کتاب الآ نار کا ذکر کیا ہے جس میں امام صاحب کے واسطہ سے احادیث کی روایات ہیں۔

امام صاب کے علاوہ دوسرے شیوخ امام زفر کے یہ ہیں، اعمش، یحییٰ بن سعید الانصاری، محمد بن اسحاق (صاحب المغازی) زکریا بن ابی زائدہ، سعید بن ابی عروبہ، ایوب سختیانی وغیرہ۔

امام زفر کے تلامذہ

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک (شیخ اصحاب ستہ) شفیق بن ابراہیم، محمد بن الحسن، وکیع ابن الجراح (شیخ اصحاب ستہ) سفیان بن عیینہ (شیخ اصحاب ستہ) ابو عاصم النبیل (شیخ اصحاب ستہ) ابو نعیم فضل بن دکین (شیخ اصحاب ستہ وغیرہ) حضرت عبداللہ بن مبارک نے بیان کیا کہ امام زفر فرمایا کرتے تھے ”ہم رائے کا استعمال اس وقت تک نہیں کرتے جب تک کہ اثر موجود ہو، اسی طرح جب اثر مل گیا رائے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (کردری)

امام وکیع امام زفر کو خطاب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ خدا کا شکر ہے کہ جس نے آپ کو امام صاحب کا جانشین کیا لیکن امام صاحب کے دنیا سے تشریف لے جانے کا صدمہ دل سے نہیں نکلتا، فضل بن دکین کہتے ہیں کہ جب امام صاحب کی وفات ہوئی تو میں امام زفر کا ہو گیا کیونکہ امام صاحب کے اصحاب میں سے سب سے زیادہ فقیہ اور متورع وہی تھے۔

امام زفر اور نثر مذہب حنفی

حسین بن ولید کہتے تھے کہ امام صاحب کے اصحاب میں سے سب سے زیادہ متصلب اور دقیق النظر امام زفر تھے، صمیری نے روایت کی کہ یوسف بن خالد سمتی بصرہ سے کوفہ گئے اور امام صاحب سے تفقہ کیا فارغ ہوئے تو بصرہ کا ارادہ کیا امام صاحب نے فرمایا کہ اب تم بصرہ جاؤ گے تو ایسے لوگوں سے واسطہ ہوگا جو تم سے پہلے مسند و علم پر متمکن ہو چکے ہوں گے، لہذا تم مسند درس سنبھالنے کی جلدی نہ کرنا کہ بیٹھ کر کہنے لگو، ابوحنیفہ نے ایسا کیا اور یہ کہا، اگر ایسا کرو گے تو تم وہاں جم نہ سکو گے بلکہ نکال دیئے جاؤ گے، یوسف گئے اور چونکہ علم وافر لے کر پہنچے تھے صبر نہ ہو سکا، مسند سنبھال کر لگے کہنے کے امام ابوحنیفہ نے یہ کہا اور وہ کہا، عثمان بن عتیق بصرہ کے امام اور مشہور فقیہ و محدث تھے، یوسف نے ان کے اصحاب و تلامذہ سے مسائل میں بحثیں کیں اور امام صاحب کے دلائل سے مغلوب کرنا چاہا جس پر وہ لوگ خلاف و عناد پر اتر آئے، ان کو برداشت نہ کر سکے حتیٰ کہ ان کو مسجد سے اٹھا دیا، یہ خاموش ہو گئے اور پھر امام زفر تک کسی اور کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ امام صاحب کا ذکر وہاں کر سکتا۔

جب امام زفر وہاں پہنچے تو چونکہ یہی دماغ رکھتے تھے دوسرا طریقہ اختیار کیا، وہاں کے شیوخ کی مجلس میں جاتے تھے، ان کے مسائل سنتے اور ان کی اصل کے خلاف کچھ فروعی مسائل نکال کر سوال کرتے کہ آپ نے ان مسائل میں اپنی اصل کو کیوں چھوڑ دیا، عثمان بن عتیق اور ان کے اصحاب و تلامذہ جواب سے عاجز ہوتے تو کہتے کہ اس باب میں دوسری اصل اس اصل سے بہتر ہے اور دلائل سے اس کی برتری و جامعیت وغیرہ ان ہی سے منوالیتے جب وہ پوری طرح تسلیم کر لیتے تو کہتے یہ اصل امام ابوحنیفہ کی قائم کی ہوئی ہے۔

کبھی ایسا کرتے کہ ان ہی مشارح بصرہ کے اقوال کے اثبات میں ایسے دلائل پیش کرتے جو ان کے دلائل سے زیادہ قوی ہوتے وہ بہت خوش ہوتے پھر کہتے کہ یہاں ایک دوسرا قول بھی ہے جو تمہارے اقوال کے علاوہ ہے اور اس کو بیان کر کے اسکے لئے اور بھی اعلیٰ و قوی

دلائل دیتے جب وہ تسلیم کر لیتے تو بتلاتے کہ یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے، وہ کہتے کہ یہ قول واقعی بہت ہی اچھا ہے خواہ وہ کسی کا بھی ہو، اسی طرح امام زفر کرتے رہے اور امام صاحب کے اقوال سے مانوس بناتے رہے، کچھ ہی روز میں شیخ عثمان بنی جیسے شیخ وقت تک کے اصحاب بھی ان کو چھوڑ کر امام زفر کے حلقہ درس میں آ شامل ہوئے اور شیخ عثمان بنی تنہا رہ گئے۔

معلوم ہوا کہ عالم کی سیاست و تدبیری سے اس کے علوم کی نشر و اشاعت پر بھی برا اثر پڑتا ہے، اگر یوسف امام صاحب کی نصیحت پر عمل کرتے تو وہ بھی ضرور کامیاب ہوتے بہت بڑے جلیل القدر عالم تھے، امام شافعی کے شیوخ میں سے ہیں، ابن ماجہ میں ان سے احادیث مروی ہیں اور تاریخ اصحابان لابی نعیم میں بھی ان سے بہ کثرت احادیث روایت کی گئی ہیں کوئی عیب ان میں نہیں تھا مگر لوگوں نے تانس و تحاسد کی وجہ سے ان کو بری طرح مطعون کہا طرح طرح کے الزامات لگائے یہاں تک کہ ان کے متعلق مشہور کیا کہ وہ قیامت و میزان کے منکر ہیں، دیکھئے تہذیب التہذیب۔

پہلے امام زفر کی توثیق اور وسعت علم حدیث و فقہ کے بارے میں علماء کے اقوال نقل ہو چکے ہیں لیکن کوئی کوئی قول ان کے خلاف بھی نقل ہوا ہے اگرچہ اس کی تاویل ہو سکتی ہے مثلاً ابن سعد کا قول کہ امام زفر حدیث میں کچھ نہیں تھے، اول تو بقول علامہ زماں مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کے یہ ریمارک فقہ ابن سعد کے علم کے اعتبار سے ہے ورنہ ان کو بڑے بڑے علماء نے مجتہد اور حافظ حدیث تسلیم کیا ہے اور ابن حبان وغیرہ نے اتقان کی بھی شہادت دے ہے۔ (الرفع والکمیل)

دوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابن سعد نے بطور مبالغہ فرمایا ہو کہ جیسے بڑے امام و مجتہد و فقیہ تھے اس کی نسبت سے حدیث میں بہت کم تھے اور یہ کوئی تنقیص نہیں ہے کیونکہ بڑے بڑے مجتہدین ائمہ متبوعین سب ہی استنباط و تخریج مسائل وغیرہ میں زیادہ مشغول رہے اور روایت حدیث کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اور چونکہ روایت حدیث کرنے والوں کی بڑی کثرت تھی، اس لئے بھی اس کی ضرورت نہ سمجھی ہوگی تفقہ کی کمی تھی اس لئے پوری توجہ ادھر ہی صرف کی۔ واللہ اعلم۔

یہ پہلے لکھا گیا کہ امام زفر نے قضا قبول نہیں کی اور بصرہ میں ان کا قیام بسلسلہ درس و افادہ تھا کیونکہ بصرہ والوں نے ان کو اصرار کر کے روک لیا تھا علامہ ابن عبدالبر نے انتقاء میں جو لکھا ہے کہ بصرہ کے قاضی بھی رہے یہ ان کو مغالطہ ہوا ہے وہ مغرب میں تھے اور مشرق کے بعض حالات بیان کرنے میں ان سے تسامحات ہو گئے ہیں، انہوں نے اس طرح لکھا ہے۔

امام زفر امام ابوحنیفہ کے کبار اصحاب و فقہاء میں سے تھے، علامہ کوثری نے لمحات النظر فی سیر الامام زفر میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ امام زفر مجتہد مطلق کے درجہ میں تھے اگرچہ اپنا انتساب انہوں نے امام اعظم کے برابر قائم رکھا ہے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کی کسی مسئلہ میں مخالفت نہیں کی جس میں ان کا کوئی نہ کوئی قول اس کے موافق موجود نہ ہو، یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے یہ جرأت نہیں کی امام صاحب کی مخالفت کسی مسئلہ میں ان کی وفات کے بعد بھی کروں کیونکہ اگر میں ان کی زندگی میں مخالفت کرتا اور دلیل اس پر قائم کرتا تو وہ بھی مجھے اسی وقت اپنے حق بات کی طرف دلائل کی قوت سے مجبور کر کے لوٹا دیتے لہذا بعد وفات بھی مخالفت میرے لئے موزوں نہیں ہوئی یہ بات امام زفر کے کمال ادب کی تھی ورنہ کچھ اصول و فروع میں جزوی خلاف بھی ضرور ملتا ہے، جس سے ان کا مجتہد مطلق ہونا ثابت ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سب سے اچھے قیاس کرنے والے تھے، بصرہ کے قاضی ہو کر جب امام صاحب سے رخصت ہو کر جانے لگے تو امام صاحب نے ان سے فرمایا ”تم جانتے ہو جو کچھ ہمارے متعلق اہل بصرہ کے دلوں میں جذبات عداوت، حسد و منافست ہیں مجھے امید نہیں کہ تم بھی ان سے بچ سکو گے“ بصرہ پہنچے تو اہل علم ان کے پاس جمع ہوئے مناظرے کئے وغیرہ تفصیل اوپر گزر چکی۔

امام زفر کا زہد و ورع

ابراہیم بن سلیمان کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب امام زفر کی مجلس میں ہوتے تھے تو ہم میں سے کوئی بھی ان کے سامنے دنیا کی باتیں نہ

کر سکتا تھا، اور اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو وہ مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے تھے اور ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ ان کی موت اسی لئے جلدی ہوئی کہ خدا کا خوف ان پر سخت غالب تھا، بصرہ ہی میں آپ کی وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمة واسعة۔

۲۲- امام مالک بن مغول السجلی الحنفی (م ۱۵۹ھ)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب و شرکاء، مدین فقہ حنفی میں سے اور ان حضرات اکابر میں سے تھے جن کو امام صاحب نے خطاب فرما کر ارشاد کیا تھا کہ ”تم لوگ میرے قب کا سرور اور میرے غم کو مٹانے والے ہو“ محدث ابو اسحاق سبعمی، امام اعظم، معن بن ابی جحیفہ، سماک ابن حرب اور نافع مولیٰ ابن عمر وغیرہ ان کے اساتذہ شیوخ میں ہیں، حافظ نے تہذیب میں امام صاحب کے تعلق و تملذ وغیرہ کا ذکر خیر حذف کر دیا، امام حدیث و حجت تھے حضرت شعبہ، ابو نعیم، قبیصہ، امام محمد، حضرت ابن مبارک، مسعر، ثوری، زائدہ، ابن عیینہ، اسماعیل بن زکریا، یحییٰ بن سعید القطان، وکیع، عبدالرحمن بن مہدی اور یحییٰ بن آدم وغیرہ ان کے شاگردوں میں ہیں، بخاری و مسلم اور اصحاب سنن کے شیخ ہیں اور سب نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔ (جوہر مہینہ ص ۱۵۰ ج ۲)

امام احمد نے ان کو ثقہ، ثبت فی الہدیت کہا، امام یحییٰ بن معین، ابو حاتم اور نسائی نے ثقہ کہا، ابو نعیم نے کہا کہ ہم سے مالک بن مغول نے حدیث بیان کی اور وہ ثقہ تھے سجلی نے رجل صالح، علم و فضل میں نمایاں مقام و مرتبہ رکھنے والا بتلایا، طبرانی نے خیار مسلمین سے کہا، ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے مالک بن مغول سے کہا کہ خدا تو ڈرتو مالک نے فوراً اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا ابن سعد نے کہا کہ مالک ثقہ، مامون، کثیر الحدیث، صاحب خیر و فضل تھے، امام بخاری نے فرمایا کہ عبداللہ بن سعید نے کہا کہ میں نے ابن مہدی سے سنا فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی کوئی کو دیکھو کہ وہ ایسے کوئی کا ذکر کرتا ہے جس کو مالک بن مغول بھلائی سے یاد کرتے ہیں تو تم ضرور اس کا اطمینان کر لو، ابن حبان نے ”ثقات“ میں لکھا کہ مالک اہل کوفہ کی بڑے عبادت گزاروں اور نقل مثبت اور متقن تھے۔ رحمہ اللہ رحمة واسعة (تہذیب التہذیب ص ۲۲ ج ۱)

۲۳- امام داؤد طائی حنفی (م ۱۶۰ھ)

امام ربانی امام حدیث ابوسلیمان داؤد بن نصیر الطائی الکوفی، محدث ثقہ، زاہد علم، افضل و ادورع زمانہ تھا، ضروری علوم حاصل کرنے کے بعد امام اعمش اور ابن ابی لیلیٰ سے حدیث پڑھی پھر امام اعظم کی خدمت میں باریاب ہوئے، بیس برس تک ان سے استفادہ کرتے رہے اور ان کے کبار اصحاب و شرکاء مدین فقہ میں سے ایک یہ بھی ہیں۔

بعض اوقات صاحبین کے اختلاف کو اپنی رائے صائب سے فیصلہ کر کے ختم کر دیتے تھے، امام ابو یوسف سے بوجہ قبول قضا اپنی غایت زہد و استغناء کے باعث کچھ منقبض رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے استاذ امام اعظم نے تازیانے کھا کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیا مگر قضا کو قبول نہ کیا اس لئے ہمیں سخی ان کا اتباع کرنا چاہئے، حضرت سفیان بن عیینہ اور ابن علیہ وغیرہ آپ کے حدیث میں شاگرد ہیں، امام یحییٰ بن معین وغیرہ نے آپ کی توثیق کی اور زانی میں آپ سے روایت کی گئی ہے۔

محدث محارب بن دثار فرماتے تھے کہ اگر داؤد طائی پہلی امتوں میں ہوتے تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فرماتا، محدث ابن حبان نے لکھا کہ داؤد فقہاء میں سے تھے اور امام ابو حنیفہ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے پھر رات دن عبادت میں صرف کرنے لگے تھے، آپ کو درشہ میں بیس اشرفیاں ملیں تھیں جن سے بیس سال گذر کی اور وفات پائی، کبھی کسی بھائی، دوست یا بادشاہ کا عطیہ قبول نہیں کیا، حضرت عبداللہ ابن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ بس دنیا سے اتنا ہی سروکار رکھنا چاہئے جتنا داؤد طائی نے رکھا، روٹی کو پانی میں بھگو دیتے تھے جب وہ کھل جاتی تو اس کو شربت کی طرح پی لیتے اور فرماتے کہ جب تک میں روٹی کو ایک ایک لقمہ کر کے کھاؤں اتنے عرصہ میں پچاس آیات قرآن

مجید کی پڑھ سکتا ہوں لہذا روٹی کھانے میں عمر کو کیوں ضائع کرو؟

نقل ہے کہ ایک روز قبرستان سے گزرے تو ایک عورت رو رو کر ایک صاحب قبر کو یہ شعر پڑھ کر خطاب کر رہی تھی کہ اے یحییٰ، کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تیرے دونوں گلکوں رخساروں میں پہلے کون سا رخسار بوسیدہ ہوا اور کون سی آنکھ پہلے مٹی کی نذر ہوئی؟ اس کو سن کر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ ان کے دل پر ایسا گہرا ہوا کہ بیقرار ہو کر امام اعظم کی خدمت میں دوڑے ہوئے پہنچے امام صاحب نے وجہ پوچھی آپ نے سب حال بتلایا امام صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگوں سے منہ پھیر لیں چنانچہ آپ دنیا سے الگ ایک گوشہ میں جا بیٹھے، کچھ مدت کے بعد امام صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ”یہ کام کی بات نہیں ہے جو آپ نے کی ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ آپ ائمہ کے درمیان بیٹھیں اور انکی گفتگو سنیں اور منہ سے کچھ نہ کہیں، چنانچہ آپ نے اپنے استاد اعظم کے ارشاد پر ایک برس تک عمل کیا اور فرمایا کہ اس ایک سال کے صبر نے تین برس کا کام کیا ہے۔ امام محمد کا بیان ہے کہ میں ان کی خدمت میں گھر حاضر ہو کر کسی مسئلہ میں رجوع کرتا تھا تو اگر ان کے دل میں انشراح ہوا کہ اس مسئلہ کی مجھے اپنے دین کی اصلاح کے لئے ضرورت ہے تو جواب دیتے ورنہ تبسم فرما کر مجھے ٹال دیتے تھے کہ ہمیں کام ہے ہمیں کام ہے (جو اہر مصنفہ و حدائق حنفیہ) رحمہ اللہ رحمة واسعة كما يحب ربنا ویرضی۔

۲۴- امام مند بن علی عزیزی کوفی حنفی ولادت ۱۰۲ھ، وفات ۱۶۸ھ

محدث، صدوق، فقیہ فاضل طبقہ کبار تبع تابعین میں سے ہیں، امام اعظم کے اصحاب و شرکاء، تدوین فقہ میں سے ایک ہیں محدث معاذ ابن معاذ غنبری کا قول ہے کہ میں کوفہ پہنچا تو کسی کو آپ سے زیادہ اور غنیمت نہیں پایا، محدث عثمان داری نے امام یحییٰ بن معین سے ان کے بارے میں لایا اس پر نقل کیا، لایا اس پر لفظ ثقہ کے قائم مقام ہے، امام اعظم، ہشام بن عروہ، لیث، ماسم احوال اور ابن ابی یعلیٰ وغیرہ آپ کے اساتذہ میں ہیں اور آپ سے یحییٰ بن آدم، ابوالولید طیالسی، فضل بن دکین، یحییٰ الحمانی اور ابو داؤد دو ابن ماجہ نے حدیث روایت کی، سمعانی نے ذکر کیا کہ مند اور ان کے بھائی حبان دونوں سب لوگوں سے زیادہ امام اعظم کی مجلس میں حاضر رہا کرتے تھے (کردری ص ۲۱۵ ج ۲) اور علامہ کردری نے ہی یہ بھی نقل کیا کہ مند نے امام اعظم کی خدمت میں رہ کر فقہ کی تکمیل کی اور امام صاحب دونوں کے ساتھ نہایت تلمذ اور محبت و تقرب کا معاملہ فرماتے تھے۔ علامہ صیری نے بھی دونوں بھائیوں کو امام صاحب کے تلامذہ و اصحاب میں لکھا ہے۔

مند خوارزمی میں ہے کہ امام و کج سے کسی نے کہا امام صاحب نے فلاں مسئلہ میں خطا کی ہے، فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کیسے خطا کر سکتے تھے حالانکہ ان کے پاس قیاس و اجتہاد میں امام ابو یوسف امام محمد، امام زفر جیسے معرفت و حفظ حدیث میں یحییٰ بن ذکریا، حفص بن غیاث، حبان و مند جیسے لغت و عربیت میں قاسم بن معین جیسے اور زہد و ورع میں داؤد طائی و فضیل جیسے تھے جس کے اصحاب و شاگرد اس قسم کے ہوں وہ ہرگز خطا نہیں کر سکتا جو شخص امام صاحب کے بارے میں ایسی بات کہتا ہے وہ چوپایہ بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور جو یہ گمان کرے کہ حق بات امام صاحب کی مخالفت میں ہے اس نے تنہا ایک مذہب اور نکالا اور میں اس کے حق میں وہ شعر کہتا ہوں جو فرزدق نے جریر سے کہا تھا۔

اولئک ابائی فجننی بمثلہم اذا جمعنا یا جریر المجمع (حدائق)

جامع المسانید میں امام اعظم صاحب سے ان کی روایات موجود ہیں، (جامع ص ۵۵۶ ج ۲) لیکن حافظ نے حسب عادت تہذیب میں امام صاحب سے تلمذ وغیرہ کا ذکر حذف کر دیا، رحمۃ اللہ علیہ

۲۵- امام نصر بن عبدالکریم (وفات ۱۶۹ھ)

محدث، فقیہ تھے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ پڑھی اور ان کی مجلس تدوین فقہ کے شریک تھے امام صاحب سے احادیث و احکام

بکثرت روایت کئے، امام صاحب کے والد امام ابو یوسف کی خدمت میں رہے اور ان ہی کے پاس وفات ہوئی، ان سے سفیان ثوری اور موسیٰ بن عبید وغیرہ نے روایت کی (جواہر مضمیہ) رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (جواہر و حدائق)

۲۶- امام عمرو بن میمون بلخی حنفی (م ۱۷۱ھ)

محدث فقیہ، صاحب علم و فہم و ورع تھے، بغداد آ کر امام اعظم کی خدمت میں رہے، فقہ و حدیث ان سے حاصل کی، امام یحییٰ بن معین نے توثیق کی، بیس سال تک بلخ کے قاضی رہے، آپ سے آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرو قاضی نیشاپور نے روایت حدیث کی، امام ترمذی کے شیوخ میں ہیں، جامع ترمذی میں روایت موجود ہے، علامہ مزی نے تہذیب الکمال میں آپ کا ذکر کیا، شریک مجلس تدوین تھے، رحمہ اللہ

۲۷- امام حبان بن علی (م ۱۷۲ھ)

اپنے بڑے بھائی مسند کی طرح محدث، فقیہ فاضل تھے امام اعظم سے فقہ و حدیث میں تلمذ کیا اور تدوین فقہ کے شرکاء مجتہدین میں سے، امام اعمش سے بھی روایت حدیث کی، حجر بن عبد الجبار کا قول ہے کہ میں نے کوفہ میں حبان سے بہتر فقیہ نہیں دیکھا، ابن معین نے فرمایا کہ حدیث میں مسند سے زیادہ قوی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ دونوں بھائیوں کی روایت حدیث میں کوئی مضائقہ نہیں، حبان کا قول ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی دین یا دنیا کے معاملہ میں امام ابو حنیفہ کی طرف رجوع کیا گیا ہو اور ان سے بہتری کی بات نہ ملی ہو حفاظ ذہبی نے میزان، الاعتدال میں حبان کا ذکر کیا اور مدح و تضعیف کے اقوال نقل کرنے کے بعد آخر میں فیصلہ کیا کہ وہ متروک الحدیث نہیں تھے، ابن ماجہ میں ان سے روایت کی گئی خطیب نے صالح متدین کہا، تہذیب الکمال اور تہذیب الضعیفہ میں امام صاحب کے تلامذہ میں ذکر کیا ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (جواہر مضمیہ)

۲۸- امام ابو عصمہ نوح بن ابی مریم "جامع" حنفی (م ۱۷۳ھ)

مشہور محدث و فقیہ تھے امام اعظم، ابن ابی لیلیٰ، حجاج بن ارطاة، زہری، محمد بن اسحاق وغیرہ کے شاگرد تھے جامع علوم تھے اسی لئے جامع کے لقب سے مشہور ہوئے، امام اعظم کی مجلس تدوین فقہ کے خاص رکن تھے اور بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے آپ نے امام صاحب کی فقہ کو جمع کرنا شروع کیا تھا اس لئے جامع کہلائے درس کے زمانہ میں چار مجلس منعقد کرتے تھے ایک میں احادیث و آثار بیان کرتے، دوسرے میں امام اعظم کے اقوال نقل کرتے تیسری میں نحو کے اہم مسائل اور چوتھی میں شعر و ادب کے متعلق بیان کرتے تھے، جب مرو کے قاضی ہوئے تو امام صاحب نے ان کو نصائح و شروط قضاء لکھیں، پھر مدت تک خراسان کے قاضی القضاة رہے، اہل مرو اور عراقیوں نے آپ سے استفادہ کیا، ابن ماجہ نے بار بار تفسیر میں آپ سے تخریج کی ہے، اور نعیم بن حماد (شیخ امام بخاری) نے بھی آپ سے روایت کی ہے امام احمد نے فرمایا کہ فرقہ جہمیہ کے سنت مخالف تھے۔

نوح فرماتے ہیں کہ ایک دن میں امام صاحب کی مجلس میں تھا کہ کسی نے آ کر سوال کیا کہ اے ابو حنیفہ! آپ کیا فرماتے ہیں ایک شخص نے صاف ستھرے لطیف پانی سے وضو کیا، کیا دوسرا بھی اس پانی سے وضو کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں! میں نے عرض کیا کیوں جائز نہیں؟ فرمایا اس لئے کہ مستعمل پانی ہے کہتے ہیں پھر میں امام سفیان ثوری کے پاس گیا اور ان سے یہی مسئلہ پوچھا انہوں نے فرمایا کہ اس سے وضو کرنا جائز ہے، میں نے کہا امام صاحب نے تو ناجائز بتلایا تھا انہوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں بتلایا میں نے کہا کہ ماہ مستعمل کی وجہ سے نوح کا بیان ہے کہ ایک جمعہ نہ گذرا تھا کہ میں پھر امام سفیان کی خدمت میں حاضر تھا اور ایک شخص نے یہی مسئلہ ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ ماہ مستعمل ہے۔ (جواہر مضمیہ)

۲۹- امام زہیر بن معاویہ (ولادت ۱۰۰ھ، م ۳۷۱ھ)

امام اعظم کے اصحاب میں سے مشہور محدث، ثقہ، فقیہ فاضل اور تدوین فقہ کے شریک ہیں امام اعظم وغیرہ سے حدیث حاصل کی اور یحییٰ القطان وغیرہ کے شیخ ہیں، حضرت سفیان ثوری کا قول ہے کہ آپ کے زمانہ میں آپ جیسا کوئی اور کوفہ میں نہیں تھا، امام یحییٰ بن معین وغیرہ محدثین نے آپ کی توثیق کی، اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں اور سب نے آپ سے تخریج کی، محدث علی بن الجعد کا بیان ہے کہ ایک شخص زہیر کی خدمت میں تحصیل علم کے لئے آتا جاتا تھا، چند روز نہ آیا تو انہوں نے پوچھا کہاں رہے؟ کہا امام ابوحنیفہ کی خدمت میں چلا گیا تھا، فرمایا کہ تم نے اچھا کیا میرے پاس ایک ماہ رہ کر جو تم حاصل کرتے اس سے یہ بہتر ہے کہ امام صاحب کی صرف ایک مجلس کی شرکت ہی تم کر لو۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة (جواہر مصیبت و عداق الحنفیہ)

۳۰- امام قاسم بن معن (متوفی ۱۷۱ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد میں سے ہیں محدث ثقہ، فقیہ فاضل، عربیت و لغت کے امام، سخا و مروت اور زہد و ورع میں بینظیر تھے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ان اصحاب و شرکاء و تدوین فقہ میں سے ہیں جن کے بارے میں امام صاحب مسار قلب و جلاء حزن فرمایا کرتے تھے ابو حاتم نے ثقہ صدوق اور کثیر الروایت کہا، حدیث و فقہ میں امام اعظم، اعظم، عاصم بن احوں، ہشام بن عروہ اور یحییٰ بن سعید وغیرہ کے شاگرد اور ابن مہدی، علی بن نصر و نعیم بن دکین اور اصحاب سنن وغیرہ کے استاذ ہیں، شریک کے بعد آپ کوفہ کے قاضی ہوئے لیکن غایت تورع و تقویٰ کے باعث بغیر تنخواہ کے قضاء کا کام انجام دیا، لغت میں کتاب النوادر اور غریب المصنف لکھیں (حدائق و جواہر مصیبت) حافظ ذہبی نے حفاظ حدیث کے طبقات میں شمار کیا ہے۔

۳۱- امام حماد بن الامام الاعظم (متوفی ۱۷۶ھ)

محدث، فقیہ اور بڑے زاہد و عابد تھے حدیث و فقہ میں آپ کے بڑے استاذ خود امام اعظم ہیں اور امام صاحب کی زندگی ہی میں بوجہ کمال مہارت فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا، امام ابو یوسف، احمد محمد، امام زفر اور امام حسن بن زیاد وغیرہ کے طبقہ میں تھے اور تدوین فقہ میں شریک رہے، امام صاحب کی وفات پر ان کی ساری امانیں (جن لوگوں کی بھی تھیں جو مفقود تھے) قاضی شہر کو سپرد کر دیں، قاضی صاحب نے بہت اصرار کیا کہ آپ بڑے امین ہیں خود اپنے پاس رہنے دیں مگر آپ نے اس بار کو پسند نہ کیا، آپ سے آپ کے بیٹے اسمعیل نے بھی حدیث و فقہ حاصل کی اور وہ بھی بڑے عالم ہوئے، حضرت قاسم بن معن کے بعد آپ کوفہ کے قاضی ہوئے (حدائق) پھر سارے بغداد کے پھر بصرہ کے قاضی ہوئے، مرض فالج سے معذور ہو کر استعفیٰ دیدیا تھا، علامہ صیمری نے ذکر کیا کہ امام حماد پر دین، فقہ اور ورع غالب تھا اور اکثر مشغلہ کتابت حدیث تھا، حسن بن قحطبہ نے امام اعظم کے پاس ایک ہزار روپے امانت رکھے کسی نے امام صاحب سے کہا کہ آپ امانتیں کیوں رکھتے ہیں، ان کو رکھنا خطرہ سے خالی نہیں، فرمایا جس کا بیٹا حماد جیسا ہو اس کو امانت رکھنے میں کوئی حرج نہیں امام صاحب کی وفات کے بعد حسن آئے اور امانت طلب کی، حماد نے خزانہ کی کوٹھڑی کھول کر علامات سے متعین کر کے کہا کہ اپنی امانت اٹھا لو، حسن نے کہا کہ آپ اب اپنے پاس رہنے دیں، حماد نے انکار کیا وہ کہنے لگے کہ آپ کے والد تو امانتیں قبول کر لیتے تھے آپ کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا ابا جان کو اپنے بیٹے پر اعتماد تھا، مجھے اپنے بیٹے پر نہیں ہے۔

شریک بن الولید کا بیان ہے کہ حماد اہل ہواء و بدعت کے مقابلہ میں بہت متشدد تھے، ان کے دلائل توڑنے اور حق کی حمایت میں ایسے

پختہ دلائل قائم کرتے تھے جو بڑے بڑے۔ حارق اہل کلام کو بھی نہ سوجھتے تھے۔ (کردری ص ۲۱۳ ج ۲)

۳۲- امام ہیاج بن بسطام (متوفی ۱۷۷ھ)

محدث، فقیہ امام اعظم کے اصحاب و تلامذہ میں سے ہیں، امام صاحب سے مسانید میں روایت حدیث کرتے ہیں، (جامع المسانید ۵۶۹ ج ۲) ابو حاتم نے کہا کہ ان کی حدیث ننھی جاتی ہے، سعید بن ہناد کا قول ہے کہ میں نے ہیاج سے زیادہ فصیح نہیں دیکھا، بغداد میں آئے حدیث کا درس شروع کیا تو ایک لاکھ آدمی بیٹھ ہو گئے جو آپ سے حدیث لکھتے اور آپ کی فصاحت سے متعجب ہوتے تھے، مالک بن سلیمان سے مروی ہے کہ ہیاج بن بسطام علم الناس، اعلم الناس، افقہ الناس، اشجع الناس، انخی الناس اور رحم الناس تھے (میزان الاعتدال لابی بن ابراہیم کا قول ہے کہ ہمارے علم میں ہیاج ثقہ، صادق و عالم ہیں، حاکم نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ ابو حاتم محمد بن سعید بن ہناد نے کہا کہ میں نے محمد بن یحییٰ ذہلی سے ان کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ ہیاج ہمارے نزدیک ثقہ ہیں اور یحییٰ بن احمد بن زیاد بروی نے کہا کہ جس نے بھی ہیاج پر کچھ نکیر کی ہے وہ بوجدان کے صاحبزادے خالد کے کی ہے ورنہ ہیاج فی ذاتہ ثقہ ہیں، خالد سے روایت میں بے احتیاطی ہوئی ہے۔ (تہذیب ص ۸۸ ج ۱۱)

۳۳- امام شریک بن عبداللہ الکوفی (م ۱۷۸ھ)

محدث، فقیہ، امام اعظم کی خدمت میں بہت رہے، ان سے روایت حدیث بھی کی، آپ کے مخصوص اصحاب اور شرکاء تہذیب فقہ میں تھے، امام صاحب آپ کو کثیر العقل فرمایا کرتے تھے، آپ نے اعمش اور ابن شیبہ سے بھی حدیث پڑھی ہے اور آپ سے حضرت عبداللہ بن مبارک اور یحییٰ بن سعید نے روایت کی امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی و ابن ماجہ نے بھی آپ سے تخریج کی پہلے شہر واسط کے پھر کوفہ کے قاضی ہوئے، بڑے عابد، عادل، صدوق اور اہل بدعت و ہوا پر سخت گیر تھے (حدائق) باوجودیکہ امام بخاری و مسلم کے شیوخ کی ایک جماعت کے فن حدیث میں شیخ ہیں امام اعظم سے مسانید میں روایت کرتے ہیں (جامع المسانید ص ۴۷۸ ج ۲)

۳۴- امام عافیہ بن یزید القاضی (متوفی ۱۸۰ھ)

بڑے پایہ کے محدث صدوق اور فقیہ فاضل تھے امام اعظم کے اصحاب و شرکاء تہذیب فقہ میں سے خاص امتیازی مقام پر فائز ہوئے، امام صاحب ان کے علم و فضل پر بڑا اعتماد کرتے اور فرماتے تھے کہ جب تک کافیہ کسی مسئلہ پر اپنی رائے ظاہر نہ کر دیں اس وقت تک اس کو فیصلہ شدہ سمجھ کر قلمبند کرنے میں جلدی مت کیا کرو آپ نے امام اعمش اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے بھی حدیث حاصل کی، نسائی نے آپ سے روایت کی تخریج کی ہے، مدت تک کوفہ میں قاضی رہے، حافظ ذہبی نے ان کو بہترین کردار کے قضاة میں شمار کیا ہے۔ (حدائق)

۳۵- امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ)

صحاب ستہ کے ائمہ رواة واجلہ شیوخ میں جلیل القدر امام حدیث ہیں، ابن مہدی (شیخ امام بخاری) نے چار کبار ائمہ حدیث میں سے ایک ان کو قرار دیا، ایک دفعہ ان سے ابن مبارک اور سفیان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو کہا کہ اگر سفیان پوری کوشش کر لیں کہ ان کا ایک دن ابن مبارک جیسا ہو جائے تو یہ بھی نہیں کر سکتے، یہ بھی فرمایا کہ جس حدیث کو ابن مبارک نہ جانتے ہوں اس کو ہم بھی نہیں پہچانتے، امام احمد نے فرمایا کہ اپنے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کو جمع کرنے والا کوئی نہیں ہوا، بہت بڑا ذخیرہ علم کا جمع کیا، کوئی بات ان سے کم رہی ہوگی وہ صاحب حدیث حافظ تھے، ان کی کتابوں میں بیس ہزار احادیث موجود ہیں اور ابن مہدی ان کو امام ثوری پر ترجیح دیتے تھے، امام صاحب کے ان خاص اصحاب سے تھے، بعض رواة نے ان کی طرف امام صاحب کے بارے میں وہ اقوال منسوب کئے ہیں جو انہوں نے ہرگز نہیں کہے

جیسا کہ بہت سے دوسرے حضرات کی طرف بھی ایسی نسبتیں کی گئی ہیں (تقدمہ نصب الرایہ) حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ میں نے صحابہ کے حالات میں غور کیا اگر صحابہ کو حضور اکرم ﷺ کی صحبت مبارکہ اور آپ کے ساتھ غزوات میں شرکت کی فضیلت حاصل نہ ہوتی تو ابن مبارک ان کے برابر ہی ہوتے، یہ بھی فرمایا کہ ابن مبارک فقیہ، عالم، عابد، زاہد، شیخ، شجاع اور ادیب و شاعر تھے، فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ انہوں نے اپنا مثل نہیں چھوڑا، ابن معین نے فرمایا ابن مبارک بہت کجھدار، پختہ کار، ثقہ، عالم، صحیح الحدیث تھے، چھوٹی بڑی سب کتابوں کی تعداد جو انہوں نے جمع کی تھیں بیس ایکس ہزار تک بیان کی جاتی ہے، یحییٰ اندلسی کا بیان ہے کہ امام مالک کو ہم نے کسی کے لئے اپنی جگہ سے تعظیماً اٹھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن ابن مبارک کے لئے انہوں نے ایسا کیا اور بالکل اپنے قریب ملا کر بٹھلایا، قاری امام مالک کو پڑھ کر سنا تا رہا، بعض جگہ امام مالک روک کر پوچھتے کیا تم لوگوں کے پاس بھی اس بارے میں کچھ ہے؟ تو ابن مبارک ہی جواب دیتے تھے اور بڑے ادب و آہستگی سے بولتے تھے، جب مجلس ختم ہوئی تو امام مالک ان کے حسن ادب سے بھی بہت متاثر تھے اور ہم سے فرمایا کہ ”یہ ابن مبارک فقیہ خراسان ہیں“ غلیلی کا قول ہے کہ ابن مبارک کی امامت پر سب کا اتفاق ہے اور ان کی کرامات شمار سے باہر ہیں، اسود بن سالم نے فرمایا کہ جو شخص ابن مبارک کو مطعون کرے اس کے اسلام میں شک ہے، امام نسائی کا قول ہے کہ ابن مبارک کے زمانہ میں ان سے زیادہ جلیل القدر، بلند مرتبہ اور تمام بہتر خصائل کا جامع ہمارے علم میں نہیں ہوا، حسن بن عیسیٰ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ اصحاب ابن مبارک نے جمع ہو کر ان کے فضائل شمار کئے تو سب نے طے کیا کہ ان میں حسب ذیل کمالات مجتمع تھے علم، ۲، فقہ، ۳، ادب، ۴، نحو، ۵، لغت، ۶، شعر، ۷، فصاحت، ۸، زاہد، ۹، ورع، ۱۰، انصاف، ۱۱، قیام لیل، ۱۲، عبادت، ۱۳، حج، ۱۴، غزوہ و جہاد، ۱۵، شہسواری، ۱۶، شجاعت، ۱۷، جسمانی قوت، ۱۸، ترک لالیعی، ۱۹، کمی اختلاف اپنے اصحاب سے، عباس نے یہ امور بھی اضافہ کئے ۲۰ سخاوت، ۲۱ تجارت، ۲۲ محبت باوجود مفارقت ان کے علاوہ بھی آپ کے مناقب و فضائل بہت زیادہ ہیں، ایک جہاد سے واپسی ہے، ۱۸ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور باوجود ان مناقب جلیلہ کے وہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب و تلامذہ میں سے تھے اور حسب تصریح تاریخ خطیب وستان الحدیث وغیرہ امام صاحب کی وفات تک ان کی خدمت سے جدا نہ ہوئے، امام صاحب کے تلمذ پر فخر کرتے ان کی مدح فرماتے مخالفین کو امام صاحب کی طرف سے جواب دیتے تھے، وغیرہ ذلک ابن مبارک سے کہا گیا کہ آخر کب تک حدیثیں لکھتے رہیں گے؟ فرمایا ”جس کلمہ سے مجھے نفع پہنچا شاید وہ اب تک نہ لکھا“ اکثر اوقات اپنے گھر میں تنہا بیٹھے رہتے، کسی نے کہا آپ کو وحشت نہیں ہوتی؟ فرمایا وحشت کیسی؟ جب کہ میں حضرت اقدس ﷺ کے ساتھ ہوتا ہوں یعنی آپ کی حدیث میں مشغول ہوتا ہوں، علوم نبوت سے انتہائی شغف رکھتے تھے اور اشعار ذیل کا بہترین مصداق تھے۔

حدیث و حدیث عنہ عینی..... ہذا اذا غاب او ہذا اذا حضر..... کلا ہما حسن عندی اسر بہ..... لکن احلا ہما وفق النظر

امام اعظم سے مسانید امام میں بہ کثرت روایات کی ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (مناقب کردری جلد دوم و جامع المسانید)

۳۶- الامام الحجہ حافظ الحدیث ابو یوسف

ولادت ۹۳ھ، وفات ۱۸۲ھ عمر ۸۹ سال

نام و نسب

امام ابی یوسف الملقب بالمطلق ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب سعد بن بحیر بن معاویہ بن قنفذ بن فضیل الانصاری السجلی رضی اللہ عنہ

حضرت سعد (والد حبیب) صحابی تھے، غزوہ احد میں شرکت کے متمنی تھے، مگر چھوٹے تھے، حضرت رافع بن خدیج اور ابن عمر کے ساتھ

ساتھ حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو حضور ﷺ نے ان کو چھوٹا بتلایا اس لئے شریک نہ ہو سکے، پھر غزوہ خندق اور بعد کے

غزوات میں شرکت فرمائی پھر کوفہ میں سکونت کی اور وہیں وفات ہوئی، حضرت زید بن ارقم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوہ خندق میں ملاحظہ فرمایا کہ میدان قتال میں سعد، بڑی بے جگری سے جاں بازی و جاں سپاری میں منہمک ہیں، حالانکہ بہت ہی کم عمر تھے، یہ ادا حضور ﷺ کو بے انتہا پسند ہوئی، محبت سے اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ اے عزیز نوجوان تو کون ہے؟ کہا سعد بن جبیب حضور اکرم ﷺ نے فرمایا خدا تجھ کو نیک بخت کرے، مجھ سے اور قریب ہو جا، وہ قریب ہوئے تو آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے کہ دادا جان کے سر پر حضور ﷺ کے ہاتھ پھیرنے کی برکات میں برابر محسوس کرتا ہوں، اس سے زیادہ تفصیل نسب و تحقیق دس ولادت وغیرہ محدث کبیر علامہ کوثری کی کتاب ”حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

صحیح سنہ ولادت

کوثری صاحب نے تاریخی دلائل سے امام موصوف کا سنہ ولادت ۹۳ھ ہی قرار دیا ہے، نہ وہ جو عام طور سے مشہور ہے، یعنی ۱۱۳ھ، وہ ان لوگوں نے ظن و تخمین سے ۹۳ھ سے تصحیف کر کے سمجھا اور لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام مالک سے دو سال بڑے تھے، چنانچہ امام ابو یوسف امام مالک سے معاملہ بھی اقران ہی کا سا کرتے تھے اور امام اعظم کے شرکاء تدوین فقہ میں بھی ان کو سب ”عشرہ متقدمین“ میں ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اول سے آخر تک شریک رہے ہیں اور تصفیہ شدہ مسائل و احکام کو دفاتر میں لکھنے کی خدمت بھی ان سے متعلق رہی ہے، وغیرہ۔

تحصیل علم

امام ابو یوسف خود فرماتے ہیں کہ میں پہلے ابن ابی لیلیٰ کی خدمت میں آیا جایا کرتا تھا اور وہ میری بڑی قدر کرتے تھے، جب کوئی علمی اشکال ان کو پیش آتا تھا تو امام ابو حنیفہ کے ذریعہ اس کو حل کرتے تھے، اسی لئے میرے دل میں خواہش تھی کہ میں بھی امام صاحب کے پاس آنے جانے لگوں، مگر مجھے خیال ہوتا کہ ابن ابی لیلیٰ کونا گوار ہوگا، اس لئے رکنا تھا۔

ایک دفعہ ایک مسئلہ کی بحث کے دوران ان کو گرانی ہوئی (اس کی تفصیل بھی کوثری صاحب نے لکھی ہے) اور میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر امام صاحب کی خدمت میں حاضری کا سلسلہ شروع کر دیا۔

مالی امداد

والد صاحب کو اس کا علم ہوا تو کہا کہ ”امام صاحب، مالدار مستغنی آدمی ہیں، تو محتاج مفلس ہے، تیرا ان سے کیا جوڑ؟ تجھے فکر معاش کرنی چاہئے“ والد کی اطاعت بھی ضروری تھی، میں فکر معاش میں لگ گیا، امام صاحب نے میری غیر حاضری محسوس کی اور بلایا، سبب پوچھا، میں نے پوری بات عرض کی، درس میں شرکت کی، جب سب چلے گئے تو امام صاحب نے مجھے ایک تھیلی دی کہ اس سے اپنے گھر کی ضرورتیں پوری کرو اور جب ختم ہو جائے، مجھے بتلانا، اس تھیلی میں ایک سو درہم تھے، میں التزام کے ساتھ درس میں شریک رہنے لگا، چند ہی دن گزرے کہ امام صاحب نے خود ہی مجھے دوسری تھیلی دی، اور پھر اسی طرح میری امداد فرماتے رہے جیسے ان کو پہلے روپوں کے ختم ہونے کی اطلاع خود بخود ہو جاتی تھی کیونکہ مجھے ایک دفعہ کے بعد پھر کبھی عرض کرنے کا موقع نہیں ہوا۔

امام صاحب کی توجہ سے نہ صرف میرے گھر والے فکر معاش سے بے نیاز ہو گئے، بلکہ ہمیں ایک قسم کا تمول حاصل ہو گیا اور امام صاحب کی خدمت میں رہ کر مجھ پر علوم کے دروازے بھی کھل گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ والد نے کچھ کہا تو ان کی والدہ درس سے اٹھا کر لیجاتی تھیں، امام صاحب نے ایک دن کہا! نیک بخت! جا! یہ

علم پڑھ کر فالودہ اور روغن پستہ کے ساتھ کھائے گا، یہ سن کر وہ بڑا بڑاتی ہوئی چلی گئیں۔

جب قاضی القضاة ہوئے تو ایک بار خلیفہ ہارون رشید کے دسترخوان پر فالودہ مذکور پیش ہوا، خلیفہ نے کہا کہ یہ کھایہ روز روز نہیں تیار ہوتا، پوچھا کیا ہے؟ خلیفہ نے کہا فالودہ اور روغن پستہ، اس پر امام ابو یوسف مسکرائے، خلیفہ نے با اصرار سبب دریافت کیا تو امام صاحب کا واقعہ بالا سنایا، خلیفہ کو سن کر حیرت ہوئی اور کہا۔ ”علم دین و دنیا میں عزت دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ابو حنیفہ پر رحمت فرمائے، وہ عقل کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔“

سترہ برس تک امام صاحب کی خدمت میں رہے، ایک بار سخت بیمار ہو گئے، امام صاحب نے آ کر دیکھا تو واپسی میں ان کے دروازہ پر متفکر کھڑے ہو گئے، کسی نے پوچھا تو کہا ”یہ جوان مر گیا تو زمین کا سب سے بڑا عالم اٹھ جائے گا۔“

امام ابو یوسف کا قول ہے کہ دنیا میں کوئی چیز مجھ کو ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کی مجلس سے زیادہ محبوب نہ تھی، امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر فقیہ اور ابن ابی لیلیٰ سے اچھا قاضی میں نے نہیں دیکھا۔

امام ابو یوسف پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ کا علم زمین کے گوشہ گوشہ تک پہنچایا، اصول فقہ کی کتابیں لکھیں۔ ۲ مسائل کا نشر علماء کے ذریعہ کیا، سترہ برس تک قاضی القضاة رہے، ابن عبدالبر کا قول ہے کہ میرے علم میں کوئی قاضی سواء ابو یوسف کے نہیں، جس کا حکم مشرق سے مغرب تک سارے آفاق میں رواں ہوا ہو۔ (شذرات الذہب)

قاضی ہونے کے زمانہ میں ایک بار خلیفہ وقت ہادی کے ایک باغ پر کسی نے ان کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا، بظاہر بادشاہ وقت کا پہلو زبردست تھا مگر واقعہ اس کے خلاف تھا، خلیفہ نے کسی موقع پر ان سے پوچھا کہ تم نے فلاں باغ کے معاملہ میں کیا کیا؟ جواب دیا مدعی کی درخواست ہے کہ امیر المؤمنین کی حلفیہ شہادت اس امر پر لیجائے کہ ان کے گواہوں کا بیان سچا ہے، ہادی نے پوچھا کیا ان کو اس مطالبہ کا حق ہے؟ جواب دیا کہ ابن ابی لیلیٰ کے فیصلہ کے مطابق صحیح ہے، خلیفہ نے کہا اس صورت میں باغ مدعی کو دلا دو یہ امام ابو یوسف کی ایک تدبیر تھی۔

ہلال بن یحییٰ کا قول ہے کہ ابو یوسف، تفسیر، مغازی اور ایام عرب کے حافظ تھے، فقہ ان کے علوم میں اقل العلوم تھی، ایک بار امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کی بابت کہا۔

”یہ چھتیس مرد ہیں، ان میں سے اٹھارہ عہدہ قضا کی اہلیت رکھتے ہیں، چند فتویٰ دینے کی دو ۱۲ ایسے ہیں جو قاضیوں کو پڑھا سکتے ہیں، یہ کہہ کر امام ابو یوسف اور زفر کی طرف اشارہ کیا۔“

ایک بار امام ابو حنیفہ نے داؤد طائی سے کہا کہ تم عبادت کے لئے پیدا ہوئے، ابو یوسف سے کہا تم دنیا کی طرف مائل ہو گئے، اسی طرح زفر وغیرہ کی نسبت رائے ظاہر کی، جو کہا تھا، واقعات نے وہی ثابت کیا۔

وفات سے پہلے کہتے تھے کہ سترہ برس دنیا کے کام میں رہ چکا، میرا گمان ہے کہ اب میری موت قریب ہے، اس قول کے چھ ماہ بعد وفات پائی۔

غیر معمولی علمی شغف اور امام صاحب سے خصوصی استفادہ

امام ابو یوسف امام صاحب کے علوم کے اس قدر گرویدہ تھے کہ خود ہی بیان کیا کہ ایک دفعہ میرے بیٹے کا انتقال ہوا تو میں نے اس وقت بھی امام صاحب کی مجلس سے غیر حاضری پسند نہیں کی، بلکہ اپنے احباب اعزہ اور پڑوسیوں ہی کو تجھیز و تدفین کی خدمت پر مامور کر دیا، اس ڈر سے کہ امام صاحب کے علمی ارشادات و فیوض سے محروم نہ ہو جاؤں اور اس کی حسرت و افسوس میرے دل میں ہمیشہ رہے۔

امام ابو یوسف کا یہ ارشاد مبالغہ نہیں ہے، کیونکہ امام صاحب کے انتقال کے بعد بعض اوقات بڑی حسرت سے فرمایا کرتے تھے کہ

”کاش امام صاحب کی ایک علمی صحبت مجھے پھر مل جاتی اور میں ان سے اپنے علمی اشکال حل کر لیتا، خواہ مجھے اس ایک مجلس پر اپنی آدمی دولت قربان کرنی پڑتی“ لکھا ہے کہ اس وقت امام صاحب بیس لاکھ روپے کے مالک تھے، گویا دس لاکھ روپے صرف کر کے ایک مجلس کی تمنہ کرتے تھے درحقیقت علم اور صحیح علم کی قدر و قیمت ایسی ہی ہے۔ من لم یذق لم یدر۔“

نقل ہے کہ امام ابو یوسف اپنے دونوں شیخ ابن ابی لیلیٰ اور امام صاحب دونوں کی انتہائی تعظیم کیا کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کو علمی برکات سے حظ وافر حاصل ہوا۔

قاضی ابن ابی لیلیٰ

قاضی ابن ابی لیلیٰ عہد اموی و عباسی میں کافی مدت تک قاضی رہے، جن کو حضرت قاضی شریح کے قضایا سے پوری واقفیت تھی جو حضرت عمرؓ کے زمانہ سے حجاج کے زمانہ تک قاضی رہے اور حضرت علیؓ کے قضایا بھی ان کے معمول بہار ہے تھے۔

اسی طرح امام ابو یوسف نے امام صاحب کے علوم فقہ و حدیث کے ساتھ قضایا بھی سمجھا دیا بعض کا پورا علم جمع کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف نے سب سے پہلے قاضی القضاة کے عہدے پر فائز ہو کر پوری اسلامی دنیا کے قاضیوں پر وہ علمی اثرات ڈالے کہ ان کی نظیر اول و آخر میں نہیں ملتی۔

بے نظیر حافظ

علامہ ابن الجوزی نے باوجود اپنی شدت و عصیبت خاصہ کے امام ابو یوسف کو قوت حافظہ کے اعتبار سے ان سو ۱۰۰ افراد میں شمار کیا ہے جو اس امت کے مخصوص و بے نظیر صاحب حافظ ہوئے ہیں (اخبار الخلفاء، قلمی نسخہ ظاہری دمشق)

علامہ ابن عبدالبر نے انتقاء میں لکھا کہ امام ابو یوسف بڑے حافظ حدیث تھے ملکہ حفظ ایسا تھا کہ کسی محدث کی ملاقات کو جاتے دوران گفتگو میں ۶۰،۵۰ حدیثیں سنتے باہر آ کر ان سب کو پورے حفظ و ضبط کے ساتھ بے کم و کاست بیان کر دیتے تھے۔

امام ابو یوسف کے حج کا واقعہ

امام حدیث حسن بن زیاد نے بیان کیا کہ ایک دفعہ امام ابو یوسف کے ساتھ حج کو گئے، راستے میں وہ علیل ہو گئے، ہم بیڑ میمون پر اتر گئے، حضرت سفیان بن عیینہ عیادت کو آئے، امام ابو یوسف نے (جو عاشق حدیث تھے) ہم سے فرمایا، ابو محمد سے حدیثیں سن لو، انہوں نے اشارہ پا کر چالیس حدیثیں سنائیں، جب سفیان چلے گئے تو فرمایا۔ لو مجھ سے پھر سن کر ان حدیثوں کو محفوظ کر لو اور باوجود اپنی کبر سن، ضعف، حالت سفر اور بیماری کے وہ سب حدیثیں اپنی یاد سے ہمارے سامنے دہرائیں۔

اس واقعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف کی وفات کبر سن میں ہوئی ہے، کیونکہ پچاس پچپن سال کے آدمی کو کبر سن نہیں کہا جاتا۔

ذکر محدث ابو معاویہ

موفق میں حسن بن ابی مالک سے نقل کیا کہ ہم لوگ محدث ابو معاویہ کے پاس آتے جاتے تھے تاکہ ان سے حجاج بن ارطاة کی احادیث میں سے احادیث احکام فقہ حاصل کریں تو وہ ہم سے فرماتے تھے ”کیا تمہارے پاس قاضی ابو یوسف نہیں ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہیں، فرماتے۔ تم لوگ بھی عجیب ہو تم ابو یوسف کو چھوڑ کر میرے پاس آتے ہو، ہم لوگ جب حجاج بن ارطاة کے پاس جاتے تھے تو جس وقت وہ علماء حدیث کرتے تھے تو ابو یوسف سے حدیثیں یاد رکھتے تھے، پھر جب ان کی مجلس سے نکل آتے تھے تو ابو یوسف کے حافظ سے ہی وہ سب احادیث لکھ لیا کرتے تھے۔“

علامہ موفق نے اپنی سند سے یحییٰ بن آدم سے نقل کیا کہ ہارون رشید سے، جو خود بھی بڑے فقیہ عالم تھے کہا گیا کہ آپ نے ابو یوسف کو ان کے علم و مرتبہ سے زیادہ بلند کر دیا، اور بہت اونچے مقام پر فائز کر دیا، اس کی وجہ کیا ہے؟ خلیفہ ہارون رشید نے جواب دیا ”میں ان کو خوب جانتا ہوں اور کافی تجربہ کے بعد ایسا کیا ہے، واللہ! میں نے جس علمی مسئلہ میں بھی ان کی جانچ کی، اس میں ان کو کامل ہی پایا، ہمارے ان کے حدیثی مذاکرات بھی طویل طویل ہوتے تھے، اور ہم لکھتے تھے، وہ بغیر لکھے یاد رکھتے تھے، پھر جب مجلس سے اٹھتے تھے، تو ان کے پاس محدثین و رواۃ جمع ہو جاتے تھے، اور وہ اپنے پاس کی لکھی ہوئی احادیث ان کی یادداشت سے صحیح کر لیا کرتے تھے اور فقہ میں تو وہ ایسے درجہ پر پہنچے ہیں کہ اس تک کوئی دوسرا ان کے طبقہ کا پہنچا ہی نہیں۔

بڑے بڑے اہل علم ان کے سامنے چھوٹے ہیں، اور بڑے بڑے فقیہ ان کے مقابلہ میں کم حیثیت ہیں لوگوں کو درس دیں تو بغیر کتاب اور یادداشت کے، دن کو ہمارے کاموں میں شغولی (یعنی قضا کی خدمات) کے ساتھ رات کو درس کے لئے تیار، آنے والوں لوگوں سے پوچھتے ہیں، کیا چاہتے ہو؟ وہ کہتے کہ فلاں فلاں فقہی ابواب و احکام میں افادہ کیجئے! بس فوراً بالبداہت ایسے جوابات بتاتے ہیں، جن سے علماء، زمانہ عاجز ہیں اور ان سب کمالات علمی کے ساتھ عملی طور سے مذہبی استقامت اور دینی پرہیزگاری کا اعلیٰ نمونہ ہیں، اب ان جیسا کوئی لا کر مجھے دکھاؤ!“

خلیفہ ہارون رشید نے واقعی امام ابو یوسفؒ کے خاص خاص کمالات بہت موزوں پیرایہ میں جمع کر دیئے، دلاؤ دین رشید کا قول ہے کہ۔
”اگر امام اعظم کا کوئی شاگرد بھی امام ابو یوسفؒ کے سوانہ ہوتا تو یہی ان کے فخر کے لئے کافی تھے، میں جب کبھی ان کو کسی علمی موضوع پر بحث کرتے ہوئے دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے، کسی بڑے سمندر میں سے نکال نکال کر علم کے دریا بہا رہے ہیں، علم حدیث، علم فقہ اور علم کلام سب ان کے روبرو تھے، ان علوم کی تمام مشکلات ان کے لئے آسان ہو چکی تھیں“

ہلال بن یحییٰ بصری کا قول ہے کہ امام ابو یوسفؒ، تفسیر، مغازی، ایام العرب کے حافظ تھے اور ان کے علوم متعارفہ میں سے ایک فقہ بھی تھا، بروایت ذہبی یحییٰ بن خالد کا قول ہے کہ ”ہمارے یہاں امام ابو یوسف تشریف لائے، جب کہ یہ نسبت دوسرے علم کے ان کا فقہی امتیاز نمایاں نہ تھا، حالانکہ اس وقت بھی ان کا انقذ زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ چکی تھی۔“

ابن ابی العوام نے بواسطہ امام ہناری امام یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا کہ ”اصحاب الری میں امام ابو یوسف سے زیادہ اثبت فی الحدیث اور ان سے بڑا حافظ حدیث اور زیادہ صحت کے ساتھ حدیث کی روایت کرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔“

امام ابو یوسف کے ذکاوت و دقت نظر کے واقعات بہت ہیں، علامہ کوثریؒ ”حسن القاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی“ میں امام موصوف کے علمی و عملی کمالات و واقعات کا بہترین مرقع پیش کیا ہے جو ہر خفی عالم کو حرز جان بنانا چاہئے، کوثری صاحب کی تمام تصانیف اعلیٰ علمی جو اہر و نو اور کا ذخیرہ اور حقائق و واقعات کا بے مثل خزانہ ہیں۔

شیوخ فقہ و حدیث

امام ابو یوسف نے احکام قضا میں زیادہ تر قاضی ابن ابی لیلیٰ سے استفادہ کیا اور فقہ و حدیث میں امام اعظم سے کلی استفادہ کیا، رات دن امام صاحب ہی کی خدمت میں گزارتے تھے، خود فرماتے ہیں کہ میں اسی سال برابر امام صاحب کی خدمت میں رہا کہ صبح کی نماز ہمیشہ ان کے ساتھ ہی پڑھی۔ (مدیہ و نافع کبیر)

دوسری روایت صیمری کی ہے کہ ۷۱ سال امام صاحب کے ساتھ اس طرح گزارے کے بجز حالت مرض کے عید فطر اور عید الفطر میں بھی ان ہی کے پاس حاضر رہا، فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دنیا کی کوئی مجلس امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کی مجلس علمی سے زیادہ محبوب نہ تھی، دوسرے چند شیوخ یہ ہیں۔

ابان بن ابی عیاش، احوص بن حکیم، ابواسحاق شیبانی، اسماعیل بن امیہ، اسماعیل بن علیہ، اسماعیل بن مسلم (وغیرہ رجال ترمذی میں سے) ابن جریج عبد الملک، حجاج بن ارطاة، حسن بن دینار، اعمش، عبدالرحمن بن ثابت، عطاء بن السائب، عطاء بن عجلان، عمرو بن دینار، عمرو بن میمون، عمر بن نافع، قیس بن الربیع، لیث بن سعد، مالک بن انس، مالک بن مغول، مجالد بن سعید، محمد بن اسحاق (صاحب مغازی) مسعر بن کدام، نافع مولیٰ ابن عمر، یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ حجاز، عراق ودیگر شہروں کے مشاہیر اہل فضل و کمال، علامہ کوثری نے زیادہ نام تحریر کئے ہیں، اور یہ بھی تشبیہ کی ہے کہ بعض اقدین راۃ حدیث نے اپنی قلت علم اور کمی درک مدارج اجتہاد یا تعصب وغیرہ سے اور بعض نے کسی غلط فہمی سے ان میں سے بعض اکابر شیوخ پر نقد و جرح بھی کی ہے جو بوجہ مذکورہ قابل اعتناء نہیں۔

امام ابو یوسف کا تعلیمی و تدریسی شغف

امام صاحب باوجود یکہ علم و فضل کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے، دنیوی وجاہت کا بھی طرہ امتیاز اوج پر تھا، خلفاء عباسیہ کا جاہ و جلال، عظمت و رعب دنیا پر چھایا ہوا تھا، لیکن دربار خلافت کے وزراء کی تو امام ابو یوسف کے سامنے ہی کیا تھی، خود خلیفہ ہارون رشید امام صاحب موصوف کا انتہائی ادب و احترام کرتا تھا۔

امام صاحب قصر شاہی میں نہ صرف یہ کہ بے روک ٹوک ہر وقت جاسکتے تھے، بلکہ اپنے گھوڑے پر سوار ہی خلیفہ کے دربار خاص تک جایا کرتے تھے اور خلیفہ دربار خاص کا پردہ ہٹا کر خود کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے امام موصوف کا استقبال کرتا، اور پہلے خود سلام کرتا اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا تھا، کتب تاریخ میں ایک عربی کا شعر بھی آتا ہے جو ہارون رشید امام موصوف کی آمد پر بعد اظہار مسرت و اعزاز پڑھا کرتا تھا، آج کے حالات میں کون یقین کرے گا کہ ہمارے دین کے پیشواؤں کی ایسی آن بان بھی رہی ہے، پھر کتب تاریخ میں کچھ ایسے غلط و بے اصل جھوٹے راویوں کے چلائے ہوئے قصے بھی لکھے گئے، جن کی وجہ سے بڑوں بڑوں کی صحیح پوزیشن نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

امام ابو یوسف کے قبول عہدہ قضا کو ان کی دنیا طلبی سے تعبیر کیا گیا اور ایسے قصے بھی گھڑے گئے کہ امام صاحب نے خدا نخواستہ خلفاء کی رضا جوئی اور انعامات کی خاطر شرعی مسائل بتائے، ہمارے اہل مناقب نے بھی بے تحقیق ایسے چند واقعات نقل کر دیئے جن سے امام موصوف کی ذہانت و ذکاوت و وسعت دینی ثابت ہو۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے علامہ کوثری صاحب کو کہ حسن التقاضی میں ایسے واقعات کی بھی تاریخی دلائل سے تغلیط کر دی، اگرچہ امام صاحب کے مجموعی حالات سے بھی ایسے قصے مشکوک معلوم ہوتے تھے، یہاں عرض کرنا یہ تھا کہ امام موصوف اتنی مشغولیتوں کے ساتھ بھی آخر وقت تک درس و تعلیم کا کام کرتے رہے، اور اس سے کبھی سیر نہ ہوتے تھے، نہ کسی وقت پڑھانے، سمجھانے اور علمی مذاکرہ سے اکتاتے تھے۔

حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ میں اپنے مسل علم کے زمانہ میں امام زفر کے پاس بھی جاتا تھا اور امام ابو یوسف کے پاس بھی، لیکن میں نے امام ابو یوسف کو زیادہ باحوصلہ پایا، اکثر ایسا ہوتا کہ میں پہلے امام زفر کے پاس پہنچتا اور مشکل مسائل پوچھتا وہ مجھے سمجھاتے میں نہ سمجھتا اور بار بار سوال کر کے ان کو عاجز کر دیتا وہ کہتے۔ کم بخت جا! تجھے کیا علم آئے گا؟ کوئی پیشہ دیکھ، کھیتی وغیرہ کر، ان کے اس طرح فرمانے سے مجھے بڑا

ابن خلکان نے امام ابو یوسف کے تذکرہ میں ان کے ہارون رشید کے دربار میں عروج کا سبب بھی ایک جھوٹا واقعہ نقل کر دیا ہے، اسی طرح عیسیٰ بن جعفر کے لونڈی نے امام ابو یوسف کا شرعی طریقہ سزا کر انعام پانے کا قصہ بھی مستند نہیں ہے، جس کو ہمارے علامہ شامی وغیرہ نے بھی ذہانت کی تعریف کے خیال سے نقل کر دیا اور علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں یہی قصہ نقل کر دیے ہیں اور سلفی سے طیور مات میں ابن مبارک کی طرف منسوب کر کے ایک بے سرو پا قصہ نقل کر دیا، امام ابو یوسف و امام محمد کے باہمی تعلقات میں خرابی اور اس کے بھی ایک دو قصے یوں ہی بے سند نقل ہوئے اور ہمارے علامہ سرخسی وغیرہ نے بھی بے تحقیق ان کی روایت کر دی ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم

غم ہوتا اور بڑی مایوسی ہوتی (کیونکہ مجھے بغیر علم کے کسی چیز کی پیاس نہ تھی) امام ابو یوسف کے پاس جاتا اور وہی مسائل مشکلہ پیش کرتا وہ ان کے جوابات فرماتے اور سمجھانے کی کوشش فرماتے، پھر بھی میری پوری طرح تشفی نہ ہوتی تو فرماتے - اچھا ٹھہرو! ذرا صبر کرو، پھر فرماتے تم کچھ تھوڑا بہت سمجھے بھی یا ابھی ابتدائی حالت ہی ہے؟ میں کہتا کہ کچھ فائدہ تو مجھے ہوا ہے مگر جس طرح میں چاہتا ہوں تسلی نہیں ہوئی، فرماتے، کچھ حرج نہیں، ہر ناقص چیز کامل ہو سکتی ہے ٹھہرو! ان شاء اللہ تعالیٰ تم سمجھ لو گے۔

حسن فرماتے ہیں کہ میں ان کے اتنا قدر صبر و تحمل پر بڑی حیرت کرتا تھا، وہ اپنے تلامذہ و اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے یہ قدرت ہوتی کہ اپنے دل کی ساری باتیں تمہارے دلوں میں اتار دوں تو مجھے ایسا کرنے میں بڑی خوشی ہوتی۔

یہ واقعہ میں نے اس لئے بھی ذکر کیا کہ آجکل کے طلبہ و اساتذہ دونوں اس سے سبق حاصل کریں اور اپنی زندگی کے رخ کو بدلیں تاکہ ان کو بھی علم و حکمت کے وہی سابقہ انوار و برکات حاصل ہوں پہلے ہارون رشید کے قول سے بھی معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف عہدہ قاضی القضاة کی غیر معمولی مصروفیتوں کے باوجود درس و تعلیم دیا کرتے تھے اور تاریخ نے ہی یہ بھی بتایا کہ آخری وقت وصال میں بھی علمی مسائل کی تحقیق ہی فرماتے رہے۔

ابراہیم بن الجراح کا بیان ہے کہ مرض موت میں عیادت کے لئے حاضر تھا، اس وقت بھی علمی گفتگو تھی، کچھ دیر غشی رہی، افاقہ ہوا تو مجھ سے کہنے لگے ابراہیم! اری جمار سوار کر کرنا افضل ہے یا پیدل! میں کہا پیدل! فرمایا غلط، میں نے کہا سوار! فرمایا غلط، پھر خود فرمانے لگے کہ جس جمرہ کے پاس دعا کرے گا وہاں پیدل افضل ہے اور جہاں نہیں وہاں سوار ہو کر، ابراہیم کہتے ہیں کہ میں اٹھ کر دروازہ تک ہی آیا تھا کہ ان کی وفات کی خبر سن لی۔ (کتاب ابن ابی عوام)

مناقب صیری میں اتنا اضافہ اور بھی ہے کہ میں نے عرض کیا آپ اس حالت میں بھی مسائل بیان کر رہے ہیں؟ فرمایا کیا حرج ہے؟ کیا عجب ہے خدا اسی درس مسائل کے صدقہ میں نجات بخش دے پھر دونوں جگہ کے فرق کی بھی توجیہ فرمائی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة و رضی عنہ وارضاه۔

امام ابو یوسف کے تلامذہ

علامہ کوثری نے بہت لوگوں - کہنا تحریر فرمائے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں امام احمد بن حنبل (صاحب مذہب) احمد بن منیع (شیخ امام بخاری) اسد بن فرات (مدون مذہب امام مالک) اسماعیل بن حماد (ابن الامام الاعظم) بشر بن غیاث، جعفر بن یحییٰ البرکلی حسن بن زیاد لولوی حماد بن دلیل، خالد بن صبیح، خلف بن ایوب بلخی، شجاع بن مخلد، شفیق بن ابراہیم بلخی، علی بن الجعد (صاحب الجعديات) علی بن حرمہ، علی بن المدینی (شیخ بخاری) فضیل بن عیاض، امام محمد، محمد بن ساعد، معلى بن منصور، وکیع بن الجراح، ہشام ابن عبد الملک الوالید الطیالسی، ہلال بن یحییٰ الرائی (صاحب احکام الوقف) یحییٰ بن آدم، یحییٰ بن معین (شیخ البخاری) امام شافعی بواسطہ امام محمد، امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں اور

امام احمد فرماتے ہیں کہ میرے سب سے پہلے استاد حدیث امام ابو یوسف ہیں اور ان سے میں نے تین سال ان کے پاس رہ کر تین قماطر (الماریاں) علم کی لکھی ہیں ۳ مشہور فقیہ تھے، نقض الداری سے ان کے علوم مرتب علمی کا پتہ چلتا ہے، ان کی بہت سی علمی تصانیف اور امام ابو یوسف سے روایات کثیرہ ہیں، اہل زہد و ورع سے تھے، مسئلہ خلق قرآن میں معتزلہ کی طرف میلان ہو گیا تھا، اگرچہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی مراد ما بین الدین تھی، علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ ۶ ج ۱ میں ان کو مرجئی کہا ہے، اور بھی کچھ چیزیں ان کی طرف منسوب ہوئیں، واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہیں، خلق قرآن کے مسئلہ میں امام ابو یوسف نے ان کو تنبیہ کی تھی، شاید اس سے کچھ اصلاح بھی ہوئی، کیونکہ امام احمد نے فرمایا - میں اس مجلس میں موجود تھا جب بشر مرسی کو امام ابو یوسف کے حکم سے پاؤں کھینچ کر نکالا گیا، پھر میں نے اگلے روز دیکھا کہ آئے میں نے کہا کہ آپ کو اس طرح کلوایا گیا پھر بھی آپ آگئے؟ کہا کہ اس بات کی وجہ سے میں علم سے محرومی کو گوارا نہیں کر سکتا۔

یہ بھی امام ابو یوسف نے ان سے فرمایا تھا کہ ”تم بہت قابل قدر آدمی ہو، اگر تمہارے اندر وہ بری رائے نہ ہو، لیکن امام صاحب موصوف نے پھر ان کو مجلس میں آنے دیا اس سے خیال ہوتا ہے کہ ان کی کچھ اصلاح ضرور ہو گئی ہوگی۔“

کتاب الامام اور اپنی مسند میں امام ابو یوسف سے بواسطہ امام محمد روایت بھی کی ہے، جیسے حدیث بیع اللواء میں۔

امام ابو یوسف اور امام شافعی کا اجتماع ایک جگہ نہیں ہوا، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر اور حافظ سخاوی نے بھی تصریح کی ہے، باقی بعض مسانید امام اعظم میں جو امام شافعی کی روایات امام ابو یوسف سے منقول ہے وہ غلط ہے کہ یوسف کی جگہ ابو یوسف تحریر ہو گیا ہے اور وہ یوسف بن خالد سمی ہیں، واللہ اعلم (حسن التقاضی)

امام ابو یوسف نے اگرچہ اپنا انساب اپنے استاد محترم امام اعظم کے ساتھ ہمیشہ باقی رکھا، مگر ان کے علمی کمالات اور قوت اجتہاد و استنباط و جمع شروط اجتہاد کے پیش نظر ان کو مجتہد مطلق ماننا ضروری ہے، وہ امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کے رکن رکین اور فرد اعظم تھے اور امام صاحب کی وفات تک تقریباً ۲۹ سال تدوین کے کام میں مشغول رہے۔

چنانچہ امام اعظم نے خود بھی ان کے طبقہ کے علم اہل الارض فرمایا تھا جیسا کہ تاریخ خطیب میں بواسطہ امام طحاوی اسد بن فرات سے منقول ہے اور ابن ابی عمران شیخ لہ طحاوی نے فرمایا کہ حافظ فقیہ علی بن الجعد (صاحب الجعديات المشہور) ایک روز درس حدیث دے رہے تھے اور مجلس لوگوں سے بھری ہوئی تھی، آپ نے خبرنا ابو یوسف ہی کہا تھا کہ ایک شخص بولا کیا آپ ابو یوسف کا ذکر فرما رہے ہیں؟ حضرت الاستاذ نے اس طرح کے سوال سے امام کی تحقیر محسوس کی اور بارعب و جلال لہجہ میں فرمایا کہ جب تم امام ابو یوسف کا ذکر مبارک کرنا چاہو تو پہلے اپنے منہ کو اشان اور گرم پانی سے اچھی طرح پاک و صاف کر لینا، پھر فرمایا کہ واللہ میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔ جبکہ وہ امام ثوری، امام مالک، حسن صالح، ابن ابی ذئب، لیث بن سعد، اور شعبہ بن الحجاج جیسے اکابر ائمہ و مجتہدین کو دیکھ چکے تھے، لہذا وہ امام صاحب موصوف کو ان سب پر فضیلت دیتے تھے اور امام اعظم نے امام ابو یوسف کی شرح معانی حدیث بریرہ پر ”انتم الاطباء و نحن الصيادلة“ فرمایا تھا۔ (حسن التقاضی) علامہ کوثری نے اس موقع پر مجتہدین کی اس تقسیم کو راجح ثابت کیا ہے جو ابن حجر کی ”شن الغارہ“ میں درج کی ہے جس کو مولانا عبدالحی مرحوم لکھنوی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی نقل و اختیار کیا ہے اور ابن کمال الوزیری کی تسمیہ کو غیر صحیح و مرجوح قرار دیا ہے، یہ بحث اہم و قابل مطالعہ ہے اور ابو یوسف کی شرح میں علاوہ مذکورہ بالا اقوال کے چند اقوال اور بھی ملاحظہ کیجئے! یحییٰ بن معین نے یہ بھی فرمایا کہ امام ابو یوسف صاحب حدیث تھے، صاحب سنت نھے، ابو حاتم نے کہا کہ ان کی حدیث لکھی جاتی ہے الخ (الجرح التحدیل ص ۲۰۱ ج ۴)

عبداللہ بن داؤد ذریبی کا قول ہے کہ امام ابو یوسف تمام فقہی مسائل پر ایسا عبور کامل رکھتے تھے کہ وہ سب ان کے سامنے کف دست تھے عمرو بن محمد ناقد (جو اہل رائے محدثین سے تعصب رکھتے تھے) فرماتے کہ میں اصحاب رائے میں سے کسی سے روایت حدیث پسند نہیں کرتا، مگر ابو یوسف سے، کیونکہ وہ صاحب سنت تھے۔

محمد بن ساعد کا بیان ہے کہ امام ابو یوسف قاضی القضاة ہو جانے پر بھی ہر روز دو سو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، علی بن المدینی نے فرمایا کہ ۱۸۰ھ میں امام ابو یوسف بصرہ آئے تو ہم ان کی خدمت میں جای کرتے تھے، ان کا طریقہ یہ تھا کہ دس احادیث روایت کرتے، پھر دس فقہی آراء ساتھ بیان کرتے، اس عرصہ میں مجھے صرف ایک حدیث میں وہ منفرد معلوم ہوئے جو ہشام بن عروہ سے حجر میں روایت کی اور وہ صدوق تھے۔ علامہ کوثری نے اس مقام پر تحریر فرمایا کہ جو شخص ”الخصیص الخبیر“ ص ۲۳۹ اور سنن بیہقی ص ۶۱ ج ۲ مطالعہ کرے گا وہ معلوم کرے گا کہ اس حدیث میں بھی امام ابو یوسف منفرد تھے کیونکہ متابع موجود ہے۔

یہ تمام اقوال علامہ ذہبی کی کتاب مناقب الامام ابی یوسف سے ”حسن التقاضی“ میں لکھے گئے ہیں، حارثی نے اپنی سند سے حسین بن ولید سے یہ نقل کیا کہ امام ابو یوسف جب کسی مسئلہ پر کلام کرتے تھے تو سننے والے ان کی دقت کلام سے متحیر ہو جاتے تھے اور ایک روز میں نے ایسا بھی دیکھا کہ وہ کسی غامض مسئلہ پر تقریر کرنے لگے تو تیر کی طرح تیزی سے اس مسئلہ کے تمام متعلقات بیان کر گئے جس کی وجہ سے اور بھی زیادہ حاضرین کو اس

۳- "الرد علی سیر الاوزاعی" - امام اوزاعی نے اپنی کتاب مسائل جہاد میں امام اعظم کی کتاب الجہاد کے بعض مسائل پر اعتراض کیا تھا ان مسائل پر امام ابو یوسف نے دونوں کے اقوال جمع کر کے ہر ایک کی دلیل بیان کی ہے اور پھر محاکمہ کیا ہے، یعنی کتاب وسنت کی روشنی میں اپنی بصیرت کے موافق کسی ایک قول کو ترجیح دی ہے ادارہ مذکورہ ہی سے ۱۳۵۷ھ میں مفید حواشی کے ساتھ مصر میں طبع ہو کر شائع ہوئی، صفحات ۱۳۸۔

۴- "کتاب الخراج" - خلیفہ ہارون رشید کی طلب پر احکام اموال میں رسالہ تصنیف فرمایا تھا، اس کے مقدمہ میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسف حق بات کہنے میں کسی سے نہیں لچتے تھے، ان کے طبقہ میں کسی نے ایسی کتاب نہیں لکھی، بلکہ یہ کہنے میں بھی مبالغہ نہیں کہ ایسی کتاب لکھی ہی نہیں گئی، اس باب میں جو کتابیں دوسروں نے لکھی ہیں ان کے ساتھ موازنہ کرنے پر یہ بات بالکل واضح ہوگی، اس کتاب کی شروع بھی لکھی گئیں جن سے ان کی خوبیاں اور بھی نمایاں ہو گئیں۔

۵- کتاب المنہاج والحیل - یہ بھی امام ابو یوسف کی طرف منسوب ہے، اس کا قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ میں اور المکتبہ علی پاشا آستانہ میں موجود ہے اور اس کو جوزف شحت مستشرق المانی نے امام محمد کے نام سے طبع کر دیا ہے۔
ابن ندیم نے لکھا کہ امام ابو یوسف کی کتاب اصول وامالی میں سے حسب ذیل ہیں۔

۶- کتاب الصلوٰۃ ۷- کتاب الزکوٰۃ ۸- کتاب الصیام ۹- کتاب الفرائض ۱۰- کتاب البیوع ۱۱- کتاب الحدود ۱۲- کتاب الوکالت
۱۳- کتاب الوصایا ۱۴- کتاب الصيد والذباح ۱۵- کتاب الغصب ۱۶- کتاب الاستبراء ۱۷- مجموعہ امالی، مرتبہ و مرویہ قاضی بشر بن الولید جو ۳۶ کتابوں پر مشتمل ہے جو سب امام ابو یوسف کی اپنی تفریح کردہ ہیں۔

۵۳- کتاب اختلاف علماء الامصار ۵۴- کتاب الرد علی مالک بن انس ۵۵- کتاب الجوامع جو آپ نے یحییٰ بن خالد کے لئے لکھی تھی جو چالیس کتابوں پر مشتمل تھی ان میں آپ نے لوگوں کے اختلاف کی تفصیل اور رائے مختار کی نشاندہی کی ہے طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد نے کہا کہ امام ابو یوسف کے حالات مشہور ہیں، ان کا فضل و برتری ظاہر ہے، وہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں سے تھے اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں سے سب سے بڑے فقیہ تھے کہ ان سے آگے کوئی نہ ہو سکا، علم و حلم، ریاست اور قدر و منزلت کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے تھے امام ابو حنیفہ کے مذہب و اصول فقہ کو سب سے پہلے تصنیف کیا، مسائل احکام کا املا، کرایا اور امام صاحب کے علوم اجتہاد یہ کوزمین کے تمام حصوں میں پھیلا دیا اور نشر کیا جیسا کہ خطیب نے بھی تنوخی سے اسی کی تصریح نقل کی ہے۔

لہذا امام ابو یوسف کی اولیت تصنیف اصول فقہ حنفی، امام شافعی کی اولیت تصنیف اصول فقہ شافعی کے منافی نہیں، بلکہ امام شافعی کا جو طریقہ مناقشہ سابقہ مسائل اصول پر ہے، وہ خود اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ ان کی اولیت صرف ان کے اپنے مذہب کے اعتبار سے ہے، حافظ ذہبی نے ابو یعلیٰ موصلی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ - ابو علی کا قول ہے کہ اگر ابو یعلیٰ بشر بن ولید کے پاس ٹھہر کر امام ابو یوسف کی کتابوں کو نقل کرنے میں مصروف نہ ہوتے تو بصرہ پہنچ کر سلیمان بن حرب اور ابو ولید عباسی کو ضرور پالیتے، (جس سے ان کی سند عالی ہو جاتی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف کی تصانیف بہت ہی زیادہ تھیں کہ ان کو لکھنے میں کافی وقت صرف ہو گیا اور ان کو بشر تلمیذ امام موصوف کے پاس رکنا پڑا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف کے علوم کی اس وقت بڑی شہرت تھی ورنہ علوسند کو ہر زمانہ میں بڑی اہمیت رہی ہے اور لوگ اس کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، مگر ابو یعلیٰ جیسے مشہور محدث کبیر نے نقل کتب امام موصوف میں وقت صرف کر کے بتصریح ذہبی علوسند کی فضیلت کو نظر انداز کر دیا۔

واضح ہو کہ ابو یعلیٰ کی مسند و معجم مشہور ہیں، وہ جزیرہ کے بڑے پایہ کے محدث تھے، محدث علی بن الجعد اور امام یحییٰ بن معین کے واسطے سے امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں، محدث ابن حبان اور اسماعیلی جیسے محدث ان کے شاگرد ہیں، اس زمانہ میں محدثین تیز لکھنے کے بڑے

مشاق ہوتے تھے، اسی طرح تلقی کتب اور سماع میں سرعت کے واقعات بہ کثرت منقول ہیں، چنانچہ بہت سے محدثین ایسے گزرے ہیں جنہوں نے صرف تین روز میں بخاری شریف پوری کر لی ہے ایسے حالات میں محدث ابو یعلیٰ کا زیادہ قوت صرف اس لئے صرف ہوا ہوگا کہ امام کی تصانیف بہت زیادہ تھیں اور امام احمد کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ میں نے تین سال میں امام ابو یوسف کے پاس رہ کر بقدر تین الماریوں کے کتابیں نقل کیں، قماطر کا ترجمہ بستوں سے ٹھیک نہیں، قاموس وغیرہ میں ہے کہ قطر وہ ہے جس میں کتابیں محفوظ کی جائیں پھر یوں بھی امام احمد ایسے مشہور و معروف محدث نے تین سال کی مدت میں بڑی مقدار نقل کی ہوگی۔

صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے امالی تین سو مجلد میں تھے۔

علامہ ابو القاسم شرف الدین بن عبد العظیم القرطبی (بالتاء) مولف "فوائد المعقیان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان" نے دوسری فصل کتاب مذکور میں (جو امام ابو یوسف کے مناقب میں ہے) فرمایا۔ امام ابو یوسف کے مناقب میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے بڑی بڑی مبسوط کتابیں تصنیف کیں جن میں سے املاء امالی، ادب القاضی (جو بشر بن الولید کو املاء کرائی تھی) المناسک وغیرہ تھیں، علامہ شیخ یحییٰ غزنی نے ۸-۹ھ میں زبید پہنچ کر بیان کیا تھا کہ انہوں نے امام ابو یوسف کی امالی کو خود دیکھا ہے جو تین سو مجلد میں تھیں اور شام کے شہر غزہ کے مدرسہ میں ایک مستقل الماری میں محفوظ تھیں، افسوس ہے کہ اب اس عظیم و جلیل کتاب کا کہیں وجود نہیں اور غالباً وہ دسویں صدی کی مشہور جنگ میں ضائع ہوئی ہے (حسن القاضی)

اس وقت کے متنازعہ فیہ مسائل کلامیہ میں امام ابو یوسف کی آراء بہت ہی جچی تلی، متوازن اور معتدل تھیں اور اس زمانہ کے فرق باطلہ کے زلیغہ والی حد کا امام موصوف نے بڑی حکمت و دانائی سے مقابلہ کیا، امام اعظم کے مناظرے اہل زلیغ کے ساتھ مشہور ہیں۔

امام ابو یوسف چونکہ برسر اقتدار بھی تھے اور حکومت کے سب سے بڑے مذہبی عہدہ قاضی القضاة پر فائز تھے، پھر اپنی جلالت علمی و امتیازات خاصہ کے باعث خلفاء وقت کے بھی مرعوب و متاثر ہونے والے نہ تھے، اس لئے ان کی خدمات اور بھی زیادہ نمایاں ہوئیں۔

خلیفہ ہارون رشید پر ان کے اثرات کا کچھ ذکر ہو چکا ہے اور امام اعظم کے تذکرہ میں قضاة کے سلسلہ میں بھی ان کے بے جھجک فیصلوں اور اہم اقدامات کا تذکرہ آچکا ہے، یہاں اہل زلیغ کے بارے میں ان کے طرز فکر و طریق عمل کے ایک دو نمونے ملاحظہ کیجئے۔

۱- برسر اقتدار حضرات میں سے کسی کے صاحبزادے جہی خیال کے ہو گئے تھے، امام موصوف نے بلوا کر ۳۵ کوڑے لگوائے تاکہ اس کو

تنبیہ ہو اور دوسروں کو حوصلہ نہ ہو۔

۲- خلیفہ ہارون رشید کے سامنے ایک زندیق پیش ہوا، خلیفہ نے امام یوسف کو بلوایا تاکہ دلائل سے قائل مقول کریں، امام صاحب پہنچے تو خلیفہ نے کہا کہ اس سے بات کیجئے اور مناظرہ کر کے اس کی اصلاح کیجئے، امام صاحب نے فرمایا، امیر المؤمنین! ابھی ابھی تلوار اور چمڑا منگوائیے اور اس پر اسلام پیش کیجئے! اگر اسلام کو صحیح طور سے مانے تو خیر، ورنہ اس کا قصہ ختم کیجئے، ایسے طرد زندیق مناظروں سے درست ہونے والے نہیں (تاریخ خطیب و مناقب موفق)

ایک دفعہ دشمنوں اور حاسدوں نے مشہور کر دیا کہ امام ابو یوسف خود ہی "القرآن مخلوق" کے قائل ہیں، امام صاحب کے خاص تعلق والے پہنچے اور عرض کیا کہ آپ ہمیں تو اس چیز سے روکتے ہیں اور دوسروں کو اس طرح بتلاتے ہیں، پھر سارا قصہ ذکر کیا کہ اس طرح شہرت ہے، امام صاحب نے فرمایا، آپ لوگ بھی بڑے سادہ لوح ہیں کہ ان کی باتوں میں آگے وہ پاگل دیوانے تو خدا پر جھوٹ بولتے ہیں، مجھ پر جھوٹ لگانا ان کے لئے کیا مشکل ہے؟ پھر فرمایا کہ اہل بدعت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے دل کی باتیں دوسروں پر رکھ کر چلاتے ہیں، حالانکہ وہ لوگ ان کے جھوٹ سے بری ہوتے ہیں، ایک دفعہ لوگوں نے آ کر عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ ایسے شخص کی شہادت بھی قبول کر لیتے ہیں جو کہے کہ خدا کو واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے قبل تک ان کا علم نہیں ہوتا، (اس زمانہ کے بعد اہل زلیغ فلسفی مزاج لوگوں کی طرف اشارہ

تھا) امام نے فرمایا، بالکل غلط ہے ایسا، میرے سامنے آجائے تو اس سے فوراً توبہ کراؤں، اگر توبہ نہ کرے تو حکم قتل کروں۔ ایک بار امام صاحب کے کسی جلسے میں کہا کہ آپ کے بارے میں عام لوگ یہ شہرت کر رہے ہیں کہ آپ ایسے شخص کی شہادت قبول کر لیتے ہیں جو کسی تاویل کے ساتھ صحابہ کو سب و شتم کرتا ہو، فرمایا، افسوس لوگ ایسی بات کہتے ہیں میں تو ایسے شخص کو قید کر دوں اور تازیانوں کی سزا مقرر کروں، یہاں تک کہ توبہ کرے۔ (حسن التقاضی)

سینکڑوں واقعات میں سے یہ چند واقعات ذکر ہوئے ہیں، ان حضرات کے اس قسم کے واقعات روح ایمان کو تازہ کرنے والے ہیں، جی چاہتا ہے کہ لکھے جائے! مگر یہاں عجائز پیش کر رہے ہیں، اس لئے معذرت کی جاتی ہے مگر اتنا ضرور یاد رکھئے کہ یہ امام ابو یوسف اسی ذات مکرمہ تربیت یافتہ اور تلمیذ خاص ہیں جو حسب تحقیق امام بخاری یرمی السیف فی الامۃ کا نظریہ رکھتے تھے، آپ نے دیکھا کہ برسر اقتدار ہو کر بھی اگر سیف کا استعمال کرنا چاہا تو صرف ان اعضاء فاسدہ پر جن کی اصلاح ناممکن کے درجہ میں پہنچی ہو اور جن سے دوسروں کو گمراہی کا ظن غالب ہوا۔

ایک طرف اگر امام اعظم ایسے علم والے جن کے علم سے بقول ابن ندیم، مشرق سے مغرب تک ساری فضا معمور منور ہو گئی اور جن کی ایک عقل سارے عقلاء روزگار کے ہم پلہ سمجھی گئی، آلودہ پاپتے تو اپنے علم و عقل کے زور سے دوسروں کو کس کس طرح مجروح نہ کر جاتے اور ابن حزم وغیرہ کی طرح قلمی سیف و سنان کا استعمال دل کھول کر کرتے، مگر وہ خوب جانتے تھے کہ بڑے اور اہل علم و تقویٰ تو ایک طرف معمولی کم از کم درجہ کے مومن کی عزت بھی لائق صدا احترام ہے، اسی لئے ان کی اور ان کے تمام اصحاب و تلامذہ کی غیر معمولی احتیاط و نزاہت لسان قابل تقلید ہے، دوسری طرف امام ابو یوسف اگر اپنے اقتدار سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تو اپنے مخالفین سے کیا کچھ انتقال نہ لے سکتے تھے، جو رات دن ان کو بدنام کرتے تھے۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ سب صحابہ تک تو بھی وہ کسی تاویل کے ساتھ برداشت کرنے کو تیار نہ تھے، جب کہ دوسری طرف یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ حافظ ابن حجر مروان بن الحکم کے ”رجالی بخاری“ میں سے ہونے کی وجہ سے اس کے حضرت طلحہ کو قتل کرنے کو بھی تاویل کے ساتھ وجہ جواز دینے کو تیار ہیں جو نہ صرف بلند پایہ صحابی تھے، بلکہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور الزام پھر بھی یرمی السیف کا ہم غریبوں کے سر ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چہ چاہ نہیں ہوتا

یہ تو امام ابو یوسف کی رائے تھی، اور جو کلمات انہوں نے عقائد حقہ اور عقائد ذرائعہ کے سلسلہ میں ارشاد فرمائے ہیں وہ تو آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں، علامہ شری نے حسن التقاضی میں وہ بھی کچھ نقل کئے ہیں، ان کا یہاں ترجمہ ہم خوف طوالت سے ترک کرتے ہیں درحقیقت پوری کتاب ایک مصنفہ کی علمی جواہر پاروں کا گنجینہ ہے، خدا نے توفیق دی تو کسی وقت اس کا مکمل اردو ترجمہ شائع کیا جائے گا۔

امام صاحب اور ان کے اصحاب کے حالات زندگی پڑھنے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان ابتدائی حالات میں جب کہ نئے نئے علمی و مذہبی فتنے سر اٹھا رہے تھے، ان حضرات نے کن کن تدابیر سے ان کی روک تھام کی ہے، علمی مناظرے، مباحثے بھی کئے، حکومت کے اثرات سے بھی کام لیا، اور تدوین فقہ کی مہتمم بالشان مہم سر کر کے مسلمانوں اور اسلامی حکومتوں کے واسطے اسلامی قوانین پر چلنے کا میدان بھی ہموار کیا۔ امام ابو یوسف نے جہاں ملحدوں، زندلیقوں پر سخت گرفت کی، وہاں ان کو بے گناہ عام مسلمانوں کی حفاظت جان و مال کی فکر بھی ہمہ وقت اپنے استاذ معظم امام اعظم کی طرح رہتی تھی، اس کا بھی ایک واقعہ پیش ہے۔

ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، ایک شخص نے کہا واللہ! نہ تم نے تقسیم میں انصاف کیا اور نہ رعیت کے ساتھ عدل کیا اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ سے سخت تنقید کی، خلیفہ کو غصہ آیا، اس شخص کو گرفتار کرنے کا حکم دیا، نماز کے بعد اس کو پیش کیا گیا تو خلیفہ نے امام ابو یوسف کو بلوایا، آگے خود امام ابو یوسف کے ہی الفاظ میں قصہ سنئے! فرمایا میں گیا تو دیکھا کہ خلیفہ بیٹھے ہیں، سامنے ایک شخص بطور مجرم جلا دوں اور سزا دینے والوں کے درمیان کھڑا ہے، خلیفہ نے مجھے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص نے مجھے ایسی سخت باتیں کہیں جو آج

تک کسی نے نہیں کہی تھیں، میں نے کہا میرا مؤمنین! نبی کریم ﷺ کو ایسے ہی ایک موقع پر کہ آپ نے خود تقسیم فرمائی تھی کہا گیا تھا کہ اس تقسیم سے خدا کی رضا جوئی کا ارادہ نہیں کہا کہ! لیکن حضور ﷺ نے یہ سن کر بھی اس کو معاف فرما دیا اور کوئی سزا نہیں دی، ایک دوسرے موقع پر آپ نے تقسیم فرمائی تو کہا گیا کہ آپ نے عدل نہیں کیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں بھی عدل نہ کروں تو کون کرے گا؟ اس کو بھی حضور اکرم ﷺ نے معاف فرما دیا اور درگزر کی، اور اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ حضور ﷺ کو اس وقت کہے گئے کہ حضرت زبیر اور ایک شخص انصاری کا جھگڑا آپ کے سامنے پیش ہوا، غلطی چونکہ اس کی تھی، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے زبیر کے حق میں فیصلہ کیا، انصاری نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ فیصلہ ان کے حق میں اس لئے ہوا کہ وہ آپ کے پھوپھی کے لڑکے ہیں؟ ان کو بھی حضور اکرم نے کچھ نہ فرمایا اور معاف کر دیا، امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اتنا سننے کے بعد خلیفہ کا غصہ ختم ہو گیا اور شخص کو چھوڑنے کا حکم دیدیا۔ (ابن ابی العوام بسندہ)

امام ابو یوسف اور امام مالک کا اجتماع ہوا ہے اور بعض مسائل میں مذاکرہ بھی ہوا ہے مگر جو واقعہ سہمی سے نماز نفل نہ پڑھنے پر حلف کا منقول ہے اور ایسی ہی سلمی سے اشتراء باریہ کے حلف والا قصہ ناقابل اعتبار ہے کیونکہ سہمی و سلمی اور کابلی و عبدالعزیز غیر ثقہ تھے (حسن التقاضی) امام ابو یوسف نے مغازی و سیر مجہد بن اسحاق سے بھی حاصل کئے مگر جہاں تک خیال ہے ان کا بڑا اور اہم حصہ امام اعظم سے ہی حاصل کیا ہوگا کیونکہ امام صاحب نے مغازی کا علم امام شافعی سے حاصل کیا، جن کی وسعت علم مغازی و سیر کا اعتراف حضرت عمر وغیرہ اکابر اصحاب نے بھی کیا تھا۔ اس سلسلہ میں مورخ ابن خلکان نے ”الجلالی الصالح“ معافی جزیری سے بغیر نقل سند کے ایک قصہ نقل کر دیا ہے جو قطعاً جھوٹ ہے اس میں اس طرح ہے کہ امام ابو یوسف مجہد بن اسحاق سے مغازی و سیر کا علم حاصل کرنے کے لئے کچھ دن امام صاحب کی مجلس سے غیر حاضر رہے، واپسی پر امام صاحب نے گویا بڑا ملنر و تجھیل کے کہا کہ ابو یوسف! ذرا بتلاؤ تو کہ جالوت کے لشکر میں جھنڈا کس کے ہاتھ میں تھا؟ امام ابو یوسف نے کہا، آپ امام ہیں (اس لئے لحاظ ہے) لیکن اگر آپ اس (طنز) سے نہ رکیں گے تو میں بڑے مجمع میں آپ سے پوچھوں گا کہ بدر کی لڑائی پہلے تھی یا احد کی؟ اور آپ نے بتلا سکیں گے، کہ کون سی اول تھی، اس پر امام صاحب خاموش ہو گئے۔

یہاں یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ اسی سلسلہ کی ایک صورت واقعہ دوسری بھی ہے جو علامہ موفق نے روایت کی ہے وہ اگر صحیح ہے تب بھی دلوں میں بہت بڑا فرق ہے اس میں یہ ہے کہ امام ابو یوسف کا بیان ہے، میں تعلیم کے زمانہ میں (جو غالباً ابتدائی دور کا واقعہ ہے ورنہ پھر تو وہ امام صاحب کے پاس ہمہ وقت رہے ہیں) میں امام صاحب کے علاوہ دوسرے محدثین وغیرہ کی خدمت میں جایا کرتا تھا (اور اس چیز سے امام خود بھی نہیں روکتے تھے بلکہ خود بھیجا کرتے تھے کہ کسی محدث کے پاس سے کسی نئی حدیث کا پتہ لگے) محمد بن اسحاق کوفہ میں آئے تو ان کے پاس میں بھی گیا، اور چند ماہ جم کر رہا یہاں تک کہ ان کی پوری کتاب سن لی اور اس عرصہ میں امام صاحب کے پاس نہ جا سکا، فارغ ہو کر امام صاحب کی خدمت میں پہنچا تو مجھ سے فرمایا کہ یعقوب! یہ کیسی بے مردتی (کہ اتنے دن تک صورت نہ دکھائی) میں نے عرض کیا کہ حضرت ایسا نہیں ہے بلکہ محمد بن اسحاق مدینی یہاں آگئے تھے، میں نے ان سے کتاب المغازی سنی ہے، امام صاحب نے فرمایا، اب اگر پھر جانا ہو تو اتنا سوال کر لینا کہ جالوت کے مقدمہ لشکر پر کون تھا؟ اور جالوت کے لشکر کا جہنڈا کس کے ہاتھ میں تھا؟ میں نے کہا حضرت! اس بات کو جانے دیجئے، واللہ! مجھے تو خود حیرت ہے کہ ایک شخص علم (مغازی) کا دعویٰ کرتا ہے اور جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ بدر کی لڑائی پہلے تھی یا احد کی؟ تو اس کو نہیں بتلا سکتا، واللہ! علم اس واقعہ میں بھی کچھ صحیح غلط ہو مگر کسی قدر قرین قیاس ضرور ہے، کیونکہ امام ابو یوسف میں یہ بات خاص طور سے تھی کہ سب محدثین و علماء زمانہ سے استفادہ کرتے تھے اور معلومات کی کھوج کرتے رہتے تھے، خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے ایک شام کو پروگرام طے ہوا کہ کل آثار نبوی کی زیارت کریں گے تو امام ابو یوسف نے وہاں کے ایک عالم ماہر آثار کو ساتھ لے کر اسی رات میں سب جگہ جا کر ان آثار کی معلومات کر لی، صبح کو خلیفہ کے ساتھ نکلے، تو وہ عالم بھی ساتھ تھے، ان کا ہی بیان ہے کہ امام ابو یوسف خلیفہ کو ہر اثر کا اس طرح تعارف کراتے تھے کہ جیسے مدت سے اس کی پوری معلومات ان کے ذہن نشین ہو، تو یہاں بھی محمد بن اسحاق کے مبلغ علم سے گواہی پہلے سے بھی ہوں مگر پورا وقت دے کر پوری کتاب سنی اور اس کا بھی خیال نہیں کیا کہ نام صاحب محمد بن اسحاق کے بارے میں خوش عقیدہ نہیں ہیں ان کو ناگوار ہوگی، اب امام صاحب کے سوال کرنے کے لئے ارشاد فرمانا ممکن ہے کہ اس وجہ سے ناگواری کے نتیجہ میں ہو کہ ان کے علم سے مطمئن نہ تھے، یا ممکن ہے یوں ہی بطور مزاح فرمایا ہو اور امام ابو یوسف نے جواب بھی ممکن ہے بطور مبالغہ بدر واحد سے دیا ہو کہ بعض چھوٹی موٹی باتیں بھی ان کے پاس صحیح نہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ بدر واحد کے تقدیر و تاخر سے تو اس زمانے کا بچہ بچہ واقف ہوگا، اب اگر اسی واقعہ کو توڑ موڑ کر اس طرح بتالیا جو ابن خلکان وغیرہ نے کذاب راویوں سے نقل کر دیا تو یہ اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ واللہ اعلم

اس روایت کو نقل کرنے والا محمد بن الحسن بن زیادہ المقری جھوٹ گھڑنے میں مشہور تھا، تاریخ خطیب میزان الاعتدال، لسان المیزان وغیرہ میں اس کا ترجمہ مذکور ہے، کسی نے کہا، کسی نے منکر الاحادیث، اس کے علاوہ یہ قصہ درایت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ کے مسانید میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ و ضرہؓ یونان میں شرکاء غزوہ بدر کو دوسرے صحابہ پر ترجیح دیتے تھے جو بعد کے غزوات میں شریک ہوئے اور امام صاحب روزانہ ختم قرآن مجید میں آتے ولقد نصرکم اللہ بیدر و انتم اذلة بھی ضرور پڑھتے تھے، جس کا نزول غزوہ احد کے بارے میں مشہور و معروف ہے، ادنیٰ لوگ بھی واقف تھے، کہ کونسا غزوہ پہلے تھا اور کون بعد، تو کیا امام الائمہ شیخ فقہاء الامۃ اس کو بھی نہ جانتے تھے۔

پھر امام صاحب نے اپنے اصحاب کو کتاب ”السیر الصغیر“ لکھائی جس پر امام اوزاعی نے رد لکھا اور آپ کے تلامذہ میں سے امام ابو یوسف ہی نے اس کے رد میں الرد علی سیر ابن وزاعی مشہور عالم کتاب لکھی، ایسی حالت میں کوئی سمجھدار آدمی یہ تصور کر سکتا ہے کہ امام ابو یوسف ہی کی نظر میں امام صاحب اس بحر سے بھی جاہل تھے کہ بدر پہلے ہے یا احد؟ وہ امام ابو یوسف جو اپنے محسن اعظم اور مربی اکرم استاد کابے نظیر ادب کرتے تھے اور جو زندگی بھر امام صاحب کی علمی مجالس میں حاضر رہ کر علوم امام کے لاتعداد روحانی ساغر نوش فرما کر بھی ایسے بے نظیر عاشق امام نکلے کہ جب کبھی وصال امام کے بعد کسی علمی مشکل میں مبتلا ہوئے تمنا یہی کی کہ کاش امام کی ایک مجلس مجھے پھر نصیب ہو جائے کہ اپنی علمی پیاس کو ایک بار پھر بجھالوں اور بعض اوقات اس کے لئے آدھی دولت بھی نثار کرنے کو آمادہ ہوئے، جس کا اندازہ دس لاکھ روپیہ کیا گیا ہے، یہاں اس قصہ کو پوری تفصیل سے بیان صرف اس لئے کیا گیا کہ ابن خلکان جیسے بلند پایہ مورخ کی مثال سامنے رکھ کر آپ اندازہ کر سکیں گے کہ بعد اوقات کسی کدو عصبيت کی وجہ سے بڑے بڑے لوگ بہک جاتے ہیں ورنہ موصوف کی کتاب وفيات الاعیان کا ہم سب پر بڑا احسان ہے اور ان کی اس علمی تاریخی تصنیف کی بڑی قدر ہے، نہ ایسے چند واقعات کی وجہ سے کتاب کو درجہ اعتبار سے ساقط کہہ سکتے ہیں، البتہ خطا و غلطی سے انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں، اس لئے جو بات بھی جس کی غلط ہو خواہ وہ کتنا ہی بڑا امام اور علامہ بھی ہو، اس کی چند غلطیوں کو الگ کر کے ہمیں چاہئے کہ اس کا باقی پوری خدمت کو بنظر استحسان دیکھیں، قدر کریں اور فائدہ اٹھائیں۔

علامہ ابن خلکان بھی دوسرے بعض اکابر کی طرح امام صاحب کے بارے میں تعصب کی روش پر چل گئے، صلوة قتال کو بھی وہ اسی نزعہ سے نقل کر گئے، حالانکہ وہ بھی اس طرح کذب محض ہے، یہاں ایسے واقعات کا ذکر اس لئے بھی ضروری ہوا کہ بہت سے اپنے حضرات بھی ان کتابوں کی عظمت و قدر سے متاثر ہو جاتے ہیں، چنانچہ ہمارے ایک بزرگ علامہ شبلی نے سیرۃ النعمان میں امام صاحب کے بارے میں ص ۱۳۲ (مطبوعہ مجتہائی) میں تحریر کیا۔

”اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغازی، قصص، سیر وغیرہ میں ان کی (امام صاحب کی) نظر چنداں وسیع نہ تھی، امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی حال تھا لیکن احکام و عقائد کے متعلق امام ابوحنیفہ کو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی اس سے انکار کرنا صرف کم نظری و ظاہر بینی کا نتیجہ ہے ان کی تصنیفات یا ہدایوں کا مدون نہ ہونا قلت نظر کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

بڑے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ علامہ شبلی مرحوم کا مطالعہ امام صاحب کے بارے میں بہت ناقص تھا، خیال فرمائیے! جس نے مغازی و سیر کا علم امام شافعی ایسے اہل نظر سے حاصل کیا ہو جن کے بارے میں صحابہ کرام کو اعتراف تھا کہ صحابہ سے زیادہ وہ مغازی و سیر کے عالم تھے، اس کو مغازی و سیر میں کم نظر کہنا کتنا بڑا ظلم ہے اور پھر وغیرہ کا اضافہ بھی ساتھ رکھے تو بات کچھ بھی نہ رہی، امام صاحب تو خیر امام تھے جن کے بارے میں ہمیں پورا یقین ہے کہ مغازی، سیر اور قصص دور نبوت و صحابہ میں سے شاید ہی کوئی چیز ان سے مخفی رہی ہو اور ان شاء اللہ کسی موقع پر ہم اس کو دلائل و واقعات سے ثابت بھی کریں گے، مگر ہمیں تو امام مالک و امام شافعی کے بارے میں بھی ان علوم میں کم نظری کا تصور کرنے سے وحشت ہو رہی ہے، درحقیقت ابن خلکان اور صاحب جلیس جیسے صالح لوگوں کی کتابیں پڑھنے سے علامہ شبلی کو خیال ہو گیا ہوگا کہ

جس طرح انہوں نے فیروں کے برو بگنڈے سے متاثر ہو کر امام صاحب کی تصنیفات یا روایتوں کا مدون نہ ہونا بھی تسلیم کر لیا حالانکہ تحقیق سے یہ امر بھی کسی طرح قابل تسلیم نہیں چنانچہ امام صاحب کے حالات میں آپ پڑھ چکے کہ علاوہ مسانید کثیرہ امام کے امام ابو یوسف اور امام محمد کی کتاب الآثار میں کس قدر روایات ان سے ثابت ہیں اور وہ کتنے زمانہ سے مدون ہیں۔

امام شافعی کی ملاقات امام ابو یوسف سے اگرچہ معاشرت کی وجہ سے ممکن تھی مگر واقعات سے ثابت نہیں ہوتی اور جامع المسانید خوارزمی میں جو امام شافعی کے امام موصوف سے نبیذ کے بارے میں سوال کا ذکر ہے وہ سند سے خالی ہے دوسرے حسن بن ابی مالک (جو اس روایت کے لئے بطور راوی ہیں) ان کا ذکر کتب مناقب امام شافعی میں ان کے تلامذہ میں نہیں ہے اور امام شافعی کے شیوخ روایت بھی ان دونوں کے عدم اجتماع پر یقین کا اظہار کرتے ہیں، کوئی سند بھی قابل اعتماد اگر واقعہ مذکور کی ہوتی، تو ہم امکان لقاء کو دوسرے مواقع میں بھی تسلیم کر لیتے، اس لئے بظاہر سوال مذکور امام ابو یوسف سے نہیں بلکہ یوسف سے ہوگا، غلطی سے ابو کا اضافہ ہو گیا اور یوسف سے مراد یوسف بن خالد سستی ہوں گے، جو بالاتفاق شیوخ شافعی میں سے ہیں۔

باقی امام الحرمین ابن جوینی کا یہ دعویٰ کرنا کہ امام شافعی کا مناظرہ امام ابو یوسف سے خلیفہ ہارون رشید کی موجودگی میں چند مسائل میں مدینہ منورہ کے قیام میں اور ایک مسئلہ پر مکہ معظمہ میں ہوا، جس کا ذکر انہوں نے مغیث الخلق اور مستظہری دونوں کتابوں میں کیا ہے وہ دونوں مناظرے اور اجتماع بے اصل اور جھوٹ ہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام ابو یوسف کا اجتماع ثابت نہیں ہے، دوسرے یہ کہ امام شافعی کا ۱۸۴ھ میں زمانہ طلب و تحصیل کا تھا ۱۹۵ھ تک انہوں نے فقہ عراق اور فقہ حجاز کے موازنہ و ممارست سے اپنے مذہب قدیم کا آغاز کیا جو پانچ سال تک ان کا معمول رہا، اس کے بعد وہ مصر کے قیام میں مذہب جدید پر عامل ہوئے اور پانچ سال اس پر قائم رہ کر ۲۰۴ھ میں راہی دار البقاء ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة، لہذا ہر دو مناظروں مذکورہ کے افسانے من گھڑت ہیں۔

اس کے علاوہ ایک رحلہ مکذوبہ عبداللہ بن محمد بلوی اور احمد بن موسیٰ النجاری کی روایت سے کتابوں میں گھوم رہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی ۱۸۴ھ میں عراق آئے تو خلیفہ ہارون رشید کی مجلس میں امام ابو یوسف اور ان کا اجتماع ہوا اور بعض نے یہ ہڈیاں بھی چلتا کر دیا کہ امام ابو یوسف کو دربار سے نکلوا گیا اور توہین کی گئی، حالانکہ امام ابو یوسف کی وفات ۱۸۲ھ میں امام شافعی کے عراق آنے سے بھی دو سال قبل ہو چکی تھی۔

اسی سفر کے سلسلہ میں ایک قصہ یہ بھی گھڑا گیا کہ امام محمد اور امام ابو یوسف نے مل کر سازش کی کہ امام شافعی کو قتل کرایا جائے، حالانکہ ۱۸۴ھ میں امام محمد بھی بغداد میں نہ تھے، کہ رقبہ کے قاضی تھے اور امام شافعی اس وقت مہتمم ہو کر لائے گئے تھے، امام محمد ہی نے ان کو خلیفہ سے سفارش کر کے بری کرایا، اس کے مقابلہ میں یہ الٹی بات گھڑی گئی اس کے علاوہ امام شافعی نے امام محمد کے پاس رہ کر خود اپنے اعتراف سے بقدر ایک اونٹ کے بوجھ کتابیں پڑھیں، چنانچہ امام شافعی نے امام محمد کے احسانات کا ہمیشہ اعتراف کیا ہے اور نہایت تعظیم کی ہے یہ زمانہ امام شافعی کے طلب علم کا تھا امامت و سیادت کا نہ تھا کہ ان پر حسد کر کے کوئی سازش ان کے خلاف کی جاتی، بلکہ امام شافعی کے اجتہاد و امامت کا دور امام محمد کی وفات سے بھی چھ سال کے بعد شروع ہوا ہے جب کہ وہ ۱۹۵ھ میں دوبارہ عراق آئے ہیں، غرض یہ روایت اول درایت کے بالکل خلاف، پھر راویوں کا یہ حال کہ حافظ ذہبی نے لکھا کہ دارقطنی نے عبداللہ بن محمد بلوی کو واضح حدیث کہا ہے اور ابو عوانہ نے اس کے واسطے سے اپنی صحیح میں استقاء کے بارے میں موضوع حدیث نقل کر دی ہے، حافظ ابن حجر نے لسان میں کہا کہ وہ رحلہ شافعی کا مصنف ہے جس کا اکثر حصہ جھوٹ ہے، تو الی التامیس میں کہا کہ جو رحلہ امام شافعی کی طرف منسوب کر کے عبداللہ بن محمد بلوی نے بیان کی ہے اور اس کو آبری و بیہتی وغیرہ نے بھی نقل کر دیا ہے کسی نے مفصل کسی نے مختصر اور ابن الدین رازی نے بھی پہلوں پر اعتماد کر کے بغیر ذکر سند ہی مناقب امام شافعی میں ذکر دیا وہ جھوٹ

ہے اس کا اکثر حصہ تو گھڑا ہوا ہے اور بعض حصے دوسری روایات کے ٹکڑے جوڑ کر بنائے گئے ہیں، حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں (ص ۱۸۶ ج ۱۰) میں فرمایا کہ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ امام شافعی امام ابو یوسف کے ساتھ مجتمع ہوئے وہ جھوٹ ہے، البتہ امام محمد کے پاس پہنچے ہیں اور انہوں نے امام شافعی پر بڑی توجہ کی اور احسانات کئے اور ان دونوں میں کبھی کوئی رنجش بھی پیش نہیں آئی ایسا کہنے والے بے خبر ہیں۔

افسوس ہے کہ اس رحلہ مکذوبہ کو بے تحقیق اول تو آبری بیہتی اور ابو نعیم اصفہانی نے پھر، امام الحرمین عبد الملک بن الجونی شافعی اور ابو حامد طوسی اور فخر رازی وغیرہ نے بھی نقل کر دیا اور اسی سے ترجیح مذہب شافعی پر استدلال کو قوی کرنے کی سعی کی ہے اور غالباً یہ حضرات اکابر یہی سمجھے بھی ہوں گے کہ یہ واقعات صحیح ہیں ورنہ کیوں نقل کرتے اور یہ ان کی غلطی احوال رجال سے کم واقفی اور جدلی و عقلی مباحث میں زیادہ مشغول رہنے کے باعث ہوئی یا بوجہ شدت عصبيت اعتدال سے ہٹ گئے۔

اسی طرح بڑی حیرت ہے کہ امام نووی نے بھی مجموع میں اس رحلہ کو ذکر کر دیا (ص ۸ ج ۱) اور تہذیب الاسماء واللغات میں یہ بھی نقل کر دیا کہ جب امام شافعی ہارون رشید کی مجلس سے نکلے تو امام ابو یوسف نے ان کے پاس سلام و پیام بھیجا کہ آپ تصنیف کریں کیونکہ آپ اس زمانہ میں سب سے بہتر تصنیف کر سکتے ہیں (ص ۵۹ ج ۱)

امام سخاوی نے بھی مقاصد حسنہ ص ۲۲۲ میں کہا ہے کہ جن لوگوں نے امام ابو یوسف و شافعی کا مجلس رشید میں اجتماع نقل کیا ہے، غلطی کی کیونکہ امام شافعی رشید کے پاس امام ابو یوسف کی وفات کے بعد پہنچے اور ایسے ہی وہ رحلت بھی جھوٹ ہے جس میں امام محمد کی طرف سے رشید کو قتل امام شافعی پر ترغیب دینے کی نسبت کی گئی ہے۔

بظاہر جن اکابر نے ان روایات کا ذبہ کو بے تحقیق نقل کر دیا ان کا مقصد امام شافعی کی تنویہ شان ہے، حالانکہ امام شافعی کی شان اپنے علم و فضل جلالت قدر اور امامت کے باعث ایسی بے بنیاد باتوں سے بالکل بے نیاز تھی اور ہے، دوسرا مقصد حنفیہ و شافعیہ دو جماعتوں کے رجال میں عداوت و بغض کے جراثیم پیدا کرنا ہو سکتا ہے جو ممکن ہے جھوٹے رواۃ کا مقصد ہو اور دوسرے حضرات نے لاعلمی یا سادگی سے ان کو نقل کر دیا ہو۔

امام ابو یوسف جب قاضی القضاة ہونے کی وجہ سے دربار خلیفہ کے مصاحبین خاص میں شامل ہوئے تو دربار کے وزیر خاص یحییٰ بن خالد نے معلوم کرنا چاہا کہ امام کو دینی معلومات کی مہارت و حداقت کے ساتھ دنیوی تاریخ و علوم سے بھی واقفیت ہے یا نہیں، جو شاہی درباریوں کے لئے ضروری ہیں، مثلاً علم سیر ملوک ماضیہ، پہلی امتوں کے انباء الملوک کے حالات، ایام عرب اور سابقین کے احوال وغیرہ۔

ظاہر تھا کہ امام ابو یوسف اگر ان علوم و معارف سے بے خبر ہوتے تو شاہی درباریوں میں ان کی وقعت صحیح نہ ہوتی، اور گو آپ کے دینی وقار و عظمت سے مرعوب رہتے مگر دل میں عزت و وقار کم ہوتا۔

امام ابو یوسف نے اس ضرورت کو فوراً ہی محسوس کر کے ابتداء میں چند روز درباری آمد و رفت کم سے کم رکھ کر زیادہ سے زیادہ وقت مطالعہ کتب پر صرف کیا اور اس خصوصی مطالعہ سے بھی اپنی خداداد ذہانت اور بے نظیر قوت حافظہ کے ذریعے ان خاص علوم مذکورہ میں بھی وزراء دربار کی اعلیٰ سطح پر پہنچ گئے چنانچہ یحییٰ بن خالد سے کسی موضوع پر بات ہوئی تو وہ آپ کی وسعت معلومات سے بہت حیران و متاثر ہوا، یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف جب دربار شاہی میں اپیلوں کی سماعت کے لئے بیٹھتے تو خلیفہ اور سب وزراء ان کے رعب و جلال سے متاثر ہوتے تھے۔

محدث ابن کبیر اسد بن فرات کا بیان ہے کہ ایک روز امام ابو یوسف ہارون رشید کی موجودگی میں کوئی اپیل سن رہے تھے خلیفہ وقت نے جس وقت دیکھا کہ امام کسی ایک فریق پر آخری حکم کرنے کو تیار ہیں تو امام ابو یوسف کے پاس آ کر دو زانو باادب ہو کر ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہو کر بیٹھ گئے یہاں تک کہ امام نے بحیثیت چیف جسٹس اپنا فیصلہ دیدیا اور خلیفہ نے سب کو سنا کر کہا کہ جس طرح میں نے کیا اسی طرح میرے سب ساتھیوں (وزراء و ارکان دربار) کو بھی کرنا چاہئے تاکہ امام صاحب کا فیصلہ پوری قوت کے ساتھ نافذ ہو۔

یہ واقعہ بظاہر معمولی ہے مگر ذرا اس سے اندازہ یہ کیجئے کہ اس وقت اسلامی قانون کی عزت و شوکت عام مسلمانوں کے قلوب سے گذر کر خود بادشاہوں شہنشاہوں اور وزراء و ارکان دولت کے دلوں میں کیا تھی، پھر کیا عدل و انصاف کو اتنا اونچا مقام عطا کرنے کا تصور آج اس دور تنور میں بھی کسی متور کے دماغ میں آسکتا ہے؟ علامہ کوثری نے اس سلسلہ کے کچھ واقعات اور بھی لکھے ہیں جو ہم بخوف طوالت ترک کرتے ہیں ہم نے بھی بعض واقعات امام اعظم کے تذکرہ میں لکھے ہیں۔

امام ابو یوسف کا زہد و ورع، تقویٰ اور کثرت عبادت تمام کتب مناقب میں مذکور ہیں، حتیٰ کہ حافظ ذہبی نے مستقل رسالہ میں بھی امام موصوف کے ان اوصاف اور دوسرے کمالات کی دل کھول کر مدح کی ہے حالانکہ وہ کسی کی تعریف میں بہت محتاط ہیں بلکہ باعتراف ان کے تلمیذ خاص شیخ تاج سبکی کے بہت سے ائمہ حنیفہ و شافعیہ کے خلاف دراز لسانی بھی کر گئے ہیں۔ (طبقات کبریٰ ص ۱۹۷ ج ۱)

امام ابو یوسف کی وفات کا واقعہ پہلے ضمناً گذر چکا کہ آخر وقت میں بھی مناسک حج پر ہدایات دیتے ہوئے رخصت ہوئے علامہ ابن عبدالبر، خطیب صیری اور ابن ابی العوام وغیرہ سب نے ابن رجاء کا خواب بھی نقل کیا ہے کہ امام محمد کو دیکھا پوچھا کیسی گذری؟ فرمایا بخشد یا پوچھا امام ابو یوسف کا کیا حال ہے؟ فرمایا وہ مجھ سے درجہ میں اونچے ہیں، پوچھا امام اعظم؟ فرمایا ان کا کیا کہنا وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔

علامہ کوثری نے امام ابو یوسف کے حالات تحریر فرمانے کے بعد اس طویل وصیت کو بھی درج کیا ہے جو آپ کو امام اعظم نے کی تھی جو گرانقدر معلومات و ہدایات کا مجموعہ ہے اس کا ترجمہ بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے ہم نے امام ابو یوسف کی زندگی کے اہم واقعات حسن التقاضی اور دوسری کتابوں کی مدد سے کوشش کر کے زیادہ سے زیادہ جمع کئے لیکن خلاصہ کر کے کم سے کم لکھے ہیں، خدا کرے کسی وقت مفصل مکمل سوانح لکھنے کی بھی توفیق ملے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

وفات کے وقت کہا کاش میں اس فقر کی حالت میں مرتنا جو شروع میں تھی اور قضا کے کام میں نہ پھنستا، خدا کا شکر ہے اور اس کی یہ نعمت ہے کہ میں نے قصداً کسی پر ظلم نہیں کیا اور نہ ایک فریق کی رعایت کی خواہ وہ بادشاہ تھا یا بازاری، بارالہا! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے فیصلوں میں خود رائی سے کام نہیں لیا، ہمیشہ تیری کتاب اور تیرے رسول کی سنت کو مقدم رکھا، جہاں مجھے اشکال پیش آیا، ابو حنیفہ کو اپنے اور تیرے درمیان میں واسطہ کیا، واللہ! وہ میرے نزدیک تیرے احکام کو پہچاننے والے تھے اور کبھی حق کے دائرے سے نہیں نکلتے تھے، یہ بھی فرمایا، بارالہا! تو جانتا ہے کہ میں نے جان کر حرام نہیں کیا اور نہ جان کر کوئی درہم حرام کا کھایا۔

ان کی آخری علالت کے دوران معروف کرنی نے ایک رفیق سے کہا کہ ابو یوسف زیادہ علیل ہیں تم مجھ کو وفات کی خبر دینا، راوی کا بیان ہے کہ میں واپس آیا تو دیکھا کہ جنازہ نکل رہا تھا، سوچا کہ نماز جاتی رہے گی اور نماز پڑھ کر اطلاع کی، معروف کرنی نے سنا تو ان کو سخت صدمہ ہوا بار بار اللہ پڑھتے تھے میں نے کہا نماز میں عدم شرکت کا اس قدر رنج کیوں ہے؟ کہا میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ جنت میں داخل ہوا دیکھا کہ ایک محل تیار ہے اس کا بالائی حصہ مکمل ہو چکا ہے پردے آویزاں کئے گئے اور بالکل مکمل ہو گیا میں نے پوچھا کس کے لئے تیار ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ابو یوسف کے واسطے میں نے کہا یہ مرتبہ انہوں نے کیوں پایا! جواب ملا اچھی تعلیم دینے اور اس کے شوق کے صلہ میں اور لوگوں نے جو اذیت پہنچائی اس کے صلہ میں شجاع بن مخلد کا قول ہے کہ ہم ابو یوسف کے جنازہ میں شریک تھے عباد بن العوام بھی ساتھ تھے، میں نے ان کو یہ کہتے سنا کہ اہل اسلام کو چاہئے کہ ابو یوسف کی وفات پر ایک دوسرے کے ساتھ تعزیت کریں، خلیفہ ہارون رشید جنازہ کے آگے آگے چلتے تھے، نماز خود اس نے پڑھائی، مقابر قریش میں دفن کرایا۔

ابن کامل کا قول ہے کہ یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل اور علی بن المدینی ان کے ثقہ فی النقل ہونے پر متفق ہیں، یحییٰ بن معین نے کہا کہ ابو یوسف اصحاب حدیث کی طرف مائل تھے اور ان کو دوست رکھتے تھے، اور میں نے ان سے حدیثیں لکھی ہیں، امام احمد کا قول ہے کہ حدیث میں

میرے پہلے استاد ابو یوسف ہیں ان کے بعد میں نے اوروں سے حدیث لکھیں، علی بن مدینی کا قول ہے کہ ابو یوسف صدوق تھے۔ خطیب نے حسب عادت امام ابو یوسف پر بھی جرح نقل کی ہے لیکن اثناء جرح میں جواب دیا ہے، جرحیں سب غیر مفسر ہیں، مواد جرح وہی ہے جو امام صاحب اور امام محمد کی نسبت ہے یعنی مرجئی ہونا وغیرہ، متاخرین ائمہ رجال نے امام ابو یوسف کے متعلق بھی جرح متروک کر دی ہے، صرف مناقب و تعدیل لکھی ہے۔

متقدمین میں سے امام ابن قتیبہ نے معارف میں نہ امام اعظم پر جرح کی ہے اور نہ ابو یوسف پر حالانکہ دوسرے رجال پر جرح کرتے ہیں۔

۳۷- امام ابو محمد نوح بن دراج نخعی کوفی (م ۱۸۲ھ)

محدث، فقیہ، امام اعظم، امام زفر، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ، امام اعمش اور سعید بن منصور کے تلمیذ اور تدوین فقہ حنفی کے شریک کار تھے، امام ابن ماجہ نے باب التفسیر میں آپ سے تخریج کی۔ کوفہ اور بغداد کے قاضی رہے، فقہ امام صاحب سے متخصص ہوئے۔ (حدائق جامع المسانید میں امام صاحب سے روایت بھی کرتے ہیں۔ (ص ۴۶۳ ج ۲)

۳۸- امام ہشیم بن بشیر السلمی الواسطی (متوفی ۱۸۳ھ)

رجال صحاح ستہ میں سے محدث و فقیہ، نیز امام اعظم کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے تھے، امام مالک نے فرمایا کہ اہل عراق میں سے ہشیم حدیث کے بہت اچھے جاننے والے ہیں، حماد بن زید نے فرمایا کہ محدثین میں ان سے اونچے مرتبہ کا میں نے نہیں دیکھا، عبدالرحمن ابن مہدی کا قول ہے کہ ہشیم سفیان ثوری سے زیادہ حافظ حدیث ہیں، ابو حاتم کہتے ہیں کہ ہشیم کی نماز، صدق و امانت کا پوچھنا ہی کیا؟ امام احمد نے فرمایا کہ ہشیم کثیر التبیح تھے، میں چار پانچ سال ان کی خدمت میں رہا، ان کے رعب و ہیبت کی وجہ سے صرف دو مرتبہ سوال کر سکا (امانی الاحبار (ص ۴۸ ج ۱)

۳۹- امام ابو سعید یحییٰ بن زکریا ابن ابی زائدہ ہمدانی کوفی (م ۱۸۴ھ)

حافظ حدیث، فقیہ، ثقہ متدین، متورع اور ان کا براہل علم و فضل سے تھے جنہوں نے فقہ و حدیث کو بہت نمایاں طور پر جمع کیا امام طحاوی نے فرمایا کہ وہ امام اعظم کے ان چالیس اصحاب میں سے تھے جو تدوین کتب فقہ میں مشغول تھے اور تیس سال تک مسلسل وہ ہی مسائل مدونہ کو لکھتے رہے، بلکہ ان میں سے بھی عشرہ متقدمین میں ان کا شمار کیا گیا ہے، حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں ابن مدینی کا قول نقل کیا ہے کہ امام سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) کے بعد کوفہ میں آپ سے زیادہ کوئی اثبت نہ تھا، نسائی نے بھی آپ کو ثقہ، حجت کہا ہے، خطیب نے نقل کیا ہے کہ آپ نے بیس سال تک روزانہ ایک قرآن مجید ختم کیا، بغداد میں رہ کر ایک مدت تک درس حدیث دیتے رہے آپ کے تلامذہ حدیث میں امام احمد، ابن معین، قتیبہ، حسن بن عرفہ اور ابو بکر بن ابی شیبہ (صاحب مصنف) وغیرہ ہیں، خلیفہ ہارون رشید نے آپ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا تھا، علاوہ دوسری تصانیف کے ایک ایک مسند بھی آپ نے جمع کی تھی ۹۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (حدائق)

فقہ میں امام صاحب سے درجہ تخصص پایا، یحییٰ بن سعید کا قول ہے کہ کوفہ میں یحییٰ بن زکریا سے زیادہ کسی کی مخالفت مجھ پر بھاری نہیں ہے (بوجہ ان کے کمال تفقہ اور علم حدیث کے) امام وکیع نے اپنی کتابیں ان ہی کے طرز و طریق پر لکھیں، صالح بن سہل کا قول ہے کہ یحییٰ بن زکریا اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث اور فقیہ تھے جن کو امام اعظم کی مجالس میں بہ کثرت حاضری کا شرف اور دین و ورع کا امتیاز بھی حاصل تھا، امام اعظم کے پوتے اسماعیل نے فرمایا کہ یحییٰ بن زکریا حدیث میں ایسے تھے جیسے عطر میں بسی ہوئی دولہن۔

حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں ابن مبارک اور یحییٰ بن زکریا بہت بڑے مرتبہ کے تھے کوئی ان کے مشابہ

نہیں ہوا (مناقب کردری جلد ۲) حافظ ذہبی نے ان کو الحافظ، الممتحن الفقیہ صاحب ابی حنیفہ رضی اللہ عنہما لکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

۴۰۔ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ (م ۱۸۱ھ)

عالم ربانی، فقیہ و محدث، زاہد، عابد صاحب کرامات باہرہ تھے، مدت تک کوفہ میں رہ کر امام اعظم سے فقہ و حدیث میں تلمذ کیا، آپ کے تلامذہ میں امام شافعی، یحییٰ القطان اور ابن مہدی وغیرہ ہیں پہلے قطاع الطریق تھے پھر ہادی الطریق و مقتدا بنے اور ایسے باخدا ہوئے کہ ابوعلی رازی نے فرمایا کہ میں تیس سال آپ کی صحبت میں رہا مگر اس عرصہ میں کبھی ہنستے نہیں دیکھا البتہ اس روز کہ آپ کے صاحبزادے علی فوت ہوئے میں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ خدا نے ایک بات پسند کی لہذا میں نے بھی اسی کو پسند کیا، اصحاب صحاح ستہ کے شیخ ہیں، سب نے آپ سے تخریج کی، ابن جوزی نے مستقل کتاب آپ کے مناقب میں تصنیف کی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۴۱۔ امام اسد بن عمرو بن عامر البجلی الکونی (متوفی ۱۸۸ھ، ۱۹۰ھ)

مشہور محدث و فقیہ اور امام صاحب کے ان چالیس فقہاء و اصحاب میں سے تھے جو کتب و قواعد فقہ کی تدوین میں مشغول ہوئے بلکہ عشرہ معتقدین میں شمار کئے گئے، تیس سال تک انہوں نے بھی مسائل فقہ حنفی لکھے، امام صاحب کی خدمت میں طویل مدت رہے اور آپ سے حدیث و فقہ میں درجہ تخصص حاصل کیا، سب سے پہلے امام صاحب کی کتابوں کو لکھنے والے یہی تھے، امام ابو یوسف کی وفات پر خلیفہ ہارون رشید نے آپ کو بغداد اور واسط کی قضا سپرد کی اور اپنی بیٹی سے آپ کا عقد کر دیا، ہارون رشید کے ساتھ حج کو گئے اور سواری میں ان کے برابر بیٹھتے تھے، امام طحاوی نے ہلال بن یحییٰ رازی سے نقل کیا کہ میں ابھی بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا دیکھا کہ ہارون رشید بھی آ کر لوگوں کے ساتھ طواف کرنے لگا پھر کعبہ کے اندر داخل ہوا اور اس کے ساتھ خاندان شاہی کے اور افراد بھی اندر گئے میں نے ان سب کو دیکھا کہ کھڑے رہے صرف ہارون رشید بیٹھا اور ایک شیخ اس کے ساتھ آگے بیٹھا رہا، میں نے معلوم کیا کہ یہ شیخ کون ہیں تو بتایا گیا کہ یہ اسد بن عمرو خلیفہ کے قاضی ہیں، اس میں میں سمجھا کہ خلافت کے بعد قضا سے بڑا کوئی عہدہ نہیں ہے۔

آپ سے امام احمد، محمد بن بکار و احمد بن منیع وغیرہ نے حدیث روایت کی اور آپ کو صدوق بتلایا، ابن معین بھی توثیق کرتے تھے (حدائق حنفیہ و جواہر مضییہ) بعض لوگوں نے اسد بن عمرو کو ضعیف کہا ہے لیکن امام احمد کا ان سے روایت کرنا ان کی توثیق کے لئے کافی ہے کیونکہ علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں علامہ سبکی نے شفاء الاسقام میں، حافظ سخاوی نے فتح المغیث میں تصریح کی ہے کہ امام احمد غیر ثقہ سے روایت نہیں کرتے، روایت ہے کہ اسد بن عمرو کے مرض و وفات میں امام احمد صبح و شام عیادت کے لئے جاتے تھے (فوائد بیہ) سنن ابن ماجہ میں ان سے روایت کی گئی ہے اور انہوں نے مسند امام اعظم میں امام صاحب سے روایت کی ہے۔

۴۲۔ الامام المجتہد الجلیل محمد بن الحسن الشیبانیؒ ولادت ۱۳۲ھ وفات ۱۸۹ھ عمر ۵۷ سال

نام و نسب: ابو عبد اللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی، اصل مسکن جزیرہ (شام) ولادت واسط میں ہوئی پھر والدین وغیرہ مستقل طور سے کوفہ منتقل ہو گئے کوفہ ہی میں امام محمد کی تربیت و تعلیم ہوئی۔

جلالت قدر: تاریخ فقہ شاہد ہے کہ کتب مشہورہ مؤلفہ مذاہب ائمہ متبوعین مدونہ، حجتہ اور ام وغیرہ سب امام محمد کی کتابوں کی روشنی میں تالیف ہوئیں اور ایک عرصہ دراز تک ان کی کتابیں تمام مذاہب کے فقہاء کے ہاتھوں میں متداول رہیں اور بے تکلف سب ان سے مستفید ہوتے رہے کیونکہ ان کے دلائل، وضوح بیان، دقت نظر اور تفریع مسائل کا بہترین اسلوب ان کے اپنے زمانہ کے بھی اکثر فقہاء اعلام کے

اعتبار سے اعلیٰ و فائق تھا چہ جائیکہ اس کا موازنہ بعد کے زمانہ سے کیا جائے؟

پھر باوجود اس علمی و وسعت معلومات و دقت نظر کے امام موصوف کے کمال اخلاص و غایت تواضع و انکسار کا یہ بھی ثمرہ ہے کہ ان کے یا ان کے قریبی طبقات کے کسی فقیہ کی اس قدر کتابیں ہمارے اس دور تک نہیں پہنچیں جس قدر کہ ان کی پہنچی ہیں و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

تعلیم: ۱۴ سال کی عمر میں حضرت امام اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کیا ۳ سال تک حاضر خدمت رہے پھر تکمیل امام ابو یوسف سے کی اور ان کے علاوہ امام اوزاعی، ثوری، امام مالک وغیرہ سے بھی علم حدیث وغیرہ میں استفادہ فرمایا حتیٰ کے باتفاق اہل علم فقہ کے بلند پایہ امام ہوئے، تفسیر و حدیث کے ماہر و حاذق اور لغت و ادب کے نازش روزگار مسلم استاد، خود فرمایا کہ مجھے آبائی ترکہ سے تیس ہزار درہم یا دنانیر ملے تھے جن میں سے آدھے میں نے علم لغت و شعر کی تحصیل میں صرف کئے اور آدھے فقہ و حدیث کی تحصیل میں صرف کر دیئے، بیس سال کی عمر میں درس دینا شروع کر دیا تھا۔

تصنیف: تمام عمر گھر میں گوشہ گیر ہو کر لکھنے پڑھنے میں گذاری، ان کے نواسہ کا بیان ہے کہ گھر میں کتابوں کے ڈھیر کے درمیان بیٹھے لکھا کرتے تھے اور گھر کے لوگوں سے فرما دیا تھا کہ مجھ سے کسی ضرورت کا سوال نہ کرنا جو کچھ کام ہو میرے دیکھنے سے کہو وہ پورا کر دے گا تاکہ میں فراغ قلب سے کام کرتا رہوں فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو گھر والوں سے بات کرنے کبھی نہیں دیکھا البتہ کبھی ابروئے مبارک یا انگلی کے اشارہ سے کچھ فرمادیتے تھے۔

امام محمد کے شیوخ حدیث

اہل کوفہ میں امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام زفر بن الہذیل، سفیان ثوری، مسعر بن کدام، مالک بن مغول، حسن بن عمارہ وغیرہ (علامہ کوثری نے تیس اکابر کے نام گنائے ہیں)

اہل مدینہ میں سے امام مالک، ابراہیم، ضحاک بن عثمان وغیرہ (۱۷- اکابر کے نام گنائے ہیں)

اہل مکہ میں سے حضرت سفیان بن عیینہ، حضرت طلحہ بن عمرو، زمعہ بن صالح وغیرہ (۸- اکابر کے نام گنائے ہیں)

اہل بصرہ میں سے حضرت ابو العوام وغیرہ (۷- اکابر کے نام گنائے ہیں)

اہل واسط میں سے حضرت عباد بن العوام، حضرت شیبہ بن الحجاج، حضرت ابو مالک عبد الملک الخثعمی۔

اہل شام سے حضرت ابو عمرو و عبد الرحمن ملا اوزاعی وغیرہ ماہل خراسان سے حضرت عبد اللہ بن المبارک ماہل یمامہ سے حضرت ایوب بن عقبہ الخثعمی وغیرہ۔

امام محمد کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے اور علامہ کوثری نے ۱۴۰ اکابر کے اسماء گرامی درج کئے ہیں، یہاں صرف چند اعلام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اصحاب و تلامذہ

۱- حضرت ابو حفص الکبیر البخاری احمد بن حفص العجلی (جن سے امام بخاری نے حضرت امام اعظم اور ان کے اصحاب کا فقہ حاصل کیا)

۲- حضرت ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوز جانی (جن سے صحاح ستہ کا سلسلہ مشرق و مغرب تک پہنچا) ۳- امام ہمام حضرت امام شافعی ۴-

حضرت ابو عبید قاسم بن سلام الہروی (مشہور مجتہد کبیر ۵- حضرت علی بن معبد (جامع کبیر و جامع صغیر کے راویوں میں سے) اصحاب صحاح ستہ

کے استاد ہیں ۶- حضرت اسد بن الفرات القیر دانی (مدون مذہب امام مالک و شیخ سخون) ۷- حضرت محمد بن مقاتل الرازی (شیخ ابن

جریر) ۸- حضرت یحییٰ بن معین الغطفانی (مشہور امام جرح و تعدیل) ۹- حضرت ابو جعفر (راوی موطا امام محمد) ۱۰- حضرت علی بن صالح

الجرجانی (راوی البحر جانیات) ۱۱- حضرت شعیب بن سلیمان الکیسانی (راوی الکیسانیات) ۱۲- حضرت اسمعیل بن توبہ القزوی (راوی

السیر الکبیر) ۱۳- حضرت ابو بکر ابراہیم المروزی (راوی النوادر) ۱۴- حضرت ابو موسیٰ عیسیٰ بن ابان البصری (راوی الحج علی اہل المدینہ و

مؤلف کتاب الحج الکبیر والحج الصغیر (۱۵) - حضرت ابو زکریا یحییٰ بن صالح الوحاظی الحمصی (جو حضرت امام بخاری کے شیوخ شام میں سے ہیں
۱۶ - حضرت سفیان بن عجمان البصری (صاحب کتاب الععلل)

امام محمد بواسطہ امام شافعی و امام احمد، امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابوزرعہ اور محدث ابن ابی اندنیا کے استاد ہیں اور بواسطہ علی بن معبد تکبیری
بن معین، ابویعلیٰ، ابن حدی، ابن حبان، ابوالشیخ اصفہانی، حافظ ابو نعیم، ابوعوانہ، امام طہاوی، طبرانی، ابن مردویہ، ابو حاتم، قاسم بن سلام، محمد بن
اسحاق (صاحب المغازی) اور اسحاق بن منصور کے استاد ہیں۔

موطا امام محمدؐ

امام محمد نے مدینہ منورہ میں حضرت امام مالکؒ کی خدمت اقدس میں تین سال رہ کر استفادہ کیا اور موطا محمد ترتیب دیا جو امام مالک کی
۲۲ روایات و نسخ میں سے ممتاز ترین روایت ہے کیونکہ اس میں امام محمد نے یہ التزام کیا کہ ہر باب کی احادیث ذکر کرنے کے بعد یہ بھی بتلایا
کہ کن احادیث کو فقہا عراق نے اخذ کیا اور کن کو دوسری احادیث کی وجہ سے ترقی کیا اور ہر جگہ ان دوسری احادیث کو بھی ذکر فرمایا، اس گرانقدر
علمی امتیاز کی وجہ سے موطا امام محمد دوسری تمام موطوں سے بڑھ جاتی ہے جس طرح موطا امام تکبیری اللثمیؒ اس امتیاز کے باعث دوسرے
موطوں سے بڑھ کر ہے کہ انہوں نے ہر باب کی احادیث کے بعد حضرت امام مالکؒ کی رائے بھی ذکر کی ہے۔

امام محمدؐ کی ذہانت و حاضر جوابی

خطیب نے مجاشع سے روایت کی ہے کہ میں ایک روز امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا اور وہ لوگوں کو فتویٰ دے رہے تھے کہ امام محمد
آئے اور وہ اس وقت کم عمر تھے (یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہے کہ امام محمد نے امام مالک کی خدمت میں جا کر موطا ان سے سنا ہے) سوال کیا کہ
اس جنبی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ جس کو غسل کے لئے پانی نہ ملے سوا مسجد کے؟ امام مالک نے فرمایا کہ جنبی مسجد میں داخل نہیں
ہو سکتا! امام محمد نے کہا پھر کیا کرے جب کہ نماز کا وقت ہو گیا اور وہ مسجد میں پانی کو دیکھ بھی رہا ہے؟ امام مالک نے پھر وہی فرمایا کہ مسجد میں
جنبی داخل نہیں ہو سکتا اور بار بار یہی فرمایا، امام مالک نے دیکھا کہ امام محمد جواب سے مطمئن نہیں ہوئے تو فرمایا کہ تم اس صورت میں کیا سمجھتے
ہو؟ آپ نے کہا کہ تیمم کر کے مسجد میں داخل ہو اور پانی باہر لا کر غسل کر لے، امام مالک نے فرمایا تم کہاں کے ہو؟ امام محمد نے فرمایا اسی کا (اور
زمین کی طرف اشارہ کیا) اور اٹھ کر چلے گئے، لوگوں نے کہا یہ محمد بن حسن صاحب ابی حنیفہ تھے، امام مالک نے حیرت سے کہا اچھا! محمد بن حسن
تھے اور جھوٹ کیسے بول گئے؟ کہہ گئے کہ میں اسی شہر کا ہوں، لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں! انہوں تو زمین کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ میں
اسی کا ہوں، اس پر امام مالک نے فرمایا یہ بات تو پہلی بات سے بھی بڑھ گئی یعنی امام محمد کی ذہانت اور حاضر جوابی پر مزید حیرت کا اظہار فرمایا۔

تحقیق مسائل میں فرق مراتب

یہ بھی مروی ہے کہ امام محمد فرماتے تھے میں نے امام مالک کو دیکھا اور بہت سے مسائل دریافت کئے، میرا یہ تاثر ہے کہ انہیں فتویٰ نہیں
دینا چاہئے کیونکہ ان کے جواب سے قلبی اطمینان حاصل نہیں ہوتا تھا۔

ایک وجہ امام مالک کے تفقہ میں کمی کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ جو واقعات و حوادث ابھی پیش نہیں آئے نہ ان کا جواب
دیا جائے نہ ان کے بارے میں غور و خوض کیا جائے، برخلاف اس کے امام اعظم اور ان کے اصحاب کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قسم کے احتمالات اور
امکانی صورتوں پر بھی غور کیا جائے اور ہر سوال کا جواب دیا جائے، یہی وجہ ہے کہ یحییٰ اللثمیؒ کی روایت سے جو موطاً ماثور ہے اس میں امام

مالک کی تمام آراء کا شمار تین ہزار مسائل سے آگے نہیں بڑھتا، حالانکہ اس سے بہت زیادہ مسائل، امام صاحب اور آپ کے اصحاب کی مجالس میں صرف تین ماہ میں حل ہو جاتے تھے، پھر یہ فرق الگ رہا کہ ان حضرات کے یہاں اکثریت ان جوابات کی ہے جو تسلی بخش اور ایقان افروز ہیں اور امام مالک کے اکثر مسائل کی تحقیق ناقابل اطمینان ہے۔

حضرت حافظ ابوالقاسم بن ابی العوام السعدی نے فرمایا کہ میں نے امام طحاوی سے سنا جنہوں نے محمد بن سنان سے اور محمد بن سنان نے عیسیٰ بن سلیمان سے سنا وہ کہتے تھے کہ جب یحییٰ بن اکثم خلیفہ مامون رشید کے ساتھ مصر آئے تو یحییٰ بن صالح الوحاظی سے ملے (جو امام بخاری کے مشائخ شام میں سے ہیں) اور دریافت کیا اے زکریا! علمی مسائل و مشکلات میں حقیقت کس میں زیادہ تھا امام مالک یا امام محمد میں؟ تو انہوں نے فرمایا۔ امام مالک جب کہ جواب مسائل کے لئے تیار و مستعد بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، ان سے امام محمد نے اپنے بھاری بھر کم جسم کے ساتھ لیٹے ہوئے لاپرواہی کے ساتھ (کہ اس کے وقت جواب مسائل کے لئے تیار بھی نہ ہوتے تھے، زیادہ بیدار مغز ہوتے تھے اور زیادہ تسلی بخش و اطمینان افزاء جواب دے سکتے تھے۔

خطیب نے یحییٰ بن صالح موصوف سے اس طرح نقل کیا کہ مجھ سے ابن اکثم نے کہا تم نے امام مالک کو دیکھا ہے کہ اور ان سے احادیث سنی ہیں اور امام محمد کے ساتھ بھی رہے ہو تو ان دونوں میں سے کون زیادہ فقیہ تھا؟ میں نے کہا محمد بن الحسن زیادہ افقہ ہیں امام مالک سے، امام ذہبی نے فرمایا کہ امام ابو یوسف کے بعد ملک عراق میں فقہ کی امامت امام محمد پر ختم ہوئی انہوں نے بہت سی تصانیف چھوڑیں اور ان سے ائمہ حدیث و فقہ نے فقہ حاصل کیا اور وہ اذکیاء عالم میں سے تھے۔

امام شافعی کے واسطے سے نقل ہے کہ امام محمد نے فرمایا کہ میں نے امام مالک سے بعض مسائل دریافت کئے میں سمجھتا ہوں کہ ان کو فتویٰ دینا درست نہیں تھا، علامہ ابن عبدالبر نے انشاء میں یہ الفاظ نقل کئے کہ تمہارے صاحب (امام مالک) کو جواب مسائل و فتویٰ کی ضرورت نہ تھی اور ہمارے صاحب (امام ابو حنیفہ) کو سکوت یعنی فتویٰ نہ دینا درست نہ تھا، مقصد یہ تھا کہ امام مالک سے دوسرے زیادہ اہق بالجواب و الافقاء موجود تھے اور امام صاحب کے زمانہ میں کوئی شخص زیادہ اہل فتویٰ کے لئے نہ تھا، اس لئے ان پر فتویٰ دینا واجب و ضروری تھا۔

علامہ کوثری نے بلوغ الامانی ص ۱۲ پر قول مذکور نقل کر کے فرمایا کہ بر تقدیر صحت اس قول کی واقعیت و صداقت اس شخص پر روشن ہے جو امام مالک کے زمانہ کے علماء مدینہ کے مراتب و مدارج علمیہ سے اور امام اعظم کے زمانہ کے علماء عراق کے مراتب سے واقف ہے کیونکہ امام محمد امام مالک کی جلالت و قدر و منزلت حدیث کے علم و اعتراف کے باوجود ان کی نسبتاً تفقہ میں کمی کو بھی محسوس کرتے تھے جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ امام مالک صرف واقع شدہ حوادث کا جواب دیتے تھے اور تقدیری (غیر واقع) حوادث میں نہ غور کرتے تھے نہ ان کا جواب دیا کرتے تھے اس لئے بروایت یحییٰ الشیبی جو امام مالک کے مؤطا (میں ان کی آراء و مسائل مذکور ہیں وہ سب تین ہزار سے زیادہ نہیں جب کہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے مسائل مستخرجہ سے اتنی مقدار صرف تین ماہ کی ہوتی ہے، باقی متاخرین نے جو کثیر مسائل امام مالک سے روایت کئے ہیں وہ ان کی آراء نہیں بلکہ ان کی آرا پر تخریجات ہیں اس لئے ان سے وہ اطمینان قلب نہیں ہوتا جو امام مالک کی ذاتی آراء سے ہوتا ہے۔

امام محمد نے اسی کی تفقہ کے احساس کے باعث کتاب الحج تالیف کی جو الاحتنجاج علی اهل المدینہ کے نام سے بھی معروف ہے، یہ کتاب ہندوستان میں بھی طبع ہوئی تھی اب نادر ہے اور حضرت علامہ عصر مولانا مفتی سید محمد مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری شیخ الافقاء دارالعلوم دیوبند اس پر نہایت مہتمم بالشان گرانقدر تعلیقات تحریر فرما رہے ہیں جس میں خاص طور سے علامہ ابن حزم اندلسی کی دراز دستوں کے بھی جوابات ہوں گے جو مکتبہ میں انہوں نے کی ہیں، تین ربع سے کچھ زائد اس کا کام ہو چکا ہے اور ادارہ الجئۃ احیاء المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن سے اس کی اشاعت ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جیسا کہ علامہ کوثری نے بھی تحریر فرمایا یہ کتاب اپنی طرز تحقیق اور بحث رد میں بے نظیر ہے جس کا رنگ امام شافعی نے بھی امام مالک کے رد میں اختیار کیا چنانچہ وہ خوبی و قوت استدلال ان کو امام محمد کے بعض مسائل کے رد میں حاصل نہ ہوئی (بلوغ الامانی ص ۱۳) یہی وجہ ہے کہ امام محمد کو فقہ حدیث میں ان کے بہت سے مشائخ پر بھی فضیلت دی گئی ہے جس کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

امام محمد کے تلامذہ خصوصی

امام محمد کے خصوصی تلامذہ و اصحاب میں سے امام شافعی تھے جن کو عام اوقات درس کے علاوہ بھی امام محمد نے خاص طور سے تعلیم دی ہے اور قسم قسم کے احسانات سے نوازا ہے، جن کا مختصر تذکرہ امام شافعی کے حالات میں ہو چکا ہے۔

دوسرے اسد بن الفرات قیروانی ہیں ان کی بھی امام محمد نے مخصوص اوقات میں تعلیم و تربیت کی ہے ساری ساری رات ان کو تہالے کر بیٹھتے اور پڑھاتے تھے اور مالی امداد بھی کرتے تھے، اسد جب عراق سے وطن کو واپس ہوئے تو مدینہ طیبہ میں اصحاب امام مالک سے ملے اور ان مسائل میں بحث کی جو امام محمد سے حاصل کئے تھے مگر وہ تشفی نہ کر سکے پھر مصر پہنچے عبداللہ بن وہب مالکی سے ملے اور کہا کہ یہ امام ابوحنیفہ کی کتابیں ہیں ان مسائل میں امام مالک کے مذہب سے جواب دیں وہ جواب نہ دے سکے تو عبدالرحمن بن القاسم مالکی کے پاس پہنچے جو امام مالک کی خدمت میں بیس سال رہ چکے تھے اور پورے تیقظ و اغتباہ کے ساتھ ان سے فقہ و حدیث حاصل کی تھی اس لئے مالکیہ ان کو دوسرے اصحاب مالک پر فقہ میں فوقیت دیتے ہیں انہوں نے کچھ جوابات تو یقین کے ساتھ دیئے اور کچھ میں شک و شبہ ظاہر کیا۔

غرض اسد بن الفرات نے امام محمد سے امام ابوحنیفہ کے مسائل اور ابن القاسم سے امام مالک کے مسائل حاصل کر کے ۶۰ کتابوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا جس کا نام اسد یہ رکھا، اس مجموعہ کی علماء مصر نے نقل لینی چاہی اور قاضی مصر کے ذریعہ سفارش کی، اسد نے اجازت دی اور چمڑے کے تین سو لکڑوں پر اس کی نقل کرائی گئی جو ابن القاسم کے پاس رہی، مدونہ سخون کی اصل بھی یہی اسد یہ ہے، پھر ان ہی اسد بن الفرات نے افریقہ میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب پھیلا یا اور یہی اسد فاتح صقلیہ ہیں اور انہوں نے ہی وہاں اسلام پھیلا یا ہے۔ ۲۱۳ ہجری میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (بلوغ ص ۲۰)

امام محمد اور امام ابو یوسف

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد امام محمد نے امام ابو یوسف کی صحبت اختیار کی فقہ و حدیث وغیرہ علوم میں ان سے تکمیل کی اور ان دونوں کے علوم کی اشاعت میں لگ گئے، مبسوط، جامع صغیر، سیر کبیر لکھیں۔

امام طحاوی اپنے استاد ابن ابی عمران سے وہ طبری سے وہ اسماعیل بن حماد سے نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ تو صبح سویرے امام ابو یوسف کی مجلس درس میں پہنچ جاتے تھے لیکن امام محمد کا معمول یہ تھا کہ وہ صبح اول وقت دوسرے ائمہ حدیث کی خدمت میں اخذ حدیث کے لئے جاتے اور پھر امام ابو یوسف کے پاس آتے اتنے وقت میں بہت سے علمی مباحث گذر چکے ہوتے تھے اور امام ابو یوسف ان کی رعایت سے پھر ان کا اعادہ فرما کرتے تھے، ایک روز ایسا ہوا کہ اسی طرح امام محمد دیر سے پہنچے اور ہم کسی علمی حدیثی بحث میں مشغول تھے، امام ابو یوسف نے امام محمد سے کوئی سوال کیا، جس کا جواب انہوں نے اسکے خلاف دیا جو اس روز امام ابو یوسف بیان کر چکے تھے، بظاہر اختلاف امام اعظم کی رائے کے بارے میں تھا کہ وہی ہے جو امام ابو یوسف فرما چکے تھے یا وہ جواب امام محمد نے بیان کی، مختصر گفتگو کے بعد ہونہار شاگرد نے وہ کتاب منگوائی جس میں غالباً امام صاحب کے اقوال و ارشادات محفوظ ہوں گے اور اس کو دیکھنے پر بات وہی صحیح ہوئی جو شاگرد نے بتائی تھی، اب بھری مجلس میں استاد اعظم کا اعتراف حق بھی ملاحظہ فرما لیجئے کہ فوراً بے تکلف سب شاگردوں کے سامنے اپنے ایک چھوٹے شاگرد امام محمد

کی نہ صرف تصویب اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں بلکہ یہ بھی فرما رہے ہیں کہ ”حافظہ ایسا ہوتا ہے“۔ (بلوغ ص ۳۵)

ایسے واقعات پڑھ کر کیسی آنکھیں کھلتی ہیں اور دلوں میں نورانیت آتی ہے، خیال ہونے لگتا ہے کہ انسانوں کی صورت میں یہ کیسے فرشتے اترے تھے کسی بات سے بھی تو نفسانیت، انانیت، برتری و کبر، مشیت و بڑائی کی نمود نہیں ہوتی، پھر بداندیشوں کی ریشہ دوانیاں بھی دیکھی جائیں گے ان ہی دونوں استاد شاگرد کے درمیان تعلقات کی خرابی کے واقعات گھڑے گئے اور ان کا پروپیگنڈہ کیا گیا اور بات صرف اتنی تھی کہ حسب روایت ابن ابی العوام و امام طحاوی محمد بن ساعد کا بیان ہے کہ امام ابو یوسف سے ارباب حکومت نے کسی کو قاضی رقبہ مقرر کرنے کا مشورہ کیا، رقبہ عباسی سلطنت کا گرمائی دارالسلطنت تھا، امام ابو یوسف نے فرمایا کہ محمد بن الحسن سے بہتر و موزوں کوئی شخص میرے سامنے نہیں ہے، امام محمد کوفہ میں تھے، حکومت نے ان کو بلوا بھیجا، امام محمد امام ابو یوسف سے ملے اور بلانے کا سبب پوچھا انہوں نے واقعہ بتلایا اور یہ بھی فرمایا کہ تمہارے بارے میں مشورہ دینے سے میرا مقصد یہ ہے کہ خدا کے فضل سے ہمارے سلسلہ کے علوم کی اشاعت کوفہ، بصرہ اور تمام مشرقی بلاد میں ہو چکی ہے اب اگر تم اس طرف آ جاؤ گے تو امید ہے کہ خدائے عزوجل تمہاری وجہ سے ہمارے علوم کی اشاعت یہاں اور قریب و بعید کے شامی علاقوں میں بھی ہو سکے گی، امام محمد نے بطور شکایت کہا کہ سبحان اللہ! اگر یہی بات تھی تو کم سے کم میرا اتنا تو لحاظ آپ فرماتے کہ مجھے فوری طور پر بلوانے سے قبل اس پوری بات سے مطلع ہی فرمادیتے، امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ہاں ان لوگوں نے بلانے میں غلت کی، مطلب یہ کہ مجھے اطلاع کرنے کا موقع و وقت نہیں ملا، بات اتنی ہی تھی اور یہیں ختم ہو گئی اور یہ ظاہر ہے کہ امام محمد امام اعظم کی طرح حکومت کے مناصب سے دور رہنا اور صرف تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کے مشغلہ میں منہمک رہنا پسند کرتے تھے اور امام ابو یوسف کا اس طرح بغیر باہمی سابق مشورہ کے قضاء کی تحریک کرنے کا ان کو رنج و ملال ہو اور بہت ہوا، ایک طرف اپنی افتاد طبع اور طے شدہ عملی پروگرام کے خلاف زندگی کا موڑ شروع ہو رہا تھا، جس سے ناگواری کے اثرات مدۃ العمران پر رہے، دوسری طرف اپنے نہایت شفیق و محسن استاذ اور جانشین امام اعظم کے حکم کی تعمیل اور خصوصیت سے اس مقصد عظیم کے تحت ضروری تھی، ان دونوں کے اثر سے ایک سوء مزاج کی کیفیت بنی جس کا دونوں کے تعلقات پر بھی شریفانہ اثر ضرور ہوا، مگر اس سے آگے جو جھوٹے قصے دونوں کی منافرت اور تحاسد و غیر شریفانہ برتاؤ کے گھڑے گئے وہ سب بے اصل ہیں۔

افسوس ہے کہ علامہ سرخسی جیسے با بصیرت، پختہ کار، متیقظ، فقیہ بے مثل نے بلا تحقیق ایک بے سند قصہ نقل کر دیا جس کو مخالفوں نے خوب ہوادی حالانکہ اس کی کوئی اصلیت ہوتی تو سرخسی سے پہلے بھی مخالف اس کو ذکر کرتے اور اس سے ضرور فائدہ اٹھاتے، بقول علامہ کوثری کے علامہ سرخسی کی شرح کبیر جیسی عظیم المرتبت کتاب کو ایسے بے وقعت قصہ سے داغدار ہونا تھا کیونکہ امام شافعی نے فرمایا تھا، خدا کی مشیت یہ نہیں کہ اس کی کتاب کے سوا دنیا کی کوئی بھی کتاب غلطی سے مبرا و منزہ ہو۔ (بلوغ المانی ص ۳۹)

اس سلسلہ میں ایک تکوینی وجہ یہ بھی نقل ہوئی ہے کہ امام محمد نے ایک مرتبہ امام ابو یوسف کو قبول قضاء پر عار دلانی تھی جس پر امام ابو یوسف کو غصہ آ گیا اور بددعا کر دی کہ امام محمد بھی اپنی وفات سے پہلے ضرور اس میں مبتلا ہوں، چنانچہ یہ صورت مذکورہ پیش آئی اور امام محمد طوعاً و کرہاً قبول قضاء پر مجبور ہوئے تا آنکہ امان طالبی کے مشہور واقعہ کی وجہ سے وہ رقبہ کی قضاء القضاة سے معزول ہوئے بلکہ کچھ عرصہ تک فتویٰ سے بھی روک دیئے گئے۔

قصہ امان طالبی

تاریخ ابن جریر اور کتاب ابن ابی العوام و صیری وغیرہ میں ہے کہ امام محمد نے خود بیان فرمایا کہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید رقبہ آیا اور مجھے دربار میں بلوایا، میں پہنچا اور حسن بن زیادہ اور ابوالجہتری و ہب بن وہب بھی (جو امام ابو یوسف کی وفات کے بعد قاضی القضاة ممالک اسلامیہ بن گئے تھے) دربار میں خلیفہ تخت شاہی پر بیٹھا تھا اور سامنے فرش پر حسب دستور مجرموں کی طرح ایک چمڑے پر یحییٰ بن عبد اللہ الحسن

(بن الحسن بن علی کرم اللہ وجہہ) تھے جن کے سر پر جلا دلو اور لئے ہوئے حکم کا منتظر کھڑا تھا، وہ علوی طالبی خلیفہ کو قسمیں دیکر اپنے امان نامہ کی طرف متوجہ کر رہا تھا کیونکہ خود ہارون نے اس کو امان دیا تھا، خلیفہ نے وہ قرطاس امان نکالا جو شخص مذکور کے لئے لکھا تھا اور مجھے دیا، میں نے اس کو پڑھا صورت حال کا اندازہ لگایا اور دل میں طے کیا کہ صرف خدا لگتی اور آخرت کی بھلائی کی بات کہوں گا خواہ انجام کچھ بھی ہو، میں نے کہا یہ امان موکد ہے اور اس کو توڑنے کا کوئی حیلہ درست نہیں، خلیفہ یہ سن کر غضب ناک ہو گیا، میرے ہاتھ سے وہ دستاویز چھین کر حسن بن زیاد کو دی انہوں نے پڑھ کر کمزور آواز سے کہا یہ امان ہے خلیفہ نے وہ کاغذ ان سے بھی چھین کر ابوالبحتری کو دیا، انہوں نے پڑھ کر کہا میں تو اس شخص کو ذرا سی دیر کی بھی مہلت دینے کو تیار نہیں ہوں اس شخص نے لوگوں میں پھوٹ ڈالی ہے، مسلمانوں کے خون بہائے ہیں اور ایسا ایسا کیا ہے، اس کے لئے کوئی امان نہیں ہو سکتا پھر خود ہی چاقو نکال کر اس دستاویز کے دو ٹکڑے کر دیئے اور ہارون رشید سے کہا کہ آپ بے تامل اس کو قتل کا حکم کریں اس کے خون کا میں ذمہ دار ہوں، ایک روایت ہے کہ ہارون رشید نے قتل کا حکم بھی کر دیا تھا جس پر طالبی نے کہا، اے ہارون! محمد بن الحسن اور حسن بن زیاد تو کہتے ہیں کہ یہ امان صحیح ہے اور یہ دونوں ساری دنیا کے مسلم فقیہ ہیں مگر آپ ان کی بات قبول نہیں کرتے اور یہ شخص جس کو فتویٰ دینے کا کوئی حق نہیں، امان کو فاسد کہتا ہے تو آپ مجھے قتل کا حکم کرتے ہیں، اس پر پھر ایک دفعہ خلیفہ نے امام محمد کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اس امان کو میں نے خود اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا بلکہ دوسرے سے لکھوایا ہے تو آپ بتلائیں کہ اگر ایک شخص حلف کرے کہ وہ نہیں لکھے گا؟ اور دوسرے سے کچھ لکھوادے تو کیا اس کی قسم ٹوٹ جائے گی؟ امام محمد نے فرمایا کہ اگر ایسا کوئی عام آدمی کرے تو حانث نہ ہوگا لیکن اگر بادشاہ ایسا کرے تو ضرور حانث ہوگا کیونکہ بادشاہ کے حکم سے جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ بھی اسی کا لکھا ہوا سمجھا جاتا ہے۔

منقول ہے کہ اس پر خلیفہ اور بھی جھنجھلا گیا اور غصہ سے مغلوب ہو کر دوات اٹھا کر امام محمد کے منہ پر پھینک ماری جس سے آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا اور خون کپڑوں پر بہنے لگا، خلیفہ نے یہ بھی کہا کہ آپ جیسے لوگ ہی ہمارے خلاف بغاوت کرنے والوں کے حوصلے بڑھاتے ہیں، امام محمد واپس ہوئے تو رونے لگے، کہا گیا کہ کیا اس زخم کی تکلیف سے روتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ اپنی کوتاہی کی وجہ سے، کہا آپ سے کیا تقصیر ہوئی حالانکہ آپ نے تو وہ کام کیا کہ روئے زمین پر اس کی نظیر نہیں مل سکتی، فرمایا مجھ سے یہ کوتاہی ہوئی کہ اس وقت ابوالبحتری سے یہ نہ پوچھا کہ تم کس دلیل شرعی سے یہ فتویٰ دے رہے ہوتا کہ اس کی غلطی کا پردہ فاش کرتا اور اس کے دلائل کو بھی توڑ پھوڑ دیتا۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم دربار سے اٹھ آئے تو میرے پاس خلیفہ کا قاصد پیغام لے کر آیا کہ آج سے آپ نہ مقدمات کا فیصلہ کریں اور نہ فتویٰ دیں، میں سب کام چھوڑ چھاڑ کر سبکدوش ہو گیا، جب امام جعفر نے ایک جائداد وقف کرنے کا ارادہ کیا تو مجھے مشورہ کیلئے بلوایا، میں نے کہلادیا کہ مجھے فتویٰ سے روک دیا گیا ہے، اس نے خلیفہ سے گفتگو کی اور اجازت لے کر پھر بلوایا، امام محمد ہی کا بیان ہے کہ واقعہ مذکورہ سے خلیفہ کے درباری اور سارے ہی محلات شاہی کے لوگ متعجب تھے خصوصاً ابوالبحتری کی بے جا جسارت وغیرہ سے اور خلیفہ نے باوجود ابوالبحتری کے فتویٰ و ذمہ داری کے بھی یحییٰ مذکور کو قتل نہیں کرایا بلکہ وہ ایک مدت کے بعد قید خانہ ہی میں فوت ہوئے۔

اس کے بعد پھر خلیفہ نے امام محمد کو اپنا مقرب بنایا اور قاضی القضاة بھی بنایا اور اپنے ساتھ ”رے“ بھی لے گیا جہاں ان کا اور امام نحو کسائی کا ایک ہی دن انتقال ہوا، خلیفہ افسوس کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ میں نے فقہ و نحو دونوں کو ”رے“ میں دفن کر دیا۔

امام محمد اور علم حدیث

محدث صمیری محمد بن ساعد سے روایت کرتے ہیں کہ محدث عیسیٰ بن ساعد سے روایت کرتے ہیں کہ محدث عیسیٰ بن ابان ہمارے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن ہمارے ساتھ امام محمد کی مجلس میں نہیں بیٹھتے تھے میں ان کو بلاتا تو کہہ دیتے کہ یہ حدیث کی مخالفت کرتے ہیں،

درحقیقت عیسیٰ بہت اچھے حافظ حدیث تھے، ایک دن ہمارے ساتھ صبح کی نماز پڑھی اور وہ دن امام محمد کی مجلس کا تھا، میں عیسیٰ کے سر ہو گیا کہ آج تو ضرور بیٹھنا پڑے گا، جب امام محمد فارغ ہوئے تو میں عیسیٰ کو ان کے قریب لے گیا اور کہا یہ آپ کے بھائی ابان کے بیٹے ہیں، یہ اچھے ذہن اور عالم حدیث ہیں میں ان کو آپ کے پاس بلاتا ہوں تو انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں تم حدیث کی مخالفت کرتے ہو، امام محمد نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، برخوردار! تمہارے خیال میں ہم کن احادیث کی مخالفت کرتے ہیں، ہمارے خلاف تمہیں بغیر ہمارے جواب کے فیصلہ نہ کرنا چاہئے، عیسیٰ نے اس وقت ۲۵ ابواب حدیث میں سوالات کئے اور امام محمد برابر جوابات دیتے رہے اور جو احادیث منسوخ تھیں ان کے نسخ پر دلائل و شواہد بتاتے رہے۔

عیسیٰ اس مجلس سے اٹھ کر باہر نکلے تو مجھ سے کہنے لگا کہ میرے اور نور کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا تھا جو آج ہٹ گیا، مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ خدا کی خدائی میں اس جیسا شخص بھی لوگوں میں موجود ہوگا اور اس کے بعد امام محمد کی مجلس کے دلدادہ ہو گئے کہ پھر کبھی جدا ہونا گوار نہ کیا حتیٰ کہ بڑے فقیہ بن گئے، یہ عیسیٰ ایک بڑے پہاڑ تھے علم کے پہاڑوں میں سے اور یہی پھر راوی بنے امام محمد کی کتاب الحج علی اہل المدینہ کے اور خود بھی الحج الصغیر عیسیٰ بن ہارون ہاشمی کے رد میں لکھی وہ مامون کے ہم درس تھے اور ایک کتاب لکھی تھی جس میں دعویٰ کیا تھا کہ امام ابو حنیفہ نے احادیث صحیحہ کی مخالفت کی ہے، خلیفہ مامون نے علماء کو دعوت دی کہ اپنی اپنی معلومات کے مطابق اس کتاب کا جواب لکھیں، خلیفہ کو نہ اسمعیل بن حماد کا جواب پسند آیا نہ بشر کا نہ یحییٰ بن اکثم کا بلکہ سب سے زیادہ عیسیٰ بن ابان ہی کا جواب پسند آیا جس سے ہاشمی کی کتاب کی حیثیت بالکل ختم ہو گئی، ان ہی عیسیٰ بن ابان کی ایک کتاب ”الحج الکبیر“ امام شافعی کے قدیم اقوال کے رد میں مشہور ہے جس کی وجہ سے کہا جاتا ہے امام شافعی نے اپنے آخری سفر عراق میں نہایت مختصر قیام عراق میں کیا کیونکہ عیسیٰ کی کتاب مذکور کی وجہ سے ان کے قدیم اقوال کے لئے قبول عام کے امکانات باقی نہ رہے تھے۔

امام شافعی اور مرسی کے رد میں شروط قبول احبار کے بارے میں بھی انہوں نے ایک کتاب لکھی تھی اور ان کی کتابوں میں بہت سے اصول امام محمد سے اخذ کئے ہوئے ملتے ہیں، ابو بکر رازی اپنی اصول میں بہت زیادہ ان سے نقول لیتے ہیں، غرض عیسیٰ بن ابان فقہی مباحث کے بحاث کبیر اور علوم حدیث وفقہ کے جہاں علم سے ہیں۔ (بلوغ ص ۳۹)

امام محمد کے اقوال عقائد میں

۱- حافظ ابو القاسم ہبہ اللہ بن الحسن اللاکائی نے شرح السنۃ میں امام محمد رحمہ اللہ کا حسب ذیل قول نقل کیا ہے ”جو شخص قرآن کو مخلوق کہے اس کے پیچھے نماز مت پڑھو“ یعنی جو قرآن کلام الہی اور خدا تعالیٰ کے ساتھ قائم اور اس کی صفت ہے اس کو مخلوق قرار دینا صحیح نہیں ہے جس طرح مخلوق کے ساتھ جو چیزیں وابستہ مثلاً کاتب، صوت تالی یا حافظ کے ذہن کی صورت ذہنیہ وغیرہ ان کو غیر مخلوق کہنا بھی خلاف بداہت و مشاہدہ ہے لہذا جن لوگوں نے غلو کر کے ان لوگوں کی تکفیر کی جنہوں نے قرآن و سنت کے سکوت کی وجہ سے توقف کی راہ اختیار کی اور قرآن کو غیر مخلوق کہنے سے تورع کیا، ان لوگوں کی تکفیر کی جنہوں نے حدود لفظ و لفاظ کے لحاظ سے لفظی بالقرآن مخلوق“ کہا، یہ سب غلط طریقے تھے اور افسوس ہے کہ ان غلو کرنے والوں میں ابن ابی حاتم اور بنو مندہ جیسے حفاظ حدیث بھی ہیں (بلوغ ص ۵۳) ۲۰، لا لکائی نے ہی امام محمد کا قول حدیث ان اللہ ينزل الی السماء الدنيا اور اس قسم کی دوسری احادیث کے متعلق نقل کیا ہے کہ ”یہ احادیث ثقہ راویوں سے مروی ہیں ہم بھی ان سے روایت کرتے ہیں، ان پر ایمان بھی رکھتے ہیں لیکن ان کی تفصیل و تفسیر میں جانا پسند نہیں کرتے“ یہ بھی فرمایا۔

۳- ”شرق سے غرب تک کے تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید پر ایمان رکھنا اور ان احادیث پر بھی جو ثقہ راویوں سے دربارہ صفات بازی عزوجل مروی ہیں بغیر تفسیر، تفصیل و تشبیہ کے ایمان لانا ضروری ہے جو شخص بھی آج ان امور میں سے کسی امر کی تفسیر و تفصیل کرتا ہے وہ اس طریق سے خارج ہوتا ہے جس پر نبی اکرم ﷺ اور جماعت سے الگ ہو جاتا ہے کیونکہ انہوں نے نہ تفصیل کی تھی نہ تفسیر بلکہ

کتاب و سنت کے مطابق چچی تلی بات بنا کر سکوت اختیار فرمایا تھا لہذا جو شخص جہم کی طرف بات کہے وہ جماعت سے خارج ہے اس لئے اس نے صفت لاشیء کے ساتھ اس کو متصف کیا تھا۔

اس قول سے ان لوگوں کی مکمل تردید ہو جاتی ہے جنہوں نے امام محمد کی طرف یہ باتیں منسوب کیں کہ وہ خلق قرآن کے قائل تھے اور اس کی طرف دوسروں کو دعوت دیتے تھے، یہ بھی کہا گیا کہ امام محمد جہم کی رائے رکھتے تھے (افسوس ہے کہ امام بخاری وغیرہ نے بھی اس معاملہ میں احتیاط نہیں فرمائی، اور امام محمد کو جہمی کہا، جیسا کہ ہم دوسری جگہ لکھ چکے ہیں)

۴- محدث صیری نے نقل کیا کہ امام محمد فرمایا کرتے تھے ”میرا مذہب امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا مذہب وہی ہے جو حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم کا تھا۔“

اسی طرح امام محمد کا قول ایمان کے بارے میں بھی وہی تھا جو امام ابو حنیفہ کا تھا کہ وہ دل کا اعتقاد اور زبان کا اقرار ہے اور دوسرے عقائد کی تفصیل ”کتاب عقیدہ طحاوی“ میں موجود ہے ان تصریحات کے باوجود بھی اگر کوئی تنگ دلی سے امام صاحب یا امام محمد کو جہمی یا مرجئی کہے تو وہ سنت سے اتنا ہی دور ہے جتنی زمین آسمان سے دور ہے۔ (بلوغ الامانی ص ۵۴)

امام محمد دوسرے اہل علم کی نظر میں

حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند سے امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے جو اپنے اصحاب و تلامذہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ”ہمارے پاس اتنے لوگ مشرق کی طرف سے آتے ہیں مگر معنویت (گہرائی کی بات) کسی میں نہیں دیکھی سوائے اس جوان کے“ یہ اشارہ امام محمد کی طرف تھا، حالانکہ امام مالک کے پاس امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک، وکیع، عبدالرحمن بن مہدی جیسے اعلام و جبال علم آتے تھے، گویا امام مالک نے امام محمد کو ان سب پر فضیلت دی۔

امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ جب بات کرے تو اس کی کمال فصاحت و بلاغت کی وجہ سے ایسا معلوم ہو کہ قرآن مجید اسی کی زبان پر اترا ہے البتہ امام محمد ضرور ایسے تھے میں نے ان سے ایک سختی اونٹ کا بوجھ لکھا ہے اور سختی اس لئے کہتا ہوں کہ وہ دوسرے اونٹوں سے زیادہ بوجھ اٹھا سکتا ہے میں اپنے پر امام مالک کا پھر امام محمد کا بڑا حق استاذیت مانتا ہوں اگر لوگ فقہا کے بارے میں انصاف کرتے تو مانتے کہ انہوں نے امام محمد جیسا نہیں دیکھا وہ تفقہ کے ان اسباب و وسائل پر مطلع تھے جن سے دوسرے اکابر اہل علم عاجز ہیں میں نے امام محمد سے زیادہ عقل والا انسان نہیں دیکھا جب کسی مسئلہ کی تقریر فرماتے تو قرآن مجید کی طرح ایسا منظم کلام بولتے تھے جس میں حرف آگے پیچھے کرنے کی گنجائش نہ ہوتی تھی۔

ایک دفعہ فرمایا کہ خدا نے میری دو شخصوں سے مدد کی، ابن عیینہ سے حدیث میں اور محمد بن الحسن سے فقہ میں، فرمایا جب میں پہلی دفعہ امام محمد کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ اپنے حجرہ میں بیٹھے تھے، بہت لوگ ان کے پاس جمع تھے میں نے ان کے چہرہ پر نظر کی تو سب لوگوں سے زیادہ حسین و جمیل پایا، ان کی سفید پیشانی چمک رہی تھی اور لباس بہترین پہنے ہوئے تھے، میں نے اسی مجلس میں ان سے ایک اختلافی مسئلہ دریافت کیا میرا خیال تھا کہ اس کے بیان میں ان سے کمزوری ظاہر ہوگی یا کوئی غلطی نکلے گی لیکن وہ تو کڑی کمان کے تیر کی طرح مسئلہ کے سارے جوانب پر تیزی سے گذر گئے اور اسی میں اپنے مذہب کو بھی قوی کر گئے اور پوری تقریر میں کوئی ایک غلطی بھی نہیں کی۔

ایک بار فرمایا کہ میں نے امام محمد سے زیادہ فتاویٰ کا عالم نہیں دیکھا، گویا ان کو خدا کی جانب سے توفیق ملتی تھی اور میں نے امام محمد جیسا

۱- واضح ہو کہ ابن عیینہ جو امام شافعی و امام احمد کے بڑے اساتذہ حدیث میں سے ہیں امام اعظم کے حدیث میں شاگرد ہیں مسانید امام میں امام اعظم سے بکثرت روایت حدیث کرتے ہیں اور فرمایا کرتے تھے کہ میری آنکھوں نے امام ابو حنیفہ جیسا نہیں دیکھا۔

حکمت و دانائی کی باتیں کرنے والا اور دوسروں کی ناسزا باتوں کا حلم و بردباری کے ساتھ سننے والا نہیں دیکھا (بلوغ ص ۵۵) دوسرے اقوال ہم امام شافعی کے تذکرہ میں لکھ چکے ہیں۔

امام مزنی کے سامنے کسی نے امام محمد کا کوئی قول ذکر کیا، پوچھا کون محمد؟ بتلایا محمد بن الحسن تو فرمایا مرحبا! خوب ذکر کیا وہ تو کانوں کو اچھی باتوں سے دل اور علم کو علم و سمجھ سے بھر دیتے تھے، پھر فرمایا کہ یہ میں ہی نہیں کہتا امام شافعی بھی ایسا ہی فرماتے تھے۔

حضرت داؤد طائی نے بچپن میں امام محمد کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ ”اگر یہ بچہ زندہ رہا تو اس کی بڑی شان ہوگی“ امام ابو یوسف نے امام محمد کی ابتداء جوانی میں حافظ کی تعریف فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ کیسی عمدہ تلوار ہے مگر اس میں ذرا سازنگ ہے جس کو جلاء کی ضرورت ہے، بعد کو علم الناس فرمانے لگے تھے، امام یحییٰ بن معین نے امام محمد کی شاگردی کی اور جامع صغیر پڑھی، محدث حسن بن ابی مالک کے سامنے جب امام محمد کے مسائل پڑھے گئے تو فرمایا کہ امام ابو یوسف بھی اس قدر زیادہ گہرائی میں نہیں جاتے تھے۔

صیمری نے ابو عبید سے یہ بھی قول نقل کیا ہے کہ میں نے امام محمد سے زیادہ کتاب اللہ کا جاننے والا نہیں دیکھا اور کہا کہ امام محمد عربیت نحو و حساب میں بڑے ماہر تھے، محمد بن سلام فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام محمد کی کتابیں نقل کرانے پر دس ہزار روپے خرچ کئے اور اگر مجھے پہلے سے ان چیزوں کا علم ہوتا جو بعد کو ہو تو راجل صالح امام محمد کی کتابوں کے سوا دوسروں کی کتابوں پر وقت صرف نہ کرتا۔ (کردری)

محدث و محقق کبیر عیسیٰ بن ابان سے پوچھا گیا کہ ابو یوسف افقہ ہیں یا محمد؟ فرمایا دونوں کی کتابوں سے اندازہ لگاؤ، یعنی امام محمد زیادہ فقیہ ہیں۔ (بلوغ ص ۵۷)

امام محمد کے معمولات

محمد بن سلمہ کا بیان ہے کہ امام محمد نے رات کے تین حصے کر دیئے تھے ایک حصہ سونے کے لئے، ایک نماز کے لئے اور ایک درس کیلئے وہ بہت زیادہ جاگتے تھے، کسی نے کہا کہ آپ سوتے کیوں نہیں؟ فرمایا ”میں کس طرح سو جاؤں، حالانکہ مسلمانوں کی آنکھیں ہم لوگوں پر بھروسہ کر کے سوئی ہوئی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی مشکل (امور شریعت کی) پیش آتی ہے تو ہم اس کو محمد کے سامنے رکھتے ہیں وہ اس کو ہمارے لئے حل کر دیتا ہے، تو اگر ہم بھی سو جائیں تو اس کی وجہ سے دین ضائع ہوگا۔“

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد قاضی ابن ابی عمران سے سنا کہ امام محمد رات دن میں تہائی قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے، محدث بکر بن محمد فرمایا کرتے تھے ابن ساعد اور عیسیٰ بن ابان نے ایسی اچھی نماز پڑھنی امام محمد سے سیکھی تھی۔

امام محمد کی توثیق

خطیب نے علی بن مدینی سے توثیق نقل کی اور اسی طرح منتظم میں ابن جوزی سے اور تعجیل المنفعة میں حافظ ابن حجر سے بھی توثیق ثابت ہے حافظ ذہبی نے مناقب میں لکھا کہ امام شافعی نے حدیث میں امام محمد سے حجت پکڑی ہے، اور میزان الاعتدال میں کہا کہ نسائی وغیرہ نے حفظ کے اعتبار سے امام محمد کی تلمیذین کی حالانکہ وہ علم حدیث و فقہ کے بحور میں سے تھے اور امام مالک سے روایت حدیث میں قوی تھے۔

ظاہر ہے کہ جو شخص امام مالک سے چند روز کے اندر احادیث سن کر ان کی روایت میں قوی مانا گیا ہو وہ ان احادیث کے یاد رکھنے میں کس طرح ضعیف قرار دیا جاسکتا ہے جن کے سننے سنانے میں اس نے ساری عمر صرف کی تھی مگر اہل جرح کا تو عجیب حال ہے وہ تو بقول حافظ ابن دیق القعید کے دوزخ کے کنارے پر بیٹھے ہیں (یعنی کوئی توجنت کا ٹھیکیدار بنتا ہے انہوں نے دوزخ کا ٹھیکیدار بننا پسند کیا ہے)

سبط ابن الجوزی نے مرآة الزمان میں علماء سیر سے امام محمد کا امام، حجت اور تمام علوم میں تبحر ہونا نقل کیا ہے اور حافظ عینی نے رجال معانی الآثار میں ابن جوزی کی کتاب الضعفاء کی اس امر کی روایت و روایت سے تغلیط کی ہے کہ امام احمد اور ابن معین نے امام محمد کی شان میں کوئی تنقیص کی ہو (ص ۵۹ بلوغ)

امام محمد ثقہ حافظ حدیث تھے

اگرچہ حافظ ذہبی نے امام محمد کو تذکرۃ الحفاظ میں نظر انداز کر دیا مگر ان سے کئی سو سال پہلے علامہ ابن عبدالبر نے تمہید میں دارقطنی کی غرائب مالک سے نقل کیا کہ امام مالک نے ”موطاً“ میں رفع یدین وقت رکوع ذکر نہیں کیا البتہ غیر موطاً میں ذکر کیا ہے جس کو بیس ثقات حفاظ نے روایت کیا ہے ان میں سے محمد بن الحسن شیبانی، یحیی القطان، عبداللہ ابن مبارک، عبدالرحمن بن مہدی، ابن وہب وغیرہم ہیں۔ (نصب الراية ص ۴۰۸ ج ۱)

حافظ ابن تیمیہ کا امام شافعی کے تلمذ امام محمد ایسی حقیقت سے انکار

یہاں علامہ ابن عبدالبر اور دارقطنی نے امام محمد کو نہ صرف ثقہ حافظ کہا بلکہ دوسرے اکابر حفاظ حدیث سے ان کو مقدم کیا فافہم و تذکر ولا

تکن من الغافلین۔

امام شافعی نے امام ابو یوسفؒ سے بھی بواسطہ امام محمد احادیث کی روایت اپنی کتاب الام میں اور مسند میں کی ہے (الانقضاء لابن عبدالبر ص ۶۹ ج ۱) علامہ شبلی نے سیرۃ النعمان کے آخر میں امام محمد کے حالات میں لکھا ہے کہ ”ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی سے انکار کیا تھا لیکن حق کو کون دہا سکتا ہے، تاریخ و رجال کی سینکڑوں کتابیں موجود ہیں وہ کیا شہادت دے رہی ہیں؟“ حافظ ابن تیمیہ کے انکار پر ناظرین کو حیرت ہوگی مگر کسی وجہ ہی سے تو بڑے بڑے لوگوں نے اس امر کی کوشش کی تھی کہ امام شافعی کے اس سفر عراق کی روایت ہی کو تاریخ کے اوراق میں سے نکال دیا جائے جس میں انہوں نے ایک دو سال بھی نہیں تقریباً دس سال امام محمد کی خدمت میں رہ کر فقہ و حدیث میں غیر معمولی کمالات حاصل کئے تھے، اگر حافظ ابن تیمیہ جیسے وسیع النظر علامہ امام شافعی کے تلمذ سے انکار کر سکتے ہیں تو آجکل کے کچھ تنگ نظر، کم حوصلہ غیر مقلد بھائی، امام سفیان بن عیینہ (شیخ امام شافعی) کے تلمذ امام اعظمؒ سے انکار کر دیں تو کیا حیرت کی بات ہے؟ اس عجائب زار دنیا میں سب ہی چیزیں تعجب خیز ہیں اگر حقیقت میں کسی بات پر بھی تعجب نہ ہونا چاہئے۔ نعم! ان فی ذلک لعبرة لا ولی الا بصار۔

تصانیف امام محمدؒ

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کی تعداد بہت زیادہ ہے قریب ایک ہزار تک بھی کہی جاتی ہے دن و رات کتابیں لکھتے تھے، اپنے تصنیف کے کمرہ میں کتابوں کے ڈھیر کے درمیان بیٹھے رہتے تھے، مشغولیت اس درجہ تھی کہ کھانے پینے کا بھی ہوش نہ تھا، دس رومی عورتیں نقل کتب پر مامور تھیں، امام محمد نے ایک ادارہ کی برابر تصنیفی خدمات انجام دیں، گھر والوں سے کہہ دیا تھا کہ جس چیز کی ضرورت ہو میرے وکیل سے کہو، کوئی ضروری بات کہنی ہوتی تو صرف اشارہ فرماتے تھے، کچھ تحیم آدمی تھے لیکن بہت کم سوتے تھے، موٹے آدمی کثیر بلغھی مزاج اور بلید ہوتے ہیں مگر امام محمد بلا کے ذہن و ذکی تھے، ان کی تصانیف میں سے حسب ذیل کتابیں زیادہ مشہور ہیں اور یہی کتابیں فقہ حنفی کی اصل اصول خیال کی جاتی ہیں، کیونکہ امام صاحب کے مسائل روایات ان میں مذکور ہیں۔

مبسوط: اس میں امام محمد نے اس کو سب سے پہلے تصنیف کیا ہے۔

موطاً امام محمد: حدیث میں امام محمد کی مشہور کتاب ہے جو امام مالک کی دوسری موطاؤں سے علمی و فنی اعتبار سے زیادہ بلند ہے۔

جامع صغیر: اس کتاب میں امام محمد نے امام ابو یوسف کی روایت سے امام اعظمؒ کے تمام اقوال لکھے ہیں کل ۵۳۳ مسائل ہیں جن میں سے ۷۰ مسائل میں اختلاف رائے بھی کیا ہے، اس میں تین قسم کے مسائل ہیں۔

۱۔ جن کا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہیں نہیں ملتا ۲۔ جو دوسری کتب میں بھی ہیں مگر ان کتابوں میں امام محمد نے یہ تصریح نہیں کی تھی کہ

یہ خاص امام صاحب کے مسائل ہیں، اس کتاب میں تصریح کر دی ہے ۳- اور کتابوں میں بھی مذکور تھے مگر اس کتاب میں ایسے طرز پر لکھے ہیں کہ ان سے نئے فوائد مستنبط ہوتے ہیں، اس کتاب کی تقریباً چالیس شرح لکھی گئیں، متقدمین کے یہاں فقہ میں یہی کتاب درس میں پڑھائی جاتی تھی، ہندوستان میں بھی طبع ہوئی ہے۔

جامع کبیر: اس میں امام صاحب کے اقوال کے ساتھ امام ابو یوسف و امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں، ہر مسئلہ کی دلیل لکھتے ہیں یہ جامع صغیر سے زیادہ دشوار اور اس کے معانی دقیق ہیں، بعد کے فقہاء نے اصول فقہ کے مسائل بھی زیادہ تر اسی کتاب کی روشنی میں اخذ کئے ہیں، بڑے بڑے نامور فقہاء نے اس کی شرحیں لکھیں، ان میں ۴۲ کا ذکر کشف الظنون میں ہے جو کہ احياء المعارف حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔ **مرآة الزمان فی تاریخ الاعیان** ص ۶۴۴ ج ۸ (طبع حیدرآباد) میں ملک معظم عیسیٰ بن عادل ابی بکر بن ایوب کے ذکر میں علامہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ آپ نے علامہ حیسری سے فقہ حنفی حاصل کیا مسعودی کو یاد کیا اور جامع کبیر کو خاص طور سے پڑھا اور یاد کیا، پھر جامع کبیر کی شرح کئی جلدوں میں تصنیف کی جیسا کہ حدائق حنفیہ میں لکھا ہے، بڑے عالم ہوئے متصلب حنفی تھے، ان کے اور ان کے والد کے سوانی ایوب میں کوئی حنفی نہیں ہوا، ان کے والد نے ایک روز کہا کہ تم نے امام ابو حنیفہ کا مذہب کیوں اختیار کیا حالانکہ تمہارا سارا خاندان شافعی ہے؟ کہا کیا آپ یہ نہیں چاہتے کہ آپ کے خاندان میں ایک بھی شخص مسلمان ہو، آپ نے فقہاء کو حکم دیا کہ میرے لئے صرف امام ابو حنیفہ کا مذہب صاحبین کے مذہب سے الگ کر دو تو انہوں نے دس مجلدات میں امام صاحب کا مذہب الگ کر دیا آپ نے اس کا نام ”تذکرہ“ رکھا اور سفر حضر میں ہر وقت اس کو ساتھ رکھتے تھے اور مطالعہ کیا کرتے تھے اور تمام مجلدات کو حفظ یاد کیا تھا، ہر جلد کو یاد کر کے آخر میں لکھتے تھے کہ میں نے اس کو حفظ کر کے ختم کیا اور دستخط کرتے تھے۔

صاحب مرآة کا بیان ہے کہ میں نے دیکھ کر کہا کہ لوگ اعتراض کریں گے کہ شام کا بڑے سے بڑا مدرس تو باوجود فراغت کے صرف قدوری حفظ کرتا ہے اور آپ نے باوجود ملکی تدابیر و مشاغل مہمہ کثیرہ کے دس ضخیم جلدیں حفظ کر لیں اور آپ سب جلدوں پر اپنے قلم سے دستخط کرتے ہیں لوگوں کو کس طرح اعتبار آئے گا؟ کہا الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا معانی و مطالب کا ہوتا ہے، لاؤ! کہیں سے بھی دس جلدوں میں سے مجھ سے سوال کر لو اگر کوئی غلطی نکلے تو تمہاری بات تسلیم ورنہ میری تحریر پر اطمینان کرو۔ (مرآة)

زیادات: جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروغ یاد آتے رہے وہ اس کتاب میں درج کئے اور اسی لئے اس کو ”زیادات“ کہتے ہیں۔

کتاب الحج: امام محمد، امام اعظم کی وفات کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور تین برس امام مالک کی خدمت میں رہے، ان سے موطأ بھی پڑھی، اہل مدینہ کا طریق تفقہ جدا تھا، بہت سے مسائل میں وہ لوگ امام ابو حنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے، امام محمد نے مدینہ طیبہ سے واپس ہو کر یہ کتاب لکھی اس میں پہلے وہ فقہی باب باندھتے ہیں پھر اہل مدینہ کا قول نقل کرتے ہیں اور احادیث، آثار و قیاس سے ثابت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب راجح و صحیح ہے کہیں کہیں اہل مدینہ کے عمل بالحدیث کے دعویٰ کو بھی چیلنج کیا ہے اور بتلایا ہے کہ ان کا عمل صریح حدیث کے خلاف ہے، علم الخلاف امام محمد کی ایجاد ہے اور کتاب مذکور اس طرز کی پہلی تصنیف ہے جس میں موافق و مخالف احادیث و آثار جمع کر کے محاکمہ کیا گیا ہے عرصہ ہوا مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ۳۹۲ صفحات پر طبع ہو کر شائع ہوئی تھی اب نادر ہے حضرت علامہ مولانا مفتی مہدی حسن صاحب کے بہترین محققانہ حواشی کے ساتھ پھر ان شاء اللہ عنقریب ادارہ احياء المعارف حیدرآباد دکن سے شائع ہوگی۔

سیر صغیر: یہ کتاب سیر پر ہے، امام اوزاعی نے اس کو دیکھا تو تعریف کی مگر بطور طنز کے یہ بھی کہا ”اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت؟ امام محمد نے یہ جملہ سنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی۔

سیر کبیر: اس کو ۶۰ ضخیم اجزاء میں مرتب کیا اور تیاری کے بعد ایک نچر پر لدوا کر خلیفہ ہارون رشید کے پاس لیجانے کا ارادہ کیا، خلیفہ کو خبر ہوئی تو اس نے ازراہ قدردانی شہزادوں کو استقبال کے لئے بھیجا اور ان کو ہدایت کی کہ امام محمد سے اس کی سند حاصل کریں، امام اوزاعی نے بھی اس محققانہ کتاب کی بہت تعریف فرمائی۔

رقیات وغیرہ: رتہ کے قیام میں جو فقہ کا مجموعہ تیار کیا وہ رقیات کہلاتا ہے اسی طرح اور کتابیں کیسانیات، جرجانیات، ہارونیات وغیرہ تصنیف کیں لیکن یہ کتابیں اصطلاح فقہاء میں ظاہر الرویۃ میں داخل نہیں بلکہ کتاب انجیح بھی اس سلسلہ سے خارج ہے واللہ اعلم وعلماہم واحکم۔

شرف الدین ملک عیسیٰ بن عادل جن کا ذکر ص ۲۰۳ پر ہو چکا، انہوں نے ہی خطیب بغدادی کا مشہور و معروف رذائلہم المصیب فی الرد علی الخطیب، لکھا جو مکتبہ اعزاز یہ دیوبند سے عرصہ ہوا چھپ کر شائع ہو چکا ہے اور ہر خفی عالم کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

ملک موصوف ۶۷۵ھ میں قاہرہ (مصر) میں پیدا ہوئے (مصر میں ساڑھے آٹھ سال بادشاہ رہے پھر دمشق (شام) میں سلطنت کی عیسائی حکمرانوں سے بڑے بڑے معرکے جہاد کے انجام دیئے، علماء کی بڑی عزت کرتے تھے، جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہمہ وقت کمر بستہ رہتے تھے بڑے بہادر، مدبر اور سخی سیر چشم تھے ۶۲۳ھ میں وفات پائی اور دمشق میں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

السہم المصیب شرف الدین ملک معظم جیسی خفی موصوف الذکر کی تصنیف ہے ان کے والد سیف الدین ملک عادل ابو بکر بن ایوب شافعی کی تصنیف نہیں ہے جیسا کہ غلطی سے مطبوعہ نسخہ میں ان کی طرف منسوب ہو گئی ہے کیونکہ والد ماجد شافعی تھے، دوسرے ان کا انتقال ۶۱۸ھ میں ہو چکا تھا اور یہ تصنیف ۶۲۱ھ کی ہے واللہ اعلم۔

جامع کبیر کی عظمت و قدر اور امام اعظم کے مجموعہ اقوال کے ۱۰ مجلدات (تذکرہ) کی اہمیت کے پیش نظر یہاں ملک موصوف اور ان کی مشہور تصنیف السہم المصیب کا ذکر کیا گیا، مرآة الزمان فی تاریخ الاعیان علامہ سبط ابن الجوزی خفی نے (جو پہلے حنبلی تھے پھر متصلب خفی ہو گئے تھے) چالیس جلدوں میں تصنیف فرمائی تھی مگر اس وقت اس کے صرف دو جزو جلد ثامن کے حیدرآباد سے چھپے ہیں۔

کتب تاریخ میں یہ واقعہ بھی نقل ہوا ہے کہ ایک بڑا نصرانی عالم، علماء اسلام سے مناظرے و مباحثے کیا کرتا تھا، دین اسلام سے خوب واقف تھا مگر مسلمان نہ ہوتا تھا، امام محمد نے جامع کبیر تصنیف کی تو اس کو پڑھ کر وہ مسلمان ہو گیا اور کہا کہ یہ تمہارے چھوٹے محمد کی کتاب جب اس قدر علوم و کمالات کا مجموعہ ہے تو تمہارے بڑے محمد (ﷺ) کے علوم کتنے اونچے ہوں گے یہ بھی کہا کہ اگر جامع کبیر کا مصنف نبوت کا دعویٰ کرتا اور کتاب کو معجزہ قرار دیتا تو کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا اور سب کو اسی پر ایمان لانا پڑتا، بعض نے یہی واقعہ اسلام لانے کا امام محمد کی کتاب مبسوط کے بارے میں بیان کیا ہے، غرض جامع کبیر کے بارے میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ دقائق و حقائق سے بھری ہوئی ہے، اسی طرح جامع صغیر اس زمانہ میں بلکہ سینکڑوں سال تک داخل درس رہی ہے، سید الحفاظ امام رجال و حدیث ابن معین کے حالات میں نقل ہوا ہے کہ انہوں نے جامع صغیر امام محمد سے پڑھی اور سید الحفاظ یحییٰ القطان شیخ امام احمد (و علی بن المدینی) نے جامع صغیر امام ابو یوسف سے پڑھی ہے۔

۴۳۔ امام علی بن مسہر قریشی کوئی (م ۱۸۹ھ)

مشہور صاحب درایت و روایت جلیل القدر محدث و فقیہ اور امام صاحب کے ان اصحاب و تلامذہ میں سے تھے جو حدیث و فقہ کے جامع اور شریک تدوین فقہ تھے حدیث میں امام اعظم اور ہشام بن عروہ وغیرہ کے بھی تلمیذ ہیں آپ سے ہی سفیان ثوری نے امام ابو حنیفہ کا علم حاصل کیا اور ان کی کتابیں نقل کرائیں، مدت تک موصل کے قاضی رہے، اصحاب صحاح ستہ کے کبار شیوخ میں ہیں۔ (حدائق الحنفیہ)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مسانید میں امام صاحب سے روایت کرتے ہیں (جامع مسانید امام الاعظم ص ۵۰۸)

۴۴- امام یوسف بن خالد سمی (م ۱۸۹ھ)

امام اعظم کے تلامذہ و اصحاب میں مشہور عالم، فقیہ کامل و محدث ثقہ تھے، تدوین فقہ میں شریک رہے، پہلے بصرہ کے مشہور فقہاء سے فقہ و حدیث حاصل کی، امام صاحب سے مسانید میں روایت کی ہیں، امام صاحب کی خدمت میں کوفہ حاضر ہوئے اور فقہ و حدیث کی تکمیل آپ سے کی، نقل ہے کہ امام صاحب سے چالیس ہزار مسائل مشککہ حل کئے، امام شافعی کے استاد ہیں، امام طحاوی نے لکھا کہ میں نے مزنی سے سنا انہوں نے امام شافعی سے نقل کیا کہ یوسف بن خالد خیار امت میں سے ہیں۔ (حدائق و جواہر)

جب یہ امام صاحب کی خدمت سے رخصت ہو کر اپنے وطن بصرہ واپس ہوئے تو امام صاحب نے ان کو نصیحت کی تھی کہ بصرہ میں ہمارے حاسد و مخالف بھی ہیں تم ممتاز مسند درس پر بیٹھ کر یہ نہ کہنے لگنا کہ ابوحنیفہ نے یہ کہا اور وہ کہا ورنہ وہ لوگ تمہیں ذلیل کر کے نکال دیں گے، لیکن اپنے کمال علم و فضل پر گھمنڈ کر کے انہوں نے امام صاحب کے فرمانے کا کچھ خیال نہ کیا، چنانچہ لوگوں نے مخالفت کی، الزامات لگائے ہمتیں گھڑیں اور بدنام کر کے مسند درس سے ہٹا دیا، پھر ان ہی اتہامات کی بناء کر کے (اگرچہ وہ غلط تھے) بعض رجال والوں کو بھی آپ کے بارے میں کلام کرنے کا موقعہ ہاتھ آ گیا اور کچھ لوگ کثرت سے برائیاں سن کر غلط فہمی میں بھی مبتلا ہوئے ہوں گے کیونکہ امام شافعی کا ان کو اختیار میں سے قرار دینا اور مدح و توثیق کرنا دوسروں کے مقابلے میں راجح ہے خصوصاً جب کہ یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں نے ان کے خلاف محض تعصب و عناد کی وجہ سے پروپیگنڈا کیا ہے۔

ان کے بعد جب امام زفر بصرہ گئے ہیں تو انہوں نے بڑی حسن تدبیر سے کام لیا اور امام صاحب کے علم و فضل و امامت کا سکہ ساکنین بصرہ کے قلوب پر بٹھا دیا جس کی تفصیل امام زفر کے حالات میں لکھی گئی ہے۔

۴۵- امام عبداللہ بن ادریس کوئی ولادت ۱۱۵ھ، م ۱۹۲ھ

محدث، ثقہ، حجت، صاحب سنت و جماعت، کثیر الحدیث، اصحاب امام و شرکاء تدوین فقہ میں سے ہیں، امام اعظم، امام مالک، یحییٰ بن سعید انصاری، اعمش، ابن جریج، ثوری، شعبہ کے حدیث میں شاگرد ہیں، ابن مبارک اور امام احمد وغیرہ ان کے شاگرد ہیں، ابن معین نے فرمایا کہ عبداللہ ہر چیز میں ثقہ تھے، ابو حاتم نے کہا کہ حجت تھے، ان کی مرویہ احادیث سے استدلال صحیح ہے اور وہ امام تھے ائمہ مسلمین میں سے، امام نسائی و عجل نے ثقہ کہا، ابن سعد نے ثقہ، مامون، کثیر الحدیث کہا، صحاح ستہ کے رواۃ ہیں، ان کی وفات کے وقت صاحبزادی رونے لگیں تو فرمایا امت روؤ میں نے اس گھر میں چار ہزار ختم قرآن مجید کے کئے ہیں۔ (جو اہر و امالی الاحبار)

امام بخاری نے تاریخ میں ذکر کیا کہ امام مالک نے بھی ان عبداللہ بن ادریس سے روایت کی ہے، محدث خواری نے لکھا کہ اس طرح وہ امام مالک کے شیخ ہوئے اور امام مالک شیخ شیوخ بخاری و مسلم و امام شافعی و احمد ہیں، اس جلاالت قدر کے ساتھ امام اعظم رضی اللہ عنہ، سے مسانید میں روایت کرتے ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (جامع المسانید ص ۵۰۸ ج ۲)

۴۶- امام فضل بن موسیٰ السینی (ولادت ۱۱۵ھ، م ۱۹۲ھ)

مشہور محدث فقیہ حضرت ابن مبارک کے ساتھیوں میں سے امام اعظم کے تلمیذ خاص و شریک تدوین فقہ ہیں، ابن مبارک کے برابر عمر و علم میں سمجھے جاتے تھے، حدیث لیث، اعمش، عبداللہ بن ابی سعید بن ابی ہند وغیرہ سے بھی حاصل کی اور امام اعظم کے مسانید میں امام صاحب سے بہ کثرت روایت کی ہے، اسحاق بن راہویہ، محمود بن غیلان، یحییٰ بن ائیم، علی بن حجر وغیرہ فن حدیث میں ان کے تلمیذ ہیں۔

ان کی کرامت کا مشہور قصہ ہے کہ ان کی علمی شہرت کی وجہ سے کثرت سے شاگرد جمع ہوئے تو دوسروں کو ان پر حسد ہو گیا اور بدخواہوں نے کسی عورت کو بہکا کر ان پر تہمت رکھوا دی، وہ اس بات سے ناراض ہو کر سینان سے چلے گئے اور اس علاقہ میں قحط سالی ہو گئی لوگ نادام و پریشان ہو کر ان کے پاس گئے اور واپس آنے کی درخواست کی، انہوں نے کہا پہلے اپنے جھوٹ کا اقرار کرو جب اقرار کر لیا تو فرمایا کہ میں جھوٹوں کے ساتھ رہنے سے معذور ہوں، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (جوہر مضیہ)

۴۷- امام علی بن ظبیان (متوفی ۱۹۲ھ)

محدث، فقیہ، عالم و عارف، صاحب ورع، وتقویٰ، امام اعظم کے تلمیذ و شریک تدوین فقہ تھے، ابتداء میں مشرقی بغداد کے قاضی رہے پھر ہارون رشید کے عہد میں قاضی القضاة ہو گئے تھے، ہمیشہ بوریے پر بیٹھ کر فیصلے دیتے تھے، آپ سے کہا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ سے پہلے قضاة مسند پر بیٹھتے تھے، فرمایا ”مجھے شرم آتی ہے کہ میرے سامنے دو مسلمان بھائی تو بوریے پر بیٹھیں اور میں مسند پر بیٹھ کر اجلاس کروں“۔ ابن ماجہ نے آپ سے تخریج کی اور حاکم نے مستدرک میں بھی روایت کی اور صدوق کہا، امام صاحب کے ان بارہ اصحاب میں سے تھے جن کی صلاحیت قضا کی طرف امام صاحب نے اشارہ فرمایا تھا، یعنی ابو یوسف وغیرہ کے طبقہ میں تھے۔ (جوہر وحدائق)

۴۸- امام حفص بن غیاث (م ۱۹۴ھ)

مشہور و معروف عالم، محدث، ثقہ، فقیہ، زاہد و عابد، امام اعظم کے ممتاز کبار اصحاب و شرکاء تدوین فقہ تھے، امام اعظم سے مسانید امام میں بہ کثرت احادیث روایت کی ہیں۔ (جامع المسانید ص ۴۳۰ ج ۲)

امام صاحب نے جن اصحاب کو وجہ سرور اور دافع غم فرمایا تھا یہ بھی ان میں سے ہیں، امام صاحب سے فقہ میں بھی تخصص کا درجہ حاصل کیا اور حدیث امام ابو یوسف، ثوری، اعمش، ابن جریج، اسماعیل بن ابی خالد، عاصم احوال، ہشام بن عروہ وغیرہ سے بھی حاصل کی، آپ کے تلامذہ یہ ہیں، عمرو بن حفص، امام احمد، ابن معین، علی بن المدینی، ابن معقل، یحییٰ القطان وغیرہ۔

اصحاب صحاح ستہ نے بھی آپ سے تخریج کی، ابن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ آپ کوفہ میں تیرہ ۱۳ سال اور بغداد میں دو سال تک دارالقضا کے متولی رہے، رحمۃ اللہ رحمۃ واسعة (حدائق)

۴۹- امام وکیع بن الجراح (م ۱۹۷ھ) عمر ۷۰ سال

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اس طرح لکھا الامام الحافظ الثبت، محدث العراق، احد الائمة الاعلام، وکیع بن الجراح اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ و رواة میں ہیں، فقہ و حدیث کے امام، عابد، زاہد، اکابر تبع تابعین سے، امام شافعی و امام احمد کے شیخ، ابوسفیان کنیت تھی، امام اعظم سے فقہ میں درجہ تخصص حاصل کیا اور حدیث امام صاحب، امام ابو یوسف، امام زفر، ابن جریج، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، اوزاعی، اعمش وغیرہ سے حاصل کی، حضرت عبداللہ بن مبارک، امام احمد ابن معین، علی بن مدینی، ابن راہویہ، احمد بن منیع، یحییٰ بن اکثم وغیرہ کبار محدثین آپ کے تلامذہ حدیث ہیں۔

یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ میں سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہا ہمیشہ روزہ رکھتے، ہر رات ختم قرآن مجید کرتے، کم از کم ایک مثلث سونے سے پہلے پڑھ لیتے باقی اخیر شب میں پڑھتے ابن معین کہتے تھے کہ میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں دیکھا، کسی نے کہا کیا ابن مبارک کو بھی نہیں؟ کہا بے شک ان کو افضل ہے لیکن میں نے وکیع سے افضل کوئی نہیں دیکھا، امام احمد کو ان کی شاگردی پر فخر تھا جب ان سے حدیث روایت کرتے تو فرماتے کہ یہ حدیث مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی ہے کہ تمہاری آنکھوں نے اس کا مثل نہ دیکھا ہوگا۔

امام صاحب کی خدمت میں بہت رہے اور بہت بڑا حصہ علم کا ان سے حاصل کیا، شرکاء تدوین فقہ میں ہیں، امام صاحب ہی کے قول پر فتویٰ دیتے اور یحییٰ القطان آپ کے اور امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیتے تھے، امام اعظم سے مسانید امام میں روایت کرتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (جوہر مضیہ وحدائق الخفیہ)

۵۰- امام ہشام بن یوسف (م ۱۹۷ھ)

محدث، فیہ، امام صاحب کے تلمیذ خاص اور اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے تھے، امام صاحب سے مسانید الامام میں روایت کرتے ہیں، بخاری شریف اور سنن اربعہ میں آپ سے تخریج کی گئی ہے آپ نے معمر، ابن جریج، قاسم بن فیاض، ثوری، عبد اللہ بن بکر بن ریمان وغیرہ سے بھی روایت کی اور آپ سے امام شافعی، علی بن مدینی، ابن معین، اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے بھی روایت کی، محدث عبدالرزاق (صاحب مصنف مشہور) کا قول ہے کہ اگر تم سے قاضی یعنی ہشام بن یوسف حدیث بیان کریں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ کسی اور سے روایت نہ کرو، ابو حاتم نے آپ کو ثقہ متقن کہا، علی نے ثقہ کہا، ابن حبان نے بھی آپ کو ثقات میں ذکر کیا، امام احمد نے فرمایا کہ عبدالرزاق کا علم ہشام سے زیادہ وسیع ہے اور ہشام ان سے منصف میں زیادہ ہیں، حاکم نے ثقہ مامون کہا، خلیل نے کہا کہ متفق علیہ ثقہ ہیں ان سے تمام ائمہ حدیث نے روایت کی ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة (تہذیب التہذیب ص ۵۸ ج ۱۱ جامع المسانید)

۵۱- امام نقدر جال یحییٰ بن سعید القطان البصری (م ۱۹۸ھ عمر ۷۸ سال)

حافظ ذہبی نے الامام العلم، سید الحفاظ کے لقب سے ذکر کیا، ابو سعید کنیت تھی، حدیث کے امام حافظ، ثقہ، متقن، قد وہ تھے، امام مالک سفیان بن عیینہ (تلمیذ امام اعظم فی الحدیث) اور شعبہ وغیرہ سے حدیث حاصل کی، آپ سے امام احمد، ابن المدینی اور ابن معین وغیرہ نے روایت کی، ان کے درس حدیث کا وقت عصر سے مغرب تک تھا، نماز عصر کے بعد منارہ مسجد سے تکیہ لگا کر بیٹھ جاتے اور سامنے امام احمد، ابن مدینی (شیخ اکبر امام بخاری) عمرو بن خالد، شاذ کونی اور یحییٰ بن معین کھڑے ہو کر حدیث کا درس لیتے تھے، مغرب تک نہ وہ کسی سے بیٹھنے کے لئے فرماتے نہ ان کے رعب و عظمت کے سبب خود ان میں سے کسی کو بیٹھنے کی جرأت ہوتی۔

اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی، امام اعظم کے حدیث وفقہ میں شاگرد اور تدوین فقہ کی مجلس کے رکن رکین تھے، تاریخ خطیب میں ابن معین کے حوالہ سے نقل ہے کہ یحییٰ القطان خود فرماتے تھے ”واللہ! ہم امام صاحب کی خدمت میں بیٹھے ان سے حدیث سنی اور واللہ! جب بھی میں ان کے چہرہ مبارک کی طرف نظر کرتا تو مجھے یقین سے معلوم ہوتا کہ وہ خدائے عزوجل سے ڈرتے تھے، ایک دفعہ فرمایا کہ ہم نے امام صاحب کے اکثر اقوال لیے ہیں اور امام صاحب ہی کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے، بیس سال تک روز نہ ایک ختم قرآن مجید کا کرتے تھے اور چالیس سال تک ظہر کے وقت مسجد سے زوال فوت نہیں ہوا، یعنی ہمیشہ زوال سے قبل مسجد میں پہنچ جاتے تھے اور کسی نماز کے وقت جماعت مسجد سے تخلف نہ کرتے تھے کہ دوسری مساجد میں جماعت کی تلاش کرتے۔

فن رجال کے بہت بڑے عالم تھے، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال کے مقدمہ میں لکھا کہ فن رجال میں سب سے پہلے انہوں نے لکھا پھر ان کے تلامذہ یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، امام احمد، عمرو بن الفلاس، ابو خثیمہ وغیرہ نے اس فن میں لکھا پھر ان کے تلامذہ امام بخاری و مسلم وغیرہ نے، امام احمد کے قول ہے کہ میں نے یحییٰ القطان کا مثل نہیں دیکھا، رواۃ کی تنقید میں اس قدر کمال تھا کہ ائمہ حدیث کا قول تھا جس کو یحییٰ القطان چھوڑ دیں گے اس کو ہم بھی چھوڑ دیں گے۔

باوجود اس فضل و کمال کے خود امام اعظم کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے (فتح المغیث، جوہر مضیہ، تہذیب ”ترجمہ امام صاحب و ترجمہ

یحییٰ القطان "میزان الاعتدال" معلوم ہوا کہ سید الحفظ یحییٰ القطان کے زمانہ میں اور آپ کے تلامذہ کے دور میں بھی امام صاحب و اصحاب امام کے بارے میں کوئی کلام نہ تھا اور بڑے بڑے محدثین و ناقدین فن رجال بھی ان کا اتباع کرتے اور ان کے اقوال پر فتویٰ دیتے تھے، بعد کو ان کے تلامذہ کے تلامذہ امام بخاری وغیرہ کے دور میں امام صاحب کے صحیح حالات و مذہب سے ناواقفیت اور غلط پروپیگنڈے کی وجہ سے امام صاحب اور آپ کے بہترین مذہب سے بدگمانیاں شروع ہوئیں، ان باتوں کے جو بڑے اثرات خود فن حدیث و فقہ کی عظمت و مقبولیت پر پڑے ان کی طرف اشارہ ہم ابتداء میں کرائے ہیں۔

۵۲- امام شعیب بن اسحاق دمشقی (م ۱۹۸ عمر ۷۲ سال)

امام اعظم کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے بڑے پایہ کے محدث و فقیہ تھے، آپ امام اوزاعی، امام شافعی اور ولید بن مسلم کے طبقہ میں تھے، امام بخاری، مسلم، ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ نے آپ سے تخریج کی۔ (حدائق)

امام نسائی نے آپ کو امام اعظم کے ثقہ، اصحاب میں شمار کیا، علامہ ابن حزم نے فقہاء شام میں طبقہ امام اوزاعی وغیرہ میں ذکر کیا، امام اعظم، ہشام بن عروہ، اوزاعی، ابن جریج وغیرہ سے حدیث حاصل کی، لیث بن سعد وغیرہ نے آپ سے روایت کی، مسانید امام اعظم میں امام صاحب سے روایت حدیث کرنے والوں میں ہیں۔

۵۳- امام ابو عمر و حفظ بن عبد الرحمن بلخی (م ۱۹۹ھ)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں محدث، صدوق، تمام خرسانی تلامذہ امام میں سے افقہ اور شرکاء تدوین فقہ میں سے تھے، اسرائیل حجاج بن ارطاة اور ثوری وغیرہ سے روایت کی، نیساپور کے قاضی ہوئے لیکن پھر نادم ہو کر قضاء کو چھوڑ دیا اور عبادت الہی میں مشغول ہو گئے، ابو داؤد نسائی نے آپ سے تخریج کی ہے۔

ابو حاتم نسائی نے آپ کو صدوق کہا، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، حضرت عبداللہ بن مبارک جب نیساپور میں مقیم ہوتے تو آپ کی زیارت و ملاقات ان کے معمولات کا جزو ہوتی تھی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (جوہر مضیہ و حدائق الحنفیہ)

۵۴- امام ابو مطیع حکیم بن عبداللہ بن سلمہ بلخی (م ۱۹۹ھ)

علامہ کبیر اور محدث و فقیہ شہیر تھے، امام صاحب کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے تھے، امام صاحب سے "فقہ اکبر" کے راوی بھی ہیں، حدیث امام صاحب، امام مالک، ابن عون اور ہشام بن حسان وغیرہ سے روایت کی اور آپ سے احمد بن منیع، خلاد بن اسلم وغیرہ نے روایت کی، حضرت عبداللہ بن مبارک آپ کے علم و فضل اور تدوین کی وجہ سے بہت عظمت و محبت کرتے تھے، مدت تک بلخ کے قاضی رہے، امر بالمعروف اور نہی منکر کا بہت زیادہ اہتمام رکھتے تھے کئی بار بغداد آئے اور درس حدیث دیا۔

محدث ابن رزین (تلمیذ ابی مطیع) کا بیان ہے کہ میں ان کے ساتھ بغداد پہنچا تو امام ابو یوسف نے ان کا استقبال کیا، گھوڑے سے اتر گئے اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مسجد میں داخل ہوئے وہاں بیٹھ کر علمی مسائل پر گفتگو و بحث کی، حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ ابو مطیع بلخی کا احسان تمام دنیا والوں پر ہے۔

بظاہر اس کا اشارہ تدوین فقہ کے سلسلہ میں ان کی گرفتار آراء و معلومات فقہی حدیثی کی طرف ہوگا اسی لئے تو امام ابو یوسف جیسے اول درجہ کے حنفی فقیہ بھی ان کی تعظیم کرتے اور ان کی رائے و علم سے مستفید ہوتے تھے، افسوس ہے کہ ان چالیس فقہاء شرکاء تدوین فقہ کے الگ

الگ علمی امتیازات کی تفصیلات ابھی تک دستیاب نہ ہو سکیں جو تاریخ فقہ و حدیث کا اہم ترین باب ہے۔ رحمہم اللہ کلہم رحمۃ واسعة (جامع المسانید، جواہر مضیۃ و حدائق حنفیہ)

۵۵- امام خالد بن سلیمان بلخی (م ۱۹۹ھ عمر ۸۲ سال)

محدث و فقیہ امام اعظم کے تلامذہ میں سے اہل بلخ کے امام اور شرکاء مجلس تدوین فقہ میں تھے نیز امام صاحب نے ان میں افتاء کی صلاحیت دیکھ کر فتویٰ نویسی میں ان کو مختص بنایا تھا، محمد بن طلحہ شیخ بخاری کے استاد ہیں، لہذا امام بخاری کے شیخ الشیخ ہیں اور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مسانید میں روایت حدیث کرتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (جامع المسانید، جواہر و حدائق)

۵۶- امام عبد المجید بن عبد الرحمن الکوفی فی الحمانی (م ۲۰۲ھ)

محدث جلیل القدر، فقیہ عالی مرتبت امام اعظم کے اصحاب و تلامذہ حدیث و فقہ میں سے اور شریک تدوین فقہ تھے، امام صاحب کے علاوہ امام اعظم اور ثوری سے بھی حدیث پڑھی، امام اعظم سے جامع المسانید میں ان کی روایات ہیں (جواہر مہیہ و جامع المسانید ص ۵۰۹ ج ۲) امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے رجال میں ہیں، ابن معین نے ثقہ کہا، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، ابن عدی نے کہا کہ ان سے اور ان کے بیٹے سے حدیث لکھی جاتی ہے۔ (تہذیب)

آپ کے صاحبزادے حافظ کبیر امام یحییٰ بن عبد الحمید الحمانی الکوفی صاحب المسند ہیں (م ۲۲۸ھ) ابو حاتم کہتے ہیں کہ میں نے ان کے بارے میں سید الحافظ ابن معین سے سوال کیا تو فرمایا ان کے بارے میں کیا بات ہے کیوں پوچھتے ہو، پھر اچھی رائے ظاہر کی اور فرمایا کہ اپنی مسند کی چار ہزار احادیث بے تکلف مع سندوں کے زبانی پڑھتے چلے جاتے تھے اور تین ہزار احادیث شریک سے روایت کی ہوئی سنادیتے تھے۔ (تذکرۃ الحافظ)

۵۷- امام حسن بن زیاد لولوی (م ۲۰۴ھ)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ و اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے بڑے بیدار مغزخ فقیہ و دانشمند اور محدث تھے، یحییٰ بن آدم کا قول ہے کہ میں نے آپ سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا، حتیٰ کہ بعض لوگوں نے امام محمد سے بھی زیادہ فقیہ کہا ہے، سنت رسول ﷺ کے بڑے عامل تھے، حدیث میں ہے کہ ”اپنے غلاموں کو بھی اپنا جیسا پہناؤ“ تو امام حسن ہمیشہ اپنے غلاموں کو بھی بالکل اپنے ہی جیسے کپڑے پہناتے تھے، امام ابو یوسف اور امام زفر سے فقہی مسائل میں رجوع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام ابو یوسف امام زفر سے زیادہ طالبین کے حق میں با حوصلہ ہیں۔

محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ امام حسن بن زیاد فرماتے تھے کہ میں نے ابن جریج سے بارہ ہزار احادیث لکھیں ان سب کی مراد سمجھنے میں فقہاء کی ضرورت ہے، سمعانی نے کہا کہ حسن امام ابو حنیفہ کی حدیثی روایات کے بڑے عالم اور خوش خلق تھے، شمس اللامہ سرحسی نے فرمایا کہ حسن فن سوال و تفریح مسائل میں سب کے پیشرو تھے، جامع المسانید امام اعظم کی ساتویں مسند ان ہی کی تالیف ہے۔

امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ حسن مولیٰ انصار اور امام ابو حنیفہ سے روایت حدیث کرنے والے ہیں، خطیب نے لکھا کہ حفص بن غیاث کی وفات ۳۷ھ میں ہوئی تو ان کی جگہ حسن بن زیاد قاضی بنائے گئے، لیکن قضاء ان کے موافق نہ آئی امام داؤد طائی نے ان کو کہلا کر بھیجا ”تمہارا بھلا ہو! قضاء موافق نہ آئی، مجھے امید ہے کہ خدا نے اس سے نا موافقت سے تمہارے لئے بڑی خیر کا ارادہ کیا ہے، مناسب ہے کہ اس سے استعفیٰ دیدو“ چنانچہ آپ نے استعفا دے دیا اور راحت پائی۔

اس نا موافقت کی تفصیل بھی عجیب ہے، سمعانی نے لکھا ہے کہ جب قضاء کے لئے بیٹھے تو خدا کی شان، اپنا سارا علم بھول جاتے حتیٰ

کہ اپنے اصحاب سے مسئلہ پوچھ کر حکم دیتے اور جب اجلاس سے اٹھتے تو تمام علوم متحضر ہو جاتے، چالیس سال تک افتاء کا کام کیا، ایک دفعہ کسی مسئلہ میں غلطی ہو گئی، مستفتی کے واپس ہو جانے کے بعد احساس ہوا تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ اس سے واقف نہ تھے، بالآخر منادی کرائی کہ فلاں روز فلاں مسئلہ میں غلطی ہوئی تاکہ وہ شخص آکر صحیح مسئلہ سمجھ لے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (جوہر، جامع المسانید و حدائق)

۵۸- امام ابو عاصم النبیل ضحاک بن مخلد بصری (م ۲۱۲ھ عمر ۹۰ سال)

امام اعظم کے تلامذہ و اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے محدث ثقہ، فاضل معتمد، فقیہ کامل تھے، امام شعبہ، ابن جریج، ثوری اور جعفر بن محمد وغیرہ سے روایت کی، اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی، لقب نبیل مشہور ہوا جس کی متعدد وجوہ جوہر مضیہ وغیرہ میں لکھی ہیں، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کو حافظ حدیث اور شیخ الاسلام کے لقب سے ذکر کیا اور احادیث الثابت کہا اور یہ بھی لکھا کہ ان کے ثقہ ہونے پر سب کا اجماع و اتفاق ہے، عمر بن شہبہ نے کہا واللہ! میں نے ان جیسا نہیں دیکھا، امام بخاری نے کہا کہ میں نے امام ابو عاصم سے سنا فرماتے تھے ”جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ غیبت حرام ہے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی“ ابن سعد نے کہا کہ آپ فقیہ ثقہ تھے۔ (جوہر مضیہ) مسانید امام اعظم میں آپ نے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت حدیث کی ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔

۵۹- امام مکی بن ابراہیم بلخی (متوفی ۲۱۵ھ)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے جلیل القدر امام حافظ حدیث و فقیہ تھے، خطیب نے لکھا کہ آپ سے امام احمد وغیرہ نے روایت کی اور خلاصہ میں ہے کہ امام بخاری، ابن معین، ابن ثنی اور ابن بشار نے آپ سے روایت کی، امام بخاری کے کبار شیوخ میں تھے اکثر ثلاثیات ان ہی سے روایت کی ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ سے مسانید میں آپ نے کثرت سے روایت کی ہے، امام بخاری نے لکھا کہ مکی بن ابراہیم نے بہز بن حکیم، عبداللہ ابن سعید بن ابی ہند اور ہشام بن حسان سے حدیث سنی۔ (جامع المسانید) امام اعظم سے حدیث سننے کا ذکر نہیں کیا حالانکہ مسانید کے رواۃ میں سے ہیں، اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی، رحمہم اللہ کلہم اجمعین رحمۃ واسعة الی ابدالآباد، آمین۔

۶۰- امام حماد بن دلیل قاضی المدائن

امام و فقیہ، محدث، صدوق تھے، امام اعظم کے ان بارہ اصحاب میں سے ہیں جن کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ قضاء کی صلاحیت رکھتے ہیں اور تقریباً سب ہی قضاء کے اعلیٰ عہدوں پر فائز بھی ہوئے جو ان حماد کے علاوہ یہ ہیں۔

قاضی ابو یوسف، قاضی اسد بن عمر والجبلی، قاضی حسن بن زیاد، قاضی نوح بن ابی مریم، قاضی نوح بن دراج، قاضی عافیہ، قاضی علی بن طہیان، قاضی علی بن حرمہ، قاضی قاسم بن معن، قاضی یحییٰ بن ابی زائدہ۔

آپ کی کنیت ابو زید تھی صغار تبع تابعین میں سے تھے حدیث میں امام اعظم، سفیان ثوری اور حسن بن عمارہ وغیرہ کی شاگردی کی فقہ میں تخصص امام صاحب کی وجہ سے حاصل ہوا، جب کوئی شخص حضرت فضیل بن عیاض سے مسئلہ پوچھتا تو وہ فرماتے کہ ابو زید سے دریافت کرو، محدث احمد بن ابی الحوار، اسحاق بن عیسیٰ الطباع اور اسد بن موسیٰ وغیرہ نے ان سے روایت حدیث کی۔

ابن حبان نے ان کو ثقافت میں ذکر کیا، مزنی نے تہذیب میں امام یحییٰ سے بھی توثیق ذکر کی، امام ابو داؤد نے فرمایا کہ ان سے روایت درست ہے اور اپنی سنن میں ان سے روایت بھی کی، محمد بن عبداللہ موصلی نے بھی ان کو ثقافت میں گنایا، ایک مدت تک مدائن کے قاضی رہے،

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (جو اہر مضیہ وحدائق حنفیہ)

امام اعظم کے ۱۶ شیوخ کبار کے بعد امام صاحب کا تذکرہ ہوا پھر باقی تین ائمہ متبوعین کا تذکرہ ہوا، ان کے بعد امام صاحب کے ۴۰ شرکاء تدوین فقہ کے حالات مذکور ہوئے اور اب دوسرے محدثین کے ضروری علمی حالات درج ہو رہے ہیں، ترتیب ”وفیات“ کے لحاظ سے رکھی گئی ہے۔

۶۱- امام سعد بن ابراہیم زہری (م ۱۳۵ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے، مجمع علیہ ثقیق، صدوق، کثیر الحدیث تھے، البتہ امام مالک ان سے ناخوش تھے اور روایت بھی نہ کرتے تھے اس لئے کہ انہوں نے امام مالک کے نسب سے کچھ کلام کیا تھا، امام احمد سے کہا گیا کہ امام مالک ان سے روایت نہیں کرتے تو فرمایا ”اس بات کی طرف کون التفات کر سکتا ہے جب کہ وہ ثقہ، رجل صالح تھے، محدث معیطی نے ابن معین سے کہا کہ امام مالک سعد میں کلام کرتے ہیں جو سادات قریش سے تھے اور ثور و داؤد بن الحصین سے روایت کرتے ہیں جو خارجی خبیث تھے، یحییٰ سے کہا گیا کہ لوگ سعد میں کلام کرتے ہیں کہ وہ قدری تھے اور امام مالک نے ان سے روایت نہیں کی تو فرمایا کہ غلط ہے وہ قدری نہیں تھے اور امام مالک نے ترک روایت بوجہ نسب مالک میں کلام کرنے کے کیا ہے، حالانکہ وہ مثبت ہیں کوئی شک اس میں نہیں ہے۔ (تہذیب ص ۴۶۳ ج ۳)

جس طرح حضرت سعد کی طرف سے امام احمد اور یحییٰ وغیرہ نے دفاع کیا اور امام مالک جیسے جلیل القدر مسلم امام کی تنقید بھی بے تکلف رد کر دی گئی کیا اسی طرح امام اعظم و اصحاب کے بارے میں بے تحقیق و متعصبانہ اقوال کا رد اور ان حضرات کی طرف سے دفاع ضروری نہیں تھا؟ تھا اور ضرور تھا اور اسی لئے ہر مذہب کے ائمہ کبار نے اس ضرورت کا احساس کیا، جزا ہم اللہ خیر الجزاء ویرحمہم اللہ کلہم رحمۃ واسعۃ۔

صلت بن الحجاج الکوئی (م ۱۰۰ھ)

عطاء بن ابی رباح، یحییٰ کندی، حکم بن عتیہ وغیرہ سے روایت کی، ابن حبان نے آپ کو ثقافت میں ذکر کیا اور کہا کہ ایک جماعت تابعین سے روایت کرتے ہیں اور آپ سے اہل کوفہ نے روایت کی ہے، بخاری میں تعلیقاً آپ سے روایت ہے۔ (تہذیب ص ۴۳۳ ج ۴) محدث خوارزمی نے لکھا کہ امام بخاری نے ذکر کیا کہ آپ نے یحییٰ الکوئی سے روایت کی اور آپ سے یحییٰ القطان نے روایت کی، پھر لکھا کہ امام اعظم سے بھی مسانید میں روایت حدیث کی ہے۔ (جامع المسانید) رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۶۳/۱- امام ابراہیم بن میمون الصانع ابو اسحاق الخراسانی (م ۱۳۱ھ)

مشہور محدث، زاہد و عابد و متورع تھے، امام اعظم، عطاء بن ابی رباح، ابو اسحاق، ابو الزبیر اور نافع سے حدیث روایت کی اور ان سے داؤد بن ابی الفرات، حسان بن ابراہیم کرمانی اور ابو حمزہ نے روایت کی، ابو مسلم خراسانی کو دو بد و سرزنش کی اور بے خوف کلمہ حق کہا جس کی پاداش میں اس نے شہید کر دیا۔

عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے امام صاحب کو ان کے شہید ہونے کی خبر ملی تو سخت غمگین ہوئے اور بہت روئے حتیٰ کہ ہم لوگوں کو خوف ہوا کہ اس صدمہ سے آپ کی وفات ہو جائے گی، میں نے تنہائی میں سوال کیا تو فرمایا کہ یہ شخص بہت سمجھدار عاقل تھا مگر اس کے انجام سے پہلے ہی ڈرتا تھا، میں نے عرض کیا! کیا صورت ہوئی تو فرمایا کہ میرے پاس آتے تھے علمی سوالات حل کرتے تھے خدا کی اطاعت میں بڑے اولوالعزم تھے اور بڑے ہی متورع تھے میں ان کو کھانے کے لئے کچھ پیش کرتا تو اس کے بارے میں بھی مجھ سے بھی تحقیق کرتے اور بہت کم کبھی کھاتے تھے، مجھ سے امر بالمعروف و نہی منکر کے بارے میں بھی پوچھتے تھے پھر ہم دونوں نے متفق ہو کر طے کیا کہ یہ خدا کا ایک فریضہ ہے،

انہوں نے کہا کہ لائیے! میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، میں نے کہا کہ ایک آدمی کے کرنے کا یہ کام نہیں ہے اس کی جان جائیگی اور اصلاح کچھ بھی نہ ہوگی، ہاں اگر کچھ اعوان و انصار نیک لوگوں میں سے میسر ہو جائیں اور ایک شخص سردار ہو جائے جس کے دین پر اطمینان ہو تو ضرور نفع کی توقع ہے، لیکن وہ برابر جب آتے مجھ پر زور ڈالتے اور سخت تقاضہ کرتے کہ ایسا ضرور ہو جانا چاہئے، میں سمجھتا تھا کہ یہ کام ایک کے بس کا نہیں، انبیاء علیہم السلام بھی جب تک ان کے ساتھ آسمانی نصرت کا وعدہ نہیں ہو گیا اس کا تحمل نہ فرما سکے، یہ وہ فریضہ نہیں ہے کہ اس کو ایک شخص پورا کر دے ورنہ وہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دے گا۔

پھر وہ مرو گئے اور ابو مسلم خراسانی کو سخت باتیں بر ملا کہیں، اس نے پکڑ لیا اور قتل کرنا چاہا مگر خراسان کے سارے فقہاء و عباد جمع ہو گئے اور ان کو چھڑوا لیا، اسی طرح دوسری و تیسری مرتبہ بھی ابو مسلم کو ڈانتے رہے اور کہا کہ تیرے مقابلہ میں جہاد سے زیادہ کوئی نیکی میرے لئے نہیں ہے لیکن میرے پاس کوئی مادی طاقت نہیں، اس لئے زبان سے ضرور جہاد کروں گا، خدا مجھے دیکھتا ہے کہ میں تجھ سے صرف خدا کے لئے بغض رکھتا ہوں، ابو مسلم نے قتل کر دیا۔

ابوداؤد نسائی اور بخاری نے تعلیقاً ان سے روایت کی، علامہ خورازمی نے فرمایا کہ باوجود اس کے کہ بخاری و مسلم کے شیوخ تھے، امام صاحب سے مسانید میں روایت کرتے ہیں، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (جوہر مضیہ و مسانید)

۶۳/۲ - شیخ ابوبکر بن ابی تیمیہ السخنیانی (م ۱۳۱ھ)

حضرت انسؓ کو دیکھا، کبار تابعین سے استفادہ کیا، سید الفقہاء نہایت متبع سنت اور سید شباب اہل بصرہ تھے، (شروح البخاری ص ۱۳۸ ج ۱) زہاد کبار تابعین میں سے تھے، امام اعظم کے استاذ حدیث تھے (جامع المسانید ص ۳۸۳ ج ۲ و فتح المسلمین ص ۲۱۶ ج ۱)

۶۴ - امام ربیعۃ بن ابی عبد الرحمن المدنی المعروف بربیعۃ الرایء (م ۱۳۶ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے جلیل القدر امام حدیث، امام احمد، عجل، ابو حاتم نسائی نے ثقہ کہا، یعقوب بن شیبہ نے ثقہ، ثبت اور مفتی مدینہ کہا، مصعب زبیری نے کہا کہ بعض صحابہ اور کبار تابعین کو پایا، مدینہ میں صاحب فتویٰ تھے بڑے بڑے شیوخ اہل علم آپ کے پاس استفادہ کے لئے بیٹھتے تھے۔ آپ سے امام مالک نے بھی علم حاصل کیا، سوار قاضی کا قول ہے کہ میں نے ان سے زیادہ عالم نہیں دیکھا نہ حسن کو نہ ابن سیرین کو ماشون نے کہا کہ ان سے زیادہ سنت کا حافظ میں نے نہیں دیکھا۔

عبید اللہ بن عمر نے فرمایا کہ وہ ہمارے مشکلات مسائل حل کرنے والے اور ہم سب سے زیادہ علم و فضل والے تھے، تعارض احادیث کے وقت آثار صحابہ سے ایک جہت کو ترجیح دیتے اور آثار صحابہ کے تعارض کے موقع پر قیاس سے ترجیح دیتے تھے اس لئے ”ربیعۃ الرایء“ کے نام سے مشہور ہوئے اور یہ ان کو بطور مدح کے کہا جاتا تھا۔

بعینہ یہی طریقہ امام اعظم کا بھی تھا مگر مخالفوں نے آپ کو مطعون کیا، حاسدوں نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو اصحاب رائے بطور طنز کہا حالانکہ اخذ قیاس بمقابلہ حدیث اور ترجیح بعض احادیث و آثار ذریعہ قیاس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

”الاثمار الجدیۃ فی طبقات الحنفیہ (قلمی نسخہ مکتبہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ) میں ہے کہ یہ ربیعہ امام صاحب کے اصحاب میں سے تھے اور امام صاحب سے مسائل میں بحث و مباحثہ کر کے استفادہ کرتے تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۶۵ - امام عبد اللہ بن شبرمۃ ابو شبرمۃ الکوفی (م ۱۴۴ھ)

اکابر و اعلام میں سے تھے، قاضی کوفہ ہے، حضرت انسؓ، ابو الطفیل، شعبی اور ابو زرہ وغیرہ سے روایت کی، آپ سے دونوں سفیان،

شعبہ اور ابن مبارک وغیرہ نے روایت کی، عجلی نے کہا کہ فقیہ، عاقل، عقیف، ثقہ، شاعر، حسن الخلق اور سخی تھے، امام اعظم ابوحنیفہؒ سے استفادہ کرتے تھے (جواہر مضیہ ص ۵۴۷ ج ۲)

نقل ہے کہ قضاء کو قبول نہ کرنے پر امام صاحب پر مظالم ہوئے تو ابن ابی لیلیٰ نے شامت کا اظہار کیا، ابن شہر مہ کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور فرمایا کہ معلوم نہیں یہ شخص ایسی بات کیوں کہتا ہے، ہم تو دنیا کے طلب کرنے میں ہیں اور ان کے (امام صاحب) کے سر پر کوڑے لگتے ہیں کہ کسی طرح دنیا کو قبول کر لیں تب بھی قبول نہیں کرتے۔ (جواہر ص ۵۰۵ ج ۲)

۶۶- حافظ حدیث، حجة، امام ہشام بن عروہ بن الزبیر بن العوام الاسدی المدنی (۱۴۶ھ عمر ۸۰ سال)
مشہور محدث و فقیہ، راوی صحاح ستہ علماء نے ثقہ، مثبت، کثیر الحدیث، حجت، امام حدیث لکھا، امام صاحب نے مسانید میں آپ سے روایت کی، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور متقن، ورع، فاضل حافظ کہا، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (امانی الاحبار)

۶۷- امام جعفر بن محمد بن علی بن الحسن بن علی ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین (م ۱۴۸ھ)
کنیت ابو عبد اللہ، لقب صادق تابعین و سادات اہل بیت نبوت سے، مشہور و معروف، امام عالی مقام، حدیث اپنے والد ماجد وغیرہ سے سنی اور آپ سے بھی ائمہ اعلام نے سماع حدیث کی سعادت حاصل کی جیسے یحییٰ بن سعید، ابن جریج، شعبہ، امام مالک، ثوری، ابن عیینہ اور امام ابوحنیفہ نے۔ ولادت ۸۰ھ (اکمال فی اسماء الرجال لصاحب مشکوٰۃ)

ابتداء میں امام اعظم صاحب سے بدظن رہے پھر امام صاحب نے بالمشافہ تمام اعتراضات کے جوابات دیئے تو بہت مطمئن اور خوش ہوئے اور اٹھ کر امام صاحب کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس کے بعد ہمیشہ امام صاحب کے علم و فضل کی مدح فرماتے رہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة، امام بخاری نے وفات ۱۴۰ھ میں نقل کی، رجال مشکوٰۃ میں ہیں اور امام اعظم نے مسانید میں ان سے روایت حدیث کی، تمام اکابر مفسر نے ان کو ثقہ لکھا ہے، بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سے بخاری نے روایت نہیں کی تو امام صاحب کی اس سے کسر شان نہیں ہو سکتی، جس طرح بخاری نے امام جعفر سے روایت نہیں کی، حالانکہ ان کی جلالت قدر اور ثبوت و ثقہ ہونے سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم

۶۸- امام زکریا بن ابی زائدہ خالد بن میمون بن فیروز الہمدانی کوفی (م ۱۴۹ھ)
رواة صحاح ستہ میں سے محدث و فقیہ، ثقہ، صالح، کثیر الحدیث تھے، کوفہ کے قاضی رہے۔ امانی الاحبار علامہ خوارزمی نے فرمایا کہ باوجود شیوخ شیخین میں سے ہونے کے امام صاحب سے مسانید میں روایت کرتے ہیں۔

۶۹- عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج المکی (م ۱۵۰ھ)

حدیث طاؤس، مجاہد و عطاء سے سنی اور آپ سے ثوری، قطان، یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ نے روایت کی، رواة صحاح ستہ میں ہیں، رومی الاصل تھے۔ (تاریخ بخاری)

علامہ خوارزمی نے فرمایا کہ یہ امام ائمہ الحدیث اور شیخ اکبر شیوخ بخاری و مسلم ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ سے مسانید امام میں روایات حدیث کی ہیں، امام شافعی کے بھی شیخ الشیوخ ہیں اور امام شافعی نے اپنی مسند میں بواسطہ مسلم بن عبد الحمید ان ہی ابن جریج سے مسیح علی الخفین کی حدیث مغیرہ بن شعبہ روایت کی ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (جامع المسانید ۵۱۱ ج ۲)

۷۰۔ (صاحب مغازی) محمد بن اسحاق بن یسار ابو بکر المطلبی (م ۱۵۱ھ)

سواء امام بخاری کے باقی اصحاب صحاح نے ان سے روایت کی ہے، البتہ بخاری نے رسالہ جزء القراءة میں روایت کی ہے، آپ نے حضرت انس بن مالک صحابی کو دیکھا ہے، صاحب مغازی مشہور ہوئے، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ طبقہ خامسہ میں ذکر کیا ہے، لیکن حدیث میں غیر متقن کہا اور ان کی حدیث کو مرتبہ صحت سے نازل قرار دیا، یحییٰ بن معین نے کہا کہ ثقہ ہیں مگر حجت نہیں، علی بن مدینی نے کہا کہ ان کی صحت میرے نزدیک صحیح ہے، نسائی نے ضعیف کہا، دارقطنی نے لائحہ بہ کہا، امام مالک ان سے ناخوش ہیں اس لئے دجال من الدجاجلہ کہا، علی بن مدینی سے کہا گیا کہ امام مالک ایسا کہتے ہیں تو کہا کہ امام مالک ان کے ساتھ نہیں بیٹھے اور ان کو نہیں پہچانتے، شعبہ، عجل، ابو زرہ اور ابن مبارک نے بھی توثیق کی، یہاں سے علی بن مدینی کا جواب مذکور یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ امام اعظم اور ان کے بہت سے اصحاب پر بھی ریمارک کرنے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے ان کے ساتھ مجالست نہیں کی اور نہ ان کو پہچانا، والناس اعداء ما جہلوا، محمد بن اسحاق نے امام صاحب سے بھی حدیث سنی اور مسانید امام میں ان کی روایات موجود ہیں۔

۷۱۔ شیخ ابو النصر سعید بن ابی عروبہ (م ۱۵۶ھ)

معانی الآثار اور صحاح ستہ کے رواۃ میں سے مشہور محدث ہیں، امام احمد نے فرمایا کہ سعید لکھتے نہیں تھے ان کا سارا علم سینہ میں محفوظ تھا، ابن معین، نسائی، ابو زرہ نے ثقہ کہا، ابو عوانہ نے کہا کہ ہمارے زمانہ میں ان سے زیادہ حافظ حدیث کوئی نہ تھا، ابن سعد نے ثقہ کثیر الحدیث کہا، آخر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، اس لئے بعد اختلاط کی روایات غیر معتمد قرار پائیں یہ بھی کہا گیا کہ قدری عقیدہ رکھتے تھے، واللہ اعلم، امام اعظم سے بھی مسانید میں روایت کرتے ہیں۔ (جامع المسانید و الامانی الاحبار) ابن سیرین اور قتادہ سے بھی حدیث میں تلمذ ہے۔

۷۲۔ امام ابو عمرو عبد الرحمن بن عمرو بن محمد اوزاعی (ولادت ۸۸ھ م ۱۵۶ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے مشہور و معروف محدث و فقیہ شام تھے، بہت بڑے فصیح اللسان تھے، ابن مہدی کا قول ہے کہ شام میں ان سے بڑا عالم سنت کوئی نہ تھا، ابن عیینہ نے ان کو علم اہل زمانہ، ذہبی نے افضل اہل زمانہ، نسائی نے امام فقیہ اہل شام اور ابن عجلان نے فصیح الامۃ کہا، فلاس، یعقوب، عجل، ابن معین، ابن سعد وغیرہ نے ثقہ، مثبت، صدوق، فاضل، کثیر الحدیث، کثیر العلم والفقہ کہا (امانی الاحبار) مجتہد تھے، جن کی تقلید ایک عرصہ تک شام اور اندلس میں رائج رہی ملک المحدثین امام الجرح والتعديل یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ علماء چار ہیں، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی۔ (بدایہ نہایہ حافظ ابن کثیر ص ۱۱۶ ج ۱) یہ امام اوزاعی شروع میں امام صاحب کے حالات سن کر بدظن تھے، ابن مبارک شام گئے اور صحیح حالات بتلائے پھر خود بھی امام اوزاعی امام صاحب سے مکہ معظمہ میں ملے، علمی مذاکرات و مباحثات کئے تو امام صاحب کے بیحد مداح ہوئے اور اپنی سابق بدظنی پر بہت نادام و متاسف ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

۷۳۔ محدث کبیر محمد بن عبد الرحمن بن ابی الذئب القرشی العامری (ولادت ۸۰ھ متوفی ۱۵۹ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے مشہور محدث تھے، امام احمد نے فرمایا کہ ابن ابی ذئب نے اپنا مثل نہ اپنے بلاد میں چھوڑا نہ دوسروں میں اور وہ صدوق تھے، امام مالک سے بھی افضل سمجھے جاتے تھے لیکن امام مالک تنقیح رجال میں ان سے زیادہ محتاط تھے کیونکہ ابن ابی ذئب اس بارے میں تعق نہیں کرتے تھے کہ کس سے روایت کر رہے ہیں، سب نے ثقہ، صدوق کہا، مگر بعض نے ان کی طرف قدری عقیدہ منسوب کیا ہے، یہ

بھی کہا گیا ہے کہ یہ صرف تہمت تھی درحقیقت وہ قدری نہ تھے۔ واللہ اعلم رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ (امانی الاحبار)

۷۴- امیر المؤمنین فی الحدیث شعبۃ بن الحجاج (م ۱۶۰ھ عمر ۷۸ سال)

اصحاب ستہ کے روادے میں سے ہیں فن رجال اور حدیث کی بصیرت و مہارت میں بقول امام احمد فرد کامل تھے، حفظ حدیث، اصلاح و تثبت میں سفیان ثوری سے فائق تھے، حماد بن زید کا قول ہے کہ کسی حدیث کے بارے میں اگر شعبہ میرے ساتھ ہوں تو مجھے کسی کی مخالفت کی پروا نہیں البتہ وہ مخالف ہوں تو اس کو ترک کر دیتا ہوں۔

شیخ صالح جزرہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے رجال میں شعبہ نے کلام کیا پھر قطان نے پھر امام احمد اور یحییٰ بن معین نے، ابن سیرین، قتادہ ابو اسحاق سبعی، سلمہ بن کہیل اور ان کے طبقہ کے دوسرے اکابر سے حدیث سنی اور ان سے ایوب سختیانی، اعمش، محمد بن اسحاق، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک یزید بن ہارون وغیرہ نے حدیث روایت کی، امام اعظم کے بڑے مداح تھے اور باوجود اس کے کہ وہ اکثر شیوخ بخاری و مسلم کے شیخ تھے امام صاحب سے مسانید میں روایت حدیث کرتے ہیں، امام صاحب سے خاص تعلق رکھتے اور غائبانہ تعریف کیا کرتے تھے، ایک دفعہ فرمایا ”جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے، اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہمنشین ہیں، امام صاحب کے بارے میں جب بھی کوئی آپ سے حالات دریافت کرتا تو امام صاحب کے مناقب کثرت سے بیان کرتے تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (موفق وغیرہ)

۷۵- محدث شہیر اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبعی کوفی (م ۱۶۰ھ)

ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ السبعی جو کبار تابعین سے اور امام اعظم کے شیوخ میں ہیں یہ اسرائیل ان کے پوتے ہیں، انہوں نے حدیث امام اعظم نیز اپنے دادا اور دوسرے اکابر سے سنی، اصحاب صحاح ستہ نے ان سے تخریج کی، حفظ حدیث میں مشہور تھے، خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنے دادا ابو اسحاق کی حدیثیں اس طرح یاد ہیں جیسے قرآن مجید کی کوئی سورت یاد ہوتی ہے۔

سید الحافظ ابن معین اور امام احمد نے ان کو شیخ وقت اور ثقہ کہا اور ان کے حفظ سے تعجب کیا کرتے تھے، یہ بھی کہا کہ اسرائیل تنہا بھی کسی حدیث کی روایت کریں تو وہ معتمد ہیں، ابو حاتم نے ثقہ صدوق کہا عجلی نے ثقہ کہا، ابن سعد نے کہا کہ ثقہ ہیں اور ان سے بہ کثرت لوگوں نے روایت حدیث کی ہے۔

امام اعظم کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ امام صاحب بڑی خوبیوں کے مالک تھے اور ان کی منقبت یہی کیا کم ہے کہ وہ اپنے استاد اور مسلم فقیہ زمان امام حماد سے بھی زیادہ فقیہ ہیں، یہ شہادت اسرائیل بن یونس کی ہے جو امام کعب اور عبدالرحمن بن مہدی جیسے اکابر محدثین کے استاذ ہیں، جو اہر وغیرہ) محدث خوارزمی نے فرمایا کہ باوجود اس جلالت قدر کہ اسرائیل اعلام ائمة الدیث اور شیوخ مشائخ امام احمد و بخاری و مسلم میں سے ہیں امام اعظم سے ان مسانید میں روایت کرتے ہیں۔ (جامع المسانید ص ۳۸۹ ج ۲)

۷۶- شیخ ابراہیم بن ادہم بن منصور بلخی (م ۱۶۱ھ، ۱۶۲ھ)

ابو اسحاق کنیت تھی، مشہور زاہد و عابد بزرگ تھے، کوفہ آ کر امام ابوحنیفہ سے فقہ کی تحصیل کی اور پھر شام جا کر سکونت اختیار کی، علامہ کردری نے لکھا کہ امام صاحب کی صحبت میں رہے اور ان سے روایت حدیث بھی کی امام صاحب نے ان کو نصیحت فرمائی تھی کہ تمہیں خدا نے عبادت کی تو بہت کچھ توفیق بخشی ہے اس لئے علم کا بھی اہتمام کرنا چاہئے، کیونکہ وہ عبادت کی اصل ہے اور اسی پر سارے کاموں کی درستی کا مدار ہے، علامہ موفق نے لکھا کہ آپ نے امام ابوحنیفہ، اش، محمد بن زیاد اور ان کے اقران سے حدیث کا سماع کیا ہے اور آپ سے امام اوزاعی، ثوری،

شفیق بلخی وغیرہ نے روایت کی، آپ سے امام بخاری و مسلم نے غیر صحیح میں روایت کی ہے۔
امام ترمذی نے بھی کتاب الطہارۃ میں آپ سے ایک حدیث تعلیقاً نقل کی ہے، امام نسائی، دارقطنی، ابن معین و ابن نمیر نے مامون و ثقفہ کہا، یعقوب بن سفیان نے خیارنا فضل سے اور امام نسائی نے احد الزہاد فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۷۷۔ امام سفیان بن سعید بن مسروق ثوری (ولادت ۹۷ھ، م ۱۶۱ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے مشہور امام حدیث، عابد و زاہد اور مقتداء امام شعبہ، امام ابن عیینہ، ابو عاصم اور سید الحفاظ ابن معین وغیرہ اکابر علماء نے ان کو "امیر المؤمنین فی الحدیث" کے لقب سے یاد کیا، ابن مہدی نے کہا کہ وہب ان کو امام مالک پر بھی حفظ میں ترجیح دیتے تھے، یحییٰ القطان کا قول ہے کہ سفیان امام مالک سے ہر بات میں فائق ہیں، ابو حاتم، ابو زرہ اور ابن معین نے شعبہ پر حفظ میں ترجیح دی، خطیب نے کہا کہ سفیان امام تھے ائمۃ المسلمین میں سے اور علم تھے، اعلام دین میں سے، جن کی امامت پر سب کا اتفاق و اجماع ہے، امام نسائی نے فرمایا کہ ان کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ ان کو ثقہ کہا جائے وہ تو ان ائمہ میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں مجھے امید ہے کہ خدا نے ان کو متیقن کا امام بنایا ہے، بصرہ میں وفات پائی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ (امانی الاحبار)

یہ سب کے ممدوح و مسلم امام و مقتدا بھی امام ابو حنیفہ سے شروع میں بدظن رہے اور کچھ کلمات بھی کہے ہوں گے مگر پھر امام صاحب کے بے حد مداح ہو گئے تھے اور اپنی بعض باتوں پر، بلکہ اس پر بھی نادم تھے اور استغفار کیا کرتے تھے کہ دوسرے بے انصاف معاندین امام صاحب کے مقابلہ میں امام صاحب کی جانب سے جس قدر مدافعت کا حق تھا وہ ادا نہ ہو سکا اور امام صاحب بھی ان کے فضل و کمال کا اعتراف بر ملا کیا کرتے تھے، یہ امور دونوں کی مقبولیت عند اللہ کی بڑی دلیل معلوم ہوتی ہیں، رضی اللہ عنہم و رضوانہ امام صاحب سے روایت بھی کی ہے (تانیب ص ۱۶۰)

۷۸۔ امام ابراہیم بن طہمان (متوفی ۱۶۳ھ)

تذکرۃ الحفاظ میں الامام الحافظ، عالم خراسان لکھا، صحیح الحدیث اور کثیر الروایت تھے اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے روایت کی ہمیشہ ائمہ فن ان سے روایت حدیث کی رغبت کرتے تھے امام یحییٰ بن ائیم ان کو اوثق و اوسع فی العلم کہتے تھے، محدث ابو زرہ نے نقل کیا کہ ایک دفعہ امام احمد تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ کسی نے ابراہیم بن طہمان کا ذکر کیا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا "مناسب نہیں کہ صالحین کا ذکر ہو اور ہم تکیہ لگائے بیٹھے رہیں" تذکرہ تہیض میں ہے کہ ابراہیم موصوف امام اعظم کے شاگرد تھے، امام صاحب سے مسانید میں بہ کثرت روایات کی ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب ابراہیم کی اتنی عزت تھی تو ابراہیم جن کے سامنے مؤدب بیٹھ کر استفادہ کر چکے تھے ان کا ادب و احترام کتنا ہونا چاہئے مگر افسوس ہے کہ اس امام معظم کا کچھ لوگوں نے برائی سے ذکر کیا اور دوسروں کے لئے بری مثال قائم کی۔ اللہم وفقنا لما تحب و نرضی، وارنا الحق حقاً و الباطل باطلا، انک سمیع مجیب الدعوات۔

۷۹۔ امام حماد بن سلمہ (م ۱۶۷ھ)

کبار محدثین میں سے ہیں، جو ہر مضمیہ میں وفات کا ۱۶۷ھ اور امانی الاحبار میں ۱۶۶ھ میں نقل ہوا ہے، سواء امام بخاری کے باقی اصحاب صحاح ستہ نے ان سے تخریج کی ہے اور امام بخاری نے بھی تعلیقاً ان سے روایت لی ہے بصرہ میں ان کے اقران میں سے کوئی بھی علم و فضل، تمسک بالسنہ اور مخالفت اہل بدعت میں ان سے بڑھ کر نہ تھا، ابن مبارک نے فرمایا میں بصرہ گیا تو ان ہی کو سب سے زیادہ سلف کے طریقہ کا تتبع پایا حسنی تھے۔ (جوہر ص ۲۲۵ ج ۱)

ابن حبان نے عباد، زہاد اور مستجاب الدعوات حضرات میں شمار کیا اور کہا کہ جس نے ان کی حدیث روایت نہیں کی اس نے انصاف نہیں کیا اگر اس لئے ان سے روایت نہیں لی گئی کہ کوئی کوئی خطا ان سے ہوئی ہے تو ان کے اقران میں ثوری و شعبہ وغیرہ سے بھی خطا ہوئی ہے اور اگر کہا جائے کہ ان سے خطا زیادہ ہوئی تو یہ بات ابو بکر بن عیاش میں بھی ہے ان سے کیوں روایات لی گئیں۔

ابن حبان نے امام بخاری پر بھی تعریض کی کہ جس نے حماد بن سلمہ کو چھوڑ کر فلیج اور عبدالرحمن بن عبداللہ بن دینار کی احادیث سے احتجاج کیا اس نے بھی انصاف نہیں کیا، ابن سعد نے ثقہ، کثیر الحدیث، عجمی نے ثقہ، رجل صالح، حسن الحدیث کہا، امام اوزاعی، امام لیث، امام ثوری، ابن ماجہ، معمر و ہشام کے طبقہ میں تھے اور یہ سب اپنے دور کے ان لوگوں میں سے ہیں کہ جو بات کسی کے بارے میں جرح و تعدیل کے طور پر کہہ دیں تو وہ بات مسلم ہوتی تھی، امام حماد اور ابن ابی عمرو نے بصرہ میں تالیف و تدوین کا آغاز کیا تھا، رحمہ اللہ (امانی الاحبار)

۸۰- امام ابوالنضر جریر بن حازم الازدی البصری (م ۷۷۱ھ)

امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ امام جریر نے حدیث ابورجا اور ابن سیرین سے حاصل کی اور آپ سے امام سفیان ثوری اور امام ابن مبارک نے حدیث روایت کی، علامہ خوارزمی نے فرمایا کہ حدیث میں امام اعظم کے بھی شاگرد تھے اور امام صاحب سے مسانید میں احادیث کی روایت بھی کی ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (جامع المسانید ص ۲۲۰ ج ۲)

۸۱- امام ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمن مصری حنفی (ولادت ۹۲، ۹۳ھ، متوفی ۱۷۷ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے مشہور و معروف محدث جلیل و فقیہ نبیل جن کو اکثر اہل علم نے حنفی لکھا ہے اور قاضی زکریا انصاری نے ”شرح بخاری“ میں اس پر جزم کیا ہے، حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ امام اعظم کے تلمیذ ہیں، اکثر امام صاحب کی خبر سنتے کہ حج کے لئے آرہے ہیں تو یہ بھی حج کے لئے مکہ معظمہ پہنچتے اور امام صاحب سے مختلف ابواب کے مسائل دریافت کرتے تھے اور امام صاحب کی اصابتہ رائے اور سرعت جواب پر حیرت و استعجاب کیا کرتے تھے۔

امام لیث خود بھی ائمہ مجتہدین میں سے تھے، امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ لیث امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے مگر ان کے تلامذہ نے ان کو ضائع کر دیا، حافظ ابن حجر نے ”الرحمۃ الغیثیہ فی التریجمۃ للیثیہ“ میں لکھا کہ ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح امام مالک وغیرہ کی فقہان کے شاگردوں نے تدوین کی امام لیث کے تلامذہ نے نہیں کی، امام شافعی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کسی شخص کے متعلق ایسی حسرت نہیں ہے جیسی امام لیث کے متعلق ہے کہ میں نے ان کا زمانہ پایا اور پھر بھی ان کی زیارت نہ کر سکا (تقدمہ نصب الراہی، مناقب، موفق)

امام لیث کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک کے ستر مسائل ایسے شمار کئے جو سنت کے خلاف تھے چنانچہ میں نے اس بارے میں ان کو لکھ کر بھیج دیا ہے۔ (جامع بیان العلم ص ۱۲۸ ج ۲)

علماء فن رجال نے اپنے کو ثقافت و سادات اہل زمانہ میں سے اور فقیہ، متورع، علم و فضل اور سخاوت میں بے مثل لکھا ہے حافظ ذہبی نے لکھا کہ آپ کی سالانہ اسی ہزار دینار کی آمدنی تھی مگر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی تھی، روزانہ کا معمول تھا کہ جب تک ۳۶۰ مساکین کو کھانا کھلا دیتے خود نہیں کھاتے تھے، امام مالک نے ایک سینی میں کھجوریں آپ کے لئے بھیجیں تو آپ نے اس کو اشرفیوں سے بھر کر واپس کیا، منصور بن عمار نے کہا کہ میں لیث سے ملنے گیا تو مجھے ایک ہزار اشرفی ہدیہ کیں، امام صاحب سے مسانید میں روایت حدیث بھی کی ہے۔ (جوہر مضیہ و

حدائق الحنفیہ و جامع المسانید)

۸۲- امام حماد بن زیدؒ ۹۷ھ عمر ۸۱ سال

امام کبیر، محدث شہیر تلمیذ امام اعظم رضی اللہ عنہما احد الاعلام جن سے ائمہ ستہ نے روایت کی ہے ابن مہدی کا قول ہے کہ بصرہ میں ان سے زیادہ کوئی فقیہ نہ تھا اور نہ ان سے بڑا کوئی عالم سنت میں نے دیکھا۔ (جوہر ص ۳۱ ج ۱ و ۲۲۵ ج ۱)
تابعین اور مابعد تابعین سے روایت کی اور آپ سے ابن مبارک، ابن مہدی، ابن وہب، قطان، ابن عیینہ وغیرہ نے روایت کی، ابن مہدی کا قول ہے کہ ائمۃ الناس اپنے زمانہ میں چار تھے، سفیان ثوری کوفہ میں، امام مالک حجاز میں، اوزاعی شام میں اور حماد بن زید بصرہ میں، امام احمد نے فرمایا کہ حماد بن زید ائمۃ المسلمین میں سے تھے، خالد بن خدش کا قول ہے کہ حماد عقلاء اور ذوی الالباب سے تھے، یزید بن زریع نے موت پر کہا کہ سید المسلمین کی موت ہوئی، خلیلی نے کہا کہ متفق علیہ ثقہ تھے۔ (تہذیب ص ۹ ج ۳)

۸۳- شیخ جریر بن عبد الحمید الرازیؒ (ولادت ۱۱۸ھ)

مشہور محدث و فقیہ، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں الحافظ الحججہ، محدث الری لکھا، حدیث میں امام صاحب، یحییٰ بن سعید انصاری، امام مالک، ثوری اور اعمش کے شاگرد ہیں اور آپ سے ابن مبارک، اسحاق بن راہویہ، ابن معین، قتیبہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، امام احمد اور ابن مدینی نے حدیث روایت کی۔

محدثین نے ان کی ثقاہت، حفظ اور وسعت علم کی شہادت دی، ہبۃ اللہ طبری نے ان کی ثقاہت پر اتفاق نقل کیا، اصفہان کے ایک گاؤں آبہ میں پیدا ہوئے، کوفہ میں نشوونما ہوا، بعد کو "رے" میں سکونت اختیار کی، تمام ارباب صحاح ستہ نے آپ کی احادیث سے احتجاج کیا، اس جلالت قدر کے ساتھ امام صاحبؒ سے مسانید میں روایت کرتے ہیں، رحمۃ اللہ رحمۃ واسعة۔ (جوہر و جامع المسانید)

۸۴- امام ہشیم بن بشیر ابو معاویہ السلمی الواسطیؒ (ولادت ۱۰۴ھ ۱۸۳ھ)

ارباب صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں، امام حماد بن زید نے فرمایا کہ میں نے محدثین میں ان سے زیادہ بلند مرتبہ نہیں دیکھا، اسحاق زبیدی نے بیان کیا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، فرمایا کہ "ہشیم سے حدیث سنو وہ اچھے آدمی ہیں" عبدالرحمن بن مہدی نے فرمایا کہ ہشیم، سفیان ثوری سے بھی زیادہ حافظ حدیث تھے۔

امام احمد نے فرمایا کہ ہشیم کثیر التسلیح تھے، میں ان کی خدمت میں ۴-۵ سال رہا ان کی ہیبت و رعب کی وجہ سے اتنی مدت میں صرف ۲ بار سوال کر سکا۔ (امانی الاحبار)، محدث خوارزمی نے فرمایا کہ امام اعظم کے تلامذہ حدیث میں ہیں اور مسانید میں آپ سے روایت کرتے ہیں۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعة۔ (تاریخ کبیر بخاری ضمن تذکرہ امام اعظم و تذکرۃ الحفاظ)

۸۵- امام موسیٰ کاظم بن الامام جعفر صادقؒ (م ۱۸۳ھ)

کنیت ابو ابراہیم، تبع تابعین میں جلیل القدر محدث و فقیہ ہوئے، آپ کے فتاویٰ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں ہیں ایک مسند بھی آپ پر کی ہے جس کو ابو نعیم اصفہانی نے روایت کیا، ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی، رحمۃ اللہ رحمۃ واسعة

۸۶- شیخ عباد بن العوامؒ (م ۱۸۵ھ)

حدیث امام اعظم، حمیدی اور ابن ابی عروبہ وغیرہ سے سنی اور امام صاحب سے مسانید میں روایات بھی کی ہیں، امام ابن المدینی اور امام

بخاری وغیرہ نے امام صاحب کے تلامذہ حدیث میں ان کا اسم گرامی نقل کیا ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

۸۷- امام مغیرة بن مقسم الصنعی ابو ہاشم الکوئی (م ۱۳۶ھ جامع المسانید، ۱۸۶ھ جواہر مضیہ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے مشہور امام حدیث و فقہ ہیں، ابو بکر بن عیاش کا بیان ہے کہ میں نے سے زیادہ افقہ کسی کو نہیں پایا اس لئے ان ہی کی خدمت میں رہ پڑا، خود فرمایا کرتے تھے کہ جو چیز میرے کان نے سنی اس کو کبھی نہیں بھولا، ثقہ، کثیر الحدیث تھے امام صاحب کے حدیث و فقہ میں شاگرد تھے اور مسانید میں روایت بھی کی ہے، جریر بن عبد الحمید کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا مغیرہ مسائل میں بحث کرتے تھے اور جب کبھی کسی مسئلہ میں دوسرے محدثین ان سے خلاف کرتے تھے تو فرمایا کرتے تھے ”میں کیا کرو (یعنی کس طرح اس قول کو رد کر دوں) جب کہ یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے“۔ (امانی الاحبار و جواہر مضیہ ۸۷ ج ۲)

معلوم ہوا کہ اس زمانہ کے اکابر محدثین اس امر کو بہت مستبعد سمجھا کرتے تھے کہ امام صاحب کا قول حدیث صحیح کے خلاف ہو سکتا ہے۔

۸۸- امام ابراہیم بن محمد ابوالسحق الفزاری الشامی (م ۱۸۶ھ)

محدث شہیر، امام اوزاعی و ثوری سے حدیث سنی، امام صاحب سے بھی حدیث میں تلمذ کیا اور مسانید امام میں ان سے روایت کی حالانکہ خود امام شافعی کے شیوخ میں ہیں، امام شافعی نے اپنی مسند میں ان سے بہت سی روایات لی ہیں، نام سے ذکر کیا ہے، کنیت سے نہیں، امام بخاری و مسلم کے بھی شیوخ ہیں۔ (جامع المسانید و تاریخ بخاری)

۸۹- حافظ ابو بکر عبدالسلام بن حرب بن سلم نہدی کوئی (متوفی ۱۸۷ھ)

حافظ حدیث، ثقہ، مثبت، حجة، صدوق اور صحاح ستہ کے رواۃ میں ہیں، اصل سکونت بصرہ کی تھی، عجمی نے کہا کہ جس دن ابوالسحق سبعی کی وفات ہوئی اسی دن کوفہ پہنچے، بعض بغدادیوں نے آپ کی بعض احادیث میں کلام کیا مگر کوفیوں نے جو آپ کے احوال سے زیادہ باخبر تھے آپ کی توثیق پر اتفاق کیا ہے۔ (امانی الاحبار)

معلوم ہوا کہ اپنے اہل شہر کی توثیق دوسروں کی جرح پر مقدم ہے۔

۹۰- شیخ عیسیٰ بن یونس سبعی کوئی (اخواسرائیل) (متوفی ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۱ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے مشہور محدث، فقیہ، ثقہ، مثبت تھے، امام علی بن المدینی کا قول ہے کہ ایک بڑی تعداد ابناء کی ایسی ہے جو ان کے اباء سے زیادہ ہمارے نزدیک ثقہ ہیں اور ان ہی میں سے عیسیٰ بن یونس ہیں، خلیفہ امین و مامون نے ان سے حدیث پڑھی، مامون نے دس ہزار روپے بھیجے آپ نے واپس کر دیئے وہ سمجھا کہ کم سمجھ کر واپس کئے تو دس ہزار روپے بھیجے آپ نے فرمایا کہ حدیث رسول اکرم ﷺ پڑھا کر تو میں ایک چھدام یا ایک گھونٹ پانی کا بھی قبول نہیں کر سکتا، آپ نے ۴۵ حج کئے اور ۴۵ بار جہاد میں شرکت کی۔ (جواہر) علامہ خوارزمی نے فرمایا کہ محدثین کے یہاں بڑے جلیل القدر تھے اور امام صاحب سے ان مسانید میں روایت حدیث بھی کی ہے۔

۹۱- امام یوسف بن الامام ابی یوسف (م ۱۹۲ھ)

بڑے محدث و فقیہ تھے، فقہ و حدیث میں اپنے والد ماجد امام ابی یوسف اور یونس بن ابی اسحاق سبعی وغیرہ کے شاگرد ہیں، ہارون رشید نے امام ابو یوسف کی وفات کے بعد آپ کو قضا سپرد کی اور مدینہ طیبہ میں جمعہ کی امامت آپ سے کرائی، تا وفات قاضی رہے، امام اعظم کی

کتاب الآثار کو اپنے والد ماجد کے واسطے سے آپ نے روایت جمع کیا ہے۔
یہ کتاب بہترین کاغذ و طباعت سے مولانا ابوالوفاء صاحب نعمانی (دام فیضہم کی تعلیقات کے ساتھ ادارہ احیاء المعارف العثمانیہ حیدر
آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۹۲- شیخ ابوعلی شفیق بن ابراہیم بلخی (م ۱۹۴ھ)

امام ابو یوسف کے اصحاب و تلامذہ میں ہیں، آپ سے کتاب الصلوٰۃ پڑھی، عالم، زاہد، عارف و متوکل تھے، امام اعظم سے بھی روایت
حدیث کی ہے مدت تک ابراہیم بن ادہم کی خدمت میں رہ کر طریقت کا علم حاصل کیا، آپ کے تین سو گاؤں تھے سب کو فقراء پر تقسیم کر دیا،
آپ نے فرمایا کہ میں نے سترہ سو ساکنانہ سے علم حاصل کیا اور چند اونٹ کتابوں کے لکھے مگر خدا کی رضا مذکورہ چار چیزوں میں پائی حلال
روزی، اخلاص فی العمل، شیطان سے عداوت، موت سے موافقت۔ (حدائق الحنفیہ)

۹۳- شیخ ولید بن مسلم دمشقی (ولادت ۱۱۹ھ ۱۹۵ھ)

امام اعظم، امام اوزاعی اور ابن جریج وغیرہ سے حدیث سنی، اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے روایت کی ہے، شام کے مشہور عالم تھے، عجمی،
یعقوب بن شیبہ اور ابن سعد نے ثقہ، کثیر الحدیث کہا ان کے شاگرد امام احمد نے فرمایا کہ شامیوں سے روایت کرنے والے کوئی محدث اسماعیل بن
عیاش اور ولید سے بڑھ کر نہیں ہے اور ان سے زیادہ عقل والا میں نے نہیں دیکھا، علی بن مدینی نے فرمایا کہ شامیوں میں ان جیسا نہیں ہے محدث ابو
مسہر نے کہا کہ وہ ہمارے اصحاب ثقافت میں سے تھے اور ایک دفعہ فرمایا کہ حفاظ اصحاب میں سے تھے، محدث ابو زرعد نے کہا کہ ولید و کعب سے زیادہ
مغازی کے عالم تھے۔ (امانی الاحبار) محدث خوارزمی نے فرمایا کہ ولید نے امام اعظم سے مسانید میں روایت کی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۹۴- امام و حافظ حدیث اسحاق بن یوسف الازرق التتوخی الواسطی (تلمیذ امام اعظم ۱۹۵ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے، علم و حدیث کے مشہور گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، محدث و فقیہ کامل تھے، حدیث اعمش، زکریا بن ابی زائدہ،
سفیان یوزی اور شریک سے حاصل کی اور آپ سے امام احمد، ابن معین، عمرو الناقد اور ایک جماعت محدثین نے روایت کی۔ (تاریخ خطیب)
علامہ خوارزمی نے فرمایا کہ باوجود اس جلالت قدر کے کہ ان کے بڑوں کے شیوخ میں ہیں اپنے شیخ و استاذ امام ابو حنیفہ سے احادیث
کثیرہ مسانید امام میں روایت کی ہیں اور امام احمد نے بھی ان کے واسطے سے امام ابو حنیفہ سے احادیث روایت کی ہیں اور امام احمد ان کو قسم کھا
کر ثقہ کہا کرتے تھے، تہذیب الکمال اور تہذیب الصحیفہ میں بھی امام صاحب سے تلمذ کی تصریح ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۹۵- امام ابو محمد سفیان بن عیینہ کوفی (متوفی ۱۹۸ھ)

مشہور محدث، ثقہ، حافظ، فقیہ، امام، حجت، آٹھویں طبقہ کے کبار و اعیان میں سے تھے، ولادت کوفہ مورخہ ۱۵ شعبان ۶۰ھ میں اپنے
والد ماجد کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے گئے، ۲۰ سال کی عمر میں کوفہ آئے اور امام اعظم سے تحصیل علم و حدیث فقہ کی اور آپ سے مسانید وغیرہ
میں روایات بھی کیں، فرمایا کرتے تھے کہ امام صاحب ہی نے پہلے مجھے محدث بنایا، آپ عمرو بن دینار اور حمزہ بن سعید سے حدیث حاصل کی
اور امام جعفر صادق، زکریا بن ابی زائدہ، زہری، ابوالاسحاق سبعی، اعمش وغیرہ سے بھی۔

حافظ نے ۶۰ سے اوپر اکابر کے نام لکھے کہ ”وخلق لا یحسون“ کا جملہ لکھا مگر امام صاحب کا ذکر نہیں کیا، آپ کے تلامذہ میں ابن مبارک، وکعب،
قطان، عبدالرزاق، امام احمد، ابن معین، اسحاق بن راہویہ، ابوبکر و عثمان، ابن ابی شیبہ، احمد بن منیع وغیرہ کا ذکر کیا لیکن امام محمد و امام شافعی کا ذکر نہیں کیا۔

آپ سے اصحاب ستہ نے بھی بہ کثرت تخریج کی، امام شافعی کا قول ہے کہ اگر آپ اور امام مالک نہ ہوتے تو حجاز سے علم چلا جاتا یہ بھی فرمایا کہ امام مالک و سفیان برابر درجہ کے ہیں، بخلی نے کہا کہ آپ حسن الحدیث تھے اور حکماء اصحاب حدیث میں سے تھے، عبدالرحمن ابن مہدی کا قول ہے کہ میں حضرت سفیان بن عیینہ سے حدیث سنتا تھا پھر شعبہ کے پاس جاتا اور وہی احادیث سنتا تو ان کے لکھنے کی ضرورت نہ سمجھتا تھا۔ آپ نے ستر حج کئے، نسوی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت سفیان کی خدمت میں حاضر ہوا ان کے سامنے جو کی روٹی تھیں، فرمایا! ابو موسیٰ! چالیس سال سے یہی میرا کھانا ہے، بطور تواضع اکثر عیرتی کا ایک شعر پڑھا کرتے جس کا مطلب یہ ہے کہ ساری بستیاں بڑوں سے خالی ہو گئیں اس لئے میں بغیر سردار بنائے سردار بن گیا اور یہ بھی کیا کم نصیبی ہے کہ میں اکیلا سردار ہوں، آخری حج کے موقعہ پر فرمایا کہ اس مقام کا شرف ستر بار حاصل ہوا اور ہر مرتبہ دعا کرتا رہا کہ بارالہا! یہ حاضری آخری حاضری نہ ہو جائے لیکن اب اتنی دفعہ سوال کرنے کے بعد شرم آرہی ہے اور اسی سال وفات ہو گئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (تہذیب، جواہر مضیہ، حدائق)

۹۶- شیخ یونس بن بکیر ابو بکر الشیبانی الکوفی (م ۱۹۹ھ)

مشہور محدث تھے، امام اعظم، محمد بن اسحاق، ہشام بن عروہ اور شعبہ وغیرہ سے حدیث سنی اور آپ سے علی بن عبد اور عبید بن یعیش نے روایت کی، امام صاحب سے مسانید میں بکثرت روایت کی ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۹۷- امام عبداللہ بن عمر العمری (م ۱۹۹ھ)

امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب قرشی عدوی نے قاسم و نافع و سالم سے حدیث سنی اور آپ سے امام ثوری، شعبہ، ابن نمیر اور یحییٰ القطان نے حدیث روایت کی، محدث خوارزمی نے فرمایا کہ اس جلالت قدر کے ساتھ امام ابو حنیفہ سے ان کی مسانید میں روایت حدیث کرتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

۹۸- حافظ عبداللہ بن نمیر (م ۱۹۹ھ)

امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ حدیث عبداللہ العمری اور ہشام بن عروہ (ایسے کبار محدثین) سے حاصل کی، محدث خوارزمی نے فرمایا کہ علم حدیث میں اس مرتبہ جلیل پر تھے اور امام صاحب سے مسانید میں روایت حدیث کی ہے۔ تعمدہ اللہ بغفرانہ۔

۹۹- شیخ عمرو بن محمد الغنفری قرشی (م ۱۹۹ھ)

امام ابو حنیفہ، یونس بن ابی اسحاق، حنظلہ بن ابی سفیان، عیسیٰ بن طہمان، عبدالعزیز بن ابی رواد، ابن جریج، ثوری وغیرہ سے روایت کی، آپ سے اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی نے روایت کی، مسلم، سنن اربعہ اور بخاری میں تعلیقاً روایت ہے۔ (تہذیب ص ۹۸ ج ۸)

۱۰۰- امام عمرو بن ہشام بن قطن (م ۲۰۰ھ)

امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ عمرو بن ہشام بن قطن الزبیدی نے شعبہ سے حدیث سنی، امام شافعی و امام احمد کے شیوخ میں ہیں امام شافعی نے اپنی مسند میں آپ سے روایت کی ہے، باوجود اس جلالت قدر کے امام اعظم کے تلمیذ حدیث ہیں اور مسانید میں آپ سے روایات موجود ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (جامع المسانید)

۱۰۱- شیخ معروف کرخی (تلمیذ داؤد طائی تلمیذ الامام) (م ۲۰۰ھ)

مشہور مقتدائے طریقت، عارف اسرار و حقائق، قطب وقت اور مستجاب الدعوات تھے، امام داؤد طائی سے ظاہری و باطنی علوم حاصل

کئے شامی میں ہے کہ آپ سے ہی سری سقطی وغیرہ کبار مشائخ نے علوم ظاہر و باطن حاصل کئے، ایک واسطہ سے امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ جمعین وجعلنا معہم۔ (حدائق الحنفیہ)

۱۰۲- حافظ ابوسلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانی (م ۲۰۰ھ عمر ۸۰ سال)

فقہ و حدیث کے جامع امام، حافظ معلیٰ کے رفیق علم، عمر میں ان سے بڑے تھے اور شہرت بھی ان سے زیادہ پائی، ماموں نے قضا کے لئے کہا تو فرمایا کہ "امیر المؤمنین! قضا کے بارے میں حق تعالیٰ کے حقوق و فرائض کی پوری ذمہ داری سے حفاظت کیجئے اور ایسی عظیم امانت میرے جیسے کمزور کو نہ سونپئے جس کو اپنے نفس پر اعتماد نہیں" ماموں نے کہا آپ سچ کہتے ہیں اور مجبور نہیں کیا، حدیث میں صاحبین کے علاوہ امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک کے بھی شاگرد ہیں، سیر صغیر، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الرہن اور نوادر آپ کی تصنیفی یادگار ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (جوہر ص ۱۸۶ ج ۲)

۱۰۳- محدث عباد بن صہیب بصری (م ۲۰۲ھ)

مشہور محدث و فقیہ، امام اعظم کے تلامذہ میں سے ہیں، امام محمد بن شجاع کا بیان ہے کہ میں نے ان سے کہا کہ آپ کے پاس امام صاحب کا جو کچھ علمی سرمایہ ہے بیان کیجئے! کہا میرے پاس ایک الماری بھری ہوئی ہے امام صاحب کے علوم کی ہے لیکن میں آپ سے ان کے فقہی مسائل بیان نہیں کروں گا بلکہ حدیثی سلسلہ کی جتنی چیزیں چاہیں بیان کروں گا، میں نے کہا ایسا کیوں؟ کہا کہ میں کوفہ آیا تو میں نے امام صاحب سے بہت سے مسائل سنے اور لکھے اور پھر میں کوفہ سے دس سال تک جدار ہا، پھر جب گیا تو امام صاحب سے ان ہی سابقہ مسائل کے جوابات دوسرے سنے، محمد بن شجاع فرماتے ہیں کہ اس بات سے میرے دل میں بھی وہی بات آئی جو عباد کے دل میں آئی تھی اور اس خلش کو دور کرنے کے لئے امام عبداللہ بن داؤد کے پاس پہنچا اور ساری بات سنائی انہوں نے فرمایا کہ اس سے تو امام صاحب کی وسعت علمی ثابت ہوتی ہے اگر ان کے علم کا دائرہ تنگ ہوتا تو ان کا جواب ایک ہی رہتا، چونکہ ان کے علوم کی وسعت بہت تھی اس لئے علمی موشگافیاں بھی ان کے لئے بہت سہل ہو گئی تھیں، اور ان کے مطابق وہ اپنے فیصلے بدل سکتے تھے۔ (الجواہر المہینہ ص ۲۶۷ ج ۱) امام صاحب سے مسانید میں روایت حدیث بھی کی ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۱۰۴- امام زید بن حباب عکلی کوفی (م ۳۰۳ھ)

کبار محدثین سے روایت حدیث کی، امام احمد، ابوبکر بن ابی شیبہ، علی بن المدینی وغیرہ کے استاد ہیں، بہت ذکی حافظ حدیث و عالم تھے، تحصیل حدیث کے لئے خراسان، مصر و اندلس وغیرہ گئے، مسلم، ترمذی اور سنن اربعہ میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال اور تہذیب الصحیفہ میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں، علی بن المدینی، عجلی ابن معین وغیرہ نے ثقہ کہا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۱۰۵- محدث مصعب بن مقدم الحشعمی کوفی (م ۲۰۳ھ)

فطر بن خلیفہ، زائدہ، عکرمہ بن عمار، مبارک بن فضالہ، مسعر، امام ابوحنیفہ، ثوری وغیرہم سے روایت کی اور آپ سے اسحاق بن راہویہ، ابوبکر ابن ابی شیبہ، عبدالرحمن بن دینار وغیرہم نے روایت کی، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، امام مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ان کی روایات ہیں (تہذیب ص ۱۶۵ ج ۱۰)، امام احمد، عجلی، ابن شاہین، سید الحفاظ یحییٰ بن معین اور ابن قانع نے ثقہ، صالح کہا۔

۱۰۶- امام ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن جارود طلیاسی (م ۲۰۴ھ عمر ۸۰ سال)

شہر فارس کے رہنے والے تھے، پھر بصرہ میں سکونت کی اور وہاں کے کبار محدثین شعبہ و ہشام و ستوائی وغیرہ سے بہ کثرت روایت کی

ہے، احادیث طویلہ کو خوب یاد رکھتے تھے، ایک ہزار شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا، ان سے روایت کرنے والوں نے تقریباً چالیس ہزار احادیث روایت کی ہیں، سید الحفظ یحییٰ بن معین، ابن المدینی، وکیع وغیرہ نے آپ کی توثیق کی۔ (بستان المحدثین)
ان کی مسند مشہور ہے جو دائرۃ المعارف، حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ آپ نے امام اعظمؒ سے بھی روایت کی ہے جو حدانیات سے ہے (جامع المسانید ص ۸۷ ج ۱)

۱۰۷- مدت کبیر خلف بن ایوب (م ۲۰۵ھ)

اہل بلخ کے امام، بڑے محدث و فقیہ مشہور ہیں اولیاء کبار میں آپ کا شمار ہے حافظ خلیلی نے لکھا کہ ”حدیث میں صدوق مشہور ہیں بڑے صالح، زاہد و عابد تھے، کوفیوں (احناف) کے مذہب پر فقیہ تھے، فقہ کی تعلیم امام ابو یوسف اور ابن ابی لیلیٰ سے پائی جو اہر مضمیہ میں یہ بھی لکھا کہ امام محمد زفر سے بھی تلمذ کیا، امام ذہبی نے لکھا کہ صاحب علم و عمل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، سلطان بلخی آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے منہ پھیر لیا، کسی نے کہا کہ حسن بن زیادہ کے ساتھ آپ کو بڑی شیفتگی ہے حالانکہ وہ نماز میں تخفیف کرتے ہیں، فرمایا تخفیف نہیں بلکہ انہوں نے نماز کو سبک کر دیا یعنی رکوع و سجود پوری طرح ادا کرتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ بھی ارکان کی پوری ادائیگی کے باوجود سب سے زیادہ سبک تو نماز ادا فرماتے تھے آپ کے تلامذہ میں امام احمد، یحییٰ بن معین اور مشہور فقیہ وزاہد حضرت ایوب بن حسن حنفی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، امام ترمذی نے باب فضل الفقہ علی العبادہ میں بواسطہ ابو کریب محمد بن العلاء آپ سے حدیث روایت کی ہے مگر آپ کے حالات سے واقف نہ تھے جس پر حافظ ذہبی نے لکھا کہ ان سے تو ایک جماعت محدثین نے احادیث روایت کی ہے۔

ایک دفعہ کسی نے آپ سے مسئلہ پوچھا، فرمایا مجھے معلوم نہیں، سائل نے کہا پھر کس سے معلوم کروں؟ فرمایا حسن بن زیادہ سے معلوم کر لینا جو کوفہ میں ہیں اس نے کہا کہ کوفہ تو بہت دور ہے، آپ نے فرمایا جسے واقعی دین کی فکر ہو اس کے لئے کوفہ بہت قریب ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۱۰۸- امام جعفر بن عون بن جعفر بن عمرو بن حریث ابو عون مخزومی کوفی (م ۲۰۷ھ)

امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ آپ نے حدیث ابو عمیس، یحییٰ بن سعید اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے حاصل کی، حدیث میں امام اعظم ابو حنیفہ کے بھی شاگرد ہیں اور مسانید امام میں ان سے روایت حدیث کی ہے، امام علی بن المدینی نے بھی ان کے تلمذ امام کی تصریح کی ہے، صحاح ستہ میں ان سے روایات ہیں، تہذیب الکمال، تہذیب الصغیر اور خیرات حسان میں بھی تصریح ہے کہ امام صاحب کے حدیث میں شاگرد تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۱۰۹- شیخ قاسم بن الحکم بن کثیر العرفی کوفی قاضی ہمدان م ۲۰۸ھ

سعید بن عبید الطائی، غالب بن عبید اللہ الجزری اور امام ابو حنیفہ وغیرہ سے روایت حدیث کی، نسائی ابو زرعہ وغیرہ نے ثقہ، صدوق کہا، آپ سے امام بخاری نے ادب المفرد میں اور امام ترمذی نے جامع میں روایت کی۔ (تہذیب ۳۱۱ ج ۸)

۱۱۰- امام ابو محمد حسین بن حفص اصفہانی (تلمیذ امام ابو یوسفؒ) (م ۲۱۰ھ)

کبار محدثین کے طبقہ عاشرہ میں اور فقیہ جید تھے، مسلم و ابن ماجہ نے آپ سے روایت کی، حدیث و فقہ امام ابو یوسف سے حاصل کی، امام ابو حنیفہ کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے، مدت تک اصفہان کے قاضی بھی رہے۔ سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تھی مگر زکوٰۃ فرض نہ ہوتی تھی کیونکہ آپ کل آمدنی فقہاء اور محدثین پر صرف کر دیتے تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (حدائق حنفیہ)

۱۱۱- امام ابراہیم بن رستم مروزی (تلمیذ امام محمد) (م ۲۱۱ھ)

اکابر و اعلام میں سے ہیں، امام محمد سے فقہ حاصل کی، نوح بن ابی مریم اور اسد بن عمرو سے حدیث سنی جو دونوں امام اعظم کے تلامیذ خاص تھے، امام مالک، ثوری، شعبہ وغیرہ سے بھی حدیث سنی ہے، بہت مرتبہ بغداد آئے اور وہاں درس حدیث دیا، امام احمد، ابو خثیمہ وغیرہ نے ان سے حدیث روایت کی، داری نے ابن معین سے ثقہ ہونا نقل کیا اور ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ کہا میزان اور لسان میں مفصل تذکرہ ہے، خلیفہ ماموں رشید نے ان کو قضا کا عہدہ پیش کیا تو قبول نہ کیا اور گھر لوٹ گئے اس کے شکر یہ میں دس ہزار روپے خیرات کئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (جوہر ص ۱۷۳ ج ۱)

۱۱۲- حافظ معلیٰ بن منصور تلمیذ امام ابو یوسف و امام محمد (م ۲۱۱ھ)

امام ابو یوسف و امام محمد کے حدیث و فقہ میں مشہور شاگرد ہیں اور ان کی کتب امالی و نوادر کے راوی بھی ہیں، ابو سلیمان جوز جانی بھی ان کے رفیق درس تھے اور دونوں کا مرتبہ و رعب، تدوین اور حفظ و حدیث میں بہت ممتاز ہے، حافظ معلیٰ کو ماموں نے کئی بار قضا کا عہدہ دینا چاہا مگر انکار کیا، امام مالک، لیث بن سعد حنفی، حماد اور ابن عیینہ سے بھی حدیث سنی اور آپ سے ابن مدینی، ابو بکر بن شیبہ اور بخاری نے غیر جامع میں روایت کی ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں بھی آپ سے روایت کی گئی، ابن معین، ابن سعد، ابن عدی وغیرہ نے توثیق کی ہے، فقہ و حدیث کے جامع امام تھے (جوہر و تقدمه نصب الراية، امام احمد نے فرمایا کہ حافظ معلیٰ کبار اصحاب ابی یوسف و محمد سے تھے اور نقل و روایت میں ثقہ تھے (تہذیب الکمال مزنی) حافظ ذہبی نے حافظ حدیث، فقیہ، احدالاعلام اور علم کے خزانوں میں سے قرار دیا، ابن عدی نے فرمایا کہ میں نے ان کی کوئی حدیث منکر نہیں دیکھی، حافظ ذہبی نے لکھا کہ امام بخاری نے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے کچھ احادیث سنی، نماز میں خشوع و خضوع کے حیرت زا واقعات نقل ہوئے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (تذکرۃ الحفاظ، میزان، تہذیب)

۱۱۳- حافظ عبدالرزاق بن ہمام (تلمیذ الامام الاعظم) (م ۲۱۱ھ، ولادت ۱۲۶ھ)

صاحب مصنف مشہور، ارباب صحاح ستہ کے شیوخ و رواۃ میں ہیں، علامہ ذہبی نے "احدالاعلام الثقات" لکھا، بخاری وغیرہ میں بہ کثرت احادیث آپ سے مروی ہیں، امام احمد نے فرمایا کہ ان سے بڑھ کر روایت حدیث میں کسی کو نہیں دیکھا، محدثین کبار مثل امام سفیان بن عیینہ، سید الحفاظ یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، امام احمد وغیرہ ان کے شاگرد ہیں، امام بخاری نے مصنف عبدالرزاق سے استفادہ کیا جس کو امام ذہبی نے علم کا خزانہ لکھا ہے، عقود الجمان میں ہے کہ امام اعظم کی خدمت میں زیادہ رہے، تہذیب الکمال اور تہذیب میں بھی لکھا کہ امام صاحب کے حدیث میں شاگرد ہیں، امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ معمر، ثوری، اور ابن جریج سے روایت حدیث کی اور لکھا کہ جو کچھ میں ان کی کتاب سے روایت کروں وہ سب سے زیادہ صحیح ہے، مگر امام صاحب سے تلمذ و روایت حدیث کا ذکر نہیں کیا حالانکہ مسانید امام میں روایات موجود ہیں، واللہ المستعان۔

۱۱۴- امام اسماعیل بن حماد بن الامام الاعظم (تلمیذ الامام) (متوفی ۲۱۲ھ)

فاضل، اجل، عابد، زاہد، صالح و متدین اور اپنے وقت کے امام بلا مدافعتھے، فقہ اپنے والد بزرگوار، امام حماد اور حسن بن زیاد سے حاصل کیا اور علم حدیث اپنے والد اور قاسم بن معن وغیرہ سے پہلے بغداد، پھر بصرہ، پھر رقبہ کے قاضی مقرر ہوئے، آپ احکام قضا، وقائع و نوازل کے بہت بڑے ماہر و بصیر تھے، محمد بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے اب تک کوئی قاضی آپ سے زیادہ علم و بصیرت والا نہیں ہوا، آپ نے ایک جامع کتاب فقہ میں اور ایک کتاب قدریہ کے رد میں اور ایک ارجاء کے رد میں تصنیف فرمائی۔

تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ آپ کا ایک ہمسایہ خراس فرقتہ رافضیہ سے تھا جس نے فرط تعصب و جہالت سے اپنے دو خچروں کا نام ابو

بکر و عمر رکھا تھا، ایک رات کو ان میں سے ایک نے اس کو ایسی لات ماری کہ وہ مر گیا، آپ نے لوگوں سے کہا کہ ہمارے جد امجد امام اعظم نے پیش گوئی کی تھی کہ اس کو عمر ہلاک کریگا، پس اب تم جا کر دریافت کر لو کہ کس خچر نے اس کو ہلاک کیا ہے؟ جب لوگوں نے دریافت کیا تو اس کا قاتل عمر ہی نکلا (حدائق ص ۱۳۱)

۱۱۵- امام بشر بن ابی الازہر (تلمیذ امام ابو یوسف (م ۲۱۳ھ))

کوفہ کے مشہور محدثین و فقہاء سے تھے، فقہ امام ابو یوسف سے اور حدیث ان سے نیز ابن مبارک و ابن عیینہ وغیرہ سے حاصل کی، آپ سے علی بن المدینی اور محمد بن یحییٰ ذہلی وغیرہ نے روایت کی، مدت تک نیشاپور کے قاضی بھی رہے۔ (حدائق)

۱۱۶- حافظ عبداللہ بن داؤد خرمی (متوفی ۲۱۳ھ)

حدیث و فقہ کے امام و مقتدا تھے، حافظ ذہبی نے آپ کا تذکرہ حفاظ حدیث میں کیا ہے، امام اعظم کے حدیث و فقہ میں شاگرد خاص تھے، مسانید امام میں امام صاحب سے ان کی روایات موجود ہیں، امام مسلم کے علاوہ امام بخاری وغیرہ تمام اصحاب صحاح ستہ نے ان سے تخریج کی ہے، ورع و تقویٰ میں بے مثال تھے، خود فرماتے تھے کہ سوا ایک مرتبہ بچپن کے زمانہ کے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، امام طحاوی نے نقل کیا کہ موصوف سے کسی نے دریافت کیا کہ امام ابو حنیفہ پر لوگوں نے کیا عیب لگایا ہے؟ فرمایا میں تو اتنا جانتا ہوں کہ جن امور میں ان لوگوں نے نکتہ چینی کی ہے ان سب میں وہ غلطی پر تھے اور امام صاحب صواب پر، میں نے امام صاحب کو دیکھا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کر رہے تھے میں بھی ان کے ساتھ تھا اور تمام لوگوں کی نظریں ان ہی پر جمی ہوئی تھی (یعنی ان کے غیر معمولی فضل و کمال کا شہرہ عام تھا اور تمام لوگوں کے دیدہ و دل بے اختیار ان کی طرف مائل تھے) ایک دفعہ کسی نے کہا کہ بعض لوگوں نے امام صاحب سے کچھ مسائل لکھے پھر کچھ عرصہ بعد امام صاحب سے ملے تو آپ نے بہت سے مسائل سے رجوع کر لیا تھا، فرمایا خبردار! اس بات سے متاثر ہو کر تم امام صاحب کی عقیدت کم نہ کر دینا کیونکہ امام صاحب علم و فقہ کے حاذق تھے اور حاذق فقیہ کا علم ایک حد پر نہیں ٹھہرتا اس لئے وہ اپنی ترقی و وسعت نظر کے ساتھ ضرور بہت سے فقہی اقوال سے رجوع کر لیتا ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة (تقدمہ نصب الراية وجواہر مضیہ ص ۳۷۵ ج ۱)

۱۱۷- حافظ ابو عبد الرحمن عبداللہ یزید المقرئ (م ۲۱۳ھ)

امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے خواص اصحاب و تلامذہ میں سے جلیل القدر حافظ حدیث و فقیہ کامل تھے، حافظ ذہبی نے بھی آپ کو طبقہ حفاظ میں ذکر کیا ہے اور آپ کو امام، محدث، شیخ الاسلام لکھا، یہ بھی لکھا کہ آپ نے ابن عون اور امام ابو حنیفہ وغیرہ سے حدیث سنی ہے، امام صاحب سے بکثرت روایت حدیث کرنے والوں میں ہیں۔ (جامع المسانید) صحاح ستہ کے شیوخ و رواۃ ہیں۔ نسائی اور ابو حاتم، خلیلی، ابن سعد وغیرہ نے ثقہ اور کثیر الحدیث لکھا، بصرہ کے قریب رہتے تھے، پھر مکہ معظمہ کی سکونت کی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة (امانی الاحبار وغیرہ)

۱۱۸- امام اسد بن الفرات قاضی قیروان و فاح صقیلہ (م ۲۱۳ھ)

امام مالک سے موطأ سنی اور جب امام مالک سے علمی سوالات زیادہ کئے تو امام مالک نے عراق جانے کا مشورہ دیا، وہاں پہنچ کر امام ابو یوسف، امام محمد اور دوسرے اصحاب امام اعظم سے فتوے میں تخصص حاصل کیا، ابو اسحق شیرازی نے ذکر کیا کہ پھر آپ مصر پہنچے اور شیخ عبداللہ بن وہب مصری م ۱۹۷ھ (تلمیذ اکبر مالک) سے کہا کہ یہ میرے ساتھ امام ابو حنیفہ کی کتابیں ہیں ان سب مسائل میں امام مالک کا مذہب بتلائیے! ابن وہب نے عذر کیا تو شیخ ابن قاسم مصری م ۱۹۱ھ (دوسرے مشہور تلمیذ امام مالک) کے پاس گئے، انہوں نے کچھ مسائل یقین کے ساتھ اور کچھ شک سے بیان کئے۔

اس طرح جو کتابیں اسد بن الفرات نے مرتب کیں وہ ”اسدیہ“ کہلائیں جن کی ایک نقل موصوف نے ابن قاسم کی طلب و خواہش پر ان کے پاس چھوڑ دی اور انہیں کے بارے میں ابن قاسم کے حالات میں نقل ہوتا ہے کہ ان کے پاس تقریباً تین سو جلدیں مسائل مالک کی تھیں اور یہی جلدیں ”مدونۃ سخون“ کی بھی اصل ہیں امام اسد بن الفرات ہی نے قیروان میں امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے مذاہب کی ترویج کی ہے، پھر انہوں نے صرف ”مذہب حنفی“ کو رواج دینے میں سعی کی جو دیار مغرب میں اندلس تک پھیلا، ابن فروخ نے بھی اسی کو قبول کیا اور مغرب میں ابن باویس کے دور تک اکثریت اسی مذہب کی رہی۔ (تعلیقات الکوثری الانتقاء لابن عبدالبرص ۵۰)

معلوم ہوا کہ امام مالک فقہ حنفی کی جامعیت اور فقہاء احناف کے فضل و کمال کے آخر تک معترف رہے اور امام اعظم کے بعد بھی اپنے تلامذہ کو تکمیل علم کے لئے اصحاب الامام کے پاس جانے کا مشورہ دیتے رہے، امام مالک کی اس حسن نیت و سعت صدر اور خلوص و للہیت کا ثمرہ بھی کتنا اچھا اسی دنیا میں مل گیا کہ ان ہی اسد بن الفرات جیسے پاک طینت علماء احناف نے تدوین فقہ مالکی کی عظیم الشان علمی خدمت انجام دی اور دور دراز تک مالکی مذہب کی ترویج کی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

۱۱۹- امام احمد بن حنبل بن حنفی ابو حفص کبیر بخاری (م ۲۴۱ھ، ۲۴۱ھ)

بخارا کے مشاہیر ائمہ حدیث میں تھے، امام ذہبی نے ”الامصار ذوات الآثار“ میں بخارا کے اعیان محدثین میں آپ کا ذکر کیا ہے، حافظ سمعانی نے لکھا کہ آپ سے بے شمار لوگوں نے روایت حدیث کی ہے، آپ نے فقہ و حدیث کی تعلیم امام ابو یوسف اور امام محمد سے حاصل کی اور امام محمد کے کبار تلامذہ میں آپ کا شمار ہے، امام بخاری کے والد ماجد سے امام ابو حفص کبیر کے بہت گہرے مراسم و تعلقات تھے اور ان کی وفات کے بعد امام بخاری اور ابو حفص صغیر کے تعلقات ایسے ہی رہے بلکہ دونوں ایک مدت تک طلب حدیث میں رفیق و ہم سفر رہے ہیں، امام بخاری کے والد کی وفات کے بعد امام ابو حفص کبیر نے ہی ابتدائی دور میں امام بخاری کی تعلیم و تربیت کی ہے اور ہر قسم کی خبر گیری بروصلہ کرتے رہے، امام بخاری نے خود لکھا کہ میں نے جامع سفیان امام موصوف سے پڑھی، حافظ ابن حجر نے بھی آپ کو امام بخاری کے مشائخ میں لکھا ہے لیکن سفر حج کے دوران امام بخاری پر بعض اصحاب ظواہر مثل حمیدی، نعیم بن حماد خزاعی، اسماعیل بن عرعرہ وغیرہ کے اثرات غالب آگئے یہ سب لوگ فقہ سے مناسبت نہ رکھتے تھے اور خصوصیت سے امام اعظم اور آپ کے اصحاب کی طرف سے برے جذبات و خیالات رکھتے تھے، چنانچہ امام بخاری نے بھی تاریخ وغیرہ میں وہی باتیں بے تحقیق لکھ دیں جو ان لوگوں سے سنی تھیں۔

غرض امام بخاری پر ابتدائی ۱۶ سال کی عمر تک جو بہتر اثرات فقہ اور فقہاء حنفیہ کے بارے میں تھے وہ ختم ہو گئے اور پھر وہ اہل فتویٰ کے درجہ تک بھی نہ پہنچ سکے، اسی لئے شیرازی نے آپ کا ذکر ”طبقات الفقہاء“ میں نہیں کیا (تعلیق در اسات اللیب مولانا عبدالرشید نعمانی)

امام ابو حفص کبیر کا حافظ حیرت انگیز تھا، خلف ابن ایوب اور ابو سلیمان کے رفیق درس تھے جو کچھ وہ دونوں ایک برس میں یاد کرتے یہ ایک ماہ میں یاد کر لیتے تھے، وہ لکھتے تھے یہ لکھنے سے بے نیاز تھے، جب امام محمد نے ان سب کو سند فراغت اور اجازت افتاء دی تو خلف بلخ کو، ابو سلیمان سمرقند کو اور آپ بخارا کو روانہ ہوئے، آپ نے کشتی کا سفر کیا تو آپ کی ساری کتابیں پانی کے تھپڑوں سے خراب ہو گئیں، بخارا پہنچ کر جس قدر پڑھا اور لکھا تھا اس کو پھر سے لکھ ڈالا۔ بجز تین یا پانچ مسائل کے الف اور واؤ تک بھی مقدم و مؤخر نہ ہو پائے، آپ کے علم کا بڑا رعب و جلال تھا، ایک دفعہ والی بخارا محمد بن طلوت نے زیارت کا ارادہ کیا، لوگوں نے روکا کہ تم ان سے بات بھی نہ کر سکو گے، وہ نہ مانا اور ملاقات کو گیا، سلام کر کے بیٹھ گیا آپ نے خود سے ہر چند کہا کہ کوئی مطلب ہو تو کہو مگر وہ اس قدر مرعوب ہوا کہ کچھ نہ کہ سکا، واپس ہو کر لوگوں سے کہا تم واقعی درست کہتے تھے، میری طرف جس وقت امام نے دیکھا تو میں اپنے ہوش کھو چکا تھا۔ آپ نے ۲۱۳ھ میں فرمایا تھا کہ اگر میں

آئندہ سات سال کے اندر نہ مروں تو خدا کے نزدیک میری کچھ بھی قدر نہیں، چار پانچ سال بعد ہی انتقال فرمایا، آپ کے زمانہ میں امام بخاری فارغ التحصیل ہو کر بخارا پہنچے اور فتویٰ دینا شروع کیا تو آپ نے ان کو روکا تھا کہ آپ فتویٰ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے، آپ نے اپنے شیخ کا ارشاد نہیں مانا اور فتاویٰ دیئے جن سے ہنگامے ہوئے اور بخارا سے نکلنا پڑا۔ رحمہم اللہ کلہم رحمۃ واسعۃ (حدائق وغیرہ)

۱۲۰- شیخ ہشام بن اسمعیل بن یحییٰ بن سلیمان بن عبدالرحمن الحنفی الفقیہ (م ۲۱۸ھ)

ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے ان سے روایت کی، ان سے ابو عبید، بخاری، یزید بن محمد ابوزرعہ دمشقی وغیرہم نے روایت کی، ابن عمار نے کہا کہ عباد سے تھے، دمشق میں آپ سے افضل میں نے کسی کو نہیں دیکھا، عجلی نے شیخ، کیس، ثقہ، صاحب سند کہا، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، خود حافظ نے آپ کو حنفی فقیہ لکھا ہے۔ (تہذیب ص ۳۲ ج ۱۱)

۱۲۱- حافظ علی بن معبد بن شداد العبیدی الرقی (م ۲۱۸ھ)

امام محمد کے اصحاب خاص میں سے محدث اجل، فقیہ اکمل، شیخ ثقہ، مستقیم الحدیث، حنفی المذہب، امام احمد کے طبقہ میں تھے، مرد سے مصر آئے اور وہیں سکونت کی، حدیث امام محمد، ابن مبارک، لیث بن سعد حنفی، ابن عیینہ، عیسیٰ بن یونس، کعب وغیرہ تلامذہ امام اعظم سے حاصل کی اور آپ سے یحییٰ بن معین، محمد بن اسحاق، ابو عبید قاسم بن سلام وغیرہ نے روایت کی، ابوداؤد نسائی نے بھی آپ سے تخریج کی، آپ نے امام محمد سے جامع کبیر اور جامع صغیر بھی روایت کی، مصر میں درس حدیث دیا ہے ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور مستقیم الحدیث کہا، ابوحاتم نے ثقہ کہا، حاکم نے شیخ وقت اور اجلہ محدثین سے شمار کیا۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (امانی الاحبار و حدائق حنفیہ)

۱۲۲- امام ابو نعیم فضل بن دکین کوفی (وفات ۱۳۰ھ، ۲۱۹ھ)

حدیث امام اعظم، مسعر، سفیان ثوری، شعبہ وغیرہ سے سنی، تمام ارباب صحاح ستہ نے آپ سے روایت کی، امام بخاری آپ سے تاریخ میں بھی اقوال نقل کرتے ہیں، امام بخاری و مسلم کے کبار شیوخ میں ہیں اور امام اعظم کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں اور مسانید میں بکثرت امام صاحب سے روایت حدیث کی ہے، عجلی نے حدیث میں ثقہ، ثبت کہا، سید الحفاظ ابن معین نے فرمایا کہ میں نے دو شخصوں سے زیادہ اثبت نہیں دیکھا ابو نعیم اور عفان، ابن سعد نے ثقہ، مامون، کثیر الحدیث و حجت کہا۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ و امانی الاحبار)

۱۲۳- شیخ حمیدی ابو بکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبید اللہ بن اسامہ (م ۲۱۹ھ، ۲۲۰ھ)

شیخ حمیدی بڑے پایہ کے محدث ہیں سفیان بن عیینہ (تلمیذ خاص امام اعظم) کے تلمیذ خاص ہیں اور اسی وجہ سے امام شافعی وغیرہ ان کی بڑی عزت کرتے تھے، ان کے علاوہ مسلم بن خالد، فضیل بن عیاض (تلمیذ امام اعظم) اور دروردی وغیرہ سے بھی حدیث حاصل کی، آپ سے امام بخاری، ذہبی، ابوزرعہ، ابوحاتم، بشر بن موسیٰ وغیرہ نے روایت کی، امام بخاری نے آپ کے اور نعیم خزاعی کے اعتماد پر امام اعظم کے بارے میں ایسی باتیں نقل کی ہیں جو ان کے شایان شان نہ تھیں جس پر حافظ سخاوی شافعی کو "اعلان بالتوہیح" میں لکھنا پڑا کہ "ابن عدی، خطیب، ابن ابی شیبہ، بخاری، نسائی اور ابوالشیخ نے ائمہ ممتوبین کے بارے میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے دوسروں کو اجتناب کرنا چاہئے۔"

حافظ ابن حجر نے لکھا کہ حمیدی فقہ و حدیث میں امام بخاری کے شیخ تھے، طبقات سبکی وغیرہ میں ہے کہ (۱) شیخ حمیدی فقہاء عراق کے بارے میں شدید تھے (۲) ان کی خلاف برے کلمات استعمال کرتے تھے جو ان کیلئے موزوں نہ تھے (۳) غضب کے وقت اپنی طبیعت پر قابو نہ رکھ سکتے تھے (۴) کوئی شخص ان کے خلاف مزاج بات کہتا تو جواب میں اس کو بہت سخت ست کہتے اور بے آبرو کر دیتے تھے، امام شافعی کی مجلس

میں ابن عبدالحکم کو اور ان کے ماں باپ کو جھوٹا کہا، امام احمد نے فرمایا کہ بشرسری سے ناراض ہوئے تو ان کو چھٹی اور متروک الحدیث کہ دیا، پھر انہوں نے یہ حلف اطمینان دلایا کہ چھٹی نہیں ہیں تب بھی نہ مانا حالانکہ دوسرے ائمہ نے بشرکی توثیق کی اور ان سے روایت بھی کی، بخاری نے بھی ان سے تخریج کی ہے، مسند حمیدی آپ کی بلند پایہ تالیف ہے جو مجلس علمی کراچی کی طرف سے حیدرآباد میں بہترین ٹائپ سے عمدہ کاغذ پر حضرت المحترم مولانا ابوالماثر الحاج حبیب الرحمن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی گراں قدر تعلیقات کے ساتھ زیر طبع ہے، رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۱۲۴- امام عیسیٰ بن ابان بن صدقہ بصری (م ۲۲۱ھ)

حدیث و فقہ کے امام جلیل القدر ہیں، علم حدیث میں آپ کے غیر معمولی فضل و تفوق پر آپ کی کتاب ”انج الصغیر“ اور ”انج الکبیر“ شاہد عدل ہیں امام محمد سے فقہ میں تلمذ کیا، بصرہ کے قاضی رہے، ہلال بن یحییٰ کا قول ہے کہ ابتداء اسلام سے اب تک کوئی قاضی عیسیٰ بن ابان سے بڑھ کر فقیہ نہیں ہوا، امام بکار بن قتیبہ کا قول ہے کہ دو قاضیوں کی نظیر نہیں ہے، اسماعیل بن حماد (ابن الامام الاعظم) اور عیسیٰ بن ابان، پہلے امام محمد وغیرہ سے بدظن تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ حدیث کے خلاف کرتے ہیں، پھر قریب ہو کر مستفید ہوئے تو فرمایا کہ میرے اور نور کے درمیان پردے پڑے ہوئے تھے جو اٹھ گئے، مجھے گمان نہیں تھا کہ خدا کی خدائی میں اس جیسا شخص بھی ہے بہت زیادہ سخاوت کرتے تھے، حتیٰ کہ خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے پاس کوئی دوسرا شخص لایا جائے جو میری طرح مالی تصرفات کرتا ہوں تو میں اس پر پابندی لگا دوں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (جو اہر مضمیہ)

۱۲۵- امام یحییٰ بن صالح الوحاظی ابوزکریا (ولادت ۱۴۹ھ م ۲۲۲ھ)

خلاصہ میں احد کبار المحدثین والفقہا لکھا، امام مالک اور امام محمد سے حدیث حاصل کی، حنفی ہیں اور امام بخاری کے استاد ہیں، امام محمد کے مکہ معظمہ تک رفیق سفر بھی رہے ہیں، آپ سے ابوزرعہ، ابو حاتم نے اور امام نسائی کے علاوہ تمام ارباب صحاح ستہ نے روایت کی ہے۔ منقول ہے کہ امام وکیع نے کسی موقع پر آپ سے کہا کہ ”اے ابوزکریا! ہر رائے سے پرہیز کرنا کیونکہ میں نے امام اعظم ابوحنیفہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ بعض قیاسوں سے مسجد میں پیشاب کرنا بہتر ہے، ابن معین وغیرہ نے آپ کی توثیق کی۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (جو اہر و امانی)

۱۲۶- حافظ سلیمان بن حرب بغدادی (متوفی ۲۲۴ھ)

مشہور حافظ حدیث ہیں ابو حاتم نے بیہلن کیا کہ میں آپ کی مجلس درس میں شریک ہوا، حاضرین کا اندازہ چالیس ہزار تھا، قصر مامون کے پاس ایک اونچی جگہ بنائی گئی جس پر آپ نے درس دیا، خلیفہ مامون اور تمام امراء دربار حاضر تھے، خود مامون بھی آپ کے امالی درس کو لکھتے تھے (تذکرۃ الحفاظ)

۱۲۷- امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ ۲۲۵ھ)

ابن عیینہ، حفص بن غیاث، یحییٰ القطان، ابن مبارک، وکیع، یزید بن ہارون (تلامذۃ امام اعظم) وغیرہ سے روایت کی مشہور، محدث فقیہ، نحوی تھے، طوسوس کے قاضی رہے، اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ خدا کو حق بات پیاری ہے ابو عبیدہ مجھ سے زیادہ افتقہ و علم ہیں، ہم ان کے محتاج ہیں وہ ہمارے محتاج نہیں، غریب الحدیث کی تفسیر میں بہت مشہور ہوئے کیونکہ بڑے ادیب تھے، ایک کتاب ”غریب الحدیث“ ۴۰ سال میں تالیف کی۔ (تہذیب ص ۳۱۵ ج ۸)

۱۲۸- حافظ ابوالحسن علی بن الجعد بن عبید الجوهری بغدادی (ولادت ۱۳۳ھ م ۲۳۰ھ)

بخاری و ابوداؤد کے رواۃ میں سے مشہور محدث و فقیہ ہیں، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں محدث عبدوس اور موسیٰ بن داؤد کا قول نقل

کیا کہ ان سے بڑھ کر حافظ حدیث ہم نے نہیں دیکھا، عبدوس سے کہا گیا کہ ان کو چھی کہا گیا ہے تو فرمایا کہ لوگوں نے جھوٹا الزام لگایا ہے، ابن معین نے توثیق کی اور کہا کہ شعبہ کی حدیثوں میں سارے بغدادیوں سے زیادہ معتمد ہیں اور آپ ربانی العلم ہیں، ابو زرعد نے صدوق فی الحدیث کہا، دارقطنی نے ثقہ مامون کہا، ابن قانع نے ثقہ ثبوت کہا، امام ابو یوسف کے خاص اصحاب میں سے ہیں، امام اعظم ابو حنیفہ کو بھی دیکھا اور آپ کے جنازہ پر بھی حاضر ہوئے ہیں، حدیث جریر بن عثمان، شعبہ، ثوری اور امام مالک وغیرہ سے روایت کی اور آپ سے امام بخاری، ابو داؤد، ابن معین، ابوبکر ابن ابی شیبہ، ابو زرعد اور ابن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ) وغیرہ نے روایت کیا، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (حدائق، امانی)

۱۲۹- شیخ فرخ مولیٰ امام ابو یوسفؒ (ولادت ۱۳۶ھ م ۲۳۰ھ)

محدث، ثقہ، فاضل اجل تھے امام احمد، ابن معین، امام بخاری، مسلم ابو داؤد، ابو زرعد وغیرہ نے آپ سے حدیث روایت کی اور توثیق کی، صغریٰ میں امام اعظم کو بھی آپ نے دیکھا تھا اور جنازہ پر حاضر ہوئے تھے، فقہ میں امام ابو یوسف سے درجہ تخصص حاصل کیا اور آپ سے احمد بن ابی عمران (استاد امام طحاوی) نے فقہ کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (حدائق)

۱۳۰- سید الحفظ امام یحییٰ بن معین ابوزکریا بغدادی (تلمیذ الامام ابی یوسف و امام محمد) (م ۲۳۳ھ)

تذکرۃ الحفظ میں آپ کو "الامام الفرد، سید الحفظ" لکھا، آپ نے جامع صغیر امام محمد سے پڑھی اور فقہ حاصل کیا اور حدیث میں امام ابو یوسف سے شرف تلمذ کیا "عیون التواریخ" میں ہے کہ امام احمد، ابن مدینی (شیخ اکبر امام بخاری) ابوبکر ابن شیبہ اور اسحق آپ کے کمال علم و فضل کی وجہ سے تعظیم تکریم کرتے تھے، آپ کوورش میں دس لاکھ روپے ملے تھے جو سب آپ نے تحصیل علم حدیث پر صرف کر دیئے تھے اور اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ احادیث لکھیں، امام احمد کا قول ہے کہ جس حدیث کو یحییٰ نہ جانیں وہ حدیث نہیں ہے، علامہ کوثری نے لکھا کہ میں نے آپ کی تصنیف کردہ "تاریخ" (روایت الدوری) کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں دیکھی ہے، جرح و تعدیل کے سلسلہ میں آپ سے روایات میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے، حافظ ذہبی نے جو رسالہ ثقات پر کلام کے بارے میں تالیف کیا ہے اس میں ابن معین کو "متصلب حنفی" بلکہ متعصب بھی لکھا ہے، باوجود اس کے بھی بعض رواۃ نے آپ کی طرف بعض اصحاب امام اعظم کے بارے میں سخت ناموزوں کلمات منسوب کر دیئے ہیں جو یقیناً آپ نے نہیں کہے ہوں گے۔ (تقدمہ نصب الراية) تہذیب میں آپ کا مفصل تذکرہ اور خوب مدح ہے۔

الجوام الزاہرہ میں ہے کہ امام بخاری نے فرمایا "میں نے اپنے آپ کو کسی اہل علم کے سامنے حقیر نہیں پایا بجز یحییٰ بن معین کے (الرسالة المستطرفة ص ۱۰۵) حافظ ابو عبید قاسم بن سلام کا قول ہے کہ حدیث کا علم چار شخصوں پر منتہی ہوا جن میں ابوبکر بن ابی شیبہ حسن اداء میں، امام احمد ثقہ میں، یحییٰ بن معین جامعیت میں اور علی بن المدینی وسعت معلومات میں ایک دوسرے سے زیادہ ہیں، ایک بار اس طرح فرمایا کہ حدیث کے ربانی عالم چار ہیں جن میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم امام احمد، روانی و حسن سیاق میں سب سے بہترین علی بن مدینی، تصنیف میں سب سے زیادہ خوش سلیقہ ابوبکر ابن شیبہ اور صحیح و غیر صحیح احادیث کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے یحییٰ بن معین ہیں، ابو علی صالح بن محمد بغدادی نے اس طرح موازنہ کیا کہ حدیث و علل کے سب سے بڑے عالم علی بن مدینی، فقہ و حدیث میں سب سے بڑھ کر احمد بن حنبل، تصنیف و مشائخ کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر یحییٰ بن معین اور مذاکرہ کے وقت سب سے زیادہ یادداشت رکھنے والے ابوبکر بن ابی شیبہ ہیں (ابن ماجہ ص ۱۴۵) اور علم حدیث مولفہ مولانا عبدالرشید نعمانی (غرض سید الحفظ ابن معین کی عجیب علمی شان ہے جس سے موافق و مخالف ہر ایک نے فائدہ اٹھایا، امام اعظم اور آپ کے اصحاب عظام کے خلاف جو حسد و عناد اور تعصب وغیرہ کی بنیادوں پر دھڑے بندیاں کی گئیں ان کے مقابلہ میں حافظ ابن معین نے انتہائی تدبر اور صبر و ضبط کے ساتھ کام لیا ہے، آپ کی مدح و توثیق اور اسی طرح نقد و جرح انتہائی محتاط تھی، اپنے

اکابر ائمہ و اساتذہ کے بارے میں بہت مختصر کلمات مدح فرماتے تھے، تمام اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ رواۃ میں ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔

۱۳۱- حافظ علی بن محمد ابوالحسن طنافسی (متوفی ۲۳۳ھ)

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ”محدث و عالم قزوین“ لکھا ہے علمی خاندان سے تھے، آپ کے دونوں ماموں یعنی بن عبید اور محمد بن عبید بھی بڑے محدث تھے اور صاحبزادے حسین قزوین کے قاضی تھے، آپ نے کوفہ کے مشاہیر ائمہ حدیث کی شاگردی کی، قابل ذکر اساتذہ عبداللہ بن ادریس، حفص بن غیاث، وکیع، ابن عیینہ (تلامذہ امام اعظم) اور ابو معاویہ، ابن وہب وغیرہ ہیں اور آپ سے ابو زرعة، ابو حاتم، ابن ماجہ اور صاحبزادے حسین طنافسی وغیرہ علماء حدیث نے روایت کی، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور محدث خلیلی نے آپ کو اور آپ کے بھائی حسن بن محمد طنافسی کو قزوین کے بلند پایہ امام کہا، دور، دور سے علماء تحصیل حدیث کے لئے آپ کے پاس آتے تھے، ابو حاتم نے کہا کہ آپ ثقہ صدوق تھے اور آپ کے مجھے باعتبار فضل و صلاح ابو بکر بن ابی شیبہ (صاحب مصنف مشہور) سے بھی زیادہ محبوب ہیں اگرچہ ابو بکر حدیث کے علم و فہم میں زیادہ ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (تہذیب و تذکرہ)

۱۳۲- امام محمد بن سماعہ تمیمی (م ۲۳۳ھ عمر ۱۰۳ سال)

مشہور محدث و فقیہ، تلمیذ خاص امام ابو یوسف و امام محمد و امام حسن بن زیاد۔ ”عیون التواریخ میں حافظ، ثقہ، صاحب اختیارات فی المذہب اور صاحب روایات مصنفات لکھا ہے، ابن معین فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح اہل رائے میں امام محمد بن سماعہ چچی تلی بات کہتے ہیں اگر اسی طرح اہل حدیث بھی کہتے تو نہایت درجہ کی اچھی بات ہوتی، اور انتقال پر فرمایا کہ اہل رائے سے علم کی خوشبو رخصت ہوئی۔ یہی محمد بن سماعہ اپنے شیخ امام ابو یوسف کے بارے میں راوی ہیں کہ وہ قضا کے زمانہ میں بھی روزانہ دوسور کعت پڑھا کرتے تھے اور خود ان کا بھی یہی معمول دوسروں نے نقل کیا ہے، مامون کے زمانے میں بغداد کے قاضی رہے، معتصم کے زمانے میں بوجہ ضعف بصر مستعفی ہو گئے تھے آپ ہی نے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نوادر کو کتابی صورت میں جمع کیا، آپ نے امام محمد کو خواب میں دیکھا کہ سوئی کا سوراخ بنا رہے ہیں، تعبیر دینے والے نے بتایا کہ وہ شخص حکمت کی باتیں کہتا تھا لہذا تم سے اس کی کوئی بات نظر انداز نہ ہو جائے، اس پر آپ نے امام محمد کے نوادر ملفوظات جمع کر دیئے، ابن سماعہ بڑے عابد و زاہد تھے، خود بیان کیا کہ چالیس سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی سوائے ایک دن کے جس روز والدہ ماجدہ کی وفات ہوئی تو ایک نماز جماعت سے نہ ہو سکی، اس کی تلافی کے خیال سے میں نے پچیس نمازیں پڑھیں، خواب میں کسی نے کہا، اے محمد! تم نے پچیس نمازیں ضرور پڑھیں لیکن تائین ملائکہ کو کہاں سے لاؤ گے، آپ کی تصانیف میں سے کتاب ادب القاضی کتاب الحاضر والسجلات اور نوادر زیادہ مشہور ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (جو اہر ص ۵۸ ج ۲ و تقدیمہ نصب الراية)

۱۳۳- حافظ محمد بن عبداللہ نمیر کوفی (متوفی ۲۳۳ھ)

یہ اور ان کے والد ماجد حافظ عبداللہ بن نمیر م ۱۹۹ھ بلند پایہ محدث تھے، والد ماجد امام اعظم کے مشہور تلامذہ میں سے تھے، ابن ابی شیبہ نے مصنف میں آپ کے واسطے سے امام اعظم کی متعدد روایات نقل کی ہیں، جو ہر مضیہ میں ان کا تذکرہ ہے، حافظ محمد عبداللہ مذکور کو ”درة العراق“ کہا کرتے تھے اور بڑی تعظیم کرتے تھے، علی بن الحسین بن الجندی نے کہا کہ کوفہ میں ان کے علم و فہم، زہد اور اتباع سنت کی نظیر نہ تھی، احمد بن صالح مصری نے کہا کہ بغداد میں امام احمد اور کوفہ میں محمد بن عبداللہ بن نمیر کا مثل نہیں تھا، یہ دونوں جامع شخص تھے، امام بخاری، مسلم، ابو داؤد اور ابن ماجہ سب ان کے شاگرد ہیں صحیح مسلم ۵۷۳ حدیث آپ سے روایت کیس۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (تہذیب و تذکرہ)

۱۳۴- حافظ ابو خثیمہ زہیر بن حرب النسائی (ولادت ۱۶۰، عمر ۷۴ سال م ۲۳۴ھ)

مشہور حافظ حدیث، اکابر ائمہ محدثین، سفیان بن عیینہ، یحییٰ القطان، عبدالرزاق بن ہمام (صاحب منصف) حفص بن غیاث، عبداللہ بن ادریس و کعب (تلامذہ و اصحاب امام اعظم) کے شاگرد ہیں، امام بخاری، مسلم ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن ابی الدنیا اور ایک بڑی جماعت محدثین نے آپ سے روایت کی، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور لکھا کہ یہ امام احمد و یحییٰ بن معین کے درجہ کے ہیں، یعقوب بن شیبہ اور ابن نمیر نے ان کو حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ پر بھی ترجیح دی ہے، امام نسائی و خطیب نے ثقہ، مثبت، جتہ، حافظ متقن وغیرہ لکھا، صرف صحیح مسلم میں ان کی سند سے بارہ سو اکیاسی احادیث مروی ہیں (تذکرۃ الحفاظ و تہذیب) ان مناقب عالیہ و جلالت قدر کے ساتھ بواسطہ اصحاب امام اعظم سے حدیث میں تلمذ کا شرف حاصل ہے اور آپ سے مسانید میں روایت کی ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (جامع المسانید ص ۴۶۰ ج ۲)

۱۳۵/۱- حافظ سلیمان بن داؤد بن بشر بن زیاد ابویوب المفسری معروف بہ شاذکونی (م ۲۳۴ھ)

مشہور حافظ حدیث، ثقہ، کثیر الحدیث تھے بغداد آ کر درس حدیث دیا پھر اصفہان جا کر سکونت کی، امام احمد و یحییٰ بن معین کے درجہ میں تھے، خطیب نے نقل کیا کہ ابو عبید قاسم بن سلام نے کہا علم حدیث امام احمد، علی بن عبداللہ، یحییٰ بن معین اور ابوبکر بن ابی شیبہ پر منتہی ہو اور امام احمد ان میں سے افقہ تھے، علی، اعلم تھے، یحییٰ بن معین میں جامعیت تھی، ابوبکر بن ابی شیبہ حفظ حدیث میں بڑھ کر تھے، ابویحییٰ نے کہا کہ ابو عبید سے خطا ہوئی حفظ حدیث میں سب سے بڑھ کر مرتبہ سلیمان بن داؤد شاذکونی کا ہے۔ محدث خوارزمی نے اس کے بعد لکھا کہ شاذکونی بھی ان حضرات میں ہیں جو مسانید میں امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔ (جامع المسانید ص ۴۷۳ ج ۲)

۱۳۵/۲- حافظ علی بن المدینی (۲۳۳ھ تہذیب ص ۳۳۹ ج ۷)

۱۳۶- حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ (عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان عیسیٰ کونی م ۲۳۵ھ)

تذکرۃ الحفاظ میں، الحافظ عدیم النظیر، الثبت، الخریر لکھا، امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ کے استاد ہیں اور ان کی کتابوں میں آپ سے بہ کثرت روایات ہیں، عمرو بن فلاس نے کہا کہ آپ سے بڑا حافظ حدیث ہماری نظر سے نہیں گذرا، ابوزرعہ نے کہا کہ میں نے آپ سے ایک لاکھ احادیث لکھیں، آپ کی بہترین یادگار ”مصنف“ دنیائے اسلام کی بے نظیر کتابوں میں ہے جس پر مفصل تبصرہ کرنا مناسب ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ

حافظ ابن حزم نے اس کو موطاً امام مالک پر مقدم کیا ہے ”احادیث احکام“ کی جامع ترین کتاب ہے جس میں اہل حجاز و اہل عراق کی روایات و آثار کو جمع کیا ہے، علامہ کوثری نے لکھا کہ حافظ موصوف کبار ائمہ حدیث میں سے تھے، آپ کے مصنف ابواب فقہ پر مرتب ہے، ہر باب میں حدیث مرفوع، موصول، مرسل، مقطوع و موقوف کے ساتھ آثار و اقوال صحابہ و فتاویٰ تابعین اور اہل علم کے اقوال بطریق محدثین سند کے ساتھ جمع کئے ہیں، جن سے مسائل اجماعیہ و خلافیہ پر پوری روشنی ملتی ہے اور اہل فقہ حنفی کا بھی بہترین ذخیرہ اس میں موجود ہے مصنف مذکور کے مکمل قلمی نسخہ کی ۸ ضخیم جلدیں مکتبہ مراد ملا استنبول میں موجود ہیں جہاں مصنف عبدالرزاق کا بھی مکمل نسخہ پانچ ضخیم جلدوں میں موجود ہے، ہندوستان میں کامل نسخے خزانہ آصفیہ اور مکتبہ سندھ میں ہیں ناقص بہت جگہ ہیں۔

امام اعظم کا طریقہ تدوین فقہ کے سلسلہ میں یہ تھا کہ دنیائے اسلام کے سینکڑوں ہزاروں محدثین آپ کی خدمت میں حدیث و فقہ کی تحصیل کے لئے جمع ہوتے تھے ان کی موجودگی میں احادیث احکام پر غور ہوتا تھا، نسخ و منسوخ کی بھی پوری چھان بین ہوتی تھی، رجال پر بھی

نظر ہوتی تھی، آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین کو بھی دیکھا جاتا تھا جن سے معلوم ہوتا تھا کہ کون کون سی احادیث کس کس طرح ہیں اور کس درجہ کے لوگوں میں متداول و معمول بہا رہی ہیں، خاص طور سے ۴۰ شرکاء و تدریس فقہ کی تو پوری توجہ بر سہا برس تک اسی خدمت پر صرف ہوئی حافظ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں بھی ان سب امور کا ذکر پوری طرح کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو روشنی فصل مسائل احکام میں اس پوری تفصیل سے مل سکتی تھی وہ ان کتابوں سے نہیں مل سکتی جن میں صرف احادیث مجردہ صحیحہ جمع کی گئیں، اس طرز کی علمی و حدیثی گراں قدر خدمت مصنف عبدالرزاق میں بھی تھی اور امام زہری نے بھی اپنی تالیف میں احادیث نبویہ کے ساتھ صحابہ کے فتاویٰ و فیصلوں کو جامع الابواب کے نام سے جمع کیا تھا، جمع احادیث مجردہ کی تحریک حافظ اسحاق بن راہویہ نے کی جس پر سب سے پہلے امام بخاری نے عمل کیا اور پھر دوسرے محدثین کا بھی رجحان اسی طرف ہو گیا اس کے نتیجے میں آثار و اقوال صحابہ و تابعین اور اقوال و آراء ائمہ مجتہدین کا اکثر و بیشتر حصہ سامنے سے ہٹ گئی، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جمع حدیث کی مہم پر صرف ہمت کی، اپنے دور خلافت میں جا بجا احکام بھیجے کہ احادیث کے ساتھ آثار صحابہ کو بھی مدون کیا جائے مگر چونکہ امام بخاری آثار صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے انہوں نے جزو ثانی کو ذکر بھی نہیں کیا اور ائمہ مجتہدین کے اقوال و آراء کو ”بعض الناس“ کی تعبیر سے مبہم و بے وقعت بنایا، بقول حضرت الاستاذ علامہ کشمیری ”مذہب حنفی سے واقفیت ناقص ہونے کی وجہ سے بعض مسائل و آراء کی نسبت میں بھی غلطی کی جس کی تفصیل اپنے مواقع پر آئے گی، رسائل جزء رفع الیدین اور جزو القراءات میں تو سلف کی تجہیل تک نوبت پہنچائی جس کی وضاحت امام بخاری کے حالات میں آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

غرض ہماری پختہ رائے ہے کہ اگر مصنف ابن ابی شیبہ کے طرز کی حدیثی تالیفات کی اشاعت بھی ہو گئی ہوتی تو جو نوبت افراط و تفریط تک پہنچی یا اصحاب مذاہب اربعہ کے مناقشات اور ان کے شاخسانے اتنے بڑھے یا عدم تقلید و سب ائمہ مجتہدین، محدثین و فقہاء کے رجحانات میں نشوونما ہو ایہ کچھ بھی نہ ہوتا اور باوجود اختلاف خیال کے بھی سب لوگوں کے قلوب متحد اور جذبات ہم رنگ ہوتے ہیں۔

حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ اور رد مسائل امام اعظم

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا حافظ موصوف کی کتاب فقہ حنفی کے لئے بہترین دستاویز ہے اور ہماری تمنا ہے کہ کسی طرح یہ ذخیرہ نادرہ جلد سے جلد طبع ہو کر شائع ہو اس ضخیم کتاب کا ایک نہایت مختصر حصہ وہ بھی ہے جس میں حافظ موصوف نے امام صاحب کے بعض مسائل پر نقد کیا ہے اور ہندوستان کے غیر مقلدوں نے ان کو اصل و ترجمہ اردو کے ساتھ شائع بھی کر دیا ہے تاکہ احناف کے خلاف پروپیگنڈے میں اس سے مدد لیں اس لئے اس کے متعلق بھی کچھ پڑھ لیجئے اس کے رد میں جو کتابیں لکھی گئیں ان کا بھی مختصر حال لکھا جاتا ہے۔

۱- حافظ عبدالقادر قرشی حنفی صاحب ”الجواہر المنیہ“ (م ۵۷۷ھ) نے ”الدار المنیہ“ لکھی۔
 ۲- حافظ قاسم بن قطلوبغا حنفی (م ۸۷۹ھ) نے ”الجوبۃ المنیہ“ لکھی، آپ کو حافظ ابن حجر سے بھی تلمذ ہے اور آپ کا مقام حدیث و فقہ میں بہت بلند ہے خود حافظ ابن حجر نے آپ کو امام، علامہ محدث و فقیہ اور الشیخ الحدیث الاکمل الاحد لکھا ہے اور حافظ ابن حجر نے نصب الرایہ کی تلخیص درایہ میں جن احادیث کو لکھا تھا کہ ”مجھے نہیں ملیں“ حافظ قاسم موصوف کی مطبوعہ ”نیۃ الاعمی“ کے آخر میں جو تعلیقات درایہ چھپی ہیں ان میں موصوف نے جا بجا ان احادیث کی تخریج حوالہ کی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ ان کی حدیثی معلومات کا دائرہ حافظ ابن حجر سے بھی زیادہ وسیع تھا، پھر بھی کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ احناف میں محدثین کی کمی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ دوسروں کی طرح ان کے لئے پروپیگنڈے کا فن استعمال نہیں کیا گیا۔

۳- حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعی صاحب ”سیرۃ شامیہ کبریٰ“ نے بھی ایک رد لکھنا شروع کیا تھا جس کو وہ پورا نہ کر سکے البتہ ”عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفہ العمان“ میں اپنی اسانید سے سترہ سلسلے جامعین مسانید امام اعظم تک لکھنے کے بعد حافظ ابن ابی شیبہ کے رد کا بھی ذکر کیا اور موصوف کے

اس اقدام پر کڑی تنقید اور درشت کلمات کے بعد مختصر اصولی جوابات بھی لکھے ہیں اس حصہ کو علامہ کوثری نے ”نکت“ کے آخر میں نقل بھی کر دیا ہے۔

۴- کشف الظنون میں ایک اور کتاب کا بھی ذکر ہے جس کا نام ”الرد علی من رد علی ابی حنیفہ“ لکھا ہے۔

۵- ایک روعلامہ کوثری (م ۱۳۷ھ) نے لکھا جس کا نام ”الکت الطریفہ فی التحدیث عن روود ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفہ“ ہے جو ۱۳۶۵ھ میں مصر سے شائع ہوا، علامہ کوثری نے تحریر فرمایا کہ ان کو سابقہ روود میں سے باوجود سعی کے کوئی نمل نہ سکا تاہم علامہ کا رد مذکور بہت کافی و شافی اور ان کی دوسری تالیفات کی طرح نہایت محققانہ بلند پایہ ہے، ابتداء میں یہ بھی لکھا ہے کہ ۱۱۲۵ اعتراضات میں سے نصف تو وہ ہیں جن میں دونوں جانب قوی احادیث و آثار ہیں لہذا اختلاف صرف وجوہ ترجیح کا رہ جاتا ہے، باقی نصف کے پانچ حصے ہیں، ایک وہ جن میں کتاب اللہ کی وجہ سے کسی خبر واحد کو امام صاحب نے ترک کیا ہے، ایک خمس میں خبر مشہور کی وجہ سے اس سے کم درجہ کی حدیث پر عمل نہیں کیا ایک خمس میں مدارک اجتہاد اور فہم معانی حدیث کے فرق سے الگ الگ راہ بنی ہے اور امام صاحب کا ان امور میں تفوق مسلم ہے ایک خمس میں حافظ ابو بکر نے حنفی مذہب سے ناواقفی کے باعث اعتراض کیا ہے اس کے بعد صرف ایک خمس (۱۲-۱۳ مسائل) ایسے رہ جاتے ہیں جن کے بارے میں علی سمیل التنزل یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام صاحب سے ان میں خطا ہوئی جن کی نسبت امام صاحب کے مدونہ مسائل کی کثرت کے اعتبار سے صفر کے قریب ہوتی ہے کیونکہ ان کی تعداد بارہ لاکھ ستر ہزار تک بیان ہوئی ہے گویا ایک لاکھ میں ایک مسئلہ ٹھہرا اور یہ کون کہہ سکتا ہے کہ امام صاحب معصوم تھے۔

ایک اہم بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ حافظ ابو بکر نے مشہور اختلافی مسائل میں سے کوئی مسئلہ نہیں لکھا جن پر بعد کے محدثین اور مخالفین و معاندین نے حنیفہ کے خلاف بڑا زور لگایا ہے اور امام بخاری جیسے عظیم القدر محدث نے بھی اپنے رسائل میں اکابر حنیفہ کے خلاف شان بہت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں، حالانکہ ان مسائل میں اختلاف کی نوعیت بہت ہی معمولی تھی جس کو حافظ ابن تیمیہ وغیرہ نے بھی لکھا ہے اور ہم نے اس کو پہلے نقل کیا ہے علامہ کوثری کے جوابات شرح بخاری میں بموقع نقل ہوں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ وہو المستعان وعلیہ التکلان۔

۱۳۷- حافظ بشر بن الولید بن خالد کندی (م ۲۳۸ھ)

امام ابو یوسف کے اصحاب میں سے جلیل القدر محدث و فقیہ، دیندار، صالح و عابد تھے، حدیث امام مالک و حماد بن زید وغیرہ سے بھی حاصل کی آپ سے ابو نعیم موصلی، ابو یعلیٰ وغیرہ اور ابو داؤد نے روایت کی دارقطنی نے ثقہ کہا، حالت پیری، ضعف و مرض میں بھی دو سو رکعت نفل روزانہ پڑھا کرتے تھے، معتصم باللہ نے خلق قرآن کے قائل نہ ہونے پر آپ کو قید کر دیا اور ہر چند کوشش کی مگر آپ قائل نہ ہوئے پھر متوکل کے زماہ میں رہا ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہم اکثر حضرت سفیان بن عیینہ کی مجلس میں جاتے تھے جب کوئی مشکل مسئلہ ان کے پاس آتا تو وہ پکار کر پوچھتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں سے کوئی شخص یہاں موجود ہے سب میری ہی طرف اشارہ کرتے اور میں جواب عرض کرتا لوگوں نے آپ سے مشکل فقہی مسائل اور نوادر میں غیر معمولی استفادہ کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (حدائق)

۱۳۸- حافظ اسحاق بن راہویہ حنفی ولادت ۱۶۱، ۱۶۶ھ، م ۲۳۸ھ، عمر ۷۷ سال

آپ نے ابن عیینہ، ابن علیہ، جریر، بشر بن المفضل، حفص بن غیاث، ابن ادریس، ابن مبارک، عبدالرزاق، عیسیٰ بن یونس، شعیب، ابن اسحاق وغیرہ سے روایت کی، آپ سے سواء ابن ماجہ کے باقی ارباب صحاح نے اور بقیہ بن الولید و یحییٰ بن آدم نے جو آپ کے شیوخ میں ہیں اور امام احمد، اسحاق کونج، محمد بن رافع اور یحییٰ بن معین نے جو آپ کے اقران میں ہیں روایت کی۔

ابن مبارک سے نوجوانی کے زمانے میں حدیث سنی اور بوجہ کم عمری کے آپ سے روایت نہ کی، قیام مرو میں ابتداء میں تفقہ بھی آپ نے ابن مبارک وغیرہ کی خدمت میں رہ کر امام اعظم کے مذہب پر کیا تھا، پھر جب بصرہ جا کر عبدالرحمن بن مہدی کی شاگرد ہوئے توفیق حنفی سے منحرف ہو گئے

تھے اور اصحاب طواہر کا طریقہ اختیار کر لیا تھا، امام اعظم کے حالات ہمیں ہم نقل کر آئے ہیں کہ کچھ لوگوں نے امام اعظم کی کتابیں دریا برد کرنے کی اسکیم بنائی تھی جس پر مامون نے ان لوگوں کو بلا کر امام صاحب کی طرف سے مدافعت کی اور ان کو تنبیہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں تو ان میں یہ اسحاق بن راہویہ بھی تھے جو امام بخاری کے خاص شیوخ میں ہیں اور ممکن ہے کہ امام بخاری میں جو انحراف فقہ حنفی یا ائمہ احناف سے آیا ظاہریت کی جانب زیادہ میلان ہو اس میں ان کے تلمذ کا بھی اثر ہو، یوں ابتداء میں امام بخاری کو بھی فقہ عراق و فقہاء احناف سے ربط رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

اسحاق بن راہویہ کا حافظ بے مثل تھا اپنے تلامذہ کو گیارہ ہزار احادیث املا کرائیں پھر ان کا اعادہ کیا تو ایک حرف زیادہ یا کم نہ کیا، وفات سے دو ماہ قبل حافظ میں تغیر ہو گیا تھا۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ۔

۱۳۹- حافظ ابراہیم بن یوسف بلخی (م ۲۳۹ھ)

ابن مبارک، ابن عیینہ، ابوالاحوص، ابو معاویہ، ابو یوسف القاضی، ہشیم وغیرہ سے روایت کی، امام مالک سے بھی ایک حدیث سنی ہے، آپ سے نسائی، زکریا سجزی، محمد بن کرام وغیرہ ایک جماعت نے روایت کی، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، امام ابو یوسف کی خدمت میں رہ پڑے تھے، یہاں تک کہ فقہ میں کمال حاصل کیا، ابو حاتم نے کہا ان سے حدیث نہیں لیں گے، حافظ ذہبی نے اس پر کہا کہ یہ محض ار جاء کی تہمت کی وجہ سے ان پر حملہ کیا گیا ہے، نسائی نے ان کو اپنے شیوخ میں ذکر کیا اور ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب ص ۱۸۴ ج ۱)

۱۴۰- حافظ عثمان بن محمد بن ابراہیم الکوئی المعروف بابن ابی شیبہ (م ۲۳۹ھ عمر ۸۳ سال)

مشہور محدث ابو بکر بن ابی شیبہ صاحب "مصنف" کے بھائی تھے، مکہ معظمہ اور ربیعہ وغیرہ کے علمی سفر کئے، مسند و تفسیر لکھی، بغداد جا کر درس حدیث دیا، شریک بن عبداللہ، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن عبید بن ادریس اور جریر بن عبدالحمید و ہشیم وغیرہ سے حدیث روایت کی، محدث خوارزمی نے فرمایا کہ امام اعظم سے بھی آپ نے مسانید میں روایات کی ہیں، رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ۔۔

۱۴۱- امام یحییٰ بن اکتوم بن محمد قطن بن سمعان مروزی (م ۲۳۲، ۲۳۳ھ، عمر ۸۳ سال)

مشہور محدث و فقیہ، امام محمد کے اصحاب خاص میں تھے، حدیث امام محمد، ابن مبارک، ابن عیینہ وغیرہ سے سنی اور روایت کی، آپ سے امام بخاری نے غیر جامع میں اور امام ترمذی نے روایت کی، بیس سال کی عمر میں بصرہ کے قاضی ہوئے، اہل بصرہ نے کم عمر سمجھا تو فرمایا کہ میں عتاب بن اسید سے عمر میں بڑا ہوں جن کو حضور اکرم ﷺ نے مکہ معظمہ کا قاضی بنایا تھا اور معاذ بن جبل سے بھی عمر میں زیادہ ہوں جن کو آنحضرت ﷺ نے یمن کا قاضی بنایا تھا۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ۔ (حدائق)

۱۴۲- حافظ ولید بن شجاع ابوہمام بن ابی بدر السکوئی الکوئی (م ۲۳۳ھ)

امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کے حدیث میں استاد ہیں، ابن معین نے فرمایا کہ ان کے پاس ایک لاکھ حدیثیں ثقات کی موجود تھیں، حافظ ذہبی نے میزان میں ان کو حافظ حدیث لکھا، رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ۔

۱۴۳- محدث کوفہ ابو کریب محمد بن العلاء الہمدانی الکوئی (م ۲۳۳ھ عمر ۸۷ سال)

کوفہ کے مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں تمام ارباب صحاح ستہ نے ان سے روایت کی، موسیٰ بن اسحاق کا بیان ہے کہ میں نے ابو کریب سے ایک لاکھ حدیث سنی، ابن نمیر نے کہا کہ عراق میں ان سے زیادہ کثیر الحدیث نہ تھا، علامہ یاقوت حموی نے کہا کہ ابو کریب متفق علیہ ثقہ ہیں۔ (تہذیب و تذکرہ)

۱۴۴- شیخ ابو عبد اللہ بن یحییٰ العدنی (متوفی ۲۴۳ھ)

مکہ معظمہ میں سکونت کی اور اپنے زمانہ کے شیخ الحرم ہوئے، ۷۷ حج کئے، ہر وقت طواف میں مشغول رہتے تھے، امام مسلم و ترمذی نے روایت کی، آپ کی مسند مشہور ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۱۴۵- حافظ احمد بن منیع ابو جعفر البغوی الاصبم (ولادت ۱۶۰ھ ۲۴۴ھ)

بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی، حدیث و فقہ میں امام ابو یوسف کے تلمیذ خاص ہیں اور آپ سے تمام ارباب صحاح نے روایت کی، محدث خلیلی نے کہا کہ آپ علم میں امام احمد اور ان کے اقران کے برابر ہیں، چالیس سال تک ہر تیسرے روز ختم قرآن معمول رہا، آپ کی مسند مشہور ہے، جس کو آپ کے نامور شاگرد اسحاق بن ابراہیم بن جمیل نے روایت کیا۔ (تہذیب)

۱۴۶- حافظ اسحاق بن موسیٰ الانصاری (م ۲۴۴ھ)

تذکرۃ الحفاظ میں حافظ حدیث، ثبت، امام حدیث، صاحب سنت اور فقیہ لکھا، حدیث میں سفیان بن عیینہ (تلمیذ امام اعظم) عبد السلام بن حرب اور معن بن عیسیٰ کے شاگرد ہیں، ابو حاتم، نسائی و خطیب نے ثقہ کہا، امام مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ترمذی میں حدیث الانصاری سے ہر جگہ یہی مراد ہوتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب و تذکرۃ الحفاظ)

۱۴۷- حافظ سلمہ بن شیبہ نیشاپوری (متوفی ۲۴۶ھ)

مکہ معظمہ کی سکونت اختیار کر لی تھی، یزید بن ہارون، عبدالرزاق، عبدالرحمن مقرئ (تلامذہ امام اعظم) اور ابوداؤد طیالسی وغیرہ سے حدیث حاصل کی، امام بخاری کے علاوہ تمام ارباب صحاح ان کے شاگرد ہیں، ابو نعیم اصفہانی نے ان ثقات میں شمار کیا جن سے ائمہ حدیث و متقدمین نے روایت کی، حاکم نے "محدث مکہ" اور اتقان و صدوق میں متفق علیہ کہا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۱۴۸- حافظ کبیر احمد بن کثیر ابو عبد اللہ دورتی (ولادت ۱۶۸ھ ۲۴۶ھ)

حافظ یعقوب دورتی کے چھوٹے بھائی ہیں، دونوں بھائی حافظ حدیث ہوئے ہیں، صالح جزرہ نے کہا کہ احمد کثرت حدیث اور اس کی معلومات میں اور یعقوب علم اسناد و روایت میں بڑھے ہوئے تھے اور دونوں ثقہ ہیں، امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی و ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں (تہذیب و تذکرہ)

۱۴۹- حافظ اسمعیل بن توبہ ابوسہل ثقفی قزوینی (متوفی ۲۴۷ھ)

مشہور محدث فقیہ ہیں امام محمد، ہشیم، سفیان بن عیینہ (تلامذہ امام اعظم) خلف بن خلیفہ، اسماعیل بن جعفر وغیرہ سے حدیث کی تکمیل کی آپ سے ابن ماجہ، ابوزرعہ، ابو حاتم وغیرہ بڑی جماعت محدثین نے روایت کی، ابو حاتم نے صدوق کہا، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور فن حدیث میں پختہ کار کہا، کبار ائمہ حنفیہ سے تھے۔

امام محمد کی "سیر کبیر" کے راوی ہیں، امام محمد جس وقت ہارون رشید کے صاحبزادوں کو تعلیم دیتے تھے تو "سیر کبیر" کے درس میں یہ بھی ان کے شریک ہوتے تھے۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ۔ (جوہر و تہذیب)

۱۵۰- حافظ عمرو بن علی فلاس بصری (م ۲۴۹ھ)

حافظ ذہبی نے حافظ حدیث، ثبت، سیرنی حدیث اور احاد الاعلام لکھا، مسند، علل اور تاریخ کے مصنف اور تمام ارباب صحاح ستہ کے فن

حدیث میں استاد ہیں، محدث ابو زرعة کا قول ہے کہ حدیث کے شہسواروں میں سے بصرہ میں ان سے اور ابن المدینی و شاذ کوفی سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہیں تھا، آپ سید الحفاظ امام ترمذی القطان (تلمیذ امام اعظم) کے حدیث میں شاگرد تھے، ایک دفعہ امام قطان نے کسی حدیث میں کوئی غلطی کی، دوسرے روز خود ہی متنبہ ہو گئے اور درس کے وقت ان ہی عمرو کی طرف خطاب خاص فرما کر کہا کہ میں غلطی کرتا ہوں اور تم موجود ہوتے ہوئے بھی مجھے نہیں ٹوکتے؟ حالانکہ اس وقت دوسرے تلامذہ علی بن المدینی جیسے بھی موجود تھے۔ (تہذیب و تذکرۃ الحفاظ)

۱۵۱- امام ابو جعفر دارمی (م ۲۵۳ھ)

حفظ حدیث و معرفت فقہ میں بڑی شہرت رکھتے ہیں، امام احمد نے فرمایا کہ خراسان سے ان سے زیادہ فقیہ البدن کوئی نہیں آیا ابن عقده نے احد حفاظ الحدیث، متقن، عالم حدیث و روایت کہا، بجز امام نسائی کے تمام ارباب صحاح کو ان سے تلمذ حاصل ہے، ان کی ”سنن دارمی“ مشہور و معروف ہے۔ (رحمۃ اللہ رحمۃ واسعة)۔ (تہذیب و تذکرہ)

ضروری واہم گذارشات

۱- مقدمہ شرح بخاری شریف حصہ اول پیش ہے جو ۲۳۴ صفحات میں پورا ہوا، حصہ دوم میں امام بخاری سے شروع ہو کر اس زمانہ تک کے ممتاز محدثین کا ذکر خیر ہوگا، وہ حصہ غالباً اس سے بھی زیادہ ہی جگہ لے گا، اختصار کی سعی کے ساتھ یہ امر بھی ملحوظ رہا کہ جن محدثین کے حالات پوری طرح منظر عام پر اب تک نہ آسکے تھے، خصوصاً محدثین احناف کے، ان کے صحیح و ضروری حالات ضرور نمایاں کر دیئے جائیں حصہ دوم میں امام بخاری کے حالات امام اعظم کی طرح زیادہ تفصیل سے دیئے گئے ہیں اور ان کی تمام تالیفات پر بھی پورا تبصرہ کیا گیا ہے۔

۲- شرح بخاری شریف سے پہلے حدیث و محدثین کی تاریخ اور اجلہ محدثین کے صحیح و ضروری تعارف کی اہمیت ظاہر ہے اسی لئے ”تذکرہ محدثین“ کی تقدیم ضروری سمجھی گئی۔ ۳- مضامین مقدمہ کی اہمیت جو پیش لفظ میں بیان ہوئی ہے اس کو ابتداء میں ضرور ملاحظہ کر لیا جائے۔ ۴- انوار الباری کا پورا کام ایک تحقیقی علمی خدمت کے طور پر کیا جا رہا ہے، مقدمہ میں اکابر امت کے معتبر حالات اور شرح میں ان کی تحقیقات عالیہ زیادہ معتمد ذرائع سے بہتر سلیس، اردو میں پیش کرنے کا تہیہ ہے۔ واللہ المیسر والمستعان۔

۵- انوار الباری کی تالیف و اشاعت کے سلسلے میں اکابر اہل علم اور باذوق علمی و دینی شغف رکھنے والے احباب و مخلصین نے جو کچھ حوصلہ افزائی فرمائی اور اپنے اپنے حلقوں میں اس کا تعارف کرایا اس کے لئے ادارہ ان کا ممنون ہے۔ والاجر عند اللہ۔

انوار الباری ^{مقدمہ} صحیح البخاری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله و كفى سلام على عباده الذين اصطفى

امام بخاری

(ولادت ۱۹۴ھ، وفات ۲۵۶ھ، عمر بائیس سال)

اسم مبارک:

امیر المؤمنین فی الحدیث الشیخ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ الجعفی رحمۃ اللہ علیہ۔

خاندانی حالات:

بردزبہ فارسی کلمہ ہے، کاشت کار کو کہتے ہیں، بردزبہ مجوسی تھے، ان کے بیٹے مغیرہ، یمان جعفی والی بخارا کے ہاتھ پر اسلام لائے، اسی نسبت سے وہ جعفی مشہور ہوئے۔

مغیرہ کے فرزند ابراہیم کے حالات معلوم نہ ہو سکے، حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں بھی یہی لکھا ہے کہ مجھے ان کے حالات نہیں ملے، ابراہیم کے صاحبزادہ اسماعیل کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ علماء اتقیاء میں سے تھے، حافظ نے کتاب الثقات ابن حبان سے نقل کیا کہ طبقہ رابعہ میں تھے، حماد بن زید اور مالک وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عراقیوں نے روایت کی اور ابن مبارک و تلمیذ امام اعظم کی صحبت میں بیٹھے ہیں، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں اسی طرح لکھا ہے کہ اسماعیل بن ابراہیم نے حماد بن زید کو دیکھا، ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور مالک سے حدیث سنی۔

سن پیدائش و ابتدائی حالات:

امام بخاری ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد کا انتقال آپ کی صغریٰ ہی میں ہو گیا تھا لہذا اپنی والدہ محترمہ کی تربیت و نگرانی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر اپنی والدہ اور بڑے بھائی کے ساتھ حج کو تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ میں قیام کر کے تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔

مشہور ہے کہ امام بخاری کی بینائی چھوٹی عمر میں زائل ہو گئی تھی، آپ کی والدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، فرمایا ”خدا نے تمہاری دعاؤں کی وجہ سے بیٹے کی بینائی واپس کر دی ہے“ امام بخاری صبح کو اٹھے تو بینا تھے۔

علمی شغف و مطالعہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب میں ۱۶ سال کی عمر میں داخل ہوا تو میں نے ابن مبارک اور کعب کی کتابیں یاد کر لی تھیں اور ان لوگوں کے (یعنی علماء عراق کے) علم سے واقف ہو گیا تھا، پھر میں اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ حج کے لئے گیا، حافظ ابن حجر نے لکھا کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام بخاری نے سب سے پہلا سفر ۲۱ھ میں کیا، اور اگر وہ ابتداءً تعلیم کے وقت ہی سفر کر لیتے تو اپنے دوسرے معاصرین کی طرح وہ بھی طبقہ عالیہ کے لوگوں کو پالیتے اور حافظ حدیث عبدالرزاق کا زمانہ ان کو مل بھی گیا تھا اور امام بخاری نے ارادہ بھی کیا تھا کہ ان کے پاس یمن جا کر استفادہ کریں، مگر ان سے کہا گیا کہ شیخ مذکور کا انتقال ہو گیا ہے، اس لئے وہ یمن نہ گئے، اس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ اس وقت زندہ تھے۔ چنانچہ امام بخاری ان سے بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔

تصنیف کا آغاز:

امام بخاری ہی نے کہا ہے کہ اٹھارہویں سال میں، میں نے ”قضا یا الصحابة والتابعین“ تصنیف کی پھر ”تاریخ کبیر“ اسی ماہ میں مدینہ منورہ میں روضہ مطہرہ کے قریب بیٹھ کر تصنیف کی۔ امام بخاری نے فرمایا کہ میں شام، مصر اور جزیرہ دوبار گیا ہوں اور بصرہ چار مرتبہ، حجاز میں چھ سال اقامت کی اور اس کو شمار نہیں کر سکتا کہ کتنی بار کوفہ اور بغداد گیا ہوں۔

امام احمد سے تعلق:

یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ امام بخاری جب بھی بغداد جاتے، امام احمد سے ملاقاتیں کرتے اور مستفید ہوتے تھے، اور وہ ان کو ہر مرتبہ خراسان چھوڑ کر بغداد کی سکونت اختیار کرنے کی ترغیب دیتے تھے، لیکن باوجود اتنی ملاقاتوں کے امام احمد سے روایت حدیث بہت کم ہے، حتیٰ کہ حافظ ابن حجر نے کتاب النکاح، باب ما تحل من النساء میں تشریح کی ہے کہ امام بخاری نے امام احمد سے صرف یہاں ایک روایت لی ہے اور ایک روایت مغازی میں لی ہے ان دو کے سوا نہیں ہے، شاید اس لئے کہ امام بخاری کو امام احمد کے شیوخ سے لقا حاصل ہو گیا تھا وہ امام احمد کے واسطے سے مستغنی ہو گئے تھے، چنانچہ امام احمد سے روایت کرنے کے بجائے علی بن مدینی سے زیادہ روایات لی ہیں۔

قیام بصرہ اور تصنیف:

امام بخاری نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں بصرہ میں پانچ سال رہا، میرے ساتھ کتابیں ہوتی تھیں، تصنیف کرتا تھا اور حج کے موسم میں حج کرتا تھا اور پھر بصرہ کو لوٹ آتا تھا اور ایک سال مدینہ منورہ میں قیام کے دوران تصنیف میں مصروف رہا، امام بخاری نے یہ واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ ۱۸ سال کی عمر میں حج کے لئے گیا تو حمیدی سے ملا، اس وقت ان کے اور ایک دوسرے شخص کے درمیان کسی حدیث پر جھگڑا ہو رہا تھا، حمیدی نے مجھے دیکھ کر کہا: ”اب یہ آگئے ہیں ہمارے نزاع کا فیصلہ کر دیں گے اور مجھ سے نزاعی صورت بیان کی، میں نے حمیدی کی تصویب کی اور حق بھی ان ہی کے ساتھ تھا۔“

علم حدیث و فقہ کے لئے اسفار:

امام بخاری تحصیل علم و حدیث و فقہ کے لئے مختلف دور دراز شہروں میں پہنچے ہیں اور بڑے بڑے محدثین و فقہاء سے علم حاصل کیا ہے، بلخ گئے اور کئی بن ابراہیم کے شاگرد ہوئے جو امام اعظم کے تلمیذ خاص تھے، ان سے گیارہ احادیث ثلاثی امام بخاری نے اپنی تصنیف میں روایت کی ہیں، بغداد میں مصلی بن منصور کے شاگرد ہوئے جو بقول امام احمد، امام صاحب، امام ابو یوسف و امام محمد کے اصحاب و تلامیذ سے تھے، امام

یحییٰ بن سعید القطان (تلمیذ امام اعظمؒ) کے تلمیذ خاص امام احمد اور علی بن المدینی کے شاگرد ہوئے اور جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ بخاری میں علی بن المدینی سے بہ کثرت روایات ہیں۔

بصرہ پہنچ کر ابو عاصم النبیل الضحاک کے شاگرد ہوئے، جن سے امام بخاریؒ نے چھ روایات اعلیٰ درجہ کی روایت کی ہیں، جو ”ثلاثیات“ کہلاتی ہیں، یہ ابو عاصم بھی امام صاحبؒ کے تلمیذ خاص بلکہ شرکاء تدوین فقہ حنفی میں سے ہیں۔

ان کے علاوہ تین ثلاثیات امام بخاریؒ نے محمد بن عبد اللہ انصاری سے روایت کی ہیں جو بہ تصریح خطیب بغدادی امام ابو یوسفؒ و امام محمد کے تلمیذ اور حنفی تھے۔

ثلاثیات بخاری:

”ثلاثیات“ وہ احادیث کہلاتی ہیں جن میں راوی اور نبی کریم ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہوں اور یہ اعلیٰ درجہ کی احادیث ہیں بخاری شریف میں صرف ۲۲ ہیں، جو امام بخاری کا ماہہ الافتخار ہیں اور ان میں ۲۰ حدیثیں بہ تفصیل مذکورہ بالا انہوں نے اپنے حنفی شیوخ سے روایت کی ہیں۔

”ثلاثیات“ سے اعلیٰ درجہ پر ثنائیات ہوتی ہیں اور وہ بھی امام صاحب کی روایات میں بہ کثرت ہیں، ملاحظہ ہوں، مسانید الامام اعظمؒ اور کتاب الآثار بلکہ بعض وحدائیات بھی ہیں، کیونکہ امام صاحب کا لقاء اور سماع بھی بعض صحابہ سے ثابت ہے، ملاحظہ ہو، مناقب کردری و موفق و مقدمہ اوجز المسالک حضرت شیخ الحدیث مولانا العلام محمد زکریا صاحب سہارن پوری عم فیضہم۔

متاخرین کی تضعیف حدیث:

اسی لئے علماء نے فیصلہ کیا ہے کہ متاخرین کی تصنیف حدیث متقدمین (آئمہ مجتہدین وغیرہم) کی مرویات پر اثر انداز نہیں ہو سکتی، علامہ ابن امیر الحاج نے شرح التحریر میں لکھا کہ ”یہ امر خاص طور سے قابل تنبیہ ہے کہ اگر بطور تنزل صحیح بخاری و مسلم کی اصحیت کو دوسری تمام کتب حدیث پر مان بھی لیں تو یہ بہ نسبت بعد کی کتابوں کے ہوگی، نہ بہ نسبت ان آئمہ مجتہدین متبوعین کی مرویات کے بھی جو ان دونوں سے پہلے ہو چکے ہیں، یہ بات اگرچہ ظاہر ہے مگر پھر بھی بعض لوگوں سے مخفی ہے یا اس کو دانستہ مخفی رکھ کر عوام کو مغالطہ دیا جاتا ہے، واللہ سبحانہ اعلم“۔

آئمہ متبوعین اور اصحاب صحاح ستہ:

مقصد یہ ہے کہ شیخین اور اصحاب سنن سب حفاظ حدیث باہم معاصر ہیں ”جو تدوین فقہ اسلامی کے بعد کے زمانہ میں ہوئے ہیں، انہوں نے فہم معانی حدیث کے لئے صرف ہمت کی اور گراں قدر حدیثی تالیفات بھی کیں، لیکن ان سے پہلے مجتہدین کے پاس (بہ نسبت ان کے) اصولی مواد زیادہ وافر تھا اور احادیث کا ذخیرہ بھی بہت زیادہ تھا، ان کے سامنے مرفوع، موقوف، فتاویٰ صحابہ و تابعین سب ہی تھے، مجتہد کی نظر تمام اقسام حدیث پر ہوتی ہے کسی ایک قسم پر مقصود نہیں ہوتی، جوامع اور مصنفات اس زمانہ کے دیکھو تو ان میں ان سب اقسام کا مواد موجود پاؤ گے جن سے ایک مجتہد اپنی گرانقدر ذمہ داریوں کے تحت مستغنی نہیں ہو سکتا۔

پھر دیکھو کہ ان جوامع اور مصنفات کے مؤلفین سب ان مجتہدین کے اصحاب خاص یا اصحاب اصحاب تھے، علو طبقہ اور کمی رواۃ کی وجہ سے ان کی اسانید میں ہر قسم کی نظر ان کے لئے آسان تھی، نیز کسی مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا خود اس کی تصحیح و توثیق کے مترادف تھا، لہذا جو کچھ ضرورت صحاح ستہ کی طرف ہوئی اور ان سے استدلال کیا گیا وہ متاخرین کے لئے ہے، متقدمین کے لئے ان کی ضرورت کیا پیش

آتی (مقدمہ لامع الدراری نقل من ہامش الشروط للحازی، للکوثری)

امام بخاری کے اساتذہ:

غرض امام بخاری نے بڑے بڑے علمی مرکزوں کے اکابر شیوخ حدیث اور جلیل القدر فقہاء سے استفادہ کیا اور امام بخاری کے شیوخ اور شیوخ مشائخ میں بڑی کثرت علماء احناف کی ہے اور آپ نے خود اپنے اساتذہ کی تعداد دس سو اسی بیان کی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ وہ سب اصحاب حدیث تھے (اس سے بہت سے حنفی شیوخ کو بھی سند حدیث مل گئی، والحمد للہ) آپ کے بڑے بڑے اساتذہ، اسحاق بن راہویہ (تلمیذ ابن مبارک تلمیذ الامام الاعظم) علی بن المدینی (تلمیذ یحییٰ القطان تلمیذ الامام) امام احمد (تلمیذ امام ابی یوسف) یحییٰ بن معین حنفی (تلمیذ امام محمد) اور حمیدی شافعی تھے۔

علم حدیث وفقہ امام بخاری کی نظر میں:

امام بخاری نے اپنے تلامذہ کو وسعت علوم حدیث اور شرائط تحصیل علم حدیث وغیرہ کے بارے میں قیمتی معلومات دی ہیں اور اکثر علم حدیث کی مشکلات اور اس کے حاصل کرنے میں لاحق ہونے والی پریشانیاں بیان کیا کرتے تھے، اس سلسلہ میں اربع مع اربع کا رابع مع اربع مثل اربع فی اربع والی تقریر بخاری بہت دلچسپ اور اہل علم کے لئے قابل مطالعہ ہے، حضرت شیخ الحدیث دام ظلہم نے مقدمہ اوجز میں پوری ذکر فرمادی ہے اور تلامذہ سے فرمادیا کرتے تھے کہ اگر تم ان سب مشقوں اور پریشانیوں کو برداشت نہیں کر سکتے تو علم حدیث کی تحصیل کا خیال دماغ سے نکال دو اور فقہ حاصل کرو، کیونکہ تم اس کو گھر میں بیٹھ کر بھی حاصل کر سکتے ہو، اس میں نہ تمہیں بڑے طول طویل سفروں کی ضرورت ہوگی، نہ سمندروں کو پار کرنے کی اور باوجود اس کے فقیہ کا ثواب بھی آخرت میں محدث سے کم نہیں ہے اور نہ اس کا اعزاز محدث سے کم ہے کیونکہ وہ بھی حدیث شریف کا ہی ثمرہ ہے۔

رجال حنفیہ اور حافظ ابن حجر:

امام بخاری کے والد ماجد کی ملاقات، صحبت یا صرف مصافحہ ابن مبارک سے، اس کا ذکر بھی سب بطور منقبت کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ عبداللہ بن مبارک بہت بڑے مسلم امام حدیث تھے، لیکن وہ امام اعظم کے تلمیذ خاص تھے اور ہر سوں تک دور دراز شہروں میں رہ کر سب جگہ کے محدثین اور جلیل القدر تابعین سے حدیث وفقہ حاصل کرنے کے بعد امام صاحب کی خدمت میں پہنچے تو امام صاحب ہی کے ہورہے تھے اور امام صاحب کے بہت بڑے مداح ہیں، تہذیب الکمال میں حافظ مزنی نے بھی ان کو امام صاحب کے تلامذہ میں ذکر کیا ہے مگر تعجب ہے کہ حافظ نے تہذیب میں ان کو امام صاحب کے تلامذہ میں ذکر نہیں کیا، رجال کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ایسا ایک دو جگہ نہیں بلکہ بڑی کثرت سے ملے گا کہ تہذیب الکمال میں بڑے بڑے محدثین و فقہا امام صاحب یا ان کے اصحاب میں سے کسی کے تلمیذ تھے، یا تلمیذ التلامیذ تھے، مگر حافظ نے اس ذکر کو حذف کر دیا، تا کہ حنفیہ کی تنویر شان نہ ہو، اسی وجہ سے ہمارے شاہ صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ”رجال حنفیہ“ کو جس قدر نقصان حافظ نے پہنچایا اور کسی نے نہیں پہنچایا۔

حافظ برابر اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی حنفی ہو تو اس کو گرا دیں اور شافعی ہو تو اس کو ابھار دیں، ہم اس کی مثالیں اپنے اپنے موقع سے آگے بھی پیش کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔

سبب تالیف جامع صحیح:

جامع صحیح کی تصنیف کا سبب امیر المؤمنین فی الحدیث اسحاق بن راہویہ ہوئے جو امام بخاری کے اکابر اساتذہ میں سے ہیں، انہوں نے

ایک بار تمنا ظاہر فرمائی کہ کوئی صحیح احادیث کا مختصر مجموعہ مرتب ہو جائے، امام بخاری بھی اس مجلس میں موجود تھے، خدا نے ان کے دل میں اس کا داعیہ پیدا کیا اور اس اہم و مہتمم بالشان کام کی توفیق بھی مرحمت فرمادی جس سے یہ شاندار اور بے نظیر مجموعہ احادیث صحیحہ کا ظہور پذیر ہوا، یہ اسحاق بن راہویہ بواسطہ ابن مبارک امام اعظم کے تلمیذ ہیں۔

امام بخاری سے پہلے تالیف حدیث:

امام بخاری سے پہلے زیادہ رواج مسانید کا تھا، چنانچہ امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ اور عثمان بن ابی شیبہ جیسے عظیم القدر حفاظ حدیث نے مسانید مرتب کئے تھے اور ان سے پہلے عبداللہ بن موسیٰ العبسی کوفی، مسدد بن مسرہد بصری اور اسد بن موسیٰ الاموی وغیرہ نے مسانید جمع کئے تھے، جس طرح ان سے پہلے اکابر آئمہ حدیث مثلاً امام ابو یوسف و امام محمد کے ذریعہ امام اعظم کی کتاب الآثار مرتب ہوئیں، امام مالک نے موطاء تصنیف فرمائی، اور ان سب میں احادیث کے ساتھ ساتھ اقوال صحابہ اور فتاویٰ تابعین بھی لکھے جاتے تھے۔

حافظ ابن جریج نے مکہ معظمہ میں امام اوزاعی نے شام میں، امیر المؤمنین فی الحدیث ثوری نے کوفہ میں، حافظ حماد بن سلمہ نے بصرہ میں مصنفات تیار کیں اور ان کے علاوہ مصنفات اصحاب امام اعظم مثلاً کتاب الآثار امام ابو یوسف، کتاب الآثار امام محمد، مصنف عبدالرزاق (تلمیذ الامام) کتب ابن مبارک (تلمیذ الامام) کتاب وکیع (تلمیذ الامام) کتاب الصیام و کتاب الزکوٰۃ یوسف بن امام ابی یوسف اور سید حمیدی (استاد البخاری) وغیرہ منصفہ شہود پر آچکی تھیں، غرض ہر امام اور حافظ حدیث نے کوئی نہ کوئی مجموعہ حدیث و آثار بصورت مسند یا مصنف بہ ترتیب ابواب ضرور چھوڑا تھا۔

یہ بھی واضح رہے کہ جامع صحیح کی تالیف امام بخاری کے ابتدائی دور کی نہیں بلکہ آخری دور کی تصنیف ہے اور جیسا کہ ہم نے ابتداء مقدمہ میں عرض کیا تھا، زمانہ صحابہ میں بھی جمع حدیث کا کام ہوا ہے اور حافظوں میں تو تمام ہی صحابہ کے بہترین ذخیرہ موجود تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے باقاعدہ تدوین حدیث کی مہم شروع کی، چنانچہ امام شعبی متوفی ۱۱۰ھ نے اسی طرح زہری متوفی ۱۲۰ھ اور ابو بکر خرمی متوفی ۱۲۲ھ نے بڑے پیمانہ پر احادیث جمع کیں، پھر ۱۲۰ھ سے امام اعظم نے اپنے چالیس شرکاء تدوین فقہ اور دوسرے اصحاب و تلامذہ محدثین و فقہاء کے ساتھ پچیس تیس سال تک احادیث و آثار فتاویٰ صحابہ و اقوال تابعین، قضایا صحابہ و تعامل سلف کی روشنی میں لاکھوں مسائل احکام کا استخراج کیا، جو حسب تحقیق مذکور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب احادیث مرفوعہ ہی کے حکم میں تھے۔

اسی طرح امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد کے مستخرجہ مسائل احکام بھی اسی مرتبہ میں تھے، غرض امام بخاری کے زمانہ تالیف بخاری شریف تک دوسوا دو سو سال کے سینکڑوں اکابر آئمہ حدیث و حفاظ کی مساعی جمیلہ کے ثمرات سامنے آچکے تھے، جن کو امام بخاری نے اپنی بے نظیر قوت حفظ، لاثانی، ملکہ اخذ و ضبط اور جمع و تصنیف کی اعلیٰ صلاحیتوں کے ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ قالب میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی غیر معمولی پر خلوص محنت و سعی کو عظیم الشان حسن قبول اور برتری سے نوازا۔

ایک اہم غلطی کا ازالہ:

ہمارے زمانہ کے ایک محترم مؤلف اہل حدیث مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی نے ایک کتاب نصرہ الباری کے نام سے امام بخاری کے مناقب میں لکھی ہے جس میں انہوں نے امام بخاری کی وسعت نظر کے عنوان میں تقریباً ڈیڑھ سو کتب حدیث کا ذکر کیا ہے اور لکھا کہ امام بخاری کے تعلقات جو بخاری میں موصول السند نہیں ہیں وہ اتنے عظیم ذخیرہ سے ماخوذ ہیں کہ تفصیل میں ملال ناظرین و طوالت کا خوف ہے، اس لئے ہم صرف ایک سرسری فہرست ان کتابوں کی نقل کر رہے ہیں، جہاں سے امام بخاری نے تعلقات و تابعات کو صحیح بخاری میں درج

فرمایا ہے وہ چند کتابیں یہ ہیں:

مؤلف محترم کے اس مضمون سے غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ امام بخاری کی تالیف صحیح کے وقت یہ سب کتابیں موجود ہوں گی تاکہ ان سے اخذ کرنے کا دعویٰ صحیح ہو سکے، حالانکہ ان میں وہ کتابیں بھی مذکور ہیں جو امام بخاری سے بہت بعد کی تالیف ہوئیں، امام بخاری کے وقت میں یا ان سے پہلے ان کتابوں کے مصنفین بھی دنیا میں تشریف نہ لائے تھے، چہ جائیکہ ان کی کتابیں اور تالیفات امام بخاری کے زمانہ میں موجود ہوں، مثلاً معجم صغیر طبرانی (م ۳۶۰ھ) ایضاً اوسط طبرانی، ایضاً کبیر طبرانی، دارقطنی (م ۳۸۵ھ) متدرک حاکم (م ۴۰۵ھ) حلیۃ الاولیاء ابی نعیم (م ۴۳۰ھ) کتاب الاعتقاد، سنن کبریٰ دلائل النبوة، شعب الایمان للبیہقی (م ۴۵۸ھ) التمهید لابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) شرح السنہ بغوی (م ۵۱۶ھ) وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے بظاہر مولانا موصوف کا مقصد یہ ہے کہ امام بخاری نے متعلقات و متابعات کا جو گرانقدر مواد اپنی صحیح میں جمع کر دیا ہے وہ باسائیدان سب کتابوں میں منتشر موجود ہے، خواہ وہ امام بخاری سے قبل کی تصنیف ہوں یا بعد کی اور ظاہر ہے کہ ماخذ ان سب ہی کتابوں کے وہی علوم نبوت ہیں جو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے پاس تھے، ان ہی علوم کو خلف نے سلف سے اخذ کیا اور اپنی اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعے ہر ایک نے ان کو بہتر سے بہتر پیرائیہ بیان اور تفصیل و تبیان سے ادا کیا۔

غرض ان احوال و ظروف میں امام بخاری نے اپنی جامع صحیح تیار کی جس میں سولہ سال کی مدت صرف ہوئی جو تقریباً چھ لاکھ احادیث کا انتخاب ہے۔
جامع صحیح کے لئے اساتذہ بخاری کی توثیق:

ابو جعفر عقبی کا قول ہے کہ جب بخاری نے جامع تصنیف کی تو اس کو اپنے شیوخ علی بن المدینی احمد بن حنبل (تلمیذ امام ابو یوسف) اور یحییٰ بن معین کے سامنے پیش کیا، ان حضرات نے اس کو پسند کیا اور سند صحت عطا کی بجز چار احادیث کے۔

”بستان المحدثین میں حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے امام مسلم کے تذکرہ میں تحریر کیا کہ:

”وہ صحیح و ستیم احادیث کی پہچان میں اپنے تمام اہل عصر میں ممتاز تھے، بلکہ بعض امور میں ان کو امام بخاری پر بھی ترجیح و فضیلت حاصل ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بخاری کی اکثر روایات اہل شام سے بطریق منادلہ ہیں (یعنی ان کی کتابوں سے لی گئی ہیں خود ان کے مؤلفین سے نہیں سنی گئیں) اس لئے ان کے راویوں میں کبھی کبھی امام بخاری سے غلطی واقع ہو جاتی ہے، ایک ہی راوی کہیں اپنی کنیت اور کہیں اپنے نام سے مذکور ہوتا ہے، امام بخاری اس کو دو شخص سمجھ لیتے ہیں یہ مغالطہ امام مسلم کو پیش نہیں آیا، نیز حدیث میں امام بخاری کے تصرفات مثلاً تقدیم و تاخیر، حذف و اختصار کی وجہ سے بعض مرتبہ تعقید پیدا ہو جاتی ہے، ہر چند کہ خود بخاری ہی کے دوسرے طریق دیکھ کر وہ صاف بھی ہو جاتی ہے لیکن امام مسلم نے یہ طریقہ اختیار ہی نہیں کیا بلکہ متون حدیث کو موتیوں کی لڑی کی طرح مرتب روایت کیا ہے کہ تعقید کی بجائے ان کے معانی اور چمکتے چلے جاتے ہیں۔“

امام بخاری کا بے نظیر حافظہ:

آپ کو بچپن سے ہی احادیث یاد کرنے کا شوق تھا، چنانچہ دس سال کی عمر میں یہ حالت تھی کہ مکتب میں جس جگہ کوئی حدیث سنتے فوراً اس کو یاد کر لیتے تھے۔

بخارا میں اس وقت داخلی مشہور محدث تھے، امام بخاری نے ان کے پاس آمد و رفت شروع کی، ایک روز داخلی لوگوں کو احادیث سنا رہے تھے، ان کی زبان سے ایک حدیث کی سند اس طرح نکلی کے سفیان نے ابوالثریب سے انہوں نے ابراہیم سے روایت کی، بخاری فوراً بول

پڑے کہ حضرت ابوالزیر تو ابراہیم سے روایت نہیں کرتے، داخلی نے مکان پر اصل یادداشتوں سے مراجعت کی تو غلطی واقع نکلی، واپس آکر امام بخاری کو بلایا اور پوچھا کہ صحیح کس طرح ہے؟ تو انہوں نے فرمایا سفیان زبیر بن عوی سے وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں، داخلی نے کہا تم صحیح کہتے ہو، سند اسی طرح ہے۔

مشہور ہے کہ یہ واقعہ امام بخاری کی گیارہ سال کی عمر کا ہے، ایسا ہی ایک واقعہ حاشد بن اسماعیل نے بیان کیا کہ امام بخاری میرے ہمراہ شیوخ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے، ہم لوگ شیخ کی بیان کی ہوئی احادیث لکھا کرتے تھے، مگر امام بخاری کچھ نہ لکھتے تھے، ہم لوگ ان پر اعتراض کرتے تھے کہ جب آپ لکھتے نہیں تو درس میں شرکت سے کیا فائدہ؟ پندرہ یا سولہ روز کے بعد امام بخاری نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے بہت تنگ کر دیا، اچھا آج میری یادداشت سے اپنے نوشتوں کا مقابلہ کرو، حاشد کہتے ہیں کہ ہم نے اس وقت تک پندرہ ہزار حدیثیں لکھ لی تھیں، بخاری نے وہ سب ہی ہمیں اپنی یاد سے سنا دیں، جس سے ہم کو حیرت ہوئی۔

تالیفات امام بخاری

(۱) قضايا الصحابة والتابعين:

سب سے پہلی تصنیف جو ۲۱۲ھ میں "تاریخ کبیر" سے پہلے لکھی ہے (غیر مطبوعہ) کتاب کا موضوع و مواد نام سے ظاہر ہے۔

(۲) التاريخ الکبیر:

مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیات) میں چاند کی روشنی میں لکھی، ترتیب حروف تہجی سے ہے، امام بخاری کے شیخ امام اسحاق بن راہویہ (تلمیذ ابن مبارک تلمیذ الامام الاعظم) نے اس کتاب کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے امیر عبداللہ بن طاہر خراسانی سے فرمایا تھا کہ لیجئے! آپ کو جادو دکھاؤں۔

کتاب مذکور موٹے ٹائپ حروف سے آٹھ جزو میں تقسیم ہو کر دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے شائع ہو گئی ہے، راقم الحروف نے اس کا مطالعہ کیا ہے لیکن اس کے "جادو" ہونے کا معنی تا ایں دم لائیکل ہے، ہو سکتا ہے کہ امام بخاری کی موجودگی میں یہ جملہ ان کو خوش کرنے کو کہا ہو یا غیر موجودگی میں تنقید کے طور پر کیونکہ تاریخی اعتبار سے اور خصوصاً امام بخاری کے علمی تجر و وسعت معلومات سے جو توقع قائم ہو سکتی ہے، وہ اس سے پوری نہیں ہوتی۔

جو کچھ انہوں نے رجال میں لکھا ہے، اس سے کہیں زیادہ بعد کے علماء، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے، مثلاً حفص بن غیاث بن طلق نخعی کے ذکر میں امام بخاری نے صرف اتنا لکھا کہ کوفہ کے قاضی تھے، اعمش سے روایت حدیث کی، محمد بن اعمش نے کہا کہ ۱۹۶ھ میں وفات ہوئی، ان سے ان کے بیٹے نے روایت کی (ص ۳۶ ج ۱)

اور ان ہی حفظ کے تذکرہ تہذیب التہذیب میں دیکھئے تو کافی طویل ہے، بڑے پایہ کے عالم و محدث تھے، کئی جگہ قاضی رہے، امام اعمش کے سوا دوسرے بہت سے جلیل القدر شیوخ سے روایت کی اور ان سے آپ کے صاحبزادے عمر کے سوا، امام احمد (استاذ امام بخاری) ۳ یحییٰ بن معین، ۴ علی بن المدینی (شیخ امام اعظم بخاری، ۵ یحییٰ القطان (شیخ علی بن المدینی) جیسے شیوخ حدیث اور ایک بڑی جماعت محدثین کبار نے روایت حدیث کی ہے۔

پھر تہذیب ہی میں ان کے نام کے ساتھ صحاح ستہ کا نشان بھی لگا ہوا ہے، یعنی بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ سب ہی نے ان سے

روایت کی ہے، اس کے علاوہ دوسرے حالات و مناقب بھی ذکر کئے ہیں، حالانکہ تہذیب خود خلاصہ تہذیب الکمال مزی ہے اور مزی نے اس کو الکمال مقدسی سے خلاصہ کیا ہے۔

اس سے اندازہ کیجئے کہ ان اکابر کے حالات خود مقدسی و مزی نے کس قدر تفصیل سے لکھے ہونگے اور یہ بھی خیال کیجئے کہ جس قدر حالات طرب زمانہ کی وجہ سے امام بخاریؒ کو ان حضرات سے مل سکتے تھے وہ کئی سو برس بعد کے مؤلفین کو نہیں مل سکتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ راقم الحروف نے بڑے ہی اشتیاق کے ساتھ امام موصوف کی تاریخ مذکور کا مطالعہ شروع کیا، نہ معلوم کتنی زائد اور نئی معلومات حاصل ہوں گی مگر پہلے قدم پر تو اس سے بڑی مایوسی ہوئی کہ امام موصوف نے اپنی خاص ناراضگی اور تعصب کی وجہ سے سینکڑوں اکابر حنفیہ کا ذکر ہی اپنی تاریخ میں نہیں کیا پھر جن حضرات کا ذکر کیا تو اس شان سے کہ اس سے زیادہ اختصار غالباً ممکن ہی نہ تھا، اوپر کی مثال پیش ہے اور پوری ”تاریخ کبیر“ پڑھ کر شاید آپ بھی اس کو امام اسحق کے ہمزبان ہو کر سحر ہی کہنے پر مجبور ہونگے، اس تاریخ کبیر میں امام بخاری نے اپنے استاذ الاساتذہ اور امام الائمہ ابو حنیفہؒ کے بارے میں جو کلمات تحریر فرمائے ہیں وہ بھی پڑھ لیجئے، ارشاد ہوا کہ:

”امام صاحب مرجئی تھے، لوگوں نے ان سے، ان کی رائے سے اور ان کی حدیث سے سکوت اختیار کیا۔“

یعنی ان کے ذاتی حالات، ان کی رائے اور ان کی حدیث میں سے کوئی چیز آگے بڑھانے کے لائق نہیں سمجھی گئی، اب ایسا کرنے والے یا سمجھنے والے کون لوگ تھے؟ ایسے اکابر کی پہیلیوں کو بوجھنا میرے جیسے طفل مکتب کے لئے بہت دشوار ہے، اس لئے اپنے زمانہ کے محقق کبیر، ناقد بصیر، نور شاہ ثانی علامہ کوثری کی ”تانیب الخطیب“ سے مدد لے کر عرض کرتا ہوں تاکہ ناظرین مستفید ہوں، علامہ موصوف کے بارے میں اتنا عرض کر دوں کہ خطیب کا رد بے مثل اور نہایت بے جھجک لکھا ہے، دوسرے معاندین و متعصبین کے خلاف بھی محققانہ انداز میں اتنا لکھ گئے کہ مظلوم حقیقت کی طرف سے مدافعت کا بڑی حد تک حق ادا کر دیا مگر زمانہ قیام مصر میں بھی بیسیوں ملاقاتوں کے باوجود امام بخاری کی شان میں ایک کلمہ نہیں سنا اور ان کے محتاط قلم سے بھی شاید اسی ایک جگہ کے سوا، جس کی نقل آگے آرہی ہے، امام صاحب موصوف کے بارے میں کچھ نہیں ہے، شاید ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی طرح وہ بھی آخری عمر میں صبر و ضبط کی کمزوری کے باعث اس تصریح پر بادل ناخواستہ مجبور ہوئے ہوں۔

واللہ العظیم، اس وقت شب کو بارہ بجے یہ سطور لکھتے ہوئے دل بیٹھا جا رہا ہے، آنکھوں میں آنسو ہیں، امام عالی مقام امیر المؤمنین فی الحدیث کی تالیف جلیل صحیح بخاری کے احسان عظیم سے گردن جھکی ہوئی ہے، قلم آگے لکھنے سے رک رہا ہے، مگر پھر امام اعظم کے مرتبت عالیہ کو بھی سوچتا ہوں جن کے حالات تفصیل سے پہلے ذکر ہو چکے ہیں کون اور کیسے یقین کرے گا کہ ایسا جلیل القدر محدث ایسے امام اعظم کے بارے میں کسی غلط فہمی یا کاوش و حسد کی وجہ سے ایسی تند و تیز تنقید کر سکتا ہے، جو اوپر ذکر ہوئی ہے یا اس سے بھی زیادہ سخت تاریخ صغیر وغیرہ سے آئندہ نقل ہوگی، اب علامہ کوثری کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

”(۱) امام بخاریؒ کا یہ قول مذکور ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہو جو امام صاحبؒ کے مسلک حق کے خلاف باطل عقیدہ رکھنے والے اور آپ سے اعراض کرنے والے تھے، کیونکہ امام صاحب کا ارجاء تو مطابق عقیدہ اہل سنت تھا اور اس کے خلاف عقیدہ خوارجہ یا معتزلہ کا تھا۔“

(۲) امام صاحب کے مناقب و مدائح ذکر کرنے سے سکوت کرنے والے امام صاحب کے زمانہ کے وہ لوگ ہوں گے جو بے تحقیق سادہ لوح سے ہر گری پڑی روایت چلتی کرنے کے عادی تھے اور ایسے لوگوں کی باتوں سے امام صاحبؒ کی شخصیت پر کوئی اثر بھی نہیں پڑتا، اس لئے کہ امام صاحبؒ کے فقہی علوم، مشرق سے مغرب تک پھیل چکے تھے حتیٰ کہ اگر بالفرض ان کی ساری کتابیں بھی صفحہ وجود سے معدوم کر دی

۱۔ حالانکہ ان کی آراء اور ان کی احادیث کو محدثین نے روایت کیا اور عمل کیا ہے جو ترمذی، دارقطنی، مستدرک، حاکم معجم صغیر طبرانی، تذکرۃ الحفاظ، ابوداؤد، طیالسی، طحاوی وغیرہ میں موجود ہیں۔

جاتیں تو ان کے مسائل مخالفین کی کتابوں میں بھی درج ہو کر بقائے دوام حاصل کر چکے تھے۔

(۳) اگر یہ سب کچھ نہیں بلکہ امام بخاری اپنے ہی خیالات کی ترجمانی کر رہے ہیں تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ وہ علم و یقین کی شاہراہ چھوڑ کر ظن و تخمین کی پگڈنڈی پر چلے گئے اور انہوں نے یہ بات بھی بھلا دی کہ ان کی ابتدائی تعلیمی نشوونما امام ابو حفص کبیر بخاری (تلمیذ امام اعظم) کے حلقہ درس کی رہن منت ہے، اور شاید اہل نیشاپور و بخاری سے جو ان کو روحانی و جسمانی تکالیف پہنچیں اور ابتلاعات پیش آئیں، ان کا معنوی سبب یہی تھا کہ انہوں نے اپنے علمی محسنین اور شیوخ الشیوخ کی شان میں احتیاط سے کام نہ لیا، جو خود ان کی شان کے بھی مناسب نہ تھا، حق تعالیٰ ہم سے اور ان سے مسامحت کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔“

”تاریخ اوسط میں بھی اسی طریقہ پر راہ مستقیم و معتدل سے الگ راہ اختیار کی ہے اور سب سے زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ امام بخاری کے یہاں کسی جزو کو قبول کرنے کے واسطے انقطاع سند، عدم ضبط، تہمت کذب، جہالت عین، جہالت وصف اور بدعت وغیرہ سے راویوں کا بے داغ ہونا بہت ضروری و لازمی ہے (یہی وجہ ہے کہ جن روایۃ بخاری پر ان باتوں میں سے کوئی الزام آیا ہے تو حافظ ابن حجر نے خاص طور سے اس کی مدافعت کی ہے) لیکن ان سب شرائط و احکام کی پابندی امام اعظم کے بارے میں بالکل ختم ہو جاتی ہے، اور باوجود تمام نقائص و عطل کے امام صاحب کے بارے میں کذا بین و وضاعین کی روایات کے قبول و نقول و نشر کا سلسلہ جائز رکھا جاتا ہے، اتنے بڑے امام الائمہ کے حق میں جن کو ہر دور کے دوثلث افراد امت نے اپنے دین میں امین و امام یقین کیا (خواہ بھولے بھالے، ناواقف، جاہل کچھ ہی افترا و بہتان گھڑتے رہے ہوں) اللہ تعالیٰ ہم سب کو متابعت ہو جائے نفسانی سے محفوظ رکھے (امام بخاری جیسے جلیل القدر امام کو محتاط رہنا زیادہ موزوں تھا۔

اسی کے ساتھ محدث کوثری نے تاریخ صغیر کا بھی ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ:

(۱) امام بخاری نے تاریخ صغیر میں تحریر فرمایا کہ میں نے اسماعیل بن عرعہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ ”جم کی ایک عورت ہمارے یہاں آئی اور ہماری عورتوں کی اتالیق رہی۔“

کوثری صاحب نے چند سطور پہلے یہی روایت تاریخ خطیب سے بھی نقل کی ہے اور اس کے رجال سند پر بحث کر کے بتلایا ہے کہ اس کے راوی خود امام بخاری، نسائی، ابو حاتم وغیرہ کے قول سے غیر ثقہ ہیں، پھر امام صاحب کے زمانہ سے بہت بعد کے ہیں، اس لئے انقطاع بھی ہے، یہی صورت خود اس امام بخاری والی روایت مذکورہ بالا میں بھی ہے کہ اسماعیل بن عرعہ زمانہ بعد کے ہیں، امام صاحب سے وہ خود نہیں سن سکتے تھے (پھر کیسے کہہ دیا کہ میں نے امام صاحب سے سنا، گویا ابتداء ہی جھوٹ سے ہے، لیکن امام بخاری نے ایسی روایت کو آگے چلا دیا) پھر یہ اسماعیل بن عرعہ مجہول الصفت ہیں، کسی تاریخ میں ان کا ذکر خیر نہیں، حتیٰ کہ خود امام بخاری نے بھی اپنی تاریخ کبیر میں اس کا ذکر نہیں کیا جب کہ اسی سے یہ خبر مقطوع روایت بھی کر رہے ہیں۔

البتہ ان کا ذکر عبداللہ بن احمد کی کتاب السنۃ میں ضرور ہے، جس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بصری تھے، عباس بن عبدالعظیم عنبری کے معاصر تھے اور اتنی بات سے ان کی معرفت ناقص ہے جب کہ اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے بھی ان سے کوئی روایت نہیں لی اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ جم کی ایک عورت نے کوفہ میں آ کر کوفہ کی عورتوں کی اتالیقی کی بھی تو اس سے امام صاحب کی علمی شخصیت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے، اعتراض تو جب صحیح ہوتا کہ وہ عورت جم بن صفوان کے عقائد پھیلاتی ہو اور امام صاحب نے یہ اعتراف کیا ہو کہ کوفہ کی یا امام صاحب کے گھر کی عورتیں اس کے غلط عقائد و خیالات کو قبول کرتی تھیں، حالانکہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں۔

(۲) دوسری روایت امام بخاری نے اپنے شیخ حمیدی سے نقل کی ہے وہ اس طرح کہ امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے حمیدی سے سنا کہ امام صاحب نے فرمایا: میں مکہ معظمہ حاضر ہوا تو حجام سے تین سنتیں اپنے پیارے رسول مقبول ﷺ کی حاصل کیں، جب میں اس کے سامنے

بیٹھنے لگا تو کہا قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھئے، پھر اس نے میرے سر کے داہنے حصہ سے حلق شروع کیا، اور سر کی دونوں ہڈیوں تک پہنچایا۔ اس کو بیان کر کے حمیدی نے کہا کہ دیکھو! ایک ایسا شخص جس کو رسول ﷺ اور آپ کے اصحاب کی سنتیں مناسک وغیر مناسک کی بھی معلوم نہیں کس طرح خدا کے احکام وراثت، فرائض، زکوٰۃ، نماز اور دوسرے اسلامی امور میں لوگوں کا مقلد و پیشوا بن گیا ہے۔ (تاریخ صغیر طبع الآباء ص ۱۵۸)

نہایت افسوس ہے کہ ایسی خلاف روایت و تحقیق بات امام صاحب کے بارے میں حمیدی نے کہی اور امام بخاری نے نقل بھی کر دی کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ جس امام ہمام نے اپنی سرکردگی میں ساڑھے بارہ لاکھ مسائل و احکام شریعت مدون کرائے اور شورائی طرز سے کرائے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے وہ علم سے ایسا بے بہرہ تھا جیسا حمیدی نے سمجھایا، پھر امام بخاری کے علم و فضل، تبحر و وسعت معلومات میں تو ہمیں ذرہ بھر بھی شک و شبہ نہیں، بڑی ہی حیرت ہے کہ انہوں نے ایسی غلط بات کیسے نقل کر دی۔

محدث کوثری نے فرمایا کہ اس روایت میں بھی انقطاع کی علت موجود ہے کیونکہ ان کا زمانہ امام صاحب کے زمانہ سے متاخر ہے، ظاہر ہے کہ انہوں نے خود نہیں سنا اور درمیانی واسطہ کو بتلایا نہیں، (شیخ حمیدی کی وفات ۲۱۹ھ کی ہے)

دوسرے یہ روایت بالفرض صحیح بھی ہو تو ہو سکتا ہے کہ یہ امام صاحب کے ابتدائی دور کا واقعہ ہو اس لئے کہ آپ نے پچپن حج کئے ہیں اور یوں بھی حج کے مسائل اس قدر دقیق ہیں کہ اچھے اچھے فاضل علماء ان میں چکرا جاتے ہیں، مناسک پر مستقل کتابیں ضخیم ضخیم لکھی گئی ہیں بلکہ محدثین و فقہاء کے مناقب میں مناسک حج کی واقفیت کو پیش کیا جاتا ہے مگر پھر بھی پورے مطالعہ کے بعد علماء عاجز ہو جاتے ہیں، گزشتہ سال ۱۳۷۹ھ کے حج میں منی سے بارہویں ۱۲ ذی الحجہ کو شام کے وقت واپسی ہونے لگی تو راقم الحروف نے ساتھیوں سے عرض کیا کہ غروب سے قبل منی سے نکل جانا چاہئے ورنہ حنیفہ کے ایک قول پر دم لازم ہو جائے گا لیکن ایک بڑے جید عالم صاحب مجھ سے جھگڑنے لگے اور کہا کہ ہم نے آج تک یہ مسئلہ نہیں دیکھا، ان کی رائے تھی کہ مغرب کا وقت قریب ہے، منی ہی میں نماز پڑھ لو اور میں کہتا تھا کہ یہاں سے نکل کر باہر پڑھیں گے تاکہ اختلافی صورت سے بھی نکل جائیں، مگر وہ صاحب کسی طرح نہ مانتے تھے میں نے کہا کہ مکہ معظمہ چل کر کتاب بھی دکھا دوں گا، اب تو خواہ مخواہ دیر نہ کریں۔

پھر امام صاحب کا یہ بڑا کمال تھا کہ اتنے بڑے امام و مقتدا ہو کر اس کا اعتراف بھی کر لیا کہ میں نے حجام سے یہ تینوں سنتیں لیں اور اس سے امام صاحب کا سنت رسول ﷺ کا بدرجہ غایت حریم ہونا بھی بدرجہ اتم ظاہر ہے معلوم ہوتا ہے، کسی نے صحیح کہا ہے:

ع ہنر یچشم عداوت بزرگ تر ہے ست

(۳) تیسری روایت سفیان (شاید سفیان ثوری) سے بطریق نعیم بن حماد تاریخ صغیر میں نقل کی ہے جن کے بارے میں کم سے کم یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ روایات منکرہ بیان کرتے تھے اور خاص طور سے امام صاحب کے بارے میں جھوٹی حکایات گھڑ کر روایت کیا کرتے تھے، ملاحظہ ہو میزان الاعتدال للذہبی ص ۲۳۹ ج ۳) نیز نسائی، ابوداؤد اور ابوزرعہ نے بھی ان کی روایات کو بے اصل قرار دیا ہے۔

پھر سفیان بن عیینہ کی طرف اس روایت کی نسبت یوں بھی خلاف روایت ہے، روایت یہ ہے کہ نعیم مذکور نے فزاری سے سنا کہ میں سفیان کے پاس تھا، اتنے میں نعمان کی خبر وفات آئی، سفیان نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے (مر گئے) اس نے اسلام کے جوڑ جوڑ پر ضرب کاری لگائی ہے، اسلام میں اس سے زیادہ کوئی بد بخت پیدا نہیں ہوا، امام صاحب کے تذکرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ سفیان بن عیینہ امام اعظم کے تلمیذ رشید ہیں، ان سے حدیث کی روایت بھی کرتے ہیں، اگرچہ خطیب نے نو ایک روایت ایسی بھی معتبر و مشہور تاریخ میں نقل کر دی ہے کہ سفیان بن عیینہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو امام ابوحنیفہ سے بھی کوئی روایت یاد ہے؟ تو فرمایا کہ نہیں ایک بھی نہیں، جس کی سند میں کریبی و مؤمل جیسے کذاب ہیں اور خطیب نے بھی یہ خیال نہ کیا کہ مسانید الامام خصوصاً مسند الحارثی میں سفیان کی روایات امام صاحب سے موجود ہیں، دنیا ایسی نقل تاریخ میں پڑھ کر کیا کہے گی یا سوچا ہوگا کہ جس طرح امام اعظم اور آپ کے سینکڑوں ہزاروں تلامذہ محدثین کے صحیح حالات

ومناقب سے دنیا کو بے خبر رکھنے کی مسلسل اور بڑی حد تک کامیاب کوشش کی گئی، ایسے ہی امام صاحب کے مسانید بھی دنیا کی نظروں سے اوجھل رہیں گے مگر امت کے یہ چراغ خطیب ایسوں کی پھونکوں سے بجھنے والے نہیں تھے۔ والحمد للہ والمنة۔

تاریخ کبیر میں بعض جگہ دوسروں کے تذکروں میں بھی امام بخاریؒ نے امام صاحب پر تعریض کی ہے، مثلاً سفیان ثوری کے تذکرہ میں علی بن الحسن کے واسطہ سے ابن مبارک کا قول نقل ہوا کہ ”میں نے سفیان سے زیادہ علم کسی کو نہیں دیکھا“۔

پھر عیدان کے واسطہ سے ابن مبارک ہی کا قول یہ ذکر کیا کہ میں جب چاہتا تھا سفیان کو نماز میں مشغول دیکھتا اور جب چاہتا محدث کی شان سے روایت حدیث کرتے ہوئے دیکھا اور جب چاہتا ان کو فقہ کی باریکیوں میں غور و فکر کرتے دیکھتا، اور ایک مجلس ان کی اور بھی تھی، جس میں وہ شریک ہوئے، اس میں نبی کریم ﷺ پر درود نہیں پڑھا گیا، یعنی مجلس نعمان، بصرہ میں ان کی وفات ہوئی، شعبہ اور یحییٰ قطان نے ان سے حدیث سنی۔ (تاریخ کبیر ص ۹۳ ج ۲ ق ۲)

یہ روایت اگر صحیح ہے تو بظاہر اس زمانہ کی ہے جب ابن مبارک کو لوگ امام صاحب سے بدظن کر کے ان کے پاس جانے سے روکا کرتے تھے، ممکن ہے ان بدگمانیوں کے اثرات امام صاحب کی ابتدائی مجالس میں بھی رہے ہوں، ہر مجلس میں ایک بار درود شریف پڑھنا ضروری ہے، یہ درمیان مجلس میں پہنچے ہوں اور ان کے سامنے جتنی دیگر کسی مسئلہ پر بحث جاری رہی ہو اس میں درود شریف کا اعادہ نہ ہوا ہو، جس سے ان کو غلط فہمی ہوئی ہو ورنہ ظاہر ہے کہ امام صاحب جیسا عاشق رسول ﷺ جس نے علویوں کو برسر اقتدار لانے کے لئے آخر تک کوششیں کیں اور جس کا سارا دن قال اللہ قال الرسول ﷺ میں گزرتا ہو اور پوری رات تلاوت و نماز میں گزرتی ہو اور احادیث رسول ﷺ جمع کرنے کا ایسا شغف کہ جب کوئی بھی محدث عالم کوفہ سے باہر آتا تو خاص طور سے اپنے اصحاب کو بھیجتے کہ کوئی نئی حدیث ان کے پاس ہو تو سن کر آؤ، جس کے گھر کے کئی کمرے ذخیرہ حدیث سے پر تھے، یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی مجلس میں درود شریف نہ پڑھا گیا ہو۔

پھر اگر بات صحیح ہوتی تو معاندین و حاسدین کثرت سے نقل کرتے، غرض غالب خیال یہی ہے کہ یہ روایت خلاف درایت بے اصل اور الحاقی ہے۔ والعلم عند اللہ

(۳) التاريخ الاوسط: یہ کتاب اب تک نہیں چھپی، شاید اس قلمی کانسزہ جرمنی میں موجود ہے۔

(۴) التاريخ الصغير: اس کتاب کی ترتیب سنین سے ہے اور بہت مختصر ہے، ان دونوں کتابوں میں بھی روایت و درایت کے اعتبار سے قابل اعتراض چیزیں ہیں، جن میں سے کچھ چیزیں ”تاریخ کبیر“ کے ذیل میں بیان ہوئیں۔

(۵) الجامع الكبير: اس کتاب کا بھی قلمی نسخہ جرمنی میں تھا۔

(۶) خلق افعال العباد: اس میں عقائد کی بحثیں ہیں، خلق قرآن وغیرہ مسائل میں امام ذہلی کو جوابات دیئے ہیں (مطبوعہ)

(۷) المسند الكبير: اس کا بھی قلمی نسخہ جرمنی میں بتلایا جاتا ہے۔

(۸) اسامی الصحابة: اس کا بھی قلمی نسخہ جرمنی میں بتلایا جاتا ہے۔

(۹) کتاب العلل: ”علل حدیث“ کے موضوع پر عمدہ کتاب ہے۔

(۱۰) کتاب الفوائد: اس کا ذکر امام ترمذی نے کتاب المناقب میں حضرت طلحہ کے مناقب میں کیا ہے۔

(۱۱) کتاب الواحدان: اس میں ان صحابہ کرام کا ذکر ہے جن سے صرف ایک ایک حدیث مروی ہے، بعض حضرات کی رائے

ہے کہ کتاب الواحدان مسلم کی ہے، بخاری کی نہیں۔

(۱۲) الادب المفرد: اخلاق نبوی پر امام بخاری کی مشہور و مقبول تالیف ہے ”جامع صحیح“ کے بعد سب سے زیادہ مفید کتاب ہے، مصر و ہند میں کئی بار طبع ہوئی، ہندوستان کے بعض مدارس میں داخل درس بھی ہے۔

(۱۳) کتاب الضعفاء الصغیر: ضعیف راویوں کے تذکرہ میں امام بخاری کا بہت مختصر، مشہور رسالہ ہے لیکن اس میں بھی عصیبت کی جھلک جا بجا موجود ہے، امام ابو یوسف ایسے ثقہ محدث و فقیہ کو متروک کہہ دیا، حالانکہ امام نسائی ایسے متشدد و متعصب نے بھی امام موصوف کو اپنی کتاب ”الضعفاء والمتر وکین“ میں ثقہ کہا ہے، متر وکین میں شمار نہیں کیا (جب کہ رواۃ کی جانچ پڑتال میں امام بخاری جیسے متشدد تھے) امام بخاری نے محض رنجش و عصیبت کی وجہ سے امام ابو یوسف کو متروک کہا یعنی جس کی حدیث لوگ روایت نہ کریں، حالانکہ امام احمد اور یحییٰ بن معین جیسے آئمہ و حدیث و ناقدین نے ان کی شاگردی کی اور ان کے واسطے سے امام بخاری بھی امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں، گویا یہ ریمارک ایک تلمیذ کا اپنے استاذ الا سا تذہ کے لئے ہے، ان حضرات نے امام ابو یوسف کو صاحب حدیث، صاحب سنت، مصنف فی الحدیث، ثبت و اکثر حدیثاً، اتبع الحدیث اور حافظ حدیث فرمایا ہے۔

ہندوستان کے مشہور اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خان نے ”التاج المکمل“ میں لکھا کہ قاضی ابو یوسف کوفہ کے امام ابو حنیفہ کے شاگرد، فقیہ، عالم اور حافظ حدیث تھے، پھر لکھا کہ امام احمد یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی تینوں امام ابو یوسف کے ثقہ ہونے پر متفق ہیں، جس کو ایسے اکابر محدثین ثقہ کہیں اس کو متروک الحدیث کہنا کیسے درست ہوا؟

پھر جب امام بخاری کے شیخ اعظم علی بن المدینی ان کو ثقہ کہتے ہیں تو ان کے مقابلہ میں امام بخاری کے متروک کہنے کی کیا قیمت ہے؟ بہت سے مناقب ذکر کر کے آخر میں نواب صاحب نے یہ بھی لکھا کہ امام یوسف کے اوصاف بہت ہیں اور اکثر علماء ان کی فضیلت و تعظیم کے قائل ہیں اور یہ بات محقق ہے کہ جس کے مداح زیادہ ہوں، اس کے بارے میں جارحین کی جرح مقبول نہیں ہوتی، خصوصاً جب کہ وہ جرح ہمعصروں کی طرف سے ہو اور ایسے ہی متعصبین کی جرح بھی مقبول نہیں ہے، امام بخاری اور دارقطنی وغیرہ کا شمار بھی کبار متعصبین میں سے کیا گیا ہے۔ یوسف بن خالد سمعی بصری تلمیذ خاص امام اعظم مشہور محدث و فقیہ تھے، امام صاحب کی خدمت میں برسوں رہے، امام صاحب سے چالیس ہزار مسائل مشککہ حل کئے اور امام صاحب کی مجلس شوریٰ تدوین فقہ کے خاص رکن تھے، ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ان سے تخریج کی ہے، امام طحاوی نے کہا کہ میں نے امام مزنی شافعی سے سنا کہ یوسف بن خالد اختیار و ابرار میں سے ہیں۔

لیکن امام بخاری نے شاید اسی نسبت سے ان پر بھی ”مسکوت عنہ“ کی چھاپ لگا دی ہے، اسد بن عمرو بھی اسی مجلس شوریٰ کے رکن اور فقہاء مجتہدین میں سے تھے، حنفی تھے اور امام اعظم کے تلمیذ خاص، امام احمد بن حنبل (شیخ بخاری) اور احمد بن منیع جیسے محدثین کبار کے استاذ ہیں اور امام احمد نے ان کو صدوق کہا اور ان سے روایت حدیث بھی کی، جب امام ابو یوسف کا انتقال ہوا تو ہارون رشید نے بغداد اور واسط کی قضا آپ کو سپرد کی اور اپنی صاحبزادی کا نکاح آپ سے کر دیا، پھر یہ کہ امام نسائی تک نے ان کو لباس پہ کہا، مگر امام بخاری نے ان کو بھی صاحب رائے اور ضعیف کہہ کر قصہ ختم کر دیا اس کتاب کو اہل حدیث حضرات نے بارہا طبع کر کے شائع کیا۔

(۱۴) کتاب المبسوط: اس کا بھی قلمی نسخہ جرمنی میں غالباً موجود ہے۔

(۱۵) الجامع الصغیر: اس کا بھی قلمی نسخہ جرمنی میں غالباً موجود ہے۔

(۱۶) کتاب الرقاق: اس کا ذکر کشف الظنون میں ہے۔

(۱۷) بر الوالدین: حافظ ابن حجر نے اس کا ذکر کیا ہے اور موجودات میں شمار کیا ہے۔

(۱۸) کتاب الاشریہ: امام دارقطنی کی ”الموتلف والمختلف“ میں اس کا ذکر بھی ملتا ہے۔

(۱۹) کتاب الہبہ: پانچ سوا حادی کا مجموعہ بتایا جاتا ہے، بظاہر دنیا کے مشہور کتب خانوں میں کہیں وجود نہیں ہے۔
 (۲۰) کتاب الکنی: علم کنی میں عمدہ کتاب ہے، امام بخاری کی تالیف میں ترتیب ہجائی نہ تھی، امام ذہبی نے اس کو مرتب و مختصر کیا اور "المقتنی فی سرد الکنی" نام رکھا۔

(۲۱) التفسیر الکبیر: اس کا ذکر فربری اور وراق بخاری نے کیا ہے۔

(۲۲) جز القراءۃ خلف الامام: یہ رسالہ قرأت خلف الامام کے اثبات میں لکھا گیا ہے، چونکہ اس مسئلہ پر پوری بحث اپنے موقع پر انوار الباری میں آئے گی، اور ہم بتلائیں گے کہ دلائل کی قوت کے ساتھ ہے۔ ان شاء اللہ۔

اس لئے اس وقت کتاب مذکور کا صرف مختصر تعارف کرانا مقصود ہے، بڑے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ اثناء بحث میں جا بجا عصبیت کا رنگ موجود ہے اور جیسے اعتدال و انصاف کے ساتھ دونوں طرف کے پورے دلائل ذکر کر کے امام بخاری جیسے جلیل القدر کو محاکمہ کے طور سے کچھ لکھنا چاہئے تھا وہ صورت اختیار نہیں کی، مثلاً خود ہی ایک جگہ احناف کی ایک دلیل اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہاں آیت میں قرأت سے مراد وہ نماز ہے جو خطبہ کے وقت پڑھنی چاہئے، یعنی جو دیر سے نماز جمعہ کے لئے مسجد میں پہنچے کہ خطبہ ہو رہا ہو تو ضرور دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرے اور نماز بغیر قرأت کے ہوتی نہیں، پس یہی نماز وقت خطبہ آیت میں مراد ہے، آگے انصاف کا حکم بھی اس لئے ہے کہ خطبہ کے وقت خاموش رہنا چاہئے، پھر بہت سی احادیث خطبہ کے دوران دو رکعت پڑھنے کے جواز پر پیش کی ہیں، گویا بحث پوری ہو گئی حالانکہ یہاں دوسری بہت سی باتوں کی وضاحت بہت ضروری تھی، مثلاً

(۱) امام احمد (استاذ امام بخاری) نے اجماع ذکر کیا ہے کہ یہ آیت نماز کی قرأت میں اتری ہے اور اس پر بھی اجماع نقل کیا کہ جہروالی نماز میں مقتدی پر قرأت واجب نہیں ہے، دوسری جگہ امام احمد نے فرمایا کہ یہ آیت نماز کے بارے میں اتری ہے۔

امام ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں کہا کہ سلف سے بطور استفاضہ منقول ہے کہ یہ آیت قرأت صلوة میں اتری، اگرچہ بعض نے خطبہ میں بھی کہا ہے۔ (فصل الخطاب حضرت شاہ صاحب ص ۴۴)

پھر اگر خطبہ میں بھی ہو تو چونکہ حکم عام ہے اس لئے بھی خاص مورد کا لحاظ نہیں ہوگا ورنہ امام احمد جہری نماز میں وجوب قرأت کو کس طرح ختم کر دیتے، یہ تھوڑا سا اشارہ کا ہے ورنہ خود احناف کے پاس جو دلائل ہیں ان کو دیکھ کر آپ خود فیصلہ کریں گے کہ پروپیگنڈے کی غلط مشینری کے زور سے حنفی مسلک کو کس طرح بدنام کیا گیا ہے۔

امام بخاری کے متعلق حضرت شاہ صاحب نے فرمایا تھا کہ صحیح بخاری میں تو خاموش رہتے ہیں مگر باہر دوسرے رسائل و تصانیف جزء القرۃ، جزء رفع الیدین وغیرہ میں تیز لسانی کرتے ہیں۔

میں نے بڑے غور سے اسی متن مذکور کی روشنی میں امام بخاری کی تاریخ، ضعفاء صغیر اور جزء القرۃ و جزء رفع الیدین وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے حاصل مطالعہ آپ کے سامنے آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

(۲) قرأت و انصات کی تو امام بخاری نے توجیہ فرمادی لیکن استماع کی کیا صورت ہے؟ اس کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ ظاہر ہے جو بھی خطبہ کے وقت آئے گا اور دو رکعت ادا کرے وہ قرأت سر ا کرے گا، تو اس کا استماع دوسرے لوگ کیسے کریں گے، اور اگر سری قرأت کے لئے بھی استماع کا اس قدر اہتمام خدا نے کرایا تو جہری قرأت کو نظر انداز کیوں اور کیسے کر دیا گیا۔

(۳) امام بخاری نے سلیک عطفانی کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ وہ دوران خطبہ میں آئے، حالانکہ یہ بات بھی قطعی نہیں، کیونکہ مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت وہ مسجد میں پہنچے تو حضور علیہ اسلام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھے تھے، اسی حالت میں آپ نے ان کو بیٹھے

پرانے حال میں دیکھ کر ان کے فقر و افلاس کا اندازہ کیا اور ان سے دو رکعت پڑھنے کو کہا (تا کہ دوسرے لوگ بھی ان کے فقر و افلاس کو اچھی طرح دیکھ کر احساس کریں اور لوگوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی، چنانچہ اس حدیث سلیک پر امام نسائی نے ”الحث علی الصدقہ“ کا باب باندھا ہے، چونکہ حضور اکرم ﷺ صحابہ کی غیر معمولی فقر و افلاس کی حالت دیکھنے سے آزرده ہوتے تھے اور ”کاد الفقر ان یکون کفرا“ بھی آپ کا ارشاد گرامی تھا، اس لئے دوسرے جمعہ کو بھی ان کو نماز کے لئے فرمایا، تیسرے جمعہ میں راوی کو تردد ہے، حدیث معانی مختلفہ کی متحمل ہے، پس ایک معنی کو بجز بیان کرنا اور دوسرے معنی سے صرف نظر کرنا کچھ زیادہ اچھا نہیں ہے۔

غرض اس سلسلہ میں بہت سے امور تشریح طلب ہیں، اور دلائل فریقین پوری طرح سامنے لا کر فیصلہ کرنا تھا، لیکن اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ امام بخاری ان تصانیف میں امام اعظم، ان کے اصحاب و دیگر حنفیہ سے سخت بدظن اور متنفر معلوم ہوتے ہیں، پھر غصہ و غضب سے بھرے ہوئے، جس کی وجہ سے وہ ہماری طرف کی کسی بات پر سکون و اطمینان کے ساتھ غور کرنے کو تیار نہیں معلوم ہوتے، یہی فیصلہ ان کی تصانیف سے مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی نے بھی کیا ہے اور حضرت شاہ صاحب بھی اس کو ”تیز لسانی“ سے ادا فرماتے تھے، علامہ کوثری نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے، نیز پہلے علامہ سخاوی شافعی وغیرہ نے بھی اسی قسم کا تبصرہ کیا ہے، جو ہم نے کسی دوسری جگہ نقل کیا ہے۔

یہاں پہنچ کر مجھے ایک دوسرا حاصل مطالعہ لکھنا ہے، اصحاب مطالعہ اہل علم خاص توجہ کریں تو اچھا ہے، یہ تو سب کو معلوم ہے کہ امام صاحب کے زمانہ ہی میں کچھ معاصرین حسد سے کچھ عناد معاشرت سے کچھ غلط فہمی سے امام صاحب سے بدظن تھے، آخری قسم سے امام ثوری، امام اوزاعی، حضرت امام جعفر صادق وغیرہ ایسے حضرات تھے جو دور سے غلط صحیح افواہوں پر اولاً بدظن تھے، سنا الفاظ تک ادا کئے (جن کو مخالفین اب تک نقل کر کے مغالطہ کر دیتے ہیں) مگر جب یہ لوگ قریب ہوئے، صحیح حالات معلوم کئے، خود امام صاحب سے ملاقاتوں میں علمی مذاکرات کئے تو یہ سب حضرات جتنے بدظن تھے، اسی پیمانہ سے بہت زیادہ خوش عقیدہ بھی ہو گئے، اور اپنی سابقہ بدظنی و کلمات تنقید پر بھی اظہار ندامت کیا، جس کی تفصیل گزر چکی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک کو امام صاحب کی خدمت میں جانے سے بار بار روکا بھی گیا، مگر خدا نے ان کو امام صاحب کے پاس پہنچا دیا، جس پر وہ فرمایا کرتے کہ اگر میں مخالفوں کی باتوں میں رہتا تو امام صاحب کے علوم سے محروم رہ جاتا۔

غرض ایک عنصر ایسے معاندین کا امام صاحب کے وقت ہی سے تھا، جس کا کام صرف غلط فہمی پھیلا کر امام صاحب سے دوسروں کو بدظن کرنا تھا۔ ان لوگوں میں سے نعیم بن حماد خزاعی (امام بخاری کے استاذ) کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، دوسرے شیخ حمیدی (استاذ امام بخاری) تھے جو اپنی افتاد طبع سے مجبور ہو کر خود اپنی جماعت شوافع میں بھی تفریق کے لئے مساعی ہوتے تھے، حضرت سفیان بن عیینہ (تلمیذ امام اعظم) کی خدمت میں کافی رہے تھے، اس لئے احادیث سفیان کے بڑے عالم تھے، اور اسی لئے ان کی قدر و منزلت ہوتی تھی، اسی لئے امام شافعی بھی ان کی عزت کرتے تھے، بعض سفروں میں بھی ساتھ رکھا، جس سے انہیں امام شافعی کا جانشین بننے کی بڑی طمع ہوئی، مگر ان کے اندر فقہ کی بڑی کمی تھی، پھر انہوں نے اپنے لئے مایوس ہو کر اپنے ہم خیال وہم مشرب بوہلی کے لئے جوڑ توڑ کیا، مگر فقہ کی ان میں بھی کمی تھی، جب کہ امام شافعی کے دوسرے تلامذہ مزنی، محمد عبدالحکم ایسے فقیہ موجود تھے، دوسرے شیخ حمیدی اگرچہ حدیث کی روایت میں ثقہ تھے، مگر دوسرے معاملات میں غیر محتاط تھے، اسی لئے محمد بن عبدالحکم نے ان کی تکذیب کی ہے، ان کے علاوہ اسماعیل بن عرعہ تھے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، یہ اور دوسرے چند حضرات امام اعظم کے چند اعدی عدد تھے اور جھوٹی روایات امام صاحب کے خلاف چلا کر ان کی طرف سے لوگوں کو بدظن کیا کرتے تھے۔

علامہ کوثری نے شیخ حمیدی کی بہت سی ایسی روایت پر تنقید کی ہے (جو خطیب نے نقل کی ہیں) اور رواۃ پر کلام کیا ہے، یہی شیخ حمیدی فرمایا کرتے تھے کہ جب تک امام شافعی میدان میں نہ آئے تھے، ہمیں امام صاحب کے خلاف کوششوں میں کامیابی نہ ہوئی، اس سے اشارہ گویا علمی سلسلہ کی نوک جھونک کی طرف ہے کہ اس کو امام شافعی کے ذریعہ تقویت پہنچائی گئی، پھر امام بخاری تشریف لائے تو ان کو امام صاحب

سے بے انتہا بدظن کر کے وہ چیزیں کرائی گئیں جن کو میں امام بخاری کی تالیفات کے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

امام بخاری کی جزء رفع الیدین وغیرہ کی بعض عبارتوں سے تو یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ امام بخاری امام صاحب اور ان کے اصحاب و تلامذہ کو اہل علم کے طبقہ میں شمار کرنے کو بھی تیار نہیں۔

جزء القراءة مطبوعہ علیہ ص ۱۹ پر غالباً امام صاحب اور حنفیہ کی ہی طرف اشارہ کر کے کئی غلط باتیں منسوب کر دی گئیں، مثلاً خنزیر بری کو ولا باس بہ کہنا، جس کی تردید امام صاحب کی طرف سے حافظ ابن تیمیہ نے بھی کی ہے، اس رسالہ کو دیکھنے سے قبل میرے واہمہ میں یہ بات نہ آسکتی تھی کہ امام بخاری ایسے محقق بھی امام صاحب کی طرف ایسی بے اصل باتیں منسوب کرنے والوں کے زمرہ میں داخل ہیں۔

بری السیف علی الامۃ کا اعتراض بھی ہے جس کو خلافت علویین کے مخالفین اور عباسی حکومت کے ہوا خواہوں نے امام صاحب کے خلاف ہوا دی تھی اور امام اوزاعی وغیرہ کو بھی اس پر پیگنڈے سے متاثر کر دیا تھا، ابتدائی دور میں امام اوزاعی نے بھی یہ جملہ امام صاحب کے بارے میں کہہ دیا تھا، بعد کو جب حضرت عبداللہ بن مبارک سے مل کر امام صاحب کے حالات سنے اور خود بھی مکہ معظمہ میں امام صاحب سے ملے تو اپنی سب بدگمانیوں پر اظہار افسوس فرمایا، حالانکہ امام صاحب کا جو حکام جور کے خلاف اقدام کا مسلک ہے اور اس کی حمایت میں انہوں نے عباسی خلفاء کے مظالم کا مقابلہ بھی انتہائی پامردی و بے جگری سے کیا وہ امام صاحب کی بہت بڑی منقبت تھی جس کو یری السیف علی الامۃ کے گھناؤنے عنوان سے تعبیر کر دیا گیا، یعنی امام صاحب امت میں قتل و قتال جاری رہنے کو پسند کرتے تھے۔

کیا امام صاحب کی پوری سیاسی و عملی زندگی کے روشن دور کو ایسے بے جان فقرہوں کے ذریعہ نظر انداز کر دینا کوئی اچھی خدمت کہی جاسکتی ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد جو چاہے آپ کی تحریر فتنہ ساز کرے

اس کے بعد یہی چیزیں شیخ حمیدی اور امام بخاری وغیرہ کے ذریعہ علامہ ابن حزم و خطیب وغیرہ تک پہنچیں، خصوصیت سے علامہ ابن حزم کا طرز تحریر بھی امام صاحب کے خلاف بڑی حد تک جارحانہ اور غیر منصفانہ ہے اور ہمارے زمانہ کے محترم اہل حدیث بھائی بھی ان کو اٹھائے پھرتے ہیں، جس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان سطحی اور غلط باتوں کے پر پیگنڈے اور جواب و جواب الجواب سے مسلمانوں کے آپس کے تعلقات خراب ہوتے ہیں، دلوں میں رنجشیں بڑھتی ہیں اور ہم لوگ غیروں کی نظروں میں خود بھی ذلیل ہوتے ہیں اور اسلام کو بھی رسوا کرتے ہیں، اور سیاسی اعتبار سے جو کچھ نقصانات ہماری لڑائی بھڑائی کے ہیں وہ الگ رہے۔

کیا اس مسئلہ پر نظر ثانی اور بہتر توقعات کی کوئی گنجائش نہیں؟ اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

افسوس ہے کہ یری السیف علی الامۃ کا الزام امام صاحب پر امام بخاری جیسے باخبر محقق مورخ محدث لگا رہے ہیں۔ اس موقع کی مناسبت سے امام صاحب کی زندگی کا ایک واقعہ علامہ موفق مکی کی مناقب الامام ص ۱۷۴ سے نقل کرتا ہوں۔

ابو معاذ بلخی کہا کرتے تھے کہ کوفہ کے سب لوگ امام صاحب کے آزاد کردہ غلام جیسے ہیں، کیونکہ ان سب کی زندگی امام صاحب کے برکات و جود کا ثمرہ ہے، واقعہ اس طرح ہے کہ ضحاک بن قیس شیبانی، حروری فرقہ کا سردار اپنے لشکر کے ساتھ کوفہ میں فاتحانہ داخل ہو گیا اور جامع کوفہ میں بیٹھ کر کوفہ کے تمام مردوں کے لئے قتل عام اور بچوں عورتوں کو قید کرنے کا حکم دیا، امام صاحب کو خبر ہوئی تو بے چین ہو گئے اور جس حالت میں تھے گھر سے چادر سنبھالتے ہوئے، جامع کوفہ پہنچ گئے، ضحاک سے کہا کہ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں، ضحاک نے کہا کہہئے! فرمایا: ”آپ نے کس دلیل سے کوفہ کے مردوں کے قتل اور عورتوں، بچوں کو غلام بنانا درست سمجھا؟“

ضحاک نے کہا: ”اس لئے کہ یہ سب مرتد ہیں، اور مرتد کی سزا قتل ہے۔“ امام صاحب نے فرمایا، کیا ان کا دین پہلے کوئی دوسرا تھا جس کو چھوڑ کر یہ آئے تھے اور پھر اسی کی طرف لوٹ گئے یا شروع سے اب تک ایک ہی موجودہ دین پر ہیں؟

ضحاک نے کہا: آپ نے کیا کہا؟ پھر سے اس کو دہرائیے! امام صاحب نے پھر اسی بات کا اعادہ کیا، ضحاک نے کہا واقعی ہم سے غلطی ہوئی اور پھر سب لشکر کو قتل سے باز رکھا اور واپس چلے گئے۔

امام صاحب کے ایسے واقعات بہت ہیں ایک مناقب، موفق اور کردری ہی کو اگر پوری طرح مطالعہ کیا جائے تو امام صاحب کی جلالت قدر کا اعتراف ناگزیر ہو جاتا ہے۔

واقعی وہ سراج الامت تھے، اور ”چراغ تلے اندھیرا“ دیکھئے کہ امام صاحب کے بعض بہت ہی قریبی دور کے رجال تاریخ و حدیث بھی امام صاحب پر بے بنیاد ہمتیں دھر گئے ہیں۔ ”والی اللہ المشتکی“۔

(۲۳) جزء رفع الیدین: یہ رسالہ مطبع محمدی لاہور سے ۳۲ صفحات پر طبع ہوا تھا اور اس میں آئمہ مجتہدین کا اختلاف حلال و حرام یا جواز عدم جواز کا نہ تھا، مگر امام بخاری نے دوسرے خیال کے لوگوں کے واسطے غیر موزوں کلمات استعمال کئے ہیں۔ مثلاً:

(۱) ص ۱۲ پر حضرت ام الدردار رضی اللہ عنہما سے رفع یدین کی روایت کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان لوگوں سے تو بعض اصحاب نبی ﷺ کی عورتوں کا ہی علم زیادہ تھا کہ وہ نماز میں رفع یدین کرتی تھیں۔ ہمیں خود بھی تسلیم ہے کہ صحابہ کے بعد کے تمام لوگ صحابہ و صحابیات سے کم مرتبہ ہیں، مگر تارکین رفع صحابہ مردوں کی بھی تعداد کم نہیں ہے، اس لئے کیا رفع یدین کرنے والی صحابیات کو تارکین رفع صحابہ کرام پر بھی علم و عمل میں فضیلت دی جائے گی؟

امام بخاری نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ کسی صحابی سے ترک رفع یدین ثابت نہیں حالانکہ دوسرے اکابر صحابہ تو تھے ہی، خود حضرت ابن عمرؓ بھی روایات رفع پر عامل نہیں تھے، جن پر ثبوت رفع کا بڑا مدار ہے، غرض جس طرح رفع یدین کرنے والے صحابہ کافی تعداد میں تھے تارکین رفع بھی بہت تھے اسی لئے ہمارے حضرات نے اس اختلاف کو زیادہ اہمیت نہیں دی ہے۔

(۲) حدیث ص ۳۰: مالی اراکم رافعی ابیدیکم کانھا اذ ناب خیل شمس سے ترک رفع پر استدلال کرنے والوں کو بے علم کہا ہے حالانکہ خود محدثین نے اس حدیث کو دو الگ الگ واقعات میں ذکر کیا ہے، حالت تشہد میں سلام کے وقت میں رفع یدین کرتے تھے، اس کو بھی حضور ﷺ نے روکا اور کھڑے ہوئے بار بار رکوع کو جاتے آتے اور سجدہ کے موقع پر جو رفع یدین کرتے تھے، ان کو بھی روکا، ملاحظہ ہو فتح الملہم شرح مسلم وغیرہ، مسانید میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ، ابن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور آپ کے اصحاب نیز ابراہیم نخعی وغیرہ سے عدم رفع نقل ہوا ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں حضور اکرم ﷺ کی نماز پڑھ کر بتاتا ہوں پھر نماز پڑھی تو سوائے تکبیر اولیٰ کے کسی جگہ ہاتھ نہیں اٹھائے، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(۳) امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مبارک کو بھی رفع یدین کرنے والوں میں پیش کیا ہے اور فرمایا کہ وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے، پھر طنز کے طور پر فرمایا کہ ”بے علم لوگوں کے لئے بہتر تھا کہ وہ عبداللہ ابن مبارک ہی کا اتباع کر لیتے، بجائے اس کے کہ انہوں نے دوسرے بے علم لوگوں کا اتباع کیا۔“

آپ نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشاد کی شرح کس کس شان سے آپ کے سامنے آرہی ہے اور اس امر پر حیرت بالکل نہ کیجئے کہ جن ابن مبارک کو سب سے بڑا عالم اہل زمانہ خود امام بخاری بتا رہے ہیں، وہ خود اپنے اقرار و اعتراف سے اتنے بڑے عالم کن بے علم حضرات کے فیض صحبت سے ہوئے تھے۔

وائل بن حجر چونکہ رفع یدین کے راوی ہیں اور حضرت ابراہیم نخعی کے سامنے ان کی روایات کا ذکر ہوا تو انہوں نے اتنا فرما دیا تھا، کہ شاید وائل نے ایک مرتبہ ایسا دیکھ لیا ہوگا، مطلب یہ تھا کہ ان کو دربار رسالت ﷺ کی حاضری کے مواقع اتنے نہیں ملے، جتنے حضرت ابن

مسعود وغیرہ کو جو رفع یدین کی روایت نہیں کرتے اور حنفیہ نے بھی اسی بات کو کسی قدر وضاحت سے کہہ دیا تو امام بخاری نے فرمایا کہ بے علم لوگوں نے ”وائل بن حجر“ پر طعن کیا ہے۔

واقعی! اس سے زیادہ بے علمی کا مظاہرہ کیا ہوگا کہ کسی صحابہ پر طعن کیا جائے، مگر علمی و دینی مسائل میں نہایت محتاط نقد و بحث کو بھی طعن جیسے سخت لفظ سے تعبیر کرنا وجہ جواز چاہتا ہے، پھر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اپنے اکابر اساتذہ و شیوخ اور شیوخ المشائخ کو بار بار بے علمی کا طعن دینا کس درجہ میں ہوگا۔ اسی صفحہ پر امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مبارک کا واقع رفع یدین کے سلسلہ میں نقل کیا ہے جو مختلف طریقوں سے منقول ہے، امام بخاری نے اس طرح نقل کیا کہ ابن مبارک نے فرمایا: میں امام صاحب کے پہلو میں نماز پڑھ رہا تھا، میں نے رفع یدین کیا تو امام صاحب نے نماز کے بعد فرمایا کہ میں تو ڈر گیا تھا کہ تم اڑ جاؤ گے، میں نے کہا کہ جب میں پہلی ہی دفعہ اڑا تو دوسری دفعہ میں کیا اڑتا، کعب نے کہا کہ ابن مبارک حاضر جواب تھے، امام صاحب متحیر ہو گئے (جواب نہ دے سکے)

امام بخاری نے اس کے بعد لکھا کہ ”جس طرح گمراہ لوگ مدینہ ملنے پر لاچار ہو جاتے ہیں، یہ بھی کچھ ان سے ملتی جلتی صورت ہے، بتلائیے اب طعن گمراہی تک بھی نوبت پہنچ گئی، پھر باقی کیا رہا؟

یہی واقعہ خطیب نے اس طرح نقل کیا ہے کہ ابن مبارک نے ایک دفعہ امام صاحب سے رفع یدین کے بارے میں سوال کیا، امام صاحب نے فرمایا، کیا اڑنے کے ارادے سے رفع یدین کرتا ہے؟ ابن مبارک نے کہا: اگر پہلی دفعہ اڑا تو دوسری مرتبہ بھی اڑے گا، امام صاحب خاموش ہو گئے اور کچھ نہ فرمایا۔

اس کے بعد واقعہ مذکور کی صحیح نوعیت بھی ملاحظہ کیجئے:

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، رفع یدین کا اختلاف افضل غیر افضل کا اختلاف ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں جیسا کہ اس کی وضاحت بصاص نے احکام القرآن میں اور حضرت شاہ صاحب نے نیل الفرقان میں فرمادی ہے۔

ابن مبارک کا اکثر معمول یہ تھا کہ وہ فقہی مسائل و احکام میں اپنا معمول اس کو بناتے تھے، جس پر ان کے دونوں شیخ امام صاحب اور حضرت سفیان ثوری متفق ہوں، رفع یدین میں انہوں نے خلاف معمول وہ صورت اختیار کی جو امام صاحب اور سفیان ثوری دونوں کے خلاف تھی، پھر امام مالک سے بھی ایک روایت عدم رفع کی ہی ہے اور وہی مالکیہ کا معمول بہا ہے اور ابن مبارک کے وہ بھی شیخ تھے۔

احناف کا مسلک بظاہر اس لئے بھی زیادہ قوی ہے کہ رفع یدین کی روایات میں سب سے زیادہ صحیح ابن عمر کی حدیث ہے جس پر انہوں نے خود عمل نہیں کیا، جس کو امام صاحب اور امام مالک وغیرہ دلیل نسخ سمجھتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث اور ان کا عمل بھی دلیل رجحان موجود ہے۔

ان سب چیزوں کے باوجود ابن مبارک کا عمل دوسرا تھا، اس لئے امام صاحب نے بطور مزاح یہ طیرانی جملے فرمائے تھے اور اسی لئے ابن مبارک کے مزاحیہ جواب پر کچھ نہیں فرمایا، ورنہ جس شخص کی محیرانہ قوت استدلال کے امام مالک قائل ہوں اور جس نے امام اوزاعی کو مناظرہ میں ساکت کر دیا ہو وہ اپنے شاگردوں کے سامنے کیا لا جواب ہوتا، خصوصاً ایسی صورت میں کہ خود ابن مبارک ان کی علمیت کا لوہا

مانے ہوئے ہیں لَقَدْ زَانَ الْبِلَادِ وَ مِنْ عَلَيْهَا امام المسلمین ابو حنفیہ

ایک مزاحیہ انداز کی بات تھی اور اسی انداز میں ختم ہو گئی۔

اس کو امام بخاری نے اپنی روایتی ناراضی کی وجہ سے غمی و گمراہی تک پہنچا کر دم لیا لیکن ہم کیا کہیں؟ دونوں طرف اپنے بڑے ہیں،

اکابر ہیں، اساتذہ و ائمہ ہیں۔

قومی ہم قتلوا امیم اخی فاذا رمیت یصیبنی سہمی

اس شعر میں عربی شاعر نے کتنی سمجھ داری کی بات کہی ہے کہ اے امیمہ! میری ہی قوم کے لوگوں نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے، اب اگر میں اس کے انتقام میں ان لوگوں پر تیروں کی بارش کر دوں تو وہ سارے تیر خود میرے ہی دل و جگر میں پیوست ہوں گے۔

کاش ہمارے اہل حدیث بھائی اس سے سبق حاصل کریں اور وہ امام صاحب کے بارے میں امام بخاری وغیرہ کی جرح و تنقید کا اعادہ بار بار کرنا چھوڑ دیں تاکہ ہم بھی اس کے دفاع میں کچھ لکھنے پر مجبور نہ ہوں۔

امام بخاری نے ص ۴۴ پر امام سفیان ثوری اور امام حدیث و کعب کو تارکین رفع یدین میں شمار کیا ہے حالانکہ پہلے کہہ چکے تھے کہ بے علم لوگوں نے بے علم لوگوں کا اتباع کرنے کی وجہ سے ترک رفع کیا ہے، اب اپنے بزرگوں کے بارے میں کیا فرمائیں گے۔

ایک جگہ اسی رسالہ میں امام بخاری نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ پہلے لوگ الاول فالاول کو علم سمجھا کرتے تھے، لیکن یہ لوگ الاخر فالآخر کو علم سمجھتے ہیں گویا یہ بھی ان کی جہالت کا ایک بڑا ثبوت ہے، مگر ہم لوگ تو امام بخاری ہی کی تحقیق کو درست سمجھتے ہیں اور اسی لئے کہتے ہیں کہ آئمہ متبوعین اور ان کے اصحاب و تلامذہ اول تھے، اس لئے وہ ہی اعلم تھے، بہ نسبت بعد کے محدثین و محققین کے۔

اند کے باتو بکفتم و بہ دل ترسیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

(۲۴) جامع صحیح: یہ امام بخاری کی سب سے زیادہ مشہور، مقبول، عظیم الشان اور رفیع المنزلت تالیف ہے، خود امام بخاری کو اس پر

بہت ناز تھا، فرمایا کرتے تھے کہ خدا کے یہاں بخاری کو میں نے نجات کا ذریعہ بنا لیا ہے۔

امام بخاری کی تالیف صحیح کے وقت ان سے پہلے کی تالیفات جن کی مجموعی تعداد ایک سو سے زیادہ ہوگی، منصفہ شہود پر آچکی تھی، چنانچہ امام بخاری نے امام و کعب اور امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک کی تمام کتابیں تو اپنے بیان کے مطابق اپنے ابتدائی زمانہ تحصیل ہی میں مطالعہ کر لی تھی، بلکہ یاد کر لی تھی اور ان سے اہل عراق کے علوم حاصل کئے تھے، اس طرح امام اعظم کے مسانید، کتاب الآثار بروایت امام ابو یوسف و امام محمد، امام ابو یوسف، امام محمد و دیگر اصحاب امام کی تالیفات سامنے آچکی تھیں، امام اعظم نے اپنے چالیس شرکاء و تدوین فقہ کے ساتھ ۲۵-۳۰ برس تک مسلسل علمی جدوجہد کے نتیجے میں ساڑھے بارہ لاکھ مسائل کو قرآن و حدیث، اجماع و قیاس کی روشنی میں مرتب و مدون کر کر تمام اسلامی ممالک میں پھیلا دیا تھا، جس کے متعلق ابن ندیم نے اپنی تاریخ میں اعتراف کیا کہ امام صاحب کے تدوین فقہ کی وجہ سے علوم نبوت کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیل چکی تھی۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی تمام حدیثی فقہی تالیفات و مسانید موجود تھیں، دیگر حضرات کے مسانید میں سے مسند عبدالحمید بن الحمانی، مسند امام موسیٰ کاظم، مسند ابی داؤد طیالسی، مسند حمیدی، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند عبد بن حمید، مسند ابن ابی عمر العدنی، مسند احمد بن منیع، ابی اسحاق مطوعی، مسند عثمان بن ابی شیبہ، مسند اسد اللہ، مسند عبید اللہ بن موسیٰ البعلی، مسند مسدد بن مسرہد، مسند ابو جعفر المسندی، مسند ابی یعقوب تنوخی، مسند ابی الحسن ذہلی، مسند محمد بن اسلم طوسی، مسند محمد بن یوسف فریابی، مسند دورق، مسند محمد بن ہشام السدوسی وغیرہ موجود تھیں۔

ان کے علاوہ مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مصنف و کعب، مصنف حماد بن سلمہ مصنف عتکی، جامع سفیان ثوری، تفسیر سفیان ثوری، جامع عبدالرزاق، جامع سفیان بن عیینہ، جامع ابی عروہ، جامع معمر بن راشد۔

سنن دارمی، سنن ابن جریج، سنن سعید بن منصور، سنن بزار، سنن ابن طارق، سنن ابی علی الحلال، سنن سہل بن ابی سہل۔

کتاب الصلوٰۃ فضل بن دکین، کتاب الفہور ابن سلام، مغازی محمد بن عائذ، مغازی معتمر بن سلیمان، مغازی موسیٰ بن عقبہ، مغازی ابن اسحاق، جزء الذہلی وغیرہ، بے شمار حدیثی تالیفات موجود ہو چکی تھیں، لیکن صحیح مجرد احادیث کے مرتب کرنے کا رواج اس وقت نہ ہوا تھا،

امام بخاری نے ان تمام ذخائر حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے طرز جدید پر کتاب ”جامع صحیح“ کو مرتب کر کے اولیت کا فخر حاصل کیا اور اسی لئے ان کی جامع کی شہرت اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے نام سے ہوئی، ورنہ ظاہر ہے کہ اصحیت، علوسند اور ضبط متون احادیث کے اعتبار سے ان کے متقدمین کے جمع کردہ ذخیرہ بہت ممتاز تھے۔

اسی لئے شاہ عبدالعزیز صاحب نے موطاً امام مالک کو جامع امام بخاری کی اصل فرمایا اور امام مالک سے پہلے کی حدیثی تالیفات کو موطاً امام مالک کی اصل کہنا چاہئے۔

روایت میں قلت و سائنط احوذ اور علوسند کا باعث ہے، کثرت و سائنط میں اس درجہ احتیاط باقی نہیں رہ سکتی، اسی لئے سند نازل ہو جاتی ہے، کثرت رواۃ کی صورت میں ضبط متون میں اوہام بھی در انداز ہو جاتے ہیں، اسی لئے اوہام صحیحین پر مستقل کتابیں لکھی گئیں، جامع صحیح بخاری مجموعی حیثیت سے اپنے بعد کی تمام کتابوں پر فوقیت و امتیاز رکھتی ہے، اس کے تراجم و ابواب کو بھی امام بخاری کی فقہی ذکاوت و دقت نظر کے باعث خصوصی فضیلت و برتری حاصل ہے، لیکن امام بخاری چونکہ خود درجہ اجتہاد رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے جمع احادیث کا کام اپنے نقطہ نظر سے قائم کئے ہوئے تراجم و ابواب کے مطابق کیا اور دوسرے آئمہ مجتہدین کے نقطہ ہائے نظر کو نظر انداز کر دیا اگر وہ ایسا نہ کرتے تو کتاب مذکور کی اہمیت و افادیت میں اور بھی غیر معمولی اضافہ ہو جاتا۔

آئمہ متبوعین میں سے صرف امام مالک سے بخاری میں روایات زیادہ ہیں، اپنے شیخ امام محمد سے بھی صرف دو روایات لی ہیں، امام شافعی سے کوئی روایت نہیں لی حالانکہ وہ بخاری کے شیخ الشیخ تھے، ان کے بعض اقوال کو بھی ”قال بعض الناس“ کہہ کر بیان کیا۔

امام اعظم بھی امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں مگر ان سے بھی کوئی روایت نہیں لی، ان کے اقوال بھی ”قال بعض الناس“ ہی سے نقل کئے ہیں، بلکہ ایک دو جگہ زیادہ برہمی کا اظہار کیا ہے، اس برہمی کی وجہ امام صاحب کے مسلک سے ناواقفیت، بدگمانی، غلط فہمی اور کچھ رنجش معلوم ہوتی ہے۔

یہاں زیادہ بہتر ہے کہ امام العصر الاستاذ المعظم حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے الفاظ میں کچھ حقائق ادا کر دوں، اثنائے درس بخاری شریف، نویں پارہ ص ۳۰۶ میں ”قال حماد“ پر فرمایا کہ ”حماد استاد ہیں امام اعظم کے بلکہ امام صاحب ان کی زبان ہیں، اگرچہ کہنے والوں نے حماد کو بھی مرجئی کہہ دیا ہے، پس حماد اور ابراہیم نخعی کے اقوال تو امام بخاری ذکر کرتے ہیں، لیکن امام صاحب کے اقوال نہیں لاتے، حالانکہ امام ابوحنیفہ کے عقائد تو سب حماد اور ابراہیم نخعی اور علقمہ و حضرت عبداللہ بن مسعود ہی سے ماخوذ ہیں، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ حماد سے تو دوستی ہو اور امام ابوحنیفہ سے دشمنی ہو۔“

اس کے بعد فرمایا کہ ”اعمال کو ایمان و عقائد میں کیسے داخل کیا جاسکتا ہے؟ یوں ہی اپنے گھر میں بیٹھ کر جو چاہو اعتراض کئے جاؤ اور اپنا دین علیحدہ علیحدہ بنائے جاؤ، مگر دین تو وہی ہوگا جو پیغمبر خدا ﷺ سے ثابت ہو، نیز فرمایا کہ ”امام بخاری کے بیشتر اساتذہ وہ ہیں جن سے انہوں نے علمی استفادے کئے ہیں لیکن اسحاق بن راہویہ امام بخاری کے اکابر اساتذہ میں سے ہیں اور اسحاق بن راہویہ حضرت عبداللہ بن مبارک کے خاصہ تلامذہ میں سے ہیں، جو امام اعظم کے تلمیذ خاص تھے، گویا امام بخاری دو واسطوں سے امام صاحب کے شاگرد ہیں (ان ہی اسحاق کے اشارے پر امام بخاری کو تالیف صحیح بخاری کا خیال ہوا تھا) بعض حضرات نے تو اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حنفی کہا ہے۔“ (جو خلاف تحقیق ہے)

امام بخاری نے پہلے پارہ میں کتاب الایمان کے ذیل میں ص ۹ پر ”کفر دون کفر“ کا باب قائم کیا اور پوری قوت سے بتلایا کہ عمل ذرا بھی کم ہو تو کفر ہوگا، اور وہاں کوئی نرمی اختیار نہیں کی تاکہ صورت اعتدال پیدا ہوتی لیکن ستائیسویں پارہ میں جا کر ص ۱۰۰۲ پر باب ما یکرمہ من لعن شارب الخمر ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر عقیدہ درست ہو تو کبیرہ گناہوں، شرب خمر وغیرہ کی وجہ سے ملت سے خارج نہ ہوگا۔

(پھر امام صاحب اور ان کے مسلک میں کیا فرق رہ گیا؟)

مقبلی یعنی محدث نے کہا ہے کہ امام بخاری حنفیہ سے حدیثیں نہیں لیتے، اگرچہ بہت کم درجے کے لوگوں سے لے لیتے ہیں، چنانچہ مثال دی ہے کہ امام محمد (استاد امام شافعی و یحییٰ بن معین) سے روایت نہیں لی اور مروان سے لے لیں، جس کی کسی نے بھی توثیق نہیں کی۔ بلکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ مروان فتنہ پرداز، خونریزیوں کا سبب اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا باعث ہوا ہے، اس کی غرض ہر جنگ میں یہ ہوتی تھی کہ بڑوں میں سے کوئی نہ رہے تاکہ ہم صاحب حکومت بنیں۔

جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کون ہے جو حرم نبی ﷺ پر دست درازی کرتا ہے؟ (مراد اپنے بھانجے ابن زبیر تھے) یہ سن کر اشتر نخعی چھوڑ کر چلے گئے، پھر کوئی آیا اور ادنٹ کے تلوار ماری جس سے عماری گرنے لگی، اور حضرت علیؓ نے دیکھا تو فوراً وہاں پہنچ کر حضرت عائشہؓ کو گرنے سے بچایا اور جنگ ختم ہو گئی، اسی طرح حضرت طلحہ و زبیر حدیث نبی کریم ﷺ سن کر جنگ سے واپس ہونے لگے تو مروان نے پیچھے سے جا کر حضرت طلحہؓ کو تیر مار کر زخمی کر دیا، کیونکہ اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ حضرت علیؓ سے جنگ جاری رہے، اس میں حکومت کی طمع اور فتنہ پردازی کا مادہ غیر معمولی تھا (یہاں امام بخاری کا ریمارک ”یری السیف علی الامۃ“ بھی یاد کیجئے، جس کے مصداق امام بخاری نے امام صاحب کو بنایا تھا، حالانکہ اس کے صحیح مصداق مروان جیسے رواۃ بخاری تھے۔

زیدی نے مستقل کتاب لکھی، جس میں امام بخاری پر اعتراضات کئے اور کہا کہ امام محمد سے روایات نہیں لیں اور معمولی رواۃ دکھلائے، جو صحیح بخاری میں آئے ہیں، حالانکہ کسی نے ان کی توثیق نہیں کی ہے، یہ کتاب طبع نہیں ہوئی۔

فرمایا ابن ابی اویس اور نعیم بن حماد کو بخاری میں کیوں لائے؟ شاید ان کے نزدیک کذاب نہ ہوں، پھر واقع کا علم خدا کو ہے، ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اب جو جرحیں بھی سامنے آئیں گی، امام ابوحنیفہ وغیرہ کے متعلق خواہ امام بخاری ہی سے آئیں وہ کسی درجہ میں قابل قبول نہیں ہوں گی، کیونکہ مخالفین پر ان کی جرحیں صحیح نہیں ہوتیں، کمالاً تکلفی۔

نعیم سے کئی جگہ بخاری میں اصول میں روایات موجود ہیں اور پھر تعلق ہی کا ذبوں سے لینا کب درست ہو سکتا ہے (نعیم کے حالات پہلے ذکر ہو چکے ہیں)

فرمایا: ”جہم بن صفوان اور عہد تابعین میں پیدا ہوا تھا، صفات الہیہ کا منکر تھا، امام صاحب سے اس کا مناظرہ ہوا اور امام صاحب نے آخر میں اسے فرمایا کہ اے کافر! میرے پاس سے چلا جا، مسامرہ میں یہ واقعہ موجود ہے میں نے اس کو ”اکفار الملحدین“ میں بھی ذکر کیا ہے کہ امام صاحب جلد باز نہ تھے، جو بغیر اتمام حجت ہی کافر کہہ دیتے۔

اسی طرح امام محمد سے بھی جہمیہ کی مخالفت منقول ہے جو سب کو معلوم ہے مگر باوجود اس کے بھی امام بخاری نے امام محمد کو خلق افعال کے مسئلہ میں جہمی کہہ دیا ہے۔

فرمایا: میری نظر میں بخاری کی رواۃ کی ایک سے سوزیادہ غلطیاں ہیں اور ایک راوی کئی کئی جگہ باہم متعارض و متخالف روایات کرتا ہے، ایسا بھی بہت ہے جس کو میں درس میں اپنے اپنے موقع پر بتلا دیا کرتا ہوں اور اس پر بھی متنبہ کرتا ہوں کہ کہاں نئی چیز آئی اور اس کا کیا فائدہ ہے۔ حافظ ابن حجر سے بھی حوالوں وغیرہ میں بہت غلطیاں ہوئی ہیں ان کو بعض اوقات قیود حدیث محفوظ نہ رہیں اور میں نے ان ہی قیود سے جواب دہی کی ہے۔

فرمایا: امام بخاری اپنی صحیح میں تو کف لسان کرتے ہیں، لیکن باہر خوب تیز لسانی کرتے ہیں، یہ کیا چیز ہے؟ دیکھو ”جزء القرأت خلف الامام“ اور ”جزء رفع الیدین“ وغیرہ۔

(ہم نے حضرت شاہ صاحب کے ارشاد کی روشنی میں اور کچھ ارشادات کئے ہیں)

فرمایا: کتاب الخلیل میں امام بخاری نے حنفیہ کے خلاف بہت زور صرف کیا ہے اور ایک اعتراض کو بار بار دہرایا ہے، حالانکہ خود ہمارے یہاں بھی امام ابو یوسفؒ نے کتاب الحراج میں تصریح کر دی ہے، کہ زکوٰۃ صدقات واجبہ کو ساقط کرنے کیلئے حیلہ کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ لہذا جو لوگ حیلہ کے مسائل لکھیں ان کو امام ابو یوسفؒ کی یہ عبارت ضرور نقل کرنی چاہئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دفع حقوق یا اثبات باطل کے لئے حیلہ جائز نہیں، البتہ اثبات حق یا دفع باطل کے لئے درست ہے، مثلاً کوئی شخص اس طرح مبتلا ہو جائے کہ واجبات سے اس کی کمر ٹوٹ رہی ہو اور ان کی وجہ سے اس کی کمر ٹوٹ رہی ہو اور ان کی وجہ سے قریب بہ ہلاکت ہو اور مجبوراً ناداری کے باعث اپنی گردن واجبات خداوندی سے چھڑانا چاہے تو اس کے لئے ہمارے یہاں حیلہ کی گنجائش ہے اور ایسی صورتوں کا جواز دوسروں کے یہاں بھی ملے گا یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حیلہ کے معنی مکاری کے نہیں ہیں جیسا کہ آجکل رائج ہے، بلکہ تدبیر اور گنجائش کے ہیں کہ اصول قرآن و حدیث کو اور صحابہ کے اقوال کو سامنے رکھ کر حادثہ پیش آمدہ کے متعلق کوئی حل پیدا کر دے، اس کا نام حیلہ اور تدبیر ہے، امام محمدؒ سے بھی معنی وغیرہ نے ابطال حق کے لئے حیلہ کو ممنوع ہی لکھا ہے، جس کے بعد حیلہ پر اعتراض نہیں ہو سکتا، دوسرے یہ کہ جواز حیلہ اور نافذ حیلہ دو چیزیں الگ الگ ہیں اور ہم دونوں میں فرق کرتے ہیں، امام بخاری نے چونکہ دونوں میں فرق نہیں کیا اس لئے یہ اعتراض کر دیا، حالانکہ یہ بات ابتدائی کتابوں میں موجود ہے کہ کسی فعل کا عدم جواز اور ہے اور نفاذ اور شے ہے، پھر یہ فرق بھی اسی وقت ہوگا کہ لفظ حیلہ اپنی ظاہری صورت پر ہو اور اس کے حقیقی و اصلی معنی کا لحاظ نہ ہو۔

کتب فقہ میں تو سقوط زکوٰۃ ہی کا ذکر ہوگا، باقی اس کا یہ فعال دیانتہ ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں ہے، پھر کیا اعتراض رہا؟ اسی طرح امام بخاری نے اعتراض کر دیا کہ بعض الناس تعجیل زکوٰۃ کے بھی قائل ہیں، یعنی قبل وجوب کے ادا کیگی صحیح کہتے ہیں، حالانکہ یہ بات بھی اصول فقہ سے متعلق ہے اور شارح وقایہ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ ذمہ مشغول ہو حق کے ساتھ تو نفس وجوب ہے اور فارغ کرنا ہو ذمہ کو تو وجوب اداء ہے۔ لہذا ہمارے یہاں وجوب فی الذمہ متحقق ہو جانے کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادا کیگی درست ہو جاتی ہے نہ کہ وجوب سے بھی قبل تاکہ تعجیل زکوٰۃ کا اعتراض درست ہو۔

فرمایا: امام بخاریؒ سے نقل ہے کہ ان کو فقہ حنفی سے معرفت حاصل ہے میں کہتا ہوں کہ ان کی کتابوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو فقہ حنفی سے صرف سنی سنائی معرفت حاصل ہے، صفت نفس نہیں بنی ہے اور بہت کم چیزیں صحیح طور سے پہنچی ہیں۔ ہمارے یہاں اکراہ کی صورت یہ ہے کہ اپنی ذات یا قریبی رشتہ دار پر واردات گزرتی ہو، مثلاً قتل نفس قطع عضو، ضرب مبرح وغیرہ کی دھمکی اور بخاری یہ سمجھے کہ اور دوسروں پر گزرے تب بھی اکراہ ہے، حالانکہ کوئی ذی فہم بھی اس کو اس حالت میں مکروہ نہ کہے گا، یہ بات اور ہے کہ دین و شریعت کی رو سے دوسرے کی جان و مال کو بھی بچانا ضروری ہے۔

ص ۱۰۳۰ پارہ ۲۸ بخاری شریف میں ”وہو تسویج صحیح کے جملہ پر فرمایا کہ امام بخاری کو جو ہم سے قضائے قاضی کے ظاہر و باطناً نافذ ہونے کے مسئلہ میں اختلاف ہے، اس لئے ایک ہی اعتراض کو ہی پھیر کر بار بار لارہے ہیں اور مقصود اپنا دل ٹھنڈا کرنا اور حق مخالفت ادا کرنا ہے، حالانکہ یہاں بھی وہی فقہ حنفی سے پوری واقف نہ ہونے کی وجہ سے کار فرما ہے، کیونکہ ہمارے یہاں یہ مسئلہ یوں ہی مطلق اور عام نہیں ہے بلکہ اس کی قیود و شرائط ہیں دوسرے وہ عقود و فسوخ میں ہے، املاک مرسلہ میں نہیں ہے، پھر اس محل میں بھی صلاحیت انشاء حکم کی موجود ہونا ضروری ہے، وغیرہ جس کی تفصیل مبسوط میں سب سے بہتر ہے۔

ص ۱۰۶۲ پارہ ۲۹ بخاری میں بسوم المهاجرین الاولین کے جملہ پر فرمایا کہ دیکھئے! یہ امامت صلوة ہے، اس کا یہاں کیا تعلق تھا؟ امام بخاریؒ کا بھی وہ حال ہے کہ ”زور والامارے اور رونے نہ دے“ پھر مسکرا کر فرمایا ”اب چونکہ وقت کم رہ گیا ہے، اس لئے ادب چھوٹ گیا۔“

(افسوس صد ہزار افسوس! اس جملہ میں ارشاد فرمایا تھا، یہ حضرت شاہ صاحبؒ کے درس بخاری کا آخری سال تھا)

ع حیف در چشم زدن صحبت شیخ آخر شد

ایک روز درس ہی میں فرمایا کہ حافظ ابن حجر کی زیادتیوں پر ہمیشہ کلام کرنے کی عادت رہی، لیکن امام بخاریؒ کا ادب مانع رہا، اس لئے ہم نے اتنے دن تک حنفیہ کی نمک حرامی کی، اب چونکہ آخر وقت ہے اس لئے کچھ کہہ دیتا ہوں اور اب صبر و ضبط یوں بھی ضعف پیری کے باعث کمزور ہو گیا ہے، مگر اس سے یہ ہرگز مت سمجھنا کہ بخاری کی احادیث بھی چند راویوں کے ضعف کی وجہ سے گر گئیں، اس لئے کہ ان کے متابعات دوسری کتب حدیث میں عمدہ راویوں سے موجود ہیں، یہ ان کی وجہ سے قوی ہو گئیں۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس روز بخاری شریف میں حضرت مخدوم و معظم مولانا العلام مفتی سید محمد مہدی حسن صاحب مدظلہ مفتی راندریہ و سورت بھی موجود تھے، جو اب ایک عرصہ سے مفتی دارالعلوم دیوبند ہیں۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ امام احمدؒ کے ابتلاء سے قبل تک حنفیہ پر رد و قدح نہ تھی، اس فتنہ کے بعد سے یہ چیزیں پیدا ہوئیں، اور جو خالص محدث یا فقہ سے کم مناسبت رکھنے والے تھے، انہوں نے اس میں زیادہ حصہ لیا ہے جو محدث فقیہ بھی تھے وہ محتاط رہے اور بہت حضرات نے حنفیہ کی طرف سے دفاع بھی کیا ہے، بلکہ مناقب امام صاحب و صاحبین پر مستقل کتابیں بھی لکھیں، جزا، ہم اللہ خیر الجزاء۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے مذکورہ بالا ارشادات و اشارات کی حیثیت ایک متن کی ہے جس کی شرح و تفصیل ناظرین کو اس مقدمہ کے بعد انوار الباری میں جا بجا ملے گی، ان شاء اللہ، وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم استغفرہ و اتوب الیہ۔
تقدیر و اذکار بخاری کی جواب دہی میں حافظ نے پوری سعی کی ہے جو مقدمہ فتح الباری میں قابل دید ہے۔

تہذیب میں ۱۲ صفحات لکھے ہیں اور آخر میں یہ بھی لکھا کہ جس شخص کی عدالت ثابت ہو چکی ہو اس کے بارے میں کوئی جرح بھی قبول نہ کی جائے گی، معلوم نہیں اس اصول کو امام اعظم اور اصحاب الامام کے لئے کیوں نہیں برتا گیا، ان کی تعدیل و توثیق بھی تو خود ان کے زمانہ خیر القرون کے اکابر رجال نے بالاتفاق کر دی تھی پھر بعد کے لوگوں نے ان پر بے بنیاد جرح کا سلسلہ جاری کیا تو اس کو اہمیت دے دے کر ہر زمانہ میں ابھارا بھا کر آگے بڑھانے کی کوشش کیوں کی گئی؟“ ع ”تو یہ فرمایاں چہ خود تو بہ کم تر چے کنند؟“

حافظ نے یہاں ایک اجمالی جواب بھی دیا ہے کہ ہر منصف کو جاننا چاہئے کہ صاحب صحیح نے جب کسی راوی سے روایت کی ہے تو اپنے نزدیک اس کی عدالت سے مطمئن ہو کر ہی کی ہے اور وہ خود اس راوی کے اچھے برے حال سے پورے واقف تھے، ان سے غفلت کیسے ہوتی؟ خصوصاً جب کہ جمہور آئمہ حدیث نے ان کی جلالت قدر کی وجہ سے ان کی کتاب کو ”صحیح“ کا لقب دیا ہے اور یہ دوسرے محدثین کو حاصل نہیں، پس گویا جمہور کا اس امر پر بھی اتفاق سمجھنا چاہئے کہ جن روایہ کو صاحب صحیح نے ذکر کیا وہ سب عادل ہی تھے، لہذا اب کوئی طعن

۱۔ عزیز گرامی قدر مولانا محمد انظر شاہ صاحب استاذ دارالعلوم کے رسالہ ”نقش“ میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے ملفوظات گرامی کا سلسلہ جاری تھا کہ اکتوبر ۱۹۶۰ء کے پرچہ کی گیارہویں قسط میں بھی ملفوظات مذکورہ بالا شائع ہوئے جن کو اکثر اکابر نے پسند کیا اور محترم المقام مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی نے اپنے صدق مورخہ ۳ نومبر ۱۹۶۰ء میں حسب ذیل نوٹ تحریر فرمایا:

تقلید جامد: ماضی قریب میں علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی جس پایہ کے فاضل جلیل گزرے ہیں کسی پر مخنی نہیں ان کے ملفوظات درس ان کے شاگرد خاص مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری کے قلم سے دیوبند کے ماہنامہ نقش میں شائع ہو رہے ہیں، اس کے ایک تازہ نمبر سے جتہ جتہ: ”اثنائے درس بخاری میں فرمایا کہ جماد استاد ہیں امام اعظم کے..... الخ اور اسی رنگ کی عبارتیں اور بھی متعدد ہیں، یہ سب آخر کیا ہے؟“

علامہ کشمیری امام صاحب بخاری کے منکر یا مخالف ہیں؟ یا ان کی کتاب کا شارح ترین و مستند ترین کتابوں میں نہیں کرتے؟ یہ کچھ نہیں علامہ ان کے پوری طرح معتقد ہیں، ان کی اور ان کی کتاب کی عظمت کے قائل ہیں، لیکن علم کا حق اور سچائی کا حق ان کی ذات سے بھی بڑھ کر اپنے اوپر سمجھتے ہیں اس لئے جہاں کہیں اپنی بصیرت کے مطابق ان کی علمی تحقیق میں کوئی خامی یا کوئی کوتاہی نظر آئی اس کا اظہار بھی برملا اور بے تکلف ان کی ذات کے ساتھ ہر رشہ احترام کو چھوڑے بغیر کر دیتے ہیں اور خود امام بخاری کا بھی یہی طرز عمل اپنے معاصرین اور بزرگوں کے ساتھ تھا، جیسا کہ ایک حد تک اوپر کے حوالوں سے بھی ظاہر ہو رہا ہے، پس یہی مسلک صحیح و صائب ہے، کل بھی یہی صحیح تھا اور آج بھی یہی صحیح (صدق جدید)

وجرح رواۃ صحیحین پر اس وقت تک قابل اعتنا نہ ہوگی جب تک کہ وجوہ قدح کو صاف طور سے شرح کر کے نہ بیان کیا جائے، پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ واقع میں بھی وہ قدح جرح بننے کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں اور حضرت شیخ ابوالحسن مقدسی تو ہر راوی صحیح کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو پل سے گزر چکا ہے۔

یعنی اس کے بارے میں کوئی نقد قابل لحاظ نہیں شیخ ابوالفتح قشیری فرماتے تھے کہ یہی ہمارا بھی عقیدہ ہے اور اسی پر عمل بھی ہے، شیخین (بخاری و مسلم) کی کتابوں کو جب صحیحین مان لیا گیا تو گویا ان کے رواۃ کی عدالت بھی مسلم ہو گئی ان میں کلام کرنا صحیح نہیں۔

پھر وجوہ طعن پر مفصل بحث کرنے کے بعد حافظ نے یہ بھی کہا کہ بعض لوگوں نے بعض عقائد کے اختلاف کی وجہ سے طعن و جرح کی ہے، لہذا اس پر متنب رہنا چاہئے اور اس پر جب تک وہ امر حق ثابت نہ ہو عمل نہ کرنا چاہئے، اسی طرح اہل ورع و زہد نے ان لوگوں پر عیب لگایا جو دنیوی کاروبار میں لگے حالانکہ وہ صدق و دیانت کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ ناقابل اعتبار وہ تصنیف ہے جو بعض رواۃ کے دوسروں کے تعلق یا باہمی معاشرہ کی وجہ سے کی گئی اور سب سے زیادہ غیر ضروری تصنیف ان کی ہے جو اپنے سے زیادہ باوثوق اور عالی قدر و منزلت اور علم حدیث کے زیادہ عالم و واقفوں پر کی جائے غرض ان سب جرح و طعن کا کوئی اعتبار نہیں۔ (مقدمہ فتح)

اس کو نقل فرما کر حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ”جب یہ سب باتیں امام بخاری و مسلم کی شان میں درست ہیں تو اس سے انکار کیسے کیا جاسکتا ہے کہ یہی سب باتیں آئمہ مجتہدین کے حق میں بھی واجب التسلیم ہونی چاہئیں جو علو شان اور جلالت قدر میں شیخین سے بھی زیادہ ہیں کیونکہ وہ آئمہ کبار بہر حال امام بخاری و مسلم کے شیوخ اور شیوخ المشائخ تھے، اور ان کے مراتب عالی خواہ کتنے ہی بلند ہوں اپنے ان اکابر ساتھ و مشائخ سے یقیناً کم ہیں، ان کے برابر نہیں ہو سکتے“ جیسا کہ ان کے حالات و سوانح سے پہلے معلوم ہو چکا ہے۔

جلالت قدر اور اہتمام صحت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ جن لوگوں نے ان کی روایات پر نقد کیا ہے ان کا قول زیادہ سے زیادہ ان کی تصحیح کے معارض ہو سکتا ہے، باقی ان کا فضل و تقدم دوسروں پر اس میں تو کسی شک و ریب کی گنجائش ہی نہیں، لہذا اجمالی طور سے اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔

حافظ کے اتباع میں اس جواب کو حافظ سیوطی نے بھی تدریب میں اور پھر ان کے بعد والوں نے بھی اختیار کیا ہے، حضرت علامہ محقق شیخ الحدیث دام فیضہم نے مقدمہ لامع میں ص ۳ پر ان مذکورہ بزرگوں کے اقوال نقل فرمانے کے بعد کیسے موقع کی بات فرمائی کہ جس طرح یہ جبال العلم، جلیل القدر محققین اس اجمالی جواب کے اختیار کرنے پر مجبور ہوئے اور پھر ان اکابر متبعین نے بھی اس کو پسند و اختیار کیا تو یہی جواب آئمہ مجتہدین کے مستدلات میں نہیں چل سکتا؟ جس طرح امام بخاری و مسلم کا فضل و تقدم ان کے بعد والوں پر تسلیم ہے، کیا اسی طرح آئمہ متبعین کی جلالت قدر اور فضل و تقدم امام بخاری و دیگر مسلم محدثین پر مسلم نہیں؟“

پھر امام اعظم کا فضل و تقدم باقی آئمہ و متبعین پر بھی ظاہر و باہر کر دیا ہے کہ یہ سب امام صاحب کے فقہ میں دست نگر اور حدیثی سلسلہ سے تلامذہ تھے، ”والعلم شرقاً و غرباً، برا بحر امد وینہ رضی اللہ عنہ“۔ (ابن ندیم)

بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ صحیح بخاری کی کچھ روایات پر تنقیدات ہوئی ہیں جن کے جواب کے لئے حافظ نے توجہ فرمائی اور کشف الظنون میں شروع بخاری کے تذکرہ میں ایک شرح ابو ذر احمد بن ابراہیم حلبی (۸۸۳ھ) کی مذکور ہے جس کا نام ”التوضیح الاوہام الواقعة فی الصحیح“ ہے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اوہام صحیحین پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، حضرت شیخ دام ظلہ نے اس موقع پر

۱۔ آئمہ مجتہدین نے جن رواۃ پر اطمینان کر کے تدوین فقہ کی وہ بھی تو پل سے گزر چکے تھے، لہذا ان پر اور زیادہ اطمینان ہونا چاہئے۔

۲۔ امام صاحب اور ان کے اصحاب پر بھی کسی کی جرح نہیں سنی چاہئے جب کہ ان کی توثیق امام بخاری و مسلم کے اکابر شیوخ کی تھی۔

۳۔ آئمہ مجتہدین اور ان اصحاب خاص کے بارے میں بھی بعد کے حضرات کی تصنیف کو اسی اصول سے غیر ضروری سمجھنا چاہئے۔

۳۰ مقامات پر جلد اول صحیح بخاری سے اور ۲۰ جلد ثانی سے ذکر کئے ہیں، اوہام کی تفصیلات، جوابات نقل فرمائے ہیں اور جا بجا قیمتی تبصرے بھی ہیں۔ چند اوہام بطور مثال افادہ ناظرین کے خیال سے ہم بھی ذکر کرتے ہیں۔

(۱) شبابہ بن سوار مدینی: امام احمد نے فرمایا کہ میں نے اس سے روایت ار جاء کی وجہ سے چھوڑ دی، ابن المدینی نے کہا کہ صدوق تھے، مگر عقیدہ ار جاء کا رکھتے تھے، لیکن باوجود اس کے بخاری باب الصلوٰۃ علی النفساء میں حدیث ان سے مروی ہیں۔

(۲) عبد الحمید بن عبد الرحمن ابویحییٰ اعمال الکوفی من شیوخ البخاری: ابوداؤد نے فرمایا کہ کئی قسم کے مرجئی تھے، لیکن بخاری سے ”باب حسن الصوت بالقراءة“ میں حدیث ان سے موجود ہے۔

(۳) عمر بن خدا ہمدانی: ان کو بھی صدوق ثقہ لیکن ار جاء کے خاص طور سے قائل تھے، مگر بخاری میں باب ”اذا دعی الرجل فجاہل یتأذن“ میں حدیث کے راوی ہیں۔

(۴) عمرو بن مرة الحمیلی: ابو حاتم نے کہا ثقہ تھے مگر ار جائی عقیدہ کے، پھر بھی بخاری میں حدیث متی الساعة؟ باب علامة الحب فی اللہ میں روایت ہے۔

(۵) ورقا بن عمر: ابوداؤد نے فرمایا کہ ورقاء صاحب سنت تھے، مگر ان میں ار جاء تھا، بخاری باب میں حدیث سقوط قحله علی وجہ کعب بن عجرہ ان سے مروی ہے۔

(۶) بشر بن محمد السخنیانی (۷) سالم بن عجلیانی (۸) شعیب بن اسحاق، خلاد بن یحییٰ وغیرہ وغیرہ۔

ایسے رواۃ بکثرت ہیں جو ار جاء سے متہم ہوئے اور امام احمد وغیرہ نے ان سے روایت حدیث نہ کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ار جاء بدعت ہوگا، ورنہ ار جاء سنت نہ معیوب تھا نہ ان کے ساتھ کسی راوی کے متہم ہونے کی وجہ سے اس سے ترک روایت کی جاتی تھی، اسی لئے امام صاحب وغیرہ کو کسی نے اس زمانہ کے بڑوں میں سے یہ نہیں کہا کہ مرجئی تھے، اس لئے روایت نہیں کی گئی بعد کے لوگوں نے ار جاء کے عام و مشترک معنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو مشکوک بنانے کی سعی کی ہے۔ واللہ المستعان۔

روایات بخاری

کل روایات بخاری جن پر نقد کیا گیا ہے (۱۱۰) ہیں جن میں سے ایک ایک کو ذکر کر کے حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں جواب دہی کی ہے اور آخر میں کہا کہ یہ سب ہیں جن پر حفاظ و ناقدین حدیث اور علیل اسانید و خفی کمزوریوں پر کڑی نظر رکھنے والوں نے تنقید کی ہے۔ ان میں سے ۳۲ روایات تو وہ ہیں جن میں امام مسلم بھی شریک ہیں، باقی ۷۸ میں سے اکثر وہ ہیں کہ ان پر سے اعتراض آسانی سے اٹھ سکتا ہے، البتہ کچھ ایسی بھی ہیں جن کے جواب میں کمزوری ہے اور بہت کم ایسی ہیں جن کے جوابات غیر تسلی بخش ہیں (ان جوابات کے نمونے بھی آگے ذکر ہوں گے)

دارقطنی وغیرہ کے ان ایرادات، مشار الیہا سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ صحیح بخاری کی تلقی بالقبول کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی سب کی سب احادیث کی صحت پر اجماع ہو گیا کیونکہ یہ مواضع ایسے بھی ہیں کہ جن کی صحت متنازع فیہ ہے، اسی لئے خود ابن صلاح نے بھی ان مواضع کو مستثنیٰ قرار دیا، جن پر دارقطنی وغیرہ نے تنقید کی ہے اور شرح مقدمہ مسلم میں کہا کہ بخاری و مسلم پر جو مواخذہ یا قدح معتمد حفاظ حدیث کی طرف سے وارد ہے وہ ہمارے فیصلہ سابق سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اتنے حصے کے تلقی بالقول پر اجماع نہیں ہوا، اس موقع پر امام نووی کا کلام شرح مسلم میں ان کے کلام شرح بخاری سے مختلف ہے اور جس طرح انہوں نے اس مسئلہ کو لپیٹنے کی سعی کی ہے وہ کامیاب نہیں ہے۔ (کتاب

الطلاق) میں حافظ ابو مسعود مشقی کے تعصب پر ابو علی نے کہا کہ حافظ موصوف نے اچھی تنبیہ کی اور حافظ نے کہا کہ اس اعتراض کے مقابلہ میں ہمارے جواب کی حیثیت صرف اقلای ہے اور یہ ان سخت دشوار مواضع میں سے ہے کہ ان کا صحیح جواب آسان نہیں "لابد للجواد من کبوه" واللہ المستعان۔ (کتاب الذبائح) میں ص ۳۷۳ دارقطنی کے ایک اعتراض پر کہا کہ اعتراض صحیح ہے، علت ضعف ناقابل انکار ہے اس لئے اس کا جواب تکلف و بناوٹ سے خالی نہیں ہو سکتا۔

معلوم و متکلم فیہا روایات بخاری کے سلسلے میں جو دفاع و جواب وہی حافظ نے کی ہے وہ مقدمہ فتح الباری میں قابل مطالعہ ہے اور ایک عالم خصوصاً معلم و متعلم حدیث اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا، ہمارے سلسلہ کے اساتذہ و طلبہ حدیث کی یہ بہت بری کوتاہی ہے کہ ان کا مطالعہ درسیات تک محدود رہتا ہے، تحصیل علم حدیث کے وقت خاص طور سے وسیع مطالعہ اور معانی حدیث و رجال پر بڑی توجہ دینی چاہئے جو ہمارے اکابر و سلف کا طرہ امتیاز رہا ہے، آج ہم میں کتنے ہیں جو امام محمد کی جامع کبیر اور کتاب الحج کو یا امام ابو یوسف کی کتاب الخراج اور الرد علی سیر الاوزاعی کا مطالعہ کرتے اور سمجھتے ہیں، جن سے ان حضرات کی علمی تحقیقات و تدقیقات کا کچھ اندازہ ہو، یہ علمی نادر خزانے چھپ کر شائع ہوئے، مگر ایسے وقت کہ پڑھنے والے نادر ہو گئے اور ہمارے اکابر اساتذہ ان کی زیارت کو ترستے تھے، آج امام بخاری کے تاجر علمی اور ابواب و تراجم بخاری کی دقت و باریکیوں کا پروپیگنڈا ہے، مگر علوم قرآن و حدیث میں یہ تجرد و دقت نظر ان میں کہاں سے پیدا ہوئی تھی یہ حمیدی ایسے غیر فقیہ اساتذہ سے دقت نظر نہیں پیدا ہوئی بلکہ امام احمد (تلمیذ امام ابی یوسف) سے جو خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دقت نظر امام محمد کی کتابوں سے حاصل ہوئی، یحییٰ بن معین، تلمیذ امام احمد سے حاصل ہوئی جن کے بارے میں امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے کو صرف یحییٰ بن معین کے سامنے علمی لحاظ سے بے بضاعت پایا (النجوم الزاہرة) علی بن المدینی (تلمیذ یحییٰ القطان الامام الاعظم) سے حاصل ہوئی ان کے بارے میں بھی امام بخاری تقریباً یہی کلمات فرمایا کرتے تھے ۴ تلامذہ امام شافعی سے حاصل ہوئی جو امام محمد کے تلمیذ خاص تھے۔

اور ان سب کو جو کچھ ملا وہ سب امام اعظم کے علوم اجتہاد یہ کا صدقہ ہے جن کی وجہ سے امام شافعی تمام علماء فقہا کو امام صاحب کا دست نگر فرمایا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مبارک (جن کو امام بخاری اہل علم زمانہ فرماتے ہیں) اپنے زمانہ کے محدثین و رواۃ کو چھوڑ کر فرمایا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کی "رائے" مت کہو، بلکہ تشریح حدیث کہو۔

افسوس ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب الضعفاء میں رجال پر بحث کرتے ہوئے و کعب (تلمیذ امام الاعظم) ابن مبارک (تلمیذ الامام) یحییٰ القطان (تلمیذ امام) اور علی بن المدینی و امام احمد کے فیصلوں کا حوالہ دیا ہے اور یہ سب امام اعظم کی مدح و ثناء میں رطب اللسان ہیں، پھر بھی امام صاحب اور اصحاب امام پر نقد کرتے ہوئے ان حضرات کی کسی بات کا خیال نہیں فرمایا اور امام صاحب وغیرہ سے کسی باعث رنجش کی وجہ سے شیخ حمیدی، اسماعیل بن عرعرہ وغیرہ پر بھروسہ کر لیا، اور آپ پڑھ چکے کہ کیسے کیسے کلمات استعمال فرمائے، جس شخص کو یہ فخر ہو کہ کبھی کسی کی غیبت نہیں کی، خدا کی شان کہ وہ ایسے ایسے بڑے آئمہ دین کے بارے میں کیا کچھ نہیں کہ گیا، خدا کرے یہ نسبتیں ان کی طرف غلط ہوں، خدا کرے یہ سب نسبتیں ان کی طرف غلط ہوں یا کسی واقعی بہت بڑی غلط فہمی سے ایسا ہوا ہوتا کہ آخرت کا مواخذہ نہ ہو اور "لا تعریب علیکم الیوم" کی بشارت سے مطمئن ہوں۔ آمین۔

یہاں کچھ نمونے حافظ کی جواب دہی کے پیش کئے جاتے ہیں:

امام ابو علی جبائی نے اعتراض کیا کہ زہری کی روایت میں امام بخاری نے خبرنی عبدالرحمن بن عبداللہ کی جگہ خبرنی عبداللہ بن عبداللہ لکھ دیا اور یہ غلطی کتاب کی بھی نہیں کیونکہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

حافظ نے تسلیم کیا کہ اعتراض صحیح ہے، واقعی امام بخاری سے سبقت قلم ہو گئی (مقدمہ فتح الباری باب السیرۃ النبویہ ص ۲۶۸ طبع میریہ بولاق)

(۲) حافظ ابو مسعود مشقی نے اعتراض کیا کہ کتاب التفسیر کی ایک روایت میں ابن جریج عطاء خراسانی سے تفسیر کا سماع معلوم ہوتا ہے

حالانکہ انہوں نے عطاء خراسانی سے کچھ نہیں سنا، اس تعقب پر ابوعلی نے کہا کہ حافظ موصوف نے اچھی تشبیہ کی اور حافظ نے عطاء بن ابی رباح کا احتمال بنا کر کچھ جواب بنایا، مگر پھر خود ہی اس اعتذار کے بعد کہا کہ ہمارے اس جواب کی حیثیت صرف اقناعی ہے اور یہ ان سخت دشوار مواضع میں سے ایک ہے جن کا جواب آسان نہیں۔

ولا بد للجو ار من كبوة، واللہ المستعان۔ یعنی عمدہ گھوڑا بھی ٹھوکر کھاتا ہے، خدا ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے (مقدمہ، کتاب الطلاق ص ۳۷۴) (۳) دارقطنی کے ایک اسنادی اعتراض پر حافظ نے کہا کہ گرفت بجا ہے، بات وہی ہے جو دارقطنی نے کہی، روایت کا سقم ظاہر ہے اور اس کا جواب تکلف اور بے ضرورت کھینچ تان سے خالی نہیں (مقدمہ کتاب الذبائح ص ۳۷۴)

(۴) دارقطنی ہی کے ایک دوسرے اعتراض کے جواب میں حافظ نے اعتراف کیا کہ علت ایراد پوری طرح ختم نہیں ہوئی، لہذا امام بخاری کی طرف سے معذرت کی جاتی ہے (مقدمہ کتاب الجنازہ ص ۳۵۴)

اوہام بخاری

اوہام صحیحین پر مستقل کتابیں لکھی گئیں اور بعض اوہام کی طرف ہم بھی یہاں اشارات دے رہے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بخاری و مسلم کا جو مقام مسلم ہے اس میں کلام ہے، خصوصاً بخاری کی صحیح کو جو فوقیت و فضیلت بعد کی تمام کتب حدیث پر ہے وہ ناقابل انکار ہے، لیکن امام بخاری بھی آخر ایک بشر ہی تھے اور کچھ اوہام و اغلاط سے ان کی شان کم نہیں ہو جاتی، بلکہ اس اعتبار سے اور بھی امتیاز مل جاتا ہے کہ اگر کتاب میں کچھ نقائص تھے خواہ وہ رواۃ کے اعتبار سے ہوں یا روایات کے لحاظ سے یا اوہام کے طور پر ہوں یا تکرار احادیث کی صورت میں، ان پر دوسرے محدثین نے بے تکلف انتقاد کیا اور اس بارے میں امام بخاری کی جلالت قدر سے نہ مرعوب ہوئے نہ ان کے ساتھ کوئی رورعایت کی۔

پھر ان کمزوریوں کے متعین ہو جانے کے بعد پوری کتاب کی قدر و قیمت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے جو احادیث ضعیف رواۃ کے سبب ضعیف ہیں وہ دوسرے متابعات کی وجہ سے قوی ہو گئیں۔

ہمارے نزدیک حجیت حدیث پر ایک بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ جامع صحیح بخاری جیسی عظیم المرتبت اور جلیل القدر کتاب کی بھی معلول متکلم فیہا روایات اور اوہام پر سب ہی محدثین نے کڑی نظر رکھی اور ہر قابل تنقید امر پر نقد صرف اس لئے ضروری سمجھا کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کے صاف و شفاف آئینہ کو ہر قسم کے گرد و غبار سے محفوظ رکھیں، تاکہ قرآن مجید کی آیات بینات کی طرح احادیث صحیح پر بھی بے تامل عمل در آمد ہو سکے۔

حدیث ابن عمرؓ باب قولہ تعالیٰ ”نسائکم حرث لکم فاتو حرثکم انی شنتم“ (ص ۶۴۹ مطبوعہ شیدیہ) حضرت ابن عمرؓ کی طرف جس قول کی نسبت کی گئی ہے وہ بے اصل ہے اور دوسرے محدثین نے اس کے خلاف روایات کی ہیں، مثلاً ترمذی عن ابن عباس، مسند احمد، ابن ماجہ دارمی و ترمذی عن خزیمہ بن ثابت، مسند احمد و ابوداؤد، عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ عن ابی ہریرہ، لہذا اختلاف روایت و درایت ہوا۔

حدیث ابی بن کعبؓ اذا جامع الرجل المرأة، فلم ينزل، قال يغسل مامس المرأة، قال ابو عبد اللہ (بخاری) الغسل احوط (کتاب الغسل ص ۴۳) یہ حدیث دوسری احادیث بخاری و مسلم وغیرہ سے منسوخ ہیں اور قاضی ابن العربی نے صحابہ و آئمہ اربعہ کا وجوب غسل پر اجماع نقل کیا ہے مگر امام بخاری نے غسل کو صرف احوط کہا۔

کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل ”واذکر فی الکتاب مریم“ (خ ص ۲۸۹) سند حدیث میں بجائے ابن عباس کے ابن عمر لکھا گیا، حافظ نے کہا کہ بخاری کے تمام نسخوں میں اسی طرح ہے، حالانکہ غلط ہے، اس پر علامہ عینی نے بھی تشبیہ کی ص ۴۳۶ ج ۷۔

کتاب الطلاق (بخاری ص ۱۰۳۱) فدخل علی حفصہ، حضرت شاہ مباحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بخاری کو وہم ہو گیا ہے۔ یہ قصہ بیت زینب کا ہے، امام بخاری نے چاروں جگہ بیت حفصہ ہی قرار دیا ہے، بخاری ص ۷۹۲، ۷۹۳ کے حاشیہ میں فتح الباری سے نقل ہوا کہ کتاب البیتہ میں ہے کہ دو پارٹیاں تھیں، ایک میں حضرت عائشہ، حفصہ، سودہ اور حفصہ تھیں، دوسری میں زینب بنت جحش، ام سلمہ وغیرہ اس لئے یہ جملہ مذکورہ روایت کے بھی خلاف ہے۔

باب ما ذکر فی الاسواق میں حتی اتی سوق بنی قینقاع فجلس بفناء بیت فاطمة (ص ۲۸۵، بخاری، رشیدیہ) یہ غلط ہے کیونکہ حضرت فاطمہ کا گھر سوق بنی قینقاع میں نہیں تھا، بلکہ حضور اکرم ﷺ کے بیوت کے درمیان تھا۔ امام مسلم نے روایت صحیح کی ہے، اس طرح تم انصرف حتی اتی فناء فاطمة۔

یہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ دن کے کچھ حصے میں نکلے میں بھی ساتھ تھا، لیکن نہ حضور مجھ سے بات کرتے تھے (شاید کسی تفکر کی وجہ سے) اور نہ میں بات کرتا تھا (غالباً حضور کی ہیبت سے یا اس خیال سے کہ مشغول بہ فکر ہیں، اسی حالت میں حضور بنی قینقاع کے بازار تک پہنچے اور حضرت فاطمہ کے گھر کے صحن میں بیٹھ گئے، الخ۔

مسلم شریف میں روایت حضرت سفیان سے ہے کہ ”حضور بازار مذکور تک تشریف لے گئے اور لوٹ کر آئے تو حضرت فاطمہ کے گھر کے صحن میں بیٹھے“ (الخ) امام بخاری کو متنبہ نہیں ہوا، جس سے ناقص روایت نقل ہو گئی، حافظ نے بھی اس فرو گذاشت کا اعتراف کیا ہے۔ بعض تراجم میں امام بخاری نے غالباً یہ بتلانے کے لئے کہ حضور اکرم ﷺ کی متابعت میں ہم بھی کسی دوسرے کو ایسے ہی مواقع میں جیسے حضور ﷺ نے کیا، دوسرے شخص کو ویلک، اخساء، یحک، مرجا وغیرہ کہہ سکتے ہیں، یا کسی ناحق بات کو لیس بشیء (یہ کچھ نہیں کیونکہ حق نہیں) کہہ سکتے ہیں، امام صاحب کا مقصد ضرور صحیح ہوگا، مگر کچھ حضرات نے امام صاحب کے طرز استدلال پر اعتراض کیا ہے اور اس کو اہانت آمیز بھی قرار دیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو لفظ رجل سے تعبیر کیا (ص ۹۱۰ سے ص ۹۱۸ تک یہ کلمات موجود ہیں)۔

اتنی بات ضرور ہے کہ طرز استدلال اور تعبیر کا یہ طریقہ خلاف ادب ہے اور اس سے بہتر طرز و طریق سے مقصد مذکور ادا ہو سکتا تھا۔ باب ایجاب التکبیر افتتاح الصلوٰۃ (خ ص ۱۰۱) علامہ عینی نے اعتراض کیا کہ بجائے ایجاب یہاں لفظ وجوب ہونا چاہئے تھا۔ کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقہ ص ۱۹۱، حضرت عائشہؓ کی حدیث کہ بعض ازواج مطہرات نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ ہم میں سے کون پہلے آپ سے ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ جس کا ہاتھ تم میں سے زیادہ لمبا ہے، اس کو سب ازواج مطہرات نے لکڑی لے کر اپنے ہاتھوں کو ناپنا شروع کر دیا اور سودہ کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا نکلا، پھر ہم بعد کو ہمیں معلوم ہوا کہ ان کے درازی ید کا مطلب صدقہ تھا کہ وہی حضور سے پہلے جا لیں اور صدقہ ان کو بہت محبوب تھا۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں بھی سودہ ہی کی وفات کو سب سے پہلے قرار دیا ہے، امام بیہقی نے بھی اسی طرح روایت کی اور خطابی نے یہ بھی لکھ دیا کہ حضرت سودہ کا سب سے پہلے حضور سے جا ملنا، صداقت نبوت کی نشانیوں میں سے ہے۔

لیکن یہ مشہور کے خلاف ہے، کیونکہ اہل سیر کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلے حضرت زینب کی وفات ہوئی، یعنی ۲۰ھ، حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں، اور حضرت سودہ کی وفات ۵۴ھ میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوئی۔

علامہ نووی اور ابن بطلال وغیرہ نے بھی یہی تحقیق کی ہے اور اجماع اہل سیر حضرت زینب کی پہلے وفات پر نقل کیا (فتح ص ۱۸۴ ج ۳) اور علامہ عینی نے کہا کہ اس حدیث میں کسی راوی سے غلطی ہوئی ہے، جس پر امام بخاری کو متنبہ نہیں ہوا اور نہ بعد کے شراح نے خیال کیا حتیٰ کہ بعض نے اس کو اعلام نبوة سے کہا، حالانکہ یہ سب وہم ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت زینب تھیں اور صدقہ بھی سب سے زیادہ وہی کرتی تھیں اور

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے صحیح روایت موجود ہے، جس میں ہے کہ حضرت زینبؓ کا ہاتھ سب سے لمبا تھا، کیونکہ وہ صدقہ بہت کرتی تھیں۔ حافظ نے اس موقع پر طویل کلام کیا ہے، مگر ترجیح مسلم والی روایات ہی کو دی ہے اور مستدرک حاکم نے حضرت عائشہؓ سے دوسری حدیث بھی نقل کی ہے جس میں زیادہ تفصیل ہے اور وہ بھی شرط مسلم پر ہے، اس کے بعد امام بخاری کے لئے تاویل سے کچھ گنجائش نکالی ہے، ابن جوزی نے بھی کہا کہ امام بخاری کو تنبیہ نہیں ہو کہ اس حدیث میں غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

باب اذا استشفع المشرکون بالمسلمین عند القحط (ص ۱۳۱) کے ضمن میں پہلا واقعہ قریش مکہ کا ہے اور دوسرا اہل مدینہ کا ہے، امام بخاری نے دونوں کو ساتھ ملا دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا واقعہ بھی مکہ ہی کا ہے۔ علامہ عینی نے مفصل ایراد اور وجہ ایراد لکھی ہے۔

کتاب المکاتب (۳۴۷) پر بریرہ نے حضرت عائشہؓ سے بدل کتابت ادا کرنے کے لئے استعانت کی، اس جگہ علامہ عینی نے دو اعتراض کئے ایک یہ کہ لیث ابن شہاب سے بلا واسطہ راوی ہیں، پس یونس کا واسطہ صحیح نہیں۔ دوسرے یہ کہ تسعہ اوراق کی جگہ خمسہ اوراق بھی غلط ہے۔

باب الصوم من آخر الشهر (ص ۲۶۶) اظنہ قال رمضان یہ قول مرجوح بلکہ غیر صحیح تھا، اس کے بعد امام بخاری نے اصح قول شعبان بتایا حالانکہ رمضان کے آخر میں نفل روزے کی صحت ہی درست نہیں کہ اس کے مقابلے میں شعبان کے قول کو اصح کہا جائے، نہ غیر صحیح قول کے درج کرنے کی ضرورت تھی، اور وہ بھی ابتداء میں۔

باب من این یخرج من مکة (ص ۲۱۳) آگے ذکر کیا کہ خروج عن کدی من اعلیٰ مکة، کدی بالقصر اعلیٰ مکہ کو نہیں بلکہ اسفل مکہ کو کہتے ہیں اس سے قبل امام بخاری نے کئی حدیث روایت کیں کہ حضور اکرم ﷺ جب مکہ معظمہ میں داخل ہوتے تھے تو اعلیٰ حصہ سے داخل ہوتے اور جب نکلتے تو بائیں جانب سے۔

یہاں حافظ نے بھی کہا کہ غلطی ہوئی اور دوسروں نے صحیح روایت کی ہے کہ دخل من کدا (من اعلیٰ مکة)

باب العون بالمدد (ص ۴۳۱) حدیث ان النبی ﷺ اتاه رعل و ذکوان (عصیہ و بنو لحيان کہ حضور ﷺ کے پاس یہ سب قبیلے آئے۔ اسلام ظاہر کیا اور مدد طلب کی، پس حضور ﷺ نے ۷۰ انصاری ان کے ساتھ بھیج دیئے جو قراء تھے، بر معونہ پر پہنچے تھے کہ ان لوگوں نے اصحاب رسول ﷺ کے ساتھ غد ر کیا اور قتل کر دیا، حضور اکرم ﷺ نے ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھی جس میں رعل، ذکوان اور بن لحيان پر بددعا کرتے تھے۔

یہاں دو غلطیاں ہوئی، ایک تو یہ کہ حضور ﷺ کی خدمت میں آنے والے صرف قبیلہ رعل کے آدمی تھے، بر معونہ پر پہنچ کر ذکوان و عصیہ قبیلے کے لوگ بھی ان کے ساتھ ہوئے اور شریک قتل ہوئے۔

دوسرے یہ کہ بنو لحيان قبیلہ نہ آنے والوں میں تھا اور نہ بر معونہ کے رہنے والے تھے، نہ اس موقع پر انہوں نے قتل قراء مذکورین میں شرکت، البتہ ایک دوسرے واقعہ میں اس طرح ہے کہ غر وہ احد کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں قبیلہ عضل وقارہ کے لوگ پہنچے اور اسلام ظاہر کیا اور عرض کیا کہ ہمارے ساتھ کچھ اصحاب بھیج دیجئے جو ہمیں فقہ کی تعلیم دیں، حضور ﷺ نے ان کے ساتھ دس صحابہ بھیج دیئے وہ مقام رجب تک پہنچے تھے کہ ان کے ساتھ جانے والوں نے غد ر کیا وہاں کے باشندوں نے بنو لحيان کو بھی اپنے ساتھ کر لیا اور ان دس صحابہ کو بھی شہید کر دیا، یہاں حافظ نے قرب زمانہ کی تاویل سے جواب دیا ہے۔

چونکہ یہ دونوں واقعات قریب قریب زمانہ میں پیش آئے، حضور ﷺ نے دعائے قنوت کی بددعا میں سب کو شامل کر لیا لیکن ظاہر ہے

کہ محل اعتراض و واقعات کو یک جا کرنا ہے ہی نہیں، قرب وغیرہ کسی مناسبت سے دو نہیں دس بیس واقعات بھی یک جا کرنے میں مضائقہ نہیں، یہاں تو اعتراض ہی دونوں دوسرے ہیں، اس لئے ہم نے اوپر پوری تفصیل دیدی ہے، فافہم۔

باب قوله تعالیٰ و اذکر رحمة ربک عبده ذکریا (۲۸۷) میں لقد بغلت من الکبر عتیا، عصیا، یہاں عصیا بالصادح صحیح نہیں بلکہ بالسین صحیح ہے، حافظ اور عینی دونوں نے اس پر تنبیہ کی ہے، لغت کے اعتبار سے عسی بڑھانے کا آخری درجہ ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔

باب قصه غزوه بدر (ص ۵۶۳) قال و خشی قتل حمزة طیمة بن عدی بن الخیار یوم بدر، یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح عدی بن نوفل ہے، تمام شراح بخاری و حافظ عینی، قسطلانی وغیرہ نے یہی تصریح کی ہے۔

باب غزوة الرجیع و رعل و ذکوان و بئر معونة (ص ۵۸۵) یہاں علاوہ دو غلطی سابق ایک اور یہ غلطی ہوئی کہ دو غزوات کے دو مختلف واقعات کو ایک درجہ میں اسی طرح لائے جیسے ایک ہی واقعہ ہو، حافظ نے اس پر تنبیہ کی ہے۔

باب این رکز النبی ﷺ الراية یوم الفتح (ص ۶۱۳) اس کے بعد امام بخاری نے روایت ذکر کی کہ حضور ﷺ نے خالد بن ولید کو فتح مکہ کے دن اعلیٰ مکہ سے داخل ہونے کا حکم فرمایا اور خود حضور اکرم ﷺ کدی یعنی اسفل سے مکہ داخل ہوئے۔

حافظ اور قسطلانی نے کہا کہ یہ روایت ان روایات صحیحہ کے مخالف ہے جو خود بخاری میں آگے آرہی ہیں کہ حضور اکرم اعلیٰ مکہ سے داخل ہوئے اور خالد اسفل مکہ سے داخل ہوئے اور ابن اسحاق نے بھی اس کو صحیح و قطعی قرار دیا ہے۔

سورہ قل اعوذ برب الناس کی تفسیر (ص ۷۴۲) میں خناس کو محاورہ خنسه الشیطان سے قرار دیا ہے، علماء نے خنسه کو خنسه کی تھیف قرار دیا، کیونکہ خنس لازمی ہے متعدی نہیں جس کے معنی رجوع و انقباض کے ہیں، حافظ نے کہا کہ قوله خنسه الشیطان کو ابن عباس کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں، مگر اس کی سند ضعیف ہے (والجث فیہ طویل)

تدلیس: جزائی نے کہا کہ ”تدلیس الشیوخ“ یہ ہے کہ محدث اپنے شیخ سے حدیث سنے، لیکن روایت کے وقت اس شیخ کا وہ نام کنیت، نسبت یا وصف بیان کرے جس سے وہ شیخ مشہور نہ ہو۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۳۹)

حافظ ابن حجر نے بھی طبقات المدلسین ص ۴ پر یہی تعریف کی، فخر الاسلام نے اس کا نام تللیس رکھا، سخاوی نے کہا کہ اسی کے قریب بخاری کی وہ روایات بھی ہیں جو امام بخاری نے اپنے شیخ ذہلی سے روایت کیں، تیس جگہ روایت کی مگر کسی جگہ باپ کی طرف نسبت کر کے محمد بن یحییٰ نہیں کہا بلکہ کہیں تو صرف حدیث محمد ﷺ کہا اور کہیں دادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن خالد کہا، کہا گیا کہ اس طرح روایت کرنے سے سننے والوں کو وہم ہو سکتا ہے کہ یہ روایتیں بہت سے مختلف شیوخ سے ہیں، علامہ سخاوی نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے یہ ضروری نہیں کہ روایت کرنے والے کی نیت بھی ایسی ہی ہو، بلکہ اہل ورع و تقویٰ کی طرف گمان بہتر ہی کرنا چاہئے۔

علامہ ابن دقیق العید نے کہا کہ کبھی ثقہ شیخ کی تدلیس میں بھی کوئی مصلحت ہوتی ہے، مثلاً امتحان اذہان بابت معرفت رجال وغیرہ، اس کے علاوہ امام ذہلی کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام بخاری و ذہلی میں اختلاف ہو گیا تھا، اس لئے امام بخاری نے سوچا ہوگا کہ تصریح نام سے لوگ سمجھیں گے، اس تعدیل سے امام بخاری نے امام ذہلی کے خیال کی بھی تصدیق کر دی (مقدمہ فتح الملہم ص ۳۹)

حافظ نے طبقات المدلسین میں ص ۶ پر لکھا کہ ابو عبد اللہ بن مندہ نے امام بخاری کو مدلس کہا، کیونکہ بخاری نے قال فلاں اور قال لنا فلاں کہا جو تدلیس ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جس سے خود نہیں سنا تو قال فلاں کہا اور جس سے سنا لیکن شرط پر نہ تھا یا موقوف تھا تو قال لنا کہا، فتح الباری میں ہے کہ ایسا بخاری نے اس وقت کیا ہے کہ بطور مذاکرہ کسی اثر کو لیا ہو، لیکن یہ مطرد نہیں ہے کیونکہ بخاری میں ایسی بھی بہت جگہ ہیں کہ تصحیح بخاری میں تو قال لنا کہا اور دوسری تصانیف میں اس کو حدیث سے بیان کیا۔

علامہ ابن دقیق العید نے جو ثقہ شیخ کی تدلیس کو کسی مصلحت سے جائز کہا یا امام ذہلی کے بارے میں توجیہ کی گئی وہ قابل توجہ ہے لیکن جب امام بخاری نے خود ہی عبد اللہ بن لہیعہ کو قدریہ فرقہ سے بتا کر ضعیف کہا تو ثقہ شیخ تو وہ نہ ہوئے، پھر امام بخاری نے ان سے روایت ”وغیرہ“ کے ذریعہ کی اور حافظ نے یقین سے کہا کہ بہت جگہ وغیرہ سے مراد عبد اللہ بن لہیعہ ہی ہیں اور کوئی نہیں ہو سکتا تو اس کو تدلیس سے بچانے کی کیا توجیہ ہوگی؟ تاہم ہمارا یقین ہے کہ امام بخاری کی طرف کسی بھی بری نیت سے تدلیس کی نسبت درست نہیں، لہذا تدلیس کا اعتراض ان پر صحیح نہیں ہو سکتا۔

تدلیس سے بچنے کی ہر محدث نے کوشش کی ہے مگر ناقدین نے جہاں بھی شاہدہ تدلیس محسوس کیا اس کی گرفت کی ہے، اس لئے دار قطنی نے امام مالک جیسے جلیل القدر امام کو بھی کسی بات پر مدلس کہہ دیا جس کی مدافعت علامہ ابن عبد البر نے کی اور ابن مندہ نے امام مسلم کو بھی مدلس کہا اور حافظ نے طبقات المدلسین کے مرتبہ خامسہ (آخر المراتب) میں قابل تعجب کہہ کر امام شعبہ کی طرف بھی تدلیس کی نسبت کو ذکر کیا حالانکہ وہ تدلیس سے انتہائی بے زار و متنفر تھے اور تدلیس سے دور دور رہنے میں ضرب المثل تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امام بخاری اور تراجم کی نامطابقت احادیث الباب سے

باوجودیکہ امام بخاری کے سامنے بہت سی کتابیں، مہربوب بہ ترتیب فقہ و استنباط مجتہدین اور کتب فقہ آئمہ اربعہ موجود تھیں، پھر بھی انہوں نے اپنی صحیح میں بعض احادیث کو ایسے ابواب میں داخل کیا ہے کہ ان ابواب سے ان احادیث کو کچھ بھی مناسبت نہیں ہے چنانچہ شارح مسلم نووی نے مقدمہ شرح مسلم میں (فصل ۶) ترجیح مسلم کی وجوہ میں ان امور کی طرف اشارہ کیا ہے اس جگہ صحیح بخاری کی چند احادیث بطور نمونہ پیش ہیں جن کو ترجمہ الابواب سے مناسبت نہیں ہے۔

(۱) باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان: اس کے تحت دو حدیث لائے ہیں حالانکہ دونوں کو کچھ بھی مناسبت عنوان مندرجہ باب سے نہیں ہے چنانچہ تیسیر القاری میں بھی اس پر تنبیہ کی ہے۔

(۲) باب التیمم فی الحفر اذا الم یجد الماء وخاف فوت الصلوۃ: امام بخاری نے نماز کو سلام پر قیاس کر کے استدلال کیا ہے، تیسیر القاری نے اس پر بھی تنبیہ کی ہے کہ قیاس مع الفارق ہے۔

(۳) باب الصلوۃ فی القمیص والسراویل البنان والقباء: تیسیر القاری نے کہا کہ حدیث ترجمہ کے ساتھ غیر مطابق ہے۔

(۴) باب فضل صلوۃ الفجر فی الجماعة: حالانکہ حدیث سے بظاہر نماز عشاء معلوم ہوتی ہے، پس استدلال غلط ہے۔

(۵) باب امر النبی ﷺ الذی لا تیمم الرکوع بالاعادة: حالانکہ حدیث میں حکم اعادہ مجموع ارکان پر ہے نہ صرف رکوع پر۔

(۶) باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس: حالانکہ حدیث سے جواز جمعہ قبل دوپہر کے مفہوم ہوتا ہے۔

(۷) باب اذا فاء العید یصلی رکعتین وكذلك النساء ومن كان فی البیت والقری: ۲ حدیث لائے اور دونوں

میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔

(۸) باب فی کم تقصر الصلوۃ: اس کے بعد جو ۲-۳ حدیث لائے ہیں ان کو اس عنوان سے کوئی مناسبت نہیں ہے اور کسی

طرح کا تعلق نہیں۔

(۹) باب الصلوۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد: حالانکہ حدیث میں رجم قریب وموضع جنازہ عند المسجد کا ذکر ہے جس

سے جنازوں کے لئے مسجد سے باہر جگہ مقرر ہونا معلوم ہوتا ہے (خلاف ترجمہ) قال ابن بطلال لیس فیہ دلیل علی الصلوۃ فی المسجد، ابن بطلال

نے کہا کہ اس حدیث سے مسجد میں نماز جنازہ پر استدلال درست نہیں ہے۔

- (۱۰) باب الصدقة قبل العيد: حالانکہ حدیث میں مطلق صدقہ کا ذکر ہے۔
- (۱۱) باب من لم ير الوضوء الا من المخرجين القبل والدبر: حالانکہ حدیث سے اس کے لئے استنباط یا استدلال درست نہیں۔
- (۱۲) باب الوضوء من غير حدث: حدیث اس کے مطابق نہیں ہے، کمانہ علیہ فی تیسیر القاری ایضاً۔
- (۱۳) باب من ادرك ركعة من العصر قبل الغروب: حالانکہ حدیث کو اس سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہے، بجز اس کے نماز عصر کا وقت آخرون ہوتا ہے۔
- (۱۴) باب وجوب القراءة الامام والماموم في الصلوة في الحضر و السفر وما يجهر فيها و ماتخافت: تیسیر القاری میں ہے کہ حدیث سے قرأت مقتدی پر تو کیا وجوب قرأت امام پر بھی دلالت نہیں ہے۔
- (۱۵) باب اتمام التكبير في الركوع: تیسیر القاری میں ہے کہ حدیث سے مضمون ترجمہ کا ثبوت نہیں ملتا۔
- (۱۶) باب بل يوذن او يقيم اذا جمع بين المغرب والعشاء: حدیث میں کوئی مطابقت کی بات ترجمہ سے نہیں ہے۔
- (۱۷) باب صلوة القاعد بالایماء: حدیث میں ایماء کا کچھ ذکر نہیں ہے اور بخاری نے دوسری جگہ اس حدیث کو صرف باب صلوة القاعدہ میں بھی نکالا ہے۔
- (۱۸) باب طول القيام في صلوة الليل: حالانکہ حدیث کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے، ابن بطال نے کہا کہ اس حدیث کا ترجمہ الباب سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ منہ کو مسواک سے صاف کرنا طول قیام لیل پر دلالت نہیں کرتا۔
- (۱۹) باب الخطاء والنسيان في العتاقة والطلاق ونحوه: حدیث میں صرف وسوسہ کا ذکر ہے خطاء و نسیان کا نہیں ہے اور نہ اس میں عتاق و طلاق کا ذکر ہے۔
- (۲۰) باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، تیسیر القاری میں ہے کہ قبور پر مسجد بنانے کی کراہت یہاں حدیث سے ثابت نہیں کر سکے۔
- (۲۱) يوم المهاجرين الاولين: بخاری ص ۶۲۰ پارہ ۲۹ (باب استقضاء الموالی و استعمالهم) پر حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ امامت صلوة ہے، اس کا یہاں کیا تعلق تھا؟ بخاری کا بھی یہ حال ہے کہ زور والامارے اور رونے نہ دے، پھر مسکرا کر فرمایا کہ اب وقت چونکہ کم رہ گیا ہے اس لئے ادب چھوٹ گیا۔
- (۲۲) باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور: اور حدیث میں حسن بن حسن بن علی کے انتقال پر ان کی بیوی کے ایک سال تک قبر پر خیمہ لگا کر رہنا اور پھر واپس ہونا الخ ذکر کیا، تیسیر القاری میں لکھا کہ کراہت مسجد گرفتن دریں جا معلوم نہ شد۔
- (۲۳) باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان وغيرهم: اور حدیث حضرت عمرؓ کی زوجہ مطہرہ کا مسجد میں عشاء صبح کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں جانا، الخ
- (۲۴) باب التكبير للعيد، سورے جانا اور حدیث براء حضور ﷺ کا وعظ بقرعید کے روز الخ۔
- (۲۵) باب خير مال المسلم غنم الخ: حدیث اذا سمعتم بكاء الديكة الخ۔
- (۲۶) باب اذا فاة العيد يصلى ركعتين: حدیث ان ابا بكر دخل عليها و عندها جاريتان في ابام منى الخ۔
- (۲۷) باب في كم تقصر الصلوة؟ اور حدیث لا تسافر المرأة الخ۔
- امام بخاری نے مجموعی اعتبارات سے ”جامع صحیح“ کو احادیث صحیحہ مجرودہ کا بہترین نمونہ امت کے لئے پیش کر دیا اور اس سے امت کو

نفع عظیم پہنچا، مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ صحیح بخاری کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں صحیح احادیث نہیں ہیں، کیونکہ امام بخاری نے خود فرمایا کہ میں نے تمام احادیث صحاح کو جمع کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔

پھر یہ بھی ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ صحیح بخاری اپنے بعد کی تمام کتب صحاح پر فائق ہے، باقی ان سے پہلے کتب صحاح چونکہ وہ سب اپنے بعد کی کتب کے لئے اصول و امہات کا درجہ رکھتی ہیں، دوسرے ان میں وحدانیات، ثنائیات، ثلاثیات ہی زیادہ ہیں اس لئے وہ سند کے اعتبار سے بھی عالی ہیں اور ان کے رواۃ بھی تقریباً سب عدول تھے جیسے کہ امام شعرانی نے فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے مسانید دیکھے، ان کے سب رواۃ ثقہ عادل ہیں یعنی امام صاحب اور رسول اکرم ﷺ کے درمیان جتنے راوی ہیں، ان میں سے کوئی بھی جھوٹ یا خلاف واقع بات کہنے کے ساتھ متہم نہیں ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات خیر القرون کے بعد کی کتب صحاح کو میسر نہیں ہوئی، امام بخاری کی صحیح بھی خیر القرون کے بعد تالیف ہوئی، اسی لئے بخاری میں ہزاروں احادیث میں سے صرف ۲۲ ثلاثیات ہیں اور باقی سب رباعیات وغیرہ ہیں اور ان ثلاثیات میں سے بھی ۲۰ حنفی رواۃ کے واسطے سے ہیں۔

کاش! امام بخاری محدثین احناف سے بدظن نہ ہوتے تو صحیح بخاری میں بڑی کثرت سے ثلاثیات ہوتیں، مسانید امام اعظم اور کتاب الآثار و موطا امام مالک و موطا امام محمد وغیرہ سابق کتب حدیث میں اکثر ثلاثیات کی ہے، امام بخاری نے شرائط روایت میں زیادہ سختی کی اور اپنے اجتہاد کے موافق احادیث زیادہ جمع کرنے کی سعی فرمائی، پھر تکرار روایات کے باعث بھی جس قدر احادیث اتنی ضخیم دو جلدوں میں ہونی چاہئے تھیں موجود نہیں ہیں، امام بخاری کی بعض شرائط پر امام مسلم نے باوجود تلمیذ ہونے کے اعتراض کیا ہے جو مشہور ہے۔

امام بخاری نے حدیث مرسل کو قابل احتجاج نہیں سمجھا حالانکہ آئمہ متبوعین اور صحابہ و تابعین بھی اس کو برابر قبول کرتے رہے، کشف بزدوی میں ہے کہ مراسیل کے قابل قبول ہونے پر تمام صحابہ کا اتفاق رہا ہے، امام بخاری کی دلیل یہ ہے کہ معلوم نہیں کہ وہ درمیان کاراوی کیسا ہے، ممکن ہے غیر ثقہ ہو، لیکن فقہاء نے کہا کہ جس راوی نے ارسال کیا اس کو دیکھو اگر وہ خود ثقہ عادل ہے اور قرون مشہود لہا بالخیر کا ہے تو اس کی حدیث مرسل قبول کرنی چاہئے، صحابہ کے زمانہ میں ارسال کا کافی رواج تھا، پھر تابعین میں بھی یہ رواج قائم رہا، چنانچہ حسن بصری جیسے مستند ثقہ بھی حضرت علی کا نام چھوڑ کر روایت کرتے تھے اس لئے مراسیل کو ترک کرنے سے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ چھوٹ جاتا ہے۔

اسی طرح امام بخاری نے حدیث معن عن کو ساقط کر دیا جس پر امام مسلم نے بھی اعتراض کیا اور دوسرے محدثین نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ اگر دونوں راوی ایک زمانہ میں ہوں تو حسن ظن سے کام لیکر ان دونوں کی ملاقات مان کر حدیث معن عن کو بحکم متصل سمجھیں گے، امام بخاری کہتے ہیں کہ اگر ملاقات کا ثبوت نہیں ہو تو ایسی تمام احادیث ناقابل احتجاج ہیں۔

ایسے ہی امام بخاری نے فرمایا کہ جو لوگ اعمال کو ایمان کا جزو نہیں سمجھتے تھے، ان سے بھی میں نے احادیث روایت نہیں کیں، حالانکہ ہم نے پہلے بتلایا ہے کہ امام بخاری اور ان حضرات کا اختلاف اس درجہ کا ہرگز نہیں تھا بلکہ خود امام بخاری نے بھی شارب خمر وغیرہ کو اسلام سے خارج نہیں کیا، غرض بہت سی اس قسم کی باتیں امام بخاری کے مزاج کی شدت یا کسی سو ظن یا منفردانہ تحقیق کے نتیجہ میں ظاہر ہوئیں، اس لئے ہماری رائے ہے کہ مذاہب اربعہ کی فقہ کو صحیح بخاری کی وجہ سے جس قدر بعید سمجھ لیا گیا ہے، یا سمجھانے والوں نے اس کے لئے سعی کی ہے وہ بڑی حد تک نادرست ہے، اس کی تہ میں ایک بہت بڑی غلطی یا غلط فہمی یہ بھی کام کرتی رہی ہے کہ محض پروپیگنڈے کے زور سے امام بخاری کو بھی آئمہ مجتہدین کے برابر مجتہد منوانے کی سعی کی گئی، حالانکہ جہاں یہ بات صحیح ہے کہ امام بخاری مجتہد تھے وہاں یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ ان کے اجتہاد اور آئمہ متبوعین کے اجتہاد میں بہت بڑا فرق مراتب ہے، امام اعظم کے ساتھ جن حضرات نے تدوین فقہ کا کام کیا ہے ان کو بھی علماء نے لکھا ہے کہ وہ سب مجتہد کے مرتبہ میں تھے، اسی طرح دوسرے آئمہ کے اصحاب خاص بھی ہوں گے، مگر حدیث و فقہ کا گہرا مطالعہ

کرنے والے جان سکتے ہیں کہ ان سب میں بھی بڑا فرق مراتب ہے اور کوئی بات تو ہے کہ امام شافعیؒ جیسے عظیم و جلیل مجتہد امام اعظم کے فقہ و اجتہاد کی تعریف میں رطب اللسان رہے، امام مالکؒ ایسے امام محدث و مجتہد امام اعظم کے ساتھ گھنٹوں بحث و مباحثہ کے بعد پسینہ پسینہ ہو کر امام اعظم کی مجلس سے باہر جا کر اپنے اصحاب سے ان کے اعلیٰ فقہ و اجتہاد کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے۔

امام احمدؒ جیسا امام حدیث، فقیہ و مجتہد اپنی دقت نظر اور اجتہادی صلاحیتوں کا سبب امام محمدؒ (تلمیذ امام اعظمؒ) کی کتابوں کا مطالعہ بتلاتے ہیں ہماری کوشش ہوگی کہ آئمہ متبوعین کی عظمت و جلالت قدر، ان کی فقہی خدمات جلیلہ کی قدر و قیمت پھر بحال ہو اور درمیان میں جو چیزیں مغالطات اور اغلوطات کے طور پر آگئی ہیں وہ راہ سے ہٹ جائیں۔

امام بخاری کی عظمت و قدر اور ان کے علمی و عملی کمالات کی بھی جو قدر ہم جانتے پہچانتے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو دوسرے لوگ محض اپنے مزعومات کی تائیدی اغراض کے لئے ظاہر کرتے ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ حدیث کی صحیح خدمت یہ ہے کہ سب محدثین و آئمہ متبوعین کے صحیح مراتب کو پہچان کر شائبہ تعصب و عناد و تحقیق دی جائے اور خدمت حدیث کے ذیل میں اگر کسی بڑے کی بھی کوئی غلطی ہوئی تو اس کے اظہار سے بھی باک نہ ہو۔ اسی طرح جو خدمت ہمارے اکابر انجام دے گئے ہیں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے یہ نہ سوچا جائے کہ وہ ہمارے نظریات کے اعتبار سے مخالف تھے یا موافق۔

یہی طریقہ تحقیق ہمارے اکابر و اساتذہ حضرات دیوبند کا رہا ہے اور اسی کو ہم زیادہ سے زیادہ اپنانے کی کوشش کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ الموفق۔

امام بخاری کے حالات و سوانح اور تالیفات کی تفصیل کے بعد مناسب ہے کہ بطور اختصار چند ضروری امور کا ذکر کیا جائے۔

(۱) امام موصوف کی عظمت و جلالت قدر ہمارے دل میں کسی طرح کم نہیں ہے اور آپ کی ”صحیح“ کو بھی ہم نہایت بلند مرتبت یقین کرتے ہیں، البتہ امام ہمام کے جن حالات پر نقد کیا گیا یا صحیح کے جن رواۃ یا مرویات پر کچھ کلام ہوا ہے، اس کو پیش کر دینا بھی حدیث کی صحیح خدمت ہے، سواء انبیاء علیہم السلام کے کوئی معصوم عن الخطا نہیں ہے، آئمہ صحاح یا آئمہ متبوعین کو بھی معصوم نہیں کہہ سکتے، امام بخاری کے زمانہ کے کبار آئمہ محدثین امام ذہلی، امام ابو زرہ، امام ابو حاتم نے بعض مسائل کے اختلاف پر فیصلہ کیا کہ امام بخاری سے حدیث کی روایت نہ کی جائے، یقیناً یہ فیصلہ بہت سخت اور امام بخاری کی حدیثی جلالت قدر کے منافی تھا، امام مسلم نے باوجود تلمیذ بخاری ہونے کے اپنی صحیح میں کوئی روایت امام بخاری سے نہیں کی، جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے کہا کہ امام مسلم نے بڑا انصاف کیا کہ اپنے دونوں استادوں ذہلی و امام بخاری کو برابر رکھا کہ کسی سے بھی روایت نہیں لی، امام مسلم تو امام بخاری سے روایات کو ترک کرنے پر بھی مستحق مدح رہے اور ہم امام بخاری کی ساری روایات کو غایت ادب و احترام سے سرچڑھائیں، ان کی روایت بھی کریں، لیکن بعض بشری کمزوریوں، نقد رجال کی مسامحات یا ان کے امام اعظمؒ و اصحاب امام پر بے جا طعن و تشنیع کو کسی ضرورت سے بھی زبان پر لے آئیں تو وہ خلاف ادب ٹھہرے، درحقیقت جو ادب بضرورت بھی اظہار حق کا روادار نہ ہو اس کو ادب سمجھنا ہی بڑا ظلم ہے، ہم امام بخاریؒ کو چند فروعی مسائل کے علاوہ تمام عقائد اعمال میں اپنا مقتدا و پیشوا سمجھتے ہیں، امیر المؤمنین فی الحدیث جانتے ہیں، ہمیں ان کے صرف اس طرز عمل سے اختلاف ہے جو انہوں نے کچھ غلط معلومات کی بناء پر آئمہ حنفیہ کے ساتھ یا نامکمل معلومات کی بناء پر فقہ حنفی کے خلاف اختیار فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ امام بخاری کی شخصیت اتنی بلند و برتر ہے کہ ہم نے یا ہم سے قبل دوسروں نے ان کی ”صحیح“ و دیگر تالیفات پر جتنا بھی نقد کیا ہے اگر اس سے دس بیس گنا مزید بھی کر دیا جائے تو اس تمام سے بھی ان کی بلند شخصیت یا صحیح بخاری کی عظمت مجروح نہیں ہو سکتی، جس طرح یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ وہ معصوم نہیں تھے اور خواہ وہ کتنے ہی بڑے ہوں، پھر بھی آئمہ متبوعین خصوصاً امام اعظمؒ کے نہایت بلند مرتبہ علم و

فضل تک نہیں پہنچ سکتے، اس لئے ہر ایک کو اس کے مرتبہ میں ہی سمجھنا اور رکھنا چاہئے، جب بھی کسی کے بارے میں افراط و تفریط کا پہلو اختیار کیا جائے گا وہ یقیناً غلط قدم ہوگا، اسی افراط و تفریط کی ایک مثال محدث شہیر ابن صلاح کے مندرجہ ذیل نظریات میں ملے گی جن پر افسوس ہے کہ بوجہ قلت گنجائش ہم تفصیلی بحث یہاں نہیں کر سکتے۔

(۲) ابن صلاح کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ بخاری کی احادیث کا درجہ صحت تمام دوسری کتب صحاح کی مرویات سے اعلیٰ ہے خواہ ان کے رجال وہی رجال بخاری یا اس درجہ کے یا ان سے بھی بلند ہوں، یہ بات اصول درایت و انصاف کے قطعاً خلاف ہے، اسی لئے ابن صلاح سے قبل کسی نے یہ بات نہیں کی اور بعد کو صرف معدودے چند لوگوں نے اس کو مانا ہے، حافظ ابن کثیر نے ابن صلاح کی کتاب علوم الحدیث کا اختصار کیا تو اس میں بھی اس کو ذکر نہیں کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا بلکہ اس میں یہ بھی لکھا کہ مسند امام احمد میں بہت سی اسانید و متون ایسی ہیں جو بیشتر احادیث مسلم و بخاری کے برابر درجہ کی ہیں جو ان میں یا سنن اربعہ میں نہیں ہیں، اسی طرح معجم طبرانی کبیر و اوسط، مسند ابی یعلیٰ و بزار وغیرہ مسانید معاجم، فوائد و اجزاء میں بھی بکثرت احادیث صحاح موجود ہیں، حافظ ابو بکر حازمی نے اپنی کتاب ”الاعتبار فی النسخ و النسخ من الآثار“ میں ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دینے کی پچاس وجوہ لکھی ہیں ان میں بھی یہ وجہ نہیں لکھی کہ مرویات بخاری و مسلم کو دوسری مرویات صحاح پر ترجیح ہوگی، اس کی مفصل بحث در اساتو حواشی در اسات نیز ذب ذبا بات میں ہے۔

(۳) ابن صلاح کا یہ دعویٰ بھی درست نہیں کہ بخاری و مسلم کی احادیث کو قطعیت کا درجہ حاصل ہے، بلکہ جس طرح دوسری کتب صحاح کی احادیث ظنی ہیں، صحیحین کی بھی ظنی ہیں، چنانچہ اس نظر یہ کو امام نووی نے بھی رد کیا ہے، تقریب میں کہا ہے کہ محققین اور اکثر اس کے خلاف ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک کوئی حدیث درجہ تو اتر کو نہ پہنچے وہ ظنی ہی ہے، شرح مسلم میں کہا کہ تمام آحاد میں ظنیت ہی کی شان ہے، اس میں بخاری و مسلم کی اور دوسروں کی احادیث کوئی فرق نہیں ہے، یہ بحث بھی دونوں مذکورہ کتابوں میں تفصیل سے آگئی ہے۔

(۴) ابن صلاح نے ایک دعویٰ یہ بھی کیا ہے کہ بخاری و مسلم کی ”احادیث متلقی امت“ کی وجہ سے راجح ہیں، اس نظر یہ کا رد علامہ محمد بن اسماعیل امیر سابق صاحب سبل السلام نے توضیح الافکار میں کیا ہے اور تلقی امت کا دعویٰ تمام احادیث صحیحین کے متعلق اس لئے بھی درست نہیں ہو سکتا کہ ان میں وہ مرویات بھی ہیں جن پر کلام کیا گیا ہے۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔

امام مسلم

(ولادت ۲۰۶ھ، وفات ۲۶۱ھ، عمر ۵۵ سال)

اسم مبارک حجۃ الاسلام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری، آپ کے دادا کا نام مسلم بن ورد بن کرشاد ہے، بنی قشیر عرب کے مشہور قبیلہ کی طرف منسوب تھے، نیشاپور، خراسان کا ایک بہت خوبصورت اور بڑا شہر ہے۔

امام مسلم فن حدیث کے اکابر میں شمار کئے جاتے ہیں، ابو زرعہ رازی اور ابو حاتم نے ان کی امامت حدیث کی شہادت دی ہے بلکہ محدثین کا پیشوا کہا ہے، امام مسلم نے اپنے زمانہ کے مشہور محدث محمد بن یحییٰ ذہلی، اسحاق بن راہویہ تلمیذ ابن المبارک (تلمیذ الامام الاعظم) محمد بن مہران جمالی، ابو غسان مسمعی، امام احمد بن حنبل (تلمیذ امام ابی یوسف) سعید بن منصور ابو مصعب وغیرہ سے علم حاصل کیا، تحصیل علم کے سلسلہ میں بارہا بصرہ تشریف لے گئے۔

ابو حاتم رازی (جو اکابر محدثین میں سے ہیں) اور اس زمانہ کے دوسرے بزرگوں مثلاً امام ترمذی اور ابو بکر بن خزیمہ نے امام مسلم سے روایت کی ہے، امام مسلم کی بہت سی تالیفات ہیں اور سب میں تحقیق و امعان کامل طور سے کیا گیا ہے، خصوصیت سے اپنی صحیح میں تو انہوں نے

بقول حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فن حدیث کے عجائبات دکھلائے ہیں اور ان میں سے انھیں خصوصاً سروا سناؤ اور متون کا حسن سیاق لا جواب ہے، پھر روایت میں آپ کا ورع نام اور غیر معمولی احتیاط لا کلام ہے۔

اختصار کے ساتھ طرق اسانید کی تلخیص اور ضبط انتشار میں یہ کتاب بے مثال ہے، اسی لئے حافظ ابوعلی نیشاپوری اس صحیح کو تمام تصانیف علم حدیث پر ترجیح دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ علم حدیث میں روئے زمین پر صحیح مسلم سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ہے۔

اہل مغرب کی بھی ایک جماعت کا یہی خیال ہے، وہ کہتے ہیں امام مسلم نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ اپنی صحیح میں صرف وہ حدیث بیان کریں گے جس کو کم از کم دو ثقہ تابعین نے دو صحابیوں سے روایت کیا ہے اور یہی شرط تمام طبقات تبع تابعین میں ملحوظ رکھتی ہے، یہاں تک کہ سلسلہ اسناد امام مسلک تک اسی طرح دو دو سے روایت ہوتے ہوتے پہنچ جائے۔

دوسرے یہ کہ وہ رواۃ کے اوصاف میں صرف عدالت ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ شرائط شہادت کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں، امام بخاری کے یہاں اس قدر پابندی نہیں ہے (بستان المحمدین، حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ)۔

امام مسلم نے اسی ورع و احتیاط اور پابندی شرائط مذکورہ کے ساتھ اپنی سنی ہوئی تین لاکھ احادیث میں سے اس صحیح کا انتخاب کیا ہے۔ امام مسلم کے کمال اتقاء میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے اپنی پوری عمر میں کسی کی غیبت نہیں کی نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو برا بھلا کہا، صحیح و تقیم حدیث کی شناخت میں اپنے تمام اہل عصر سے ممتاز تھے، بلکہ بعض امور میں ان کو امام بخاری پر بھی ترجیح و فضیلت حاصل ہے (بستان المحمدین) اس کی تفصیل امام بخاری کے حالات میں ذکر ہو چکی ہے۔

ابو حاتم رازی نے امام مسلم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کس حال میں ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت کو میرے لئے مباح کر دیا ہے، جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں۔

ابوعلی زاغدانى کو ایک ثقہ شخص نے خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ آپ کی نجات کس عمل سے ہوئی؟ تو انہوں نے صحیح مسلم کے چند اجزاء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان اجزاء کی برکت سے (بستان المحمدین)۔

امام مسلم کی دوسری تالیفات یہ ہیں: المسند الکبیر، کتاب الاسماء والکنی، کتاب العلل، کتاب اوہام المحمدین، کتاب طبقات التابعین، کتاب مشائخ مالک، کتاب مشائخ الشوری، کتاب حدیث عمرو بن شعیب۔

امام ابن ماجہ

(ولادت ۲۰۹ھ، وفات ۲۴۳ھ عمر ۶۴ سال)

اسم مبارک ابو عبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ قزوینی ربیع، ربیعہ عرب کے متعدد قبائل کا نام ہے ان میں سے کسی کی طرف نسبت ہے۔ قزوین عراق عجم کا مشہور شہر ہے، سنن ابن ماجہ کا شمار صحاح ستہ میں ہے، اس کو تالیف کر کے ابن ماجہ نے جب ابو ذر عہ رازی کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کو دیکھ کر فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچے گی تو حدیث کی موجودہ تالیفات یا ان میں سے اکثر معطل ہو کر رہ جائیں گی، اس میں پانچ احادیث ثلاثیات بھی ہیں۔

فی الحقیقت احادیث کو بلا تکرار بیان کرنے اور حسن ترتیب کے لحاظ سے کوئی کتاب اس کے برابر نہیں ہے، آپ حدیث کے تمام علوم سے واقفیت تامہ رکھتے تھے۔

حافظ ابو ذر عہ نے یہ بھی کہا کہ میرا ظن غالب ہے کہ اس کتاب میں ایسی احادیث جن کی اسناد میں کچھ خلل ہے تیس ہیں، زیادہ نہ

ہوں گی، حافظ ذہبی نے لکھا کہ ”اگر چند کمزور حدیثیں اس میں نہ ہوتیں تو یہ کتاب بہت ہی عمدہ ہوتی“ اس سنن میں چار ہزار حدیثیں ہیں، اس کے علاوہ آپ نے فن حدیث، تفسیر اور تاریخ میں بہت مفید کتابیں لکھی ہیں۔

تحصیل علم کے لئے آپ نے مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، کوفہ، بصرہ، بغداد، مصر، شام، واسطہ رائے اور دوسری اسلامی شہروں کے سفر کئے، جبارہ بن الغنیس ابراہیم بن المنذر، ابن نمیر، ہشام بن عمار اور اصحاب امام مالک و اصحاب لیث (حنفی) اور اس طبقہ کے دوسرے بزرگوں سے علم حدیث حاصل کیا، ابو بکر بن ابی شیبہ سے زیادہ استفادہ کیا۔

ماجد آپ کے والد کا نام تھا، اس لئے ابن ماجہ کا الف درمیانی عبارت میں بھی لکھنا ضروری ہے، تاکہ محمد کی صفت سمجھی جائے نہ کہ عبد اللہ کی

(بتان الحدیث)

بعض محدثین نے صحاح ستہ میں بجائے ابن ماجہ کے موطاً امام مالک کو احق سمجھا ہے، تفصیل ”تمس الیہ الحججہ“ سے دیکھی جائے اس کے مؤلف نے اسی طرح لکھا ہے۔

حق یہ ہے کہ سب سے بہتر کتاب جو اکابر اہل علم کے نزدیک مرغوب و پسندیدہ اور اصول سے شمار ہونے کی زیادہ مستحق ہے ”کتاب الآثار“ اور ”موطاً“ کے بعد ”معانی الآثار“ ہے جو امام جلیل ابو جعفر طحاوی کی تالیف ہے، اس لئے کہ وہ فن حدیث میں بے نظیر ہے، طالبین علم حدیث کے لئے منفعت عظیمہ رکھتی ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنؤی نے ”التعلیق لمجد علی موطاً، الامام محمد“ میں علامہ ذہبی کی ”سیر النبلاء“ سے نقل پیش کی ہے کہ انہوں نے ابن حزم کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ابن حزم نے موطاً امام مالک کو مسند احمد و مسند ابن ابی شیبہ وغیرہ مسانید کے بعد ذکر کر کے اور صحیحین کے ساتھ ذکر نہ کر کے نا انصافی کی ہے، کیونکہ موطاً کا مرتبہ بہت وقیع ہے اور قلوب میں اس کی بڑی عظمت ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ مسانید کا ذکر تادیاً مقدم کیا ہو، پھر مصنف ماتمس الیہ الحججہ نے لکھا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ اس میں شک نہیں ”موطاً“ نہ صرف ”سنن ابن ماجہ“ سے افضل ہے بلکہ پانچوں کتب صحاح سے بھی کہیں زیادہ فوقیت رکھتی ہے، کیونکہ وہ صحیحین (بخاری و مسلم) کی اصل ہے اور ایسے ہی ”کتاب الآثار“ بھی امام اعظم کی، کیونکہ اس کے اصل الاصل ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا“ خواہ اس سے اعراض کرنے والے (حسد و عناد کی وجہ سے) کتنا ہی اعراض کریں اور اس کی اس فضیلت و برتری پر ناک بھویں چڑھائیں

ان دونوں مقدس کتابوں (کتاب الآثار اور موطاً) کی جلالت قدر ان کے نامور مؤلفین کی عظمت و جلالت قدر سے ظاہر و باہر ہے اور جو فرق مراتب ان مؤلفین میں باہم ہے، ایسا ہی فرق ان دونوں کتابوں اور دوسری صحاح میں ہونا چاہئے۔

علامہ سیوطی نے تدریب میں لکھا ہے کہ ”خطیب وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ موطاً تمام جوامع اور مسانید پر مقدم ہے اور حافظ ابو بکر بن العربی نے ”عارضۃ الاحوذی“ میں تحریر فرمایا کہ:

”خدا تمہارے دلوں کو منور کرے، یہ بات سمجھ لو کہ بعضی کی کتاب (بخاری شریف) حدیث کی دوسری اصل ہے اور موطاً اصل اول اور لباب ہے، پھر ان دونوں پر تمام کتب حدیث، مسلم، ترمذی، وغیرہ کی بنیاد ہے“۔ (ماتمس الیہ الحججہ ص ۳۶)

علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب ”موضوعات“ میں ابن ماجہ کی ۳۳ حدیثیں ذکر کی ہیں، ماتمس الیہ الہاجہ، مقدمہ ابن ماجہ (مطبوعہ کراچی) میں محترم جناب مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی نے ایک ایک کر کے سب پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے جو اہل علم کے لئے قیمتی ذخیرہ ہے اور اسی مقدمہ کے ص ۳۶ و ۳۷ پر حافظ ذہبی اور ابن حجر کے تعصب پر بھی تبصرہ کیا ہے۔

امام ابوداؤد

(ولادت ۲۰۲ھ، وفات ۲۷۵ھ، عمر ۷۳ سال)

اسم و نسب:

ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران اندزوی، البجستانی جستان سے مراد سیستان ہے، جو سندھ و ہرات کے درمیان مشہور علاقہ ہے، قندھار کے قریب ہے، اسی لئے یہ ملک ہندوستان کے قریب یا اس کے پہلو میں مانا گیا ہے۔ اس موقع پر ”بستان المحدثین“ میں مورخ ابن خلکان کی غلطی پر تنبیہ کی ہے کہ انہوں نے جستان کو بصرہ کے مضافات میں ایک قریہ قرار دیا ہے، اسی طرح شیخ تاج الدین سبکی نے بھی مورخ مذکور کی تحقیق مذکور غلط قرار دی ہے۔

علمی اسفار:

امام موصوف نے بلاد اسلامیہ، مصر شام، حجاز، عراق، خراسان اور جزیرہ وغیرہ کا سفر تحصیل علم حدیث کے لئے کیا، حفظ حدیث، اتقان روایت، عبادت و تقویٰ، زہد و صلاح میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔

اساتذہ و تلامذہ:

آپ کے اساتذہ امام احمد قعنبی اور ابوالید طیالسی وغیرہ ہیں، آپ سے امام ترمذی اور نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے اور آپ کے صاحبزادے ابوبکر بن ابی داؤد بھی بڑے پایہ کے محدث اور جماعت محدثین کے سردار ہوئے ہیں۔

مادحین:

امام حاکم کا قول ہے کہ ابوداؤد بے شک و شبہ اپنے زمانہ کے امام تھے، موسیٰ بن ہاورن نے جو ان کے معاصر تھے، فرمایا کہ ابوداؤد دنیا میں حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، ابراہیم بن حربی اور حافظ سلفی فرمایا کرتے تھے کہ ابوداؤد کے لئے علم حدیث اسی طرح نرم کر دیا گیا تھا، جیسے لوہا حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے۔

روایت اکابر عن الاصاغر:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ نہ صرف آپ کے استاد امام احمد نے ایک حدیث روایت کی ہے بلکہ امام احمد کے بعض اساتذہ نے بھی آپ سے روایت کی ہے، یہ بڑوں کی روایت چھوٹوں سے کہلاتی ہے۔

سنن ابی داؤد:

امام ابوداؤد کے پاس پانچ لاکھ احادیث کا ذخیرہ تھا، جس میں سے منتخب کر کے اپنی سنن میں چار ہزار آٹھ سو احادیث جمع کیں، ان میں صحیح بھی ہیں اور حسن بھی، اور اپنے خیال میں انہوں نے کوئی حدیث ایسی درج نہیں کی جو قابل حجت نہ ہو، اس کتاب کو پورا کر کے جب امام احمد کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کو بہت پسند فرمایا۔

ابوداؤد کی چار احادیث:

ابوداؤد فرماتے تھے کہ ان سب احادیث میں سے دانش مند دیندار کے لئے صرف چار حدیثیں کافی ہیں۔

(۱) انما الاعمال بالنیات (اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے)

(۲) من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه (اسلامی نقطہ نظر سے ایک شخص کی یہ بڑی خوبی ہے کہ وہ بے فائدہ باتوں کو ترک کر دے)

(۳) لایومن احدکم حتی یحب لآخیه ما حیب لنفسه (ایک شخص کا کامل ایمان جب ہی ہو سکتا ہے کہ اپنے بھائی کے لئے

بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے)

(۴) الحلال بین والحرام بین وما بینہما مشتبہات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه (حلال و حرام دونوں واضح ہیں اور ان کے

درمیان مشتبہات ہیں، پس جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنا دین محفوظ کر لیا)

معانی حدیث:

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے (بستان المحدثین) میں تحریر فرمایا ہے کہ ان چار حدیثوں کے کافی ہونے کے معنی یہ ہیں

کہ شریعت کے قواعد کلیہ مشہورہ معلوم کر لینے کے بعد جزئیات مسائل میں کسی مرشد کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مثلاً عبادات کی درستی کے لئے

پہلی حدیث اوقات عمر عزیز کی حفاظت کے لئے دوسری حدیث حقوق ہمسایہ و سلوک خویش و اقارب نیز اہل تعارف و معاملہ کے لئے تیسری

حدیث اور مشتبہات سے بچنے کے لئے چوتھی حدیث کافی ہے، گویا مرد عاقل کے لئے یہ چاروں حدیثیں بمنزلہ رہنمائے کامل ہیں۔

بشارت:

حسن بن محمد نے رسول اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ نے فرمایا کہ جو شخص سنت سے تمسک کرنا چاہے اس کو سنن ابوداؤد پڑھنا

چاہئے (بستان المحدثین)

امام ابوداؤد کو بعض حضرات نے شافی لکھا ہے اور بعض حنبلی کہتے ہیں، امام ابوداؤد کا تعلق فقہ حنبلی سے بھی حظ وافر تھا، اسی لئے وہ آئمہ متبوعین

سے بھی بدظن نہیں بلکہ ان کی جلالت قدر و عظمت کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔

امام ترمذیؒ

(ولادت ۲۰۹ھ، وفات ۲۷۹ھ، عمر ۷۰ سال)

اسم و نسب:

ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سوریہ بن موسیٰ بن الضحاک السلمی البوغی رحمۃ اللہ علیہ۔

بوغ شہر ترمذ سے ۶ فرسخ کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے، ترمذی امام بخاری کے تلمیذ خاص ہیں، اور امام مسلم، ابوداؤد ان کے شیوخ سے

بھی روایت کرتے ہیں، طلب علم حدیث میں حجاز، کوفہ، بصرہ، واسطہ، رے اور خراسان میں سالہا سال گزرے ہیں، ان کی تصانیف بہت ہیں

مگر سب سے زیادہ مشہور، مقبول ترمذی ہی ہے۔

جامع ترمذی کی فوقیت دوسری کتب پر:

مجموعی اعتبار سے حدیثی فوائد میں بھی یہ کتاب دوسری تمام کتب حدیث پر فائق ہے، اول اس وجہ سے کہ ترتیب عمدہ ہے اور تکرار نہیں ہے، دوسری اس میں فساد کے مذاہب اور ان کے دلائل بیان کئے ہیں۔

تیسرے اس میں حدیث کی انواع بھی کھول دی ہیں، مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، غریب، معطل وغیرہ، چوتھے اس وجہ سے کہ اس میں راویوں کے نام، ان کے القاب و کنیت کے علاوہ وہ امور بھی ظاہر کر دیئے ہیں جن کا فن رجال سے تعلق ہے۔ (بستان المحدثین)

طریق بیان مذہب:

بیان مذہب بھی با وقعت الفاظ سے کرتے ہیں، ”بعض الناس“ کی طرح نہیں، حفظ حدیث میں امام بخاری کی طرح مشہور ہیں، امام بخاری کی جلالت قدر سے بہت متاثر ہیں، ان سے روایت بھی کرتے ہیں، جب کہ دوسرے ارباب صحاح نے اپنی صحاح میں ان سے روایت بھی نہیں کی، بیان مذہب کے موقع پر امام بخاری کا مذہب نقل نہیں کرتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مجتہد فی المذہب تسلیم نہیں کرتے، حضرت الاستاذ شاہ صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حنفیہ کا مذہب امام بخاری کی طرح ترمذی کو بھی مستند طریقہ پر نہیں پہنچا۔

امام ترمذی اگرچہ ہر باب میں حدیث کا پورا ذخیرہ نو پیش نہیں کرتے، لیکن جتنے صحابہ کی بھی مرویات ان کو محفوظ ہوتی ہیں، ان سب کی طرف اشارات کر دیتے ہیں۔

معمول بہا احادیث:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ کوئی حدیث ایسی نہیں ذکر کی جس پر امت میں کسی نہ کسی کا عمل نہ ہو۔

حضرت شاہ صاحب کا ارشاد:

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ امام ترمذی نے اپنی بہت سی احادیث مرویہ کو خود ضعیف کہا ہے، پھر بھی ان کے معمول بہا ہونے کا اعتراف اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ ”عمل بالحدیث“ کا مدار صرف قوت سند پر نہیں ہے اور یہی صحیح حقیقت بھی ہے۔

امام ترمذی کی خدا ترسی:

حفظ و اتقان اور علم و فہم کے ساتھ بہت زیادہ خدا ترس بھی تھے، حق تعالیٰ جل مجدہ کا خوف و خشیت ان پر اتنا غالب تھا کہ روتے روتے آخر ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔

کنیت ابو عیسیٰ کی توجیہ:

بستان المحدثین میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک حدیث مصنف ابن ابی شیبہ سے ایک اور ایک سنن ابی داؤد سے نقل فرمائی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو عیسیٰ کنیت رکھنا مکروہ ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ نہ تھے، پھر امام ترمذی نے اسی کنیت کو کیوں اختیار کیا، ایک جواب یہ ہے کہ موصوف نے اس کو خلاف اولیٰ پر محمول کیا مگر پھر بھی یہ ان کی جلالت قدر سے بعید ہے، دوسرے یہ کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اپنی کنیت ابو عیسیٰ رکھی تھی اور حضور اکرم ﷺ نے ان کو ابو عیسیٰ کہہ کر بلایا، اس سے عدم کراہت پر استدلال ہو سکتا

امام اعظمؒ اور امام ترمذیؒ:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے رواۃ کی جرح و تعدیل امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اقوال سے بھی استفادہ کیا ہے، چنانچہ ان سے عطاء بن ابی رباح کی توثیق اور جابر جعفی کی عدم توثیق نقل کی ہے۔

امام اعظمؒ جامع ترمذی میں:

حافظ ابن حجر عسقلانی کی تقریب سے ثابت ہے کہ امام صاحب سے روایت حدیث بھی ترمذی و نسائی کے اصل نسخوں میں موجود تھیں، لیکن موجودہ متداول و مطبوعہ نسخوں سے غائب ہیں جو معاندین کی حذف الحاق کی خطرناک پالیسی کا نتیجہ ہے۔

امام ترمذی نے مذہب حنفیہ کو ترجیح دی:

امام ترمذی مذہب شافعی تھے، لیکن باوجود شافعی المذہب ہونے کے انہوں نے بہت سی جگہ امام شافعیؒ کے مسلک کو مرجوح قرار دیا ہے، ابراد فی الظہر کے مسئلہ میں تو بہت ہی کھل کر مخالفت کی ہے اور اس کو اکثر حضرات نے ذکر بھی کیا ہے، باقی جگہوں میں اتنی صراحت نہیں ہے، لہذا وہ چند مقامات جن میں حنفی مذہب کی ترجیح یا تائید بمقابلہ مذہب شافعی راقم السطور نے اپنے ذاتی مطالعہ میں محسوس کیا اور میری یادداشت میں نوٹ تھی، نقل کروں گا، اس کے علاوہ بھی اور بہت سی جگہ ایسا ہوگا اور دوسرے مذاہب کی تائید و ترجیح بھی مقابلتاً ہوں گی، مگر مجھے اس وقت صرف ان ہی مذکورہ بالا کا تذکرہ کرنا ہے، ان چیزوں سے چونکہ مؤلف کی جلالت قدر کا قلوب پر ایک لازمی اثر ہوتا ہے، اس کے باعث بھی ان کے ذکر پر مجبور ہوں۔

(۱) امام بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوۃ روایت کی ہے، امام ترمذی نے یہی حدیث بالفاظ اذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوۃ روایت کر کے ”حدیث حسن صحیح“ کا حکم لگایا، پھر فرمایا کہ: امام شافعی نے حدیث ابراد کے ایک دوسرے معنی لئے وہ یہ کہ ”نماز ظہر میں ابراد (یعنی ٹھنڈے وقت میں پڑھنے) کا حکم اس وقت ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے والے دور سے آتے ہوں، لیکن جب خود تنہا نماز پڑھے یا جو آدمی اپنی قوم اور محلہ کی مسجد میں (قریب ہی) نماز پڑھتا ہو تو اس کے واسطے بہتر یہی ہے کہ وہ گرمی کے وقت بھی نماز کو مؤخر نہ کرے۔“

اس کے بعد امام ترمذیؒ نے فرمایا: شدت گرمی کے وقت تاخیر ظہر جس کی اہل علم کی ایک جماعت قائل ہے (یعنی حنفیہ) انہوں نے جو مراد حدیث صحیحی ہے اور بیان کی ہے وہی بہتر ہے اور لائق اتباع ہے، اور جو کچھ امام شافعی نے مراد بیان کی ہے کہ وہ دور سے آنے والوں کے واسطے اور مشقت و تکلیف کی وجہ سے وہ درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابو ذرؓ کی حدیث حالت سفر کی موجود ہے، جب کہ سب لوگ ایک جگہ جمع تھے اور پھر بھی سرور دو عالم ﷺ نے حضرت بلالؓ کو یہ تاکید حکم فرمایا: ”اے بلال! ٹھنڈا وقت ہونے دو، اے بلال! ٹھنڈا وقت ہونے دو“۔

پس اگر امام شافعی کا بیان کیا ہوا حدیث کا مطلب صحیح ہوتا تو اس موقع پر ابراد کا حکم فرمانے کا کیا مقصد تھا؟ حالانکہ سب سفر میں تھے، ایک جگہ جمع بھی تھے اور کہیں دور سے آنے کی ضرورت و تکلیف بھی ان کو نہ تھی۔

اس مذکورہ بالا عبارت سے امام ترمذیؒ نے مسلک حنفیہ کی نہ صرف پوری تائید کی بلکہ ان کو اہل علم کہا اور امام شافعی کے فہم معنی حدیث کو مرجوح قرار دیا۔

(۲) حنفیہ کے یہاں ”مسح راس“ کا تکرار مستحب نہیں، امام احمد اور امام شافعی اس کو مستحب قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارکان وضو کا تین تین بار اعادہ کیا۔

امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث مذکور اس باب میں سب سے اعلیٰ درجہ کی ہے، لیکن اس سے تکرار مسح کی دلیل پکڑنا درست نہیں،

کیونکہ مسح کا صراحۃً اس میں کوئی ذکر نہیں۔

پھر امام ترمذی نے فرمایا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے رسول اکرم ﷺ کے وضو کی صفت اس طرح بیان فرمائی کہ آپ نے تین تین بار دھویا، پھر فرمایا کہ آپ ﷺ نے سر کا بھی مسح کیا، مگر اس کے ساتھ کسی عدد کا ذکر نہیں کیا، پھر فرمایا کہ آپ ﷺ نے دونوں پاؤں مبارک تین بار دھوئے (گویا اس ترتیب سے صفت وضو بیان کی جس سے اول دونوں اعضاء اور آخر کا تین تین بار دھونا ظاہر ہوا، درمیان میں مسح کا ذکر ہوا تو اس کے ساتھ تین بار نہیں، جس سے ظاہر یہی ہے کہ صرف ایک بار کیا) اور حضرت علیؓ نے بھی حضور اکرم ﷺ کے وضو کا حال بیان کیا اور انہوں نے یہ بات صاف طور سے فرمائی کہ آپ ﷺ نے سر کا مسح ایک مرتبہ کیا۔

اس کے بعد امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے، اب ناظرین خود سمجھ لیں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کس کو ترجیح دے رہے ہیں۔ (۳) موٹے موزوں پر حنفیہ کے نزدیک مسح جائز ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ جائز نہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے روایت کیا کہ رسول خدا ﷺ نے وضو کیا تو آپ نے سر مبارک اور نعلین کا مسح کیا، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (۴) حنفیہ کے نزدیک اور اوقات کی طرف مغرب کے بھی دو وقت ہیں اول اور آخر، مگر امام مالک و امام شافعی صرف ایک وقت مانتے ہیں، ہمارا استدلال قوی احادیث ہیں۔

☆..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نماز کا وقت اول بھی ہے اور آخر بھی۔
☆..... مسلم میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وقت نماز ان دونوں کے درمیان ہے۔
☆..... مسلم میں ہی یہ بھی ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کو دو وقتوں میں پڑھا۔
☆..... صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ ”جب شام کا کھانا آجائے تو پہلے اس کو کھا لو، پھر نماز مغرب پڑھو، عجلت کی ضرورت نہیں“ معلوم ہوا کہ مغرب کے بھی دو وقت اول و آخر ہیں۔

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے اوقات نماز دریافت کئے تو فرمایا کہ ہمارے ساتھ رہو، پھر حضرت بلالؓ کو ایک روز سورج غروب ہوتے ہی اذان کا حکم فرمایا اور دوسرے دن مغرب کی نماز کو غروب شفق سے کچھ قبل تک مؤخر فرمایا اور کچھ دیر کے بعد نماز عشاء کے لئے اذان دلائی اور سائل کو بلا کر فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان نماز کا وقت ہے، اس حدیث کو بھی امام ترمذی نے ذکر کر کے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۵) حنفیہ کے نزدیک صبح کی نماز میں اسفار افضل ہے اور امام شافعی قنلیس (اندھیرے سے پڑھنے) کو افضل فرماتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز وقت پر پڑھنے کو احب الاعمال فرمایا، لیکن اس سے استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ اسفار میں پڑھنا بھی وقت ہی پر پڑھنا ہے اور اول وقت کی فضیلت کی حدیثیں درجہ صحت سے کم ہیں، ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ عورتیں صبح کی نماز میں شرکت کیلئے چادروں میں لپٹی ہوئی جاتی تھیں اور واپس ایسے وقت ہو جاتی تھیں کہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔ اس سے بھی جواز نکلتا ہے اور ممکن ہے کہ عورتوں کی رعایت سے بھی کچھ اندھیرے میں پڑھی جاتی ہو، اس لئے اس کی افضلیت مقرر نہیں، ایک روایت ہے کہ سرور عالم صبح کی سنتیں اس وقت پڑھتے تھے کہ ہم میں سے ایک دوسرے کو پہچان سکتا تھا لیکن اس میں ان سے زیادہ ہماری حجت ہے، کما لا ینحفی علی اللیب۔

اس کے بعد ملاحظہ کیجئے کہ حنفیہ کی دلیل حدیث ترمذی شریف ہے کہ سید اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”صبح کی نماز خوب صبح کر کے پڑھو، کیونکہ وہ تمہارے اجر کو اجر عظیم بنانے والی ہے۔“

امام ترمذی نے اس کو ذکر کر کے فرمایا کہ ”یہ حدیث صحیح ہے“ اور چونکہ اس میں صراحت کے ساتھ اسفار کی افضلیت مذکور ہے، اس لئے اسی پر عمل اولیٰ ہوگا۔

(۶) حنفیہ کے نزدیک تشہد ابن مسعود افضل ہے، اور امام شافعی تشہد ابن عباس کو افضل فرماتے ہیں، تشہد ابن مسعود صحیح بخاری و مسلم میں مروی ہے اور تشہد ابن عباس کو امام ترمذی نے روایت کر کے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ تشہد کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح حدیث ابن مسعود والی ہے اور وہی اکثر اہل علم صحابہ و تابعین کا مختار ہے۔ ناظرین نے دیکھا کہ حنفیہ کا مسلک امام ترمذی کی نظر میں بھی ارجح ہے۔

(۷) حنفیہ کے نزدیک نماز عید سے قبل و بعد کوئی نفل و سنت نہیں ہے، امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے لیکن امام شافعی ان کے قائل ہیں، ہماری دلیل روایت ابن عباس ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے عید الفطر کی نماز پڑھی، لیکن اس سے پہلے اور بعد کوئی نماز نہیں پڑھی، ایسے ہی ایک روایت ابن عمرؓ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن نکلے، لیکن آپ ﷺ نے عید کی نماز سے پہلے اور بعد کوئی نماز نہیں پڑھی۔ امام ترمذی نے یہ دونوں حدیثیں ذکر کیں اور فرمایا کہ یہ دونوں صحیح ہیں، ظاہر ہے کہ ان دونوں حدیث کی صحت کے باوجود نماز عید سے قبل و بعد نوافل کی کراہت کا قائل نہ ہونا راجح مذہب ہوگا یا مرجوح؟

(۸) ایک شخص بغیر ذکر مہر کے نکاح کرے تو حنفیہ کے نزدیک اس کا نکاح درست ہے اور اس کی بیوی کو مہر مثل ملے گا، امام شافعی فرماتے ہیں کہ نکاح ہی صحیح نہیں۔

ہماری دلیل ترمذی کی حدیث ہے، علقمہ نے روایت کیا کہ عبد اللہ کے پاس ایک شخص کا مسئلہ پیش ہوا کہ اس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور ”زفاف“ سے پہلے مر گیا، مہر کا کوئی تعین نہیں ہوا تھا، انہوں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک اس عورت کو مہر مثل ملنا چاہئے، میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت بھی ہے۔

اس پر معقل بن سنان نخعی نے شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بروء بنت واشق کے بارے میں بعینہ یہی فیصلہ دیا تھا، اس کو ذکر کر کے امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۹) حنفیہ کا مذہب ہے کہ قتال کے وقت کفار کے بوڑھے، راہب، اندھے، لہجے اور عورتیں قتل نہ کی جائیں، بجز اس صورت کے کہ وہ ان کے اہل رائے ہوں اور شریک مشورہ، یہ میر کا مشہور مسئلہ ہے اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ ان سب کو بھی قتل کیا جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعض غزوات میں کوئی عورت مقتول پائی گئی تو آپ ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا اور عورتوں بچوں کے قتل کی ممانعت فرمائی، امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث ”صحیح“ ہے۔

(۱۰) حنفیہ کا مذہب ہے کہ بالغ عورتوں کو خود اپنے نکاح کا حق ہے، یعنی وہ اپنے قول و اختیار سے نکاح کر سکتی ہیں، بلکہ امام اعظم کے نزدیک بغیر اذن ولی بھی کر سکتی ہیں، صاحبین فرماتے ہیں کہ اذن ولی ضروری ہے۔

امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ ان کا نکاح ان کے قول و اختیار سے درست نہیں، ان کا نکاح اولیاء ہی کر سکتے ہیں، اور اگر وہ اپنے قول سے کر لیں تو اولیاء کی رضامندی سے بھی صحیح نہ ہوگا، حنفیہ کا استدلال حدیث ترمذی سے ہے ”الا یم احق بنفسها من ولیها والبکر تسأذن فی نفسها واذنھا صماتھا“ یعنی بیوہ یا مطلقہ کو بغیر ولی بھی اپنے نکاح کا حق ہے اور کنواری (جو عموماً اپنے قول سے نکاح کا انعقاد حیاء و شرم کی وجہ سے نہیں کرتیں، ان سے اذن و اجازت لی جائے اور ان کی خاموشی بھی اذن ہی ہے۔

غرض اس حدیث ترمذی سے ظاہر و باہر ہے کہ صحت نکاح کے لئے ولی شرط نہیں ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ مردوں ہی کے قول سے

نکاح کا انعقاد ہو، عورتوں کے قول سے نہ ہو جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے، بلکہ ان کو خود بھی اختیار و حق ہے، حتیٰ کہ اگر بغیر ان کی مرضی کے کوئی ولی نکاح کر دے تو وہ بھی رد ہو سکتا ہے۔ "تلك عشرة كاملة"۔

امام نسائی رحمہ اللہ

(ولادت ۲۱۵ھ، وفات ۳۰۳ھ، عمر ۸۸ سال)

نام و نسب:

عبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار نسائی۔

نساخراسان کا مشہور شہر ہے، آپ نے خراسان، حجاز، عراق، جزیرہ، شام و مصر کے علماء سے علم حاصل کیا سب سے پہلے ۱۵ سال کی عمر میں قتیبہ بن سعید بلخی کی خدمت میں ایک سال دو ماہ رہ کر علم حدیث حاصل کیا، ان کے مناسک سے یہ خیال کیا گیا کہ شافعی مذہب رکھتے تھے۔ سنن کبریٰ نسائی میں صحیح و حسن دونوں قسم کی احادیث ہیں، پھر آپ نے سنن صغریٰ تالیف کی جس میں صرف صحیح اعلیٰ مرتبہ کی تھیں جس کا نام مجتبیٰ رکھا۔

جب آپ نے کتاب الخصال (مناقب مرتضوی) تصنیف کی تو چاہا کہ اس کو جامع دمشق میں پڑھ کر سنائیں، تاکہ حکومت امویین کے اثرات سے جو عوام میں ناصبیت کی طرف رجحان بڑھ گیا تھا، اس کی اصلاح ہو جائے۔

کچھ حصہ ہی سنایا تھا کہ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ نے امیر معاویہ کے مناقب پر بھی کچھ لکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: ان کے لئے یہی بس ہے کہ برابر برابر چھوٹ جائیں، ان کے مناقب کہاں ہیں، یہ بھی ایک روایت ہے کہ مجھ کو ان کے مناقب میں سوا اس حدیث کے اور کوئی صحیح حدیث نہیں ملی۔

یہ سنتے ہی لوگوں نے شیعہ، شیعہ کہہ کر ان کو مارنا شروع کر دیا اور اتنا مارا کہ نیم جان کر دیا، خدام ان کو اٹھا کر گھر لائے، آپ نے فرمایا کہ مجھے ابھی مکہ معظمہ پہنچا دو تاکہ میری وفات مکہ معظمہ یا راستہ میں ہو۔

نقل ہے کہ آپ کی وفات مکہ معظمہ پہنچنے پر ہوئی، اور وہاں صفا مروہ کے درمیان دفن ہوئے، آپ کی تالیف عمل الیوم واللیلہ ہے۔ اور کتاب الکنی والاسامی بھی آپ کی تصنیف ہے۔

کتاب الضعفاء والمتر وکین امام نسائی کی مشہور کتاب ہے، اس میں آپ نے بہت سے ثقہ آئمہ حدیث وفقہ کو بھی ضعیف کہہ دیا ہے۔ کچھ تو امام نسائی کے مزاج میں تشدد بھی زیادہ تھا جس کی وجہ سے رواۃ حدیث پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور روایت حدیث کی شرائط ان کے یہاں امام بخاری سے بھی زیادہ سخت ہیں، مگر اس کے ساتھ تعصب کا بھی رنگ موجود ہے یا ان کی سخت مزاجی اور کڑی تنقید کی عادت سے فائدہ اٹھا کر لوگوں نے ان کی کتاب الضعفاء میں الحاقی عبارتوں کا اضافہ کر دیا ہے اور ایسا مستبعد نہیں، کیونکہ ان کی سنن نسائی میں حسب تصریح حافظ ابن حجر امام صاحب سے روایت موجود تھی، جو موجودہ مطبوعہ نسخوں میں اب نہیں ہے۔

اور جس طرح میزان الاعتدال میں امام صاحب کا ذکر الحاقی ہے، لوگوں نے بعد کو بڑھا دیا، ممکن ہے کہ امام نسائی کی کتاب میں بھی ایسا ہی ہوا ہو، کیونکہ جیسا کہ ان کی مطبوعہ کتاب میں اس وقت ہے کہ امام صاحب حدیث میں قوی نہیں تھے، کثیر الغلط تھے وغیرہ کلمات صحیح ہوتے تو وہ امام صاحب سے سنن نسائی میں روایت کیوں کرتے، روایت کرنا ہی اس کی دلیل ہے کہ وہ امام صاحب کو قوی فی الحدیث اور ثقہ سمجھتے تھے۔

مخالفین و معاندین نے جرح کو مفسر بنانے کا طریقہ یہ وضع کر لیا تھا کہ جس کو گرانا ہو، اس کو باعتبار حافظہ کے ضعیف کہہ دیا، ظاہر ہے

کہ آخر عمر میں تو سب ہی کا حافظہ کمزور ہو جاتا ہے، اس لئے یہ بات ہر ایک کے متعلق کہی جاسکتی ہے، یا کسی معمولی غیر اہم غلطی و نسیان کو پکڑ کر قلتِ حفظ کی چھاپ لگا دی یہ ایک ایسا حربہ تھا کہ اس سے خوب کام لیا گیا، جرح بھی مبہم نہ رہی اور بات بھی بظاہر بالکل غلط نہیں، اسی لئے امام ذہبی وغیرہ نے ایسی جرحوں کو کوئی اہمیت نہیں دی، چنانچہ میزان میں امام محمد کے بارے میں نسائی کی تلہین و تصنیف کا ذکر کرنے کے بعد حافظ ذہبی نے لکھا کہ امام محمد نے امام مالک سے جتنی روایات نقل کی ہیں سب قوی ہیں اور علم فقہ میں تو وہ بحر تھے، گویا امام ذہبی نے اپنے اس رویہ سے ثابت کیا کہ امام محمد کو چونکہ نسائی وغیرہ نے ضعیف کہہ دیا تھا اس لئے میں نے بھی ان کا ذکر میزان میں کیا، ورنہ وہ روایت میں ضعیف ہرگز نہ تھے۔ اسی طرح امام ابو یوسف کے بارے میں بھی کیا ہے، امام نسائی نے امام ابو یوسف کو ثقہ کہا ہے، تو امام بخاری نے ان کو متروک کہہ دیا، ان ہی چیزوں سے متاثر ہو کر حافظ سخاوی شافعی نے اعلان بالترویج کر کے ص ۶۵ پر یہ فرمایا: ”جو کچھ کلام حافظ ابو شیخ ابن حبان نے اپنی کتاب السنہ میں بعض آئمہ مجتہدین کے حق میں کہا ہے اور ابن عدی نے کامل میں اور خطیب نے تاریخ بغداد میں اور دوسروں نے ان سے پہلے جیسے ابن ابی شیبہ نے مصنف میں“۔ بخاری و نسائی نے لکھا ہے کہ میں ان حضرات کی شان کو ایسے جلیل القدر مجتہدین کے بارے میں جن کے مقاصد و حالات زندگی بہت اچھے تھے ایسی گری ہوئی چیزیں ذکر کرنے سے بند خیال کرنا چاہئے، لہذا ایسی باتوں میں ان حضرات کی پیروی سے اجتناب کرتا ہوں۔

امام طحاویؒ

(ولادت ۲۲۹ھ، وفات ۳۲۱ھ، عمر ۹۲ سال)

نام و نسب و ولادت:

الامام المحدث الفقیہ احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ بن عبد الملک بن سلمۃ بن سلیم ابن سلیمان بن جواب الازدی ثم الحجری المصری الحنفی رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

سال ولادت حسب روایت ابن عساکر ۲۳۹ھ و ابن خلکان ۲۳۸ھ ہے، مگر سمعانی نے ۲۲۹ھ ذکر کیا ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے، حافظ ابن کثیر، حافظ بدرالدین عینی وغیرہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، لہذا امام طحاوی کی عمر امام بخاری کی وفات کے وقت ۲۷ سال ہوگی، کیونکہ ان کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی ہے۔

اسی طرح دوسرے اصحاب صحاح ستہ بھی امام طحاوی کے معاصر تھے۔

تحصیل علم و کثرت شیوخ:

امام طحاوی طلب علم کے لئے اپنے مسکن سے مصر آئے اور اپنے ماموں امام مزنیؒ تلمیذ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھتے رہے، اور ابتداء میں شافعی مذہب پر رہے پھر جب احمد بن ابی عمران حنفی مصر میں قاضی ہو کر پہنچے تو ان کی صحبت میں بیٹھے، ان سے علم حاصل کیا تو فقہ شافعی کا اتباع ترک کر کے حنفی کے متبع ہو گئے۔ (معجم البلدان یا قوت حموی)

محمد بن احمد شرعی کا بیان ہے کہ میں نے امام طحاویؒ سے پوچھا کہ آپ نے اپنے ماموں (مزنی) کی کیوں مخالفت کی اور امام ابو حنیفہ کا مذہب کیوں اختیار کیا، فرمایا: میں دیکھتا تھا کہ ماموں ہمیشہ امام ابو حنیفہ کی کتابیں مطالعہ میں رکھتے تھے، ان سے استفادہ کرتے تھے، اسی لئے میں اس کی طرف منتقل ہو گیا (مرآة البیان یا فعی)

علامہ کوثریؒ نے ”الحاوی فی سیرۃ الامام طحاوی“ میں اس جگہ مزید وضاحت کی ہے کہ میں نے اپنے ماموں مزنی کو دیکھ کر خود بھی امام صاحب کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا اور ان کی کتابوں نے مجھے حنفی مذہب کا گرویدہ بنا دیا، جس طرح کہ ان کی کتابوں نے میرے ماموں مزنی کو بھی بہت سے مسائل میں ابو حنیفہ کی طرف مائل کر دیا تھا، جیسا کہ مختصر المزنی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس میں بہت سے مسائل ایسے مذکور ہیں جن میں مزنی نے امام شافعی کی مخالفت کی ہے، الحاوی ص ۱۶۔

چونکہ مذہب شافعی سے مذہب حنفی کی طرف منتقل ہونے کی یہ وجہ خود امام طحاویؒ سے اور پہلے صحیح مروی ہے، اس لئے یہی معتمد صحیح ہے، باقی دوسری حکایت بے سند اور خلاف روایت ہیں، مثلاً حافظ ابن حجر نے لسان میں نقل کیا کہ وجہ یہ ہوئی کہ ایک دفعہ امام طحاویؒ اپنے ماموں سے سبق پڑھ رہے تھے ایک ایسا دقیق مسئلہ کہ انہوں نے امام طحاویؒ کو بار بار سمجھایا مگر وہ سمجھ نہ سکے، اس پر امام مزنی نے تنگ دل ہو کر غصہ سے فرمایا کہ واللہ تم تو کسی قابل نہ ہوئے۔ اس پر امام طحاویؒ ناخوش ہو کر احمد بن ابی عمران قاضی مصر کی مجلس میں چلے گئے جو قاضی بکار (حنفی) کے بعد دیا مصریہ کے قاضی القضاة ہوئے تھے، وغیرہ، الخ۔

امام طحاویؒ اور حافظ ابن حجرؒ:

پورے قصے کو جس رنگ آمیزی کے ساتھ حافظ نے ذکر کیا ہے وہ بقول علامہ کوثریؒ قابل عبرت ہے اور اس میں سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ قاضی بکار کی وفات امام مزنی متوفی ۲۶۴ھ سے بہت مدت بعد ۲۷۲ھ میں ہوئی اور حسب اقرار حافظ ابن حجر و موافق تصریح حافظ ذہبی ابن ابی عمران قاضی بکار کے بعد قاضی مقرر ہو کر عراق سے مصر آئے تو پھر یہ کہنا کہ امام طحاویؒ ناخوش ہو کر ان کے پاس چلے گئے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ امام طحاویؒ کی ذکاوت و جدت طبع کو سب تسلیم کرتے ہیں جو ان کی کتابوں سے بھی ظاہر ہے، ایک غبی طبیعت کا طالب علم جو استاد کے بار بار سمجھانے سے بھی ایک دقیق مسئلہ کو نہ سمجھ سکتا ہو کیا وہ آگے چل کر اس قدر اعلیٰ درجہ کا ذہین و ذکی بن سکتا ہے، آج اس کی کتابوں کو سمجھنے والے بھی با استعداد علما میں کم ملیں گے۔

تذکرہ امام شافعی و امام مزنی:

تیسرے یہ کہ امام مزنی امام شافعیؒ کے اخص تلامذہ میں سے تھے اور امام شافعیؒ اعلیٰ درجہ کے ذکی و فطین تھے اور اپنے تلامذہ کی تعلیم و تفسیم پر بغایت حریص اور ان کی بلاغت و کم فہمی پر بڑے صابر تھے، کبھی سمجھانے سے ملول و تنگ دل نہ ہوتے تھے، حتیٰ کہ ربیع مرادی (امام شافعی کے مذہب جدید کے راوی) کے متعلق نقل ہے کہ بہت بطنی الفہم و بلید تھے، ایک دفعہ امام شافعیؒ نے ان کو ایک مسئلہ چالیس بار سمجھایا، تب بھی نہ سمجھے اور شرمندہ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے، امام شافعیؒ نے ان کو دوسرے وقت تنہائی میں پھر مسئلے کی وضاحت کی حتیٰ کہ وہ سمجھ گئے (فتاویٰ فقال مروزی)

۱۔ علامہ کوثریؒ کی تصریحات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ امام طحاویؒ احمد بن ابی عمران کی طرف رجوع کرنے سے قبل بکار بن قتیبہ کا رد بھی کتاب مزنی پر دیکھ چکے تھے، گویا یہ ایک دوسری بڑی وجہ فقہ حنفی کی طرف میلان کی پیدا ہو چکی تھی اور ان حالات کے نتیجے میں ہی کچھ روایات مکتوبہ امام طحاوی کے خلاف چلائی گئیں (الحاوی ص ۱۴)

ظاہر یہ ہے کہ مزنی نے بھی اپنے شفیق استاد شافعیؒ سے ایسی ہی وسعت صدر اور نجی طلبہ کی غباوت پر صبر و برداشت کا طریقہ لیا ہوگا، پھر امام طحاوی کے ساتھ کہ وہ نہ صرف ایک تلمیذ بلکہ بھانجے بھی تھے وہ کیسے ایسی بے صبری و تنگ دلی کا مظاہرہ کرتے جو اس قصے میں گھڑا گیا ہے۔ (الحاوی ص ۱۸)

حافظ ابن حجر نے امام مزنی کی حلف کی توجیہات میں ایک وجہ بعض فقہاء سے یہ بھی نقل کی ہے کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ ”جو شخص اہل حدیث کا مذہب ترک کر کے اہل رائے کا مذہب اختیار کرے گا وہ فلاح نہیں پائے گا“۔

بغرض صحت واقعہ امام مزنیؒ نے جس وقت حلف کے ساتھ وہ جملہ امام طحاوی کو فرمایا ہوگا، اس وقت انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ مذہب تبدیل کر دیں گے، پھر جب کہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تبدیلی مذہب کافی عرصہ کے بعد اور دونوں فقہ کے مطالعہ و موازنہ کے بعد عمل میں آئی ہے۔

اہل حدیث کون ہیں:

رہی یہ تعریف کہ اہل حدیث وہی لوگ ہیں، دوسرے نہیں، علامہ کوثری نے اس کا بہت معقول جواب دیا ہے، فرمایا کہ اس بے دلیل دعوے کو ہم ان لوگوں کی زبانوں سے سننے کے عادی ہو چکے ہیں جو سلامت فکر سے محروم ہیں وہ اگر اچھی طرح سوچتے، سمجھتے کہ خود ان کے اصحاب مذہب نے قیاس شبہ و مناسبتہ اور رد مرسل میں تو کس قدر توسع کیا اور قبول حدیث میں اتنا تساہل کہ ہر کہ دمہ کی روایت لے لی، اور وہ پوری طرح اگر مسند ابی العباس اصم کا مطالعہ کرتے تو یقیناً اپنے اس ادعا سے باز آجاتے، اہل سنت کے طبقات میں سے کون سا طبقہ ایسا ہے جو حدیث کو اصول استنباط کا دوسرا درجہ نہیں دیتا؟ لیکن یہ ضرور ہے کہ حدیث کے متن و سند کو نقد تویم کی چھلنی میں ضرور چھاننا پڑے گا، ہر ناقل حدیث کی روایت کو بغیر بحث و تحقیق کے قبول کرنے کی آزادی نہیں ہو سکتی۔ اللہ ولی الہدایہ (حاوی ص ۱۸)

امام طحاوی بسلسلہ امام اعظمؒ:

امام طحاوی بواسطہ امام مزنی امام شافعیؒ کے تلمیذ تھے اور ان دو کے واسطے سے امام مالکؒ و امام محمدؒ کے اور ان تینوں کے واسطے سے امام اعظمؒ کے تلمیذ تھے، امام طحاوی کے شیوخ بکثرت تھے، ان میں مصری، مغارہ، یمنی بصری، کوفی، حجازی، شامی، خراسانی وغیرہ سب ہی ہیں۔ کیونکہ امام طحاوی نے طلب حدیث و فقہ کے لئے اسفار کئے اور مصر میں جو بھی علماء آتے تھے ان سب سے استفادہ ضرور کرتے تھے، اس طرح انہوں نے اپنے وقت کے تمام علماء مشائخ کا علم جمع کیا تھا، اسی لئے پھر خود بھی مرجع علماء روزگار ہوئے، ساری دنیا سے ہر مسلک و خیال کے اہل علم آپ سے استفادہ کے لئے مصر آتے تھے اور آپ کے بے نظیر تبحر، علمی و جامعیت سے حیرت میں پڑتے تھے۔

ذکر امانی الاحبار:

حضرت مخدوم و معظّم مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی دہلوی دام ظلہم، رئیس ادارہ تبلیغ نظام الدین دہلی نے حال ہی میں اپنی شرح معانی الآثار، مسمیٰ ”امانی الاحبار“ کی ایک جلد شائع فرمائی ہے جو کتاب مذکور کی بہترین محققانہ شرح اور علماء کے لئے نہایت قابل قدر علمی تحفہ ہے، پہلی جلد پر بڑی تقطیع کے ۴۴۴ صفحات میں شائع ہوئی ہے، جس کے شروع میں ۶۸ صفحہ کا مقدمہ ہے، اس میں امام طحاوی کے حالات پوری تحقیق و تفصیل سے لکھے ہیں۔

معانی الآثار، مشکل الآثار اور دوسری حدیثی تالیفات امام طحاوی کے شیوخ کا مکمل تذکرہ کیا ہے، پھر ایک فصل میں امام طحاوی کے کبار تلامذہ کا بھی ذکر کیا ہے، ثناء امام طحاوی کے عنوان سے حسب ذیل اقوام جمع کئے ہیں۔

ثناء اکابر علماء و محدثین

محدث ابن یونس اور ابن عساکر کا قول ہے کہ امام طحاوی ثقہ، ثبت فقیہ و عاقل تھے، انہوں نے اپنا نظیر و مثل نہیں چھوڑا (تذکرۃ الذہبی و تہذیب تاریخ دمشق)

شیخ مسلمہ بن قاسم الاندلسی نے فرمایا کہ امام طحاوی ثقہ جلیل القدر فقیہ، اختلاف علماء کے بڑے عالم اور تصنیف و تالیف کی بڑی بصیرت رکھتے تھے، امام ابو حنیفہ کے متبع تھے اور حنفی مذہب کی بہت حمایت کرتے تھے۔ (لسان)

علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ امام طحاوی سیر کے بڑے عالم، جمیع مذاہب، فقہاء کے واقف اور کوئی المذہب تھے۔ (جامعہ بیان العلم)

علامہ سمعانی نے فرمایا کہ امام طحاوی ایسے بڑے امام ثقہ، ثبت، فقیہ و عالم تھے کہ اپنا مثل نہیں چھوڑا (کتاب الانساب)

علامہ ابن جوزی کا قول ہے کہ امام طحاوی ثبت، فہیم، فقیہ و عاقل تھے (المعتظم)

علامہ سبط ابن الجوزی نے فرمایا امام طحاوی فقیہ، ثبت، فہیم و عاقل تھے اور ان کے فضل، صدق، زہد و ورع پر علماء کا اتفاق ہے۔ (مرآة الزمان)

حافظ ذہبی نے فرمایا کہ امام طحاوی فقیہ، محدث، حافظ حدیث، ثقہ، ثبت، عاقل اور اعلام میں سے ایک تھے (تاریخ کبیر) اور تذکرۃ

الحفاظ میں ان کا ذکر خلیل، ابوبکر رازی، حافظ ابوعوانہ، ابن جارود وغیرہ اکابر، محدثین و حفاظ حدیث کے طبقہ میں کیا اور اس طرح لکھا: "علامہ،

حافظ صاحب تصانیف بدیعہ، ابو جعفر احمد بن محمد سلامہ بن سلمۃ الازدی الحجری المصری الحنفی"، حافظ ابن کثیر نے ہدایہ میں ۳۲۱ھ میں لکھا ہے

کہ اسی سنہ میں اعیان میں احمد بن محمد بن سلامہ ابو جعفر طحاوی، فقیہ حنفی صاحب مصنفات مفیدہ و فوائد عزیزہ فوت ہوئے اور وہ ثقات، اثبات

اور حفاظ جہادہ میں سے تھے، اسی طرح علامہ صلاح صفدی نے وافی میں، یافعی نے مرآة میں، علامہ سیوطی نے حسن المحاضرہ میں، ابن عماد

حبلی نے شذرات الذہب میں، ابن طغری نے النجوم الزاہرہ میں، ابن ندیم نے فہرست میں، خفاجی مصری نے شرح شفاء میں اور علامہ عینی

نے نخب الافکار میں، امام طحاوی کو ثقہ بارع فی الفقہ والحدیث، حافظ و ناقد حدیث، شیخ الحنفیہ، احد الاعلام، شیخ الاسلام الامام العصر، بلا مدافعتہ،

علم فقہ، حدیث اختلاف العلماء، لغت، نحو وغیرہ میں یکتائے روزگار، حدیث و علل اور تاریخ و منسوخ میں بڑا علم اور ید طولیٰ رکھنے والا قرار دیا۔

محدث طبرانی، ابوبکر خطیب بغدادی، ابوعبداللہ حمیدی، حافظ مزنی وغیرہ نے مدح و ثنا کی، علامہ عینی نے امام طحاوی کی ثقاہت، دیانت

و فضیلت تامہ کو مجمع علیہ کہہ کر یہ بھی فرمایا کہ "وہ قرآن و حدیث سے استنباط حکام اور تفقہ میں اپنے ہم سن معاصرین اور شرکاء، روایت اصحاب

صحاح و سنن سے زیادہ اثبت و فائق تھے اور یہ بات ان دونوں کے کلام میں موازنہ کرنے سے واضح ہے اور ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق امام

طحاوی کی تصانیف علوم عقلیہ و نقلیہ سے بھی ہو سکتی ہے، بالخصوص روایت حدیث، معرفت رجال اور کثرت شیوخ کے لحاظ سے تو یہ امر متیقن

ہے کہ وہ بھی امام بخاری، امام مسلم اور دوسرے اصحاب صحاح و سنن کی طرح بڑے پایہ کے امام حدیث، ثبت ثقہ و حجت تھے۔"

امام طحاوی مجدد تھے:

حضرت الاستاذ المعظم شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ علامہ ابن اثیر جزری نے امام طحاوی کو مجدد کہا ہے، میں کہتا ہوں کہ وہ واقعی امام

حدیث و مجتہد تھے اور شرح حدیث و بیان محال حدیث و اسولہ و اجوبہ کے لحاظ سے وہ مجدد بھی تھے، کیونکہ پہلے محدثین صرف روایت حدیث متناو

سندا کرتے تھے، معانی حدیث و محال وغیرہ پر بحث نہیں کرتے تھے (امام طحاوی نے اس نئے طرز میں لکھا اور اتنا سیر حاصل لکھا کہ حق ادا کر گئے)

فن رجال اور امام طحاوی:

فن رجال میں ان کے کمال و سمعت علم کا اندازہ ان مواقع میں ہوتا ہے جب وہ احادیث متعارضہ پر بحث کرتے ہیں، معانی الآثار،

مشکل الآثار اور تاریخ کبیر (فی الرجال) میں بکثرت اس کی مثالیں ملتی ہیں، افسوس ہے کہ امام طحاویؒ کی تاریخ کبیر اس وقت ناپید ہے مگر اس سے نقول اکابر محدثین کی کتابوں میں موجود ہیں جن سے اس کی عظمت ظاہر ہوتی ہے (حاوی و مقدمہ امانی الاحبار ملخصاً)

جرح و تعدیل اور امام طحاوی:

جرح و تعدیل کے بارے میں امام طحاویؒ کی رائے بطور سند کتب جرح و تعدیل میں ذکر ہوئی ہے اور معانی الآثار میں بھی یہ کثرت روایت کی جرح و تعدیل پر انہوں نے کلام کیا ہے اور مستقل کتاب بھی لکھی جس کا ذکر اوپر ہوا اور ”نقض المدلسین“ کراچی کے رد میں لکھی، ابو عبید کی کتاب السنۃ کی اغلاط پر مستقل تصنیف کی۔

حافظ ابن حجر کا تعصب:

لیکن نہ تو خود امام طحاوی کی تاریخ کبیر وغیرہ اس وقت موجود ہیں نہ ان کے اکابر تلامذہ کی کتابیں جن سے ان کے سب اقوال معلوم ہو سکتے، حافظ ابن حجر جو کچھ اوپر سے لیتے ہیں اس میں وہ حنفیہ کے ساتھ پوری عصبيت برتتے ہیں، چنانچہ خود ان کے تلمیذ حافظ سخاوی کو اپنی تعلیقات دررکامنہ میں متعدد جگہ اعتراف کرنا پڑا کہ حافظ ابن حجر جب بھی کسی حنفی عالم کا ذکر کرتے ہیں تو اس کو کم درجہ کا دکھلانے پر مجبور ہیں۔ اسی تعصب شدید کے باعث انہوں نے امام طحاوی کا ذکر نہ ان کے جلیل القدر شیوخ و اساتذہ کے حالات میں کیا اور نہ ان کے اعلیٰ درجہ کے تلامذہ و اصحاب کے حالات میں کیا۔

البتہ جن لوگوں میں کوئی کلام تھا ان کے ضمن میں ان کا ذکر ضرور کیا تا کہ ان کے ساتھ امام طحاوی کی قدر و منزلت بھی کم ہو جائے، پھر اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ یہ ہے کہ جن ضعیف روایت سے امام طحاوی نے کسی وجہ سے معدوے چند احادیث لے لی ہیں تو حافظ نے اس کو بڑھا چڑھا کر کہا کہ امام طحاوی نے ان سے بہت زیادہ روایت کی ہے اور بہت سے اعلیٰ درجہ کے ثقہ رواۃ جن سے امام طحاوی نے بکثرت روایات لی ہیں ان کے حالات میں حافظ نے نہیں بتلایا کہ یہ امام طحاوی کی رواۃ میں ہیں۔

اسی طرح تہذیب و لسان میں امام طحاوی کے اقوال جرح و تعدیل بھی صرف ضرورتاً کہیں کہیں لے لئے ہیں، حافظ ابن حجر کی اسی روش کے باعث حضرت شاہ صاحبؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس قدر نقصان رجال حنفیہ کو حافظ سے پہنچا ہے اور کسی سے نہیں پہنچا کیونکہ تہذیب الکمال مزنی میں (جس کا خلاصہ تہذیب التہذیب للمحافظ ہے) بہ کثرت آئمہ محدثین کے حالات میں ان کے شیوخ و تلامذہ میں حنفیہ تھے، جن کا ذکر حافظ نے حذف کر دیا ہے، دوسری کتب کی نقول سے ان کا پتہ چلتا ہے، توقع ہے کہ تہذیب الکمال حیدرآباد سے جلد شائع ہوگی، تب موازنہ ہو سکے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مقدمہ امانی الاحبار:

مقدمہ امانی الاحبار میں معانی الآثار اور مشکل الآثار کے رواۃ پر امام طحاوی کے کلمات جرح و تعدیل کو یک جا کر دیا ہے جس سے ایک نظر میں امام موصوفؒ کی بالغ نظری و وسعت علم کا انداز ہو جاتا ہے۔

ناقدین امام طحاوی:

اوراق سابق میں تحریر ہوا کہ اکابر محدثین نے امام طحاویؒ کی ہر طرح توثیق مدح کی ہے لیکن چند حضرات نے کچھ نقد بھی کیا ہے۔

امام بیہقی:

ان میں سے ایک تو امام بیہقی ہیں، ان کا نقد و جواب جو اہر مہیئہ میں بہ تفصیل موجود ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ امام بیہقی نے اپنی کتاب اوسط معروف با آثار و سنن میں کہا کہ امام طحاوی کی کتاب (معانی الآثار) میں نے دیکھی تو اس میں کتنی ہی احادیث ضعیفہ کی اپنی رائے کی وجہ سے تصحیح کر دی ہے اور کتنی ہی صحیح حدیثوں کو اپنی رائے کی وجہ سے ضعیف کہہ دیا ہے، شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے امام طحاوی کی کتاب دیکھی اور اپنے استاد قاضی القضاة علی الدین ماردینی کے فرمانے پر اس کی شرح لکھی، اس کی اسانید پر کلام کیا، اس کی احادیث و اسناد کو صحاح ستہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور دوسری کتب حفاظ حدیث کی روایت کردہ احادیث کے ساتھ مطابقت دی اور اس کا نام ”الحاوی فی بیان الآثار الطحاوی“ رکھا۔

حاشا وکلا! جو بات امام بیہقی نے ان کی کتاب مذکور کی طرف منسوب کی ہے وہ اس میں کہیں بھی نہیں ہے، اسی طرح صاحب کشف الظنون نے بھی کہا کہ امام بیہقی نے جو کچھ امام طحاوی کے بارے میں کہا ہے وہ بے بنیاد اتہام ہے اور وہ بھی ایسے شخص پر جس پر اکابر مشائخ حدیث نے اعتماد کیا ہے (مقدمہ امانی ص ۵۵)

علامہ ابن تیمیہ:

دوسرے ناقد علامہ ابن تیمیہ ہیں انہوں نے منہاج السنہ میں حدیث رد شمس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث موضوع ہے اور طحاوی نے اس کو روایت کر دیا ہے کیونکہ وہ نقد حدیث کے ماہر نہ تھے اور ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح بھی اپنی رائے کی وجہ سے دیا کرتے تھے، ان کو دوسرے اہل علم کی طرح اسناد کی معرفت نہ تھی، اگرچہ وہ کثیر الحدیث تھے اور فقیہ و عالم تھے۔
علامہ نے حدیث مذکور کی روایت کی وجہ سے امام طحاوی پر نقد مذکور کیا ہے، حالانکہ اس کو روایت کرنے والے وہ تہا نہیں ہیں بلکہ اور بہت سے محدثین متقدمین و متاخرین نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور موضوع نہیں قرار دیا۔

علامہ ابن جوزی:

علامہ خفاجی مصری نے شرح شفاء میں کہا کہ اس حدیث کو بعض حضرات نے موضوع کہا ہے، حالانکہ حق کے خلاف ہے اور ان کو دھوکہ ابن جوزی کے کلام سے ہوا ہے حالانکہ ان کی کتاب میں بے جا تشدد ہے، ابن صلاح نے کہا ہے کہ انہوں نے بہت سی صحیح احادیث کو موضوعات میں داخل کر دیا ہے۔

پھر لکھا کہ اس حدیث کو تعدد طرق کی وجہ سے امام طحاوی نے صحیح قرار دیا ہے اور ان سے قبل بھی بہت سے آئمہ حدیث نے اس کو صحیح کہا ہے اور ترجیح کی، مثلاً ابن شاہین، ابن مندہ، ابن مردویہ نے اور طبرانی نے حسن کہا، امام سیوطی نے مستقل رسالہ میں اس حدیث کی متعدد طرق سے روایت کی اور پوری طرح تصحیح کی، لہذا معلوم ہوا کہ علامہ ابن تیمیہ اور ابن جوزی نے جو اس کو موضوع کہہ کر اعتراض کیا ہے وہ ان کی تخمینی غیر تحقیقی رائے ہے۔

حافظ ابن حجر:

امام طحاوی پر نقد کرنے والوں میں تیسرے نمبر پر حافظ ابن حجر ہیں، انہوں نے لسان المیزان میں ان کا ذکر لامتکلم فیہ قرار دیا پھر امام

بیہتی کا قول مذکور نقل کیا جس کا جواب گزر چکا۔

اس کے بعد مسلمہ بن قاسم اندلسی کے ایک قول سے امام طحاوی کو متہم قرار دیا حالانکہ امام ذہبی نے میزن میں اس کو ضعیف کہا اور مشبہہ میں سے قرار دیا اور اسی مسلمہ نے امام بخاری پر الزام لگایا تھا کہ انہوں نے اپنے استاد علی بن مدینی کی کتاب العلیل چرا کر نقل کرائی، پھر اس کی مدد سے جامع صحیح بخاری تالیف کی جس سے ان کی اتنی عظمت بڑھی، حافظ نے تہذیب میں اس اتہام کو ذکر کر کے کہا یہ واقعہ غلط ہے کیونکہ بے سند ہے، لیکن اسی شخص سے حافظ نے امام طحاوی پر تہمت نقل کی تو اس کو بے سند نہیں کہا۔ اس کی تفسیر کی۔

امام طحاوی بڑے مجتہد تھے:

حضرت مولانا عبدالحی صاحب نے تعلیقات سنہ میں فرمایا کہ امام طحاوی مجتہد تھے اور امام ابو یوسف و امام محمد کے طبقہ میں تھے ان کا مرتبہ ان دونوں سے کم نہیں تھا (مقدمہ امانی ص ۵۹)

تالیفات امام طحاوی

امام موصوف کی تمام تالیفات جمع و تحقیق اور کثرت فوائد کے لحاظ سے نہایت ممتاز و مقبول رہی ہیں، فقہاء مدققین اور علماء محققین نے ان کو ہمیشہ بڑی قدر کی نظر سے دیکھا ہے، لیکن بہ نسبت متاخرین کے متقدمین میں ان کا اعتنا زیادہ رہا ہے، اسی لئے ان کی کتابیں بہت کم طبع ہوئیں، ان میں سے مشہور و اہم تالیفات حسب ذیل ہیں۔

(۱) معانی الآثار:

حسب تحقیق ملا علی قاری یہ کتاب امام موصوف کی سب سے پہلی تصنیف ہے اور اس کو بغور و انصاف مطالعہ کرنے والا حسب ارشاد حافظ عینی اس کو دوسری تمام کتب مشہورہ متداولہ مقبولہ پر ترجیح دے گا اور فرمایا کہ اس بات میں شک کرنے والا یا جاہل ہوگا یا متعصب، چنانچہ جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ پر تو اس کی ترجیح اس قدر واضح ہے کہ کوئی عالم و عاقل اس میں شک نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں وجوہ استباطات کا بیان و جرح معارضات کا اظہار اور ناسخ و منسوخ کی تمیز وغیرہ ایسے امور ہیں جو ان دوسری کتابوں میں نہیں ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ اس میں کچھ ضعیف روایات بھی ہیں تو کہا جائے گا کہ کتب مذکورہ بھی اس سے خالی نہیں ہیں، باقی سنن دارقطنی، سنن دارمی اور سنن بیہقی وغیرہ کو تو کسی اعتبار سے بھی معانی الآثار کے برابر نہیں رکھا جاسکتا، چنانچہ اس کی خدمت نہیں ہوئی اور اس کے مضامین عالیہ و تحقیقات فائقہ کو نمایاں نہیں کیا گیا اس لئے وہ مخفی خزانوں کی طرح اکثر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہے، کم ہمت و کم فہم متاخرین نے اس کے مطالعہ و استفادہ سے گریز کیا اور مخالفوں نے احناف و کتب احناف کے خلاف پروپیگنڈے کا سلسلہ برابر جاری رکھا جس سے اس کے محاسن پوشیدہ رہے اور حق دار اپنے حق سے محروم رہے، اب خدا کا شکر ہے کہ ان دبی ہوئی چیزوں کے ابھرنے کا وقت و موقعہ آیا ہے۔ (واللہ المستعان)

علامہ ابن حزم اور معانی الآثار کی ترجیح موطاً مالک پر:

علامہ ابن حزم اندلسی ظاہری اپنی رائے پر جمود اور تشدد میں ضرب المثل ہیں کہ اپنے مخالف کی سخت الفاظ میں تجھیل و تحمیق ان کا خاص شعار ہے حتیٰ کہ آئمہ و محدثین کبار کی بھی تردید کرتے ہیں تو نہایت درشت و نازیبالہجہ میں کرتے ہیں، آئمہ احناف سے بھی زیادہ تعصب رکھتے ہیں مگر باوجود اس کے امام طحاوی کی جلالت قدر سے اس قدر متاثر ہیں کہ اپنی کتاب مراتب الدیانہ میں مصنف طحاوی کو موطاً امام مالک پر ترجیح دی ہے، حالانکہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے عبالہ نافعہ میں موطاً امام مالک کو صحیحین (بخاری و مسلم) کی اصل و ام قرار دیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب اور معانی الآثار:

ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ بھی شرح معانی الآثار مذکور کو سنن ابی داؤد کے درجہ میں فرمایا کرتے تھے، غرض یہ امر ناقابل انکار ہے کہ اس کا مرتبہ سنن اربعہ سے تو کسی طرح کم نہیں بلکہ ان میں سے اکثر پر اس کو ترجیح ہے۔

افسوس ہے کہ بعض حضرات نے علامہ ابن حزم کی ترجیح مذکور کو ان کی جلالت شان کے خلاف سمجھا اور لکھا ہے حالانکہ خاص اس معاملہ میں ہمیں کوئی بات ایسی معلوم نہیں ہوئی۔ والعلم عند اللہ۔

معانی الآثار کے خصائص و مزایا:

یہاں ہم معانی الآثار کی چند خصوصیات، محاسن و مزایا بھی کرتے ہیں تاکہ تعارف کامل ہو جائے، اس کو مقدمہ امانی ص ۶۴ سے ترجمہ کیا جاتا ہے، جزى الله مؤلفه خير الجزاء

۱- اس میں بہت سی وہ صحیح احادیث ہیں جو دوسری کتب حدیث میں نہیں پائی جاتیں۔

۲- امام طحاوی اسانید حدیث بہ کثرت نقل کرتے ہیں، اس لئے بیشتر احادیث مرویات وغیرہ سے اس میں مہم زیادات ملتی ہیں اور تعداد اسانید سے حدیث قوی ہو جاتی ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دوسروں نے ایک حدیث کو ضعیف سند سے نقل کیا تھا، امام طحاوی اس کو قوی سے سند سے لائے ہیں یا ان کے یہاں ایک طریق سے مروی تھی یہاں بہت سے طرق ذکر کئے اور اس سے محدث کو بہت سے نکات و فوائد مہمہ حاصل ہو جاتے ہیں کہیں ایسا ہوا ہے کہ دوسروں نے کسی حدیث کو بطریق تدلیس روایت کیا تھا، امام طحاوی نے اس سے تدلیس کا عیب ہٹا دیا کہیں ایسا ہے کہ دوسروں نے حدیث کی روایت کسی ایسے راوی سے کی جو آخر عمر میں متصف بہ اختلاط ہو گیا تھا، امام طحاوی اس راوی سے قبل اختلاط کی روایت لاتے ہیں، کہیں ایسا ہوا ہے کہ دوسروں نے ایک حدیث کو مرسل، منقطع یا موقوف طریقہ سے روایت کیا تھا، امام نے اس کو بطریق اتصال و مرفوع روایت کیا، اسی طرح امام اپنی کتاب میں دوسروں کے غیر منسوب رواۃ کی نسبت بتلا دیتے ہیں، مبہم کا تسمیہ مشتبہ کی تمیز، مجمل کی تفسیر، اضطراب و شک راوی کا سبب بیان کر دیتے ہیں اور اسی قسم کے اور فوائد کثیرہ متنوعہ اس میں ملیں گے۔

۳- معانی الآثار میں بہ کثرت آثار صحابہ و تابعین و اقوال آئمہ ذکر کئے گئے جو امام طحاوی کے معاصر محدثین کی کتابوں میں نہیں ہوتے، پھر امام طحاوی آئمہ کا کلام حدیث و رجال کی تصحیح، ترجیح یا تضعیف میں بھی نقل کرتے ہیں۔

۴- مسائل فقہ پر رجمہ باندھتے ہیں پھر احادیث لاتے ہیں اور ایسے دقیق استنباط ذکر کرتے ہیں کہ ان کی طرف اذہان کم متوجہ ہوتے ہیں۔

۵- پوری کتاب فقہی ابواب پر مرتب ہے لیکن بہت سے مواقع نہایت لطیف طریقوں سے خصوصی مناسبات پیدا کر کے ایسی احادیث لاتے ہیں جو بظاہر ان ابواب سے متعلق معلوم نہیں ہوتیں جیسے باب المیاء میں حدیث "المسلم لا ینجس" اور حدیث "بول اعرابی اور مسجد یا حدیث "قراة فی الفجر" باب وقت الفجر میں وغیرہا۔

۶- ادلہ احناف کے ساتھ دوسروں کے دلائل بھی ذکر کرتے ہیں، تمام اخبار و آثار پر سند و متن، روایت و نظر کے لحاظ سے مکمل بحث و تحقیق کرتے ہیں اور اس اعتبار سے یہ کتاب تفقہ و تعلیم طرق تفقہ اور ملکہ تفقہ کو ترقی دینے کے لئے بے نظیر و بے مثل ہے اس کے بعد بھی کوئی اسی نافع و مفید کتاب سے صرف نظر و تغافل برتتے تو یہ عقل و انصاف سے بہت بعید ہے۔

معانی الآثار کے بہت سے شیوخ وہی ہیں جو مسلم شریف کے ہیں، ان کی بیشتر احادیث و اسناد وہی ہیں جو صحاح ستہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور دیگر کتب حفاظ حدیث کی ہیں اور کتاب کے خصائص و محاسن کچھ اوپر لکھے گئے ان سے بھی کتاب مذکور کی مزید عظمت و افادیت واضح ہے۔

علامہ عینی (شارح بخاری ومعانی الآثار) نے برسوں تک جامعہ مؤیدہ مصر میں ”معانی الآثار“ کا درس دیا ہے، ملک مؤید بڑا عالم اور علم دوست بادشاہ تھا، علماء کو جمع کر کے علمی بحثیں کیا کرتا تھا، حدیث کی بڑی بڑی کتابوں کے لئے خاص طور سے الگ الگ نمایاں مسندیں بنوائی تھیں جن پر بیٹھ کر علماء درس حدیث دیا کرتے تھے، ایک مسند کرسی معانی الآثار کے لئے مقرر کی تھی جس کے لئے علامہ عینی کو نامزد کیا تھا، چنانچہ آپ نے مدتوں تک اس کا درس بڑی خوبی و تحقیق سے دیا، ظاہر ہے کہ ایک طرف دوسری امہات کتب بخاری و مسلم وغیرہ کے شیوخ ملک مؤید کے مقرر کردہ بیٹھ کر درس دیتے ہوں گے اور دوسری طرف حنفیہ کی واحد کتاب معانی الآثار کا درس علامہ عینی دیتے ہوں گے تو علامہ عینی کا درس کس شان کا ہوتا ہوگا۔

علامہ عینی نے غالباً اسی زمانہ میں معانی الآثار کی دونوں شرحیں لکھیں جن ذکر آگے آتا ہے، آج بھی اس کی ضرورت ہے کہ ”معانی الآثار“ ہمارے دورہ حدیث کا باقاعدہ جزو بن کر اس کا درس بخاری و ترمذی کی طرح پوری تحقیق و تدقیق کے ساتھ دیا جائے، اگر ملک مؤید کے زمانہ میں اس کے درس کا اہتمام ضروری تھا تو آج اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے، کمالات یخفی علی اہل العلم و البصیرۃ۔

اگر معانی الآثار کا درس اس کی شرح کو سامنے رکھ کر دیا جائے، طلبہ حدیث کو ہدایت ہو کہ الجواہر النقی، جامع مسانید امام اعظم، کتب امام ابو یوسف و کتب امام محمد، عمدۃ القاری، عقود الجواہر المنیقہ وغیرہ کا لازمی طور سے خارج اوقات درس میں مطالعہ کریں اور جہاں ضرورت ہو اساتذہ سے رجوع کریں تو ہمارے طلبہ صحیح معنی میں عالم حدیث ہو کر نکلیں اور جو کمی آج محسوس ہو رہی ہے اس کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

معانی الآثار کی شرح میں سے علامہ قرشی کی شرح ”حاوی“ اس لحاظ سے بہت زیادہ اہم ہے کہ اس کی احادیث کو صحاح ستہ و دیگر کتاب حدیث کی احادیث کے ساتھ مطابق دکھایا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس کا کچھ حصہ دارالکتب مصریہ میں موجود ہے، کاش پوری کتاب بھی کہیں ہو اور طبع ہو جائے۔

امام بیہقی نے جو اعتراضات امام طحاوی پر کئے تھے ان کے جواب میں قاضی القضاة شیخ علاء الدین ماردینی نے الجواہر النقی فی الرد علی بیہقی لکھی جس کا جواب آج تک کسی سے نہ ہو سکا، واقعی بے مثل تحقیقی کتاب ہے، دو جلدیں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہیں اور سنن بیہقی کے ساتھ بھی شائع ہوئی ہے۔

اس میں مؤلف موصوف نے خاص طور سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ جس قسم کے اعتراضات امام بیہقی نے امام طحاوی پر کئے ہیں، ان سب کے مرتکب وہ خود ہیں اور امام طحاوی ان سے بری ہیں، مثلاً وہ اپنے مذہب کی تائید میں کوئی ضعیف سند حدیث لاتے ہیں اور اس کی توثیق کر دیتے ہیں اور ایک حدیث ہمارے مذہب کے موافق لاتے ہیں جس کی سند میں وہی شخص راوی ہوتا ہے جس کی اپنے معاملہ میں توثیق کر چکے تھے، لیکن دو چار ورق کے بعد ہی یہاں اس کی تضعیف کر دیتے ہیں، بہ کثرت ایسا کرتے ہیں، اس وقت دونوں کتابیں مطبوعہ موجود ہیں جس کو شک ہو وہ دیکھ سکتا ہے، دوسری بہترین شرح حافظ عینی (شارح بخاری) کی مبنی الاخبار ہے جو دارالکتب المصریہ میں خود مؤلف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ۶ جلدوں میں موجود ہے اس میں رجال پر کلام نہیں ہے، کیونکہ اس کے لئے مؤلف موصوف نے مستقل کتاب معانی الاخبار لکھی تھی وہ بھی دو جلدوں میں ہے، حافظ عینی کی یہ عظیم الشان خدمت بھی شرح بخاری سے کم درجہ کی نہیں ہے۔ (حاوی علامہ کوثری)

تیسری قابل ذکر شرح علامہ عینی کی ہی ہے ”نخب الافکار فی شرح معانی الآثار“ جس میں علامہ نے رجال پر بھی شرح معانی حدیث کے ذیل ہی میں بحث کی ہے جیسا کہ عمدۃ القاری ”شرح بخاری“ میں کی ہے، اس کا بھی قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ میں ہے اور کچھ اجزاء استنبول کے کتب خانوں میں بھی ہیں، پوری کتاب ۸ ضخیم جلدوں میں ہے۔

چوتھی بہترین شرح خدا کے فضل بے پایاں سے وہ ہے جو حضرت العلام مولانا محمد یوسف صاحب دام ظلہم و علم فیضہم امانی الاحبار کے نام سے تالیف فرما رہے ہیں جس کی ایک جلد شائع ہو چکی ہے ان کے پاس حافظ عینی کی شرح مذکورہ کے بھی کچھ حصے موجود ہیں جس سے توقع ہے کہ یہ

شرح تمام شروح سابقہ کا بہترین خلاصہ و نیچوڑ ہوگا، اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو اس کے تمام و تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائے و ما ذلک علی اللہ بعزيز۔ علامہ کوثری نے معانی الآثار کی تلخیص کرنے والوں میں حافظ مغرب علامہ ابن عبدالبر مالکی اور حافظ زیلیعی حنفی (صاحب نصب الراية) کے اسماء گرامی تحریر فرمائے ہیں۔

۲- مشکل الآثار:

اس میں احادیث کے تضاد رفع کئے ہیں اور ان سے احکام کا استخراج کیا ہے، یہ آخری تصنیف ہے استنبول کے مکتبہ فیض اللہ شیخ الاسلام میں مکمل ۷ ضخیم مجلدات میں موجود ہے، حیدرآباد سے جو چار جلدیں طبع ہوئی ہیں وہ غالباً پوری کتاب کا نصف سے بھی کم حصہ ہے۔ علامہ کوثری نے فرمایا کہ جن لوگوں نے امام شافعی کی "اختلاف الحدیث" اور ابن قتیبہ کی "مختلف الحدیث" دیکھی ہوں اور پھر امام طحاوی کی کتاب مذکور بھی دیکھیں تو وہ امام طحاوی کی جلالت قدر و وسعت علم کے زیادہ قائل ہوں گے۔

۳- اختلاف العلماء:

یہ تصنیف مکمل نہیں ہو سکی تاہم ۱۳۰ جزو حدیثی میں بیان کی جاتی ہے، علامہ کوثری نے فرمایا کہ اس کی اصل میں نہیں دیکھ سکا البتہ اس کا خلاصہ جو ابوبکر رازی نے کیا ہے مکتبہ جار اللہ استنبول میں موجود ہے اس مختصر میں آئمہ اربعہ، اصحاب آئمہ اربعہ، نخعی، عثمانی، ثوری، لیث بن سعد، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ، حسن بن حمی وغیرہ مجتہدین و کبار محدثین متقدمین کے اقوال ذکر کئے ہیں جن کی آراء آج مسائل خلافیہ میں معلوم ہو جائیں تو بہت بڑا علمی نفع ہو، کاش! وہ اصل یا یہ مختصر ہی شائع ہو جائے۔ (حاوی علامہ کوثری)

۴- کتاب احکام القرآن:

۲۰ جزو میں احکام القرآن پر تصنیف ہے قاضی عیاض نے اکمال میں فرمایا کہ امام طحاوی کی ایک ہزار ورق کی کتاب تفسیر قرآن میں ہے اور وہ ان کی احکام القرآن ہے۔ (حاوی)

۵- کتاب الشروط الکبیر:

۴۰ جزو کی کتاب ہے جس کا کچھ حصہ بعض مستشرقین یورپ نے طبع کرایا ہے، کچھ اجزاء قلمی اس کے استنبول کے کتاب خانوں میں ہیں، اس کے علاوہ ۶ الشروط الاوسط اور ۷ الشروط الصغیر بھی ہیں اور ان سب سے امام طحاوی کا علم شروط و توثیق میں بھی کمال ظاہر ہے۔

۸- مختصر الامام الطحاوی:

فقہ حنفی میں سب سے پہلی نہایت معتمد اعلیٰ تصنیف ہے، اس میں امام اعظم و اصحاب امام کے اقوال مع ترجیحات ذکر کئے ہیں، تصحیح و طبع کے پورے اہتمام سے احیاء المعارف العثمانیہ حیدرآباد نے ۱۳۷۰ھ میں شائع کر دی ہے، صفحات: ۴۷۸، اس کی بہت شروح لکھی گئیں سب سے اقدم و اہم اور روایت و روایت کے لحاظ سے مستحکم ابوبکر رازی بھاس کی شرح ہے جس کا کچھ حصہ دارالکتب المصریہ میں ہے اور باقی اجزاء استنبول کے کتب خانوں میں ہیں، مختصر المزنی کے طرز و ترتیب پر ہے جو فقہ شافعی کی مشہور کتاب ہے، امام طحاوی نے اس کے علاوہ فقہ میں

۹- مختصر کبیر و ۱۰- مختصر صغیر بھی لکھی ہیں۔

۱۱- نقص کتاب المدلسین:

۵۰ جزو کی کتاب ہے جس میں کراہیہ کی کتاب المدلسین کا بہترین رد کیا ہے کراہیہ کی کتاب بہت مضرو و خطرناک تھی اس میں اعداء سنت کو حدیث

کے خلاف مواد فراہم کیا گیا تھا اور اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے سب رواۃ حدیث کو گرانے کی سعی کی تھی تاکہ صرف وہ اور اس کا مذہب زندہ رہے۔

۱۲- الرد علی ابی عبید:

کتاب النسب میں جو غلطیاں انہوں نے کی تھیں ان کی تصحیح امام طحاوی نے کی۔ (الجواہر المہیئہ)

۱۳- التاریخ الکبیر:

ابن خلکان، ابن کثیر، یافعی، سیوطی، ملا علی قاری وغیرہ سب نے اس کا ذکر کیا ہے، ابن خلکان نے لکھا کہ میں نے اس کتاب کی تلاش میں انتہائی جستجو کی لیکن کامیابی نہ ہوئی، کتب رجال اس کی نقول سے بھری ہوئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت اہم اور معتمد ترین کتاب ہے۔

۱۴- کتاب فی النخل واحکامہا:

چالیس جزو کی اہم کتاب ہے۔ (حاوی)

۱۵- عقیدۃ الطحاوی:

علامہ کوثری نے فرمایا کہ اس میں اہل سنت والجماعت کے عقائد بہ لحاظ مذہب فقہا امت (امام اعظم واصحاب امام) بیان کئے ہیں جس کی بہت سی شروح لکھی گئی ہیں (حاوی)

۱۶- سنن الشافعی:

اس میں وہ سب احادیث جمع کر دی ہیں جو امام مزنی کے واسطے سے امام شافعی سے مروی ہیں، علامہ عینی نے کہا کہ ”مسند امام شافعی“ کو روایت کرنے والے اکثر امام طحاوی کے واسطے سے ہیں اسی لئے سنن الشافعی کو سنن الطحاوی بھی کہا جاتا ہے۔

۱۷- شرح المغنی:

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس سے بہت جگہ اخذ کیا ہے مثلاً باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیہ میں کہا کہ طحاوی نے شرح المغنی میں اس پر باب قائم کیا ہے اور اس کی ممانعت حضرت ابن عمرؓ پھر طاؤس نخعی سے نقل کی ہے۔ (مقدمہ امانی الاحبار) ان کے علاوہ دوسری تالیفات یہ ہے، ۱۱۸ النوادر الفقیہ ۱۰ جزو ہیں، ۱۱۹ النوادر والحکایات تقریباً ۲۰ جزو ہیں، ۲۰ جزوی حکم ارض مکہ، جزو فی قسم، ۲۱ الفستی والغنائم، ۲۲ کتاب الاشریہ، ۲۳ الرد علی عیسیٰ بن ابان، ۲۴ جزء فی الرزیہ، ۲۵ شرح الجامع الصغیر للامام محمد، ۲۶ شرح الجامع الکبیر، ۲۷ کتاب المحاضہ والسجلات، ۲۸ کتاب الوصایا، ۲۹ کتاب الفرائض، ۳۰ اخبار ابی حنیفہ واصحاب، ۳۱ کتاب التسویہ بین حدیثنا واخبرنا، ۳۲ کتاب صحیح الآثار، ۳۳ اختلاف الروایات علی مذہب الکوفیین، دورہ حدیث کے درسی سلسلہ کی مناسبت سے اصحاب صحاح ستہ اور امام طحاوی رحمہم اللہ کے حالات یکجا لکھنے کے بعد امام بخاریؒ کے سال وفات ۲۵۷ھ سے شروع کر کے اب دوسرے اکابر محدثین کے حالات بہ ترتیب وفیات ذکر کئے جاتے ہیں۔ واللہ المیسر والمتمم۔

۸- حافظ عبداللہ بن اسحاق ابو محمد الجوهری، معروف بہ حافظ بدعہم ۲۵۷ھ

آپ امام اعظمؒ کے مشہور شاگرد حافظ ابو عاصم النبیل کے مستملی تھے، امام ترمذی، ابو داؤد، نسائی و ابن ماجہ آپ کے حدیث میں شاگرد ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں آپ کو مستقیم الحدیث لکھا ہے، اگرچہ آپ کا ذکر حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نہیں کیا مگر حافظ

عبدالباقی بن قانع نے آپ کو حافظ حدیث کے لقب سے یاد کیا۔ (تہذیب التہذیب)

۹- امام ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بن عبد اللہ بن خالد بن فارس دہلی نیشاپوری، م ۲۵۸ھ

خراسان کے سب سے بڑے شیخ الحدیث تھے، حافظ ذہبی نے الذہلی شیخ الاسلام، حافظ نیشاپور لکھا اور ان کے طبقہ میں جس میں امام بخاری و مسلم بھی داخل ہیں سب سے پہلے آپ ہی کا ذکر کیا ہے، ۷۰ھ کے بعد پیدا ہوئے، طلب حدیث کے لئے تمام ممالک اسلامیہ کا تین بار سفر کیا اور بڑے بڑے شیوخ سے استفادہ کیا، تحصیل علم پر ڈیڑھ لاکھ روپے صرف کئے، حافظ ذہبی نے آپ کے اساتذہ میں حافظ عبد الرزاق (تلمیذ امام اعظم) عبد الرحمن بن مہدی، اسباط بن محمد، ابوداؤد طیالسی کے نام لکھ کر بتایا کہ اسی درجہ کے دوسرے مشائخ حرین، مصر و یمن وغیرہ سے استفادہ کر کے خصوصی امتیاز حاصل کیا، ثقہ اور تقویٰ، دیانت و متابعت سنت کے ساتھ علمی تفوق میں فرد کامل تھے، حسب تصریح امام احمد، امام زہری کی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے، امام احمد نے اپنی اولاد و اصحاب کو حکم دیا تھا کہ آپ کی خدمت میں جا کر احادیث لکھیں، سید الحافظ امام یحییٰ بن معین سے سعید بن منصور نے کہا کہ آپ امام زہری کی حدیثیں کیوں نہیں لکھتے؟ تو فرمایا کہ اس کام کو ہماری طرف سے محمد بن یحییٰ نے پورا کر دیا ہے۔

اس زمانہ کے مشائخ حدیث یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ”جس حدیث کو محمد بن یحییٰ نہ جانیں اس کا اعتبار نہیں“ حافظ فضلک رازی نے آپ کو سرتاپا فائدہ کہا اور کہا کہ آپ نے کبھی کسی حدیث میں غلطی نہیں کی ابو حاتم نے امام اہل زمانہ، امام نسائی نے ثقہ، ثابت، احد الائمہ فی الحدیث کہا، آپ کے تلمیذ حدیث حافظ ابن خزیمہ آپ کو امام اہل المصر بلا مدفعہ کہتے تھے، امام ابوبکر بن ابی داؤد نے امیر المؤمنین فی الحدیث کہا، دارقطنی نے کہا کہ جس شخص کو سلف کے علم کے مقابلہ میں اپنی بے بضاعتی کا اندازہ لگانا ہو اس کو آپ کی تصنیف، علل حدیث الزہری، کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

تمام ارباب صحاح ستہ فن حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں لیکن امام مسلم نے اپنی صحیح میں آپ سے کوئی روایت نہیں لی اور امام بخاری نے ۳۴ حدیث آپ سے اپنی صحیح میں روایت کی ہیں اگرچہ کسی جگہ بھی محمد بن یحییٰ نام نہیں لیا صرف محمد کہا یا دوسری نسبتوں سے ذکر کیا جس کو علامہ خزر جی نے خلاصہ میں تدلیس قرار دیا، امام بخاری کے حالات میں ذہلی سے ان کے اختلاف کا واقعہ نقل ہو چکا ہے، درحقیقت جس طرح امام بخاری ”الایمان قول و عمل“ میں تشدد تھے اسی طرح امام ذہلی تلفظ بالقرآن کو حادث و مخلوق کہنے کے سخت مخالف تھے یا امام اعظم کی طرح اس قسم کے مسائل کلامیہ پر رائے زنی کو فتوں کا فتح باب سمجھتے تھے جیسا کہ امام صاحب کے حالات میں گزر چکا ہے۔

امام ذہلی نے لوگوں کو روکا تھا کہ امام بخاری سے مسائل کلامیہ نہ پوچھیں مگر وہ نہ رکے اور امام بخاری نے جواب میں احتیاط نہ کی اور فتنے پیا ہوئے جس کی وجہ سے امام ذہلی، امام بخاری سے ناراض ہو گئے، ادھر بغداد کے محدثین نے بھی امام ذہلی کو لکھا کہ امام بخاری نے یہاں بھی ”تلفظ بالقرآن“ کے مسئلہ پر کلام کیا اور ہمارے منع کرنے پر نہیں رکے۔ (طبقات الشافعیہ للسیبکی ترجمہ امام بخاری)

اس کے بعد امام ذہلی نے اعلان کر دیا کہ جو شخص لفظی بالقرآن مخلوق کہے وہ مبتدع ہے اور کوئی شخص بخاری کے پاس نہ جائے ورنہ وہ بھی مہتمم ہوگا، امام ذہلی کے اس اعلان کے بعد سوا، امام مسلم اور احمد بن سلمہ کے سب لوگوں نے امام بخاری سے قطع تعلق کر لیا اور چونکہ امام ذہلی نے یہ بھی کہا تھا کہ جو شخص لفظی بالقرآن مخلوق کا قائل ہو وہ ہماری مجلس درس میں حاضر نہ ہو اور بتصریح حافظ ذہبی (ترجمہ ابی الولید) امام مسلم بھی لفظ بالقرآن کی طرف منسوب تھے اس لئے امام مسلم اسی وقت ذہلی کی مجلس سے اٹھ کر چلے گئے (کتاب الاسماء والصفات بیہقی) اور ان کے دل میں بھی امام ذہلی کی طرف سے ناگواری کا اثر ہوا، تاہم یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام مسلم، امام ذہلی و امام بخاری کے باہمی اختلافات مذکور سے الگ رہی ہے اور بقول حافظ ابن حجر انہوں نے یہ بھی انصاف کیا کہ اپنی صحیح میں نہ امام ذہلی سے روایت کی نہ امام بخاری سے، جس

طرح امام ابو زرعہ اور امام ابو حاتم کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی اسی بناء پر امام بخاری کی حدیث کو ترک کر دیا تھا۔ یہاں سے یات بھی معلوم ہوئی کہ معمولی اختلافی مسائل میں تشدد کرنا کسی طرح موزوں نہیں، اسی لئے نہ وہ تشدد موزوں تھا جو امام بخاری نے بہت سے مسائل میں اختیار کیا اور نہ وہ تشدد جو امام ذہبی نے مسئلہ مذکورہ میں کیا، آئمہ متبوعین خصوصاً امام اعظم کے حالات پڑھنے سے اندازہ ہوگا کہ ان حضرات کے یہاں ہر چیز کو اعتدال پر اور ہر معاملہ اپنی حدود میں رکھا جاتا تھا اور جہاں وہ مسائل جزئیہ میں متبوع و مقلد تھے، دوسرے امور و معاملات میں بھی صحیح رہنمائی کا حق ادا کر گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

۱۰- حافظ امام عباس بخرانی بن یزید بن ابی حبیب البصریؒ، م ۲۵۸ھ

حافظ ذہبی نے آپ کو امام الحافظ اور ان علماء میں لکھا جو علو روایت و معرفت حدیث کے جامع تھے، آپ نے امام وکیع، سید الحافظ، یحیی القطان، امان سفیان بن عیینہ، حافظ عبد لرزاق (تلامذہ امام اعظم) وغیرہ مشائخ سے حدیث حاصل کی اور آپ سے امام ابن ماجہ، ابن ابی حاتم اور دیگر آئمہ حدیث نے روایت کی، دارقطنی نے ثقہ، مامون اور ابو نعیم اصفحانی نے آپ کو حافظ حدیث میں سے کہا، ایک مدت تک ہمدان کے قاضی رہے، ہمدان، بغداد و اصفہان میں درس حدیث دیا ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (تذکرہ تہذیب)

۱۱- حافظ ہارون بن اسحاق بن محمد بن الہمدانی ابو القاسم الکوئیؒ، م ۲۵۸ھ

امام بخاری، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کے استاذ حدیث ہیں، امام بخاری نے جزء القراءۃ میں آپ سے روایت کی ہے، حافظ مزنی نے تہذیب الکمال میں اور علامہ خزر جی نے خلاصہ تہذیب تہذیب الکمال میں "حافظ حدیث" لکھا ہے، امام نسائی نے ثقہ اور ابن حزم نے خیار عباد اللہ میں سے کہا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

۱۲- حافظ ابو الیث عبد اللہ بن سرج بن حجر البخاریؒ، متوفی ۲۵۸ھ

مشہور حافظ حدیث امام ابو حفص کبیر کے اصحاب و تلامذہ میں سے تھے، آپ کو دس ہزار احادیث نوک زبان یاد تھیں اور عبدان آپ کی بہت تعظیم کرتے تھے، غنجانے "تاریخ بخارا" میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ (تقدمہ نصب الراية)

۱۳- امام ابو الحسن احمد بن عبد اللہ عجلیؒ، م ۲۶۱ھ

مشہور محدث جو نوجو رجال میں امام احمد اور امام یحییٰ بن معین کے ہمسر شمار کئے گئے ہیں، آپ کی تصانیف میں تاریخ رجال مشہور ہے جس کے حوالے کتابوں میں نقل ہوتے ہیں، آپ ہی کے حوالہ سے حافظ ابن ہمام نے فتح القدر ص ۴۲ ج ۱ (نوکلشور) میں نقل کیا ہے کہ کوفہ میں پہنچنے والے صحابہ کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی، رحمہ اللہ تعالیٰ و برد مضجعہ۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث)

۱۴- امام ابو بکر احمد بن عمر بن مہر خصاف، متوفی ۲۶۱ھ، عمر ۸۰ سال

مشہور عالم جلیل، محدث و فقیہ، زاہد و عارف، تلمیذ امام محمد و حسن (تلامذہ امام اعظم) ہیں۔ حدیث اپنے والد ماجد عاصم، ابو داؤد طیالسی، مسدد ابن سرہد، علی بن المدینی، یحییٰ الحمائی اور ابو نعیم فضل بن دکین (تلامذہ امام اعظم) سے روایت کی، حساب و علم الفرائض و معرفت مذہب حنفی میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے، اپنے علم و فضل کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، جو تہ سینا جانتے تھے اسی سے اپنی معاش حاصل کرتے تھے، جس سے خصاف کہلائے، خلیفہ مہدی باللہ کے لئے کتاب الخراج لکھی، جب خلیفہ مذکور مقتول ہوا تو آپ کا مکان بھی لوٹا گیا اور آپ کی بعض اہم

تصانیف ”مناسک الحج“ وغیرہ بھی ضائع ہو گئیں۔

دوسری مشہور تصانیف یہ ہیں: کتاب الوصایا، کتاب الرضاع، کتاب الشروط الکبیر والصغیر، کتاب الحاضر والسجلات، کتاب ادب القاضی، کتاب النفقات علی الاقارب، کتاب التحیل، کتاب احکام العصری، کتاب احکام الوقف، کتاب القصر واحکامہ، کتاب المسجد والقبر۔ (فوائد بیہ وحدائق) رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔

۱۵- حافظ ابو یوسف یعقوب بن شیبہ بصری مالکی م ۲۶۲ھ نزیل بغداد

کبار علماء حدیث میں سے تھے، نہایت عظیم مسند معلل تالیف کیا تھا، جو پورا ہو جاتا تو دو سو مجلدات میں سما جاتا، اس کا صرف مسند ابو ہریرہ دو سو جزو کا اور مسند علی پانچ جلدوں کا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ۵۷۷)

حضرت علامہ کشمیری نے نقل کیا کہ جب بغداد کی مسجد ”خليفة رصافة“ میں تشریف لے گئے تو ان کی مجلس علماء میں ستر ہزار آدمی جمع ہو گئے، سات مبلغ تھے جو تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر لوگوں کو شیخ کا کلام پہنچاتے تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔

۱۶- امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد حفص بن الزبرقان (ابو حفص صغیر) م ۲۶۳ھ

فقہ میں اپنے والد ماجد ابو حفص کبیر سے تخصص حاصل کیا، حدیث ابو الولید طلیسی، حمیدی اور یحییٰ بن معین وغیرہ سے حاصل کی، مدت تک طلب علم میں امام بخاری کے رفیق رہے، حافظ ذہبی نے لکھا کہ آپ ثقہ، امام متقی، زاہد، عالم ربانی، قبیح سنت بزرگ تھے، آپ کے والد امام محمد کے کبار تلامذہ میں تھے، بخارا میں ان دونوں پر علماء احناف کی سیادت ختم تھی اور ان سے آئمہ حدیث و فقہ نے تفقہ حاصل کیا۔

حافظ ذہبی نے آپ کی تصانیف میں سے ”الرد علی اهل الاہوا“ اور ”الرد علی اللفظیہ“ ذکر کی ہیں، امام بخاری نیشاپور پہنچے اور امیر بخارانے آپ کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا تو ابو حفص صغیر نے آپ کو بعض سرحدات بخارا کی طرف پہنچوا دیا تھا، رحمہم اللہ تعالیٰ (فوائد بیہ وحدائق)

۱۷- حافظ عصر امام ابو زرعة عبید اللہ بن عبد الکریم بن یزید بن فرخ الرازی

ولادت ۲۰۰ متوفی ۲۶۳ھ

علم حدیث کے مشہور امام اور اس میں امام بخاری کے ہمسر سمجھے جاتے ہیں، امام مسلم، ترمذی، نسائی وابن ماجہ آپ کے شاگرد ہیں، امام طحاوی نے فرمایا کہ ابو حاتم، ابو زرعة، ابن دارہ یہ تینوں رے میں ایسے تھے جن کی نظیر اس وقت روئے زمین پر نہ تھی۔

آپ نے طلب حدیث کے لئے بلاد اسلامیہ کا سفر کیا تھا، خود فرمایا کہ میں نے ابو بکر ابن شیبہ سے ایک لاکھ احادیث لکھیں اور اتنی ہی ابراہیم بن موسیٰ رازی سے، ایک شخص نے حلف اٹھالیا کہ اگر ابو زرعة کو ایک لاکھ حدیثیں یاد نہ ہوں تو میری بیوی کو طلاق ہے، پھر ابو زرعة سے اس کو بیان کیا تو فرمایا کہ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو، خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک لاکھ احادیث اس طرح یاد ہے جس طرح کسی کو قفل ہو اللہ یاد ہوتی ہے، ابو بکر بن ابی شیبہ آپ کے شیخ کا قول ہے کہ میں نے ابو زرعة سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا۔

حافظ عبد اللہ بن وہب دینوری کا بیان ہے کہ ایک موقع پر میں نے ابو زرعة سے کہا کہ آپ کو حماد کی سند سے امام ابو حنیفہ کی کتنی حدیثیں یاد ہیں؟ تو اس نے پر آپ نے حدیثوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا مناقب امام اعظم موفقی ص ۹۶ ج ۱ میں ہے کہ امام صاحب دو ہزار حدیثیں صرف حماد کی روایت فرماتے تھے اور مذکورہ بالا واقعہ سے یہ بھی معلوم ہا کہ امام صاحب کی روایات حدیثی یاد رکھنے کا بڑے بڑے محدثین کس قدر اہتمام کرتے تھے، ابو زرعة اور ابو حاتم دونوں خالہ زاد بھائی تھے، ابو حاتم نے بھی آپ کی بہت مدح و توصیف کی ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ

واسعۃ۔ (امام ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۸۶)

۱۸- امام ابو عبد اللہ محمد بن شجاع شلمجی بغدادیؒ، ولادت ۱۸۱ھ، متوفی ۶۲۶ھ

مشہور محدث و فقیہ عراق، متورع، عابد، قاری اور بحر العلم تھے، فقہ و حدیث میں تخصص امام حسن بن زیاد سے حاصل کیا اور دوسرے اکابر جن سے فقہ و حدیث میں استفادہ کیا یہ ہیں، حسن بن ابی مالک، اسماعیل بن حماد الامام الاعظم، عبد اللہ بن داؤد خزیمی، معلیٰ بن منصور، حبان صاحب امام اعظم، ابو عاصم النبیل، موسیٰ بن سلیمان جوزجانی، اسماعیل بن علیہ، کعب، واقدی، یحییٰ بن آدم، عبید اللہ بن موسیٰ وغیر ہم، جن حضرات نے آپ سے فقہ و حدیث میں خصوصی استفادہ کیا یہ ہیں: قاضی قاسم بن غسان، احمد بن ابی عمران، (شیخ امام طحاوی) حافظ یعقوب ابن شیبہ السدوسی، ذکر یابن یحییٰ نیشاپوری، ابوالحسن محمد بن ابراہیم بن حبیشی بغوی (مدون مسند امام حسن بن زیاد وغیرہ ہم۔

شلمجی نسبت ہے شجاع بن عمرو کی طرف، جس نے ابن ابی شلمجی یا ابن الشجاع لکھا غلطی کی، اسی طرح جس نے بلخی لکھا وہ بھی غلط ہے، آپ نے تحصیل علم میں انتہائی جانفشانی کی ہے، جس کی وجہ سے تمام علوم خصوصاً فقہ و حدیث میں کامل و مکمل ہوئے اور بڑی شہرت پائی۔

ثناء اہل علم:

علامہ صیمری رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ و حدیث، ورع و عبادت کے اعتبار سے عالی مرتبہ کہا، ذہبی نے سیر النبلاء میں کہا کہ آپ بحور علم میں سے احد الاعلام تھے، آپ کی کتاب المناسک ۶۰ جزو سے زیادہ کی ہے، ابن ندیم نے فہرست میں کہا کہ ”اپنے زمانہ میں اپنے درجہ کے سب علماء سے ممتاز و فائق تھے، فقیہ، ورع اور پختہ رائے والے تھے، آپ نے امام اعظم ابو حنیفہ کی فقہ کے پٹ کھول دیئے، اس کو قوی حجوتوں سے مستحکم کیا، علل نکالیں اور احادیث سے قوت دے کر دلوں میں رچایا“ (یہی چیزیں معاندین کے لئے وجہ حسد و تعصب بن گئیں) چنانچہ کچھ ناقلمین حدیث، کچھ حشوی خیال کے رواۃ اور کچھ عالی متعصبین مذاہب نے آپ پر بے جا اتہامات لگائے اور بدنام کرنے کی سعی، ان کو بعض ہمارے متاخرین علماء نے بھی کتابوں میں نقل کر دیا اور چونکہ یہ ایسے جلیل القدر امام پر کھلا ہوا ظلم تھا اس لئے ہمارے ذمہ اس کا دفاع ضروری تھا، اللہ تعالیٰ علامہ کو شرفیٰ کو جزائے خیر دے، انہوں نے اس طرف بھی توجہ کی اور ”الامتاع بسیرۃ الامامین الحسن بن زیاد و صاحبہ محمد بن شجاع“ لکھ کر تمام غلط فہمیوں کا ازالہ فرمادیا، اس وقت میں اسی کے ضروری اقتباسات اردو میں پیش کر رہا ہوں)

علامہ موفق مکی نے مناقب ص ۹۵ ج ۱ میں لکھا کہ ”امام محمد بن شجاع نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زیادہ احادیث ذکر کی ہیں جن کی نظائر و متابعات صحابہؓ سے موجود ہیں، اور یہ حدیث و اثر، مرفوع و موقوف پر وسعت اطلاع کا بہت بڑا مرتبہ ہے، آپ جیسے حضرات ہی حدیث کے وجوہ اختلاف روایات اور آراء صحابہ کے پورے واقف تھے، لہذا اجتہاد کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے۔

علامہ قرشی نے کہا کہ آپ اپنے وقت میں (یکتا) فقیہ اہل عراق اور فقہ و حدیث میں سب سے زیادہ اونچے مرتبہ پر فائز تھے، علامہ عینی نے بنیہ شرح ہدایہ میں لکھا کہ آپ کی تصانیف بکثرت ہیں، اگر کہا جائے کہ اہل حدیث نے آپ پر تشنیع کی ہے اور ابن عدی سے ابن جوزی نے نقل کیا کہ تشبیہ کی تائید میں احادیث وضع کرتے تھے تو میں کہتا ہوں کہ ان کی تصانیف میں تو مشبہ کے رد میں مستقل تصانیف موجود ہے پھر ایسا غلط الزام کس طرح درست ہو سکتا ہے، اور وہ اپنے وقت کے بڑے دیندار، عابد و فقیہ تھے۔

ملا علی قاری نے ”طبقات حنفیہ“ میں لکھا کہ آپ فقیہ اہل عراق اور فقہ و حدیث میں فائق و ممتاز تھے، قرآن و قرآن کے ساتھ بڑا شغف تھا اور ورع و عبادت میں مشہور تھے، حاکم نے لکھا کہ آپ کی کتاب المناسک کے ۶۰ جزو کبیر سے زیادہ ہیں، پارک خط سے ہے اور اس کے علاوہ یہ ہیں، تصحیح الآثار (بڑی ضخیم کتاب ہے) کتاب النوادر، کتاب الضاریہ، کتاب الرد علی المشبہ، البتہ کچھ میلان آپ کا معتزلہ کی طرف تھا۔

یہ میلان مذکور کا مغالطہ بھی قابل ذکر ہے، امام اعظمؒ کے حالات میں وہ واقعہ ذکر کر چکا ہے کہ امام صاحب نے اپنے اصحاب کو کلام اللہ کے مخلوق وغیر مخلوق ہونے کے بارے میں ہر قسم کی شقوق پر کلام کرنے سے بہت سختی سے روک دیا تھا اور اس واقعہ کو نقل کرنے والے خود محمد بن شجاع بھی ہیں، اس لئے وہ بھی اس معاملہ میں غیر معمولی طور پر محتاط تھے اور قطعاً سکوت کرتے تھے تاکہ لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں، اسی سکوت و وقوف کو مخالفوں نے میلان معترکہ بنا لیا تھا حالانکہ وہ معترکہ (حشو یہ) مشبہ و مبتدعین سب کے سخت مخالف تھے۔

ابن عدی اور محمد بن شجاع:

امام محمد بن شجاع کے خلاف ابن عدی نے بھی کچھ لکھا ہے جس پر علامہ کوثری کو تبصرہ پڑھئے: فرمایا کہ ابن عدی کو امام اعظم اور آپ کے اصحاب سے بڑی سخت کدورت و نفرت ہے کہ اپنی کتاب ”کامل“ میں کسی ایک کے متعلق بھی کوئی تعریف کا کلمہ نہیں لکھا اور جرح و نقد، تشنیع و بہتان طرازی میں کمی نہیں کی، حالانکہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب کی عقائد و احکام اسلامی میں قیادت امت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا جو خیر القرون سے اس زمانہ تک برابر رہی اور جب تک خدا چاہے گا مخالفوں کے علی الرغم باقی رہے گی، بلکہ کسی صاحب علم و فہم کو ان حضرات کے مدارک اجتہاد، فہم کتاب و سنت نیز اصول و فروع و عقائد میں ان کے ناطق فیصلوں کا لوہا ماننے کے بغیر چارہ نہیں، اسی لئے دوسرے مذاہب فقیہ بھی ان ہی طریقہ پر معمولی تغیرات کے ساتھ چلنے پر مجبور ہوئے اور تمام ہی ارباب مذاہب نے ان حضرات کے فضل و سبق اور تفوق و بالادستی کا اعتراف بھی کیا ہے، چند لوگوں کی مکارہ و عناد اور حق پوشی کی باتوں سے یہاں تعرض نہیں۔

اسی لئے علامہ ابن اثیر شافعی نے ”جامع الاصول“ میں صاف لکھا کہ اگر حق تعالیٰ کا کوئی سر مخفی امام ابو حنیفہ کے بارے میں نہ ہوتا تو آدمی امت محمدیہ ﷺ خدا کے دین میں آپ کو ”مقتدا“ نہ بناتی کہ قدیم زمانوں سے اب تک برابر آپ کے مذہب پر خدا کی بندگی کر رہے ہیں، پھر اپنے بعض اہل مذہب متعصبین کی حرکات پر بڑے گہرے تاثر کے ساتھ افسوس کرتے ہیں کہ وہ ایسے عالی قدر امام جلیل کے خلاف شان باتیں کرتے ہیں، اس بارے میں کافی لکھا ہے اور یہ واقعہ بھی ہے کہ اقل درجہ میں نصف امت محمدیہ نے ہر زمانہ میں امام صاحب کا اتباع کیا ہے ورنہ ملا علی قاری نے تو شرح مشکوٰۃ میں دو تہائی کا اندازہ لکھا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

غرض ان حضرات کے خلاف طوفان و بہتان اٹھانا درحقیقت امت محمدیہ کی اکثریت کی توہین و تذلیل ہے جو کسی طرح موزوں و مناسب نہیں۔ اللهم الف بین قلوبنا و اصلح ذات بیننا۔

ابن عدی کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ اکابر و شیوخ کے ماتحت رواد کے عیوب کی وجہ سے متہم بناتے ہیں جیسا کہ ان کے اس عیب کی طرف علامہ ذہبی شافعی اور حافظ سخاوی شافعی نے بھی اشارات کئے ہیں، ابن عدی نے امام محمد بن شجاع کو اہل الرائے کا طعنہ دیا ہے جو دوسرے آئمہ حنفیہ کو بھی دیا گیا ہے اور اس کا جواب امام صاحب کے حالات میں آچکا ہے، متعصب ۳ کہا ہے مگر اس پر کوئی دلیل نہیں دی، بظاہر اپنے عیب کو ان کے آئینہ میں دیکھا ہے، امام شافعی کے بارے میں موہم اہانت کلمہ کا ذکر کیا ہے، اول تو اس کی سند میں انقطاع ہے، کیونکہ اس کے راوی موسیٰ بن الاشیب نے محمد بن شجاع کا زمانہ نہیں پایا، دوسرے یہ کہ امام شافعی نے ان کے استاد حسن بن زیاد کے بارے میں کچھ فرما دیا تھا، اس کے جواب میں شاید انہوں نے بھی ایسا کہہ دیا ہو، تیسرے یہ کہ امام محمد بن شجاع نے امام شافعی کے بارے میں اپنی پہلی رائے سے رجوع کر لیا تھا اور ان کے علم و فضل کے معترف ہو گئے تھے، اس لئے عفاء اللہ عما سلف ہمیں بھی سکوت کرنا چاہئے۔

رہا وضع حدیث ۴ کا اتہام وہ بھی بے دلیل و بے سند ہے اور ایسے بڑے امام محدث و فقیہ سے ایسی بری بات قطعاً صادر نہیں ہو سکتی اس لئے ابن ابی حاتم، عقیلی، ابن حبان وغیرہ کسی نے بھی آپ کے خلاف ایسا الزام ذکر نہیں کیا، اگر کچھ بھی اصلیت ہوتی تو وہ کیوں سکوت کرتے،

دوسرے جس موضوع حدیث کی وضع کی نسبت ابن عدی نے امام موصوف سے کی ہے، وہ امام موصوف کے زمانہ سے بھی بہت پہلے سے چل رہی تھی، چنانچہ ابن قتیبہ نے "الاختلاف فی اللفظ" ص ۴۵ پر اس حدیث کا بھی دوسری موضع احادیث کے ساتھ ذکر کیا ہے اسی طرح ابن عساکر نے "تیسین کذب المفترمی" ص ۳۶۹ میں ابوہزلی کا رد کرتے ہوئے اس کی کتاب "البیان فی شرح عقود اہل الایمان" کا ذکر کیا ہے جس میں یہ سب روایات موضوع موجود تھیں، ایسی صورت میں ابن عدی کا ایک پرانی مشہور موضوع حدیث کو امام محمد بن شجاع کی طرف منسوب کر دینا کیا انصاف و دیانت ہے؟ والی اللہ المشتکی۔

اسی طرح تاریخ حاکم میں ایک روایات موضوع اسماعیل بن محمد شعرانی کے حوالہ سے محمد بن شجاع کی طرف منسوب کر دی گئی ہے، حالانکہ شعرانی مذکور اور ابن شجاع کے درمیان اس قدر زمانہ ہے کہ تین راوی درمیان میں آتے ہیں وہ کون ہیں؟ اور ان کے نام کیوں نہیں لئے گئے، غرض کسی معین حدیث کے بارے میں کسی معتمد ذریعے سے یہ نہیں ثابت کیا جاسکا کہ وہ ابن شجاع نے وضع کی ہے اور اس جھوٹ میں سچائی کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔

امام احمد اور امام محمد بن شجاع:

ابن عدی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام احمد نے آپ کو مبتدع، صاحب ہوئی کہا، جیسا کہ وہ ان سب ہی لوگوں کو سمجھتے تھے جو مسئلہ خلق قرآن کے سلسلے میں کسی قسم کا توقف و سکوت کرتے تھے، علامہ ذہبی نے نقل کیا ہے کہ امام احمد، ابن کثیر اور اصحاب کو چمکی کہتے تھے اور امام احمد کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو کہتے تھے کہ امام محمد نے کیا کار نمایاں انجام دیا؟ ان کا مقصد یہ تھا کہ امام احمد نے تدوین مذہب کی طرف توجہ نہیں کی اور وفات سے تیرہ سال قبل سے روایت حدیث بند کر دی تھی، اسی لئے آپ کی مسند بھی آپ کی زندگی میں مہذب نہ ہو سکی گویا تحریر مذہب و تہذیب مسند دونوں ضروری امور تھے جو آپ نے انجام نہیں دیئے۔

رہا مسئلہ خلق قرآن میں امام احمد کا ابتلاء اس کو ابن شجاع اس لئے غیر اہم سمجھتے تھے کہ ان مسائل میں غلو و تشدد ان کو ناپسند تھا، غرض ان دونوں میں اور ان کے اصحاب میں اس قسم کی نوک جھونک چلا کرتی تھی ورنہ ظاہر ہے کہ امام احمد کے فخر کے لئے یہی کیا کم ہے کہ آپ کے جلیل القدر اصحاب نے آپ کے علوم نافعہ مفیدہ کی نشر و اشاعت کی جن سے ساری دنیا میں دین و علم کا نور پھیلا، رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

خطیب بغدادی نے بھی اپنی حسب عادت امام ابن شجاع پر کذب و غیرہ کا بیان نقل کیا ہے لیکن محمد بن احمد الآدمی اور ساجی کے ذریعہ اور یہ دونوں غیر ثقہ ہیں، چونکہ امام محمد بن شجاع بہت بڑے محدث کثیر الروایت تھے، آپ کے شیوخ اور تلامذہ اصحاب کے ذکر کے لئے مستقل تالیف کی ضرورت ہے، کیونکہ آپ کے تلامذہ و اصحاب نے بھی آپ کے علوم و مؤلفات کو شرق و غرب میں پھیلا یا ہے جو آپ کے خدمت حدیث و فقہ میں کمال اخلاص کی دلیل ہے۔

پچاسی سال کی عمر میں نماز عصر کے سجدہ میں اچانک انتقال ہوا، وصیت تھی کہ مجھے اسی مکان مسکونہ میں دفن کیا جائے کیونکہ اس کی کوئی اینٹ ایسی نہیں ہے جس پر میں نے بیٹھ کر قرآن مجید ختم نہ کیا ہو۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة (الامتناع، فوائد بہیہ وحدائق)

۱۹- حافظ محمد بن حماد الطہرانی ابو عبد اللہ الرازی (م ۲۷۷ھ)

محدث جلیل، تہران کے ساکن (جو اس وقت ایران کا پایہ تخت ہے) امام ابن ماجہ کے استاد تھے، حافظ ذہبی نے آپ کو الحدیث الحافظ الجوال فی الآفاق، العبد الصالح لکھا، عراق، شام و یمن میں تحصیل حدیث کی، آپ حافظ عبد الرزاق (تلمیذ امام اعظم) کے اصحاب میں سے تھے، حافظ حدیث ثقہ تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (تذکرہ و تہذیب)

۲۰- حافظ عباس دوری بن محمد بن حاتم ابو الفضل الہاشمی (م ۱۷۱ھ)

ذہبی نے الحافظ الامام لکھا، امام یحییٰ بن معین کے خاص شاگردوں میں سے ہیں، امام ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کے استاد ہیں، فن رجال میں بہت بڑی ضخیم کتاب ان کی یادگار ہے جس میں اپنے شیخ سید الحافظ و امام جرح و تعدیل یحییٰ بن معین کے اقوال جمع کئے ہیں، ذہبی نے اس کتاب کی افادیت اور مصنف کی اعلیٰ بصیرت کا اعتراف کیا، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (تذکرۃ الحفاظ)

۲۱- حافظ ابو حاتم رازی محمد بن دریس بن المنذر الخنظلی ولادت ۱۹۵ھ متوفی ۲۷۷ھ

فن جرح و تعدیل کے بڑے امام اور حدیث میں امام بخاری کے درجہ میں تسلیم کئے گئے ہیں، نو عمری ہی میں طلب حدیث کے لئے دور دراز ممالک کے پیدل سفر کئے، ابتدائی دور کے سات سالہ سفر میں ایک ہزار فرسخ یعنی تین ہزار میل طے کئے تھے، طلب علم کی راہ میں بہت زیادہ تکالیف اٹھائیں مگر ہمت و حوصلہ بلند تھا، بڑے مدارج پر پہنچے، آپ سے امام بخاری، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ کو تلمذ حاصل ہے، علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں امام بخاری و ابن ماجہ کے تلمذ سے انکار کیا ہے مگر وہ صحیح نہیں، کیونکہ حافظ مزی نے تہذیب الکلام میں تصریح کی ہے کہ امام ابن ماجہ نے تفسیر میں آپ سے روایت کی ہے اور باب الایمان و باب فرائض الجہد میں بھی آپ کی حدیثیں موجود ہیں۔ حافظ نے مقدمہ فتح الباری ص ۳۸۰ (میریہ) میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے شیخ ذہلی اور ابو حاتم سے وہ روایات لی ہیں جن کا سماع ان کو دوسرے اساتذہ سے فوت ہو گیا تھا یا جو روایتیں ان کے علاوہ دوسرے علماء سے انہیں نہ مل سکی تھیں، ایک زمانہ تک امام بخاری، امام ابو زرعد اور ابو حاتم کے باہم تعلقات نہایت خوشگوار رہے مگر تلفظ بالقرآن کے مسئلہ پر امام ذہلی سے اختلاف کے بعد یہ دونوں حضرات امام بخاری سے بدظن ہو گئے تھے اور ترک روایت حدیث کی بات بھی اسی باعث ہے۔

تاریخ و رجال کے سلسلہ میں بھی ان دونوں نے امام بخاری کی بہت سی غلطیاں نکالی ہیں اور ابن ابی حاتم نے ان ہی دونوں حضرات سے استفادہ کر کے امام بخاری کی تاریخ اوہام پر مستقل کتاب بھی لکھی ”کتاب خطا البخاری“ کے نام سے اور حافظ صالح جزیرہ نے ابو زرعد کی تنقید پر امام بخاری کی طرف سے غلطیاں ہو جانے کی کسی قدر معقول وجہ بھی پیش کی ہے، ان سب امور کو تفصیل و حسن ترتیب سے محترم مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی نے ”امام ابن ماجہ اور علم حدیث“ میں جمع کر دی ہے، ابن ابی حاتم رازی کی کتاب ”بیان خطا البخاری فی تاریخ دائرة المعارف حیدرآباد سے شائع ہو گئی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ امام بخاری کے اوہام پر جس طرز سے تنقید کی گئی یا ترک روایت تک نہایت پہنچی یہ سب امام بخاری کے عالی شخصیت کے شایان شان نہیں، اسی طرح جو کچھ امام بخاری کی طرف سے دفاع میں امام مسلم، ابو حاتم اور ابو زرعد پر بے جا الزامات لگائے گئے وہ بھی بے انصافی ہے، پوری احتیاط سے صحیح تنقید جس کے ساتھ مدارج و مراتب کا بھی پورا لحاظ ہو، بری نہیں بلکہ مفید ہے، ہمارے لئے یہ سب ہی حضرات مستحق صدا احترام ہیں اور ان کی علمی خدمات لائق صد ہزار قدر۔ جزاھم اللہ عنا و عن سائر الامم المر حومة خیر الجزاء و رضی عنہم احسن الرضاء

۲۲- الحافظ الفقیہ ابو العباس احمد بن محمد بن عیسیٰ البرقی (م ۲۸۰ھ)

فقہ ابوسلیمان جوزجانی سے حاصل کی، اسماعیل قاضی آپ کے علم و فضل کی وجہ سے بہت تعظیم کرتے تھے، آپ کی تالیفات میں سے ”مسند ابی ہریرہ“ ہے، حدیث تھی، مسدد بن مسدد اور ابوبکر بن ابی شیبہ سے سنی اور روایت کی، خطیب نے ثقہ، حجت، صلاح و عبادت میں

مشہور کہا اور اصحاب قاضی یحییٰ بن اکتھم سے بتلایا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (تقدمہ نصب الراية وجواہر مضیہ)

۲۳- حافظ ابو بکر بن ابی الدنیا عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی (م ۲۸۱ھ)

مشہور محدث ہیں، احمد دورتی، علی بن معبد جوہری (تلمیذ امام ابی یوسف) زہیر بن حرب (تلمیذ القطان، تلمیذ الامام الاعظم) ابو عبید قاسم بن سلام (تلمیذ امام محمد) داؤد بن رشید خوارزمی، واقدی اور امام بخاری و ابو داؤد وغیرہ سے فقہ حدیث حاصل کیا اور آپ کے تلامذہ میں ابن ماجہ وغیرہ ہیں، شہزادگان خلفائے عباسیہ اور خلیفہ معتضد باللہ کے بھی اتالیق و معلم خصوصی رہے، ابن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے اپنے والد کی معیت میں آپ سے احادیث لکھیں اور والد نے ان کو صدوق کہا ہے، آپ کی حدیثی تالیفات کتاب الدعاء وغیرہ مشہور ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (تذکرہ و تہذیب دبستان)

۲۴- شیخ الشام حافظ ابو زرعد مشقی عبد الرحمن بن عمرو بن عبد اللہ النصری (م ۲۸۱ھ)

مشہور محدث رواۃ ابی داؤد میں سے ہیں، ابن ابی حاتم نے کہا کہ والد صاحب کے رفیق تھے، ان سے حدیث لکھی اور ہم نے بھی ان سے لکھی، صدوق، ثقہ تھے، خلیل نے کہا کہ آپ حفاظ اثبات میں سے تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (امانی الاحبار)

۲۵- حافظ ابو محمد حارث بن ابی اسامہ (م ۲۸۲ھ)

یزید بن ہارون، روح بن عبادہ، علی بن عاصم، واقدی وغیرہ سے حدیث حاصل کی، ابو حاتم، ابن حبان، دارقطنی وغیرہ نے توثیق کی ہے، آپ کی تالیفات میں سے مسند مشہور ہے جو عام مسانید کے خلاف شیوخ کے نام پر مرتب ہے جس کو معجم کہنا چاہئے تھا، کیونکہ مسند وہ ہوتی ہیں جن کی ترتیب صحابہ کے نام پر ہو، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (بستان المحدثین)

۲۶- شیخ ابو الفضل عبید اللہ بن واصل البخاری (م ۲۸۲ھ)

حفاظ و محدثین حنفیہ میں سے بخارا کے مشہور محدث تھے، جن سے محدث حارثی نے حدیث حاصل کی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (تقدمہ نصب الراية)

۲۷- شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن حرب عسکری (م ۲۸۲ھ)

مشہور محدث تھے، جنہوں نے مسند ابی ہریرہ مرتب کیا تھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

۲۸- حافظ محمد بن النظر بن سلمۃ بن الجارود بن زید ابو بکر الجارودی الفقیہ الحنفی (م ۲۹۱ھ)

نیشاپور کے مشہور حنفی فقیہ اور بہت بڑے حافظ حدیث تھے، ان کا سارا خاندان علماء و فضلاء کا تھا اور سب حنفی تھے، کما صرح بہ الحاکم علامہ قرشی نے جو اہر مہدیہ میں ان سب کے حالات لکھے ہیں جارود امام اعظم کے تلمیذ تھے اور صاحب ابی حنیفہ کہلاتے تھے، طلب حدیث میں نیشاپور سے وہ اور امام مسلم ساتھ روانہ ہوئے تھے، محدث حاکم نے تاریخ نیشاپور میں آپ کو حفظ حدیث، فضل و کمال اور مروت و سیادت کے اعتبار سے شیخ وقت اور سرآمد علماء زمانہ لکھا ہے، فن حدیث میں امام نسائی اور حافظ ابن خزیمہ آپ کے شاگرد ہیں، ابن ابی حاتم نے لکھا کہ میں نے آپ سے ”رے“ میں سماع حدیث کیا تھا، آپ صدوق اور حفاظ حدیث میں سے تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (تذکرہ، تہذیب وجواہر)

۲۹- شیخ ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بزار (م ۲۹۲ھ)

آپ نے علم حدیث ہدیۃ بن خالد (شیخ بخاری و مسلم) عبدالاعلیٰ بن حماد، حسن بن علی بن راشد وغیرہ سے حاصل کیا اور ابو الشیخ طبرانی،

عبدالباقی بن قانع و دیگر جلیل القدر محدثین آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی مسند بزار مشہور ہے جس کو مسند کبیر بھی کہتے ہیں اور یہ مسند معلل ہے جس میں علل حدیث پر بھی کلام کیا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (بستان المحدثین)

۳۰- شیخ ابو مسلم ابراہیم بن عبداللہ الکشی م ۲۹۲ھ

آپ کی سنن حدیث کی مشہور کتاب ہے جس میں ثلاثیات بہت ہیں جس طرح مسانید امام اعظم میں ثلاثیات بہت زیادہ ہیں، سنن مذکور کی تالیف سے فراغت پا کر آپ نے اس نعمت کے شکرانہ میں ہزار درہم غرباء کو صدقہ کئے اور اہل علم محدثین اور امراء ملک کی پر تکلف دعوت کی اس میں ایک ہزار درہم صرف کئے۔

آپ بغداد پہنچے تو حدیث سننے والوں کا جم غفیر جمع ہو گیا، سامعین کے علاوہ چالیس ہزار سے زیادہ صاحب دوات و قلم موجود تھے جو آپ کے فرمودات لکھ رہے تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (بستان المحدثین و ابن ماجہ و علم حدیث)

۳۱- حافظ ابراہیم بن معقل بن الحجاج ابوالحق النسفی حنفی م ۲۹۵ھ

بہت بڑے حافظ حدیث، نہایت نامور مصنف اور جلیل القدر فقیہ حنفی تھے، اختلاف مذاہب کی گہری بصیرت رکھتے تھے، زاہد ورع، متقی و ضعیف تھے، آپ کی مشہور تصانیف ”المسند الکبیر“ اور ”التفسیر“ ہیں، یہ سب حالات و اوصاف حافظ ذہبی، حافظ مستفزی اور حافظ ابن حجر نے لکھے ہیں، اس کے علاوہ دوسرا بڑا امتیاز آپ کا یہ ہے کہ صحیح بخاری کی روایت کا سلسلہ جن چار کبار محدثین (تلامذہ امام بخاری) سے چلا، ان میں سے ایک آپ ہیں اور دوسرے حماد بن شاہر النسفی م ۳۱۱ھ بھی حنفی ہیں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے شروع میں اپنا سلسلہ سند ان چاروں حضرات تک بیان کیا ہے، ان میں تیسرے بزرگ محمد بن یوسف فربری م ۳۲۰ھ اور چوتھے ابو طلحہ منصور بن محمد بن علی بن قرینہ بزودی م ۳۲۹ھ ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (تقدمہ و امام ابن ماجہ و علم حدیث)

۳۲- شیخ محمد بن خلف المعروف، بوکیع القاضی م ۳۰۶ھ

اقتضیٰ صحابہ و تابعین کے بہت بڑے عالم تھے، آپ کی کتاب ”اخبار القضاة“ اس موضوع پر بہت اہم و نافع ہے، علامہ کوثری علیہ نے ”حسن القاضی“ ص ۳ پر تحریر فرمایا کہ اقتضیٰ رسول اکرم ﷺ اور اقتضیٰ صحابہ و تابعین میں چونکہ بہت بڑا علم احکام و معاملات کا ہے، اس لئے اہل علم نے ہمیشہ احوال قضاة کی طرف توجہ کی ہے چنانچہ اقتضیٰ رسول اللہ ﷺ پر کتابیں تالیف ہوئیں پھر اقتضیٰ صحابہ و تابعین و تبع تابعین بھی سنن سعید بن منصور، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور کتب ادب القضاء وغیرہ میں مدون ہوئے، مذکورہ بالا کتاب ”اخبار القضاة“ اس موضوع پر نہایت قابل قدر اور لائق فخر خدمت ہے کیونکہ اس میں صرف کسی ایک جگہ کے قضاة اور ان کے اقتضیٰ پر اکتفاء نہیں کی گئی بلکہ تمام قضاة بلاد اسلام کے حالات جمع کئے گئے ہیں یہ کتاب مصر میں اس وقت زیر طبع ہے، اگرچہ اس کی طباعت کی رفتار نہایت سست ہے۔ (یہ تحریر ۱۳۶۸ھ کی ہے، غالباً اب یہ کتاب مکمل طبع ہو گئی ہوگی)

۳۳- حافظ ابو یعلیٰ احمد بن علی بن المثنیٰ بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال تمیمی موصلی م ۳۰۷ھ

آپ نے حدیث علی بن الجعد، یحییٰ بن آدم و تلامذہ امام ابی یوسف اور دیگر جلیل القدر محدثین سے حاصل کی، آپ کے شاگرد ابن حبان، ابو حاتم، ابو بکر اسماعیلی وغیرہ ہیں، جسٹہ اللہ علم حدیث کی تعلیم میں مشغول رہتے تھے، آپ سے ثلاثیات بھی ہیں، ابن حبان نے ثقہ کہا، حافظ اسماعیل بن محمد بن الفضل (تمیمی کا قول ہے کہ میں نے مسند عدنی، مسند ابن منیع وغیرہ مسندات پڑھی ہیں لیکن وہ تمام مسندیں نہریں ہیں اور مسند

ابی یعلیٰ دریائے ناپیدا کنار ہے، آپ کی تالیفات میں علاوہ ”مسند کبیر“ ایک مجتم بھی ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (تقدیمہ وستان الحمدین)

۳۴- شیخ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان حنفی نیشاپوری م ۳۰۸ھ

آپ مشہور زاہد فقیہ ایوب بن الحسن نیشاپوری کے خواص اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے فقہ کی تحصیل امام محمد سے کی تھی، آپ کا تعلق تلمذ امام مسلم سے بھی تھا اور اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہے ہیں، امام مسلم کی صحیح روایت کا سلسلہ بھی آپ سے ہی قائم ہوا، امام نووی نے مقدمہ شرح مسلم میں لکھا کہ ”اسناد متصل کے ساتھ امام مسلم سے اس کی مسلسل روایت کا سلسلہ ان بلاد میں اور ان زمانوں میں صرف ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان کی روایت میں منحصر ہے۔“

اگرچہ بلاد مغرب میں صحیح مسلم کے غیر مکمل حصہ کی روایت ابو محمد احمد بن علی قلانی سے بھی ہوئی ہے مگر مکمل کتاب کا قبول عام تمام ممالک میں صرف ابراہیم نیشاپوری موصوف کی روایت سے ہوا، محدث حاکم نیشاپوری نے آپ کو عماد مجتہدین اور مستجاب الدعوات لکھا، علامہ نووی نے السید الجلیل، فقیہ زاہد، مجتہد عابد لکھا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (امام ابن ماجہ اور علم حدیث)

۳۵- شیخ ابو محمد عبداللہ بن علی بن الجارود م ۳۰۹ھ

محدث کبیر تھے، آپ کی کتاب ”المنتقى“ مشہور ہے، جو صحیح ابن خزمیہ پر مستخرج ہے، چونکہ اس میں اصول احادیث پر اکتفاء کیا ہے، اس لئے المنتقى نام رکھا گیا ہے۔ (ستان الحمدین)

۳۶- حافظ ابوالبشر محمد بن احمد حماد بن سعید بن مسلم انصاری رازی دولابی حنفی م ۳۱۰ھ

مشہور حافظ حدیث اور فن جرح و تعدیل کے امام ہیں، امام بخاری و نسائی سے بھی تلمذ ہے، حافظ مسلمہ بن قاسم نے کہا کہ آپ علم و روایت اور معرفت حدیث میں فائق تھے اور فقہ حنفی کے پیرو تھے، فن حدیث میں جن اکابر حفاظ حدیث نے آپ کی شاگردی کی ان میں ابن عدی، طبرانی، ابن المقری وغیرہ ہیں، ابن عدی وغیرہ نے حسب عادت بوجہ تعصب کچھ کلام کیا ہے مگر ان ہی میں سے دارقطنی نے ان کی تردید کی ہے اور لکھا کہ ”لوگوں نے ان میں کلام کیا مگر ہمیں تو بجز خیر کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا“ آپ کی تالیفات مفیدہ میں سے زیادہ مشہور کتاب ”الکنی والاسماء“ ہے جو دو جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (تقدیمہ و امام ابن ماجہ و علم حدیث)

۳۷- شیخ حماد بن شاکر النسفی حنفی (م ۳۱۱ھ)

یہ دوسرے مشہور راوی صحیح بخاری ہیں جن سے کتاب مذکور کی روایت کا سلسلہ چلا ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بجائے نسفی کے نسوی لکھا ہے جو غلط اور وفات ۲۹۰ھ میں ظاہر کی ہے، حافظ کوثری نے حافظ ابن نقد کی ”التقلید“ کے حوالہ سے جزماً لکھا کہ سنہ وفات ۳۱۱ھ ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث)

۳۸- امام محمد بن اسحاق بن خزمیہ السلمی نیشاپوری شافعی (م ۳۱۱ھ)

مشہور محدث، ابن حبان کے شیخ ہیں، آپ کی صحیح اور صحیح ابن حبان صحاح ستہ کے بعد مہتمم کتب حدیث سمجھی جاتی ہیں، اگرچہ صحیح ابن خزمیہ میں ایسی احادیث بھی ہیں جو بمشکل حسن کے درجہ میں ہیں، ان کی چند مثالیں بھی مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی عم فیضہم نے حاشیہ دراسات الملیب (مطبوعہ کراچی ص ۱۲۳) میں بیان کی ہیں، صحیح مذکور کا اکثر حصہ تو بہت عرصہ سے معدوم ہے صرف، چوتھائی حصہ کا وجود بتایا جاتا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔

۳۹- شیخ ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید شافعی (م ۳۱۶ھ)

اصل وطن اسفرائن تھا پھر نیشاپور میں سکونت کی، دو دراز مالک اسلامیہ کا سفر کر کے علم حدیث حاصل کیا تھا، فقہ میں امام مزنی اور ربیع (تلامذہ امام شافعی) کے شاگرد ہیں، حدیث میں امام مسلم، امام محمد بن یحییٰ ذہلی تلمیذ حافظ عبدالرزاق تلمیذ امام اعظم اور یونس بن عبدالاعلیٰ کے شاگرد ہیں، آپ کے تلامذہ حدیث میں طبرانی، ابوبکر اسماعیل، ابوعلی نیشاپوری اور دوسرے محدثین ہیں، آپ کی صحیح صحیح مسلم پر مستخرج ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحدثین)

۴۰- شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن الممذرنیشاپوری (م ۳۱۸ھ)

مجتہد، فقیہ و محدث تھے، آپ کے مسائل چونکہ امام شافعی کے بہت سے مسائل کے ساتھ مطابق ہیں، اس لئے شیخ ابواسحاق نے اپنے طبقات میں آپ کو شافعی لکھا ہے، آپ کی تمام تصانیف محققانہ و مجتہدانہ ہیں جن میں مندرجہ ذیل زیادہ مشہور ہیں:

”کتاب الاشراف فی مسائل الخلاف، کتاب المہسوط، فقہ میں، کتاب الاجماع، کتاب التفسیر، کتاب السنن، علم فقہ، معرفت اختلافات علماء اور ان کے ماخذ و دلائل کی شناخت میں بہت ماہر تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحدثین)

۴۱- شیخ ابو عبد اللہ حسین بن اسماعیل بن محمد طیبی محاملی بغدادی (م ۳۳۰ھ)

بغداد کے محدثین و مشائخ میں سے ہیں، ساٹھ سال کوفہ کے قاضی رہے، ابو حذافہ سہمی (تلمیذ امام مالک، عمر بن علی فلاس وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا، حافظ سفیان بن عیینہ (تلمیذ امام اعظم) کے اصحاب میں سے بھی تقریباً ستر محدثین آپ کے استاد حدیث ہیں، دارقطنی وغیرہ محدثین آپ کے تلامذہ میں ہیں، مجلس الملاء میں تقریباً دس ہزار آدمی حاضر ہوتے تھے اور قضاء کی ذمہ داریوں کے ساتھ درس حدیث کا مشغلہ روزانہ جاری رہتا تھا، آپ کے امالی کا مجموعہ تقریباً ۱۶ جزو پر مشتمل تھا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحدثین)

۴۲- امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی حنفی (م ۳۳۳ھ)

مشائخ کبار میں سے بڑے محقق و مدقق اور متکلمین کے امام عابد، زاہد، صاحب کرامات بزرگ تھے، آپ نے عقائد و کلام میں اعلیٰ مرتبہ کی تصانیف کیں، مثلاً کتاب التوحید، کتاب المقالات، کتاب اوہام، المعترز، رد الاصول الخمسہ ابی محمد باہمی، رد القرامطہ، ماخذ الشرائع (فقہ) کتاب الجدل (اصول فقہ) تاویلات القرآن جو اپنے موضوع کی بے نظیر تالیف ہے آپ کا ایک باغ تھا جس میں خود کام کرتے تھے، اپنے مہمانوں کو باغ میں سے بے موسم پھل کھلاتے تھے، لوگوں نے حیرت کی تو فرمایا کہ میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے کوئی گناہ نہیں کیا اس لئے جو چیز اس کے ذریعے سے چاہتا ہوں وہ حاصل ہو جاتی ہے۔

لوگوں نے بادشاہ کے مظالم سے تنگ آ کر آپ سے شکایت کی تو گھاس سے کمان اور تنکے سے تیر بنا کر اس ظالم بادشاہ کی طرف پھینکا، معلوم ہوا کہ اسی تاریخ میں قتل کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق الحنفیہ)

۴۳- ”حاکم شہید“ حافظ محمد بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن عبد الجبید بن اسماعیل بن حاکم

مروزی بلخی حنفی (م ۳۳۴ھ)

مشہور حافظ حدیث اور تبحر فقیہ تھے، ساٹھ ہزار احادیث آپ کو نوک زبان یاد تھیں، آپ نے حدیث محمد بن حمدویہ (تلمیذ امام اعظم اور

محمد بن عصام وغیرہ سے حاصل کی اور آپ سے حاکم مسٹر و اور آئمہ و حفاظ خراسان نے روایت کی، آپ کی تصانیف عالیہ میں سے ”منتقى، کافی اور مختصر“ وغیرہ ہیں جن میں سے پہلی دونوں تو بعد کتب امام محمد کے بطور اصول مذہب سمجھی جاتی ہیں، کافی میں آپ نے امام محمد کی مبسوط، جامع کبیر و صغیر کو بحذف مکرر مطول جمع کر دیا تھا، آپ کو کچھ لوگوں نے کوئی تہمت لگا کر شہید کر دیا تھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق)

۳۴- حافظ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العوام السعدی حنفی م ۳۳۵ھ

مشہور حافظ حدیث، امام نسائی، امام طحاوی اور ابو بشر دلابی کے تلمیذ حدیث ہیں، آپ کی تالیفات میں سے زیادہ مشہور مسند امام ابو حنیفہ (مجملہ اہم ۷۱ مسانید امام اعظم) اور ایک ضخیم کتاب فضائل امام اعظم میں ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (تقدمہ نصب الراية)

۳۵- حافظ ابو محمد قاسم بن اصبح القرطبی م ۳۴۰ھ

مشہور حفاظ حدیث سے ہیں، آپ نے حدیث کی اہم کتاب ”ناسخ الحدیث و منسوخہ“ لکھی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

۳۶- امام ابوالحسن عبید اللہ بن حسین کرخی حنفی ولادت ۲۶۰ھ م ۳۴۰ھ

مجتہدین فی المسائل سے جلیل القدر محدث و فقیہ تھے، کثیر الصوم، زاہد متورع اور بڑے متقی تھے، تصانیف شرح جامع صغیر، شرح جامع کبیر وغیرہ، حدیث شیخ اسماعیل بن قاضی اور محمد بن عبداللہ الحضرمی سے حاصل کی، آپ سے ابو حفص بن شاہین وغیرہ کبار محدثین نے روایت کی اور آپ کے تلامذہ ابو بکر رازی، بصاص، علامہ شاشی، علامہ تنوخی، علامہ دامغانی اور ابوالحسن قدوری وغیرہ ہوئے، عادت تھی کہ خود بازار سے سوالات تھے اور ایسے دکان داروں سے خریدتے تھے جو آپ سے ناواقف ہوں تاکہ ان کو آپ کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرنی پڑے۔ (حدائق حنفیہ)

۳۷- حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد الحارثی البخاری حنفی ولادت ۲۵۸ھ متوفی ۳۴۰ھ

امام، محدث اور جلیل القدر فقیہ تھے، شاہ ولی اللہ صاحب نے رسالہ انتباہ میں آپ کو اصحاب و جوہ میں شمار کیا ہے جن کا درجہ منتسب اور مجتہد فی المذہب کے درمیان ہے، مشہور تصانیف میں سے ایک تو مسند امام اعظم ہے جس میں آپ نے بڑی کثرت سے طریق حدیث جمع کئے ہیں، محدث ابن مندہ نے بھی اس سے بہ کثرت روایات لی ہیں اور ان کی رائے آپ کے بارے میں بہت اچھی تھی، کچھ لوگوں نے آپ پر تعصب سے کلام کیا ہے اور بڑا اعتراض یہ ہے کہ آپ نے بخیری، اباء بن جعفر سے مسند امام ابو حنیفہ میں روایت کی ہیں اور اس امر کو نظر انداز کر دیا کہ جن احادیث میں ان سے روایت لی ہیں، ان کی روایت میں وہ منفر نہیں ہیں، بلکہ ان روایات میں دوسرے بھی شریک ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جس طرح امام ترمذی نے بھی محمد بن سعید مصلوب اور کلبی کے بارے میں کیا ہے لیکن تعصب کا براہو کہ وہ اندھا بہر ا بنا دیتا ہے۔ (تقدمہ نصب الراية)

ابن الجوزی سے نقل ہوا کہ ابو سعید رواں نے آپ کو متہم بوضع الحدیث کہا، اس پر علامہ قرشی نے لکھا کہ عبداللہ بن محمد، ابن جوزی اور ابن سعید رواں سے بہت زیادہ بلند مرتبہ اور عالی منزلت ہیں، یعنی ان کو ایسے اکابر کی شان میں لب کشائی نہ چاہئے تھی۔ (جوہر مضیہ ص ۲۹۰ ج ۱) دوسری کشف الآثار الشریفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ ہے، ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ آپ نے جب امام صاحب کا املاء کرایا تو اس وقت آپ کی مجلس املاء میں چار سو لکھنے والے تھے۔ (حدائق حنفیہ)

۳۸- امام ابو عمر و احمد بن محمد بن عبدالرحمن طبری حنفی م ۳۴۰ھ

بغداد کے کبار فقہاء حنفیہ و محدثین میں سے ہیں، اصول و فروع میں ماہر تھے، ملا علی قاری نے آپ کو امام طحاوی اور امام ابوالحسن کرخی

کے طبقہ میں شمار کیا ہے، آپ نے امام محمد کی جامع صغیر و جامع کبیر کی شروح لکھیں۔ (حدائق حنفیہ)

۴۹- شیخ ابوالسختی ابراہیم بن حسن (عزری) نیشاپوری حنفی م ۳۴۷ھ

فقہ فاضل اور محدث ثقہ تھے، ابوسعید عبدالرحمن بن حسن اور ابراہیم بن محمد نیشاپوری وغیرہ محدثین سے حدیث سنی اور آپ سے ابو عبداللہ حاکم صاحب مستدرک نے روایت کی اور آپ کا ذکر تاریخ نیشاپور میں کیا اور لکھا کہ آپ فقہاء اصحاب امام اعظم سے تھے، ابوسعید نے اپنی انساب میں آپ کا ذکر کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر مضیہ ص ۳۶ ج ۱)

۵۰- شیخ ابوالحسن علی بن احمد بن محمد بن سلامہ ابی جعفر الطحاوی حنفی م ۳۵۱ھ

بڑے پایہ کے جلیل القدر فقہ، محدث، عالم فاضل، جامع فروع و اصول اور امام طحاوی کے خلف ارشد تھے، کبار محدثین مثل ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی وغیرہ سے حدیث حاصل کی اور امام نسائی سے سنن کو روایت کرنے والوں میں سے ایک ممتاز شخصیت آپ کی بھی ہے، آپ کو علاوہ حدیث و فقہ کے لغت، نحو وغیرہ بہت سے علوم میں امامت کا درجہ حاصل تھا، نہایت متقی، عابد و زاہد تھے۔

علامہ ابوالحسن ابن تغری بردی نے انجوم الزاہرہ میں آپ کا ذکر اس طرح کیا ہے، آپ حدیث، فقہ اختلاف علماء، علم احکام، لغت و نحو وغیرہ میں بلا مقابلہ اپنے وقت کے مسلم امام تھے، آپ نے نہایت عمدہ کتابیں تصنیف فرمائیں اور آپ کبار فقہاء حنفیہ سے ہیں، آپ کے زمانہ میں امیر علی بن الانشید کے حکم سے جیزہ میں ایک شاندار مسجد تعمیر ہوئی جس کے ستون منتظم بناء جام مذکور نے ایک کئیہ سے حاصل کر کے لگوادیئے تھے، ان کی وجہ سے آپ نے تورعاً اس جامع مسجد میں نماز ترک کر دی تھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر مضیہ ص ۳۵۲ ج ۱ حدائق وغیرہ)

۵۱- شیخ ابوالحسن احمد بن محمد بن عبداللہ نیشاپوری حنفی قاضی الحرمین م ۳۵۱ھ

مشہور محدث و فقہ، شیخ اصحاب ابی حنیفہ اور اپنے وقت کے مسلم امام تھے، علوم کی تحصیل و تکمیل شیخ ابوالحسن کرخی اور ابوطاہر محمد دباس سے کی جو ابو خازن تلمیذ عیسیٰ بن ابان تلمیذ امام محمد کے تلمیذ تھے، آپ سے ابو عبداللہ حاکم نے روایت حدیث کی اور تاریخ میں آپ کا ذکر کیا، آپ تقریباً چالیس سال نیشاپور سے باہرہ کر موصل، رملہ اور حرین شریفین کے قاضی رہے۔ ۳۳۶ھ میں نیشاپور واپس لوٹے تو وہاں بھی قاضی رہے، ملا علی قاری نے طبقات حنفیہ میں لکھا کہ ایک دفعہ وزیر دربار علی بن عیسیٰ نے مجلس مناظرہ منعقد کی جس میں مسئلہ توریت ذوی الارحام پر اکابر علماء حنفیہ و شافعیہ نے بحث کی، آپ نے بھی اس میں حصہ لیا اور وزیر کو آپ کے دلائل اس قدر پسند آئے کہ آپ سے لکھوا کر خلیفہ کو دکھلائے، خلیفہ نے بھی آپ کی تحریر بے حد پسند کی، آپ کو حرین کی قضا سپرد کی اور کہا کہ جس طرح ہمارے حدود مملکت میں حرین سے زیادہ معظم و محترم کوئی علاقہ نہیں ہے، اسی طرح آپ سے زیادہ صاحب فضل و کمال بھی کوئی دوسرا نہیں ہے، اس لئے آپ کے لئے حرین کی قضا مناسب ہے۔

آپ نے خلیفہ پر زور دیا کہ جس طرح امیر المومنین نے اس مسئلہ کو عملی طور سے پسند کیا ہے مناسب ہے کہ اس کے عملی اجراء کا بھی حکم کیا جائے، چنانچہ خلیفہ نے اس کے اجراء کے احکام صادر کر دیئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ اجمعین۔ (جواہر مضیہ ص ۱۰۷ ج ۱)

۵۲- حافظ ابوالحسن عبدالباقی بن قانع بن مزروق بن واثق حنفی م ۳۵۱ھ

فقہاء و محدثین حنفیہ میں سے ہیں اور مشاہیر حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کو حافظ العالم المصنف صاحب معجم الصحابہ، واسع الرحلہ، کثیر الحدیث لکھا، پھر آپ کے شیوخ کا ذکر کیا ہے۔

فن حدیث میں محدث دارقطنی، ابوعلی بن شاذان، القاسم بن بشران اور دوسرے اس طبقہ کے محدثین آپ کے شاگرد ہیں، دارقطنی

نے لکھا کہ گو آپ سے کبھی کوئی بھول چوک ہوئی ہے پھر بھی حافظ اچھا تھا، البتہ وفات سے صرف دو سال قبل قوت حافظہ پر اثر ہو گیا تھا، جس کو بعض لوگوں نے مطلقاً خرابی حافظہ بنا کر ذکر کر دیا ہے۔

تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے نقل کیا کہ خطیب بغدادی نے کہا: ”میں نہیں سمجھتا کہ ابن قانع کی تضعیف برقانی نے کیوں کی، حالانکہ وہ اہل علم و روایت میں سے تھے اور ہمارے اکثر شیوخ ان کی توثیق کرتے تھے البتہ صرف آخر عمر میں حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔
معجم الصحابہ کے علاوہ وفیات پر بھی آپ کی ایک مشہور تصنیف ہے، جس کے حوالے کتب رجال میں بہ کثرت آتے ہیں، آپ امام ابو بکر رازی بھصا صاحب ”احکام القرآن“ کے بھی فن حدیث میں استاد ہیں اور بہت خصوصی تعلق ان سے رکھتے تھے، چنانچہ احکام القرآن میں آپ سے بہ کثرت روایات موجود ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (بستان المحدثین، جواہر ابن ماجہ اور علم حدیث و تقدیمہ)

۵۳- حافظ ابو علی سعید بن عثمان بن سعید (بن السکن) بغدادی مصری م ۳۵۳ھ

آپ کی صحیح بنام ”اصح المثنوی“ اور ”السنن الصحاح الماثورہ“ مشہور ہے، لیکن اس کتاب کی اسانید محذوف ہیں، ابواب احکام پر مرتب ہے، خود لکھا ہے کہ ”جو کچھ میں نے اپنی اس کتاب میں مجملاً ذکر کیا وہ صحت کے لحاظ سے مجمع علیہ ہے اور اس کے بعد جو کچھ ذکر کیا ہے وہ آئمہ کے مختارات ہیں جن کے نام بھی ذکر کر دیئے ہیں اور جن کی روایات کسی سے انفراداً ہے اور اس کی علت بھی میں نے بیان کر دی ہے اور انفراد بھی دیکھو، شفاء السقام المثنوی السبکی (الرسالة المستطرفة طبع کراچی ص ۲۲)

۵۴- حافظ ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن سعید تمیمی بستی شافعی، متوفی ۳۵۴ھ

کبار حفاظ حدیث میں تھے، آپ کی صحیح بہت مشہور ہے، جس کا نام التقاسیم والانواع ہے ضخامت ۴ جلد اور ترتیب اختراعی ہے، نہ ابواب پر ہے نہ مسانید کے طرز پر، بعض متاخرین نے اس کو ابواب فقیہ پر بھی بہترین ترتیب دے دی ہے اور اس عظیم القدر حدیثی خدمت کو ایک حنفی محدث نے انجام دیا ہے جس کا اسم گرامی امیر علماء الدین ابو الحسن علی بن حبان بن عبد اللہ (الفارسی) الحنفی الفقیہ الخوی ہے (م ۳۹۹ھ)
کتاب کا نام ”الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان“ امیر موصوف نے معجم کبیر طبرانی کو بھی ابواب پر مرتب کیا ہے حسب تصریح حافظ سخاوی صحیح ابن حبان کے مکمل نسخے پائے جاتے ہیں، اور صحیح ابن خزیمہ کا اکثر حصہ مفقود ہے۔ (الرسالة ص ۹۸)
حافظ ابن حبان، امام نسائی، محدث ابو یعلیٰ موصلی حنفی، حسن بن سفیان اور حافظ ابو بکر بن خزیمہ کے تلمیذ حدیث ہیں اور دوسرے علوم فقہ، لغت، طب اور نجوم میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے، صحیح کے علاوہ آپ کی تصنیف ”تاریخ الثقات“ بہت مشہور و متداول ہے، اسی طرح کتاب الضعفاء بھی ہے اور دوسری تصانیف مفیدہ بھی ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (بستان المحدثین)

۵۵- حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی م ۳۶۰ھ

آپ نے طلب علم کے لئے دور دراز بلاد و ممالک اسلامیہ کا سفر کیا، علی بن عبد العزیز بغوی، ابو زرعد مشقی وغیرہ سے حدیث حاصل کی، آپ کی تصانیف میں سے معاجم ثلاثہ زیادہ مشہور ہیں، معجم کبیر، مردیات صحابہ کی ترتیب پر تالیف ہوا، معجم اوسط کی چھ جلدیں ہیں ہر جلد ضخیم اور بہ ترتیب اسماء شیوخ مرتب ہے، محققین اہل حدیث نے کہا کہ اس میں منکرات بہت ہیں، معجم صغیر بھی شیوخ ہی کی ترتیب پر ہے ان کے علاوہ دوسری تصانیف یہ ہیں: ”کتاب الدعاء، کتاب المسائل، کتاب عشرة النساء، کتاب دلائل النبوة، آپ علم حدیث میں کمال وسعت رکھتے تھے، ابو العباس احمد بن منصور شیرازی نے کہا کہ میں نے طبرانی سے تین لاکھ احادیث لکھی ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (بستان المحدثین)

۵۶- حافظ ابو محمد حسن بن عبدالرحمن بن خلاد، رامہر مزی م ۳۶۰ھ

مشہور حافظ حدیث ہیں آپ کی کتاب ”المحدث الفاصل بین الراوی والواعی“ فن اصول حدیث پر غالباً سب سے پہلی جامع متفرقات اور مقبول و متداول گراں قدر علمی تصنیف ہے، اگرچہ کامل استیعاب اس میں بھی نہ تھا، اس کے قلمی نسخے کتب خانہ اصفیہ حیدرآباد دکن اور کتب خانہ پیر جھنڈو سندھ میں ہیں۔

اس کے بعد حاکم کی کتاب ”علوم الحدیث“ آئی پھر ابو نعیم اصفحانی نے اس پر مستخرج لکھا، پھر خطیب بغدادی نے قوانین و اصول روایت پر ”کفایہ“ اور آداب روایت میں ”الجامع و آداب الشیخ و السامع“ لکھی، اسی طرح موصوف نے تمام فنون حدیث پر الگ الگ مفید تالیفات کیں، پھر قاضی عیاض مالکی نے ”المساع“ لکھی وغیرہ، رحمہ اللہ کلہم اجمعین رحمۃ واسعة۔ (الرسالة ص ۱۱۸، ابن ماجہ اور علم حدیث)

۵۷- شیخ ابو عبد اللہ محمد بن جعفر بن طرخان استرآبادی حنفی م ۳۶۰ھ

ابوسعید ادریسی نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ ایک جماعت محدثین نے آپ سے روایت حدیث کی ہے، فقہاء اہل رائے میں سے ثقہ فی الروایۃ تھے، ان کا قول تھا کہ قرآن کلام اللہ غیر مخلوق ہے، آپ کے والد ماجد جعفر بن طرخان بھی کبار فقہاء اصحاب امام ابی حنیفہ میں تھے جو حافظ ابو نعیم فضل بن دکین کے تلمیذ، ثقہ فی الحدیث اور صاحب تصانیف تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (جوہر مضیہ)

۵۸- حافظ ابو جعفر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عمر بلخی ہندووانی حنفی م ۳۶۲ھ

بلخ کے مشہور محدث و فقیہ، زاہد و عابد اور صل معصلمات و مشکلات کے لئے یکتائے زمانہ تھے، اپنے خاص تفوق و برتری کی وجہ سے ابو حنیفہ صغیر کہے جاتے تھے۔

مدت تک بلخ و ماوراء النہر میں درس حدیث دیا اور مسند افتاء کوزینت دی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (حداائق)

۵۹- محدث ابو عمر و اسماعیل بن نجید بن احمد بن یوسف بن خالد سلمیٰ نیشاپوری م ۳۶۵ھ

شیخ جنید اور ابو عثمان جیری وغیرہ کے صحبت یافتہ بزرگ تھے، حدیث میں آپ کی تالیف ”جزاء ابن نجید“ ہے، آپ کے حسب ذیل ملفوظات قیمر منقول ہیں (۱) سالک پر جو حال وارد ہو (گو وہ فی نفسہ برانہ ہو) اگر وہ نتیجہ میں مفید علم نہ ہو تو اس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ ہوتا ہے (۲) مقام عبودیت اس وقت حاصل ہوتا ہے جب سالک اپنے تمام افعال کو ریاء اور اقوال کو محض دعویٰ سمجھے (۳) جس شخص کو مخلوق کے سامنے اپنا زوال جاہ شاق نہ ہو اس کے لئے دنیا اور اہل دنیا کو ترک کر دینا آسان ہو جاتا ہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (بستان المحدثین)

۶۰- ابو الشیخ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان اصبہائی م ۳۶۹ھ

مشہور محدث ہیں، آپ کی کتاب السنۃ اور کتاب طبقات المحدثین باصحاہ اہل علم کے لئے قیمتی سرمایہ ہیں۔ (الرسالة المستطرفة ص ۳۴)

۶۱- الحافظ الامام ابو بکر احمد بن علی رازی بھصا ص بغدادی حنفی ولادت ۳۰۵ھ م ۳۷۰ھ

اصول، فقہ، حدیث وغیرہ میں مسلم استاد تھے، احادیث ابی داؤد، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق و طیالسی کے گویا حافظ تھے، ان میں سے جن احادیث کو بھی کسی موقع پر ذکر کرنا چاہتے بے تکلف ذکر کرتے تھے، آپ کی تصانیف میں سے المفصول فی الاصول، شرح مختصر الطحاوی و مختصر الکرخی و جامع کبیر اور تفسیر احکام القرآن آپ کے بے نظیر فضل و تفوق پر شاہد ہیں اور معرفت رجال میں غیر معمولی امتیاز اولہ خلاف ہیں، آپ کے کلام سے ظاہر ہے۔ (تقدیر نصب الرایہ)

حدیث میں حافظ عبدالباقی بن قانع وغیرہ محدثین کے شاگرد ہیں، احکام القرآن میں ان کے اقوال و روایات بہ کثرت نقل کرتے ہیں، دور دراز بلاد و ممالک سے اہل علم آپ کی خدمت میں استفادہ کے لئے پہنچتے تھے، ابوعلی و ابو احمد حاکم نے بھی آپ سے حدیث سنی ہیں، ابو بکر رازی اور جصاص دونوں نام سے زیادہ مشہور ہیں، خطیب نے لکھا کہ جصاص اپنے وقت کے امام اصحاب ابی حنیفہ تھے اور زہد میں مشہور تھے، عہدہ قضا بار بار پیش کیا گیا مگر اس کو قبول نہ کیا اور درس و تعلیم کے مشغلہ کو ترجیح دی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (جواہر، نوآمد و حدائق)

۶۲- شیخ ابو بکر احمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن العباس الاسماعیلی ولادت ۲۷۷ھ ۳۷۱ھ

شہر جرجان میں اپنے وقت کے امام فقہ و حدیث تھے، آپ کی صحیح اسماعیلی مستخرج بر صبح بخاری مشہور ہے، اس کے علاوہ ”مسند کبیر“ اور ایک معجم بھی آپ کی ہے، بعض محدثین نے لکھا ہے کہ اسماعیلی کو درجہ اجتہاد حاصل تھا اور ذہن و حافظہ بھی بے نظیر تھا، اس لئے بجائے بخاری کے تابع ہو کر صرف ان کی مرویات و اسانید بیان کرنے کے زیادہ مناسب یہ تھا کہ سنن میں خود کوئی مستقل تالیف کرتے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان الحدیثین)

۶۳- شیخ ابو بکر محمد بن فضل بن جعفر بن رجا بن زرعة فضلی کماری بخاری حنفی ۳۷۱ھ

اپنے وقت کے امام کبیر، درایت و روایت میں معتمد تھے، کتب فتاویٰ آپ کے اقوال و فتاویٰ سے بھری ہوئی ہیں، آپ کو فتاویٰ لکھنے کی اجازت آپ کے مشائخ نے کم عمری ہی میں دے دی تھی جس پر فقیہ بلخ ہندوانی وغیرہ کو بھی اعتراض ہوا مگر جب وہ آپ سے ملنے آئے اور پوری پوری رات آپ کو مطالعہ کتب میں مشغول دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ جب نیند آتی ہے تو وضو کر کے پھر مطالعہ شروع کر دیتے ہیں تو کہا کہ اس لڑکے کو فتاویٰ لکھنے کی اجازت دینا کسی طرح بے جا نہیں ہے۔

صاحب کرامات بھی تھے جب مہمان آتے تو ان کے سامنے غیر موسم کے پھل پیش کرتے اور فرماتے کہ چالیس سال سے میں نے کوئی حرام چیز ہاتھ میں نہیں پکڑی اور نہ حرام کے راستہ پر چلا ہوں نہ کوئی حرام چیز کھائی ہے، لہذا جو شخص چاہے کہ ایسی کرامت پائے و میری طرح کرے۔ ملا علی قاری نے طبقات الحنفیہ میں ذکر کیا کہ آپ کے والد نے آپ سے اور آپ کے بھائی سے کہا تھا کہ اگر تم مبسوط کو یاد کر لو گے تو ایک ہزار اشرفی بطور انعام دوں گا، تو آپ نے اس کو حفظ کر لیا، والد ماجد نے مال تو آپ کے بھائی کو دیدیا اور آپ سے کہا کہ تمہیں مبسوط جیسی عظیم القدر کتاب کے حفظ کی نعمت ہی کافی ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (جواہر مضیہ و حدائق حنفیہ)

۶۴- امام ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم سمرقندی حنفی ۳۷۳ھ

علماء بلخ میں سے امام کبیر، فقیہ جلیل اور محدث و حید العصر تھے، آپ کو ایک لاکھ احادیث یاد تھیں اور امام ابو یوسف، امام محمد، امام وکیع امیر المؤمنین فی الحدیث، عبداللہ بن مبارک وغیرہ اکابر کی بھی سب کتابیں یاد تھیں، قاضی خان نے لکھا ہے کہ آپ کے نزدیک تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں، سفر میں ڈھیلے وغیرہ بھی اپنی مملوکہ زمین سے لے کر ساتھ رکھتے تھے کہ غیر مملوکہ زمین سے ڈھیلے لینے کی ضرورت نہ ہو، یہ پرہیزگاری کا اعلیٰ نمونہ تھا، وفات پر اہل سمرقند نے رنج و غم کے باعث ایک ماہ تو دکانیں بند رکھیں اور مزید ایک ماہ بند رکھنے کا ارادہ تھا، مگر حاکم وقت نے سمجھا کر کھلوادیں، آپ کی تصانیف میں سے شرح جامع صغیر، تالیس النظائر، مختلف الروایۃ، نوادر الفقہ، بستان العارفین اور تفسیر قرآن مجید مشہور ہیں، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق الحنفیہ)

۶۵- حافظ ابو حامد احمد بن حسین بن علی فقیہ مروزی (ابن طبری) حنفی ۳۷۶ھ

مشہور حافظ حدیث، مفسر، متورع، ماہر اصول و فروع اور واقف مذہب امام اعظم تھے، خطیب نے لکھا کہ علماء مجتہدین و فقہا متقنین

میں سے آپ جیسا کوئی حافظ حدیث اور ماہر آثار نہیں ہوا، روایت حدیث میں بڑے متقن و مثبت تھے، مدت تک خراسان کے قاضی القضاة رہے اور کثرت سے تصنیفات کیں، آپ کی تاریخ بدیع مشہور و معروف ہے، برقانی نے آپ کو ثقہ کہا اور یہ بھی کہا کہ آپ کے بارے میں سوا خیر کے میں کچھ اور نہیں جانتا۔

حاکم نے تاریخ نیشاپور میں آپ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ نے بخارا میں حدیث کا املاء کرایا ہے اور معرفت حدیث میں مرجع العلماء تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (جوہر مضیہ وحدائق حنفیہ)

۶۶- حافظ ابو نصر احمد بن محمد کلابازی حنفی م ۳۷۸ھ

مشہور حافظ حدیث ہیں آپ نے رجال بخاری پر کتاب تالیف کی، دارقطنی آپ کے علم و فہم کے مداح تھے، اپنے زمانہ میں تمام محدثین ماوراء النہر میں سے بڑے حافظ حدیث تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ نصب الراية)

۶۷- حافظ ابوالحسن محمد بن مظفر بن موسیٰ بغدادی حنفی م ۳۷۹ھ

مشہور حافظ حدیث مؤلف مسند امام اعظم ہیں، دارقطنی آپ کی جلالت قدر کے معترف تھے، خطیب نے اساتذہ و تلامذہ حدیث ذکر کئے اور کہا کہ آپ حافظ حدیث، صادق الروایۃ تھے، آپ سے دارقطنی، ابو حفص شاہین اور اس طبقہ کے دوسرے محدثین نے روایت حدیث کی، نیز خطیب نے ابوبکر برقانی سے نقل کیا کہ دارقطنی نے حافظ محمد بن مظفر سے ایک ہزار حدیث اور ایک ہزار حدیث لکھیں اور محمد بن عمر اسماعیل قاضی سے نقل کیا کہ میں نے دارقطنی کو دیکھا کہ حافظ ابوالحسن محمد بن مظفر کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور غایت ادب سے آپ کی موجودگی میں کسی حدیث کی سند بھی نہیں بیان کرتے تھے، آپ سے اپنی کتابوں میں بہت سی روایات بھی لی ہیں۔

خطیب نے محدثین سے آپ کی توثیق بھی نقل کی اور یہ بھی کہ آپ پر علم حدیث کا علم و حفظ انتہاء کو پہنچا اور ہمیشہ شیوخ حدیث میں بلند مرتبت شمار ہوئے، آخر میں محدث خوارزمی جامع المسانید نے فرمایا کہ یہ مسند امام ہی آپ کے کمال علم حدیث، غیر معمولی حفظ و اتقان اور وسعت علم متون و طرق پر شاہد عدل ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (جامع المسانید و تقدمہ نصب الراية)

۶۸- حافظ ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد العدل بغدادی حنفی م ۳۸۰ھ

مشہور حافظ حدیث، صاحب مسند امام اعظم ہیں، خطیب نے تاریخ میں آپ کے اساتذہ و تلامذہ حدیث ذکر کئے ہیں، امام اعظم کا مسند مذکور حروف مجتم کی ترتیب پر تالیف کیا، عدول، ثقات، واثبات میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ جامع المسانید)

۶۹- امام ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی دارقطنی (بغدادی) م ۳۸۵ھ

مشہور امام حدیث شافعی المذہب ہیں، حاکم، منذری، تمام رازی، ابو نعیم اصفہانی وغیرہ کے شاگرد ہیں، فن معرفت علی حدیث و اسماء رجال میں بڑی شہرت پائی، مذاہب فقہاء سے بھی باخبر تھے، آپ کی تصانیف میں سے ایک کتاب اللزومات ہے جو مستدرک الحسین کی طرح ہے، اس میں آپ نے وہ احادیث جمع کی ہیں جو شخصین کی شرائط کے مطابق ہیں اور ان کو ذکر کرنا چاہئے تھا، لیکن ان میں ذکر نہیں ہوئیں یہ کتاب مسانید کے طرز پر مرتب کی ہے، اس کے علاوہ آپ کی علل اور سنن بھی گراں قدر حدیثی تالیفات ہیں۔ وغیرہ، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان و رسالہ)

۷۰- حافظ ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بغدادی معروف ابن شاہین م ۳۸۵ھ

مشہور حافظ حدیث ہیں، آپ کی کتاب السنۃ مقبول و معروف ہے اس کے علاوہ دوسری تصانیف عجیبہ مفیدہ ہیں جن کی تعداد ۳۳ تک

بیان ہوئی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (الرسالۃ المستطردہ فص ۳۴)

۷۱- شیخ ابوالحسن علی معروف بزائم ۳۸۵ھ

آپ علی بن الضراء کے عمدہ محدثین میں سے ہیں استاد حدیث ہیں اور ابراہیم بن عبد الصمد ہاشمی کے شاگرد ہیں، آپ نے بہت سی مفید کتابیں تصنیف کیں جن میں سے ”جزء فضائل اہل البیت“ زیادہ مشہور ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحدثین)

۷۲- حافظ ابوسلیمان احمد بن محمد بن محمد بن خطاب البستی (الخطابی) م ۳۸۸ھ

مشہور حافظ و فقیہ ہیں، ابن الاعرابی اور اسماعیل بن محمد سفار اور اس طبقہ کے دوسرے محدثین سے علم حاصل کیا، حاکم وغیرہ آپ کے تلمیذ ہیں، زیادہ قیام نیشاپور میں رہا اور وہیں تصنیف و تالیف و مشغول رہ، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں، معالم السنن، غریب الحدیث، شرح اسماء حسنی، کتاب المعرفہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحدثین)

۷۳- حافظ ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحییٰ (بن مندہ) اصہبائی م ۳۹۶ھ

مشہور حافظ حدیث جنہوں نے تحصیل حدیث کے لئے دور دراز بلاد و ممالک کے سفروں سے شہرت پائی، آپ کی تصانیف مفیدہ بکثرت ہیں، ان میں سے ایک کتاب سنن پر بھی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (الرسالۃ المستطردہ فص ۳۴)

۷۴- شیخ ابوالحسن محمد بن احمد بن عبد الرحمن بن یحییٰ ابن جمیع متوفی ۴۰۲ھ

آپ نے ابو العباس بن عقده، ابو عبد اللہ الحاملی وغیرہ علماء سے حدیث حاصل کی اور حافظ عبد الغنی بن سعد، تمام رازی وغیرہ آپ کے شاگردوں میں ہیں، خطیب نے توثیق کی اور شام کے محدثین میں آپ کو سب سے زیادہ قوی السند بتلایا، آپ کی مجتم مشہور ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحدثین)

۷۵- شیخ ابو بکر محمد بن موسیٰ خوارزمی حنفی م ۴۰۳ھ

محدث ثقہ، فقیہ تاجر، جامع فروع و اصول تھے، ملا علی قاری نے علامہ ابن اثیر کی مختصر غریب الحدیث سے نقل کیا کہ آپ پانچویں صدی کے مجددین امت محمدیہ میں سے ہیں، آپ عوام و خواص میں معظم و محترم تھے اور کسی کا ہدیہ و صلہ قبول نہ کرتے تھے، خطیب نے کہا کہ آپ سے ابو بکر برقانی نے ہمارے لئے تحدیث کی اور برقانی اکثر آپ کا ذکر خیر کرتے تھے، میں نے ایک دفعہ ان سے آپ کے مذہب فی الاصول کے بارے میں سوال کیا تو کہا کہ آپ فرمایا کرتے تھے:

”ہمارا دین بوڑھی عورتوں کا سادین ہے اور ہم کسی بات میں کلام کرنے کے لائق نہیں، کئی بار آپ کو حکومت کے عہدے پیش کئے گئے مگر آپ نے قبول نہیں کئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۷۶- حافظ ابو الفضل السلیمانی احمد بن علی البیکندی حنفی م ۴۰۴ھ

مشہور حافظ حدیث، شیخ ماوراء النہر ہیں، آپ سے محدث جعفر مستغفری خطیب زنف نے علم حاصل کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (تقدمہ نصب الراية)

۷۷- حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم الضعی معروف حاکم نیشاپوری م ۴۰۵ھ

مشہور محدث ہیں، آپ کے مستدرک اور معرفۃ علوم الحدیث زیادہ مشہور و مفید ہیں، دوسری بعض تصانیف یہ ہیں، تاریخ نیشاپور،

کتاب مزکی الاخبار، المدخل الی علم الصحیح، الاکیل، آپ کی تصانیف ڈیڑھ ہزار جزو کے قریب پہنچتی ہیں، عہدہ قضاء پر فائز تھے اس لئے ”حاکم“ نام پڑ گیا تھا، علامہ ذہبی نے تاریخ میں لکھا کہ ”آپ کی مستدرک میں بقدر نصف کے وہ احادیث ہیں جو شیخین یا کسی ایک کی شرط پر ہیں اور چوتھائی وہ ہیں کہ ان کی اسناد درست ہیں، اگرچہ شروط مذکور پر نہیں، باقی ایک ربع ضعیف و منکر بلکہ موضوع بھی ہیں، میں نے تلخیص میں اس پر مطلع کر دیا ہے“، اسی وجہ سے علماء حدیث نے لکھا ہے کہ حاکم کی مستدرک پر تلخیص ذہبی دیکھے بغیر اعتماد نہ کرنا چاہئے۔

کہا جاتا ہے کہ حاکم کے وقت میں چار شخص چوٹی کے محدث تھے، دارقطنی بغداد میں حاکم نیشاپور، ابو عبد اللہ بن منندہ اصفہان میں اور عبد الغنی مصر میں، پھر محققین علماء نے یہ تشریح کی کہ دارقطنی کو معرفت علل حدیث میں حاکم کو فن تصنیف و حسن ترتیب میں ابن منندہ کو کثرت حدیث میں عبد الغنی کو معرفت اسباب میں تبحر حاصل تھا، رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (بتان المحدثین)

۷۸- حافظ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بخاری ”غنجار“ حنفی م ۲۱۲ھ

مشہور حافظ حدیث ہیں، آپ کی تاریخ بخاری بہت اہم تاریخی حدیثی خدمت ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (تقدمہ نصب الراية)

۷۹- حافظ ابو القاسم تمام بن محمد ابی الحسین بن عبد اللہ بن جعفر ابی رازی م ۲۱۴ھ

آپ معرفت رجال میں کامل مہارت رکھتے تھے، حدیث کی صحت و سقم بیان کرنے میں مشہور تھے، حفظ حدیث میں ضرب المثل تھے، آپ کی تصانیف میں ”فوائد تمام رازی“ زیادہ مشہور ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (بتان المحدثین)

۸۰/۱- شیخ ابو الحسین محمد بن احمد بن طیب بن جعفر واسطی کماری حنفی م ۲۱۷ھ

مشہور فقیہ، عارف اور محدث عادل تھے، حدیث بکر بن احمد اور اس طبقہ کے دوسرے محدثین سے حاصل کی، فقہ میں ابو بکر رازی (بہ لبذ امام کرخی) کے شاگرد ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة۔ (حدائق حنفیہ)

۸۰/۲- حافظ ابو القاسم ہبہ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری الرازی اللہ رکائی ۲۱۸ھ مشہور محدث و محقق گزرے ہیں۔

۸۱- شیخ ابو علی حسین بن خضر بن محمد بن یوسف نسفی حنفی م ۲۲۴ھ

محدث نڈتہ اور فقہ جید تھے، اپنے زمانہ کے مشہور جلیل القدر محدثین بخارا و بغداد و کوفہ و حرین سے علم حدیث حاصل کیا اور آپ سے بکثرت محدثین نے روایت کی، آخر میں آپ سے ابو الحسن علی بن محمد بخاری نے حدیث سنی اور روایت کی، مدت تک بغداد رہ کر تعلیم، تدریس و مناظرہ اہل باطل میں مشغول رہے، پھر بخارا کے قاضی ہوئے، آپ نے حدیث و فقہ میں مفید تصنیفات کیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة۔ (حدائق)

۸۲- حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن احمد بن غالب الخوارزمی (البرقانی) الشافعی م ۲۲۵ھ

حدیث میں آپ کی مستخرج علی الحسین ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة۔ (الرسالة المستنظر فص ۳۷)

۸۳- امام ابو الحسین احمد بن محمد بن احمد بن جعفر معروف بہ قدوری حنفی م ۲۲۸ھ

چوتھے طبقہ کے فقہاء کبار میں سے بڑے جلیل القدر فقیہ اور محدث و ثقہ و صدوق تھے، فقہ و حدیث ابو عبد اللہ محمد بن جر جانی (تلمیذ امام ابی بکر بصاص) سے حاصل کیا اور آپ کے تلامذہ میں خطیب بغدادی، قاضی القضاة ابو عبد اللہ دامغانی وغیرہ ہیں، آپ کے علمی حدیثی مناظرے شیخ ابو جہاد اسفرائینی فقیہ شافعی سے اکثر رہے ہیں، آپ کی تصانیف میں سے مختصر مبارک (قدوری) بہت مقبول و متداول ہوئی، اس

کے علاوہ یہ ہیں: شرح مختصر الکرخی، تجرید (سات جلد جن میں اصحاب حنفیہ و شافعیہ کے مسائل خلاف پر بحث کی ہے)، تقریب ایک جلد، مسائل الخلاف بین اصحابنا ایک جلد (جس میں امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے مابین فروعی اختلاف کا ذکر کیا ہے) وغیرہ ڈاک۔
خطیب نے کہا کہ میں نے آپ سے حدیث لکھی آپ صدوق تھے اور حدیث کی روایت کم کرتے تھے، اپنی غیر معمولی ذکاوت کی وجہ سے فقہ میں بڑا تفوق حاصل کیا، عراق میں ریاست مذہب حنفیہ آپ کی وجہ سے کمال پر پہنچی اور آپ کی بڑی قدر و منزلت ہوئی، آپ کی تقریر و تحریر میں بڑی دل کشی تھی، ہمیشہ تلاوت قرآن کرتے تھے، سمعانی نے کہا کہ آپ فقیہ، صدوق تھے، مختصر تصنیف کی جو بہت مشہور ہے اور اس سے خدا نے لاتعداد اہل علم کو فائدہ پہنچایا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (جو اہر مضیہ وحدائق حنفیہ)

۸۲- حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ اصفہانی ولادت ۳۳۶ھ متوفی ۴۳۰ھ مشہور حافظ حدیث ہیں، بڑے بڑے مشائخ سے سماع حدیث کیا اور ان میں سے جن سے کامل استفادہ کیا یہ ہیں: ”طبرانی، ابوالشیخ، حافظ ابو بکر جعابی حنفی ابو علی بن صواف، ابو بکر آجری، ابن خلاد نصیبی، فاروق بن عبد الکریم خطابی، خطیب بغدادی وغیرہ آپ کے خصوصی شاگردوں میں ہیں، خطیب نے آپ سے پوری بخاری شریف تین مجالس میں پڑھی، آپ کی مشہور و مفید ترین بڑی تالیفات یہ ہیں، حلیۃ الاولیاء، معرفۃ الصحابہ، دلائل النبوة، المستخرج علی البخاری، المستخرج علی مسلم، تاریخ اصفہان، صفۃ الجنۃ، کتاب الطب، فضائل الصحابہ، کتاب المستقصد ان کے علاوہ چھوٹے رسائل و کتب بہت ہیں۔ (بستان المحمدین)

یہاں یہ امر بھی لائق ذکر ہے کہ ابو نعیم اصفہانی باوجود اپنی جلالت قدر و خدمات عظیم المرتبت کے تعصب کی شان رکھتے تھے اور علماء نے اس وصف کی وجہ سے آپ کو دارقطنی، بیہقی اور خطیب کے ساتھ رکھا ہے، چنانچہ علامہ ابن جوزی نے منتظم میں لکھا کہ محدث اسماعیل بن ابی الفضل اصفہانی فرمایا کرتے تھے، تین حفاظ حدیث مجھ کو ان کے شدت تعصب اور قلت انصاف کی وجہ سے ناپسند ہیں، حاکم ابو عبد اللہ، ابو نعیم اصفہانی اور ابو بکر خطیب اور اسماعیل نے سچ کہا وہ واقعی اہل معرفت سے تھے۔

حافظ ابن عبد الہادی نے تنقیح التحقیق میں کہا ہے کہ ہمارے مشائخ کا بیان ہے کہ جب دارقطنی مصر آئے اور لوگوں نے جہر بسم اللہ کے بارے میں تصنیف کی درخواست کی تھی آپ نے ایک جزو لکھا، پھر بعض مالکیہ نے آپ کو حلف دیا تو اعتراف کیا کہ جہر بسم اللہ میں کوئی حدیث نہیں ہے البتہ صحابہ سے دونوں طرح کے اقوال ثابت ہیں۔ (نصب الراية)

اسی لئے ابن جوزی کا یہ قول بھی حافظ عینی نے شرح ہدایہ میں نقل کیا کہ دارقطنی جب کسی کے طعن میں منفرد ہوں تو ان کا طعن غیر مقبول ہوگا، کیوں کہ ان کا تعصب سب کو معلوم ہے، امام بیہقی نے جو کچھ امام طحاوی پر تعصب و ناانصافی سے کلام کیا ہے اس پر علامہ قرشی نے جو اہر مضیہ میں ضروری تبصرہ کر دیا ہے اور جو ہر تہی ان کا کامل و مکمل جواب ہے۔

نیز علامہ زبیدی نے عقود الجواہر الحنفیہ میں لکھا کہ جو شخص ”سنن بیہقی“ کا مطالعہ کرے گا وہ امام بیہقی کے تعصبات سے حیرت زدہ رہ جائے گا، حافظ ذہبی شافعی نے اپنے رسالہ ”الروایۃ الثقات المستحکم فیہم بما لا یوجب روہم“ میں لکھا کہ ابو بکر خطیب، ابو نعیم اصفہانی اور دوسرے بعض متاخرین علماء کا بڑا گناہ میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ انہوں نے اپنی تالیفات میں بعض احادیث موضوعہ تک نقل کر دی ہیں جو سنن

۱- یہ حافظ جعابی محمد عمر بن محمد سالم حنفی (م ۳۵۵ھ) ظل حدیث اور تاریخ رجال کے بہت بڑے امام گزرے ہیں، جن کو چار لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں، دارقطنی نے ان سے بڑا استفادہ کیا ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی آپ کو دارقطنی کے بڑے اساتذہ میں ذکر کیا ہے، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کا مبسوط ترجمہ لکھا ہے، حافظ جعابی امام حارثی بخاری (جامع مسند امام اعظم) کے تلمیذ حدیث ہیں جو مشاہیر ائمہ احناف میں سے ہیں، حافظ ابن مندہ اور حافظ ابن عقدہ وغیرہ کبار حفاظ و محدثین بھی امام حارثی کے تلامذہ حدیث ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ ورضی عنہم اجمعین۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث) ص ۲۳ و ص ۱۱۷

ہدیٰ پر بڑا ظلم ہے، خدا ہمیں اور ان کو معاف کر دے۔

علامہ محمد معین سندھی نے دراسات اللیب میں لکھا کہ یہ دارقطنی ہیں جنہوں نے امام الآئمہ ابوحنیفہؒ پر طعن کر دیا ہے اور ان کی وجہ سے ان کے مذہب کے موافق احادیث کو بھی ضعیف کہہ دیا ہے، ایسے ہی خطیب بھی حد سے بڑھ گئے، لیکن ان دونوں یا ان کے طریقہ پر چلنے والوں کو کون اہمیت دیتا ہے، جب کہ امام صاحب کی جلالت قدر اور توثیق پر اتفاق و اجماع ہو چکا ہے اور آپ کی منقبت عظیمہ سے کون انکار کر سکتا ہے جس سے آپ نے فحواحدیث صحیح ثریا تک کا علم حاصل کر لیا ہے۔

نیز خطیب کے ہی ہم مشرف علامہ ذہبیؒ کی طرح شافعی المذہب حافظ حدیث محمد بن یوسف صالحی نے عقود الجمان میں لکھا کہ ”تم خطیب کی ان باتوں سے جو انہوں نے امام ابوحنیفہ کی شان رفیع کے خلاف نقل کر دی ہیں دھوکہ میں نہ پڑ جانا، کیونکہ خطیب نے اگرچہ مادھین امام اعظم کے اقوال بھی نقل کئے ہیں مگر اس کے بعد وہ امور نقل کئے جس نے ان کی کتاب کا مرتبہ بھی گرا دیا اور بڑا عیب اس کو لگ گیا جس کی وجہ سے ہر چھوٹا بڑا ان کو ہدف و ملامت بنانے پر مجبور ہوا اور حقیقت یہ ہے کہ خطیب نے وہ گندگی ڈالی ہے جس کو بہت سے دریا مل کر بھی نہیں بہا سکتے۔

علامہ جمال الدین مقدسی حنبلی م ۹۰۹ھ نے تنویر الصحیفہ میں لکھا کہ ”امام ابوحنیفہ سے تعصب رکھنے والوں میں سے دارقطنی کے علاوہ ابو نعیم بھی ہیں کہ انہوں نے حلیۃ الاولیاء میں امام صاحب کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ امام صاحب سے بہت کم درجہ کا علم وزہد رکھنے والوں کا ذکر کیا ہے، ان تمام ناگفتنی امور کے ساتھ یہ بھی اعتراف کرنا ہے کہ باوجود اس کے بھی حافظ ابو نعیم نے امام صاحب کی احادیث مرویہ کو اہمیت دی ہے اور آپ کی روایت سے ایک مسند بھی تالیف کیا۔

اسی طرح امام بیہقی نے اپنی سنن میں امام صاحب کی مرویہ احادیث سے احتجاج کیا ہے، مستدرک میں حاکم نے بھی آپ کی احادیث سے استشہاد کیا ہے اور آپ کو آئمہ اسلام میں داخل کیا ہے اور معرفۃ علوم حدیث میں تو امام صاحب کو ان آئمہ ثقافت میں شمار کیا ہے جو تابعین و اتباع تابعین میں سے مشہور ہوئے اور جن کی احادیث حفظ و مذاکرہ کے لئے جمع کی جاتی رہی ہیں اور ان سے نیز ان کے ذکر مبارک سے مشرق و مغرب کے لوگ برکت حاصل کرتے رہے ہیں۔ (تأمس الیہ الحاجۃ)

۸۵- حفاظ ابوالعباس جعفر بن محمد نسفی مستغفری حنفی م ۲۳۲ھ

کبار حفاظ حدیث میں سے نسف کے خطیب، جید فقیہ، محدث مکثر و صدوق تھے، تمام علاقہ ماوراء النہر میں آپ کا مثل نہیں تھا، حافظ غنجا ر قاضی ابوعلی حسین نسفی، زاہد بن احمد سرحسی وغیرہ سے علم حاصل کیا، آپ سے ابو منصور سمعانی وغیرہ نے روایت حدیث کی، آپ کی بہت سی مفید تصانیف ہیں، حدیث میں ”جموع“ اور ”معرفۃ الصحابہ“ زیادہ مشہور ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ، جواہر مضیہ وحدائق)

۸۶- شیخ ابو عبد اللہ حسین بن علی بن محمد بن جعفر صیمری حنفی ولادت ۳۵۱ھ متوفی ۴۳۶ھ

مشہور فقیہ جلیل اور محدث صدوق تھے، فقہ ابو بکر محمد خوارزمی سے، حدیث ابوالحسن دارقطنی اور ابو بکر محمد بن احمد جرجانی وغیرہ سے حاصل کی، آپ سے قاضی القضاة ابو عبد اللہ محمد بن علی بن محمد بن حسین دامغانی وغیرہ نے فقہ میں تخصص حاصل کیا اور خطیب بغدادی وغیرہ نے حدیث روایت کی، آپ نے امام اعظم اور اصحاب امام کے مناقب میں نہایت اہم جلیل القدر تصنیف کی، مدت تک مدائن وغیرہ میں عہدہ قضا پر متمکن رہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (جواہر مضیہ وحدائق حنفیہ)

۸۷- شیخ ابو جعفر محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن محمود سمنانی حنفی ولادت ۳۶۱ھ م ۴۳۲ھ

محدث و فقیہ، ثقہ، صدوق تھے، حنفی المذہب، اشعری الاعتقاد تھے، حدیث میں نصر بن احمد بن خلیل اور دارقطنی وغیرہ کے شاگرد ہیں اور

خطیب بغدادی وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں، مدت تک موصل کے قاضی رہے، صاحب تصانیف مفیدہ ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق)

۸۸- حافظ ابوسعید السمان اسماعیل بن علی بن زنجویہ رازی حنفی م ۴۴۵ھ

علم حدیث، معرفت رجال وفقہ حنفی کے امام تھے، معرفت خلاف بین الائمة المتبوعین کے بڑے بصیر تھے، آپ سے شیوخ زمانہ میں سے تین ہزار شیوخ نے تلمذ کیا، بڑے متقی و زاہد تھے، ۷۴ سال میں کبھی کسی دوسرے کا کھانا نہیں کھایا، نہ ان پر کسی کو کوئی احسان کرنے کی ضرورت پیش آئی، نہ حالت اقامت میں نہ سفر میں، فرمایا کرتے تھے کہ جس نے حدیث رسول ﷺ نہیں لکھی، اس کو صحیح معنی میں حلاوت اسلام نہیں ملی، بہت سی تصانیف کیں، تمام اوقات درس و تعلیم، ارشاد و ہدایت نماز و تلاوت قرآن مجید پر صرف فرماتے تھے، ہمیشہ تجرد میں بسر کی، وفات کے وقت اس طرح متبسم و خوش تھے جیسے کوئی سفر سے گھر لوٹ کر ہوتا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ و جواہر مضیہ)

۸۹- شیخ خلیل بن عبداللہ بن احمد (ابو یعلیٰ) قزوینی م ۴۴۶ھ

علم حدیث اور رجال کے بہت بڑے عالم تھے، علی بن احمد بن صالح قزوینی، ابو حفص کتانی، حاکم اور اس طبقہ کے دوسرے بزرگوں سے سماع و حدیث روایت کی، آپ کی کتاب ”ارشاد فی معرفۃ المحدثین“ راویوں کے حالات میں نہایت عمدہ کتاب ہے، لیکن اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ اس میں اوہام بھی ہیں جب تک دوسری کتابوں کی شہادت نہ مل جائے اس پر کلی اعتماد نہ چاہئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحدثین)

۹۰- شیخ محمد اسماعیل محدث لاہوری حنفی م ۴۴۸ھ

بخارا کے سادات عظام سے تھے جو سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں ۳۹۵ھ میں لاہور آ کر ساکن ہوئے، علوم تفسیر، فقہ و حدیث کے امام اور علوم باطنی کے پیشوائے کامل تھے، واعظان اہل اسلام میں سب سے پہلے آپ ہی کا لاہور میں درود ہوا اور آپ کے ارشادات و ہدایت سے ہزاروں لوگ مشرف بہ سلام ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۹۱- شیخ الائمہ شیخ عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح حلوائی بخاری حنفی م ۴۴۸ھ

اپنے زمانہ کے امام کبیر، فاضل بے نظیر، فقیہ کامل و محدث ثقہ تھے، مجتہدین فی المسائل میں آپ کا شمار ہے، حافظ محمد بن احمد غنجاہر ابو اہلق رازی وغیرہ سے حاصل کی، امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کو ابو بکر محمد بن عمر بن حمدان سے روایت کیا اور آپ سے شمس الائمہ سرحسی اور فخر السلام بزودی وغیرہ نے فقہ و حدیث حاصل کی، آپ کی تصانیف میں سے مبسوط اور کتاب النوادر زیادہ مشہور ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (فوائد ہدیہ و حدائق حنفیہ)

۹۲- شیخ ابو عثمان اسماعیل بن عبدالرحمن بن احمد بن اسماعیل بن ابراہیم الصابونی م ۴۴۹ھ

ابوسعید عبداللہ بن محمد رازی، ابوطاہر ابن خزیمہ، عبدالرحمن بن ابی شریح اور اس طبقہ کے دوسرے علماء و محدثین سے علم حاصل کیا، عبدالعزیز کتانی اور ابو بکر بیہقی وغیرہ آپ کے تلامذہ میں ہیں، بیہقی آپ کو امام المسلمین اور شیخ الاسلام کہتے تھے، ستر سال تک برابر وعظ و نصیحت میں مشغول رہے، نیشاپور کی جامع مسجد میں بیس سال تک امامت و خطابت آپ ہی کے سپرد رہی، آپ کی تصانیف میں سے ”کتاب الماتین“ مشہور ہے، اس میں دو سو احادیث، دو سو حکایات اور دو سو قطععات اشعار کے ہیں جو ہر حدیث کے مضمون کے مناسب لائے ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (بستان)

۹۳- حافظ ابو محمد عبدالعزیز بن محمد بن محمد بن عاصم نسفی حنفی م ۴۵۶ھ

حافظ حدیث، محدث ثقہ، فقیہ متقن تھے، سلفی نے کہا کہ میں نے آپ کی بابت مومن ساجی سے پوچھا، انہوں نے کہا کہ آپ مثل ابی

بکر خطیب و محمد بن علی صہوی کے حافظ حدیث، جید الفہم، مرضی الخصائل تھے، ابن مندہ نے کہا کہ آپ حفظ و اتقان میں یگانہ روزگار تھے، اور میں نے اپنے زمانہ میں آپ جیسا سربلج الکتابۃ، سربلج القرآۃ اور دقیق الحظ نہیں دیکھا، مدت تک حافظ جعفر مستغفری کی صحبت میں رہ کر بہ کثرت سماع حدیث و اخذ روایت کیا اور بغداد جا کر محمد بن محمد بن غیلان سے بھی استفادہ کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (حدائق حنفیہ)

۹۴- شیخ ابوالقاسم عبدالواحد بن علی بن برہان الدین عکبری حنفی م ۴۵۶ھ

محدث، فقیہ، متکلم، نحوی، لغوی، مورخ و ادیب فاضل تھے، چنانچہ پہلے جنابلی تھے، پھر حنفی ہوئے، اپنے زمانہ کے اجلہ محدثین و فقہاء سے علم حاصل کیا، امام صاحب کے مذہب سے مدافعت میں بہت جری و قوی تھے، ان کے دلائل کی قوت مسلم تھی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (حدائق وغیرہ)

۹۵- حافظ ابو محمد علی بن احمد بن حزم اندلسی ولادت ۳۸۴ھ م ۴۵۷ھ

آپ فارسی النسل تھے، قرطبہ میں ولادت ہوئی، حفظ و ذکاوت اور وسعت مطالعہ میں بڑی شہرت پائی، پہلے شافعی تھے پھر داؤد ظاہری کا مسلک اختیار کر لیا تھا، قیاس سے منکر تھے، مختلف زبانوں میں مہارت تھی، علوم اسلامیہ کے علاوہ بلاغت و شاعری میں بھی تمام اہل اندلس پر فائق تھے، آپ کی تصانیف میں سے المحلی و الجلی، کتاب الاحکام اور الفصل فی الملل والنحل زیادہ مشہور و متداول ہیں، آپ کی جلالت قدر بے شبہ ہے، مگر چند کمزوریاں بھی آپ کی ایسی ہیں جو نظر انداز نہیں ہو سکتیں، مثلاً اپنی رائے پر انتہائی جمود، اپنے مخالف کی نہایت سخت الفاظ میں تجہیل و تحمیل، حتیٰ کہ آئمہ متبعین اور اکابر محدثین بھی آپ کے نازیبا کلمات اور غیر موزوں تنقید سے نہ بچ سکے، اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ حجاج کی تلوار اور ابن حزم کی زبان یکساں تھی، اس کی وجہ خود انہوں نے ”مداواة النفوس“ میں یہ لکھی ہے کہ ”میری تلی بڑھ گئی تھی اس لئے میرے مزاج میں اس قدر تغیر پیدا ہو گیا کہ مجھے خود اس پر تعجب ہے۔“

مقدمہ ابن اصلاح کی تلخیص میں حافظ ذہبی نے اور امام ترمذی کے تذکرہ میں حافظ ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”ابن حزم“ اپنی علمی وسعت کے ساتھ امام ترمذی اور آپ کی تصنیف سے ناواقف تھے۔ (تذکرہ و تہذیب)

ابن حزم آئمہ احناف اور مذہب حنفی سے بہت زیادہ تعصب برتتے ہیں، کافی دراز لسانی بھی کی ہے اور نا انصافیاں کی ہیں، ہمارے حضرت شاہ صاحب نے ایک روز درس بخاری شریف میں فرمایا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو ایک سعی پیدل کی اور دوسری سوار ہو کر، اس سے احناف نے استدلال کیا کہ آپ قارن تھے، اس حدیث پر ابن حزم گزرے تو توجیہ کی ایک ہی سعی کے کہ کچھ شوط پیدل کئے تھے اور کچھ سوار ہو کر، میں نے اس توجیہ کی دھجیاں بکھیر دیں ہیں اور صریح احادیث سے ثابت کیا ہے کہ پیدل اور سوار دو سعی مستقل الگ الگ ہوتی ہیں، پھر فرمایا کہ ابن حزم بنے کی لٹیا کی طرح حق و باطل پر اچھال کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ حضرت العلامة مولانا مفتی سید محمد مہدی حسن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، امام محمد کی کتاب الحج پر تعلیقات لکھ رہے ہیں جو ان شاء اللہ ادارہ احیاء المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوگی، ان تعلیقات میں آپ کے سامنے محلی ابن حزم بھی ہے اور ان کی دراز دستیوں کا بوجہ احسن دفاع کیا ہے۔ نفعنا اللہ بعلومہ۔

حافظ ابن حزم نے شرح معانی الآثار طحاوی کو ابو داؤد نسائی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (سیر النبلاء، ذہبی)

۹۶- حافظ ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ بیہقی ولادت ۳۸۴ھ متوفی ۴۵۸ھ

مشہور جلیل القدر محدث تھے، بڑی بڑی گرانقدر تصانیف کیں، ان میں سے زیادہ اہم و نافع کتابیں یہ ہیں: ”سنن کبریٰ“ (۱۰ جلد)

معرفۃ السنن والآثار (۴ جلد) کتاب الاسماء والصفات (۲ جلد) دلائل النبوة (۳ جلد) کتاب الخلافات ۲ جلد، مناقب الشافعی، کتاب الدعوات الکبیر، کتاب الزہد، کتاب البعث والنشور، الترغیب والترہیب، اربعین کبریٰ، اربعین صغریٰ، کتاب السراء یہ سب ایک جلد کی ہیں۔ امام الحرمین شافعی کا قول ہے کہ دنیا میں سوا بیہتی کے اور کسی شافعی کا احسان امام شافعی پر نہیں، کیونکہ بیہتی نے اپنی تمام تصانیف میں امام شافعی کے مذہب کی تائید و تقویت کی ہے اور اسی وجہ سے ان کے مذہب کا رواج زیادہ ہوا، امام شافعی کے فقہ اور فن حدیث و علل میں پوری مہارت رکھتے تھے، باوجود اس علمی تبحر کے امام بیہتی کے پاس جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ موجود نہ تھیں اور حدیث کی ان تینوں بلند پایہ کتابوں کی احادیث پر آپ کو کما بین ہی اطلاع نہ تھی۔ (بستان المحدثین)

حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک مقام پر حافظ نے فتح الباری میں بیہتی کے حوالے دیئے ہیں جو حنفیہ کے خلاف ہیں، میں نے تقریباً ۲۱ سال ہوئے حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے یہاں سنن بیہتی قلمی دیکھی تھی جو اب بھی موجود ہے اس میں حنفیہ کے موافق پایا تھا، بیہتی اب طبع بھی ہو گئی ہے، لیکن اس میں حافظ کے موافق درج ہے، میرا خیال ہے کہ وہ نسخہ بھی غلط ہی ہوگا جو حافظ کے پیش نظر تھا اور اسی لئے حافظ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں نے اب اس امر کے قرائن بھی لکھنے شروع کئے ہیں کہ قلمی نسخہ مذکورہ صحیح ہے۔ (یہ ملفوظ مبارک ۳۱ھ کا ہے)

حضرت شاہ صاحب کا ریمارک مذکور نہایت اہم ہے افسوس ہے کہ حضرت کی وہ یادداشت ہمیں ابھی تک نہیں مل سکیں جس میں وہ قرائن تحریر فرمائے تھے، ضرورت ہے کہ فتح الباری سے مقام مذکور متعین کر کے ان مواقع میں سنن بیہتی کے دونوں مطبوعہ و قلمی نسخوں کا مقابلہ کیا جائے، پھر قلمی نسخہ کی صحت کے قرائن کا کھوج لگایا جائے، ممکن ہے کچھ کامیابی ہو جائے ورنہ حضرت کا ساتھ تبحر، وسعت مطالعہ اور بالغ نظری اب کہاں؟ خواب تھا جو کچھ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔

حضرت کی علمی ریسرچ اور دور رس تحقیقات و تدقیقات کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے، انوار الباری میں ایسی بہت سی چیزیں پیش ہوں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ و بیدہ التوفیق۔

امام بیہتی نے بھی مسائل خلاف میں شوافع کی تائید میں حنفیہ کے خلاف بہت تعصب سے کام لیا ہے ”الجواہر النقی فی الرد علی اللہبیہتی کی دو جلدوں میں ابن ترکمانی حنفی نے امام بیہتی کا جواب رد لکھا ہے، جو ہر حنفی عالم کو مطالعہ کرنا چاہئے، تمام جوابات محدثانہ محققانہ ہیں، یہ کتاب سنن بیہتی کے ساتھ بھی طبع ہوئی ہے اور الگ بھی دو جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔

۹۷- شیخ حسین بن علی بن محمد بن علی دامغانی حنفی، متوفی ۴۶۱ھ

مشہور محدث و فقیہ تھے، حدیث ابوالغنائم زبینی وغیرہ سے پڑھی اور آپ سے قاضی ابوالحسن عمر بن علی قرشی نے روایت کی اور اپنے معجم شیوخ میں بھی آپ کی حدیث ذکر کی، (جواہر مضیہ)

۹۸- شیخ ابوالحسن علی بن حسین سنندی حنفی (م ۴۶۱ھ)

محدث جلیل و فقیہ نبیل تھے، فقہ شمس الآئمہ سرخسی سے اور حدیث ایک جماعت محدثین سے حاصل کی، بخارا میں افتا اور قضاء کی خدمات مدت تک انجام دیں، فتاویٰ قاضی خان وغیرہ مشہور کتاب فتاویٰ میں آپ کے اقوال نقل ہوئے ہیں، آپ کی تصانیف میں سے فتاویٰ میں ”سنن“ اور شرح جامع کبیر مشہور ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (جواہر وحدائق)

۹۹- حافظ یوسف بن عبداللہ بن محمد عبدالبر بن عاصم نمری قرطبی مالکی ولادت ۳۶۸ھ متوفی ۴۶۳ھ

مشہور جلیل القدر عالم و فاضل تھے، خطیب کے معاصر ہیں مگر ان سے پہلے طلب حدیث میں مشغول ہوئے اور بڑا مرتبہ پایا، حفظ و

اتقان میں لاثانی تھے، آپ کی کتاب ”التمہید“ نادرہ روزگار نہایت جلیل القدر علمی تصنیف ہے جس کی پندرہ جلدیں ہیں، محققین علماء کا فیصلہ ہے کہ آپ کا علمی پایہ خطیب بیہتی اور ابن حزم سے کہیں زیادہ بلند تھا، صدق، دیانت، حسن، اعتقاد، اتباع سنت و نزاہت لسان کے اعتبار سے زمرہ علماء میں آپ کا خاص امتیاز ہے۔

علامہ ابن حزم کے برعکس آپ پہلے اصحاب ظواہر سے تھے، پھر تقلید اختیار کی اور مالکی ہوئے اور فقہ شافعی کی طرف بھی میلان تھا، امام اعظم اور اصحاب امام کے بھی بڑے مداحین میں سے ہیں اور ان کی طرف سے دفاع بھی کیا ہے۔

آپ کی کتاب ”الاستدکار“ موطأ کی بہترین شروح میں سے ہے، یہ بھی بحظ حنفی بقدر ۱۵ جلد کے ہے، ان کے علاوہ دوسری مشہور و مقبول کتب یہ ہیں: جامع بیان العلم و فضلہ ۲ جلد، الدرر فی اختصار المغازی و السیر، العقل و العقلاء، ماجاء فی اوصافہم، جمہرۃ الانساب، بحجۃ المجالس، الانشاق فی فضائل الثلاثہ الائمہ۔ الفقہاء، امام اعظم، امام مالک و امام شافعی کے مناقب میں بلند پایہ تصنیف ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان)

۱۰۰- حافظ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی (خطیب بغدادی) شافعی م ۳۶۳ھ

گیارہ سال کی عمر سے طلب علم اور سماع حدیث کا سلسلہ شروع کیا اور دراز بلاد و ممالک کا سفر کر کے علم و فضل میں امتیاز حاصل کیا حافظ ابو نعیم اصبہانی، ابوالحسن بن بشران وغیرہ سے استفادہ کیا، مکہ معظمہ میں صحیح بخاری کو سنی کریمہ (بنت احمد المرزویہ راویہ بخاری) سے پانچ یوم میں ختم کیا اور شیخ اسماعیل بن احمد الضریر الحیری نیشاپوری سے تین مجلس (سہ روز) میں بخاری ختم کی۔

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں: جامع آداب الراوی و السامع، تاریخ بغداد، الکفایہ فی آداب الروایہ، اشرف اصحاب الحدیث، السابق و اللاحق، المعتفق و المفترق، المموتلف و مختلف، ان کے علاوہ اور بہت ہیں۔ (بستان الحمد ثین)

تاریخ بغداد میں امام اعظم، امام احمد اور دوسرے اکابر و ائمہ و اہل علم کے خلاف جو کچھ اپنے جبلی تعصب کی وجہ سے لکھ گئے ہیں، اس کو سنجیدہ طبقہ میں کسی وقت بھی پسند نہیں کیا گیا اور اس کے رد و جوابات بھی لکھے گئے، تانیب الخطیب، السہم المصیب وغیرہ کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں اور ان کے تعصب پر بھی کچھ لکھا ہے جو غالباً کافی ہے، اس سے قطع نظر آپ کی حدیثی، فقہی و تاریخی خدمات اور مفید تصنیفات ساری امت کی طرف سے مستحق ہزار قدر و لائق صد تحسین ہیں۔

۱۰۱- شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد قشیری نیشاپوری (م ۳۶۵ھ)

بڑے عالم و محدث ہیں، زہد و تصوف میں زیادہ شہرت ہوئی، اپنے زمانہ کے بڑے بڑے محدثین سے سماع حدیث کیا، خطیب بغدادی وغیرہ آپ کے تلامذہ میں ہیں، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں: رسالہ قشیریہ، لطائف الاشارات، کتاب الجواہر، المنتہی فی نکت اولی النہی، ایک طویل تفسیر بھی ہے جو بہترین تفاسیر میں شمار ہوتی، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (بستان الحمد ثین)

۱۰۲- شیخ علی مخدوم جلابی غزنوی، بجوری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری حنفی (م ۳۶۵ھ)

آپ جامع علوم ظاہری و باطنی مشہور شیخ طریقت تھے، ”کشف المحجوب“ آپ کی بے نظیر مشہور و مقبول عالم کتاب ہے، بڑے بڑے مشائخ مثلاً شیخ ابوالقاسم گورگانی، ابوسعید ابوالخیر ابوالقاسم قشیری محدث وغیرہ آپ کے شیوخ و اساتذہ میں ہیں، اپنے مشائخ کے ارشاد پر غزنی سے لاہور آ کر امامت کی دن کو درس علوم دینیہ اور شب کو تلقین ذکر کا مشغلہ تھا، ہزار ہا علماء و اولیاء نے استفادہ کیا۔

آپ نے کشف المحجوب میں امام اعظم کی نسبت لکھا ہے کہ میں ایک دفعہ ملک شام میں حضرت بلالؓ کی قبر کے سرہانے سویا ہوا تھا کہ

اپنے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا، اتنے میں فخر موجودات سرور دو عالم ﷺ باب بنی شیبہ سے تشریف لائے اور آپ نے ایک بوڑھے شخص کو بچوں کی طرح گود میں لیا ہے اور نہایت شفقت فرما رہے ہیں، میرے دل میں سوال پیدا ہوا کہ یہ پیر روشن بخت کون ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ امام ابوحنیفہ ہیں جو مسلمانان اہل سنت کے امام ہیں۔ لہذا میں آپ کے مزار مبارک پر شب و روز میلہ کی طرح اجتماع عوام و خواص رہتا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۱۰۳- شیخ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن محمد بن حسین بن عبد الملک بن عبد الوہاب دامغانی حنفی (م ۴۷۸ھ)

اپنے زمانہ کے فقیہ کامل اور محدث ثقہ تھے، آپ نے علامہ صیمری (تلمیذ خوارزمی تلمیذ بھاص) اور محدث محمد بن علی صوری وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی، قاضی ابن ماکولا کے بعد بغداد کے ۳۰ سال تک قاضی رہے اور قاضی القضاة مشہور ہوئے، آپ کو دینی و دنیوی حشمت و جاہت میں امام ابو یوسف سے مشابہ سمجھا جاتا تھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق الحنفیہ)

۱۰۴- امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف ضیاء الدین نیشاپوری شافعی

ولادت ۴۱۹ھ متوفی ۴۷۸ھ

مشہور محدث و فقیہ، رئیس الشافعیہ گزرے ہی، بڑے مناظر و متکلم، بلند پایہ خطیب و واعظ تھے، آپ آئمہ حنفیہ اور مذہب حنفیہ سے بہت تعصب رکھتے تھے اور تاریخی و فقہی لحاظ سے بہت سی باتیں ان کی طرف غلط بھی منسوب کر دی ہیں، جن میں سے بعض باتوں کا ذکر ضمناً پہلے ہو چکا ہے، آپ کی تصانیف مشہورہ یہ ہیں، ارشاد (مسائل کلام میں) طبع ہو چکی ہے، التہایہ، رسالہ نظامیہ، البرہان (اصول فقہ میں) مغیث الخلق فی اتباع الحق (طبع ہو چکی ہے) اس آخری کتاب میں فقہ شافعی کو فقہ حنفی پر ترجیح دی ہے اور فقہ حنفی اور آئمہ احناف کے خلاف ناموزوں الزامات عائد کئے ہیں، اس کے جواب میں علامہ کوثری نے رسالہ ”احقاق الحق بابطال الباطل فی مغیث الخلق“ لکھا جو نہایت تحقیقی و علمی رد ہے، امام الحرمین کے ایک ایک قول کو ذکر کر کے اس کا رد کیا ہے اور علامہ سبط ابن الجوزی حنفی (م ۶۵۴ھ) نے ”الانصار والترجیح للمذہب الصحیح“ لکھا جس میں وجوہ دلائل ترجیح مذہب حنفی تحریر کئے ہیں اور کتاب مذکور کے آٹھویں باب میں ۴۷ مسائل مہمہ وہ لکھے ہیں جن میں امام اعظم نے کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کا اتباع کیا ہے اور دوسرے آئمہ امام شافعی وغیرہ نے ان پر عمل نہیں کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

۱۰۵- امام ابو الحسن علی بن محمد بن حسین بن عبد الکریم بن موسیٰ بزدوی حنفی (م ۴۸۶ھ)

فروع و اصول میں اپنے زمانہ کے امام آئمہ، شیخ حنفیہ، مرجع العلماء تھے، فقیہ کامل، محدث ثقہ اور حفظ مذہب میں ضرب المثل تھے، آپ کی مشہور و مقبول تصانیف میں سے یہ ہیں: مبسوط (۱۱ جلد) شرح جامع کبیر، شرح جامع صغیر اصول فقہ میں نہایت معتمد و معتبر بڑی کتاب، اصول بزدوی تفسیر قرآن مجید (۱۲۰ جزو کہ ہر جزو قرآن مجید کے حجم کے برابر ہے) غناء الفقہ، کتاب الامالی (حدیث میں) عرصہ تک سمرقند میں تدریس و قضاء کے فرائض انجام دیئے۔

آپ کے زمانہ میں ایک تبحر عالم شافعی المذہب آئے جو ہمیشہ مناظرے میں غالب آتے تھے اور ان کی وجہ سے بہت سے حنفی مذہب شافعی اختیار کر چکے تھے، آپ سے مناظرہ کے لئے کہا گیا مگر آپ مناظرہ کو ناپسند کرتے تھے، اولاً انکار کیا پھر لوگوں کے شدید اصرار پر خود ان عالم کے پاس تشریف لے گئے، عالم مذکور نے امام شافعی کے مناقب شمار کئے اور کہا کہ ہمارے امام کا حافظہ اس قدر تھا کہ ایک ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا اور ہر روز ایک ختم کرتے تھے، آپ نے فرمایا یہ تو آسان کام ہے، کیونکہ قرآن مجید تمام و کمال علم ہے اور اس کو یاد کر لینا اہل علم کے

لئے مناسب ہے، تم سرکاری دفتر کا حساب و کتاب لاؤ اور دو سال کے آمد و خرچ کی سب تفصیل پڑھ کر مجھے سناؤ، لوگوں نے ایسا ہی کیا آپ نے دفتر مذکور کو شاہی مہر لگوا کر ایک مقفل مکان میں محفوظ کر دیا اور حج کے لئے تشریف لے گئے، چھ ماہ کے بعد واپس ہوئے اور ایک بڑی مجلس میں دفتر مذکور منگوا کر شافعی عالم مذکور کے ہاتھ میں دیا، پھر آپ نے تمام دفتر کی چیزیں اپنی یاد سے سنا دیں جس میں ایک چیز بھی غلط نہ ہوئی (اس سے وہ عالم سخت شرمندہ ہوئے اور دوسرے لوگ حیرت زدہ ہو گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۱۰۶- شیخ ابوالحسین قاضی القضاة محمد بن عبداللہ ناصحی نیشاپوری حنفی (م ۴۸۴ھ)

اپنے وقت کے مشہور محدث و فقیہ، مناظر و متکلم، طبیب اور عالم مذاہب فقیہ تھے، حدیث ابوسعید صیرفی وغیرہ محدثین کبار سے حاصل کی، بغداد اور خراسان میں مدت تک درس حدیث دیا، مدرسہ سلطانیہ کے شیخ الحدیث اور نیشاپور کی قضاء کے عہدہ پر فائز رہے، آپ ایسے فقیہ النفس جید الفہم، واسع المطالعہ تھے کہ امام الحرمین ابوالمعالی جوینی شافعی کے ساتھ مسائل خلاف میں بحث کرتے تو امام موصوف آپ کے حسن ایراد اور قوت فہم کی تعریف پر مجبور ہوتے تھے، محمد بن عبدالواحد دقاق اور عبدالوہاب بن النماطی وغیرہ آپ کے تلامذہ حدیث میں ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۱۰۷- شیخ ابوالحسن علی بن الحسن بن علی صندلی نیشاپوری حنفی (م ۴۸۴ھ)

مشہور محدث، فقیہ و مناظر تھے، آپ نے حسین بن علی صیرفی (تلمیذ خوارزمی، تلمیذ بھاس) سے علوم حاصل کئے، بڑے قبیح سنت اور معتزلہ کے مقابلہ میں کامیاب مناظر تھے، نیشاپور میں درس علوم دیا، شیخ ابو محمد جوینی شافعی اور امام ابوالمعالی جوینی شافعی سے بھی مسائل خلاف میں معرکہ آرائیاں رہی ہیں۔

ایک مرتبہ شیخ ابوالمعالی نے مشہور کیا کہ نکاح بغیر ولی کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور رسول اکرم ﷺ کے درمیان اختلاف ہے، کیونکہ حدیث میں نکاح بغیر ولی کو باطل کہا ہے اور امام ابوحنیفہ نے صحیح کہا، شیخ صندلی کو خبر ہوئی تو افسوس کیا کہ ایسا مغالطہ دیا گیا، چنانچہ پھر کسی نے آپ سے ذبح بغیر تسمیہ کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں امام شافعی اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف پیش آ گیا ہے کیونکہ قرآن مجید میں تولدنا کلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وارد ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں کھالیا جائے۔ (الجواب المفضی)

اس قسم کے لطائف و ظرائف بھی چلتے تھے اور علماء احناف جو اب و دفاع کے طور پر کبھی کچھ کہہ دیتے تھے، ورنہ درحقیقت تحقیق و دلائل کا میدان دوسرا تھا، تحقیق و دیانت کی رو سے نہ امام اعظم کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے کسی حدیث صحیح غیر منسوخ کی مخالفت کی اور نہ امام شافعی وغیرہ دوسرے آئمہ متبوعین کے بارے میں کسی حدیث یا آیت قرآنی کی عدم مخالفت کا امکان ہو سکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ طرز تنقید امام بخاری ایسے اکابر سے شروع ہوا، پھر امام الحرمین وغیرہ نے اس کی تقلید کی۔

امام بخاری نے جلد دوم ص ۱۰۳۲ (مطبوعہ رشیدیہ دہلی) باب فی الہبہ والشفعہ میں قال بعض الناس سے ترقی کر کے یہ بھی فرمایا کہ بعض الناس نے اس مسئلہ میں رسول اکرم ﷺ کی مخالفت کی ہے، جس کا مکمل و مدلل جواب علامہ حافظ عینی وغیرہ نے دیا ہے اور اسی مقام پر حاشیہ میں بھی طبع شدہ ہے، ہم بھی اس موقع پر پہنچ کر منتخب جوابات درج کریں گے، ان شاء اللہ۔

یہاں صرف یہ کہنا تھا کہ آئمہ متبوعین خصوصاً امام اعظم کے متعلق ایسے نازیبا جملے اور مغالطہ آمیز باتیں کسی طرح موزوں و مناسب نہیں تھیں، خصوصاً جب کہ امام الحرمین اور امام بخاری کے اساتذہ و شیوخ کبار نے امام صاحب کی زیادہ سے زیادہ مدح و توثیق و تعظیم و تکریم کی تھی، افسوس ہے کہ بعد کے کچھ لوگ افراط و تفریط میں پڑ گئے، عفاء اللہ عنہم اجمعین، شیخ صندلی کی تصانیف میں سے تفسیر قرآن مجید بہت

بلند پایا ہے، جس کی تالیف نصف ہو سکی تھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

۱۰۸- شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی نصر حمیدی اندلسی (م ۴۸۸ھ)

آپ حافظ ابن عبد البر مالکی، خطیب اور ابن حزم کے تلمیذ ہیں اور ابن ماکولا مشہور محدث کے معاصرین و احباب سے ہیں، آپ نے ”الجمع بین الحسین“ لکھیں جس میں بخاری و مسلم کی احادیث کو مسانید صحابہ کے مطابق مرتب کیا ہے، دوسری تصانیف تاریخ اندلس، الذہب المسبوک فی وعظ الملوک، کتاب ذم النمیمہ وغیرہ ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (بستان المحدثین)

۱۰۹- شمس الائمہ ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل سرحسی حنفی (م ۴۹۰ھ)

مشہور جلیل القدر محدث و فقیہ، امام وقت، متکلم اصولی و مناظر تھے، علوم کی تحصیل شمس الائمہ حلوانی سے بغداد میں کی اور آپ سے برہان الائمہ عبدالعزیز بن عمر بن مازہ اور رکن الدین مسعود بن الحسن وغیرہ فقہاء محدثین نے فقہ و حدیث میں تخصص حاصل کیا، بڑے حق گو تھے، خاقان (بادشاہ وقت) کو بھی نصیحت کی جس کی وجہ سے اس نے ایک کنوئیں میں قید کر دیا، وہیں سے آپ نے اپنی مشہور و مقبول کتاب مبسوط کی ۱۵ جلدیں املاء کرائیں۔ حالانکہ آپ کے پاس مراجعت کے لئے کوئی کتاب بھی نہ تھی، کنوئیں کے اوپر تلامذہ بیٹھ کر لکھتے تھے، اسی طرح درس علوم فقہ و حدیث کا بھی مشغلہ کنوئیں کے اندر سے جاری رکھتے تھے، ان ایام اسیری میں ہی آپ نے شرح سیر کبیر اور ایک کتاب اصول فقہ لکھائی، آخر عمر میں فرغانہ رہ کر مبسوط کی تکمیل کی، ان کے علاوہ آپ نے مختصر الطحاوی اور امام محمد کی کتابوں کی شرح لکھیں۔

کسی نے آپ سے کہا کہ امام شافعی نے تین سو جزو یاد کئے تھے، اس پر آپ نے اپنی محفوظات کا حساب کیا تو وہ بارہ ہزار جزو نکلے، اس گرانقدر علمی شان کے ساتھ صاحب کرامات بزرگ تھے ان کے قصے کتابوں میں مذکور ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (جوہر، فوائد بیہ وحدائق)

۱۱۰- حافظ ابوالقاسم عبید اللہ بن عبد اللہ بن احمد بن محمد نیشاپوری، حاکم حنفی (م ۴۹۰ھ)

حافظ، متقن، محدث اور خاندان علم و فضل سے تھے، آپ نے قاضی ابوالعلاء صاعد سے علوم حاصل کئے اور اپنے والد ماجد کے ذریعہ خاندانی سلسلہ سے بھی حدیث و فقہ میں تصانیف بھی کیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (تقدمہ، جوہر مضیہ ص ۲۶۱ و ص ۳۲۸ ج ۱)

۱۱۱- حافظ ابو محمد حسن بن احمد بن محمد سمرقندی حنفی (م ۴۹۱ھ)

حافظ مستغفری سے علوم کی تحصیل کی، ابوسعید نے کہا کہ اپنے زمانہ میں فن حدیث میں ان جیسے فضل و تفوق کا مشرق و مغرب میں کوئی نہ تھا، آپ کی کتاب ”بحر الاسانید من صحاح المسانید“ تین سو جزو میں نہایت گرانقدر حدیثی تالیف ہے، جس میں آپ نے ایک لاکھ احادیث جمع کیں، اگر یہ کتاب مرتب و مہذب ہو کر شائع ہو جاتی تو اسلام میں اس کی نظیر نہ ہوتی جیسا کہ کتب طبقات میں لکھا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (تقدمہ نصب الراية)

۱۱۲- شیخ ابوسعید محمد بن عبد الحمید بن عبد الرحیم المعروف بہ خواہر زادہ حنفی (م ۴۹۲ھ)

علوم کی تحصیل و تکمیل اپنے ماموں شیخ ابوالحسن قاضی علی بن الحسین اور ابوالحسن عبد الوہاب بن محمد کشانی سے کی، سمعانی نے لکھا کہ اپنے زمانہ میں اصحاب امام اعظم میں سے سب سے زیادہ طلب حدیث میں فائق تھے، بڑا مشغلہ سماع حدیث اور جمع و کتابت حدیث کا تھا، سمعانی نے لکھا کہ آپ کے والد عبد الحمید (خواہر زادہ) ابھی امام وقت، عالم و فاضل تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (جوہر مضیہ ص ۲۹۶ ج ۱ و ص ۷۵ ج ۲)

۱۱۳- محمد بن محمد بن محمد ابو الحامد الغزالی (ولادت ۴۵۰ھ متوفی ۵۰۵ھ)

مشہور عالم جلیل، شافعی المذہب، امام الحرمین ابوالمعالی جوینی کے فقہ میں شاگرد ہیں، بہت مفید علمی کتابیں تصنیف کیں مثل احیاء العلوم وغیرہ، علم وفقہ کے امام ہوئے، اپنے مذہب کے بھی پورے واقف تھے اور دوسرے مذاہب کے بھی (مرآة الزمان ص ۳۹ ج ۸) تحصیل علم سے فارغ ہو کر مدرسہ نظامیہ بغداد میں درس علوم دیا پھر ترک کر دیا، حج کے بعد دمشق پہنچے دس سال وہاں قیام کیا، وہاں سے قدس و اسکندریہ ہو کر اپنے وطن طوس پہنچے اور تصنیف میں مشغول ہوئے، احیاء العلوم کے علاوہ دوسری مشہور تصانیف یہ ہیں، البسیط، الوسیط، الوجیز، الخلاصۃ، بدایۃ الہدایہ، المنحول، المستصفی، تہافت الفلاسفہ، جواہر القرآن، کیمیائے سعادت، منہاج العابدین، المنقذ من الضلال، القسطاس المستقیم۔ (فوائد بیہ ص ۲۳۳)

تمام کتب بہت نافع ہیں اور علماء کے لئے ضروری المطالعہ ہیں ”منحول“ میں امام اعظمؒ پر تشبیح کی ہے اور بے دلیل و حجت الزامات بھی لگائے ہیں ان سے تعصب ظاہر ہوتا ہے جو امام غزالی کی شان رفیع اور علم و فضل کے مناسب نہیں تھا، جس کے جواب میں علامہ امیر کاتب اتقانی حنفی وغیرہ نے بھی کسی قدر درشت لہجہ اختیار کیا ہے، مگر ہمارا خیال ہے کہ اس قدر تشدد یا تعصب کارنگ امام الحرمین کے تلمذ و مصاحبت کا اثر تھا جیسا کہ امام بخاری بھی امام صاحب کے بارے میں شیخ حمیدی اور ابو نعیم خزاعی وغیرہ سے متاثر ہو گئے تھے، اور خدا کا شکر ہے کہ امام غزالی پر بعد کو وہ اثرات نہیں رہے، جیسا کہ علامہ کوثری نے بھی یہی رائے قائم کی ہے اور اسی لئے ان کا خیال ہے کہ امام غزالی نے بعد میں امام صاحب کی مدح کر کے تلافی مافات کی ہے، واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(فائدہ) علامہ ملا علی قاری نے طبقات میں لکھا ہے کہ متوالی تین محمد والے نام کے شوافع میں اور امام غزالی اور شمس الدین جزری ہیں اور حنفیہ میں علامہ رضی الدین صاحب محیط ہیں، حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی قدس سرہ نے فرمایا کہ حنفیہ میں ایسے بہت ہیں اور چاراکا بر حنفیہ کے نام اور لکھے ہیں، پھر لکھا کہ ایک تونسسی عالم ایمن ابو البرکات سے ایسے بھی ہوئے ہیں جن کے نام و نسب میں متوالی ۱۴ محمد جمع ہیں، آپ نے اپنا نام عاشق النبی رکھا تھا اور مدینہ طیبہ میں مجاورت اختیار فرمائی تھی اور وہیں ۷۳۴ھ میں وفات پائی، رضی اللہ عنہ۔ (فوائد بیہ ص ۲۳۳)

۱۱۴- مسند ہرات شیخ نصر بن حامد بن ابراہیم حنفی (بقیۃ المسندین) ولادت ۴۱۹ھ متوفی ۵۱۱-۱۰ھ

مشہور محدث تھے طویل عمر پائی، ساری عمر حدیث کے ساتھ اشتغال رکھا اور بہ کثرت روایت کی اپنے زمانہ کے مشہور مشائخ حدیث اپنے والد ماجد ابو النصر اور دادا جان ابو العباس ابراہیم اور نانا ابو المظفر منصور بن اسماعیل حنفی وغیرہ سے علم حدیث میں متخصص ہوئے (ان سب مشائخ کے حالات بھی جواہر میں مذکور ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔) (تقدمہ جواہر)

۱۱۵- حافظ ابوزکریا یحییٰ بن مندہ ابراہیم بن ولید اصہبائی (م ۵۱۱ھ)

مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں آپ نے ”اجزاء“ تالیف کئے تھے، جزء کی اصطلاح محدثین کے یہاں یہ ہے کہ ایک شخص صحابہ اور بعد صحابہ میں سے احادیث مرویہ کو یک جا کیا جائے اور کبھی کسی خاص موضوع پر احادیث جمع کر دی جاتی ہیں، جیسے جزء القراءة، جزر رفع الیدین وغیرہ، ابن مندہ مشہور اجزاء یہ ہیں، جزء من روی ہو و ابوہ وجده، جزء فی اخر الصحابہ ہوتا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (الرسالۃ ص ۷۶)

۱۱۶- شمس الائمہ بکر بن محمد بن علی بن فضل بن حسن زرنجری ولادت ۴۲۷ھ متوفی ۵۱۲ھ

محدث جلیل، فقیہ کامل، حفظ مذہب میں ممتاز تھے، اپنے زمانہ کے کبار محدثین سے فن حدیث میں متخصص ہوئے، شمس الائمہ زرنجری

اور ابو حنیفہ اصغر کے لقب سے مشہور ہوئے، حدیثیں اس قدر یاد تھیں کہ کوئی ایک جملہ پڑھتا تو آپ بغیر مراجعت پوری حدیث سنا دیتے تھے، حدیث و فقہ کے علاوہ تاریخ و حساب میں بھی خوب دخل تھا۔

کبار علماء و محدثین نے آپ سے حدیث و فقہ میں تلمذ کیا، کثیر التصانیف تھے، عمر بڑی ہوئی اس لئے حدیث و فقہ کی بہت زیادہ اشاعت کی۔ (حدائق حنفیہ)

۱۱۷- الشیخ الامام محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی شافعیؒ، ولادت ۳۳۵ھ متوفی ۵۱۶ھ مشہور محدث و مفسر و قاری ہیں، مصابیح السنۃ آپ کی جلیل القدر حدیثی خدمت ہے جس میں ۴۳۸۴ احادیث ہیں، اس کی شرح مشکوٰۃ المصابیح ہمارے مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے، بڑے زاہد، عابد و نفس کش تھے، ہمیشہ خشک روٹی پانی میں تر کر کے کھایا کرتے تھے، آخر عمر میں علماء و اطباء کے اصرار پر کچھ روغن زیتون کھانے لگے تھے، دوسری خاص تالیفات یہ ہیں: تفسیر معالم التنزیل، شرح السنۃ، فتاویٰ بغوی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحمدین وغیرہ)

۱۱۸- مسند سمرقند شیخ اسحاق بن محمد بن ابراہیم النوحی نسفی حنفیؒ، متوفی ۵۱۸ھ

مشہور محدث و فقیہ خاندان علم و فضل سے تھے، بڑی عمر ہوئی، اکثر حصہ خطابت اور روایت و درس حدیث میں گزارا، سمعانی نے آپ کا ذکر کبار محدثین میں کیا، اپنے زمانہ کے کبار محدثین سے علم حاصل کیا اور آپ کے بھی بڑے بڑے محدثین شاگرد ہوئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ و جواہر ص ۱۳۸ ج ۱)

۱۱۹- شیخ ابو المعالی مسعود بن حسین بن حسن بن محمد بن ابراہیم کشانی حنفیؒ (م ۵۲۰ھ)

شیخ کبیر، امام جلیل اور محدث بے نظیر تھے، نوازل و نوادر میں مرجع علماء وقت تھے، فقہ امام سرحسی سے حدیث ابو القاسم عبید اللہ بن خطیب وغیرہ سے حاصل کی، آپ سے امام صدر شہید وغیرہ نے روایت کی، مدت تک سمرقند کے خطیب رہے، نیز تالیفات املاء اور تدریس علوم میں مشغول رہے، مختصر مسعودی آپ کی مشہور تصنیف ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۱۲۰- الشیخ المحمد ث ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخی حنفیؒ (متوفی ۵۲۲ھ)

مشہور و ممتاز محدث و فقیہ تھے، آپ نے ابو علی بن شاذان اور ابو القاسم بن بشران کے اصحاب سے بہ کثرت روایت حدیث کی ہے، آپ نے مسند امام اعظم تالیف کی جو جامع المسانید (مرتبہ محدث خوارزمی) کا دسواں مسند ہے، حافظ ابن حجر نے آپ کے ساتھ عجیب معاملہ کیا کہ آپ کے مسند قاضی مارستان کو روایت کرنے کے سلسلے میں لکھ دیا کہ ان کا کوئی مسند نہیں ہے، لیکن حافظ کے تلمیذ رشید حافظ سخاوی نے اس کی روایت ذریعہ تدمری، میدوی، نجیب، ابن الجوزی، جامع قاضی مارستان تک متصل کر دی جس سے حافظ ابن حجر کی جسارت و ادطلب ہو گئی۔ (تقدمہ نصب الراية، جواہر مضیہ و رسالہ مستطرفہ)

۱۲۱- امام ابو اسحاق ابراہیم بن اسماعیل صغارؒ (متوفی ۵۲۳ھ)

امام وقت فقیہ و محدث تھے، بڑے عابد، زاہد اور پرہیزگار تھے، فخر الدین قاضی خاں وغیرہ آپ کے تلامذہ میں ہیں، کتاب تلخیص النہایہ اور کتاب السنۃ و الجماعت وغیرہ تصنیف کیں، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (حدائق حنفیہ)

۱۲۲- شیخ ابوالحسن رزین بن معاویۃ العبدری السرقسطی اندلسی مالکی (م ۵۳۵ھ)

مشہور محدث ہیں، آپ نے اصول ستہ یعنی صحاح ثلاثہ (موطأ، بخاری مسلم اور سنن ثلاثہ، ابوداؤد، ترمذی ونسائی کو یکجا کیا جس کا نام التجرید للصحاح والسنن رکھا، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۴۲)

۱۲۳- شیخ ابو محمد عمر بن عبدالعزیز بن عمر بن مازہ معروف بہ صدر شہید حنفی (م ۵۳۶ھ)

مشہور آئمہ کبار و محدثین فقہاء میں سے جامع فروع و اصول عالم تھے، مسائل خلاف اور علم جدل و مناظرہ میں یکتا تھے، علماء ماوراء النہر و خراسان میں بڑے بلند پایہ تھے، حتیٰ کے شاہان و امراء بھی تعظیم کرتے تھے، مدت تک تدریس و تصنیف میں مشغول رہے، صاحب محیط، صاحب ہدایہ وغیرہ نے آپ کی شاگردی کی، مشہور تصانیف یہ ہیں: فتاویٰ کبریٰ وصغریٰ، شرح ادب القضاء خصاف، شرح جامع صغیر، ملا علی قاری نے لکھا کہ آپ نے جامع صغیر کی تین شرح لکھیں، مطول، متوسط و مختصر۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق الحنفیہ)

۱۲۴- امام طاہر بن احمد بخاری حنفی (م ۵۴۲ھ)

ماوراء النہر کے شیخ الحنفیہ تھے، ابن کمال پاشا نے مجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ہے، آپ کی کتاب خلاصۃ الفتاویٰ زیادہ مشہور ہے جس کی وجہ سے آپ کو صاحب خلاصہ کہتے تھے، کتاب خزائنہ الواقعات اور کتاب نصاب بھی بہت مشہور و مقبول ہیں۔ (حدائق الحنفیہ)

۱۲۵- امام محمد بن محمد بن محمد سرحسی حنفی (م ۵۴۴ھ)

جلیل القدر محدث و فقیہ اور علوم عقلیہ کے ماہر تھے، مشہور کتاب محیط تصنیف کی، مرض الموت میں ۶۰۰ دینار نکال کر وصیت کی کہ میرے بعد فقہاء میں تقسیم ہوں، درحقیقت محیط چار کتابیں ہیں، محیط کبیر ۴ جلد میں، دوسری ۱۰ جلد میں، تیسری ۴ جلد میں چوتھی ۲ جلد میں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق الحنفیہ)

۱۲۶- شیخ ابوالفضل قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض تکھسی سبیتی (م ۵۴۴ھ)

مشہور محدث جلیل ہیں، آپ کی کتاب مشارق الانوار علی صحاح الآثار گویا موطأ و صحیحین کی شرح ہے، دوسری اہم ترین گرانقدر تالیفات الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم، جامع التاریخ، غنیۃ الکاتب و بغیۃ الطالب وغیرہ ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحدثین)

۱۲۷- حافظ قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن احمد بن العربی اندلسی (م ۵۴۶ھ)

آپ اندلس کے آخری عالم اور آخری حافظ حدیث ہیں، شرقی بلاد کا سفر کیا اور ہر ملک کے اکابر علماء، سے تحصیل علوم کی، اشبیلیہ کی قضاء کے ساتھ درس و تصنیف کی خدمات بھی انجام دیتے تھے، آپ کی کچھ مشہور تصانیف یہ ہیں، عارضۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی، کتاب النیرین فی شرح الخسین، عواصم و توأصم، کتاب السبعیات، کتاب المسلسلات وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحدثین)

۱۲۸- شیخ ابوالمعالی محمد بن نصر بن منصور بن علی عامری مدینی حنفی (م ۵۵۵ھ)

مشہور محدث و فقیہ تھے، امام محمد بزودی اور علی بن محمد بزودی وغیرہ سے تحصیل علوم کی، محدث سمعانی شافعی نے کہا میں نے آپ سے ابو

العباس مستغفری کی دلائل النبوة کوسنا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق الحنفیہ)

۱۲۹- حافظ شیرویہ دیلمی ہمدانی (م ۵۵۸ھ)

اپنے زمانہ کے اکابر علماء سے علم حدیث حاصل کیا، آپ کی حدیثی تالیفات فردوس، مشارق، تنبیہات اور جامع صغیر کے طرز پر ہے، یعنی احادیث کو حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کیا گیا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحمدین)

۱۳۰- امام ابوالمفاخر شمس الائمہ عبدالغفور بن لقمان بن محمد کردری حنفی (م ۵۶۲ھ)

بڑے زاہد و عابد اور اپنے زمانہ کے امام حنیفہ تھے، سلطان عادل نورالدین محمود بن زنگی کے عہد میں حلب کے قاضی رہے، بہت مفید علمی تصانیف کیں، مثلاً شرح تجرید، شرح جامع صغیر (جس میں شرح جامع کبیر کے طرز پر ہر باب کی اصل لکھ کر اس پر تخریج مسائل کی ہے) کتاب اصول فقہ، کتاب مفید و مزید، شرح جامع کبیر، شرح زیادات، حیرۃ الفقہاء۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (جواہر مضیہ و حدائق الحنفیہ)

۱۳۱- المحدث الجوال الشیخ ابو محمد عبدالخالق بن اسد الدمشقی حنفی (م ۵۶۲ھ)

بڑے محدث و حافظ حدیث تھے، طلب حدیث و فقہ کے لیے بغداد، ہمدان و اصہبان وغیرہ کے سفر کئے، اپنے ہاتھ سے کتب حدیث و فقہ نقل کرتے تھے، دمشق کے مدرسہ صادویہ میں درس علوم دیتے اور وعظ و تذکیر بھی کرتے تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ و جواہر)

۱۳۲- شیخ ابو منصور جعفر بن عبداللہ بن ابی جعفر بن قاضی القضاة، ابی عبداللہ دامعانی حنفی م ۵۶۸ھ

فقہ فاضل و محدث کامل تھے، شیخ ابو الخطاب محفوظ بن احمد الکلوی ذانی اور ابوزکریا یحییٰ بن عبدالوہاب بن مندہ اصہبانی سے بہ کثرت احادیث سنیں اور روایت کیں، ثقہ صدوق تھے، آپ کا پورا خانوادہ علم و فضل کا گہوارہ تھا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (جواہر مضیہ)

۱۳۳- المحدث الفاضل محمود بن ابی سعد زنجی ابن السفر الترمذی الملک العادل ابو القاسم نورالدین حنفی م ۵۶۹ھ

علامہ ابن اثیر نے کہا کہ فقہ حنفی کے بڑے عالم و عارف اور بے تعصب تھے، ابن الجوزی نے کہا کہ حنفی تھے مگر مذہب شافعی و مالک کی بھی رعایت کرتے تھے، حلب اور دمشق میں درس حدیث دیا، سب سے پہلے دنیا کا دارالحدیث آپ نے ہی تعمیر کرایا اور بہت بڑی تعداد میں کتابیں اس کے لئے وقف کیں، ابن عساکر نے لکھا کہ میں نے آپ کی قبر کے پاس دعائیں قبول ہونے کا تجربہ کیا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (جواہر مضیہ)

۱۳۴- حافظ ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ بن عبداللہ بن الحسن

معروف بابن عساکر دمشقی شافعی م ۵۷۱ھ

خاتم جہاندہ حفاظ حدیث اور صاحب تصانیف جلیلہ تھے، مثلاً تاریخ دمشق اور حدیث میں ”ثواب المصاب بالولد“ لکھی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (الرسالۃ المستطرفة للکتائی ص ۱۴۹)

۱۳۵/۱- شیخ ابو موسیٰ محمد بن ابی بکر عمر بن ابی عیسیٰ احمد بن عمر بن محمد مدینی اصفہانی (متوفی ۵۸۱ھ)

بلند پایہ محدث تھے، معرفت علل حدیث اور علم رجال و رواۃ حدیث میں ممتاز بلکہ یگانہ عصر تھے، حافظ یحییٰ بن عبدالوہاب بن مندہ اور حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی وغیرہ سے تحصیل حدیث کی اور اس فن میں حافظ عبدالغنی مقدسی وغیرہ آپ کے تلمیذ ہیں، فن حدیث میں بہت

سی نافع تصانیف یادگار چھوڑیں، مثلاً نزہۃ الحفاظ، کتاب تمیم معرفۃ الصحابہ (یہ گویا کتاب ابی نعیم کا ذیل ہے) کتاب لطوالات، کتاب اللطائف، کتاب احوال التابعین وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحدثین ص ۱۲۷)

۱۳۵/۲- الشیخ المحمّد ابومحمد عبدالحق الاشبیلی (م ۵۸۱، ۵۸۲ھ)

مشہور جلیل القدر حافظ حدیث، حاذق مقل، عارف رجال، صاحب تصانیف کثیرہ ہیں، آپ کی نہایت جامع حدیثی تالیف ”الاحکام الشرعیۃ الکبریٰ“ (جلد ۶) ہے، الاحکام الوسطی (جلد ۲) الاحکام الصغریٰ، الجمع بین الحسنین، المعتمدان من الحدیث وغیرہ۔ (الرسالة المستطرفة ص ۱۳۲ تا ص ۱۳۷)

۱۳۶- شیخ ابونصر احمد بن محمد بن عمر عتّابی حنفی (م ۵۸۲ھ)

بڑے تبحر عالم فاضل اجل تھے، دور دراز سے تشنگان علوم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں، شرح زیادات (اس میں آپ نے اس قدر تحقیق و تدقیق کی کہ علماء نے اس کو بے نظیر قرار دیا، شرح جامع صغیر، شرح جامع کبیر، جوامع الفقہ، معروف بہ فتویٰ عتّابیہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق المحفّیہ)

۱۳۷- حافظ ابوبکر زین الدین محمد بن ابی عثمان الحازمی ہمدانی شافعی (م ۵۸۲ھ)

بڑے حافظ حدیث تھے، آپ کی مشہور تصانیف کتاب الاعتبار فی النسخ والمسنوخ من الاخبار ہے جو دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (الرسالہ ص ۶۸)

۱۳۸- ملک العلماء ابوبکر علاء الدین بن مسعود بن احمد کاشانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ

جلیل القدر محدث و فقیہ تھے، مشہور ہے کہ آپ نے شیخ علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادۃ علوم کیا اور شیخ موصوف کی مشہور کتاب ”تحفۃ الفقہاء“ پڑھی تو اس کی شرح ”بدائع الصنائع“ لکھی جو فقہ حنفی کی نہایت بلند پایہ اور بقول حضرت الاستاد علامہ کشمیری قدس سرہ، فقیہ النفس بنانے والی کتاب ہے، اس کو آپ کے شیخ نے نہایت پسند کیا اور خوش ہو کر اپنی بیٹی فاطمہ کو آپ کی زوجیت میں دیا جو نہایت حسین و جمیل، عالمہ، فاضلہ اور فقہ و حدیث میں متخصصہ تھیں، روم کے بادشاہ ان کے حسن و جمال اور فضل و کمال کا شہرہ سن کر خواستگار تھے، مہر کی جگہ شرح مذکور کورکھا، اگر کسی جگہ فتویٰ میں آپ غلطی کرتے تو آپ کی یہی زوجہ محترمہ اصلاح کرتی تھیں، اہم فتاویٰ پر والد و شوہر کے ساتھ ان کے دستخط بھی ضرور ہوتے تھے، بدائع کے علاوہ ”السلطان المبین فی اصول الدین“ بھی آپ کی بہت عمدہ تصنیف ہے۔

ابن عدیم نے نقل کیا کہ جب علامہ کاشانی دمشق پہنچے تو وہاں کے بڑے بڑے فقہاء و محدثین آپ سے علمی مسائل میں گفتگو کے لئے آئے، آپ نے فرمایا کہ میں کسی ایسے مسئلہ میں بحث نہ کروں گا جس میں امام صاحب یا آپ کے اصحاب میں سے کسی کا قول موجود ہو، اس کے علاوہ جس مسئلہ میں چاہو گفتگو کر لو، ان لوگوں نے بہت سے مسائل چھیڑے مگر آپ نے ہر ایک میں بتلا دیا کہ اس کی طرف ہمارے اصحاب میں فلاں گئے ہیں، حتیٰ کہ وہ لوگ عاجز ہو گئے اور کوئی مسئلہ ایسا نہ بتا سکے جس میں اصحاب امام میں سے کسی نہ کسی کا قول نہ ہو، وہ سب آپ کے تبحر علمی و وسعت نظر کے قائل ہو کر واپس ہوئے۔

۱۳۹- قاضی القضاة ابوسعید شیخ مظہر بن حسین بن سعد بن علی بن بندار یزدی حنفی م ۵۹۱ھ

فقہ جلیل و محدث یگانہ تھے، آپ کے آباؤ اجداد بھی آئمہ عصر تھے، جامعہ صغیر زعفرانی کی شرح ”تہذیب“ لکھی اور امام طحاوی کی ”مشکل

الآثار، کو تلخیص کیا، نو اور ابی الیث کو مختصر کیا، علامہ سیوطی نے حسن المحاضرہ میں لکھا کہ آپ کی نگرانی و سرپرستی میں بارہ مدارس تھے جن میں بارہ سو طلبہ پڑھتے تھے، مشکل الآثار کو علامہ محدث قاضی یوسف بن موسیٰ حنفی م ۳۷۳ھ نے بھی تلخیص کیا تھا جو دائرۃ المعارف سے چھپ گیا ہے۔

۱۳۰- ابوالمفاخر شیخ حسن بن منصور بن محمود اور جندی فرغانی معروف بہ قاضی خاں حنفی (م ۵۹۲ھ)

اپنے زمانہ کے محدث کبیر اور مجتہد بے نظیر تھے، معانی دقیقہ کے ماہر غواص اور فروع و اصول کے بحر بیکراں تھے، ابن کمال پاشا نے آپ کو طبقہ مجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ہے، آپ کی تصانیف میں سے فتاویٰ قاضی خاں (۳ جلد ضخیم) بہت مقبول و متداول ہے، حافظ قاسم بن قطلوبغا نے تصحیح القدوری میں لکھا کہ جس مسئلہ کی تصحیح قاضی خاں کریں وہ غیر کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ آپ فقیہ النفس تھے، اس کے علاوہ آپ کی تصانیف یہ ہیں، کتاب امالی، کتاب محاضر، شرح زیادات، شرح جامع صغیر (۲ ضخیم جلد) شرح ادب القصاص وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (جو اہر وحدائق) نوٹ: ہمارے مخدوم و محترم مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری مرحوم کے خاندان کا سلسلہ نسب ابوالمفاخر قاضی خاں سے ملتا ہے آپ کا شجرہ نسب راقم الحروف کے والد ماجد پیر شہیر علی صاحب مرحوم نے مرتب کیا تھا جو شجرہ نسب کے بڑے ماہر تھے، مولانا مرحوم کا خاندان علم و فضل، تقویٰ و دیانت میں مشہور ہے اور قاضی محلہ بجنور میں آباد ہے۔

۱۳۱- شیخ ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل مرغینانی حنفی (متوفی ۵۹۳ھ)

جلیل القدر محدث و فقیہ و مفسر جامع علوم و فنون، صاحب ورع و زہد تھے، علم خلاف کے ماہر و حاذق اور عارف مذاہب تھے، ابن کمال پاشا نے آپ کو اصحاب ترجیح میں گنا ہے، لیکن دوسرے علماء آپ کو مجتہدین فی المذہب کے زمرے میں شمار کرتے ہیں جس میں امام ابو یوسف و امام محمد تھے، آپ کی تصانیف میں سے نہایت مشہور، مقبول اور داخل درس نظامی کتاب ہدایۃ المبتدی ہے جس کو آپ نے مختصر قدوری اور جامع صغیر کا انتخاب کر کے جامع صغیر کی ترتیب پر لکھا، پھر اس کی شرح کفایۃ السنن ۸۰ جلدوں میں لکھی، دوسری تصانیف میں منتقی التجنیس و المرید، مناسک الحج، نشر المذہب، مختارات النوازل، کتاب الفرائض۔ (جو اہر مضی و حدائق)

آپ کی کتاب ہدایۃ کی شروح بے شمار علماء نے لکھیں اور احادیث کی تخریج بھی کی، شیخ جمال الدین زلیعی حنفی کی تخریج موسومہ ”نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ“ احادیث احکام مذاہب اربعہ کی نہایت جامع کتاب ہے جس کی ہر مذہب کو ضرورت ہے، یہ کتاب بہترین تعلیقات تصحیح و تقدمہ کے ساتھ چار ضخیم جلدوں میں اعلیٰ کاغذ پر ۱۹۳۸ء میں مجلس علمی ڈابھیل (سورت) کی طرف سے مصر میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے جس سے علماء بلاد عربیہ اسلامیہ و ہندو پاک وغیرہ سب نے انتفاع کیا، حافظ ابن حجر نے نصب الرایۃ کی تلخیص کی تھی جس کا نام ”الدرایۃ فی تلخیص نصب الرایۃ“ رکھا، مگر حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ جیسی توقع حافظ کے فضل و کمال سے تھی ایسی نہیں ہے بلکہ بہت سی بہترین اونچی نقول ترک کر دیں جس سے کتاب مذکور بے وقعت ہو گئی، یہ درایۃ دومرتبہ ہندوستان میں طبع ہوئی تھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔

۱۳۲- حافظ جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمن بن ابی الحسن علی بن محمد بن علی (بن الجوزی) حنبلی م ۵۹۷ھ

مشہور محدث و واعظ و خطیب تھے، آپ کی تصانیف کی تعداد اڑھائی سو سے اوپر نقل ہوئی ہے، چند مشہور یہ ہیں: المنتظم (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد) اخبار الحفاظ (ایک سو حفاظ کا تذکرہ، قلمی نسخہ کتب خانہ ظاہرید دمشق میں ہے اور اس میں صرف حفاظ حدیث کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ دوسرے علوم و فنون کے حفاظ بھی ہیں) التحقیق فی احادیث الخلاف، مناقب امام احمد، تلخیص ابلیس وغیرہ، علامہ ابن جوزی کی علمی خدمات نہایت قابل قدر ہیں مگر ان میں بھی ایک گونہ تشدد اور تعصب تھا جس پر علماء حق نے نکیر کی ہے، مثلاً تلخیص ابلیس میں آپ نے ہر

مذہب و فرقہ کو ملزم ٹھہرایا ہے اور صوفیہ و مشائخ کے تو دشمن معلوم ہوتے ہیں، حتیٰ کہ شیخ جیلانی کی شان میں بھی سوء ادب سے پیش آئے۔ اسی طرح امام اعظم وغیرہ سے تعصب برتا ہے جس کے علامہ سبط ابن الجوزی حنفی کو اپنی تاریخ ”مرآة الزمان“ میں لکھنا پڑا کہ ”خطیب پر چنداں تعجب نہیں کہ اس نے ایک جماعت علماء کو مطعون کیا ہے لیکن نانا جان (ابوالفرج ابن الجوزی) پر تعجب ہے کہ انہوں نے بھی خطیب کی پیروی کی اور ایسے قبیح فعل کا ارتکاب کیا۔“ پھر لکھا کہ ”امام اعظم ابوحنیفہ سے تعصب رکھنے والوں سے ہی دارقطنی اور ابو نعیم اصہبانی بھی ہیں، چنانچہ ابو نعیم نے حلیہ میں امام صاحب کا ذکر تک نہیں کیا اور ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو آپ سے علم و زہد میں کمتر ہیں۔“

ابن جوزی نے المنہج میں یحییٰ بن معین کی طرف نسبت کر کے نقل کر دیا کہ ”ابوحنیفہ سے حدیث روایت نہ کی، ان کی حدیث قابل اعتماد نہیں۔“ حالانکہ یہ نسبت قطعاً غلط اور بے سند ہے، ابن معین کو تو بعض علماء نے حنفیہ کے حق میں بہت زیادہ حمایت کرنے والا اور متعصب تک لکھ دیا ہے پھر وہ امام اعظم کے بارے میں ایسی غیر معقول بات کیوں کہتے، پھر اسناد قویہ سے جو اقوال ان کے منقول ہوئے ہیں، سب امام صاحب کی مدح و تعظیم و توثیق کے ہیں، غالباً یہاں بجائے امام شافعی کے امام صاحب کا نام لکھ دیا ہے، کیونکہ ابن معین امام شافعی پر ہی جرح کیا کرتے تھے نہ کہ امام اعظم پر۔

حافظ ذہبی نے میزان میں ترجمہ ابان بن یزید العطار کے ذیل میں لکھا ہے کہ ابن جوزی نے آپ کو ضعفاء میں لکھا ہے اور ان لوگوں کے اقوال ذکر نہیں کئے جنہوں نے آپ کی توثیق کی تھی اور یہ ابن جوزی کی کتاب کے عیوب میں سے ہے کہ جرح تو سب کی نقل کر دیتے ہیں اور توثیق سے سکوت کر لیتے ہیں، صاحب کشف الظنون نے کہا کہ المنہج ادہام کثیرہ اور اغلاط صریحہ کا مجموعہ ہے۔ عفاء اللہ عنا و عنہم جمعین و وقفنا لما یحب و یرضی۔

۱۳۳- شیخ ابوالحسن حسن بن خطیر نعمانی ابوعلی فارسی حنفی، م ۵۹۸ھ

جلیل القدر محدث، فقیہ، مفسر، عالم حسین، ہیئت و ہندسہ و طب و تاریخ اور فاضل علوم عربیت تھے، ابن تجار نے آپ کے کمالات گنائے ہیں، مدت تک قاہرہ میں مقیم رہ کر درس علوم دیا، امام اعظم کے مذہب کی نشر و حمایت میں بھی کافی حصہ لیا، تفسیر قرآن مجید لکھی اور حمیدی کی ”جمع بین الحسین“ کی شرح ”حجۃ انام“ لکھی، نیز ایک کتاب ”اختلاف صحابہ و تابعین و فقہاء امصار“ پر تصنیف فرمائی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

۱۳۴- امام حسام الدین علی بن احمد بن مکی الرازی حنفی، م ۵۹۸ھ

بڑے محدث و فقیہ، امام وقت تھے، ابن عساکر نے تاریخ میں لکھا کہ آپ نے دمشق میں اقامت کی، مدرسہ صادر یہ میں درس علوم دیا، امام اعظم کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے، مسائل خلاف کے بڑے کامیاب مناظر تھے، حلب گئے تو وہاں کے بڑے بڑے علماء بحث مسائل کے لئے جمع ہوئے، آپ نے ہر مسئلہ خلائی کے ادلہ مذاہب غیر بیان کئے اور ان کے بہترین جوابات بھی دیئے جس سے وہ آپ کے علمی تفوق کے معترف ہو کر لوٹے، محدث عمر بن بدر موصلی آپ کے تلامذہ حدیث میں ہیں، مشہور تصانیف یہ ہیں۔

اخلاصۃ الدلائل فی تنقیح المسائل (جو مختصر قدوری کی نہایت نفیس شرح ہے) اس کتاب کو آپ کے تلمیذ علامہ قرشی صاحب جواہر مضیہ نے حفظ یاد کیا اور اس کی احادیث کی تخریج و شرح ایک ضخیم مجلد میں کی، سلوۃ الہوم وغیرہ۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر مضیہ و حدائق حنفیہ)

۱۳۵- امام ابوالفضل محمد بن یوسف بن محمد غزنوی ثم بغدادی حنفی، م ۵۹۹ھ

اکابر محدثین و رواۃ مسندین اور مشہور قراء و مدرسین سے تھے، حدیث کی روایت حافظ ابوسعید بغدادی اور ابوالفضل ابن ناصر وغیرہ سے کی اور اور آپ سے منذری وغیرہ اور شیخ رشید الدین عطار نے روایت کی اور اپنے معجم الشیوخ میں آپ کا ذکر کیا، جامع عبدالرزاق قاہرہ

میں درس حدیث دیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر مضیہ وحدائق حنفیہ)

۱۳۶- شیخ احمد بن عبدالرشید بن حسین بخاری (قوام الدین) حنفی، م ۵۹۹ھ

علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی جو امام فاضل شیخ کبیر، محدث، ثقہ اور تبحر فی العلوم تھے، صاحب ہدایہ نے آپ سے بہ سند متصل یہ حدیث روایت کی کہ ایسی کوئی چیز نہیں جو بدھ کے روز شروع کی جائے اور پوری نہ ہو، فوائد یہیہ میں ہے کہ اگرچہ اس حدیث کی صحت میں بعض محدثین کو کلام ہے مگر جلد اور بخیر و خوبی کسی کام کے انجام پانے کی حکمت یہ ہے کہ دوسری احادیث سے مستنبط ہوتا ہے کہ بدھ کے روز کا ظہر و عصر کا درمیان کا وقت اجابت دعا کا وقت ہے، لہذا اگر بدھ کے روز وقت مذکورہ میں کوئی کام شروع کیا جائے اور دعا جلد پورے ہونے اور حسن انجام کی جائے تو اس کے قبول کی امید غالب ہے، آپ نے امام محمد کی جامع صغیر کی شرح لکھی ہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر وحدائق)

۱۳۷- شیخ ابوشجاع عمر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن نصر بسطامی، ثم بلخی حنفی

حافظ حدیث، مفسر، فقیہ، ادیب و شاعر تھے، صاحب ہدایہ کے استاد تھے تمام علوم و فنون میں ید طولی رکھتے تھے، عبدالکریم محمد سمعانی شافعی نے اپنی کتاب ”انساب“ میں لکھا کہ میں نے آپ سے مروی، بلخ، ہرات، بخارا اور سمرقند میں حدیث سنی اور آپ کے علوم سے استفادہ کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر وحدائق)

۱۳۸- شیخ محمد بن عبداللہ صائغی قاضی مرو، معروف بہ قاضی سدید حنفی

محدث و فقیہ، کثیر العبادۃ، حسن المناظرہ، جمال ظاہر دباطن سے مزین تھے، حدیث میں سید محمد بن ابی شجاع علوی سمرقندی وغیرہ کے تلمیذ تھے، اپنے استاد کی جگہ درس و خطاب و قضا میں نیابت کی، سمعانی شافعی نے بھی آپ سے روایت کی اور اپنے مشائخ میں آپ کو بیان کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر وحدائق)

۱۳۹- حافظ ابو محمد عبدالغنی بن عبدالواحد بن علی بن سرور المقدسی الجماعی حنبلی، م ۶۰۰ھ

ولادت ۵۳۱ھ، علامہ موفق جماعی سے چار ماہ بڑے تھے جو ان کے پھوپھی زاد بھائی تھے، ۵۶۰ھ میں دونوں تحصیل علم کے سلسلہ میں بغداد پہنچے، حافظ مصوف کو حدیث سے زیادہ شغف تھا اور موفق کو فقہ کے ساتھ دونوں اپنے زمانہ کے جلیل القدر محدث و فقیہ ہوئے، حافظ کی سب سے زیادہ مشہور کتاب ”الکمال فی معرفۃ الرجال ہے“ جس میں رجال صحاح ستہ کو دس جلدوں میں مرتب کیا، اس کا خلاصہ حافظ مزنی شافعی نے کیا اور تہذیب الکمال نام رکھا، جس کا خلاصہ حافظ ابن حجر نے کیا اور تہذیب التہذیب نام رکھا۔

آپ بہت سے مصائب و پریشانیوں سے بھی دوچار ہوئے، مثلاً اصہبان گئے وہاں حافظ ابی نعیم کی کتاب معرفۃ الصحابہ دیکھی تو ۱۹۰ غلطیاں پکڑیں، ابناء خندی نے اس پر مشتعل ہو کر آپ کو قتل کرنا چاہا، آپ وہاں سے بچ نکلے۔

اصہبان سے موصل گئے تو وہاں عقیلی کی کتاب ”الجرح والتعدیل“ پڑھی اس میں امام اعظم کے حالات پڑھ کر برداشت نہ کر سکے اور کتاب میں سے وہ اوراق کاٹ دیئے، لوگوں نے تفتیش کی اور وہ اوراق نہ پائے تو آپ کو ملزم قرار دیا اور قتل کے درپے ہوئے، واعظ نے آپ کو ان سے چھڑایا، پھر دمشق اور مصر گئے تو وہاں بھی اسی قسم کے اہتلاء پیش آئے۔

بڑے زاہد و عابد تھے، دن رات میں تین سو رکعت پڑھتے تھے اکثر روزہ رکھتے تھے، بڑے نخی تھے، جب کوئی دولت ملتی، رات کے وقت اس کو لے کر نکلتے اور بیواؤں، یتیموں کے گھروں میں خاموشی سے پھینک آتے، خود پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے، کثرت مطالعہ کی وجہ سے

بینائی ضعیف ہو گئی تھی، علم حدیث میں یکتائے زمانہ تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (مرآة الزماں ص ۵۱۹ ج ۸)

۱۵۰- محدث ابن اثیر جزری مجد الدین مبارک بن محمد موصلی شافعی، م ۶۰۶ھ

آپ نے ”النہایہ فی غریب الحدیث“ (۳ جلد) لکھی، علامہ سیوطی نے کہا کہ غریب الحدیث کے موضوع پر بہترین جامع کتاب ہے اگرچہ بہت سا حصہ پھر بھی باقی رہ گیا ہے، صفی ارموی نے اس کا ذیل لکھا ہے جس کو ہم نہ دیکھ سکے، میں نے اس کی تلخیص شروع کی ہے اور زیادات بھی کی ہیں، یہ کتاب سیوطی کی نہایہ کے ساتھ حاشیہ پر طبع ہو گئی ہے، اس کے علاوہ آپ کی مشہور کتاب ”جامع الاصول من احادیث الرسول“ ہے جس میں اصول ستہ (موطاء، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) کو محدث زرین کے طرز پر جمع کیا ہے اور اس پر زیادات بھی بہ کثرت ہیں، یہ دس اجزاء ہیں (مؤلف) یہ کتاب بھی ۵ جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ (الرسالہ ص ۱۲۸، ۱۲۹)

۱۵۱- شیخ ابوالحاکم محمود بن احمد بن ابی الحسن حنفی، م ۶۰۷ھ

جامع معقول و منقول اور محدث شہیر، شمس الآئمہ کردری کے استاد تھے، ”خلاصہ الحقائق“ آپ کی وہ تصنیف ہے جس کے بارے میں علامہ حافظ ابن قطلوبغا نے کہا کہ میں نے اس کو دیکھا ہے وہ ایسی کتاب ہے کہ زمانہ کی آنکھوں نے اس کا مثل نہیں دیکھا اس کے علاوہ سلک الجواہر نشر الزواہر اور خلاصۃ المقامات تصنیف کیں، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (حدائق الحنفیہ)

۱۵۲- شیخ ابوہاشم عبدالمطلب بن فضل بلخی ثم حلبی حنفی، م ۶۱۲ھ

فقہ و محدث، حلب میں رئیس علمائے احناف تھے، حدیث کی روایت عمر بسطامی اور ابوسعید سمعانی وغیرہ سے کی اور مدت تک درس علوم و افتاء میں مشغول رہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (حدائق الحنفیہ)

۱۵۳- مسند الشام شیخ تاج الدین ابوالیمن زید بن حسن کندی حنفی، م ۶۱۳ھ

اپنے وقت کے بڑے محدث و فقیہ تھے بروایت ابن عدیم سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، ابن تجار نے لکھا کہ آپ ہمدان پہنچے اور وہاں چند سال میں فقہ حنفی میں کمال پیدا کیا، سعد رازی آپ کے اساتذہ میں ہیں، آپ کے حالات کتب تاریخ رجال میں مفصل ملتے تھے، جامع علوم تھے، شاہان وقت، علماء اور عوام کی نظروں میں بہت باوقعت و عزت تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (جواہر مضیہ و حدائق الحنفیہ)

۱۵۴- شیخ ابوالغنائم سعید بن سلیمان کندی حنفی، م ۶۱۶ھ

مشہور محدث کامل، فقیہ جید اور عالم باعمل تھے، حدیث میں ایک دو جزو موسمی ہے ”شمس المعارف و انس المعارف“ تصنیف کیا اور قاہرہ میں اس سے تحدیث کی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (تقدیمہ نصب الراية و حدائق حنفیہ)

۱۵۵- حافظ ابوالحسن علی بن محمد بن عبد الملک حمیری کتانی معروف بہ ابن القطان م ۶۱۸، ۶۲۸ھ

مشہور حافظ حدیث و ناقد رجال ہیں، آپ نے شیخ ابو محمد عبدالحق بن عبد الرحمن اشبیلی م ۵۸۱ کی کتاب ”الحکام الشرعیۃ الکبریٰ“ پر نقد کیا اور بیان الوہم والایہام الواقعیین فی کتاب اللہ حکام کے نام سے کتاب لکھی جس کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا کہ ”یہ کتاب آپ کے حفظ و قوت فہم پر دلیل ہے، لیکن بعض رجال کے احوال میں آپ سے بے انصافی و زیادتی ہوئی ہے مثلاً آپ نے ہشام بن عروہ وغیرہ کی تضعیف کی ہے۔“

ابن قطان کے نقد مذکور پر شیخ عبدالحق کے تلمیذ رشید حافظ، ناقد و محقق ابو عبد اللہ محمد بن الامام یحییٰ بن المواق نے بھی اپنی ایک کتاب میں تعقب کیا ہے۔ (الرسالہ ۱۳۵)

ابن قطان نے امام اعظم پر بھی جرح کی ہے اور امام ابو یوسف کو بھی مجہول کہہ دیا یہ سب ہی بقول ذہبی آپ کے وصف تعنت کے کرشمے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

۱۵۶- شیخ زین الدین عمر بن زید بن بدر بن سعید موصلی حنفی، متوفی ۶۱۹ھ

شیخ کامل، حافظ حدیث، فقیہ فاضل تھے علم حدیث میں ایک کتاب ”المغنی“ نہایت تحقیق و تدقیق سے حسب ترتیب ابواب بحذف اسانید تصنیف کی جس کو آپ کی زندگی میں علماء نے آپ سے پڑھا اور بہت مقبول ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق حنفیہ)

۱۵۷/۱- حافظ ابو حفص ضیاء الدین عمر بن بدر بن سعید موصلی حنفی، م ۶۳۲، ۶۳۳ھ

مشہور حافظ حدیث ہیں آپ کی کتاب ”المغنی عن الحفظ والکتب فی قولہم لم یصح شی فی ہذا الباب“ علامہ سخاوی نے فتح المغنیث میں اور علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں کتاب مذکور کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس پر کچھ لوگوں کے انتقادات بھی ہوئے ہیں اس کے علاوہ آپ کی تصانیف یہ ہیں: العقیدہ الصحیحۃ فی الموضوعات الصریحہ، استنباط المعین من العلیل والتاریخ لابن معین، معرفۃ الموقوف علی الموقوف (جس میں وہ روایات جمع کی ہیں جن کو اصحاب الموضوعات نے موضوعات میں ذکر کیا ہے اور وہ حضور اکرم ﷺ کے سوا صحابہ یا تابعین وغیرہم سے ثابت ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (رسالہ جواہر مضیہ وحدائق حنفیہ)

۱۵۷/۲- محدث ابو القاسم عبد الکریم بن محمد قزوینی رافعی شافعی، م ۶۲۳ھ

مولف تاریخ قزوین و تخریج مسند الرافعی۔

۱۵۸- ملک معظم شرف الدین عیسیٰ بن مالک عادل سیف الدین ابی بکر بن ایوب حنفی، م ۶۲۳ھ

بڑے عالم فاضل، محدث، فقیہ، ادیب، لغوی، شاعر اور مرد مجاہد تھے، مرآة الزمان میں علامہ سبط ابن الجوزی نے آپ کے حالات مفصل ذکر کئے ہیں آپ نے فقہا سے امام اعظم کا مذہب صاحبین کے اقوال سے الگ کر لیا جو دس جلد میں مرتب کیا ان سب کو آپ نے حفظ یاد کیا اور سفر و حضر میں ساتھ رکھتے تھے، جامع کبیر امام محمد کو بھی حفظ کیا اور اس کی شرح خود لکھی ہے، اسی طرح مسعودی کے بھی حافظ تھے، مسند احمد کو پڑھا اور یاد کیا اس کو علماء سے ابواب فقیہ پر مرتب کرنے کو کہا، آپ نے حدیث کی روایت بھی کی ہے، بڑے محبت علم و علماء تھے، ہمیشہ علماء، فضلاء سے اپنی مجلس کو مزین رکھتے تھے، آپ کا خاندان شاہی اور آباء و اجداد سب شافعی تھے، صرف آپ اور پھر آپ کی اولاد نے حنفی مذہب اختیار کیا تھا، والد ماجد ابو بکر بن ایوب شافعی کو آپ کے حنفی ہونے پر اعتراض بھی تھا مگر آپ نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔

آپ نے خطیب کے رد میں ”الہم المصیب“ تیار کیا جو بہت معقول مدلل رد ہے، عرصہ ہوا اسکو کتب خانہ اعزازیہ دیوبند کے مالک فاضل محترم مولانا سید احمد صاحب عم فیضہم نے طبع کرا کر شائع کر دیا ہے جس کا مطالعہ ہر حنفی عالم کو ضرور کرنا چاہئے، کچھ حالات ہم امام محمد کی تصنیف جامع کبیر کے بیان میں بھی لکھ آئے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر، حدائق و مرآة الزمان)

۱۵۹- حافظ ابن نقطہ معین الدین ابو بکر محمد بن عبد الغنی بن ابی بکر بن شجاع بغدادی حنبلی، م ۶۲۹ھ

آپ نے امیر ابو نصر ابن ماکولا کی کتاب ”الاکمال فی رفع الاء تیاب عن المولف والمختلف من الاسماء والکنی والانساب“ کا جو دو جلد میں نہایت معتمد و مفید تالیف ہے ذیل لکھا، جو بقدر وثقت اصل ہے، حافظ ذہبی نے لکھا کہ یہ کتاب حفظ و امامت پر دلیل ہے اس کے علاوہ دوسری مشہور تصنیف یہ ہے: ”التقلید لمعرفة رجال السنن والمسائید“ پھر ابن نقطہ کی کتاب پر علماء الدین مغلطائی حنفی وغیرہ نے لکھا۔ (الرسالہ ص ۹۷)

۱۶۰- الامام المسند ابو علی حسن بن مبارک زبیدی حنفی، م ۶۲۹ھ

آپ نے حدیث ابو الوقت عبدالاول وغیرہ سے سنی بڑی عمر پائی، ایک زمانہ تک روایت حدیث کرتے رہے، ابن تیمار نے لکھا کہ میں نے آپ سے حدیث لکھی ہے، آپ فاضل عالم، امین، متدین، صالح، حسن الطریقہ، مرضی الخصال تھے، تفسیر، حدیث، تاریخ و ادب میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (جو اہر مضیہ، تقدمه نصب الراية)

۱۶۱- شیخ عبید اللہ بن ابراہیم بن احمد الحسبوی العبادی معروف بہ ”ابی حنیفہ ثانی“، م ۶۳۰ھ

حافظ ذہبی نے ”المولف والمختلف“ میں لکھا کہ آپ عالم المشرق اور شیخ الحنفیہ تھے، آپ کا نسب حضرت عبادہ بن صامت صحابی سے متصل ہے اس لئے عبادی کہلائے، علم اپنے زمانہ کے اکابر محمد شین زرنجری، قاضی خان اور جزری وغیرہ سے حاصل کیا ہے، معرفت مذہب و خلاف میں بے مثل تھے، شرح جامع صغیر اور کتاب الفروق آپ کی مشہور تصانیف سے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (جو اہر و حدائق)

۱۶۲- محدث ابن اشیر جزری محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد الشیبانی الموصلی الشافعی، م ۶۳۰ھ

آپ نے کتاب الانساب سمعانی (جو ۸ جلد میں اور نادر الوجود ہے) کو مختصر کیا، زیادات بھی کیں، اور اغلاط پر تنبیہ کی، اس کا نام ”اباب“ رکھا (جلد ۳) پھر اس کا خلاصہ علامہ سیوطی نے کیا اور زیادات بھی کیں، اس کا نام ”اباب الالباب فی تحریر الانساب“ ہے (ایک جلد) آپ محدث مبارک بن محمد صاحب التہایہ و جامع الاصول کے بھائی ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (الرسالہ ص ۱۰۳)

۱۶۳- الشیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عمرو بکری سہروردی شافعی، م ۶۳۲ھ

مشہور و معروف شیخ طریقت صاحب سلسلہ سہروردیہ ہیں، آپ نے مشیخہ تالیف کیا جس میں اپنے شیوخ حدیث کا تذکرہ کیا اور عوارف المعارف بھی آپ کی مشہور مقبول و نافع کتاب ہے وغیرہ، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (الرسالہ ص ۱۱۷)

۱۶۴- الشیخ الامام العلامة محمود بن احمد الحسیری جمال الدین البخاری حنفی، م ۶۳۶ھ

فقہ و حدیث کے امام تھے، شام پہنچے اور نوریہ میں درس حدیث دیا، ان پر اس وقت مذہبی حنفی کی ریاست ختم ہوئی، بہت مفید علمی کتابیں تصنیف کیں، جامع کبیر و سیر کبیر کی شرح بھی لکھی، ملک معظم نے آپ سے جامع کبیر وغیرہ پڑھی اور علامہ سبط ابن جوزی نے جامع صغیر اور قدوری پڑھی، ان کتابوں پر ہی آپ نے سبط موصوف کو فنون و علوم اور خاص طور سے معرفت احادیث و مذاہب کی سند لکھ کر دی، بہ کثرت خیرات و صدقات کرتے، رفیق القلب، عاقل، متقی، عقیف تھے، ملک معظم عیسیٰ بن عادل (مصنف السہم المصیب) اور ان کا بیٹا ملک داؤد بن المعظم عیسیٰ ناصر آپ کا بے حد احترام و اکرام کرتے تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (مرآة الزمان سبط ابن جوزی ص ۲۰ ج ۲ و جو اہر مضیہ)

۱۶۵- شمس الآئمہ محمد بن عبد الستار بن محمد کردری عمادی حنفی، م ۶۳۲ھ

امام محقق، فاضل مدقق، فقیہ محدث، عارف مذاہب، ماہر اصول فقہ تھے، اپنے زمانہ کے کبار محدثین سے علوم حاصل کئے اور بڑے

بڑے محدثین و فقہانے آپ کی شاگردی کی، خصوصیت سے علم اصول فقہ کا آپ نے احیاء کیا جو قاضی ابو زید بوسی کے بعد سے منسحل و بے جان ہو گیا تھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر مضیہ وحدائق)

۱۶۶- حافظ ضیاء الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد بن احمد بن عبد الرحمن بن مقدسی حنبلی م ۶۴۳ھ

حافظ حدیث، ثقہ، زاہد و ورع تھے، آپ نے کتاب ”الاحادیث الجیاد الخیارہ مما لیس فی الخسین ادا حدہما“ لکھی جو ابواب پر نہیں بلکہ حروف حتمی سے مسانید پر ۸۶ جزو میں مرتب کی، تاہم غیر مکمل رہی، اس میں آپ نے صحت کا التزام کیا اور وہ احادیث ذکر کیں جن کی آپ سے پہلے کسی نے تصحیح نہیں کی تھی، آپ کی تصحیح بھی مسلم ہو چکی ہے۔ بجز معدودے چند احادیث کے جن پر تعقب کیا گیا۔

علامہ ابن تیمیہ اور زرکشی وغیرہ نے کہا کہ آپ کی تصحیح، حاکم کی تصحیح سے اعلیٰ ہے اور آپ کی تصحیح ترمذی و ابن حبان کی تصحیح کے قریب ہے، بقول ابن عبد البہادی غلطی اس میں کم ہے اس لئے یہ تصحیح حاکم کی طرح نہیں ہے کیونکہ اس میں بہت سی احادیث بظاہر موضوع کے درجہ کی بھی آگئی ہیں، جس کی وجہ سے اس کا درجہ دوسری صحاح سے گر گیا، واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔ (الرسالہ ص ۲۳)

۱۶۷- حافظ تقی الدین ابو عمر و عثمان بن عبد الرحمن بن عثمان بن موسیٰ شہر زوری ابن المصلاح شافعی م ۶۴۳ھ، ۶۴۶ھ

مشہور محدث ہیں آپ کی کتاب مقدمہ ابن صلاح بہت متداول و مقبول و نافع ہے، ”طرق حدیث الرحمة“ حدیث میں ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (الرسالہ ص ۹۳)

۱۶۸- شیخ حسام الدین انیس کتی حنفی، م ۶۴۴ھ

مشہور محدث و فقیہ و اصولی تھے، آپ کی کتاب ”منتخب حسامی“ اصول فقہ کی بہترین مقبول و متداول داخل درس ہے جس کی شرح اکابر علماء و محققین نے کیں، امیر کاتب اتقانی کی تبیین زیادہ مشہور ہے۔

آپ نے امام غزالی کی ”محول“ کی تردید میں جو امام اعظم کی تشنیع پر مشتمل ہے ایک نفیس رسالہ ۶ فصول میں لکھا، اس میں آپ نے امام غزالی کا ایک قول لے کر مدلل تردید کی اور امام صاحب کے مناقب جلیلہ بھی ذکر کئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق حنفیہ)

۱۶۹- الشیخ الامام ابو الفصائل حسن بن محمد بن حسن بن حیدر قرشی عمری صنعانی حنفی، م ۶۵۰ھ

تمام علوم میں تبحر تھے مگر علم حدیث، فقہ و لغت میں امام زمانہ تھے، ولادت لاہور کی ہے طلب علم کے لئے بغداد گئے وہاں مدت تک رہے، تحصیل علم سے فارغ ہو کر درس و تصنیف میں مشغول رہے، پھر مکہ معظمہ حاضر ہو کر عراق آئے اور خلیفہ وقت کی طرف سے سفیر ہو کر ہندوستان آئے، کئی سال بعد بغداد واپس ہوئے اور دوبارہ سفیر ہو کر ہند آئے، آپ کی مشہور تصانیف میں سے یہ ہیں، مصباح الدجی من احادیث المصطفیٰ، الشمس المنیرہ من الصحاح الماثورہ، مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ، تبیین الموضوعات، و نیات الصحابہ، شرح صحیح البخاری، التکملہ (لغت میں صحاح جوہری کی اغلاط کی تصحیح کی) نیز ”مجمع البحرین“ ۱۲ جلد لغت میں نہایت جامع کتاب تالیف کی وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر وحدائق)

۱۷۰- شیخ محمد بن احمد بن عباد بن ملک داؤد بن حسن داؤد خلاطی حنفی، م ۶۵۲ھ

محدث شہیر و فقیہ جید تھے، تلخیص جامع کبیر، تعلق صحیح مسلم، مختصر مسند امام ابی حنیفہ تالیف کیں، آپ سے قاضی القضاة احمد سروجی نے

تلخیص پڑھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (حدائق حنفیہ)

۱۷۱- شیخ ابوالمظفر شمس الدین یوسف بن فرغلی بن عبداللہ بغدادی حنفی (سبط ابن جوزی) م ۶۵۴ھ مشہور محدث، مورخ اور فاضل اجل تھے، علامہ ابن جوزی حنبلی صاحب منتظم کے نواسے تھے، آپ بھی پہلے حنبلی تھے پھر جب شیخ جمال الدین محمود حیسری مشہور محدث و فقیہ کی خدمت میں رہ کر تفقہ کیا اور ملک معظم عیسیٰ حنفی (شاہ دمشق و صاحب السہم المصیب) کے مصاحب ہوئے تو حنفی مذہب اختیار کر لیا کیونکہ نیک موصوف مذہب حنفی کے بڑے شیفتہ و شیدائی تھے۔

علامہ سبط ابن جوزی بڑے محقق اور حق گو تھے، آپ نے اپنے نانا جان ابن جوزی کی روش پر بھی احتجاج کیا ہے جو تعصب کی وجہ سے انہوں نے امام اعظم کے خلاف اختیار کی تھی، حالانکہ ابن جوزی آپ کے اساتذہ میں بھی ہیں، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں: اللوامع فی احادیث المختصر والجامع، منہی السؤل فی سیرۃ الرسول، شرح جامع کبیر، الانتصار والترجیح للمذہب الصحیح، (ترجیح مذہب حنفی میں محققانہ تصنیف ہے شائع ہو چکی ہے، ایثار الانصاف، تفسیر قرآن مجید (۲۹ جلد) مناقب امام اعظم مرآة الزمان (۴۰ جلد) اس کی دو جلدیں حیدرآباد سے شائع ہوئی ہیں۔

آپ نے دمشق و مصر میں درس حدیث دیا، آپ کا وعظ بڑا پر تاثر تھا، ملوک، امراء عوام و خواص سب آپ کی مجلس وعظ سے مستفید ہوتے تھے، منقول ہے کہ مشہور محدث شیخ موفق الدین بن قدامہ حنبلی بھی آپ کے وعظ میں شرکت فرماتے تھے، جس روز آپ کا وعظ ہوتا رات ہی سے لوگ جامع مسجد دمشق میں آکر سوتے تھے، آپ کی ہر مجلس وعظ میں بکثرت لوگ تائب ہوتے تھے اور بہت سے کافر قبول اسلام سے مشرف ہوتے تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (جوہر مضیہ، فوائد و حدائق)

۱۷۲- شیخ ابوالموید الخطیب محمد بن محمود بن محمد بن الحسن خوارزمی حنفی، م ۶۵۵ھ، ۶۶۵ھ

مشہور محدث و فقیہ تھے، اپنے زمانہ کے کبار محدثین و فقہاء سے علوم و فنون کی تصحیح کی، خوارزم کے قاضی رہے اور دمشق و بغداد میں حدیث شریف اور دوسرے علوم کا درس دیا، "جامع المسانید" آپ کی نہایت گرانقدر تصانیف میں سے ہے، جس میں آپ نے امام اعظم کی چندہ مسانید کو جمع کیا، محققانہ بحث لکھے اور آخر میں تمام رواۃ جامع المسانید پر کلام کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (جوہر، فوائد، حدائق)

۱۷۳- حافظ زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبداللہ بن سلامہ بن سعد منذری م ۶۵۶ھ

مشہور محدث تھے، آپ کی کتاب "الترغیب والترہیب" (۲ جلد) معروف و متداول ہے، جس کا خلاصہ ابن حجر نے کیا ہے، اور وہ بھی حال ہی میں مالیکاؤں کے ایک مفید علمی ادارہ سے شائع ہو گیا ہے مگر اس زمانہ شیوخ شرف و فساد میں "ترغیب و ترہیب" کا اختصار شائع کرنا مفید نہیں، دوسرے اغلاط طباعت کی کثرت نے بھی کتاب مذکور کی افادیت کو کم کر دیا ہے، لہذا بہتر یہ ہے کہ منذری کی اصل کتاب ہی کو کامل صحت کے ساتھ شائع کیا جائے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ و وفقنا اللہ لما سجب و یرضی۔

۱۷۴- شیخ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین توزبشتی حنفی، متوفی ۶۶۱ھ

مشہور امام وقت، محقق مدقق، محدث و فقیہ تھے، آپ کی تصانیف بہ کثرت ہیں جن میں سے "الیسر" شرح مصابیح السنۃ بغوی زیادہ مشہور ہے، نیز مطلب الناسک فی علم الناسک ۴۰ باب میں لکھی جس میں تمام مناسک حج میں احادیث سے استدلال کیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (حدائق حنفیہ)

۱۷۵- یہ کتاب ۲ جلد ضخیم میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے جس کا مطالعہ ہر عالم کے لئے نہایت ضروری ہے۔

۱۷۵- شیخ محمد بن سلیمان بن حسن بن حسین بلخی (ابن النقیب) حنفی، م ۶۶۸ھ

جامع علوم، محدث، مفسر و فقیہ تھے، مدت تک جامع ازہر قاہرہ میں اقامت کی اور مدرسہ عاشوریہ میں درس حدیث و دیگر علوم دیتے رہے۔ تفسیر میں ایک کتاب ”التحریر والتخیر لا قوال آئمۃ التفسیر فی معانی کلام السیاح البصیر“ ۹۹ جلد میں تصنیف کی، جس میں ۵۰ تفاسیر کا خلاصہ درج کیا، علامہ شعرانی نے کہا کہ میں نے اس سے بڑی کوئی تفسیر نہیں دیکھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۱۷۶- شیخ ابوالولید محمد بن سعید بن ہشام شاطبی حنفی، متوفی ۶۷۵ھ

مشہور محدث شیخ کمال الدین بدعیم اور ان کے صاحبزادے قاضی القضاة مجد الدین سے تحصیل کی اور شام کے مشہور مدرسہ اقبالیہ میں مدت تک درس علوم دیا پہلے مالکی تھے، پھر حنفی مذہب اختیار کر لیا۔ (حدائق حنفیہ)

۱۷۷- محدث الشام محی الدین ابوزکریا تکی بن شرف الدین نووی، شافعی متوفی ۶۷۶ھ

مشہور محدث، شارح مسلم امام وقت تھے، آپ کی تمام تصانیف نہایت نافع علمی خزانے ہیں، مثلاً شرح مسلم کے علاوہ کتاب ”تہذیب الاسماء واللغات“ بھی بہت اہم ہے جس میں آپ نے وہ تمام الفاظ جمع کر دیئے ہیں جو مختصر مزنی، مہذب، وسیط، تنبیہ، وجیز اور روضہ میں ہیں، ان چھ کتابوں میں وہ تمام لغات جمع ہیں جن کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس میں آپ نے مزید نام مردوں، عورتوں، ملائکہ اور جن وغیرہم کے بڑھادیئے ہیں۔

کتاب مذکور کے دو حصے ہیں، ایک حصے میں اسماء ہیں دوسرے میں لغات ان کے علاوہ بعض دوسری تصانیف نافعہ ہیں، الروضہ، شرح المہذب، کتاب الاذکار، التقریب فی احوال الحدیث، ریاض الصالحین، شرح بخاری (ایک جلد طبع شدہ) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (الرسالۃ المستطرد)

۱۷۸- شیخ ابوالفضل محمد بن محمد برہان نسفی حنفی، م ۶۸۶ھ

اپنے زمانہ کے امام، فاضل اجل، مفسر، محدث، فقیہ، اصولی و متکلم تھے، علم خلاف میں ایک مقدمہ لکھا، علم کلام میں مشہور درسی کتاب ”عقائد نسفی“ تصنیف کی (جس کی تفتازانی وغیرہ نے شروح لکھیں، امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر کو ملخص کیا، کشف الظنون میں جو عقائد نسفی کو ابو حفص عمر نسفی کی طرف منسوب کیا ہے وہ غلط ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۱۷۹- امام حافظ الدین ابوالفضل محمد بن محمد بن نصر بخاری حنفی، م ۶۹۳ھ

بڑے محدث و جامع العلوم تھے، شمس الآئمہ محمد بن عبدالستار کردری اور ابوالفضل عبداللہ بن ابراہیم مجوبی وغیرہ سے حدیث و فقہ اور دوسرے علوم کی تحصیل کی، آپ سے ابوالعلاء بخاری نے حدیث کا سماع کیا اور انہوں نے اپنے معجم الشیوخ میں آپ کا ذکر کیا ہے، آپ محدث، عالم، عابد، زاہد، شیخ وقت، محقق و مدقق تھے، مدت تک درس علوم دیا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (جو اہر و حدائق)

۱۸۰- حافظ محبت الدین ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن محمد طبری مکی شافعی، م ۶۹۴ھ

بڑے حافظ حدیث، فقیہ حرم، محدث حجاز تھے، آپ کی کتاب سیرۃ میں بہت مشہور ہے جس میں احادیث مع اسناد روایت کی ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (الرسالہ)

۱۸۱- شیخ ابو محمد عبداللہ بن سعد بن ابی جمرہ، متوفی ۶۹۸ھ

اپنے وقت کے عارفین و اکابر اولیاء میں سے صاحب کرامات بزرگ تھے، آپ کی بڑی کرامت یہ ہے جس کو خود ہی بیان فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کبھی نافرمانی نہیں کی، آپ کی کتاب ”سبحة النفوس“ مختصر شروح بخاری میں ممتاز ہے جس میں آپ نے بخاری شریف سے تقریباً ۱۳۰۰ احادیث کا انتخاب کر کے ان کی شرح کی ہے اور گہرے علوم و معارف و حقائق حنفیہ درج کئے ہیں، ۲۰ جلد میں شائع ہوئی تھی اب نادر ہے۔

الحمد للہ اس کا ایک نسخہ راقم الحروف کو کافی تلاش و جستجو کے بعد گزشتہ سال مکہ معظمہ (زاد ہا اللہ شرفاً و رفعة) گراں قیمت پر دستیاب ہوا، اس کے مضامین ”انوار الباری میں پیش کئے جائیں گے، آپ کے ارشد تلامذہ ابو عبداللہ بن الحجاج ہیں جو مذہب مالکی کی مشہور کتاب ”المدخل“ کے مصنف ہیں، انہوں نے آپ کے حالات و کرامات کا مجموعہ بھی تالیف کیا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (بستان المحمدین)

۱۸۲- الامام الحافظ الجہمال ابو العباس احمد بن محمد بن عبداللہ الظاہری حنفیؒ ولادت ۶۲۶ھ م ۶۹۶ھ

بڑے محدث و حافظ حدیث تھے، طلب حدیث کے لئے بہت سے بلاد و ممالک کے سفر کئے، اکابر محدثین سے تحصیل کی اور بہ کثرت روایت کی، اپنے ہاتھ سے احادیث کی بہت کتابیں لکھیں، محدث فخر بخاری کے ”مشیحہ“ کی ۵ جلدوں میں تخریج بھی کی ہے، آپ کے بھائی شیخ ابراہیم محمد ظاہری بھی اپنے زمانہ کے بڑے محدث تھے، صاحب جواہر مضیۃ علامہ قرشی بھی ان کے تلمیذ حدیث ہیں، آپ نے ظاہر قاہرہ کے ایک زاویہ میں اقامت اختیار کی تھی اس لئے ظاہری مشہور ہوئے، ابن حزم وغیرہ کی طرح ظاہری نہیں تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (تقدمہ جواہر مضیۃ)

۱۸۳- المحدث الکبیر شیخ ابو محمد علی بن زکریا بن مسعود انصاری منجھی حنفیؒ، م ۶۹۸ھ

بڑے محدث، صاحب تصانیف تھے، آپ نے ”اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب“ اور ”آثار الطحاوی“ کی شروح لکھیں، آپ کے صاحبزادے محمد بن علی بن زکریا منجھی بھی محدث ہوئے ہیں، جامعہ معظمیہ قدس میں درس علوم دیا ہے اور مذہب حنفی کے اصحاب حدیث و فقہ میں ممتاز تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (تقدمہ نصب الراية وجواہر مضیۃ)

۱۸۴- شیخ ابو العباس شہاب الدین احمد بن فرح بن احمد بن محمد اشبیلی شافعیؒ، م ۶۹۹ھ

بڑے محدث گزرے ہیں، آپ کی تصانیف میں سے ”منظومۃ فی القاب الحدیث“ مشہور ہے جس کو قصیدہ غرامیہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ ”غرامی صحیح“ سے شروع کیا ہے، اس کی متعدد شروح اہل علم نے لکھی ہیں، مثلاً حافظ قاسم بن قطلوبغا حنفی اور بدر الدین محمد بن ابی بکر بن جماع وغیرہ نے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (الرسالہ ص ۱۷۶)

۱۸۵- امام شمس الدین فرضی محمود بن ابی بکر ابو العلاء بن علی کلابازی بخاری حنفیؒ م ۷۰۰ھ

اپنے زمانہ کے مشہور و ممتاز امام محدث، عارف رجال حدیث، علوم کے بحر زرا اور جامع معقول و منقول تھے، طلب حدیث کے لئے دور دراز ممالک و بلاد کے سفر کئے، آپ کے مشائخ حدیث سات سو سے زیادہ ہیں، خود بھی حدیث کی روایت و کتابت بہ کثرت کی ہے، حافظ ذہبی نے کہا کہ ”آپ علم فرائض میں راس العلماء اور حدیث و رجال کے بڑے عالم، جامع کمالات و فضائل، خوش خط، واسع الرحلہ تھے، علم مشتبہ النسبہ میں ایک بڑی کتاب تالیف کی جس سے میں نے بھی بہت کچھ نقل و استفادہ کیا ہے۔“

شیخ محدث ابو حیان اندلسی نے بیان فرمایا کہ ہمارے پاس قاہرہ میں طلب حدیث کے سلسلہ میں شیخ محدث ابو العلاء محمود بن ابی بکر بخاری فرضی آئے تھے، آپ رجل صالح، حسن الاخلاق، لطیف المزاج تھے، ہم سب ساتھ ہی طلب حدیث میں پھرا کرتے تھے، آپ کا طریقہ تھا کہ جب کہیں کسی نورانی صورت حسین و جمیل آدمی کو دیکھتے تو فرماتے کہ یہ شرط بخاری پر صحیح ہے۔

آپ نے مختصر سراجی کی شرح ”ضور اسراج“ لکھی جو نہایت نفیس اور اولہ مذاہب مختلفہ پر مشتمل ہے، پھر اس کو مختصر کر کے منہاج لکھی، ایک کتاب سنن ستہ کے بارے میں بھی تصنیف کی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جو اہر مضیہ وحدائق حنفیہ)

۱۸۶- شیخ ابو العباس احمد بن مسعود بن عبد الرحمن قونوی حنفی

آئمہ کبار داعیان فقہا محدثین سے تھے دمشق میں سکونت کی، جامع کبیر کی شرح ”التقریر“ چار جلدوں میں لکھی، تکمیل رہی، جس کو آپ کے صاحبزادے ابو المحاسن محمود قونوی نے مکمل کیا، عقیدہ طحاویہ کی بھی شرح کی، آپ نے علوم کی تحصیل و تکمیل شیخ جلال الدین عمر جنازی (تلمیذ شیخ عبدالعزیز بخاری) سے کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جو اہر مضیہ وحدائق حنفیہ ص ۱۸۷)

۱۸۷- قاضی ابو عاصم محمد بن احمد عامری دمشقی حنفی

مشہور محدث و فقیہ تھے، دمشق کے امام و قاضی رہے ہیں، آپ کی تصانیف میں سے بسوٹ میں جلد میں اہم یادگار ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جو اہر وحدائق)

۱۸۸- الشیخ الشمس السروجی احمد بن ابراہیم بن عبد الغنی حنفی، م ۷۰۱ھ

اکابر محدثین و فقہا میں سے تھے، آپ کی تصانیف میں سے شرح ہدایہ زیادہ مشہور ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ (تقدمہ نصب الرایۃ للمحدث الکلوثری)

۱۸۹/۱- شیخ الاسلام ابوالفتح تقی الدین محمد بن علی بن ذہب بن مطیع قشیری منغلوطی،

ولادت ۶۲۵ھ متوفی ۷۰۲ھ

ابن دقیق العید کے نام سے مشہور امام حدیث ہیں، مالکی و شافعی مذہب کے بڑے عالم تھے، آپ کی تصانیف کثیرہ نافعہ میں سے ”الممام فی احادیث الاحکام“ اور اس کا مختصر الامام الجتہد باحدیث الاحکام“ نیز چہل حدیث تساعی، شرح العمده، الاقتراج، الربعین فی رولیتہ عن رب العالمین (احادیث قدسیہ میں) طبقات الحفاظ زیادہ مشہور ہیں، آپ نے مذہب مالکی کی تحصیل اپنے والد ماجد سے اور فقہ شافعی کی شیخ عزالدین بن عبدالسلام سے کی تھی، بڑے زاہد عابد، متقی، صاحب خوارق و کرامات عالم ربانی تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (بستان المحدثین وغیرہ)

۱۸۹/۲- شیخ الاسلام تقی الدین بن دقیق العید، م ۷۰۲ھ

مؤلف طبقات الحفاظ، الامام، شرح العمده، وغیرہ (مقدمہ ابن ماجہ اردو ص ۱۴۹)

۱۹۰- شیخ ابو محمد عبد المؤمن خلف بن ابی الحسن ودمیاطی شافعی، م ۷۰۵ھ

دمیاط ملک مصر کا ایک شہر ہے، اول دمیاط میں فقہ کی تحصیل پوری طرح کی، اس کے بعد علم حدیث کی تحصیل و تکمیل کی، حافظ زکی الدین منذری صاحب ”الترغیب والترہیب“ م ۶۵۶ھ وغیرہ آپ کے اساتذہ حدیث میں ہیں، ابو حیان اور تقی الدین سبکی وغیرہ آپ کے تلامذہ

میں ہیں، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں، معجم دمیاطی (یہ معجم شیوخ ہے اس کی چار جلدیں ہیں جن میں تیرہ سواشتخاص کے حالات درج ہیں، کتاب الخیل، کتاب الصلوٰۃ الوسطی، ان کے علاوہ سیرت میں ایک کتاب نہایت محققانہ لکھی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (بستان المحدثین)

۱۹۱- امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفیؒ ۷۱۰ھ

مشہور و مقبول و متداول کتب تفسیر و فقہ مدارک التنزیل اور کنز الدقائق وغیرہ کے مصنف ہیں، ابن کمال پاشا نے آپ کو چھٹے طبقہ میں شمار کیا ہے جو روایات ضعیفہ کو قویہ سے تمیز کر سکتے ہیں، علوم کی تحصیل شمس الآئمہ کروری اور احمد بن محمد عثمانی وغیرہ سے کی اور آپ سے علامہ سفینائی وغیرہ نے سماع کیا، دوسری بعض تصانیف یہ ہیں، وافی اور اس کی شرح، کافی (جو ہدایہ و شروح ہدایہ کے درجہ کی ہیں) النباء (اصول فقہ میں) اور اس کی شرح کشف الاسراء، المستصفی فی شرح المنظومہ، السنار فی اصول الدین، العمدہ، بڑے زاہد و عابد متقی تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (جواہر و حدائق)

۱۹۲- قاضی القضاة شیخ ابوالعباس احمد بن ابراہیم بن عبدالغنی بن ابی اسحاق سروجی حنفیؒ

م ۷۱۰ھ، ۷۲۰ھ

بلند پایہ محدث و فقیہ و مفتی و اصولی اور جامع معقول و منقول تھے، مدت تک مصر کے قاضی القضاة و مفتی رہے اور درس علوم دیا، شیخ علماء الدین مارون بنی صاحب جو ہرتی وغیرہ نے آپ کی شاگردی کی، آپ نے ہدایہ کی شرح ”غایۃ السروجی“ کتاب الایمان تک ۶ جلدوں میں بغایت تحقیق و تدقیق لکھی، دوسری تصانیف یہ ہیں، الحجۃ الواضحة فی ان البسملۃ لیست من القاتحہ، ادب القضاة، فتاویٰ سروجیہ، کتاب المناسک، نجات النسماۃ فی اصول الثواب الی الاموات وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (جواہر و حدائق)

۱۹۳- الشیخ الامام حسام الدین حسین بن علی بن الحجاج بن علی سفینائی حنفیؒ، م ۷۱۱ھ، ۷۱۴ھ

بڑے درجہ کے محدث و فقیہ و نحوی تھے، اکابر وقت سے علوم حاصل کئے اور بغداد میں مدرسہ مشہد امام اعظم میں درس علوم دیا، علامہ کاکی (صاحب معراج الدرایہ شرح ہدایہ) اور سید جلال الدین کرمانی (صاحب کفایہ) آپ کے تلامذہ میں ہیں، نوجوانی ہی کی عمر سے افتاء کی خدمات انجام دیں، آپ نے ہدایہ کی شرح نہایت مبسوط تصنیف کی، دوسری تصانیف یہ ہیں، التہمید فی قواعد التوحید (للکھولی) کافی شرح اصول بزودی، شرح منتخب انیس کتی، حضرت مولانا عبدالحی صاحب نے لکھا کہ میں نے نہایت مذکور کا مطالعہ کیا ہے، جو السبط شروح الہدایہ ہے اور مسائل کثیرہ و فروع لطیفہ پر مشتمل ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (جواہر مضیئہ، فوائد و حدائق)

۱۹۴- شیخ ابراہیم بن محمد بن عبداللہ الظاہری حنفیؒ، م ۷۱۳ھ

بلند پایہ محدث و فقیہ تھے، آپ سے صاحب جواہر مضیئہ نے بھی حدیث میں تلمذ کیا ہے، قاہرہ (مصر سے باہر نیل کے کنارے پر سکونت تھی اس لئے ظاہری کہلائے، کیونکہ ظاہر قاہرہ سے نواحی قاہرہ مراد ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (جواہر مضیئہ ص ۴۶ ج ۱)

۱۹۵- الشیخ الامام العارف العلماہ ابوالفتح نصر بن سلیمان منجہی حنفیؒ، م ۷۱۹ھ

اکابر وقت سے تحصیل علوم کی اور درس حدیث دیا، علامہ قرشی صاحب الجواہر نے لکھا کہ میں نے بھی آپ سے بخاری شریف آپ کے زاویہ خارج باب نصر میں پڑھی ہے، علامہ ابن تیمیہ کے اختلاف کے دور آپ نے بھی موصوف پر سخت تنقید کی تھی جس پر علامہ نے ۷۰۴ھ میں آپ کے نام ۲۳ صفحات کا ایک طویل خط لکھا جس کی ابتداء علامہ نے شیخ العارف، قدوۃ سالک و ناسک افاض اللہ علینا برکات انصر ایسے

الفاظ کی اور یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین و دنیا کی ظاہری و باطنی نعمتوں سے نوازا ہے اور اپنی معرفت کا نور بخشا ہے، مسلمانوں کے دلوں میں آپ کی محبت ڈال دی ہے پھر مسائل خلاف پر روشنی ڈالی ہے اور اپنے نظریات کی تائید میں دلائل لکھے ہیں، اگرچہ یہ بھی نقل ہوا ہے کہ آپ نے باوجود اس طویل خط کے بھی علامہ کی طرف سے اپنی رائے نہیں بدلی بلکہ آپ کا رویہ پہلے سے کچھ زیادہ ہی سخت ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ (جوہر مضیہ و امام ابن تیمیہ طبع مدارس، ص ۳۲۵)

۱۹۶- حافظ ابوالعباس تقی الدین احمد بن شہاب الدین عبدالحلیم بن مجد الدین بن تیمیہ

حرانی حنبلی ولادت ۶۶۱ھ، متوفی ۷۲۸ھ

مشہور و معروف جلیل القدر عالم تبحر، جامع معقول و منقول حافظ حدیث، امام وقت تھے، وسعت معلومات، کثرت مطالعہ اور حفظ و ذکا، مفرط میں بے مثل تھے، نہایت جری، حق گو اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے، آپ کے جد امجد مجد الدین ابن تیمیہ م ۶۵۶ھ کی حدیث میں تالیف الممنقحی من احادیث الاحکام بہت زیادہ مشہور ہے جس کی شرح علامہ شوکانی م ۲۵۰ھ نے نیلا الاوطار لکھی جو آٹھ جلدوں میں ہے مصر سے چھپی ہے اور اس کا مختصر بھی ۲ جلد میں شائع ہو چکا ہے علامہ ابن تیمیہ کے شیوخ حدیث، اکابر آئمہ محدثین تھے، جن میں سے ۴۴ مشائخ کا ذکر کتاب امام ابن تیمیہ مطبوعہ مدارس میں کیا گیا ہے، آپ کے اساتذہ حدیث میں محدثین احناف بھی تھے، مثلاً (۱) شیخ ابوبکر بن عمر بن یونس مزنی حنفی (م ۵۹۳) (۲) قاضی القضاة شمس الدین ابو محمد عبداللہ بن الشیخ شرف الدین اوزاعی حنفی (م ۵۹۵) (۳) شیخ برہان الدین ابوالخلیف ابراہیم بن الشیخ صفی الدین قرشی حنفی (م ۵۹۹ھ) (۴) اور شیخ زین الدین ابوالخلیف ابراہیم بن احمد معروف بابن السدید انصاری حنفی (م ۵۷۷ھ) قابل ذکر ہیں۔ آپ کی تصانیف نہایت گرانقدر نافع و مفید ہیں، بعض مسائل میں آپ نے تفرد کے ساتھ تشدد کیا جس کی وجہ سے آپ کی سخت مخالفت ہوئی، مناظرے ہوئے، ہنگامے ہوئے اور آپ کو کئی بار قید و بند کے مصائب برداشت کرنے پڑے جن کی تفصیلات کتب تاریخ میں عموماً ہر بڑے مورخ نے اپنے نقطہ نظر کی آمیزش کے ساتھ لکھی ہیں۔

آپ باوجود آئمہ اربعہ اور دوسرے اکابر متقدمین کے ساتھ پوری عقیدت رکھنے کے بھی عدم تقلید کے میلانات رکھتے تھے، جن سے غیر مقلدین زمانہ نے فائدہ اٹھایا، جس طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی بھی ابتدائی دور کی بعض تحریرات سے ان لوگوں نے استناد کیا ہے علامہ ابن تیمیہ اور آپ کے تبعین کے بعض اہم تفردات حسب ذیل ہیں۔

۱: جہت باری کا مسئلہ:

سب سے پہلے اختلاف کا جو ہنگامہ ہوا وہ ۶۹۰ھ میں علامہ ابن تیمیہ کی جامع دمشق کی تقریر پر ہوا جس میں آپ نے صفات باری کے مسئلہ پر روشنی ڈالی اور شاعرہ کے نظریات و عقائد پر سخت تنقید کی، اس سے علماء شافعیہ سخت برا فروختہ ہو گئے، مصر و شام میں شوافع کی تعداد بہت زیادہ تھی، حکومت کے بھی بڑے عہدوں پر فائز تھے، چاروں مذاہب میں سے شافعی قاضی القضاة کا پہلا درجہ تھا وہ سب امام ابوالحسن اشعری کے پیرو تھے۔ اشعری و حنبلی ایک زمانہ سے باہم دست و گریبان رہتے تھے، امام غزالی کے بعد امام رازی نے اشاعرہ کے مذہب کو بہت مضبوط بنا دیا تھا اسی لئے حکومت نے بھی اشاعرہ کے ہی مذہب کو صحیح مان لیا تھا اور حنابلہ کو اپنے عقائد پیش کرنے کی اجازت نہ تھی، اشاعرہ و حنابلہ میں بڑا اختلاف جہت باری کے مسئلہ پر تھا، حنابلہ اس کے قائل تھے کہ خدا عرش پر ہے اور قرآن و حدیث سے اس کو ثابت کرتے تھے، اس کے بارے میں بھی نیز دوسری صفات کے معاملہ میں بھی تاویل کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اشاعرہ یہ کہتے تھے کہ اس طرح ماننے سے خدا کی تجسیم لازم آتی ہے اور

خدا کو جسم ماننے سے وہ حادث ہو جاتا ہے، وہ کہتے تھے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے، اس کے لئے کوئی ایک جگہ متعین کرنا غلط ہے، اس کے لئے نہ فوق ہے نہ تحت نہ کوئی خاص جہت اور اسی جہت کے مسئلہ کی وجہ سے وہ اشاعرہ حنابلہ کو "خشویہ" کہتے تھے۔ (امام ابن تیمیہ مطبوعہ مدارس ص ۷۷)

غرض یہی..... جہت باری اور صفات کا مسئلہ سب سے پہلے اختلاف کا سبب بنا اور ان مسائل کو طے کرنے کے لئے متعدد مجالس مناظرہ منعقد ہوئیں جن میں حسب بیان افضل العلماء محمد یوسف صاحب کو کن عمری ایم اے مصنف کتاب مذکور، بعض تو بے نتیجہ ختم ہوئیں اور بعض میں علامہ ابن تیمیہ ہی کی جیت ہوئی، مگر ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ ان بہت سی نجی مجالس کے مناظروں کے بعد حسب بیان محترم افضل العلماء صاحب کھلی عدالت میں علامہ کے خلاف مقدمہ قائم ہوا جس میں حکومت کی طرف سے شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن عدلان شافعی (م ۷۳۹) نے علامہ کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا عرش پر ہے اور انگلیوں سے اس کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے اور خدا آواز و حروف کے ساتھ بولتا ہے اور اس کے بعد کہا کہ کیا ایسا شخص سخت ترین سزا کا مستحق نہیں ہے؟ تو اس پر کرسی عدالت پر متمکن قاضی القضاة شیخ زین الدین علی بن مخلوف نویری مالکی (م ۷۱۸ھ) نے علامہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے فقیہ! اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

علامہ نے اس پر پہلے طویل خطبہ اپنی حسب عادت دینا شروع کیا جس پر عدالت نے کہا کہ آپ خطبہ دینے کے لئے نہیں بلائے گئے ہیں اس وقت آپ الزامات کا جواب دیں تو اس پر علامہ کو غصہ آ گیا اور آپ نے صرف اتنی بات پر قاضی مالکی کو یہ الزام دے کر کہ وہ اس مقدمہ میں میرے حریف و مقابل بنے ہوئے اپنا بیان اور جواب عدالت میں دینے سے قطعی انکار کر دیا اور عدالت نے (مجبور ہو کر) آپ کو مجبور کرنے کا فیصلہ دیا، اس واقعہ سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ مختلف مجالس مناظرات اور ان کی بحثوں سے علامہ بھی تنگ ہو چکے تھے اور اپنے بہت سے دلائل کی قوت و ضعف سے بھی آگاہ ہو چکے تھے، ورنہ ہر جگہ جیتنے والے اور قوی دلائل والے کے لئے تو اس سے بہتر موقع نہیں تھا کہ وہ اپنے دلائل حکومت کے کاغذات میں ریکارڈ کر دیتا، اگر کسی عدالت سے بھی ایک فیصلہ علامہ کی موافقت میں ہو جاتا تو اختلاف کی بڑی خلیج پٹ جاتی اور علامہ کی مخالفت بہت کم ہو جاتی۔

ان چیزوں سے نیز علامہ اور مقابل کے دلائل کی کتابوں میں پڑھنے کے بعد ہم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں کہ ان چند اختلافی مسائل میں علامہ اور ان کے پیروؤں کی طرف سے بے جاتشد ہو گیا ہے اور ایسے ہی مسائل میں ہمارے اکابر حضرت شاہ صاحب (علامہ کشمیری) وغیرہ کی یہ رائے ہے کہ علامہ نے اپنی کہی اور دوسروں کی جس طرح ان کی علمی شان رفیع کے لئے مناسب تھا نہیں سنی ورنہ ضرور ان مسائل میں بھی اعتدال کی راہ نکل آتی اور اتنے ہنگاموں اور اختلافات تک نہ پہنچتی، دوسری صدی کے بعد کی اس قسم کی تمام شورشوں پر نظر کرتے ہوئے امام اعظمؒ کے اس فیصلہ کی کتنی قدر ہوتی ہے جس سے آپ نے اپنے تمام اصحاب و تلامذہ کو نہایت سختی سے کلامی مسائل میں دراندازی اور غلو سے روک دیا تھا، صرف یہی ایک طریقہ تھا، جس سے اس امت مرحومہ کے علماء و عوام کا اتحاد و اتفاق اور چین و امن کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے اور دوسرے اہم ترین مسائل زندگی میں سربراہی کر سکتے تھے، لیکن افسوس ہے کہ ایسی بزرگ و برتر شخصیت پر جو امت مرحومہ کے لئے سرتاپا رحمت و شفقت مجسم تھی "یری السیف علی الامۃ" کا الزام لگایا گیا، یہاں یہ چند سطر میں علامہ ابن تیمیہ کے بارے میں بغیر سابق ارادہ کے لکھی گئیں، کیونکہ ان طولانی بحثوں کا اس مقدمہ میں کوئی موقع و محل نہیں ہے البتہ انوار الباری میں ان سب مسائل پر اپنے اپنے موقع پر سیر حاصل بخشیں ہوں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ وہو المستعان۔

۲: شیخ اکبر اور دوسرے قائلین وحدۃ الوجود سے سخت انحراف و اختلاف۔

۳: مسئلہ طلاقات ثلاثہ کو بمنزلہ طلاق واحد قرار دیتے ہیں اور حرمت نکاح تحلیل میں بھی بہت تشدد کیا۔

۴: بعد وفات کسی کی ذات سے توسل کر کے دعا مانگنا حتیٰ کے رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارک سے بھی ان کے نزدیک توسل جائز نہیں۔

۵: اسی طرح کسی کے چاہ و مرتبہ کے واسطے سے بھی خدا سے دعا کرنا جائز نہیں۔

۶: زیارت قبور کے لئے شد رحال (یعنی سفر شرعی کرنا) جائز نہیں حتیٰ کے سید الانبیاء رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی نیت سے بھی اگر مدینہ طیبہ کا سفر ہو تو اس کو علامہ نے ناجائز قرار دیا ہے۔

ان مسائل میں علماء وقت نے آپ کا خلاف کیا، مستقل کتابیں تردید میں لکھی گئیں لیکن علامہ ابن تیمیہ میں جہاں بیسیوں کمالات تھے، یہ کمی بھی تھی کہ وہ اپنی ہی کہتے تھے، دوسرے کی نہیں سنتے تھے، ہمارے حضرت شاہ صاحب علامہ کشمیری بھی جو علامہ کے فضل و تبحر علمی کے بے حد مداح تھے اور بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کے اقوال درس بخاری کے وقت نقل کیا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ علامہ میں یہ کمی تھی کہ اپنی ہی کہتے تھے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری امرتسر سے دیوبند آئے تو مجھ سے پوچھنے لگے کہ ابن تیمیہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا کہ اپنی خوب دھنتے ہیں دوسرے کی نہیں سنتے، انہوں نے اس پر میری تائید کی اور ہاتھ گھما کر کہا ”زور، زور“ پھر فرمایا کہ جہاں بولتے ہیں حدیث اور معقول و فلسفہ کا دریا بہا دیتے ہیں مگر دوسرے کی بالکل نہیں سنتے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ روضہ اطہر رسول اللہ ﷺ کا عرش سے افضل ہے اور مدفن مبارک کے علاوہ باقی مدینہ مفضول ہے، بیت اللہ سے جیسا کہ اکثر علماء کی رائے ہے مگر صرف ابن تیمیہ اس میں متوقف ہیں، مجاہد سے مرسل صحیح مروی ہے کہ روز قیامت جب خدا کی تجلی عرش پر ہوگی تو آنحضرت ﷺ دائی طرف ہوں گے عرش پر۔

ایک دفعہ فرمایا کہ ابن تیمیہ کو پہاڑ ہیں علم کے اور دریائے ناچیدا کنار ہیں مگر عربیت اونچی نہیں ہے، اسی لئے سیبویہ کی سترہ غلطیاں نکالی ہیں، میرا خیال ہے کہ خود ہی غلط سمجھے ہیں، فلسفہ بھی بہت زیادہ جانتے ہیں بلکہ معقولات کا اس قدر مطالعہ اور استحضار کم کسی کا ہوا ہوگا، مگر ناقل ہیں، حاذق نہیں ہیں، بعض اوقات کچی بات کو اختیار کر لیتے ہیں جو حاذق کی شان نہیں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

علامہ ابن تیمیہ کی مشہور مطبوعہ تصانیف یہ ہیں: فتاویٰ ابن تیمیہ ۵ جلد، اقامۃ الدلیل علی بطلان التحلیل، الصائم المسلمون علی شاتم الرسول الجواب الفصح لمن بدل دین اسح ۳ جلد، منہاج السنہ النبویہ فی نقص کلام الشیعہ والقدریہ ۳ جلد، در، تعارض العقل والنقل (منہاج السنہ کے حاشیہ پر چھپی ہے) مجموعہ الرسائل الکبریٰ ۲ جلد، مجموعہ الرسائل ۲ جلد، مجموعہ الرسائل والمسائل ۵ جلد، الرد علی المنطقیین، اقتضاء الصراط المستقیم، کتاب النبوات، تلخیص کتاب الاستغاثۃ المعروف بالرد علی البکری (مسئلہ استغاثہ میں شیخ نور الدین بکری کی تردید) مجموعہ الرسائل الممیریہ ۳ جلد، قاعدۃ جلیلیہ فی التوسل والوسیلۃ مجموعہ تفسیر علامہ ابن تیمیہ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے رسائل مطبوعہ اور کتب و رسائل قلمی بھی ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ کلہم اجمعین، آپ کے مشہور تلامذہ علامہ ابن قیم وغیرہ کے حالات آگے آئیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۹۷- شیخ محمد بن عثمان بن ابی الحسن عبدالوہاب النصارى معروف بابن الحریری حنفیؒ م ۷۲۸ھ

جلیل القدر محدث تھے، اکابر محدثین سے تحصیل و تکمیل کی، صاحب جواہر مضیہ نے لکھا کہ آپ نے متعدد مدارس میں درس علوم دیا اور تحدیث کی ہے، بڑے رعب و جلال والے تھے اور خواص و عوام میں بڑی مقبول شخصیت تھی، میں نے بھی آپ سے حدیث پڑھی ہے اور استفادہ کیا ہے، مجھ پر بڑی شفقت و احسان کرتے، دمشق کے قاضی القضاة بھی رہے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر مضیہ)

۱۹۸- شیخ عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ بن سلیمان مار دینی حنفیؒ، م ۷۳۱ھ

بڑے محدث، مفسر، فقیہ، لغوی، ادیب، شیخ وقت اور مرجع علماء و عوام تھے، درس حدیث و افتاء و تالیف کتب آپ کے خاص مشاغل تھے، جامع کبیر کی بھی شرح لکھی ہے، علامہ قرشی مصنف ”الجواہر المضیہ“ وغیرہ آپ کے تلامذہ میں ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر مضیہ و صدائق الحنفیہ)

۱۹۹- الشیخ الامام علاء الدین علی بن بلبان فارسی حنفی، م ۷۳۱ھ، ۷۳۹ھ

جلیل القدر محدث و فقیہ امام وقت تھے، درس علوم، جمع و تالیف کی کتب اور افتاء کی گراں قدر خدمات میں زندگی بسر کی تلخیص الخلاطی کی شرح لکھی، محدث ابن حبان کی تقاسیم و انواع کو مرتب کیا جس کا نام "الاحسان فی ترتیب صحیح ابن حبان" رکھا، نیز طبرانی کو بہترین طریق پر ابواب فقیہ سے مرتب کیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر و تقدیمہ)

۲۰۰- قاضی القضاة شیخ علی بن احمد بن عبدالواحد بن عبدالمعتم طرطوسی حنفی، م ۷۳۲ھ

مشہور محدث و فقیہ تھے، مدت تک درس علوم و افتاء کی خدمت کی، بڑے زاہد و عابد اور بہ کثرت تلاوت کرتے تھے، نیز کم سے کم وقت میں ختم کر لیتے ہیں، نقل ہے کہ تین گھنٹہ اور چالیس منٹ میں تراویح میں پورا قرآن مجید ختم کر لیتے تھے، بڑے بڑے لوگ ان کا قرآن مجید سننے کو جمع ہوتے تھے، یہ آپ کی کرامت تھی اور اس طرح تیزی کے ساتھ اور جلد ختم کرنے کے واقعات اور بھی بعض بزرگوں سے نقل ہوئے ہیں، بعض حضرات چار ختم دن میں اور چار شب میں کرتے تھے جیسا کہ امام نووی اور صاحب اتقان وغیرہ نے لکھا ہے۔ (جواہر مضیہ و حدائق حنفیہ)

۲۰۱- المحمّد الثکبیر ابن المہندس الشہیر محمد بن ابراہیم بن غنائم الشرطی الحنفی، م ۷۳۳ھ

بڑے محدث تھے، کبار حفاظ حدیث اور ابو حامد محمودی اور ابوالحسن علی بن البخاری وغیرہ سے حدیث حاصل کی، بہت خوش خط بھی تھے، بہت سی کتابیں نقل کیں اور تہذیب الکمال مزنی کو کئی بار لکھا، درس حدیث دیا ہے، علامہ قرشی نے لکھا ہے، کہ جب قاہرہ آئے تھے تو میں نے بھی آپ سے حدیث سنی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (تقدیمہ و جواہر)

۲۰۲- شیخ شمس الدین محمد بن عثمان اصفہانی معروف بابن العجمی حنفی، م ۷۳۴ھ

اپنے زمانہ کے امام حدیث اور فقیہ فاضل تھے، مدت تک اقبالیہ میں درس علوم دیا اور مدرسہ شریفہ نبویہ مدینہ طیبہ نیز دمشق میں درس حدیث دیا ہے، مذاہب میں ایک کتاب "منک" بہت مفید لکھی ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق حنفیہ)

۲۰۳- حافظ قطب الدین عبدالکریم بن عبدالنور بن منیر بن عبدالکریم حلبی حنفی، م ۷۳۵ھ

امام عصر و محدث کامل تھے، اکابر محدثین زمانہ سے حدیث سنی اور بہ کثرت روایت کی حتیٰ کہ حفاظ و نقاذ حدیث میں شمار ہوئے، بڑے بڑے مدارس میں درس حدیث دیا ہے، اپنی کتابیں عاریہ دینے میں بھی بڑے وسیع الحوصلہ تھے، کتاب الایتمام تجلیص الامام شرح بخاری شریف ۲۰ جلد، شرح سیرة عبدالغنی اور "القدح المعلیٰ فی الکلام علی بعض احادیث البخلی" تصنیف فرمائیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر مضیہ و حدائق)

۲۰۴- حافظ امین الدین محمد بن ابراہیم والی حنفی، م ۷۳۵ھ

امام و شیخ وقت اور محدث کامل تھے، کثرت سے حدیث حاصل کی اور کثرت سے روایت بھی کی اور جمع و تالیف و عمر بسر کی، صاحب جواہر علامہ قرشی نے لکھا کہ میں نے بھی آپ کے قاہرہ کے قیام میں بہ کثرت احادیث سنی ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر و تقدیمہ)

۲۰۵- امام ابوالحسن علی بن بلبان بن عبداللہ فارسی حنفی، م ۷۳۹ھ

محدث کبیر، فقیہ کامل، نحوی اور اصول و فروع کے بڑے قبح عالم تھے، حدیث و دیماطی، محمد بن علی بن صاعد اور ابن عساکر وغیرہ سے حاصل کی،

آپ نے صحیح ابن حبان اور معجم طبرانی کو ابواب پر مرتب کیا، جامع کبیر کی شرح تصنیف کی، خلاطی کی تلخیص جامع کبیر کی بھی تحفۃ الحرلیس کے نام سے ایک بڑی شرح تصنیف کی، ایک کتاب سیرت میں سیرت لطیفہ اور ایک کتاب جامع مسائل مناسک تالیف کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (جو اہر وحدائق)

۲۰۶- شیخ ابو عبد اللہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب عمری تبریزی شافعی، م ۷۴۰ھ

اپنے وقت کے محدث علام اور فصاحت و بلاغت کے امام تھے، آپ کی تصانیف میں سے سب سے زیادہ مشہور شرح ”مشکوٰۃ المصابیح“ حدیث کی نہایت مقبول و متداول کتاب ہے، ہندوستان میں تو ایک مدت تک صرف مشکوٰۃ شریف اور مشارق الانوار ہی درس حدیث کا معراج کمال رہی ہیں اور اب بھی جب کہ صحاح ستہ تکمیل فن حدیث کے لئے ضروری و لازمی قرار پا چکی ہیں، مشکوٰۃ شریف بھی دورہ حدیث سے قبل ضرور پڑھائی جاتی ہے اس لئے صحاح ستہ کے بعد اس کی شرح کا اہتمام ہر دور کے علماء کبار نے کیا ہے، چنانچہ محدث کبیر ملا علی قاری حنفی نے ”مراۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح“ لکھی جو طبع ہوئی تھی مگر اب عرصہ سے نایاب و نادر الوجود ہے۔

علامہ طیبی نے ”طیبی شرح مشکوٰۃ“، شیخ محدث دہلوی نے عربی میں لمعات شرح مشکوٰۃ اور فارسی میں اسلعة اللمعات لکھیں، مولانا نواب قطب الدین خان دہلوی نے ”مظاہر حق“ اور استاد محرم مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی عم فیضہم شیخ الحدیث جامع اشرفیہ نیلا گنبد لاہور سابق استاد تفسیر و حدیث دارالعلوم دیوبند (تلمیذ خاص علامہ کشمیری قدس سرہ) نے ”التعلیق الصیح“ لکھی ہے، آپ نے رجال مشکوٰۃ کے حالات بھی ”اکمال فی اسماء الرجال“ میں لکھے ہیں جو مشکوٰۃ شریف کے ساتھ آخر میں طبع ہو گئی ہے، اس کے باب ثانی میں آپ نے آئمہ اصحاب اصول کے حالات بھی لکھے ہیں جن میں آپ کے تعصب کا رنگ جھلکتا ہے، ہم حصہ اول میں اس کا ذکر کر چکے ہیں۔ ومن ذا الذی یرضی سجاہاہ کلہا؟ رحمہم اللہ تعالیٰ و رضی عنہم و رضوا عنہ۔

۲۰۷- حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمن حلبی دمشقی مزنی شافعی، م ۷۴۲ھ

مشہور حافظ حدیث ہیں، آپ نے اطراف صحاح ستہ پر ایک کتاب تالیف کی نیز اکمال فی اسماء الرجال کے بعد (جو رجال صحیح ستہ پر سب سے پہلی اور حافظ عبدالمغنی مقدسی م ۶۰۰ھ کی تالیف ہے) آپ کی کتاب ”تہذیب الکمال“ معرفۃ رجال صحاح میں بے نظیر ہے جس کی حافظ ذہبی نے دو تلخیصیں کیں، ایک کا نام ”تہذیب التہذیب“ اور دوسری کا نام ”الکاشف رکھا“ پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے تلخیص کی اور تہذیب التہذیب نام رکھا (جو ۱۲ جلد میں حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہے اور تہذیب مذکور کو مختصر کر کے تقریب التہذیب بنائی (وہ بھی لکھنؤ مطبع نولکشور سے چھپ چکی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (نواۃ بیہ، رسالہ مسطر فہ وغیرہ)

۲۰۸- شیخ ابو محمد عثمان بن علی بن مجن زیلیعی حنفی، م ۷۴۳ھ

بڑے محدث و فقیہ، نحوی، فرضی تھے، ۷۰۵ھ میں قاہرہ آئے، تدریس، افتاء اور تنقید و تحقیق علمی میں مشغول ہوئے اور عاۓ زمانہ میں خاص امتیاز پایا، بڑے بڑے علماء نے آپ سے استفادہ کیا، فقہ کی مشہور درستی کتاب ”کنز الدقائق“ کی نہایت محققانہ شرح لکھی جو ”تبیین الحقائق“ کے نام سے موسوم ہے، جامع کبیر کی بھی آپ نے شرح لکھی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (جو اہر وحدائق)

۲۰۹- الحافظ الشمس السروجی محمد بن علی بن ایبک حنفی، م ۷۴۴ھ

مشہور حافظ حدیث گزرے ہیں، دیول تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (تقدمہ نصب الراہیہ للمحدث الکوشری)

۲۱۰- شیخ احمد بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ مار دینی حنفی، م ۷۴۴ھ

بڑے محدث و فقیہ تھے، حدیث و میاطی اور ابن صواف سے پڑھی اور روایت کی، مدت تک درس علوم و افتاء میں مشغول رہے، ابن ترکمانی کے نام سے بھی مشہور ہوئے، مگر اس نام کے ساتھ بہت زیادہ شہرت شیخ علاء الدین جوہر نقی کی ہے، حدیث، فقہ، اصول فقہ، فرائض، ہیئت منطق و نحو وغیرہ میں بہت اعلیٰ تحقیق سے کتابیں تصنیف کیں، جامع کبیر اور ہدایہ کی بھی شرح لکھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق و جواہر)

۲۱۱- شیخ برہان الدین بن علی بن احمد بن علی بن سبط بن عبدالحق واسطی حنفی، م ۷۴۴ھ

اپنے وقت کے مشہور امام، محدث، فقیہ، عارف غوامض، مذہب اور ولایت مصر کے قاضی القضاة تھے، حدیث اپنے جدا جدا اور ابن البخاری وغیرہ سے پڑھی، مدت تک درس حدیث دیا، اہل باطل سے مناظرے کئے، سنن کبیر بیہقی کی تلخیص کی اور ہدایہ کی شرح لکھی، رحمہ اللہ تعالیٰ (حدائق حنفیہ)

۲۱۲- شیخ اشیر الدین ابو حیان محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان اندلسی شافعی، م ۷۴۵ھ

مشہور محدث، مفسر لغوی، نحوی، صاحب تصانیف کثیرہ تھے، حدیث میں آپ کی تسامیات بھی ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (ارسالہ المفسر ذم ۸۴)

۲۱۳- صدر الشریعہ امام عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ محمود بن صدر

الشریعہ احمد بن جمال الدین حنفی م ۷۴۷ھ

اپنے وقت کے امام متفق علیہ اور علامہ مختلف الیہ (علماء و عوام کے ماوی و ملجا) جامع معقول و منقول، محدث جلیل و فقیہ بے مثل تھے، علم تفسیر و حدیث، علم خلاف و جدل، نحو، لغت، ادب، کلام و منطق وغیرہ کے بحر عالم تھے، آپ کے جدا جدا صدر الشریعہ اکبر سے مشہور ہوئے تھے تو آپ صدر الشریعہ اصغر کہلائے اور اپنے دادا جان ہی کے نقش قدم پر تقیید نفائس عالیہ و جمع فوائد جلیلہ علمیہ میں منہمک و مشغول رہتے تھے، آپ کا نسب حضرت عبادہ بن صامت صحابی رسول اکرم ﷺ سے ملتا ہے، علم اپنے دادا تاج الشریعہ وغیرہ اکابر علماء وقت سے حاصل کیا تھا، آپ نے وقایہ (مشہور فقہی کتاب کی نہایت اعلیٰ شرح لکھی جو بہت مقبول و متداول اور داخل درس ہے پھر وقایہ کو مختصر کر کے نقایہ ترتیب دی، اصول فقہ میں "تنقیح" لکھی، پھر اس کی شرح توضیح لکھی ان کے علاوہ دوسری اہم تصانیف یہ ہیں، المقدمات، الاربعہ، تعدیل العلوم فی اقسام العلوم العقلیہ، الوشاح (علم معانی میں کتاب الشروط، کتاب المحاضرہ، وغیرہ جن کی شروع بعد کے علماء نے لکھیں، مشکلات علوم و مسائل کے حل میں بڑے ماہر تھے، اس لئے ان کو تمام تصانیف سے نفع عظیم ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (جواہر و حدائق)

۲۱۴- حافظ ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی (م ۷۴۸ھ)

نہایت مشہور و معروف حافظ حدیث اور بلند پایہ مورخ تھے، آپ ہی نے تہذیب الکمال مزنی کی تلخیص کر کے تہذیب التہذیب اور کاشف ترتیب دیں اور حفاظ حدیث کو تذکرۃ الحفاظ میں بہ ترتیب طبقات جمع کیا جو ۴ جلد میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے۔ اسی طرح سیر اعلام النبلاء وغیرہ اہم کتابیں لکھیں، اگرچہ حفاظ حدیث کے تذکرے اور محدثین نے بھی لکھے ہیں مگر تذکرۃ الحفاظ نہایت نافع اہم کتاب ہے بعد کو اس کے ذیول اور ضمیمے بھی لکھے گئے جو ذیول تذکرۃ الحفاظ کے نام سے محدث کوثری حنفی کی نہایت گرانقدر علمی تحقیقات و تعلیقات کے ساتھ دمشق سے شائع ہوئے۔

جس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی کے یہاں بڑا عنصر حنفی شافعی کے تعصب کا تھا اسی طرح حافظ ذہبی کے یہاں اشعری، ماتریدی کی

تفریق ملتی ہے اور بہت سے حنفی حفاظ حدیث کا تذکرہ آپ نظر انداز کر دیا ہے تاہم آپ کے علمی احسانات سے ہم سب کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں، آپ نے امام اعظم اور آپ کے اصحاب کے مناقب میں بھی ایک کتاب لکھی جس کا ذکر آپ نے ”الکاشف فی اسماء الرجال“ میں بھی امام صاحب کے ترجمہ میں کیا ہے، یہ کتاب بھی چھپ چکی ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

۲۱۵- شیخ محمد بن محمد بن احمد معروف لقوام الدین کا کی حنفی، م ۷۴۹ھ

مشہور محدث، فقیہ اور عالم تبحر تھے، علوم کی تحصیل و تکمیل شیخ علاء الدین عبدالعزیز بخاری وغیرہ سے کی، شیخ حسام الدین سنناتی سے ہدایہ پڑھی ہے، جامع مار دین قاہرہ میں قیام کر کے درس علوم و افتاء میں مشغول رہے۔
ہدایہ کی شرح معراج الدراریہ لکھی اور ایک کتاب نہایت اہم ”عیون المذہب“ تالیف کی جس میں آئمہ اربعہ کے اقوال جمع کئے۔
رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق حنفیہ)

۲۱۶- حافظ علاء الدین علی بن عثمان بن ابراہیم مار دینی حنفی، م ۷۴۹ھ

جلیل القدر حافظ حدیث، مشہور مفسر، فقیہ و اصولی اور جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے، فرائض، حساب، تاریخ، شعر و ادب و عربی میں بھی کامل تھے، مدت تک ولایت مصر کے قاضی رہے، ابن ترکمانی سے زیادہ مشہور ہوئے، نہایت گراں قدر تصانیف کیں، اہم یہ ہیں: الجواہر النقی فی الرد علی البیہقی (یہ کتاب محدث بیہقی کے رد میں بے نظیر ہیں جس کا جواب آج تک کسی سے نہ ہو سکا، دائرۃ المعارف سے سنن بیہقی کے ساتھ بھی چھپی ہے اور علیحدہ بھی دو جلد میں شائع ہوئی ہے، ہر محدث عالم کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے، ۲، المنتخب فی الحدیث، ۳، المولف و المختلف، ۴، کتاب الضعفاء والمترکین (کاش یہ نہایت قیمتی کتب بھی شائع ہوں) ۵، ہجۃ الاعاریب بمافی القرآن من الغریب، ۶، مختصر رسالہ قشیری، ۷، مختصر علوم الحدیث ابن صلاح۔

ان کے علاوہ ہدایہ کو مختصر کر کے کفایہ لکھی تھی، پھر اس کی شرح کی مگر پوری نہ کر سکے جس کو آپ کے صاحبزادے قاضی القضاة عبداللہ بن علی مار دینی نے پورا کیا، صاحب جواہر مضیہ علامہ محدث قرشی بھی آپ کے تلامذہ حدیث میں ہیں، آپ ہی سے حافظ جمال الدین زلیعی (صاحب نصب الراية) حافظ زین الدین عراقی اور محدث عبدالقادر قرشی نے فن حدیث کی تحصیل و تکمیل کی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔
(دیول تذکرۃ الحفاظ جواہر مضیہ و حدائق حنفیہ)

۲۱۷- حافظ ابن الوانی عبداللہ بن محمد بن ابراہیم حنفی، م ۷۴۹ھ

حفاظ حنفیہ میں سے ہیں ”طبقات حسنی“ میں آپ کا تذکرہ ہے۔ (تقدمہ نصب الراية للمحدث الکوثری ص ۳۶)

۲۱۸- حافظ ابن القیم ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حزیری حنبلی

ولادت ۶۹۱ھ ۷۵۱ھ

علامہ ابن تیمیہ، کے طبقہ اول کے تلامذہ میں سے ہیں، آپ دوسرے تلامذہ سے عمر میں کم تھے اور شاگردی کا زمانہ بھی کم پایا، یعنی تقریباً ۱۴ سال مگر علامہ کے کمالات سے بہت زیادہ مستفید ہوئے اس لئے دوسرے تلامذہ سے علم و فضل میں ممتاز ہوئے، آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ علامہ کے علمی و عملی کمالات کا مظہر تھے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دونوں ایک روح اور دو قالب تھے۔

آپ کو تصنیف و تالیف کا بہترین سلیقہ تھا، بقول محترم افضل العلماء صاحب کوکن مؤلف کتاب "ابن تیمیہ" علامہ کے مزاج میں حدت بہت زیادہ تھی، اور اپنے دل و دماغ کی تیزی اور قلم کی روانی میں کسی ایک موضوع پر ٹھہر کر گفتگو نہیں کرتے تھے اور ضمنی مباحث کو بیک وقت سمیٹنے کے عادی تھے (امام ابن تیمیہ ص ۷۵۷) حافظ ابن قیم کے اساتذہ میں ایک شیخ صفی الدین ہندی حنفی بھی تھے جو امام ابن تیمیہ کے حریف تھے اور ان سے مناظرے بھی کئے تھے، آپ نے فن اصول کی تعلیم ان ہی سے حاصل کی تھی جب ۷۱۵ھ میں شیخ صفی الدین کا انتقال ہو گیا تو امام ابن تیمیہ کی صحبت میں رہنے لگے تھے۔ (امام ابن تیمیہ ص ۶۵۷)

جب ۷۲۶ھ میں زیارت قبور، توسل، وسیلہ و استغاثہ کے مسائل کی وجہ سے ہنگامہ ہوا تو حافظ ابن قیم نے اپنے استاد (ابن تیمیہ) کے خیالات ہی کی پر زور حمایت کی جس کی وجہ سے حکومت نے آپ کو بھی قید کر دیا تھا، استاد کی وفات کے بعد ۷۲۸ھ میں آپ کو قید سے رہائی ملی، حافظ صاحب مدرسہ صدریہ کے مدرس اور مسجد مدرسہ جوزیہ کے امام تھے درس و امامت سے جو وقت بچتا تھا اس کو تصنیف و تالیف پر صرف کرتے تھے۔

حافظ صاحب اپنی مذہبی شدت کے باوجود نہایت خلیق و منکسر المزاج تھے، ان میں اپنے استاد کی سی حدت و شدت نہیں تھی، مخالفین کے ساتھ وہ اچھی طرح پیش آتے تھے، اس وصف میں وہ اپنے استاد سے بالکل ممتاز تھے۔ (کتاب مذکور ص ۶۵۹)

حافظ ابن قیم کی تقریر و تحریر دونوں مربوط اور حشو و زائد سے پاک ہوتی تھیں، ان کی اور امام ابن تیمیہ کی تصنیفات میں سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ حافظ صاحب کی تصنیفات میں تکرار نہیں ہوتی تھی، امام صاحب کی تصنیفات کا یہ حال نہیں ہے (ایضاً ص ۶۵۹)

حافظ ابن قیم کے مطالعہ میں آئمہ احناف کی کتابیں بھی رہی ہیں بلکہ ان سے نقل بھی کرتے ہیں، مثلاً مسند ابی حنیفہ حسن بن زیادہ سے حدیث قرب قیامت کی اعلام الموقعین ص ۴۳ ج ۱ (مطبوعہ اشرف المطابع دہلی) میں نقل کی ہے، اس کے علاوہ امام اعظم کے حالات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے امام اعظم کی طرف سے دفاع بھی کیا ہے نیز ان کا اور حافظ ابن قیم کا طرز تحقیق نرا محدثانہ نہیں بلکہ آئمہ احناف کی طرف فقیہانہ ہے، چنانچہ حافظ ابن قیم نے تہذیب السنن ابی داؤد میں حدیث قلتین کے متروک العمل ہونے پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے، اور بہت سے دلائل سے اس کا ناقابل قبول ہونا ثابت کیا ہے، فقہاء خصوصاً آئمہ احناف حدیث قلتین، حدیث جبر آئین، حدیث خیبر مجلس اور حدیث مصراۃ وغیرہ روایات کو تعامل و توارث سلف کی روشنی میں جانچتے تھے جب کہ ارباب روایت صرف صحت سند پر مدار رکھتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء ص ۸۵ ج ۲ میں لکھا کہ اتفاق سلف اور ان کا توارث فقہ کی اصل عظیم ہے، امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ جب حضور اکرم ﷺ سے دو مختلف حدیثیں ماثور ہوں تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ابو بکر و عمر نے کس پر عمل کیا اور کس کو ترک کیا ہے، حق ان کے تعامل کے مطابق ہوگا محدث فقیہ امام ابو داؤد نے لکھا کہ جب دو حدیث متعارض ہوں تو دیکھنا چاہئے کہ صحابہ نے کس پر عمل کیا ہے۔

افسوس ہے کہ غیر فقیہ محدثین نے اس اصول کو نظر انداز کر دیا اور صرف اسناد حدیث میں اونچ نیچ نکال کر اپنے علم کے موافق مسائل پیدا کئے اور اختلافات میں اضافہ کیا، حافظ ابن قیم کی مشہور تصانیف یہ ہیں: زاد المعاد (۴ جلد) تہذیب سنن ابی داؤد، مدارج السالکین، (۳ جلد) اعلام الموقعین (۴ جلد) بدائع الفوائد (۲ جلد)، روضہ الحبین و نزہۃ المشتاقین شفاء العلیل فی القضاء و القدر، الطب النبوی، کتاب الروح، مختصر الصواعق المرسلہ (۲ جلد) مفتاح دارۃ السعادة، ہدایۃ الحیاری، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

۲۱۹- حافظ ابوالحسن علی بن عبد الکافی بن علی بن تمام معروف تقی الدین سبکی شافعی ۷۵۶ھ

آپ مشہور محدث ابوحیان اندلسی کے تلمیذ ہیں، علامہ ابن تیمیہ کے زبردست مخالفین میں سے رہے ہیں، متعدد رسائل اور نظمیں ان کے متعلق لکھی ہیں، ان کے علاوہ آپ کی دوسری تالیفات مسلسل بالاولیہ وغیرہ ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ الرسالة المستطرفة ص ۶۹ میں آپ کو بقیۃ المجتہدین لکھا۔

۲۲۰- امیر کاتب عمید بن امیر عمرو بن امیر غازی اتقانی فارانی حنفی ولادت ۶۸۵ھ

آپ کی کنیت ابوحنیفہ اور لقب قوام الدین تھا، اپنے زمانہ کے اکابر محدثین و اہل فضل نے تحصیل علوم کی، حدیث، فقہ لغت و عربیت کے امام تھے، آپ نے ۱۶ھ میں سفر حج کے وقت منتخب حسامی کی شرح تبیین لکھی، ہدایہ کی شرح غایۃ البیان و نادرۃ القرآن تصنیف کی، مدت تک مدرسہ مشہد امام اعظم میں درس علوم دیا اور قضاء و افتاء میں بھی مشغول رہے۔

۱۷ھ میں دمشق گئے اور حافظ ذہبی کی وفات پر ظاہریہ میں مدرسہ دارالحدیث کے مدرس ہوئے، علماء شوافع سے آپ کے مشاجرات معارضات اور مناظرے رہے ہیں، آپ مخالفین کے رد و جواب میں شدت و سختی سے کام لیتے تھے اس لئے آپ کو متعصب بھی کہا گیا ہے، بات یہ تھی کہ آپ غیروں کی بیجا زیادتی برداشت نہ کرتے تھے، اس لئے آپ نے جو کچھ ان کے متعلق لکھا وہ جوابی و دفاعی قدم تھا اس لئے ان غیروں کو زیادہ متعصب اور ”الباوی الظلم“ کے قاعدہ سے بڑا ظالم بھی کہنا چاہئے۔

آپ نے غایت البیان کی بحث حروف المعانی میں لکھا کہ ”غزالی نے مخول میں امام ابوحنیفہ پر چند الزامات بے دلیل لگائے ہیں، اگر کتاب کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم ان کا ایسا رد لکھتے کہ اس سے ان کی روح ان چیزوں سے توبہ کر لیتی جو ان کے ہاتھ و زبان نے کئے تھے، واللہ! ہم امام غزالی کا انتہائی احترام اور بڑی عقیدت رکھتے تھے کیونکہ انہوں نے احیاء العلوم میں مشائخ کے اقوال جمع کئے ہیں لیکن جب یہ دیکھا کہ وہ اکابر امت پر بے دلیل و برہان طعن و تشنیع کرتے ہیں تو اس سے ہماری عقیدت مذکورہ مجروح ہو گئی۔

آخر تبیین میں اپنی علمی کاوشوں اور تحقیقی و تدقیقی جاں فشانیوں کی داد طلب کرتے ہوئے لکھا کہ ”اگر میرے اسلاف کرام زندہ ہوتے، تو مجھ کو منصف ٹھہراتے، امام اعظم فرماتے کہ تم نے اچھی کوشش کی، امام ابو یوسف فرماتے تم نے بیان و دلیل کی روشنی دکھائی، امام محمد فرماتے تم نے بہتر کام کیا، امام زفر فرماتے تم نے پختہ کاری سے کام لیا، امام حسن بن زیاد فرماتے تم نے گہرائی کی باتیں لکھیں، ابو حفص فرماتے تم نے اپنے مطالعہ میں دقت نظر سے کام لیا، ابو منصور کہتے حق بات کو ثابت کیا، امام طحاوی فرماتے، صحیح و سچی بات کہی، امام کرخی فرماتے تمہاری باتوں میں خدا نے برکت دی، بھلا صاف فرماتے خوب پختہ دلائل بیان کئے، ابو زید دبو سی کہتے تمہیں حق و ثواب کی توفیق ملی، شمس الائمہ فرماتے تمہیں اپنا مقصود حاصل ہوا، فخر الاسلام فرماتے تم نے مہارت فن کا ثبوت دیا، نجم الدین نسبی کہتے تم غالب آئے، صاحب ہدایہ فرماتے تم نے سمندر کی غواصی کی اور صحیح سلامت نکل آئے، صاحب محیط فرماتے تم اپنے دعویٰ میں کامیاب ہوئے، متنبی کہتے کہ تمہارا شمار فصحاء عرب میں ہوا۔“

ہر شخص جو غیر معمولی محنت و کاوش کسی کام میں کرتا ہے اپنے بڑوں سے اس کی داد طلب کرتا ہے زبان سے نہ کہے تو دل میں ضرور اس کی خواہش ہوتی ہے، اس لئے اس کو تفوق و تعلیٰ پر محمول کرنا درست نہیں، اس لئے ہم نے اس کو یہاں نقل بھی کر دیا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (جو اہر، حدائق، فوائد بیہ)

۲۲۱- حافظ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف بن محمد بن ایوب بن موسیٰ زیلیعی حنفی، م ۶۲ھ

زیلع حبشہ کے ساحل پر ایک شہر ہے، اسی کی طرف آپ کے شیخ فخر الدین زیلیعی صاحب تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق (۲ مجلدات کبیرہ) کی بھی نسبت ہے، جہاں اور بھی بہت سے حنفی علماء ہوئے ہیں جن کے تراجم فلائد انحرافی دقیات اعیان الدہر میں ہیں، شیخ تقی الدین بن فہد کی نے ذیل تذکرہ الحفاظ ذہبی میں لکھا ہے کہ حافظ زیلیعی نے فقہ میں تخصص کیا، معاصرین سے ممتاز ہوئے، نظر و مطالعہ برابر کرتے رہے اور طلب حدیث میں بھی اسی طرح منہمک ہوئے پوری طرف ہمت کی تخریج میں مختص ہوئے، تالیف و جمع حدیث کا اشتغال رہا، سماع حدیث ایک جماعت اصحاب نجیب حرانی اور ان کے بعد کے اکابر محدثین سے کیا پھر علامہ ابن فہد نے بہت سے محدثین کے نام بھی لکھے۔

شیخ تقی الدین ابو بکر تمیمی نے ”طبقات سنیہ“ میں لکھا کہ حافظ زلیعی نے اصحاب نجیب سے حدیث سنی اور فخر زلیعی وقاضی علاء الدین ترکمانی وغیرہ سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی، مطالعہ کتب حدیث میں پورا انہماک کیا یہاں تک کہ حدیث ہدایہ اور کشاف کی تخریج کی اور ان کا استیعاب تمام و کمال کیا۔

حافظ ابن حجر نے دررکامہ میں لکھا کہ مجھ سے ہمارے شیخ عراقی ذکر کرتے تھے کہ وہ اور حافظ زلیعی کتب حدیث کے مطالعہ میں شریک تھے، عراقی نے احیاء کی احادیث اور ان احادیث کی تخریج کا ارادہ کیا تھا جن کی طرف امام ترمذی نے ابواب میں اشارہ کیا ہے اور حافظ زلیعی نے احادیث ہدایہ و کشاف کی تخریج کا بیڑھا اٹھایا تھا، ہر ایک دوسرے کی اعانت کرتا تھا اور زلیعی کی تخریج احادیث ہدایہ سے محدث زرکشی نے تخریج احادیث رافعی میں بہت زیادہ مدد لی ہے۔

استاذ محترم محقق عصر علامہ کوثری نے تعلیقات ذیل ابن فہد میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ خود حافظ ابن حجر بھی اپنی تخریج میں حافظ زلیعی کی تخریج سے اسی طرح بکثرت استفادہ کرتے ہیں حضرت مولانا عبدالحی صاحب نے بھی فوائد بیہ میں لکھا کہ بعد کو تمام شارحین ہدایہ نے آپ کی تخریج سے مدد لی ہے، بلکہ حافظ ابن حجر نے بھی تخریج احادیث ”شرح الوجیز“ وغیرہ میں مدد لی ہے۔

علامہ کوثری کو بہت سے حفاظ شافعیہ کی متعصبانہ روش سے شکوہ تھا، خصوصاً حافظ ابن حجر سے کہ حافظ زلیعی کے طرز و طریق کے برعکس حنفیہ کا حق کم کرتے ہیں اور بے ضرورت بھی نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی تالیفات خصوصاً فتح الباری میں ان کا معمول ہے کہ وہ حنفیہ کے موافق حدیث کو اس کے باب میں جان بوجھ کر نہیں لاتے پھر اس کو غیر مظان میں ذکر کرتے ہیں تاکہ حنفیہ سے انتفاع نہ کر سکیں۔

حضرت الاستاذ علامہ کشمیری نے ارشاد فرمایا کہ حافظ زلیعی جس طرح اکابر محدثین و حفاظ میں سے تھے اسی طرح وہ مشائخ صوفیہ و اولیاء کاملین سے تھے جن کے نفوس مجاہدات و ریاضات سے مزکی و پاکیزہ ہو جاتے ہیں اور ان کے آثار تزکیہ نفس ہی سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے مذہب کے لئے قطعاً کوئی تعصب نہیں کرتے تھے اور مقابل و مخالف کے ساتھ بھی غایۃ انصاف سے پیش آتے تھے، اور ان کی بے تعصبی اور سلامت صدر کا اعتراف غیروں نے بھی کیا ہے اور یہ وصف و امتیاز حافظ تقی الدین بن دقیق العید شافعی میں بھی تھا کیونکہ وہ بھی اکابر صوفیہ میں سے اور صاحب کرامات تھے، وہ بھی اپنے مذہب کے لئے کوئی تعصب نہیں کرتے تھے، بلکہ بسا اوقات اپنی تحقیق سے حنفیہ کے افادہ اور تائید کا بھی قصد کرتے ہیں اور کسی کے حق کو کم کرنے کا تو ان کے یہاں سوال ہی نہیں، اس سے ان کی شخصیت بہت بلند ہے پھر فرمایا کہ اسی طریقہ کے ہمارے یہاں شیخ محقق بن ہمام صاحب فتح القدر بھی ہیں، البتہ حافظ ابن حجر کی شان دوسری ہے، وہ ہمیشہ حنفیہ کی کمزوریوں اور گرفت کے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں اور کبھی اپنی بحث و تحقیق میں ایسی بات نہیں آنے دے جس سے حنفیہ کو فائدہ پہنچ جائے، وقت گزاری کے لئے ایک بات کہہ جائیں گے، حالانکہ اس بات کو وہ خود بھی خلاف موقع جانتے ہیں، یہ طریقہ ان کی جلالت قدر کے شایان شان نہیں۔

یہاں اس بات کے ذکر سے یہ مقصد ہرگز نہیں کہ حافظ ابن حجر کی جلالت قدر اور ان کے مرتبہ عالی کو کم دکھایا جائے بلکہ چند حقائق و واقعات

۱۔ نواب صدیق حسن خان صاحب نے اپنی کتاب ”الاکسیر فی اصول التفسیر“ میں اصل تخریج احادیث کشاف کو حافظ ابن حجر کی تالیف قرار دیا اور جو کچھ اوصاف و فضائل اس کے لکھے گئے ہیں وہ سب بھی تخریج ابن حجر کے ساتھ لگادئے اور اس کی تلخیص کو زلیعی کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ یہ بات عقل و نقل کی رو سے غلط ہے۔

نقل تو اوپر نقل ہوئی، عقلاً اس لئے کہ حافظ ابن حجر حافظ زلیعی کی وفات سے گیارہ سال بعد پیدا ہوئے ہیں، پھر کس طرح ممکن تھا کہ اصل کتاب کو ابن حجر بعد کو لکھتے اور اس کی تلخیص ان سے پہلے زلیعی کر گئے، اس غلطی پر حضرت مولانا عبدالحی صاحب نے فوائد بیہ میں متنبہ کیا ہے، جس طرف مولانا موصوف نے نواب صاحب مرحوم کی اور بھی بے شمار غلطیوں پر توجہ دہرا کر گئی ہے، ہندوستان میں حافظ ابن حجر کی درایۃ تلخیص نصب الرایہ بھی دو بار چھپی ہے اور ایک بار اس کو بھی زلیعی کی طرف منسوب کیا گیا۔

مقصد یہی ہوگا کہ اصل تو حافظ ابن حجر کی ہے اور یہ تلخیص زلیعی کی ہے یا یہ بتلانا ہوگا کہ نصب الرایہ زلیعی کی مشہور کتاب یہی مختصر کم حیثیت کتاب ہے۔
واللہ اعلم وعلیہ اتم واکرم۔

کا اظہار محض اس لئے کیا ہے کہ ناواقف کو صحیح صورتحال پر بصیرت و نظر ہو اور وہ ہر شخص کے مرتبہ اور طرز و طریق کو پہچان سکے (افادہ السید المحترم مولانا البنوری عم فیضہم فی مقدمہ نصب الراية)

نصب الراية کے خصائص اور امتیازی فضائل بھی محترم مولانا بنوری نے مقدمہ میں حسب عادت بڑی خوبی و وضاحت سے بیان کئے ہیں، تذکرہ چونکہ نہایت طویل ہو گیا اس لئے ان کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

۲۲۲- حافظ علاء الدین مغلطائی (بکجری) بن فلیح بن عبداللہ ترکی مصری حنفی

ولادت ۶۸۹ھ، ۷۷۲ھ

اپنے زمانہ کے مشہور و معروف امام حدیث اور اس کے فنون کے حافظ و عارف کامل تھے علم فقہ، انساب وغیرہ میں علامہ زمانہ محقق و مدقق، صاحب تصانیف کثیرہ نافعہ تھے، نقل ہے کہ ایک سو سے زیادہ کتابیں آپ نے تصنیف کیں جن میں سے تلوک شرح بخاری، شرح ابن ماجہ، شرح ابی داؤد اور الزہرا الباسم فی السیرۃ النبویہ بہت مشہور ہیں۔

حافظ ابن حجر نے دررکامنہ میں آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ نے ذیل تہذیب الکمال بھی لکھا تھا جو اصل تہذیب الکمال کے برابر تھا، پھر اس کو دو جلد میں مختصر کیا پھر ایک جلد میں مختصر کیا اور اس میں صرف حافظ مزنی پر اعتراضات باقی رکھے لیکن اکثر اعتراضات مزنی پر صحیح طور پر وارد نہیں ہوئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (تقدمہ وحدائق)

حافظ نے پھر یہ بھی لکھا کہ ”آپ علم انساب کے نہ صرف عالم تھے بلکہ اس کی بہت اچھی معرفت رکھتے تھے، لیکن دوسرے متعلقات حدیث کا علم درمیانی درجہ کا تھا، آپ نے بخاری کی شرح لکھی اور ایک حصہ ابو داؤد اور ایک حصہ ابن ماجہ کی بھی شرح کی، مہبت کو ابولہب فقہ پر مرتب کیا جس کو میں نے خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا، اسی طرح بیان الوہم لابن القطان کو مرتب کیا اور زوائد ابن حبان علیٰ اخیسین تصنیف کی، ابن نقطہ اور بعد کے حضرات نے مشتبہ میں جو کچھ لکھا تھا اس پر ذیل لکھا، ”ذیل المؤلف و المتخلف“ اور ان کے علاوہ آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں ۲۳ شعبان ۷۶۲ھ کو وفات ہوئی۔“

یہ تو حافظ نے لکھا اور چند امور اور بھی حسب عادت تنقیص کے لئے لکھ گئے، مگر حاشیہ دررکامنہ میں تحریر ہے کہ آپ سے بلقینی، عراقی دمیری اور مجد اسماعیل حنفی وغیرہ نے اخذ علم کیا اور آپ کے زمانہ میں فن حدیث کی ریاست و سیادت آپ پر کامل ہوئی، اسی طرح علامہ صفدی اور ابن رافع وغیرہ نے بھی آپ کے مناقب و فضائل ذکر کئے ہیں۔

غرض حافظ مغلطائی مشہور و مسلم محدث جلیل اور حافظ حدیث ہیں، آپ کے تلامذہ میں بہ کثرت کبار محدثین ہیں اور آپ کی تصانیف دنیا میں موجود ہیں جو آپ کے بلند پایہ محدث ہونے پر بڑی شہادت ہیں، مگر حافظ ان کے علم متعلقات حدیث کو صرف درجہ کا بتا رہے ہیں، اتنے بڑے علم کا اگر کوئی غیر حنفی ہوتا تو تعریفوں کے پل باندھ دیتے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

(الکتاب الضامن لاحناف القرن الثامن للمحدث العلام مولانا المفتی السیدی مہدی حسن عم فیضہ)

۲۲۳- شیخ ابو حفص سراج الدین عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی ہندی حنفی

ولادت ۷۰۴ھ، ۷۶۳ھ، ۷۷۳ھ

اپنے وقت کے امام و مقتدا، محدث و فقیہ، علامہ بے نظیر، غیر معمولی ذکی و فہیم، مناظر و متکلم مشہور تھے، اکابر محدثین و فقہاء زمانہ شیخ و جیہ

الدین دہلوی، شمس الدین خطیب دہلوی، ملک العلماء سراج الدین ثقفی دہلوی اور شیخ رکن الدین بدایونی سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی اور مصر جا کر وہاں کے قاضی القضاة ہوئے، کثیر التصانیف تھے جن میں سے بعض یہ ہیں: اللوامع فی شرح جمع الجوامع، شرح عقیدة الطحاوی، شرح زیادات، شرح جامع صغیر، شرح جامع کبیر، شرح تائیه ابن الفارض، کتاب الخلاف، کتاب التصوف، شرح ہدایہ مسمیٰ توشیح، الشامل (فقہ) زبدۃ الاحکام فی اختلاف الائمۃ الاعلام، شرح بدیع الاصول شرح المغنی، الغرۃ المہذیۃ فی ترجیح مذہب ابی حنیفہ، لطائف الاسرار، عدۃ الناسک فی الناسک، لوائح الانوار فی الرد علی من انکر علی العارفين۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (فوائد بیہ، دررکامنہ، حدائق حنیفہ)

۲۲۴- شیخ ابن ربوہ محمد بن احمد بن عبدالعزیز قونوی دمشقی حنفی م ۶۲۴ھ

بڑے عالم، محدث، مفسر، فقیہ، لغوی، جامعہ فنون تھے متعدد مدارس مشہورہ میں درس علوم و افتاء کی خدمات انجام دیں، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں، الدر المنیر فی حل اشکال الکبیر، قدس الاسرار فی اختصار المنار، المواہب المکیہ فی شرح فرائض السراجیہ، شرح المنار، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (جواہر ص ۱۵ ج ۲ و حدائق و دررکامنہ)

۲۲۵- حافظ ابوالحسن حسینی دمشقی (م ۶۵۷ھ)

مشہور حافظ حدیث ہیں جن کا ذیل تذکرۃ الحفاظ ذہبی ہے، اس میں آپ نے ان حفاظ حدیث کا تذکرہ لکھا ہے جو حافظ ذہبی سے رہ گئے تھے، یہ کتاب دمشق سے شائع ہو چکی ہے، اس ذیل کے علاوہ تذکرۃ الحفاظ کا ایک ذیل حافظ تقی الدین بن فہد (م ۸۷۱ھ) نے بھی لکھا تھا جس کا نام ”لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ“ ہے۔

اس کے علاوہ تذکرۃ الحفاظ کا ایک ذیل علامہ سیوطی نے بھی لکھا ہے جس میں حافظ ذہبی سے اپنے زمانہ تک کے حفاظ حدیث کو ذکر کر دیا ہے یہ تینوں ذیل یعنی حسین، ابن فہد اور سیوطی کے مجموعہ تذکرۃ الحفاظ کے نام سے محدث کوثری کی تصحیح و تعلق کے ساتھ دمشق سے ایک ضخیم جلد میں شائع ہو گئے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۱۵۰)

۲۲۶- ابوالبقاء قاضی محمد بن عبداللہ شبلی دمشقی حنفی ولادت ۱۰۷۱ھ م ۶۹۹ھ

محدث، فقیہ، عالم فاضل تھے، حافظ ذہبی اور مزنی سے علم حاصل کیا اور روایت حدیث بھی کی، ایک نفیس کتاب ”آکام المرجان فی احکام الجان“ لکھی جس میں جنات کے حالات و اخبار مع کیفیت پیدائش وغیرہ ایسی تفصیل و تحقیق سے تحریر کئے کہ آج تک ایسی کوئی اور کتاب تالیف نہیں ہوئی حافظ سیوطی نے اس کو تلخیص کیا اور کچھ اپنی طرف سے اضافات بھی کئے، اس کا نام آکام المرجان فی اخبار الجان رکھا، اس کے علاوہ محاسن الوسائل اے معرفۃ الاوائل اور کلاذۃ الخرنی تفسیر سورۃ الکوثر اور ایک کتاب آداب جہاد میں تصنیف کی، ۵۵ھ سے آخر تک طرابلس کے قاضی بھی رہے، حافظ ذہبی نے انجم الخس میں آپ کا ذکر کیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (الدررکامنہ و حدائق حنیفہ)

۲۲۷- شیخ محمد بن محمد بن محمد بن امام فخر الدین رازی جمال الدین اقصرائی حنفی م ۷۷۰ھ

بڑے محقق عالم حدیث و فقہ و دیگر فنون تھے، امام فخر الدین رازی آپ کے جد امجد تھے، لیکن وہ شافعی تھے اور آپ اور آپ کے والد حنفی تھے، آپ نے مدرسہ قرمان میں درس علوم و فنون دیا ہے، مدرسہ کے مالک نے شرط کی تھی کہ اس مدرسہ کا مدرس وہ ہوگا جس کو علاوہ دیگر علوم و فنون میں کمال کے صحاح جوہری حفظ یاد ہوگی، یہ شرط آپ کے اندر پائی گئی، اس لئے آپ ہی کا انتخاب مدرسہ مذکور کے لئے ہوا، آپ نے تفسیر کشاف کے حواشی لکھے، معانی و بیان میں شرح ایضاح لکھی اور علم طب کی مشہور و معروف اعلیٰ درجہ کی کتاب ”موجز“ بھی آپ ہی کی

تصنیف ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۲۲۸- علامہ تاج الدین ابوالنصر عبدالوہاب بن تقی الدین علی بن عبدالکافی بن

تمام انصاری سبکی شافعی م ۷۷۱ھ

مشہور محدث و فاضل مورخ تھے آپ کی تصانیف جلیلہ نافعہ میں سے ”طبقات الشافعیۃ الکبریٰ“ نہایت مشہور و مقبول و متداول ہے، جس میں آپ نے بہترین طرز تحقیق سے علماء شافعیہ کے حالات جمع کر دیئے ہیں اس تفصیل و اہتمام کے ساتھ لکھی ہوئی کوئی دوسری کتاب طبقات میں نہیں ہے تاہم غلطی سے سوا انبیاء علیہم السلام کے کون معصوم ہے؟ آپ سے بھی غلطی ہوئی ہے، مثلاً آپ نے اپنی طبقات میں لکھا کہ ابو حاتم سے امام بخاری و ابن ماجہ کا روایت کرنا ثابت نہیں، حالانکہ یہ بات خلاف تحقیق ہے، حافظ مزنی نے تہذیب الکمال میں تصریح کی کہ ابن ماجہ نے اپنی تفسیر میں ان سے روایت کی اور سنن ابن ماجہ باب الایمان و باب فرائض الجہد میں ان سے روایات موجود ہیں، اسی طرح بخاری میں بھی ان کی روایت موجود ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۰ میں اعتراف کیا ہے کہ ان سے اور امام ذہبی اور امام بخاری نے صرف وہی روایت لی ہیں جن کا سماع دوسرے اساتذہ سے فوت ہو گیا تھا یا جو روایات ان کے علاوہ دوسرے علماء سے نہ مل سکی تھیں۔

طبقات الشافعیہ عرصہ ہوا، مصر سے جنائی کاغذ پر چھپ کر شائع ہوئی تھی اور اب بہترین سفید کاغذ پر بھی چھپ گئی ہے، لیکن افسوس ہے کہ طبقات حنفیہ میں اب تک کوئی بڑی اہم کتاب نہ چھپ سکی، کاش! کفوی کی طبقات الحنفیہ ہی چھپ جائے، و ما ذلک علی اللہ عزیز۔

۲۲۹- شیخ ابوالمحاسن (ابن السراج) محمود بن احمد بن مسعود بن عبدالرحمن قونوی حنفی

م ۷۷۷، ۷۷۸ھ

فاضل محدث و فقیہ و اصولی تھے، اکابر عصر سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی اور خاتونہ، ریحانیہ وغیرہ مشہور مدارس میں درس علوم دیا، دمشق کے قاضی بھی رہے، بہت سی مفید علمی کتابیں تصنیف کیں جن میں بعض یہ ہیں: مشرق الانوار، مشکل الآثار، مقدمۃ فی رفع الیدین، المعتمد مختصر مسند ابی حنیفہ، المعتمد شرح البغیۃ فی الفتاویٰ (۲ مجلد) خلاصۃ النہایہ مختصر شرح الہدایہ للصفغانی، التقریر شرح تحریر القدوری (۴ مجلد) الزبدہ شرح العمدة، تہذیب احکام القرآن المنہی فی شرح المغنی (اصول فقہ میں ۳ جلد) القلائد شرح العقائد، حضرت مولانا عبدالحی صاحب نے فوائد بیہ میں تحریر فرمایا کہ میں نے آپ کا مقدمہ رفع الیدین میں مطالعہ کیا، بہت نفیس رسالہ ہے جس میں آپ نے رفع الیدین کی وجہ سے عدم فساد و صلوة کی تحقیق اور سکھول کی روایت فساد کا شذوذ ثابت کیا ہے، فوائد میں ملا علی قاری سے سن وفات ۷۸۱ھ نقل کیا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (درر کا منہ، جواہر مضیئہ، فوائد بیہ)

۲۳۰- حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشی دمشقی شافعی م ۷۷۴ھ

مشہور و معروف محدث، مفسر و مورخ تھے، حدیث میں آپ کی تالیف ”جامع المسانید و السنن الہادی لاقوم سنن ہے“ جس میں آپ نے ترتیب حروف بحکم سے ہر صاحب روایت صحابی کا ترجمہ ذکر کیا ہے، پھر اس کی تمام روایات مرویہ اصول ستہ، مسند امام احمد، مسند بزاز، مسند ابی یعلیٰ، معجم کبیر وغیرہ جمع کر دی ہیں جس میں بہت سے علمی حدیثی فوائد بڑھائے ہیں، حافظ ذہبی نے معجم مختص میں آپ کو امام، مفتی، محدث بارع، فقیہ متقن، محدث متقن، مفسر اور صاحب تصانیف مفیدہ لکھا ہے، تعجب ہے کہ ایسے محدثین، متقن، اور حافظ حدیث صاحب مسند کبیر بھی حافظ کے ریمارک سے نہ بچ سکے۔

حافظ ابن حجر نے درر کا منہ ص ۳۷۳ ج ۱ میں آپ کا ذکر کیا ہے اس میں اس مسند کبیر کا ذکر نہیں کیا اور باوجود فن حدیث میں آپ کی

جلالت قدر کے ایک ریمارک بھی کر دیا ہے، لکھا ہے کہ آپ تحصیل عوامی اور تمیز عالی و منازل وغیرہ امور میں محدثین کے طریقہ پر نہیں تھے، بلکہ محدثین فقہاء میں سے تھے اگرچہ کتاب ابن صلاح کا اختصار بھی کیا ہے۔

تفسیر میں ۴ جلد کی کتاب چھپ چکی ہے اور تاریخ میں البدایہ والنہایہ ۱۴ جلد میں طبع ہو چکی ہے، یہ سب کتابیں نہایت مفید علمی ذخائر ہیں، آپ نے اپنے بھائی شیخ عبدالوہاب سے پڑھا، شیخ ابوالحاج مزنی شافعی سے تکمیل کی جو آپ کے خسر بھی تھے اور علامہ ابن تیمیہ کی بھی شاگردی کی اور باوجود شافعی ہونے کے علامہ موصوف سے بڑا تعلق تھا، حتیٰ کے طلاق اور دیگر مسائل میں علامہ ہی کے خیالات کی تائید کی جس سے تکالیف بھی اٹھائیں۔

علامہ ابن تیمیہ کا جب انتقال ہوا تو اپنے خسر کے ساتھ قید خانہ جا کر ان کے چہرہ سے چادر اٹھا کر پیشانی کا بوسہ دیا اور اب آپ کی قبر بھی ان کے پہلو میں ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (الرسالۃ المستطرفة وغیرہ)

۲۳۱- حافظ ابو محمد محی الدین عبدالقادر بن محمد بن محمد بن نصر اللہ بن سالم بن ابی الوفا قرشی

حنفی ولادت ۶۹۶ھ، م ۷۷۵ھ

مشہور و معروف محدث، فقیہ، مورخ اور جامع معقول و منقول تھے، حدیث کی تحصیل اپنے زمانہ کے مشاہیر اساتذہ حدیث سے کی، حافظ دمیاطی نے بھی آپ کو حدیث کی سند دی تھی، علامہ ابن فہد نے آپ کا تذکرہ لحاظ الالحاظ ذیل تذکرۃ الحفاظ میں الامام العلامۃ الحافظ سے شروع کیا اور لکھا کہ آپ فقہ میں مخلص ہوئے، افتاء کیا اور علوم کا درس دیا ہے، تصنیف و تالیف میں بھی فائق ہوئے، بڑے بڑے حفاظ حدیث و فضلاء عصر نے آپ سے حدیث حاصل کی، علامہ کفوی نے طبقات میں آپ کو عالم، فاضل جامع العلوم لکھا۔

آپ کی مشہور و اہم تصانیف یہ ہیں، العنایہ فی تخریج احادیث الہدایہ، مختصر فی علوم الحدیث، الطرق والوسائل الی معرفۃ احادیث خلاصۃ الدلائل، الحاوی فی بیان آثار الطحاوی، تہذیب الاسماء الواقعہ فی الہدایہ والخلاصہ، الاعتماد فی شرح الاعتقاد، کتاب فی المولفۃ قلوبہم، الوفیات، الجواہر المفضیۃ فی طبقات الحنفیہ، الدرر المنیۃ فی الرد علی ابن ابی شیبہ فیماورد علی ابی حنیفہ، ادہام الہدایہ، شرح الخلاصہ، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۲۳)

۲۳۲- شیخ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی بن سعید کرمانی ثم البغدادی شافعی

ولادت ۷۷۱ھ، م ۸۶۶ھ

حدیث، تفسیر، فقہ، معانی و عربیہ کے امام تھے، بڑے زاہد و عابد اور تارک الدنیا تھے، فقراء سے بہت مانوس ہوتے تھے، اہل دنیا کی طرف کوئی توجہ نہ کرتے تھے، آپ کے گھر پر سلاطین و امراء حاضر ہوتے اور دعا و نصیحت کی درخواست کرتے تھے، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں، الکوکب الدراری شرح صحیح البخاری جس سے حافظ ابن حجر اور حافظ عینی نے بھی اخذ و استفادہ کیا ہے، ۲ شرح المواقف، ۳ شرح الفوائد الغیاتیہ (معانی و بیان میں) ۴ حاشیہ تفسیر بیضاوی، ۵ ایک رسالہ مسئلہ کحل میں۔

بغداد کو وطن بنا لیا تھا، آخر عمر میں حج کو گئے تھے، واپسی میں بغداد کے راستہ میں مقام روض مہنا میں انتقال ہوا، وہاں سے نعش بغداد لائی گئی اور شیخ ابوالخلق شیرازی کے پہلو میں دفن ہوئے، جہاں آپ نے زندگی ہی میں اپنے لئے جگہ متعین کر دی تھی۔

آپ کی شرح بخاری تین شروح سابقہ سے ماخوذ ہے، ایک شرح مغلطائی حنفی، دوسری شرح خطابی شافعی کی، تیسری شرح ابن بطال مالکی کی، علامہ کرمانی نے آخر شرح میں لکھا ہے کہ جب زمانہ قیام مکہ معظمہ میں اس شرح کو مکمل کر رہا تھا تو ملتزم مبارک کو چمٹ کر کعبہ معظمہ

کے واسطے سے رب البیت جل مجدہ کی بارگاہ میں درخواست کرتا تھا کہ اس خدمت کو حسن قبول عطا فرما اور حضور اکرم ﷺ کی جناب میں اشرف و سائظ و احسن و سائل ہو، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ معلوم نہیں وسیلہ واسطہ کے خلاف سخت تشدد کرنے والے محدث کرمانی کے بارے میں فرمائیں گے؟ یرحمنا اللہ وایاہم۔ (بستان المحدثین و مقدمہ لامع الدراری)

۲۳۳- شیخ محمد بن محمود اکمل الدین بابر ترقی حنفی م ۸۶ھ

امام محقق، مدقق، حافظ حدیث، فقیہ، لغوی، نحوی، جامع علوم و فنون تھے، اپنے زمانہ کے اکابر محدثین و علماء فحول سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی اور سید شریف جرجانی، قاری اور بدر الدین محمود بن اسرائیل وغیرہ نے آپ سے علوم کی تحصیل کی، کئی بار عہدہ قضا پیش ہوا مگر قبول نہ کیا ہمیشہ درس و تدریس، تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں، شرح مشارق الانوار، شرح بدایہ مسمی بعنائیہ، شرح مختصر ابن حاجب، شرح منار، شرح فرائض سراجیہ، شرح تلخیص جامع خلاطی، شرح تجرید طوسی، حواشی تفسیر کشاف، شرح کتاب الوصیۃ امام اعظم ابوحنیفہ، شرح اصول بزدوی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق حنفیہ)

۲۳۴- علامہ میر سید علی ہمدانی حنفی م ۸۶ھ

مظہر علوم ظاہری و باطنی، محدث و فقیہ کامل، صاحب کرامات و خوارق تھے، ایک سو ستر سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں، ۸۰ھ میں سات سورتقاء و سادات عظام کے ساتھ ہمدان سے کشمیر تشریف لائے، محلہ علاء الدین پورہ میں قیام فرمایا، جہاں اب آپ کی خانقاہ ہے، قطب الدین شاہ والی کشمیر کمال عقیدت کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، کشمیر میں آپ کی وجہ سے اسلام کو بڑی تقویت ہوئی، تین بار کشمیر تشریف لائے، اور تین ہی بار ساری دنیا کی سیاست کی آخر میں جب کشمیر سے رحلت کی تو تہتر سال کی عمر میں میدان کبیر پہنچ کر انتقال فرمایا اور نعش مبارک کو ختلان میں لے جا کر دفن کیا گیا۔

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں، مجمع الاحادیث، شرح اسماء حسنی، شرح نصوص الحکم، ذخیرۃ المملوک، مرآة التائبین، آداب المریدین، اوراد فقیہ، وقت وفات زبان مبارک پر بسم اللہ الرحمن الرحیم جاری ہوا اور یہی آخری کلام آپ کا سنہ وفات ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق حنفیہ)

۲۳۵- شیخ شمس الدین محمد بن یوسف بن الیاس قونوی حنفی م ۸۸ھ

فاضل اجل، محدث و فقیہ، جامع فروع و اصول تھے، علامہ قاسم بن قطلوبغا نے ابن حبیب سے نقل کیا کہ شمس الدین محمد اپنے وقت کے علم و عمل میں امام اور طریقہ میں خیر اہل زمانہ، علامۃ العلماء اور قدوۃ الزہاد تھے، کبار آئمہ سے علم حاصل کیا اور ایسی جید تصانیف کیں جو آپ کے بحر علم و وقت فہم پر شاہد ہیں، مثلاً مجمع البحرین، شرح عمدۃ النفسی، درر البحار، شرح تلخیص المفتاح، آپ نے امام نووی کی کتاب منہاج شرح صحیح مسلم اور کتاب مفصل زحشری کو مختصر کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق حنفیہ)

۲۳۶- شیخ بدر الدین محمد بن بہادر بن عبداللہ زرکشی شافعی م ۹۴ھ

مشہور محدث و فقیہ و مفسر تھے، حافظ علاء الدین مغلطائی حنفی کے شاگردوں میں ہیں، شیخ جمال الدین اسنوی سے فن حدیث میں استفادہ کیا ہے، حافظ ابن کثیر اور ازاعی سے بھی سماع حدیث و تفقہ کیا ہے، بڑے صاحب تصانیف تھے، مشہور یہ ہیں: تخریج احادیث الرافعی (جلد ۵) انحام الرافعی (جلد ۲۰) تنقیح الفاظ الجامع الصحیح، ایک دوسری شرح بخاری میں جو طویل ہے اور شرح ابن ملقن کا خلاصہ ہے اور بہت سے مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے، شرح جمع الجوامع (جلد ۲) شرح منہاج (جلد ۱۰) شرح مختصر المنہاج (جلد ۲) تجرید (اصول فقہ) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (بستان المحدثین)

۲۳۷- حافظ زین الدین عبدالرحمن بن احمد بن حسین بن محمد بغدادی ثم دمشقی حنبلی م (۷۹۵ھ)

یہ مشہور حافظ حدیث "ابن رجب حنبلی" ہیں جنہوں نے کتاب العلل ترمذی کی شرح لکھی، نیز آپ کی شرح جامع ترمذی اور ایک حصہ بخاری کی شرح نیز طبقات الحنا بلہ زیادہ مشہور ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (الرسالۃ المسطر ذہ ص ۱۲۱)

۲۳۸- علامہ مجد الدین اسماعیل بن ابراہیم بن محمد بن علی بلیسی حنفی م ۸۰۲ھ

محدث عبدالرحمن بن حافظ مزنی اور عبدالرحمن بن عبدالہادی اور بہت سے اکابر محدثین سے حدیث حاصل کی، اسی طرح فقہ اصول فرائض، حساب و ادب وغیرہ میں بھی بڑا تبحر تھا، آپ کی تصانیف میں سے مختصر انساب الرشاطی مشہور ہیں، قاہرہ کے نائب گورنر اور قاضی القضاة بھی رہے۔

مقریزی نے کہا کہ آپ نے بکثرت اشعار کہے ہیں، بڑے ادیب تھے اور آپ کا فضل و کمال غیر معمولی تھا میں ان کی صحبت میں برسوں رہا ہوں اور استفادہ بھی کیا ہے، بڑے ہر دل عزیز تھے، اگرچہ برسر اقتدار ہو کر اس میں کمی آگئی تھی، بقول شاعر

تولا ہالیس لہ عدو وفارقہا و لیس لہ صدیق

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ و شذرات الذہب)

۲۳۹- علامہ جمال الدین یوسف بن موسی المملطی حنفی م ۸۰۳ھ

بڑے عالم تھے، پہلے حلب میں علم حاصل کیا پھر مصر جا کر اکابر علماء عصر سے تکمیل کی، حدیث عز بن جماعہ اور مغلطائی وغیرہ سے پڑھی، پھر درس علوم و افتاء میں مشغول ہوئے، کشاف اور فقہ حنفی کے پورے حافظ و عارف تھے، آپ کی تصانیف میں سے المعاصر مشہور ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ و شذرات الذہب)

۲۴۰- شیخ الاسلام حافظ سراج الدین ابو حفص عمر بن رسلان بن نصر بلقینی شافعی م ۸۰۵ھ

مشہور جلیل القدر محدث تھے، آپ کی اہم تالیف کتاب "الجمع بین رجال النجسین" ہے، (رسالہ) سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، بارہ سال کی عمر تک نحو، فقہ و اصول کی بہت سی کتابیں یاد کر لیں اور پھر مصر جا کر علماء عصر سے علوم کی تحصیل کی، حافظ مزنی و ذہبی سے اجازت درس و روایت حاصل کی، افتاء دار العدل اور قضاء دمشق کی خدمات انجام دیں، ترمذی کی دو شرحیں لکھیں، حفظ و استحضار میں اعجوبہ روزگار تھے، برہان الدین محدث نے کہا کہ میں نے آپ سے زیادہ فقہی جزئیات اور احادیث احکام کا حافظ نہیں دیکھا، ایک ایک حدیث پر صبح سے ظہر تک تقریر کرتے تھے اور پھر بھی بسا اوقات بات نامکمل رہتی تھی، حافظ ابن حجر نے آپ سے دلائل النبوة للبیہقی وغیرہ پڑھی ہے۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ، شذرات)

۲۴۱- حافظ ابو الفضل زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی شافعی م ۸۰۶ھ

مشہور حافظ حدیث ہیں، آپ نے احادیث اہیاء کی تخریج کی اور اس کو ایک جلد میں مختصر کیا، حافظ نور الدین شیمی صاحب مجمع الزوائد بھی آپ کے شاگرد ہیں، آپ ہی نے ان کو تصنیف و تخریج کے طریقے سکھائے اور ان میں ماہر بنایا، پھر شیمی کثرت ممارست کی وجہ سے استحضار متون میں بڑھ گئے تھے، جس سے بعض ناواقف لوگوں نے کہہ دیا کہ شیمی عراقی سے زیادہ احفظ ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ حفظ حقیقت میں معرفت و علم کا نام ہے، رہنے اور یاد کرنے کا نہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (شذرات الذہب)

۲۲۲- حافظ ابوالحسن نورالدین علی بن ابی بکر بن سلیمان ششمی شافعی م ۸۰۷ھ

مشہور حافظ حدیث، حافظ زین الدین عراقی کے شاگرد ہیں، مجمع الزوائد و منبع الفوائد (۱۰ جلد مطبوعہ) آپ کی بہت مقبول و نافع تالیف ہے، اس میں آپ نے زوائد معاجم ثلاثہ طبرانی، مسند احمد، مسند بزار اور مسند ابی یعلیٰ کو جمع کر دیا ہے، اسانید حذف کر دی ہیں، نیز آپ نے ثقات ابن حبان اور ثقات عجمی کو جمع کیا اور ان کو حروف معجم پر مرتب کیا، حلیہ کو ابواب پر مرتب کیا۔

حافظ ابن حجر نے کہا کہ میں نے نصف کے قریب مجمع الزوائد آپ سے پڑھی ہے اور دوسری کتابیں بھی حدیث کی پڑھی ہیں وہ میرے علم حدیث کے تقدم کا اظہار فرمایا کرتے تھے، جزاہ اللہ عنی خیرا، میں نے مجمع الزوائد کے اوہام ایک کتاب میں جمع کرنے شروع کئے تھے، پھر مجھے معلوم ہوا کہ یہ بات آپ کو ناگوار ہے تو میں نے اس کو آپ کی رعایت سے ترک کر دیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (شذرات الذہب)

۲۲۳- شیخ عزالدین محمد بن خلیل بن ہلال حاضری حنفی متونی م ۸۲۳ھ

بڑے محدث تھے، دمشق و قاہرہ کے کئی سفر کئے اور وہاں کے کبار محدثین و فقہاء سے تحصیل و تکمیل کی، اپنے شہر کے قاضی ہوئے، درس و افتاء میں مشغول رہے، محمود السیرت، مشکور الطریقہ تھے، شیخ برہان الدین محدث نے کہا کہ تمام ملک شام میں ان جیسا نہیں تھا، اور نہ قاہرہ میں ان کا سا جامع العلوم، تواضع، تدین، ذکر و تلاوة کے ساتھ، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (شذرات الذہب)

۲۲۴- حافظ ولی الدین ابوزرعہ احمد بن عبدالرحیم عراقی شافعی م ۸۲۶ھ

صاحب شذرات نے آپ کو امام بن الامام، حافظ بن الحافظ اور شیخ الاسلام بن شیخ الاسلام کہا، فن حدیث میں کئی عمدہ کتابیں تصنیف کیں، جامع طولانی وغیرہ میں درس علوم بھی دیا ہے، مسلسل بالادلیہ بھی آپ کی تالیفات حدیثیہ سے ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (الرسالة و شذرات)

۲۲۵- علامہ شمس الدین محمد بن عبداللہ الدیری المقدسی حنفی م ۸۲۷ھ

ابن الدیری سے مشہور تھے، اکابر عصر سے تکمیل علوم و فنون کی، مفتی شرح اور مرجع عوام و خواص ہوئے، قاہرہ میں قاضی حنفی رہے اور بڑی شان و شوکت اور عزم و حوصلہ سے قضاء کا دور گزارا، جامعہ مویدیہ کی بنا مکمل ہوئی تو اس کی شیخت آپ کو سپرد ہوئی اور آپ نے باقی عمر درس و افتاء میں بسر کی، آپ کی تالیفات میں سے المسائل الشریفہ فی اولیہ مذہب الامام ابی حنیفہ بہت اہم کتاب ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (شذرات و تقدمہ)

۲۲۶- شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن عمر بن ابی بکر قرشی دماہی م ۸۲۸ھ

بڑے عالم محدث تھے، درس کے ساتھ تجارت بھی کرتے تھے، قاہرہ میں پارچہ بانی کارخانہ کھولا جس کے جل جانے سے بڑا نقصان ہوا، مقروض ہو گئے، پھر ہندوستان آئے، شہر احمد آباد میں آباد ہوئے، سلطان وقت نے ان کی بڑی عزت کی اور بہت اچھے حالات میں زندگی بسر کی، علم حدیث میں تعلق المصالح فی ابواب الجامع صحیح لکھی اور علم و ادب وغیرہ میں بھی اچھی کتابیں لکھیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحدثین)

۲۲۷- شیخ ابو حفص سراج الدین عمر بن علی بن فارسی مصری حنفی متونی م ۸۲۹ھ

بڑے محدث، امام عصر و فقیہ تھے، منہل میں کہا کہ آپ شیخ الاسلام اور اپنے زمانہ کے ممتاز ترین فرد تھے، درس و افتاء میں مشغول رہے، آپ کے زمانہ میں مذہب حنیفہ کی ریاست آپ پر منتہی ہوئی، اکثر اہل علم نے آپ سے استفادہ کیا اور دیا مصر میں آپ ہی پر فتویٰ کا مدار تھا، باوجود اس حسن قبول و وجاہت علم و فضل کے سادہ لباس پہنتے تھے اور بازار سے ضرورت کی چیزیں خود خرید کر لاتے تھے، مختلف مدارس قاہرہ میں درس دیا، تواضع کی وجہ

سے درس کے لئے گدھے پر سوار ہو کر جاتے تھے، گھوڑے کی سواری نہ کرتے تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (شذرات الذهب لابن حبان ص ۱۰۸۹)

۲۴۸- علامہ شمس الدین محمد بن عبد اللہ دائم برمادی شافعی م ۸۳۱ھ

مشہور محدث ہوئے المصباح الصحیح فی شرح الجامع الصحیح لکھی جو کرمانی و زرکشی کا منتخب ہے، چند فوائد مقدمہ شرح حافظ ابن حجر سے بھی لئے ہیں، اصول فقہ میں الفیہ لکھی جو بہت ممتاز و نافع ہے، اس کی شرح بھی لکھی جس میں تمام فن کا استیعاب کیا ہے، اور اکثر حصہ میں اصولیوں کے مذہب کو نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے، اس کتاب کا بیشتر حصہ زرکشی کی البحر المحیط سے ماخوذ ہے (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (بتان الحد ثین)

۲۴۹- شیخ شمس الدین محمد بن محمد بن محمد بن علی بن یوسف بن عمر جزری شافعی م ۸۳۳ھ

ابن جزری کے نام سے مشہور محدث ہیں، آپ کی تصانیف میں سے حسن حصین زیادہ مشہور ہے، دوسری کتب یہ ہیں، الجمال فی اسماء الرجال، الہدایہ فی علوم الروایہ والہدایہ، توضیح المصباح (جلد ۳) المسند فیما، یحلق بمسند احمد وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (بتان الحد ثین)

۲۵۰- شیخ نظام الدین یحییٰ بن یوسف بن عیسیٰ سیرامی مصری حنفی م ۸۳۳ھ

مدرسۃ الظاہر برقوق کے شیخ الشیوخ تھے، جامع العلوم والفنون تھے، امام وقت، متدین، بہت باعزت، بارعب و وقار تھے، بڑے محقق و مناظر، جری، راسخ العقیدہ، کثیر العبادۃ تھے، افتاء و درس کے صدر نشین تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (شذرات ص ۲۰۷ ج ۷)

۲۵۱- شیخ یعقوب بن ادریس بن عبد اللہ رومی حنفی م ۸۳۳ھ

اپنے زمانہ کے جامع معقول و منقول علامہ محقق تھے، مصابیح کی شرح لکھی، ہدایہ کے حواشی لکھے، زیارہ قیام شہر بلارندہ میں کیا اور وہاں درس و افتاء و تصنیف میں مشغول رہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (شذرات ص ۲۰۷ ج ۷)

۲۵۲- شیخ شمس الدین محمد بن حمزہ بن محمد بن محمد بن رومی بن الفزری حنفی م ۸۳۴ھ

علامہ سیوطی نے کہا کہ اکابر علماء عصر سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی، برصہ کے قاضی رہے، شیخ ابن عربی کے انتساب اور فصوص پڑھانے کی وجہ سے بعض لوگوں نے انگشت نمائی کی، قاہرہ گئے تو فضلاء عصر نے جمع ہو کر آپ سے مذاکرات و مباحثات کئے اور آپ کے فضل و تفوق کے قائل ہوئے، ایک کتاب اصول میں لکھی جس میں تیس سال مصروف رہے، آپ سے ہمارے شیخ علامہ کاشفی نے بہت استفادہ کیا، اور وہ آپ کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (شذرات الذهب ص ۲۰۹ ج ۷)

۲۵۳- شیخ الحدیث ابوالفتح شہاب الدین احمد بن عثمان بن محمد عبد اللہ کلوتاتی کرمانی حنفی م ۸۳۵ھ

”المسئل الصانی“ میں آپ کو المسند المعمر الحدیث لکھا، نیز لکھا کہ آپ نے علم حدیث کی طرف بہت توجہ کی، مشائخ وقت سے بکثرت حدیث سنی اور پڑھی، حدیث سے شغف کا یہ عالم تھا کہ صحیح بخاری تقریباً پچاس بار مشائخ سے پڑھی، پھر برسہا برس تک بکثرت دوسروں کو بھی حدیث پڑھائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (تقدمہ و شذرات الذهب ص ۲۱۲ ج ۷)

۲۵۴- شیخ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ابی بکر محمد بن اسماعیل بن سلیم بوسیری شافعی م ۸۴۰ھ

حافظ عراقی اور حافظ ابن حجر کے خاص تلامذہ میں سے تھے، بہت خاموش طبیعت، بڑے عابد تھے، مگر مزاج میں سختی تھی، مشہور تصانیف

باطراف العشرہ، تہذیب تہذیب الکمال، (۱۲ جلد مطبوعہ حیدرآباد) تقریب التہذیب، تجلیل المنفعة، برجال الائمہ الاربعۃ اصحاب المذہب، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، لسان المیزان، طبقات الحفاظ (۲ جلد) دررکامنہ، قضاة مصر، الکاف الشاف فی تحریر احادیث الکشاف درایہ تلخیص نصب الراہیہ، توالی التالیس بمعالی ابن ادریس، بلوغ المرام بادلۃ الاحکام، مختصر البدایہ والنہایہ لابن کثیر الجامع المؤمنین، الخیر الخیر، تخریج احادیث الاذکار (فوائد البیہ ص ۱۶) وغیرہ وغیرہ۔

تصنیف وتالیف کے اس قدر وسیع کام کے ساتھ کثیر الصوم، کثیر العبادۃ تھے اور طلبہ کو درس بھی برابر دیتے رہے، آپ کا ایک دیوان مجموعہ اشعار بھی ہے جس سے دو شعر ذکر کئے جاتے ہیں۔

احببت وقاد اکنجم طالع انزلہ برضا الغرام فؤادی
وانا الشہاب فلا تعاند عادلی ان ملت نحو الکوکب الوقاد

(شذرات الذهب ص ۷۰ ج

آپ کے علم و فضل سے دنیائے علم کو گرانقدر فوائد و منافع حاصل ہوئے اور اگر آپ کے اندر حنفی شافعی کا تعصب نہ ہوتا تو آپ سے بھی زیادہ فیض ہوتا، آپ کے اس تعصب سے حسب تصریح حضرت الاستاذ شاہ صاحب، رجال حنفیہ محدثین و فقہاء کو بہت زیادہ نقصان پہنچا خصوصاً اس لئے کہ آئمہ احناف جو آپ کے درجہ کے یا آپ سے بھی علم حدیث و رجال میں فائق تھے، ان کی تصانیف ہم تک نہ پہنچ سکیں اور جر و تعدیل کے معاملہ میں جو اعتدال محدثین احناف کی تحقیقات عالیہ کی روشنی میں حاصل ہو سکتا تھا، وہ ان کی کتابوں میں موجود نہ ہونے سے مقصود ہوا، مثلاً طحاوی نے جیسا کہ ان کے تذکرہ میں بھی ہم لکھ آئے ہیں کہ کئی اہم کتابیں لکھی تھیں، نقض کتاب المدلسین کرا بلیسی (۵ جزو) اور الرد علی ابی عبید فیما اخطأ فیہ فی کتاب النسب اور تاریخ کبیر (جس سے کتب رجال میں اقوال نقل ہوئے ہیں اور ابن خلکان نے انتہائی تلاش و جستجو اس کو حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، ان سب کتابوں کا ذکر ابن ندیم، ملا علی قاری، ابن کثیر، سیوطی، یافعی وغیرہ نے کیا ہے مگر وہ اب تک گویا کتم عدم میں ہیں، شیخ قاسم بن قطلوبغا حنفی جو اگرچہ حافظ ابن حجر کے تلامذہ میں ہیں مگر ان کے وسعت علم حدیث و کثرت مطالعہ کا یہ حال ہے کہ درایہ تلخیص نصب الراہیہ میں حافظ ابن حجر نے جن احادیث کو لکھ دیا ہے کہ مجھ کو نہیں ملیں، حافظ قاسم موصوف نے منیۃ اللمعی کے آخر میں ان سب کی بھی تخریج کر دی ہے، آپ کی کتاب "ثقات الرجال" (۴ جلد) اور رجال شرح معانی الآثار، اسی طرح علامہ کفوی کی طبقات حنفیہ وغیرہ اب تک شائع نہ ہو سکیں اور مطبوعہ میں زیادہ حصہ حافظ ابن حجر کی کتابوں کا ہے جن کے بارے میں ابھی حضرت شاہ صاحب کی رائے ذکر ہوئی۔

شاید کوئی کہے کہ اس قسم کا حکم حافظ پر لگانا (کہ وہ حنفی و شافعی کا تعصب رکھتے تھے یا اس کا مظاہرہ اپنی کتابوں میں کرتے تھے، تمہارا تعصب ہے، اس لئے یہاں چند اقوال دوسروں کے بھی نقل کرتا ہوں۔

حافظ سخاوی شافعی نے (جو حافظ ابن حجر کے مخصوص اصحاب میں سے ہیں، تعلیقات دررکامنہ میں لکھا کہ حافظ ابن حجر کسی حنفی عالم کا ذکر بغیر اس کی حق تلفی کئے اور بغیر اس کی شان گرائے کر ہی نہیں سکتے، شیخ حسام الدین سغناقی حنفی (م ۱۱ھ) کا ترجمہ حافظ سخاوی نے حاشیہ دررکامنہ میں اپنی طرف سے بڑھایا اور لکھا کہ ہمارے شیخ (حافظ ابن حجر) نے حنفیہ کے بارے میں اپنی عادت کے مطابق عمل کرتے ہوئے آپ کا ذکر حذف کر دیا، حالانکہ یہ اپنے علم و فضل کی وہ سے مستحق ذکر تھے، اور ابن رافع نے بھی المختار من تاریخ بغداد میں آپ کا ذکر کیا ہے۔

علامہ محبت بن شحنے نے حافظ ابن حجر کے بارے میں کہا کہ کسی حنفی متقدم یا متاخر کے حق میں بھی ان کے کلام پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ان کا تعصب ان کے حق میں انتہاء کو پہنچا ہوا تھا اور اسی شدید تعصب کے تحت امام طحاوی کا ذکر ان ثقات اثبات مشاہیر رجال کے تراجم میں نہیں کیا جن سے امام طحاوی نے علم حاصل کیا یا جنہوں نے امام طحاوی سے حاصل کیا تھا، بجز ان کے جن کے تلمیذ یا استاذ امام طحاوی ہونے کی زیادہ شہرت دوسری

کتب رجال کے ذریعہ ہو چکی تھی، البتہ ایسے کم درجہ کے عام رواۃ کے ضمن میں امام طحاوی کی استاذی شاگردی کا ذکر ضرور کرتے ہیں، جن میں کوئی کلام کیا گیا ہے، بلکہ ایسا بھی کیا ہے کہ کسی ضعیف راوی سے امام طحاوی نے اگر صرف معدودے چند مواقع میں روایت لے لی ہے تو اس کو حافظ ابن حجر نے لکھ دیا ہے کہ اکثر عنہ الطحاوی جدا یعنی امام طحاوی نے اسے بڑی کثرت سے روایت کی ہے اور اعلیٰ درجہ کے ثقہ، مثبت، حجت رواۃ سے امام طحاوی نے بکثرت روایت بھی کی ہوگی تو ان کے تراجم و حالات میں اس امر کا ذکر بھی نہیں کریں گے کہ ان سے امام طحاوی نے بھی روایت کی ہے۔

یہ تو ان مواقع کا معاملہ ہے جہاں تعصب سے کام لینے کی ضرورت تھی، لیکن جہاں رواۃ پر جرح و تعدیل حافظ ابن حجر کی موافقت و تائید میں تھی وہاں امام طحاوی کے اقوال تہذیب اور لسان دونوں میں ذکر کئے ہیں، مثلاً یوسف بن خالد سمی کو گرانا ہے تو امام طحاوی کا قول بھی تضعیف میں نقل کر دیا ہے، اس سلسلے میں مقدمہ امانی الاحبار ص ۴۸ میں مفصل کلام کیا ہے، ہم نے مختصر نقل کیا ہے۔ واللہ المسحان۔

حضرت شاہ صاحب نے ایک روز درس بخاری میں فرمایا کہ ”حافظ ابن حجر اور علامہ سیوطی نے قیام میلاد کو قومو السید کم کی وجہ سے مستحب لکھا ہے، گویا موہوم کو متیقن پر قیاس کر لیا، یہ حال ہے تفقہ نہ ہونے کی وجہ سے اجلہ محدثین کا حافظ ابن حجر پہاڑ حدیث ہیں، مگر فقہ میں درک نہیں ہے۔“

۲۵۹- الامیر سیف الدین ابو محمد تغری برمش بن عبداللہ جلالی مؤیدی حنفی م ۸۵۲ھ

فاضل محدث تھے، خصوصیت سے اسماء الرجال میں بہت ممتاز تھے، فقہ، تاریخ، ادب اور فنون شہسواری میں بھی مشہور تھے، عربی و ترکی دونوں زبان کے فصیح و ماہر تھے، بڑے بہادر، جری، اہل علم اور اصحاب خیر سے محبت کرتے تھے، متواضع تھے، آواز بہت بلند تھی، احادیث کی بڑی کتابیں اکابر محدثین زمانہ سے پڑھی تھیں، مثلاً صحیح بخاری قاضی محبت الدین حنبلی سے، صحیح مسلم زرکشی سے، سنن نسائی شہاب کلوتانی حنفی سے، سنن ابن ماجہ شمس الدین مصری سے، سنن ابی داؤد حافظ ابن حجر سے، غرض حدیث وغیرہ علوم کی غیر محصور کتابیں لاتعداد علماء داعیان سے پڑھی تھیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (شذرات الذہب لابن عماد حنبلی ص ۲۷۳ ج ۲)

۲۶۰- الامام العلامة الکبیر شیخ الحافظ شیخ الاسلام بدر الدین عینی محمود بن احمد قاہری حنفی

ولادت ۶۲۷ھ م ۸۵۵ھ

اپنے زمانہ کے امام معقول و منقول، عارف کامل فروع و اصول، مصنف تصنیفات جلیلہ، محدث محقق، فقیہ مدقوق، مورخ جلیل و ادیب نبیل تھے، طلب علم کے لئے دور دراز بلاد کے سفر کئے اور اکابر داعیان وقت سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی، آپ نے بمجم الشیوخ میں اپنے اساتذہ کے حالات جمع کئے ہیں، مثلاً حافظ زین الدین عراقی سے بخاری اور امام ابن دقیق العید پڑھی، حافظ سراج الدین بلقینی سے محاسن الاصطلاح و تضمین مقدمہ ابن صلاح پڑھیں، مسند الدیار المصر یہ تقی الدین، محمد بن محمد دموی سے صحاح ستہ، دارمی، مسند عبد بن حمید، مع ثلث اول مسند احمد پڑھیں، حافظ نور الدین ہیشمی سے بھی تمام کتب حدیث پڑھیں، حافظ قطب الدین حلبی سے معاجم ثلاثہ طبرانی، حافظ شرف الدین محمد بن محمد اشرف الکویک سے شفاء قاضی عیاض اور مسند امام اعظم حافظ زین الدین تغری بن یوسف ترکمانی سے شرح معانی الآثار اور مصابیح السنہ پڑھیں، اسی طرح نجم بن کشم اور مسند الدینا حجار و مسند کبیر ابن زبیدی وغیرہ سے تحصیل حدیث کی، حافظ سخاوی شافعی نے لکھا کہ عجائب و لطائف میں یہ ہے کہ عینی ابن کشک سے حجار اور ابن زبیدی سے روایت حدیث کرتے ہیں اور یہ چاروں محدث حنفی ہیں۔

دیگر اساتذہ:

حدیث کے علاوہ دوسرے علوم کی تکمیل بھی بڑے بڑوں سے کی، مثلاً ملک العلماء فی المعقول والمنقول علامہ الشرق علاؤ الدین علی

بن احمد سیرامی سے ہدایہ، کشاف، تلویح و شرح الکلیئیں وغیرہ، شیخ جمال الدین بن یوسف ملتطی سے اصول بزدوی، منتخب، الاصول وغیرہ، علامہ حسام الدین رھاوی سے ان کی تصنیف "الجار الاخرۃ فی المذہب الاربعہ" وغیرہ شیخ میکائیل سے قدوری، مجمع البحرین وغیرہ پڑھیں، اسی طرح شیخ سراج عمر، شیخ ذوالنون اور شیخ رکن الدین احمد بن محمد بن عبدالمومن قاضی قدم سے استفادہ علوم کیا، شیخ رکن الدین نے بخاری کی شرح اسلوب بدیع پر کی تھی جس کے بارے میں حافظ ابن حجر کو اعتراف تھا کہ میں ان کے طرز پر تھوڑا سا بھی لکھنے سے عاجز ہوں۔

درس حدیث:

آپ نے "جامعہ مؤیدیہ" قاہرہ میں تقریباً چالیس سال درس حدیث دیا ہے، دوسرے مختلف مدارس میں جو درس دیا وہ اس کے علاوہ ہے، ملک مؤید خود عالم تھا اور علماء سے علمی ابحاث میں دلچسپی لیتا تھا، اسی نے یہ اہتمام کیا تھا کہ اپنے جامعہ مؤیدیہ میں امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کے لئے بھی ایک کرسی یا مسند مخصوص کی تھی جس طرح باقی صحاح ستہ کے لئے کرسیاں مخصوص تھیں اور اس کرسی کے لئے حافظ یعنی کوتبعین کیا تھا کہ آپ اس پر بیٹھ کر شرح معانی الآثار کا درس بھی بخاری وغیرہ کی طرح دیا کریں چنانچہ آپ نے ایک مدت مدیدہ تک اس کا درس پوری شان تحقیق سے دیا ہے، غالباً چالیس سال کی مدت جو نقل ہوئی ہے وہ بھی اسی کے درس کی ہوگی، واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر:

حافظ ابن حجر آپ سے بارہ سال چھوٹے تھے، آپ دونوں میں اگرچہ معاصرانہ منافست تھی، مگر پھر بھی حافظ ابن حجر نے آپ سے استفادہ کیا ہے، بلکہ وہ حدیث صحیح مسلم کی اور حدیث مسلم کی اور ایک حدیث مسند احمد کی آپ سے سنی ہیں اور ان کی تخریج بھی بلدانیت میں کی ہے، نیز مجمع الموسس ^{للمعجم} المفہرس کے طبقہ ثالثہ میں آپ کو اپنے شیوخ میں بھی شمار کیا ہے۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ بے شمار ہیں جن میں سے چند نمایاں شخصیات ہیں ہیں: المحقق کمال الدین ابن الہمام حنفی، حافظ قاسم بن قطلوبغا حنفی حافظ سخاوی شافعی، حافظ ابن زریق محدث الدیار الشامیہ، قاضی القضاة عزالدین احمد بن ابراہیم کتابی حنبلی، شیخ کمال الدین شمشی مالکی، الہدیر البغدادی حنبلی، جمال الدین یوسف بن تغری بردی ظاہری مورخ شہیر وغیرہ، حافظ سیوطی شافعی بھی بطور اجازة عامہ جس طرح حافظ ابن حجر کے تلمیذ ہیں، آپ کے بھی ہیں، لیکن آپ سے روایت مولفات بواسطہ ابن قطلوبغا ہی کرتے ہیں۔

آپ کا بلند علمی مقام:

حدیث، فقہ، اصول، تاریخ و عربیت کے مسلم امام تھے، استحضار احادیث احکام اور معرفت علل احادیث و اسانید و متون میں یگانہ روزگار، موازنہ اولہ مسائل خلافیہ فقہاء میں بڑے مبصر، مذاہب سلف کے بڑے ماہر واقف، ائمہ کبار امت کی مشاہیر و شواذ آراء کا تفسیر کرنے والے پھر ان تمام مالہا و ما علیہا کو پیش نظر رکھ کر بحث و نظر کا حق ادا کرنے والے تھے کہ اس سے آگے بحث و تنقیح کی گنجائش باقی نہ رہتی تھی۔

اپنی تمام مولفات میں بسط و ایضاح مطالب اس حد تک کر دیتے تھے کہ دوسرے مظان میں ان کی تلاش سے بے نیاز کر دیتے تھے، حل مشکلات و کشف معضلات کے لئے آپ مرجع عوام و خاص تھے، اور آپ کا فتویٰ شریعت کا آخری فیصلہ سمجھا جاتا تھا، آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والے آپ کے اس تمام فضل و تفوق کی تصدیق کریں گے۔

مذہب سننی میں آپ بڑے پختہ اور متصلب تھے اور خود بڑے درجہ کے فقیہ بھی تھے، جیسے بڑے درجہ کے محدث تھے، بخلاف حافظ ابن

حجر کے وہ بہت بڑے محدث ضرور تھے، مگر اس درجہ کے فقیہ نہیں تھے، ہمارے حضرت شاہ صاحب کی بھی یہی تحقیق ہے۔ اور چونکہ حافظ یحییٰ غیر معمولی وسعت علم و نظر کی وجہ سے نہایت قوی دلائل سے دلائل خصوم کا معارضہ کرتے تھے جس میں جوابی طور پر کہیں کچھ شدت بھی رونما ہو جاتی تھی، اس لئے مخالفین نے آپ کو تعصب کا الزم لگایا اور اس کو ہمارے بعض اکابر مولانا عبدالحی صاحب وغیرہ نے بھی ذکر کر دیا ہے حالانکہ یہ دوسروں کے خلاف تعصب نہیں تھا بلکہ اپنے مذہب پر تھلب تھا، جو کسی طرح مذموم نہیں، البتہ اگر مدافعت و جوابی اقدام کو بطور مشکلات و مماثلت اور جزاء سنیہ سنیہ مثاہا کے قاعدہ سے تعصب کا نام دیا جائے تو مضائقہ نہیں، والہادی اظلم۔

ثناء امثال:

شیخ ابوالمعالی الحسینی نے غایۃ الامانی میں لکھا کہ ”آپ امام، عالم، علامہ، متقن، شیخ العصر، استاذ الدہر، محدث زمانہ، منفرد بالروایۃ، والد رایۃ، حجۃ اللہ علی المعاندین، آیت کبریٰ علی المبتدعین تھے، صحیح بخاری کی ایسی شرح لکھی جس کی سابق میں نظیر نہیں، ایسی ہی دوسری تصنیفات مفیدہ لکھیں، آپ، علم، زہد عبادت و ورع کے اعتبار سے مشاہیر عصر میں سے تھے اور حدیث وفقہ میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔“

ابوالحسن نے المنہل الصافی میں لکھا کہ آپ معقول و منقول میں بڑی دست گاہ رکھتے تھے، آپ کی تنقیص کوئی صاف ستھری پوزیشن والا نہیں کر سکتا، کم کوئی علم ایسا ہوگا جس میں آپ کو پوری معرفت نہ ہو، آپ کی تصنیفات بڑے فوائد علمیہ کی حامل ہیں، آپ کے کلام میں رونق و نورانیت ہے، بڑے خوش خط تھے اور تیز نویس تھے، ابتدائی زمانہ میں پوری کتاب قدوری ایک رات میں لکھی اور آپ کے مسودات، مبیہات کی طرح صاف و خوش خط ہوتے تھے، حافظ سخاوی شافعی نے ”الترمسوک“ میں لکھا کہ آپ امام، عالم، علامہ، حافظ تاریخ و لغت، جامع فنون تھے، مطالعہ و کتابت سے کسی وقت نہیں تھکتے تھے، کثیر التصانیف تھے، میرے علم میں ہمارے شیخ کے بعد آپ سے زیادہ تصنیف والا کوئی نہیں ہے، آپ کے قلم کی جولانیاں تقریر سے بڑھی ہوئی ہیں۔

آپ کے دور کے مشہور ادیب و شاعر محمد بن حسن نواجی شافعی نے آپ کی مدح میں یہ دو شعر لکھے

لقد حزت یا قاضی القضاة مناقبا وائسی علیک الناس شرقا و مغربا
بقصر عنہا منطقی و بیانی فلا زلت محمودا ابکل لسان

غرض جن علماء مصنفین نے بھی آپ کے حالات لکھے ہیں سب ہی نے آپ کی امامت، وسعت علم و تفوق کا اعتراف کیا ہے۔ ملک اشرف برسبائے کے زمانہ میں آپ کو عہدہ قضاء کے ساتھ عہدہ احتساب اور جیلوں کی نگرانی بھی سپرد ہوئی اور بقول سخاوی یہ تینوں عہدے ایک شخص میں پہلے جمع نہیں ہوئے تھے، وجہ یہ تھی کہ ملک موصوف آپ سے نہایت مانوس تھا اور آپ کے علم و فضل و تدوین کی نہایت قدر کرتا تھا، حتیٰ کے بعض اوقات آپ کو راتوں میں بھی علمی استفادہ کے لئے اپنے پاس روک لیتا تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ اگر علامہ یعنی کی صحبت ہمیں نصیب نہ ہوتی تو ہمارے اسلام میں نقص رہتا۔

بناء مدرسہ و وقف کتب:

آپ نے ۸۴۲ھ میں منصب قضا سے سبکدوشی حاصل کی، جیلوں کی نگرانی کے منصب سے بھی ۸۵۳ھ میں دستکش ہو گئے اور ایک مدرسہ اپنی جائے سکونت سے قریب جامع ازہر شریف سے متصل تعمیر کرایا جس کے طلبہ کے واسطے اپنی مملوکہ کتابیں بھی وقف فرمائیں اس کے بعد باقی کتابیں دارالکتب المصریہ میں داخل ہوئیں۔

۱۔ محمود آپ کا نام بھی ہے

تالیفات: آپ کی تصانیف بکثرت ہیں جن میں کچھ زیادہ مشہور یہ ہیں: (۱) عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری (۳۰ جلد) (۲) نخب الافکار شرح معانی الآثار طحاوی (۸ جلد نخب مؤلف، احادیث احکام پر نہایت اعلیٰ قیمتی مباحث کا ذخیرہ ہے جس سے کوئی فریق علماء و فقہاء کا مستغنی نہیں ہو سکتا، رجال کے حالات بھی صلب کتاب میں عمدۃ القاری کی طرح ساتھ ساتھ دیئے ہیں (۳) مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار (۶ جلد نخب مؤلف اس میں رجال پر کلام نہیں ہے) (۴) مغانی الاخبار فی رجال معانی الآثار (۲ جلد الگ ہیں جن میں رجال پر کلام کیا ہے، علم رجال میں نہایت نافع اور ترتیب کے لحاظ سے سب سے بہتر کیونکہ آپ نے صحابہ، تابعین و تبع تابعین کو ایک جگہ نہیں کیا بلکہ سب کے طبقات الگ الگ بنا کر حالات لکھے ہیں۔

یہ دونوں شرحیں دارالکتب المصریہ میں قلمی موجود ہیں، حافظ عینی کی یہ حدیثی خدمت بھی شرح بخاری سے کم درجہ کی نہیں ہے، الحمد للہ علی احسانہ کے نخب الافکار مذکور کا اکثر حصہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب شیخ المبلغین نظام الدین دہلی کو میسر ہوا اور آپ اس کی روشن میں ”امانی الاخبار شرح معانی الآثار“ لکھ رہے جس کی جلد اول شائع ہو چکی ہے اور اب گویا شرح معانی الآثار کی بہترین تحقیق شرح وجود میں آگئی، راقم الحروف نے مقدمہ انوار الباری میں بھی اس سے استفادہ کیا ہے اور آئندہ انوار الباری میں بھی اس کی تحقیقات عالیہ پیش کی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۵) شرح سنن ابی داؤد (۲ جلد بہترین شروح میں سے ہے جس میں احادیث احکام اور تراجم رجال پر سیر حال بحثیں ہیں مگر افسوس ہے کہ نامکمل ہے (۶) تکمیل الاطراف (ایک جلد، اس سے آپ کے تبحر علمی و مہارت فنی کا پتہ لگتا ہے) (۷) کشف اللتام عن سیرۃ ابن ہشام (یہ بھی مکمل نہ ہو سکی (۸) بنایہ شرح ہدایہ (۱۰ جلد، تخریج احادیث احکام میں کمال درجہ کا توسع کیا ہے اور علماء امصار کے مذاہب کے بھی تمام کمال بیان ہوئے ہیں کہ فتح القدر ابن ہمام میں بھی وہ بات نہیں (۹) الدرر الزاہرہ فی شرح البحار الزاخرہ فی المذہب الاربعۃ للرحمہادی (۱۰) غرر الافکار شرح درر البحار فی المذہب الاربعۃ للفتری (۱۱) مجمع شرح الجمع (۱۲) رمز الحقائق شرح کنز الدقائق (۱۳) الوسیط فی مختصر المحیط (۲ جلد) (۱۴) منہ السلوک شرح تحفۃ المملوک (۱۵) العلم الصیب شرح الکلم الطیب لابن تیمیہ (۱۶) تحفۃ المملوک فی المواعظ والرقائق (۱۷) زین المجالس (۸ جلد) (۱۸) حواشی تفسیر کشاف (۱۹) حواشی تفسیر ابی الیث (۲۰) حواشی تفسیر بغوی (۲۱) شرح المنار (۲۲) طبقات الحنفیہ (۲۳) معجم الشیوخ (۲۴) عقد الجمان فی تاریخ الزمان (۲۵) مجلدات کبیرہ موجود مکتبہ شیخ الاسلام (۲۵) مختصر تاریخ الکبیر المذکور (۸ مجلد) (۲۶) مختصر الخضر فی تاریخ (۳ مجلد) (۲۷) تاریخ الاکاسرہ (۲۸) طبقات الشعراء (۲۹) سیر الانبیاء (۳۰) مختصر تاریخ ابن عساکر (۳۱) شرح شواہد الصغیر والکبیر (۳۲) کتاب العروض وغیرہ۔

حافظ عینی اور شعر:

حافظ ابن حجر کی طرح حافظ عینی کا کوئی مشہور و مقبول دیوان شعر نہیں ہے آپ نے اشعار لکھے ضرور ہیں جن میں بعض اونچے درجہ کے بھی ہیں، مثلاً دونوں شعر جو بستان المحمدین میں حافظ ابن حجر کے تذکرہ میں نقل ہوئے ہیں (اگرچہ ان کی نسبت دوسروں کی طرف بھی کر دی گئی ہے، مثلاً معتبر مورخین نے ان ہی کے تسلیم کئے ہیں، تاہم باوجود اعلیٰ درجہ کے ادیب لغوی و ماہر فن و عروض ہونے کے بھی فطری مناسبت آپ کو شعر سے نہیں تھی اور ممکن ہے کہ اس سے کچھ انقباض طبع بھی ہو، جیسا کہ بہت سے اکابر کو ہوا ہے، ہمارے شیخ بلیسی حنفی قاضی مصر (م ۸۰۲ھ) جن کا ذکر گزر چکا ہے بڑے اونچے درجے کے شاعر تھے مگر ساتھ ہی شعر کے بارے میں اپنے دل کی بات اس طرح کہہ گئے۔

لا تحسن الشعر فضلا بارعا ما الشعر الامحنة و خبال
فالهجو قذف و الرثاء نباحة والعتب ضغن المديج سوال

یعنی شعر و شاعری کے کمال کو ہرگز اونچے درجہ کی فضیلت کی چیز مت سمجھو! شعر تو دل و دماغ کو محنت و کاوش میں ڈالنا اور (بیشتر) مجموعہ شرف و فساد ہے، دیکھو! شعر میں اگر کسی کی ہجو کی تو قذف و اتہام کا ارتکاب ہوا (جو حرام ہے) مرثیہ لکھا تو نوحہ کی شکل اختیار کی (جو عمل جاہلیت ہے) کسی محبوب کو عتاب کیا، تو اس سے خواہ مخواہ دلوں میں کینہ کی پیدائش ہوتی ہے (وہ بھی خدا اور بندوں کو مغضوب) کسی کے لئے مدحیہ قصیدہ لکھا، تو وہ بھی سوال ہی کی ایک مہذب شکل ہے (جو قابل نفرت ہے)

موازنہ عمدۃ القاری و فتح الباری:

علامہ محدث کوثری نے مقدمہ عمدۃ القاری میں ”مزایا شرح البدر العینی“ کے عنوان سے لکھا ہے کہ وہ تمام شروح بخاری سے نقل و تحقیق اور فوائد علمیہ کی بحث و تجویز میں زیادہ جامع و وسیع ہے جہاں امام بخاری حدیث کا ایک ٹکڑا ذکر کرتے ہیں، حافظ عینی اس کو پورا ذکر کرتے ہیں اور بخاری میں جس جس جگہ اس کے اجزاء آئے ہیں ان سب کی تعیین اور نشاندہی کرتے ہیں اختلاف روایہ بھی ذکر کرتے ہیں، رجال پر بھی کلام کا حق ادا کرتے ہیں، ضبط اسماء و انساب بھی کرتے ہیں، حدیث کے لغات و اعراب و مکمل بحث کرتے ہیں اسلوب بدیع پر وجوہ معانی و بیان بھی لاتے ہیں، پھر حدیث سے استنباط احکام اور گراں قدر فوائد اخذ کرنے میں خوب توسع اور ہمہ گیری کی شان سے چلتے ہیں، لطائف اسناد و علو و نزول مدنی و شامی وغیرہ بھی ذکر کرتے ہیں، مسائل خلافیہ پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے مذاہب فقہاء سے متعلقہ تمام احادیث کی تخریج کرتے ہیں جو ان ہی کے وسعت علم حدیث کے شایان شان ہے پھر اہل مذاہب میں مقارنہ و محاکمہ بھی اپنی صوابدید سے کرتے ہیں، اسلئے واجوبہ کے عنوان میں فقہ حدیث سے مواضع اخذ و رد کی تعیین کرتے ہیں، ساتھ ہی قدیم شروح بخاری سے اہم علمی حدیثی فوائد کا بہترین انتقاء کامل استقصاء کے ساتھ کیا ہے۔

غرض تمام اطراف و جوانب ملحوظ رکھ کر احادیث بخاری کی شرح کی ہے اور ہر طریقہ سے ان کی بسط و ایضاح کا حق ادا کیا ہے جو شخص معمولی طریقہ سے استفادہ چاہے وہ بھی فائز المرم ہوگا اور جو منقول سے چاہے تو وہ بھی کامیاب، پھر یہ کہ سہولت و استفادہ کے لئے ہر قسم کی بحث و تحقیق کے عنوانات الگ الگ قائم کر دیئے ہیں۔

پھر ان سب خوبیوں پر ایک خاص خوبی یہ بھی حاصل ہوئی کہ حافظ عینی نے تالیف عمدۃ القاری کے وقت برہان بن خضر (تلمیذ حافظ ابن حجر) کے ذریعہ فتح الباری کا ایک ایک جز حاصل کر کے مطالعہ کیا اور ضرورت کے مواقع میں اس پر انتقادات بھی کئے اور جن مواضع میں دونوں شرحوں کے نقول میں توافق ہے وہ درحقیقت دونوں کے مراجع کے توافق سے ہے کہ دونوں کے سامنے وہ قدیم کتب موجود تھیں جس کے بارے میں غلط فہمی سے یہ سمجھ لیا گیا کہ حافظ عینی نے وہ عبارتیں فتح الباری سے نقل کر لی ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے اور کتاب سابقہ کی مراجعت سے اصل حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حافظ عینی نے عمدۃ القاری کو ۸۴۱ھ میں شروع کر کے ۸۴۷ھ میں پورا کیا یعنی فتح الباری کی تکمیل سے پانچ سال بعد، اور حافظ ابن حجر اور ان کے اصحاب کے سامنے جب عمدۃ القاری آئی تو وہ اس کے بے نظیر کمالات و مزایا کو دیکھ کر سخت حیرت و استعجاب میں پڑ گئے اور اصحاب حافظ الدین نے کچھ تو اعذار و حافظ کے شائع کئے جن کی وجہ سے فتح الباری کا پایہ فضیلت نیچا نہ ہوا اور کچھ حافظ عینی پر نکتہ چینی کر کے اس کے مرتبہ کو گھٹانے کی سعی کی، نیز حافظ عینی کے انتقادات و اعتراضات کے جواب و رد کا ارادہ کیا اور ایک کتاب لکھنی شروع کی جس کا نام انتقاض الاعتراض ”رکھا، اس میں اوپر اعتراضات نقل کرتے تھے اور نیچے جوابات کی جگہ بیاض چھوڑتے تھے، کچھ جوابات لکھ پائے تھے اور اکثر باقی تھے کہ وفات ہو گئی، اسی طرح بعض مواضع شرح میں بھی کچھ اصلاحات کیں۔

اوپر ذکر ہوا ہے کہ حافظ عینی نے ۸۳۷ھ میں عمدة القاری کو پورا کر لیا تھا اور حافظ ابن حجر کی وفات ۸۵۲ھ میں ہوئی، لہذا پانچ سال گزرنے پر بھی حافظ انتقاض مذکور کا اکثر حصہ ناکمل چھوڑ گئے والکمال لند و حدہ۔

بہر حال یہ تو امر واقع کا اظہار یا مقطع کی سخن گسترانہ بات تھی، اس میں شک نہیں کہ دونوں ہی شرحیں اپن اپنے درجہ میں ہمارے لئے منت عظیمیہ اور علوم و معارف سنت کا گنجینہ ہیں اور ہمارے قلوب میں دونوں کے لئے انتہائی قدر و منزلت ہے۔ جزاھما اللہ عنا و عن سائر الامۃ خیر الجزاء و رضی عنھما احسن الرضاء۔

یہ تمام تفصیل جو اوپر نقل ہوئی محقق و محدث علامہ کوثری قدس سرہ کے طفیل میں پیش کر رہا ہوں، یہ خلاصہ ہے تلخیص تذہیب التاج الجلیسی فی ترجمہ بدر العینی کا جو بطور مقدمہ عمدة القاری مصر سے چھپا ہے، اصل کتاب التاج الجلیسی کے مطالعہ و زیارت کا ابھی تک ہمیں بھی اشتیاق ہی ہیں، گویا یہ ہم نے خلاصہ الخلاصہ پیش کیا ہے، جس کی نقل راقم الحروف کے محبت و محسن قدیم مولانا حکیم محمد یوسف اکی بناری دام افضالہم نے خود تکلیف فرما کر اور اپنے نسخہ سے لکھ کر ارسال فرمائی، کیونکہ کتاب خانہ دارالعلوم میں عمدة القاری کا یہ نسخہ مطبوعہ جدید موجود نہیں ہے میں محترم حکیم صاحب کا نہایت شکر گزار ہوں۔

۲۶۱- شیخ عزالدین عبدالسلام بن احمد بن عبدالمنعم بن محمد بن احمد قیلوی بغدادی حنفی م ۸۵۹ھ

امام و علامہ عصر تھے، علامہ برہان بقاعی نے ”عنوان الزمان میں کہا کہ آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، پہلے فقہ، اصول، نحو و معانی وغیرہ کی بہت زیادہ کتابیں حفظ کیں، پھر بخاری وغیرہ کتب احادیث اکابر محدثین سے پڑھیں، اول اکابر فقہاء حنابلہ سے فقہ حنبلی میں تخصص حاصل کیا، پھر فقہ شافعی میں ریسرچ و تحقیق کی، پھر فقہ حنفی کے گرویدہ ہوئے، مجمع البحرین حفظ یاد کی اور دوسرے فقہاء حنفیہ سے استفادہ کے بعد شیخ ضیاء الدین ہروی حنفی سے فقہ حنفی تمام و کمال حاصل کیا اور بہت سے علوم غیر محصور علماء کی خدمت میں رہ کر حاصل کئے، اوزنجان کا سفر کیا اور تصوف میں شیخ یار علی سیواسی سے مستفید ہوئے، حلب و بیت المقدس رہ کر مقتدائے وقت شیخ شہاب الدین بن ہایم کی خدمت میں رہے، پھر قاہرہ جا کر حدیث شیخ ولی عراقی، جمال حنبلی اور شمس شامی وغیرہ سے بھی حاصل کی اور وہاں کئی جگہ پر درس بھی دیا، لوگوں نے آپ سے بہت زیادہ دینی و علمی نفع حاصل کیا، حافظ قاسم بن قطلوبغا جیسے اکابر آپ کے تلامذہ میں ہیں، بڑے زاہد، عابد، عقیف، قناعت پسند بزرگ تھے، آپ کے اشعار میں سے دو شعر اکثر نقل ہوئے ہیں۔

شرابک المختوم فی انیہ و خمرا عدانک فی انیہ

فلیت ایامک لی انیہ قبل انقضاء العمر فی انیہ

(شذرات ص ۲۹۴ ج ۷)

۲۶۲- شیخ کمال الدین بن الہمام محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید حنفی م ۸۶۱ھ

امام عصر، علامہ دوراں، محدث علام، فقیہ الکلام، جامع اصول و فروع، اصولی مفسر، کلامی، نحوی، منطقی جدلی تھے، ابن نجیم نے بحر الرائق میں آپ کو اہل ترجیح لکھا اور بعض دوسرے علماء نے اہل اجتہاد سے شمار کیا ہے اور یہی رائے قوی ہے جس کی شاہد آپ کی تصانیف و تالیفات ہیں۔ (نوائد بہیہ) آپ نے حدیث ابو ذر عراقي، شمس شامی وغیرہ سے سنی، معقولات میں کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، آپ کے اقران میں سے شیخ برہان ابناس نے کہا کہ میں نے دین کے حج و دلائل طلب کئے تو معلوم ہوا کہ ابن ہمام سے بڑھ کر ان کا عالم ہمارے شہر میں کوئی نہ تھا۔ آپ ارباب احوال و اصحاب کشف و کرامات میں سے تھے، نماز ہلکی پڑھتے تھے، جیسی ابدال پڑھتے ہیں، ایک مدت تک افتاء بھی کیا،

آپ کی تصانیف میں سے فتح القدر، شرح ہدایہ نہایت محققانہ بے نظیر کتاب ہے، دوسری تالیفات اصول فقہ میں التحریر بھی بہت عمدہ لا جواب ہے، عقاید میں مسایرہ اور فقہ میں زاد الفقیر لکھی (زاد الفقیر مع تعلیقات حضرت مولانا محمد بدر عالم صاحب دام ظلہم مہاجر مدنی، مجلس علمی ڈابھیل سے شائع ہوئی تھی، ایک رسالہ اعراب سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم میں لکھا، وغیرہ۔

آپ کی تمام تصانیف ایسے علمی ابحاث و فوائد پر مشتمل ہیں جو دوسری کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں تحریر کی شرح آپ کے تلمیذ خاص ابن امیر الحاج حلبی نے کی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (فوائد، شدات و حدائق)

۲۶۳- شیخ یعقوب بن ادریس بن عبداللہ ندکی حنفی م ۸۶۳ھ

محدث شہیر، ماہر اصول و فروع اور جامع و منقول تھے، علوم کی تحصیل محمد بن حمزہ قاری وغیرہ سے کی، بلاد شام و مصر گئے تو سب جگہ علماء و فضلاء، نامدار نے آپ کے فضل و کمال کا اعتراف کیا، آپ نے شرح مصابح السنۃ اور حواشی ہدایہ لکھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (حدائق حنفیہ)

۲۶۴- شیخ ابوالسعادت سعد الدین بن الشمس الدیری نابلی حنفی م ۸۶۸ھ

بڑے محدث، فقیہ و مفتی تھے، حدیث برہان ابراہیم بن زین عبدالرحیم بن جماعہ سے روایت کی، استحضار مسائل، فہم معانی تنزیل اور حفظ متون احادیث میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے، مدت تک درس و افتاء میں مشغول رہے، ۸۴۲ھ میں مصر کے دارالقضاء حنفیہ کے متولی ہوئے، حافظ شمس الدین سخاوی نے آپ کے ترجمہ میں لکھا کہ میں نے آپ سے بہت کچھ پڑھا ہے، تصانیف یہ ہیں، تکملہ شرح ہدایہ سرودجی (جلد) منظومہ نعمانیہ (اس میں عجیب و غریب فوائد ہیں) شرح عقائد نسفی وغیرہ، رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (تقدمہ و حدائق)

۲۶۵- شیخ شرف الدین یحییٰ بن محمد بن محمد بن مخلوف المناوی شافعی م ۸۷۱ھ

بڑے محدث تھے، علامہ سیوطی نے حسن المحاضرہ میں لکھا کہ وہ ہمارے شیخ تھے، شیخ ولی الدین عراقی سے فقہ، اصول اور حدیث کی تحصیل کی، پھر درس و افتاء میں مشغول ہوئے، آپ کی تصانیف میں سے شرح مختصر المزنی اور حاشیہ نور الروض و مختصر الروض من الانف للسہلی مشہور و معروف ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (الرسالۃ المنظرہ و شذرات الذہب)

۲۶۶- حافظ تقی الدین بن فہد متونی م ۸۷۱ھ

بڑے محدث تھے، آپ نے حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ کا ذیل لکھا جو لحظہ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ کے نام سے دمشق میں چھپ کر شائع ہو گیا ہے، آپ کے صاحبزادے نجم الدین عمر بن فہد (م ۸۸۵ھ) نے تذکرہ الحفاظ اور لحظہ الالحاظ دونوں کے اشخاص کو بجائے طبقات کے حروف تہجی پر مرتب کر کے ایک نئی کتاب بنا دی ہے اور نام تذکرہ الحفاظ ہی رکھا۔

آپ کے علاوہ حسینی دمشقی (م ۷۱۵ھ) نے بھی ذیل تذکرۃ الحفاظ لکھا اور علامہ سیوطی نے بھی طبقات الحفاظ کے نام سے ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ کی تلخیص کی، حسینی، ابن فہد اور سیوطی تینوں کے مذکورہ بالا ذیول مجموعہ ”تذکرہ الحفاظ“ کے نام سے محدث کوثری کی تصحیح و تعلق کے ساتھ دمشق سے ایک ضخیم جلد میں شائع ہو گئے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (ابن ماجہ و علم حدیث مولانا نعمانی عم فیضہم)

۲۶۷- شیخ احمد بن محمد بن محمد بن حسن بن علی بن یحییٰ شمشنی حنفی م ۸۷۲ھ

بڑے تبحر محدث و فقیہ و مفسر تھے، پہلے اپنے والد ماجد اور دادا کی طرح مالکی تھے، پھر حنفی ہو گئے تھے، حدیث ولی الدین عراقی سے

حاصل کی، تمام علوم و فنون میں اپنے معاصرین سے فائق ہوئے، حافظ سخاوی نے مدت تک آپ سے پڑھا ہے، علامہ سیوطی بھی آپ کے تلمیذ حدیث ہیں اور ایک جزو حدیث مسلسل بالخاصہ کی آپ سے روایت کر کے اس کی تخریج بھی کی ہے اور بغیۃ الوعاة فی طبقات الخاۃ میں آپ کی انتہائی مدح و ثناء کی ہے، مثلاً لکھا کہ آپ علم تفسیر کے دریائے محیط اور کشف و قائق تھے، حدیث کی روایت و درایت اور حل مشکلات و فتح مغلفات میں تنہا آپ ہی مرجع و معتمد تھے، فقہ میں وہ درجہ تھا کہ امام اعظم آپ کو دیکھتے تو انعام و اکرام کرتے، کلام میں ایسے بلند پایہ کہ اشعری آپ کو اپنے پاس بٹھاتے اور خوش ہوتے، اسی طرح دوسرے علوم میں تشوق لکھ کر چند اشعار مدیہ بہت ہی شاندار لکھے ہیں جو صاحب شذرات نے نقل کئے ہیں، آپ کی تصانیف یہ ہیں: کمال الدرایہ شرح الوقایہ (ج ۱) سے آپ کے احادیث احکام سے متعلق غیر معمولی وسعت علم و تبحر کا اندازہ ہوتا ہے) شرح المغنی لابن ہشام، حاشیہ شفاء شرح نظم النخبہ فی الحدیث، ارفق المسائل لتادیۃ المناسک، رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ، شذرات، حدائق)

۲۶۸- المولیٰ علاؤ الدین علی بن محمود بن محمد بسطامی ہروی رازی حنفی م ۸۷۵ھ

امام فخر الدین رازی شافعی کی اولاد میں سے بڑے پایہ کے حنفی عالم ہوئے ہیں، ابتداءً عمر سے ہی تصنیف کا شوق تھا، اسی لئے مصنفک (چھوٹے مصنف) مشہور ہوئے، اکابر علماء سے تمام علوم و فنون میں کامل دستگاہ پائی، ہر روز ایک جزو تصنیف کر لیتے تھے، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں: شرح المصباح للبخاری، شرح الکشاف، حاشیہ تلویح، حاشیہ شرح وقایہ، حاشیہ شرح عقائد، شرح الارشاد، شرح اللباب، شرح المطول وغیرہ۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (شذرات الذہب ص ۳۱۹ ج ۷)

۲۶۹- حافظ حدیث علامہ زین الدین ابوالعدل قاسم بن قطلوبغا مصری حنفی م ۸۷۹ھ

امام عصر، محدث اعظم، فقیہ کامل، جامع علوم و فنون، استحضار مذاہب میں بے نظیر تھے، مناظرہ اور اسکات خصم میں ید طولی رکھتے تھے، حفظ قرآن مجید و دیگر کتب علوم و فنون سے فارغ ہو کر اکابر علماء و محدثین عصر سے تکمیل، آپ کے خاص اساتذہ یہ ہیں: حافظ بدر الدین عینی حنفی، حافظ ابن الہمام حنفی، حافظ ابن حجر شافعی، سراج قاری الہدایہ حنفی، عز بن عبدالسلام بغدادی حنفی، عبداللطیف کرمانی وغیرہ، مگر سب سے زیادہ آپ حافظ ابن ہمام کی خدمت میں رہے اور زیادہ سے زیادہ علوم کا استفادہ ان سے کیا، آپ کے تلامذہ میں سخاوی وغیرہ مشہور ہیں، آپ کی مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں، ورنہ یوں ستر سے زیادہ توفیق و حدیث ہی میں آپ کی تالیف قیامہ ہیں۔

(۱) شرح مصابح السنۃ (۲) تخریج احادیث الاختیار (۳) رجال شرح معانی الآثار (۴) تخریج احادیث اصول المیز دوی (۵) تخریج احادیث الفرائض (۶) تخریج احادیث شرح القدری للاقطع (۷) ثقات الرجال (۸) تحفۃ الحیاء بمافات من تخریج الاحیاء (۹) مدیۃ الامعی فی مافات من تخریج احادیث الہدایۃ للزیلعی (اسی کے آخر میں ان احادیث کی بھی تخریج چھپ گئی ہے جن کے بارے میں حافظ ابن حجر نے درایہ تلخیص نصب الرایہ میں "لم اجده" کا ریمارک کیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا علم و مطالعہ حدیث حافظ الدنیا ابن حجر سے بھی بڑھا ہوا تھا (۱۰) تخریج احادیث تفسیر ابی الیث (۱۱) شرح مختصر المنار (۱۲) شرح مجمع البحرین (۱۳) شرح درر البحار (۱۴) معجم (۱۵) شرح مظلومۃ ابن الجریزی فی علم الحدیث (۱۶) تعلیق تفسیر البیضاوی (۱۷) ترجیح الجوبہر النقی (۱۸) حاشیہ فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث (۱۹) حاشیہ مشارق الانوار (۲۰) تعلیقات نخبۃ الفکر (۲۱) امالی مسانید ابی حنیفہ (۲) جلد (۲۲) حاشیہ تلویح (۲۳) مجموعۃ الفتاویٰ (۲۴) تاریخ ابی یعلیٰ خلیلی (م ۴۳۶) کو جس میں محدثین و علماء کے حالات ابویعلیٰ نے ترتیب بلاد سے اپنے زمانہ تک کے ذکر کئے تھے، ان کو علامہ قاسم بن قطلوبغا نے ترتیب حروف سے مرتب کیا، آپ کی اس خدمت کی نشاندہی علامہ کتابی (م ۱۳۳۵ھ) نے الرسالۃ المستطردہ ص ۱۰۸ (مطبوعہ کراچی) میں کی ہے، جزاہ اللہ خیرا۔

علامہ برہان بقاعی نے عنوان الزمان میں کتب مذکورہ بالا میں اکثر کا ذکر کیا ہے پھر لکھا کہ ان کے علاوہ بہت سی گرانقدر تالیفات ہیں جن میں سے اکثر اب تک ابتدائی مسودات اور یادداشتوں کی صورت میں غیر مرتب موجود ہیں، یہ بھی لکھا کہ آپ نے ایسی عالی ہمتی سے علوم کی تحصیل میں جدوجہد کی کہ بہت ہی جلد آپ کا شہرہ ہو گیا اور جگہ جگہ آپ کے علم و فضل کا چرچا پھیل گیا، حتیٰ کہ آپ کے اساتذہ و مشائخ نے بھی آپ کی بہت زیادہ تعریف کی۔

اس کو نقل کرنے کے بعد صاحب شذرات نے اضافہ کیا کہ آپ سے اس قدر کثیر تعداد میں علماء نے استفادہ علوم کیا کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا اور خلاصہ یہ ہے کہ آپ حسنت دہر میں سے تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

افسوس ہے کہ ایسے ایسے جلیل القدر محدثین احناف کا تذکرہ ہماری موجودہ مطبوعہ کتب احناف میں بہت ہی مختصر ہے، بستان الحمد شین میں تو اس محدث عظیم المرتبت کا ذکر ہی نہیں، جیسا حافظ زلیعی حنفی، حافظ عینی حنفی وغیرہ کبار محدثین کا نہیں ہے، فوائد یہیہ میں بطور تعلق بہت ہی مختصر ذکر ہے اور ۴-۵ تصانیف ذکر کیں، مؤلف حدائق حنفیہ نے حسب عادت کچھ بہتر مواد جمع کر دیا ہے پھر بھی اس سے زیادہ شذرات الذہب میں ایک جنلی عالم نے لکھا ہے۔

اس سلسلہ میں مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ اگر تمام مطبوعہ ذخیرہ سے ہی محدثین احناف کے حالات جمع کر لئے جائیں تو ”طبقات حنفیہ“ میں بہت اچھی کتاب تیار ہو سکتی ہے، جو طبقات شافعیہ، مالکیہ و حنابلہ سے کسی طرح کم نہ ہوگی، اس میں شک نہیں کہ بہت ہی بڑی اہم علمی خدمت ہے ”تذکرہ محدثین“ چونکہ احناف کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، اس لئے اس میں سب ہی حضرات کا مختصر تعارف کر دینا مناسب ہوا، تاہم یہ رعایت بھی اس میں ملحوظ رہی ہے کہ محدثین احناف کے تذکرے چونکہ عربی و اردو میں اب تک کم سے کم آئے ہی، ان کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا جائے تاکہ اس کمی کی قدر تلافی ہو جائے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ لکھنے والوں کی دل تنگی نے ہی اس کمی کا احساس بیجا کرایا تھا، ورنہ واقع و حقیقت کے اعتبار سے وہ دوسروں سے کم نہیں ہیں۔

علامہ کتابی کی مذکورہ بالا کتاب محدثین کی علمی خدمات کے سرسری جائزہ کے لئے نہایت گرانقدر تالیف ہے، جس میں تقریباً پانچ سو محدثین کا ذکر آ گیا ہے، مگر افسوس ہے کہ اس میں محدثین احناف کی بڑی کثرت نظر انداز ہو گئی ہے اور ان کی خدمات بھی، اس کتاب کو محترم مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی جیسے باہمت مصنف اگر پھر سے مرتب کریں اور اس کمی کی تلافی کر دیں تو اس کتاب کی افادیت کو چار چاند لگ سکتے ہیں، و ما توفیقنا الا باللہ الغنی الکریم، راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ خدمت درحقیقت صرف حنفیت کی خدمت نہیں بلکہ مجموعی اعتبار سے پورے فن حدیث ہی کی خدمت ہوگی کہ قصر حدیث کے جو گوشے محدثین احناف کے تذکروں سے خالی چھوڑ دیئے گئے ہیں وہ اپنی جگہوں پر آباد ہو کر پورے قصر کی زیب و زینت بڑھادیں گے اور پھر تمام محدثین کرام کی ایک کامل و مکمل تاریخ سامنے ہو جائے گی۔ لانسریڈ الا اصلاح ما استطعنا و ما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔

۲۷۰ ص شیخ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن محمد بن امیر الحاج حلبی حنفی م ۸۷۹ھ

علماء حنفیہ میں سے حلب کے جلیل القدر عالم حدیث، تفسیر و فقہ اور امام وقت علامہ و مصنف تھے، آپ کی تصانیف فاخرہ بہت مشہور ہیں، مثلاً شرح التحریر لابن الہمام (اصول فقہ میں ۳ مجلد) جو تخریج احادیث، بیان طرق احادیث و مخرجین سے بھری ہوئی ہیں اور اس سے آپ کے وسعت علم حدیث پر پوری روشنی پڑتی ہے، آپ سے بڑے بڑوں نے علم حاصل کیا اور آپ کی شاگردی پر فخر کیا ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ و الرسالة ص ۱۶۰ و شذرات ص ۳۲۸

۲۷۱- شیخ امین الدین یحییٰ بن محمد اقصائی حنفی م ۸۷۹ھ

بڑے جلیل القدر عالم تھے، علامہ سیوطی کی حسن المحاضرہ میں ہے کہ آپ قاہرہ میں اپنے زمانہ کے الحنفیہ تھے، ولادت ۸۷۹ھ کے کچھ بعد ہوئی اور ریاست مذہب حنفی آپ کے زمانہ میں آپ ہی پر منتہی ہوئی، رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (شذرات ص ۳۲۸ ج ۷)

۲۷۲- شیخ محی الدین ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان بن سعد بن مسعود رومی برعمی حنفی م ۸۷۹ھ

بڑے محدث، مفسر، نحوی، لغوی و ادیب اور نہایت واسع العلم تھے، کافیہ سے بڑا شغف تھا، اس لئے کافی مشہور ہو گئے تھے، علامہ سیوطی نے آپ کو بغیۃ الوعاة میں شیخنا العلامة، استاذ الاساتذہ لکھا، کبار علماء و مشائخ سے علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کئے، علوم حدیث پر بھی بڑی نظر تھی، مشغولین حدیث سے بڑا تعلق و محبت رکھتے تھے، اہل بدعت سے سخت متنفر تھے، بڑے عابد زاہد تھے، فن حدیث میں، المختصر فی علوم الحدیث اور تفسیر میں المختصر فی علوم التفسیر لکھی، مسائل نحو میں بڑا کمال تھا، شرح قواعد الاعراب اور شرح کلمتی الشہادۃ مختصر مگر بہت نافع و گرانقدر تالیفات کیں، ایک روز اپنے بڑے تلامذہ سے زید قائم کا اعراب پوچھ بیٹھے اور پھر ۱۱۳ بحشیں اس بارے میں لکھوائی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (شذرات الذہب ص ۳۲۷ ج ۷)

۲۷۳- شیخ سیف الدین محمد بن محمد بن عمر قطلوبغا بک ترمی قاہری حنفی م ۸۸۱ھ

بڑے محدث، مفسر و فقیہ تھے، علامہ سیوطی نے حسن المحاضرہ و طبقات الخاۃ میں آپ کو شیخنا الامام العلامة سیف الدین حنفی نے لکھا، آپ کے شیخ و استاذ ابن ہمام نے آپ کو محقق الدیار المصریہ لکھا اور سالک طریق سلف، عابد، صاحب خیر اور اہل دنیا سے متنفر کہا، ہمیشہ درس علوم کا مشغلہ رکھتے تھے، فتویٰ سے احتراز کرتے، جامعہ منصوریہ وغیرہ میں تفسیر و فقہ کا درس دیا ہے، مدرسۃ العینی میں درس حدیث کے لئے آپ سے بہت اصرار کیا گیا، مگر معذرت کی، توضیح ابن ہشام پر آپ کا بڑا طویل حاشیہ ہے جو بہت زیادہ فوائد علمیہ پر مشتمل ہے، شیخ ابن ہمام حج کو گئے تو اپنی جگہ مشیحیہ الشیخونہ میں متعین کیا تھا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (شذرات الذہب ص ۳۳۲ ج ۷)

۲۷۴- شیخ عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن عمر العقیلی حلبی معروف ابن العدیم حنفی،

ولادت ۸۱۱ھ متوفی ۸۸۲ھ

ولادت قاہرہ میں ہوئی، آپ کا سب خاندان علم و فضل کا گہوارہ ہے اور سلسلہ نسب ابو جراوہ خادم خاص حضرت علیؑ سے ملتا ہے، آپ کے اجداد میں سے شیخ بیت اللہ بن احمد نے اس خاندان میں سب سے پہلے قضاء کا منصب سنبھالا، بڑے عالم و محدث تھے جنہوں نے ”الخلاص بین ابی حنیفۃ و صاحبیہ“ جیسی اہم گرانقدر کتاب لکھی، پھر کمال الدین ابن العدیم (م ۶۶۰ھ) اپنے وقت کے امام و رئیس الحنفیہ علامہ محدث و مورخ اعظم ہوئے، جنہوں نے بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب میں جلدوں میں لکھی، نیز حدیث و فقہ و ادب میں بھی گرانقدر تالیفات کیں، لکھا ہے کہ اپنے فضائل و کمالات کے اعتبار سے عدیم النظیر تھے، پھر مجدد الدین عبدالرحمن (م ۶۷۷ھ) بھی بڑے عالم و محدث عارف مذہب ہوئے، آپ نے جامع حاکم میں خطبہ دیا اور ظاہریہ میں درس علوم دیا۔

ان کے بعد احمد بن ابراہیم بھی بڑے محدث ہوئے، جن سے ۸۳۵ھ میں حافظ ابن حجر نے حدیث پڑھی ہے، درمیان میں اور بھی جتنے آپ کے سلسلے کے آباؤ اجداد گزرے وہ سب علماء ذوی القدر اور قاضی القضاۃ حلب ہوئے، آپ بھی امام وقت و علامہ روزگار محدث تبحر و فقیہ جید ہوئے، حافظ عراقی، برمادی اور ابن جزری ایسے اکابر محدثین نے آپ کو حدیث پڑھائی اور حدیث و فقہ شائع کرنے کی اجازت و سند

دی، آپ کو اپنے پردادا کے مثل ہونے کی وجہ سے "ابن عدیم" کہا جاتا تھا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (فوائد یہیہ ص ۱۴۷ شذرات وحدائق)

۲۷۵- المولیٰ محمد بن قطب الدین از نیقی حنفی م ۸۸۵ھ

امام عصر، عالم باعمل، جامع علوم نقلیہ، وعقلیہ، مولیٰ فتاری کے تلمیذ خاص تھے، ہر علم و فن میں ماہر و کامل ہوئے، اپنے سب اقران پر فوقیت لے گئے، مسلک تصوف میں بھی باکمال ہوئے، شریعت و طریقت و حقیقت کو جمع کیا اور مفتاح الغیب صدر الدین قونوی کی اعلیٰ درجہ کی شرح لکھی نیز خصوص صدر قونوی کی بھی شرح کی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (شذرات الذہب ص ۳۳۳ ج ۷)

۲۷۶- مولیٰ خسرو محمد بن قرا موز رومی حنفی م ۸۸۵ھ

امام وقت، علامہ زماں، صاحب تصانیف، محدث و فقیہ و اصولی تھے، آپ کے والد ماجد امراء و دولت سے تھے اور نو مسلم تھے، آپ نے اکابر علماء عصر سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی، مطول پر حواشی لکھے اور مدرسہ شاہ ملک مدنیہ اور نہ میں مدرس ہوئے پھر مدرسہ حلبیہ میں مدرس ہوئے اور سلطان محمد خان دوبارہ تخت سلطنت پر بیٹھے تو آپ کی تنخواہ روزانہ ایک سو درہم کردی تھی، پھر قسطنطنیہ فتح ہوا تو آپ کو وہاں کا قاضی بھی بنا دیا گیا اور جامع ایا صوفیا میں بھی درس علوم دینے لگے۔

معمولی سادہ لباس پہنتے تھے، چھوٹا عمامہ باندھتے تھے، بہت ہی متواضع منکسر المزاج تھے، لا تعداد خدام و غلام تھے، مگر اپنا کام خود کرتے تھے اور نہایت خوش اخلاق، ملنسار تھے، سلطان محمد آپ کی بڑی عزت کرتا تھا اور آپ پر فخر کرتا اور اپنے وزراء سے کہا کرتا تھا کہ یہ اس زمانہ کے ابوحنیفہ ہیں۔

باوجود قضاء افتاء تدریس کے مشاغل مہمہ کے روزانہ رو ورق کتب سلف سے نہایت خوش خط نقل کیا کرتے تھے، آپ کی تصانیف یہ ہیں، حواشی معطل، حواشی تلوح، حواشی تفسیر بیضاوی، مرقاۃ الوصول فی علم الاصول، شرح مرقاۃ مذکور، الدرر والغرر وغیرہ، رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (شذرات ص ۳۳۲ ج ۷)

۲۷۷- شیخ عزالدین عبداللطیف بن عبدالعزیز بن امین الدین حنفی م ۸۸۵ھ

ابن فرشتہ اور ابن ملک کے نام سے بڑے عالم و فاضل محدث گزرے ہیں، دقائق و مشکلات کو حل کرنے میں ماہر کامل تھے، بہت مفید علمی تصانیف کیں، مثلاً حدیث میں مبارق الازہار، شرح مشارق الانوار، اصول فقہ میں شرح منار، فقہ میں شرح مجمع البحرین و شرح وقایہ اور ایک رسالہ علم تصوف میں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (شذرات وحدائق حنفیہ)

۲۷۸- الموالیٰ شمس الدین احمد بن موسیٰ الشہیر "بالخیالی" حنفی م ۸۸۶ھ

بڑے محقق مدقق عالم، جامع معقول و منقول تھے، درس و تالیف آپ کے بہترین مشاغل تھے، شرح عقائد پر آپ کے حواشی نہایت مشہور و مقبول و متداول ہوئے، اس میں بعض مضامین ایسے دقیق و دشوار ہیں کہ بڑے بڑے فضلاء ان کو حل کرنے سے عاجز ہوتے ہیں لیکن حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی نے ان کا بھی بہترین حل کر دیا ہے۔

اوائل شرح تجرید پر بھی حواشی لکھے، صرف ۳۳ سال عمر ہوئی، بڑے بڑے علماء نے آپ کی شاگردی کی، بڑے عابد و زاہد تھے، صوفیہ کے طریقہ پر ذکر و اذکار میں بھی مشغول ہوتے تھے، دن رات میں صرف ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے، علامہ ابن عماد حنبلی نے آپ کو امام علامہ لکھا، رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (شذرات الذہب ص ۳۳۳ وحدائق حنفیہ)

۲۷۹- شیخ شمس الدین احمد بن اسماعیل بن محمد کورانی حنفی م ۸۹۳ھ

مولیٰ فاضل کے نام محدث کبیر مشہور تھے، اپنے زمانہ کے اکابر علماء کے علوم کی تحصیل و تکمیل کر کے یگانہ روزگار ہوئے، شہر بروسا میں مدرسہ مرادخان غازی میں درس علوم دیا، پھر منصب قضاء و افتاء پر بھی فائز ہوئے، ۸۶۷ھ میں آپ نے ایک تفسیر ”غایۃ الامانی فی تفسیر الکلام الربانی“ لکھی جس میں زختمسری اور بیضاوی پر اکثر جگہ مواخذات کئے، پھر ۸۷۳ھ میں شہر اورنہ میں صحیح بخاری کی شرح الکوشرا الجاری علی ریاض البخاری“ لکھی اس میں اکثر مواضع میں کرمانی اور حافظ ابن حجر پر اعتراضات کئے، بڑے عابد، زاہد، شب زندہ دار تھے، نقل ہے کہ رات کو بالکل نہ سوتے تھے اور روزانہ ایک ختم قرآن مجید ہر شب میں کرتے تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۲۸۰- شیخ شہاب الدین العباس احمد بن محمد بن عیسیٰ زروق فارسی م ۸۹۳ھ

اپنے زمانہ کے مشہور محدث اور متاخرین صوفیہ کرام کے ان کے محققین میں سے ہیں جنہوں نے حقیقت و شریعت کو جمع کیا ہے، شیخ شہاب الدین قسطلانی وغیرہ آپ کے تلامذہ میں ہیں، آپ کی تصانیف سے حاشیہ بخاری، شرح قرطبیہ، شرح اسماء حسنی، قواعد التصوف (قواعد الطریقتہ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ کشف الظنون، حوادث الوقت وغیرہ ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (بستان المحدثین)

۲۸۱- حافظ ابوالخیر شمس الدین محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن ابی بکر السخاوی شافعی م ۹۰۲ھ ولادت ۸۳۱ھ

مشہور و معروف محدث علام تھے، ابتداء عمر میں حافظ قرآن مجید کے بعد بہت سے علوم و فنون کی کتابیں یاد کیں، دوسرے علوم کے ساتھ حدیث، فقہ، قرأت تاریخ و عربیت میں ممتاز مقام حاصل کیا، چار سو سے زیادہ کبار سے اخذ علوم کیا، حافظ ابن حجر کے مخصوص تلامذہ و اصحاب میں سے تھے، صحیح بخاری کو ۱۲۰ علماء سے روایت کرتے تھے، تحصیل علم کے لئے دور دراز بلاد و امصار کے سفر کئے، آپ کے اور رسول اکرم ﷺ کے درمیان روایت حدیث کے صرف دس واسطے ہیں۔

کئی بار حج کے لئے حاضر ہوئے، اور حج ۸۷۰ھ کے بعد ایک عرصہ کے لئے مجاورت مکہ معظمہ اختیار فرمائی اور وہاں بھی درس میں مشغول ہوئے پھر ۸۵ھ میں حج کیا اور دو سال مکہ معظمہ میں اور تین ماہ مدینہ طیبہ میں اقامت کی، پھر ۸۹۲ھ میں حج کیا اور دو سال رہے پھر ۹۶ھ میں حج کے لئے حاضر ہوئے اور درمیان ۹۸ھ تک قیام فرما کر مدینہ طیبہ پہنچے وہاں چند ماہ اور رمضان گزار کر مکہ معظمہ واپس ہوئے اور ایک مدت رہ کر پھر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے پھر وقت وفات تک وہیں رہے (یہ تفصیل میں نے اس لئے دی ہے کہ اس زمانہ کے اکابر و علماء کا حرمین سے تعلق اور وہاں کے قیام کا طور و طریق معلوم ہو)

آپ سے غیر محصور علماء نے تحصیل علوم کی، آپ کی تصانیف اعلیٰ درجہ کی تحقیقاتی اور نہایت مفید ہیں، پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ کے اندر مذہبی تعصب نہیں تھا، طبیعت نہایت ہی انصاف پسند تھی، اسی لئے اپنے شیخ اعظم حافظ ابن حجر تک کے تعصب کو بھی برداشت نہ کر سکے اور صراحت سے فرما گئے کہ ہمارے شیخ نے حنفیہ کے ساتھ تعصب و تنگ نظری کا معاملہ کیا ہے جس کا ذکر حافظ ابن حجر کے حالات میں پہلے ہو چکا ہے، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں: فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث (جو بہترین جامع تحقیقی تصنیف ہے) الضوء الملامع لاہل القرن التاسع (جلد ۶) اس میں آپ نے خود اپنا تذکرہ بھی حسب عادت محدثین کیا ہے، المقاصد الحسنیۃ فی الاحادیث الجاریۃ علی لسانہ (جو علامہ سیوطی کی الجواہر المشرکہ سے زیادہ جامع و اتقن ہے) ۱۰ القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الجیب الشفع، الاعلان بالتونخ علی من ذم علم التورنخ (نہایت نفیس اعلیٰ تالیف ہے) التاریخ المحیط (حروف معجم سے مرتب ہے) تلخیص تاریخ الیمن، تحریر المیزان، عمدۃ القاری، والسامع فی ختم الصحیح الجامع وغیرہ۔

علم جرح و تعدیل میں بھی بڑے عالم و فاضل تھے، حتیٰ کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حافظ ذہبی کے بعد ان کے طرز و طریق پر چلنے والے صرف آپ ہی ہوئے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (شذرات الذہب ص ۱۵ ج ۸)

۲۸۲- الشیخ العالم المحدث راجح بن داؤد بن محمد حنفیؒ م ۹۰۳ھ

صوبہ گجرات کے بڑے عالم و محدث تھے، اکابر علماء سے تحصیل کی اور حرمین جا کر وہاں کے محدثین سے بھی استفادہ کیا، حافظ سخاوی نے الضوء اللامع میں آپ کا ذکر کیا اور یہ بھی لکھا کہ مجھ سے بھی شرح الفیۃ الحدیث پڑھی ہے اور میں نے ان کو اجازت روایت حدیث لکھ کر دی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۱۱۱)

۲۸۳- حافظ جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمن بن محمد بن الشیخ ہمام الدین سیوطی شافعیؒ

م ۹۱۱ھ ولادت ۸۲۹ھ

مشہور مسند محقق، محدث علام مدقق، صاحب مولفات فائقہ نافعہ تھے، پانچ سال کچھ ماہ کے تھے کہ سائیہ پدری سے محروم ہو گئے، حسب وصیت والد ماجد چند بزرگوں کی سرپرستی میں آئے جن میں سے شیخ کمال بن الہمام حنفی بھی تھے، انہوں نے آپ کا وظیفہ شیخونہ سے کر دیا اور آپ کی طرف پوری توجہ کی، ۸ سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید سے فارغ ہو کر فنون کی کتابیں حفظ کیں، شیخ شمس سیرامی اور شیخ شمس مرزبانی حنفی سے بہت سی درسی و غیر درسی کتابیں پڑھیں، علامہ بلقینی، علامہ شرف السنادر اور محقق الدیار المصر یہ سیف الدین محمد بن محمد حنفی نیز علامہ شمش و علامہ کافینی کے حلقہ ہائے درس سے بھی مدتوں استفادہ کیا۔

غرض پوری طرح تحصیل و تکمیل کے بعد درس تالیف میں مشغول ہوئے اور بہترین مفید تالیفات کیں جن شمار پانچ سو سے اوپر کیا گیا ہے، نہایت سریع التالیف تھے اپنے زمانہ میں علم حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے، خود فرمایا کہ ”مجھے دو لاکھ احادیث یاد ہیں اور اگر اس سے زیادہ مجھے ملتیں تو ان کو بھی یاد کرتا، شاید اس وقت اس سے زیادہ دنیا میں موجود نہیں ہیں“۔

چالیس سال کی عمر ہو کر ترک و تجرید اختیار کی، ایک طرف گوشہ نشین ہو کر درس و افتاء بھی چھوڑ کر صرف عبادت و تالیف کا شغل رکھا، تمام دنیوی تعلقات ختم کر دیئے تھے، امراء و اغنیاء آپ کی زیارت کے لئے آتے اور ہدایا و اموال پیش کرتے، مگر آپ کسی کا ہدیہ قبول نہ کرتے تھے، سلطان غوری نے ایک خصی غلام اور ایک ہزار اشرفی بھیجی تو اشرفیاں واپس کر دی اور غلام کو آزاد کر کے حجرہ نبویہ (علی صاحبہ الف الف سلام و تحیہ) کا خادم بنا دیا، سلطان کے قاصد سے کہا کہ آئندہ کوئی ہدیہ ہمارے پاس نہ آئے خدا نے ہمیں ان ہدایا و تحائف دنیا سے مستغنی کر دیا ہے، بادشاہ نے کئی بار ملاقات کے لئے بلایا، مگر آپ نہ گئے، کئی بار حضور اکرم ﷺ کو آپ نے دوسروں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کو یا شیخ السنہ، یا شیخ الحدیث کہہ کر خطاب فرمایا۔

شیخ عبدالقادر شاذلی نے آپ سے یقظہ میں بھی زیارت کا واقعہ اور اسی طرح خطاب فرمانا نقل کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اہل جنت سے ہوں؟ ارشاد فرمایا ہاں! میں نے عرض کیا، کیا بغیر کسی عتاب کے؟ ارشاد فرمایا تمہارے لئے یہ بھی سہی؟ شاذلی نے دریافت کیا کہ کتنی بار آپ کو حضور اکرم ﷺ کی زیارت مبارکہ بیداری میں ہوئی ہے؟ فرمایا ستر سے زیادہ مرتبہ۔ آپ کے خادم خاص محمد بن علی حباک سے یہ واقعہ بھی نقل ہوا ہے کہ ایک روز قیلولہ کے وقت فرمایا کہ اگر تم میرے مرنے سے پہلے اس راز کو افشا نہ کرو تو آج عصر کی نماز مکہ میں پڑھو اور دوں؟ عرض کیا ضرور! فرمایا آنکھیں بند کر لو! اور ہاتھ پکڑ کر تقریباً ۲۸ قدم چل کر فرمایا اب

آنکھیں کھول دو تو ہم باب معلاۃ پر تھے، حرم پہنچ کر طواف کیا، زمزم پیا، فرمایا کہ اس سے کچھ تعجب مت کرو کہ ہمارے لئے طی ارض ہوا بلکہ زیادہ تعجب اس کا ہے کہ مصر کے بہت سے مجاورین حرم ہمارے متعارف یہاں موجود ہیں، مگر ہمیں نہ پہچان سکے، پھر فرمایا، اگر تم چاہو تو ساتھ چلو یا حاجیوں کے ساتھ آجانا، عرض کیا ساتھ چلوں گا، باب معلاۃ تک گئے، پھر فرمایا آنکھیں بند کر لو اور مجھے صرف سات قدم دوڑایا، آنکھیں کھولیں تو مصر میں تھے، آپ کے مناقب، کرامات اور صحیح پیش گوئیاں بکثرت ہیں، مگر سب سے بڑی کرامت آپ کی تالیفات ہیں جو اکثر مشہور و معروف ہیں، بستان المحدثین میں آپ کی مسلسلات صغریٰ کا الرسالة المستطرفة میں جیاد المسلسلات اور مسلسلات کبریٰ کا ذکر ہے جس میں ۸۵ حدیث ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة وجعلنا معہ ومن معنی جنات النعیم (شذرات الذہب ص ۵۱ ج ۸)

۲۸۴- السيد الشریف نور الدین ابوالحسن علی بن عبد اللہ بن احمد سمہودی شافعی م ۹۱۱ھ
بڑے محدث، عالم و مورخ تھے، آپ کی ”الوفاء بما سبب الحضرة المصطفیٰ اور وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ“ وغیرہ نہایت قابل قدر علمی، تاریخی تالیفات ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة (الرسالہ ص ۱۶۳)

۲۸۵- شیخ عبدالبر بن محمد بن محبت الدین محمد بن محمد بن محمود ابوالبرکات مصری حنفی م ۹۲۱ھ
خاندانی لقب ابن شحہ، اصل وطن حلب تھا، پھر قاہرہ مصر کی سکونت اختیار کی، اکابر محدثین سے حدیث حاصل کی، علامہ زین الدین قاسم بن قطلوبغا حنفی کی بھی شادگردی کی اور محدث کامل، فقیہ فاضل، جامع معقول و منقول ہوئے، آپ کی تصانیف میں سے شرح منظومہ ابن وہبان اور الزخائر الاشرافیۃ فی الاغاز الحنفیہ زیادہ مشہور ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة (حدائق حنفیہ)

۲۸۶- شیخ شہاب الدین احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی مصری شافعی م ۹۲۳ھ
محدث کبیر اور واعظ بے نظیر تھے، آپ کی تصنیف میں سے ارشاد الساری الی شرح البخاری کی بڑی شہرت ہوئی جو حقیقت میں عمدۃ القاری اور فتح الباری کا خلاصہ ہے اور وہ قسطلانی کے نام سے بھی معروف ہے، حافظ سخاوی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری وغیرہ آپ کے اساتذہ میں ہیں، دوسری تصانیف یہ ہیں: الاساعد فی مختصر الارشاد (شرح مذکور کا خلاصہ) شرح الشاطبیہ، المواہب اللدنیہ بلخ احمدیہ (جس کی مشہور شرح علامہ زرقانی نے ۸ مجلہ کبیر میں کی ہے، لطائف الاشارات فی عشرات القراءات، الروض الزاہر وغیرہ، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة (بستان المحدثین)

۲۸۷- شیخ صفی الدین خزر جی متونی بعد ۹۲۳ھ
مشہور محدثین میں سے ہیں، آپ نے حافظ ذہبی کی تہذیب الکمال کا خلاصہ کیا، جو درحقیقت نہ صرف اس کے بلکہ تہذیب الکمال مزنی شافعی اور الکمال فی اسماء الرجال مقدسی حنبلی کے بھی مطالب کا بہترین خلاصہ ہے، اس لئے آپ کا خلاصہ نہایت مقبول و مرجع علماء ہوا ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔

۲۸۸- محدث میر جمال الدین عطاء اللہ حسینی حنفی م ۹۳۰ھ
جامع علوم نقلیہ و عقلیہ، خصوصاً علم حدیث و سیر میں بے مثال تھے، صاحب روضۃ الصفاء نے آپ کے مناقب لکھے ہیں، ایک زمانہ تک مدرسہ سلطانیہ میں درس علوم دیا اور ہفتہ میں ایک بار جامع مسجد دارالسلطنت ہرات میں وعظ فرماتے تھے، آپ کی تصانیف میں سے روضۃ الاحباب فی سیرۃ النبی وآلال والاصحاب نہایت عمدہ معتبر اور مشہور لائٹانی کتاب ہے جس کے بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث

دہلوی نے ”عجالتہ نافعہ“ میں تحریر فرمایا کہ اگر کوئی صحیح نسخہ روضۃ الاحباب میر جمال الدین محدث حسینی کا دستیاب ہو جائے تو تمام تصانیف سے بہتر ہے جو سیر میں تصنیف ہوئی ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (حدائق حنفیہ)

۲۸۹- شیخ یعقوب بن سید علی حنفی م ۹۳۱ھ

اپنے زمانہ کے فاضل اجل اور فائق اقران تھے، مدت تک بروسا، اورنہ اور قسطنطنیہ میں درس علوم دیا، کتاب شرعۃ الاسلام کی نہایت محققانہ عمدہ شرح ”مقاصح الجنان“ لکھی جس میں فوائد نادرہ لطائف عجیبہ اور مسائل فقہیہ مع دلائل حدیثیہ جمع کئے، گلستان کی شرح بھی عربی میں لکھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (حدائق)

۲۹۰- شیخ پاشا جلسی بکاتی حنفی م ۹۳۹ھ

مولی مؤید زادہ کے موالی میں سے تھے، علم کی طرف توجہ کی اور یہاں تک ترقی کی کہ دارالحدیث مدینہ منورہ میں درس دیا، بڑے فاضل اور حلیم و کریم تھے، ترکی میں اشعار لکھتے تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (شذرات الذہب ص ۲۳۲ ج ۸)

۲۹۱- المولی الشہیر بامیر حسن احمد حنفی م ۹۳۶ھ

فاضل محدث تھے، آپ بھی موالی روم میں سے تھے، علم کی طرف متوجہ ہوئے، خاص امتیاز حاصل کیا، تدریسی لائن میں ترقی کر کے دارالحدیث اورنہ میں مدرس ہوئے اور ہمیشہ علم سے شغل رکھا، متعدد تصانیف بھی کیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (شذرات الذہب ص ۲۳۲ ج ۸)

۲۹۲- مولی محمد شاہ بن المولی الحاج حسن الرومی حنفی م ۹۳۹ھ

فاضل محدث، نظم و نثر عربی کے ماہر تھے، قسطنطنیہ کے متعدد بڑے مدارس میں درس علوم دیا، ثلاثیات بخاری و قدوری کی شرح لکھیں، تمام اوقات علم میں مشغول رہ کر گزارے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (شذرات ص ۲۳۲ ج ۸)

۲۹۳- شیخ شمس الدین احمد بن سلیمان رومی (ابن کمال پاشا) حنفی م ۹۴۰ھ

محدث کبیر، علامہ زماں، محقق شہیر صاحب تفسیر و تصانیف کثیرہ، موالی روم سے تھے، آپ کے دادا امراء دولت عثمانیہ میں سے تھے، لیکن آپ نے علمی مشاغل سے دلچسپی لی جس کی وجہ خود بیان کی کہ ”ایک دفعہ سلطان بایزید خان کے دربار میں تھے، وزیر دربار ابراہیم پاشا موجود تھے اور ایک امیر کبیر احمد بک دربار میں آئے ہوئے تھے، جن سے بڑا اس وقت کوئی امیر با حیثیت نہ تھا، اسی اثناء میں ایک عالم معمولی وضع لباس میں آئے اور امیر مذکور سے بھی اوپر کی مسند پر بیٹھے، مجھے حیرت ہوئی کہ ایسے معمولی آدمی کو اتنی عزت کیسے ملی، اپنے ایک رفیق سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہا کہ ایک عالم مدرس ہیں مولی لطفی، میں نے کہ ان کا روزینہ کیا ہے، کہا ۳۰ درم (جس طرح آج کل ماہوار تنخواہ ہوتی ہے، اس زمانہ میں روزانہ وظیفہ یا روزینہ ملتا تھا) میں نے کہا کہ اس قدر معمولی مرتبہ کا آدمی ایسے بڑے امر کبیر نواب و رئیس سے اونچے مقام میں کیسے پہنچا؟ کہا کہ علماء دین کی عزت اسی طرح ہے اور اگر یہ خود کہیں دوسری کم درجہ کی مسند پر بیٹھ جاتے تو یہ نواب صاحب اور وزیر دربار بھی اس بات کو ناپسند کرتے، ابن کمال پاشا کا ہی بیان ہے کہ اس واقعے کے بعد میں نے سوچا کہ ان نواب صاحب کے عالی مرتبہ پر تو میں کسی طرح بھی نہیں پہنچ سکتا، اس لئے علم ہی کی طرف توجہ کرنی چاہئے، میں ان ہی مولی لطفی کی خدمت میں گیا اور تحصیل علم میں لگ گیا۔“

تعمیل کے بعد متعدد مدارس میں درس علوم دیا، حتیٰ کے سب سے بڑے جامعہ سلطان بایزید خان اورنہ میں بھی مدرس ہوئے، پھر

وہاں کے قاضی ہو گئے، پھر اور نہ کے دارالحدیث کے شیخ بنے اور بطور پینشن ایک سو درم عثمانی روزانہ ملنے لگے، پھر قسطنطنیہ کے آخر وقت تک مفتی رہے، شقائق میں ہے کہ بڑے جید عالم تھے، سارے اوقات علمی مشغلہ میں صرف کرتے، دن رات مطالعہ کرتے اور حاصل مطالعہ کو قلمبند کرتے تھے، ان کا قلم کسی بھی وقت لکھنے سے نہیں تھکتا تھا، بہترین تصانیف مباحث مہمہ اور علوم غامضہ پر چھوڑ گئے ہیں، تین سو کے قریب کتابیں لکھیں، ایک تفسیر نہایت اعلیٰ لکھی جس سے صاحب تفسیر مشہور ہوئے، صحیح بخاری پر تعلیقات لکھیں، تفسیر کشاف و بیضاوی پر حواشی تحریر فرمائے، سورۃ ملک کی تفسیر فارسی میں بھی لکھی، خواجہ زادہ کی تہافت الفلاسفہ پر بھی حواشی لکھے، اسی طرح معانی، بیان، فرائض، علم کلام، تاریخ وغیرہ میں بہت سی مفید کتابیں تصنیف کیں، بلکہ طبقات تمیمی میں ہے کہ ہر فن میں ضرور کچھ لکھا ہے، تمام علماء و اکابر نے آپ کے علم و فضل و تفوق تسلیم کیا ہے اور علامہ کفوی نے آپ کو اصحاب ترجیح میں شمار کیا ہے، آپ فصاحت و بلاغت میں بھی بے نظیر تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (شذرات الذہب ص ۲۳۸ ج ۸ و حدائق حنفیہ)

۲۹۴- شیخ اسماعیل شروانی حنفی م ۹۴۲ھ

امام عصر، علامہ، محقق مدقق، صالح زاہد، عارف باللہ تھے، علوم کی تحصیل و تکمیل اکابر علماء عصر شیخ جلال الدین دوانی وغیرہ سے کی شقائق میں ہے کہ بڑے باوقار، بارعب، عزت نشین بزرگ تھے، علوم ظاہرہ میں بھی آپ کو فضل عظیم حاصل تھا، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ لکھا اور مکہ معظمہ کی سکونت اختیار کر لی تھی وہیں آپ تفسیر بیضاوی اور بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (شذرات الذہب ص ۲۴۷ ج ۸)

۲۹۵- شیخ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی بن یوسف الشامی دمشقی صالحی شافعی م ۹۴۲ھ

بڑے محدث جلیل تھے، آپ کی اسیرۃ نبویہ بہت مشہور ہے، جس کو ہزار کتابوں کی مدد سے لکھا ہے، ہمیشہ تجرد میں بسر کی، مہمانوں کے لئے خود کھانا پکاتے تھے، علامہ شعرانی نے ذیل طبقات میں آپ کا مفصل تذکرہ لکھا، آپ کی دوسری تصانیف قیمہ یہ ہیں: (۲) عقود الجمان فی مناقب النعمان یہ امام اعظم کے مناقب میں نہایت جامع و مفصل کتاب ہے، علامہ شبلی کی سیرۃ النعمان کا عام مأخذ بھی یہی ہے، اس میں آپ نے حدیث لو کان العلم بالشر یا لتنا ولہ ناس من ابناء فارس کا مصداق خاص امام ابو حنیفہ کو قرار دیا ہے جس طرح علامہ سیوطی نے بھی کیا ہے (۳) رواہ ابن ابی شیبہ میں مستقل تالیف شروع کی تھی جو سیرۃ شامیہ مذکورہ کے غیر معمولی اشہاک کی وجہ سے نامکمل رہ گئی، اس میں آپ نے محدث ابن ابی شیبہ کے ان اعتراضات کے جواب لکھے تھے جو انہوں نے امام صاحب پر وارد کئے تھے (۴) الفوائد المجموعہ فی بیان الاحادیث الموضوعۃ (۵) الجامع الوجیز للفتاویٰ القرآن العزیز (۶) مرشد السالک الی الفیئۃ ابن مالک (۷) کشف اللبس فی رد الشتمس (۸) عین الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (الرسالۃ المسطر فہ و شذرات الذہب ص ۲۵۰ ج ۸)

۲۹۶- شیخ محی الدین محمد بن بہاؤ الدین بن لطف اللہ الصوفی حنفی م ۹۵۲ھ

امام، علامہ، محقق، محدث صوفی تھے، مولیٰ مصلح الدین قسطلانی وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی، بڑے عالم علوم شرعیہ، ماہر علوم عقلیہ، عارف تفسیر و حدیث، زاہد، ورع اور جامع شریعت و حقیقت تھے، تصانیف یہ ہیں: شرح اسماء حسنی، تفسیر قرآن مجید، شرح فقہ اکبر (جس میں آپ نے مسائل کلام و تصوف کو جمع کیا) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (شذرات الذہب ص ۲۹۳ ج ۸)

۲۹۷- شیخ شہاب الدین احمد بن محمد بن ابراہیم بن محمد انطاکی حلبی حنفی م ۹۵۳ھ

امام، علامہ، محدث، حلب جامع الفردی میں درس حدیث و دیگر علوم عربی ترکی زبان میں دیتے تھے، منک لطیف تالیف کی، شیخ شہاب

الدین قسطلانی وغیرہ کے تلامذہ حدیث میں ہیں، زہد و صلاح میں بے نظیر تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (شذرات الذهب)

۲۹۸- مسند الشام حافظ شمس الدین محمد بن علی معروف بہ ابن طولون دمشقی صالحی حنفی م ۹۵۳ھ

بڑے محدث، فقیہ، نحوی و مورخ تھے، شذرات میں امام، علامہ، مسند مورخ لکھا، مدرسہ شیخ الاسلام ابی عمر میں درس علوم دیتے رہے، خاص طور سے حدیث و نحو کی تحصیل کے لئے دور دور سے طلبہ آپ کے پاس آتے تھے، آپ کے تمام اوقات درس و افادہ اور تالیف کتب میں مشغول تھے، بڑے بڑوں نے آپ سے استفادہ کیا، جیسے الشہاب الطیبی شیخ الوعاظ والمحدثین علاء بن عماد الدین، نجم بہنسی خطیب دمشق، شیخ اسماعیل نابلسی مفتی الشافعیہ، زین بن سلطان مفتی الحنفیہ، شہاب عیثی دی مفتی شافعیہ، شہاب بن ابی الوفاء مفتی حنابلہ، قاضی اکمل بن مفلح وغیرہم۔

تقریباً پانچ سو کتب و رسائل تالیف کئے چند مشہور یہ ہیں: اعلام الساکلین عن کتب سید المرسلین (طبع ہو چکی ہے) الفہرست الاوسط اللالی المتناثرہ فی الاحادیث المتواترہ وغیرہ، افسوس ہے کہ ایسے اکابر محدثین احناف کا ذکر بھی بستان الحمد ثین یا فوائد بہیہ اور حدائق حنفیہ وغیرہ میں نہیں ہے، آپ کے اشعار میں بھی تصوف کی چاشنی موجود ہے مثلاً

ارحم محبک یا رشاء، ترحم من اللہ العلی
فحلبت دمعی من جفاک مسلسل بالاول اور
میلوا عن الدنیا والذاتہا فانہا لیست بمجودہ
واتبعو الحق کما ینبغی فانہا الانفاس معدودہ
فاطیب الماء کول من نحلۃ وافخر الملبوس من دودہ

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ نصب الراية، شذرات الذهب ص ۲۹۸ ج ۸)

۲۹۹- شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی حنفی م ۹۵۶ھ

امام، علامہ، محدث، مفسر تھے، فقہ و اصول اور علم قرأت میں بھی ید طولی رکھتے تھے، اپنے زمانے کے اکابر علماء محدثین سے تحصیل کی، شرح منیۃ المصلی و ملتقى الابحار تالیف کی، ساری عمر درس علم، تصنیف و عبادت میں مشغول رہے، مشکلات فتاویٰ میں مرجع العلماء تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (شذرات ص ۳۰۸ ج ۸)

۳۰۰- شیخ یحییٰ بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بخندی مدنی حنفی م ۹۶۳ھ

بڑے عالم فاضل، محدث عالی الاسناد تھے، مدینہ طیبہ میں قاضی الحنفیہ رہے، قاہرہ گئے تو وہاں کے تمام اہل علم نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی، ابن جنبل نے کہا کہ میں نے حج سے لوٹ کر آپ کی زیارت مدینہ طیبہ میں کی اور آپ سے برکت حاصل کی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (شذرات ص ۳۲۰ ج ۸)

۳۰۱- شہاب الدین ابوالعباس احمد بن علی المزجاجی حنفی م ۹۶۴ھ

امام عصر، علامہ محدث و فقیہ جید تھے، ایک جماعت محدثین کبار سے تحصیل حدیث کی اور آپ سے بھی اکابر علماء و محدثین مثل علامہ مجتہد حافظ ابوالحسن شمس الدین علی، شریف خاتم بن احمد ابدال وغیرہ اور غیر محصور لوگوں نے استفادہ کیا، تمام علمائے وقت آپ کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتے تھے، علوم باطنی سے بھی مزین تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (شذرات ص ۳۲۱ ج ۸)

۳۰۲- شیخ عبدالاول بن علاء الحسینی جو نیپوری حنفی م ۹۶۸ھ

مشہور محدث، فقیہ، جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے، علم باطن میں حضرت سید محمد گیسو دراز کے سلسلہ میں تھے، اکثر علوم میں تصانیف کیں، حدیث میں فیض الباری شرح صحیح البخاری نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھی، رسالہ فرائض سراجی کو نظم کر کے اس کی شرح بھی کی، فارسی زبان میں ایک نہایت اہم رسالہ نفس و متعلقات نفس کی تحقیق میں لکھا، سیر میں ایک کتاب فیروز آبادی کی سفر السعادت سے منتخب کر کے تحریر کی، بہت سی کتب پر حواشی و شروح لکھیں، مثلاً فتوحات مکیہ، مطول وغیرہ پر رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر، جدائق حنفیہ)

۳۰۳- شیخ زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن محمد المعروف بابن حکیم حنفی م ۹۷۰ھ

امام علامہ، بحر فہامہ، وحید دہر، قرید عصر، عمدۃ العلماء، قدوة الفضلاء، ختام المحققین و المفتیین تھے، آپ نے حافظ قاسم بن قطلوبغا حنفی وغیرہ سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی، بہت سی کتب و رسائل لکھے، مشہور یہ ہیں: الاشباہ والنظائر، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، شرح المنار، لب الاصول مختصر تحریر الاصول لابن ہمام، الفوائد الزینیہ فی فقہ الحنفیہ، حاشیہ ہدایہ، حاشیہ جامع الفصولین وغیرہ، آپ کی سب کتابیں بہترین نوادر علمی تحقیقات و تدقیقات کی حامل ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (شذرات الذہب ص ۳۵۸ ج ۸)

۳۰۴- شیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی شعرانی شافعی م ۹۷۳ھ

شیخ عبدالرؤف منادی نے طبقات میں آپ کے بارے میں لکھا کہ وہ ہمارے شیخ، امام، عامل، عابد، زاہد، فقیہ، محدث، اصولی، صوفی، محمد بن حنفیہ کی ذریت سے تھے، ابتداء عمر ہی میں حفظ قرآن مجید کے بعد بہت سی کتب فنون مختلفہ حفظ کر لی تھیں اور مصر میں رہ کر تکمیل کی، حدیث کی بہت سی کتابیں مشائخ وقت سے پڑھیں، فن حدیث سے بہت ہی شغف تھا، لیکن باوجود اس کے آپ کے اندر محدثین کا جمود نہیں تھا، بلکہ فقیہ النظر تھے، اقوال سلف اور مذاہب خلف پر پوری نظر تھی، فلاسفہ کی تنقیص و تحقیر کو روکتے تھے اور ان کی مذمت کرنے والوں سے نفرت کرتے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ عقلاء ہیں، تصوف کی طرف متوجہ ہوئے، تو اس سے بھی حظ وافر حاصل کیا، بڑی ریاضتیں کیں، برسوں تک شب و روز جاگے ہیں، کئی کئی روز تک فاقہ کرتے اور ہمیشہ روزہ رکھتے، عشاء کے بعد سے مجلس ذکر شروع کر کے فجر تک مسلسل رکھتے تھے، سیدی علی الخواص، مرصفی، شنادی وغیرہ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے، آپ کی تصانیف جلیلہ میں سے چند یہ ہیں۔

میزان، مختصر الفتوحات و سنن بیہقی، مختصر تذکرۃ القرطبی، البحر المورود فی الميثاق والعهود، البدرا المنیر فی غریب احادیث البشیر النذیر (تقریباً ۳۳ سو احادیث حروف معجم کی ترتیب پر جمع کیں) کشف الغمۃ عن جمیع الامم، مشارق الانوار القدسیہ فی العہود الحمدیہ، الیواقیت و الجواہر فی عقائد الاکابر، لوائح الانوار، الکبریٰ الاحمرنی علوم الکشف الاکبر وغیرہ۔

آپ نے علم تصوف و حقائق میں سیدی علی الخواص اپنے شیخ و مرشد سے پورا استفادہ کیا ہے جو امی تھے، مگر علم حقائق وغیرہ کے بحر عارف تھے ان کے حالات، کشف و کرامات عجیب و غریب تھے، لوگوں پر کوئی بلا آتی تھی تو اس کے زائل ہونے تک نہ بات کرتے تھے، نہ کھاتے پیتے نہ سوتے تھے، آپ کا قول تھا کہ جو فقیر زمین کے حصوں کی سعادت و شقاوت کو نہیں جانتا وہ بہائم کے درجہ میں ہے، نیز فرمایا کرتے تھے کہ کسی فقیر پر بھی نکیر کرنے والے کی بات پر دھیان نہ دینا ورنہ تم خدا کی نظر کرم سے محروم ہو جاؤ گے اور اس کی ناخوشی کے مستحق ہو جاؤ گے، علامہ شعرانی اور سیدی علی الخواص دونوں نے امام اعظم کی بڑی مدح کی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ

واسعۃ۔ (شذرات الذہب ص ۳۷۲ و ۲۳۳ ج ۸)

۳۰۵- شیخ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن حجر بیہمی شافعی م ۹۷۳ھ

امام، علامہ، بحرِ آخر، ولادت ۹۰۹ھ میں ہوئی، اکابر علماء مصر سے تحصیل علوم کی، ۲۰ سال سے کم عمر میں تمام علوم و فنون کے جامع و قبحر ہوئے ۹۳۳ھ میں مکہ معظمہ حاضر ہوئے، حج کے بعد مقیم رہے، پھر لوٹ کر اپنے اہل و عیال کے ساتھ آخر ۹۳۷ھ میں مکہ معظمہ آگئے اور حج کر کے وہیں کی سکونت اختیار فرمائی، درس افتاء اور تالیف میں مشغول ہوئے۔

آپ سے غیر محصور علماء نے استفادہ علوم کیا اور سب آپ کے انتساب تلمذ پر فخر کرتے تھے، ہمارے شیخ المشائخ برہان ابن الاحدب نے بھی آپ کی شاگردی کی ہے، خلاصہ یہ کہ آپ شیخ الاسلام، خاتمۃ العلماء الاعلام، بحر بیکراں، امام الحرمین، واحد العصر، ثانی القطر، ثالث الشمس والبدرتھے، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

شرح المشکوٰۃ، شرح المنہاج، الصواعق المحرقة، کف الرعاع محرمات المہو و السماع، الزواجر عن اقتراف الکبائر، نصیحة المملوک المنہج القویم فی مسائل التعلیم، الاحکام فی قواطع الاسلام، شرح مختصر الروض، الخیرات الحسان فی مناقب النعمان وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (شذرات ص ۷۰-۷۱)

۳۰۶- شیخ مکہ علی بن حسام الدین بن عبدالمالک بن قاضی خان متقی برہانپوری حنفی م ۹۷۵ھ

شیخ وقت، امام علی مقام، محدث کبیر تھے، بسند و حریمین کے اکابر سے تحصیل حدیث و دیگر علوم کی، پھر علم باطنی سے بھی حظ عظیم حاصل کیا، حتیٰ کہ شیخ ابن حجر کی مفتی حرم محترم نے (جو علوم ظاہری میں آپ کے استاد بھی تھے) آپ کی خدمت میں رسم ارادت بجا لاکر آپ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

علامہ شعرانی نے طبقات کبریٰ میں لکھا کہ میں نے مکہ معظمہ کے زمانہ قیام ۹۲۷ھ میں آپ سے ملاقاتیں کی ہیں، بڑے عالم، متورع، زاہد تھے اور اس قدر نحیف البدن کے فاقوں کی کثرت سے صرف چند چھٹا تک گوشت آپ کے بدن پر باقی رہ گیا تھا، اکثر خاموش رہتے، حرم میں صرف نماز کے لئے آتے اور فوراً واپس ہو جاتے میں ان کی جائے قیام پر گیا تو وہاں صوفیہ و فقراء صادقین کا ایک گروہ ان کے پاس جمع دیکھا، ہر فقیر الگ خلوت خانہ میں متوجہ الی اللہ تھا، کوئی مراقب، کوئی ذاکر اور کوئی علمی مطالعہ میں مشغول، میں نے مکہ معظمہ میں اس جیسی عجیب چیز اور کوئی نہ دیکھی۔

مکہ معظمہ ہی کی سکونت و مجاورت مستقل طور سے اختیار فرمائی تھی، جب تک ہندوستان رہے، یہاں بہت معظم و محترم رہے، حتیٰ کہ سلطان محمود فرط عقیدت سے وضو کے وقت آپ کے ہاتھوں اور پاؤں پر پانی ڈالتا تھا، پھر مکہ معظمہ کے قیام میں وہاں کے عوام و خاص، امراء و سلاطین بھی ایسی ہی عزت کرتے تھے۔

آپ نے کم و بیش ایک سو کتابیں تصنیف کیں جن میں سب سے بڑی شہرت ”کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال“ کو حاصل ہوئی، علامہ سیوطی نے جامع صغیر، اس کے ذیل زیادة الجامع اور جامع کبیر (جمع الجوامع) تینوں جوامع میں اپنے نزدیک تمام احادیث قولی و فعلی کو جمع کیا تھا، جو ترتیب حروف و مسانید پر تھیں، شیخ علی متقی نے ان سب کو ابواب فقیہ پر جمع کیا اور اس طرح علامہ سیوطی کی محنت کو زیادہ سے زیادہ کارآمد اور مفید اہل علم بنا دیا، اسی لئے شیخ ابوالحسن بکری نے لکھا کہ علامہ سیوطی نے ساری دنیا پر احسان کیا تھا اور سیوطی پر علی متقی کا احسان ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ شیخ علی متقی کا احسان سیوطی سے بھی زیادہ ساری دنیا سے علم پر ہے، کنز العمال بڑی تقطیع پر عرصہ ہوا، حیدرآباد سے چھپی تھی اور اب تقطیع صغیر پر زیر طبع ہے۔

آپ نے سید محمد بن یوسف جوہنوری کے دعویٰ مہدویت کے ابطال میں بھی کتاب لکھی، شیخ محدث دہلوی نے زاد المتقین میں آپ کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے ”شیخ مکہ“ آپ کی تاریخ ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (نزہۃ الخواطر وحدائق حنفیہ)

۳۰۷- شیخ محمد سعید بن مولانا خواجہ خراسانی حنفی م ۹۸۱ھ

محدث کبیر، میرکلاں کے نام سے مشہور تھے، علوم کی تحصیل و تکمیل کبار علماء و محدثین سے کی، مکہ معظمہ میں ایک مدت تک قیام کیا اور ملا

علی قاری حنفی صاحب مرقاة شرح مشکوٰۃ سے بھی استفادہ کیا، عالم کبیر اور محدث متفق تھے، تمام عمر درس و افادہ حدیث و دیگر علوم میں بسر کی۔
رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر ص ۳۳۱ ج ۴)

۳۰۸- شیخ محی الدین محمد آفندی بن پیر علی برکلی رومی حنفی م ۹۸۱ھ

عالم، فاضل محدث و فقیہ، جامع معقول و منقول تھے، کبار علماء زمانہ سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی اور آپ سے بھی کثیر تعداد علماء و فضلاء نے استفادہ کیا، آپ کی تصانیف میں سے ”الطریقۃ الحمیدیہ“ نہایت مشہور و مقبول ہے اس کے علاوہ مختصر کافیہ، شرح بیضاوی، حواشی شرح وقایہ اور کتاب الفرائض آپ کی علمی بلند پایہ یادگار ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (حدائق حنفیہ)

۳۰۹- خطیب المفسرین شیخ محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی اسکلیبی معروف بہ ابی السعد حنفی

ولادت ۸۹۶ھ متوفی ۹۸۲ھ ملک روم کے قصبہ اسکلیب کے رہنے والے بہت بڑے امام، علامہ، مفسر، فقیہ و محدث تھے، آپ کی تحقیقات عالیہ اور جوابات شافیہ تمام علوم میں نہایت مشہور و معروف ہوئے، آپ نے رشمال قلم نے علوم و حقائق کے دریا بہائے آپ کے فضائل و مناقب شرق و غرب میں شائع و ذائع ہوئے اور آپ کے درس علوم کی چار دانگ عالم میں شہرت ہوئی، درس و افتاء و قضاء کی غیر معمولی مصروفیت کے باعث آپ تصنیف کی طرف بہت کم توجہ کر سکے، تاہم آپ نے ایک تفسیر ”ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب القدیم“ لکھی جو ہزار تصانیف پر بھاری ہے اس میں بہترین گراں قدر لطائف، نکات، فوائد و اشارات جمع کئے ہیں، فصاحت و بلاغت اور اونچے معیار کی عربیت کے اعتبار سے تفسیر کشاف و بیضاوی سے فائق ہے، مفسرین احناف میں سے علامہ آلوسی بغدادی حنفی کی مشہور تفسیر روح المعانی کے بعد آپ کی تفسیر بیان و وضاحت مقاصد نظم و عبارت کلام مجید و شرح لطائف و مزایا معانی فرقان حمید میں لاثانی ہے، جس طرح امام رازی بھصا حنفی کی تفسیر احکام القرآن دلائل و احکام کی پختگی و استحکام و کثرت فوائد حدیثیہ میں بے نظیر ہے۔

ان کے مقابلہ کی کثرت فوائد حدیثیہ کے لحاظ سے مفسرین شافعیہ میں سے علامہ ابن کثیر شافعی کی تفسیر اور دلائل عقلیہ و شرعیہ سے صل مشکلات قرآن کے اعتبار سے امام فخر الدین رازی شافعی کی تفسیر کبیر ہے، علامہ ابن کثیر آیات احکام کے تحت بکثرت تولاتے ہیں، مگر علامہ رازی بھصا کی طرح حدیثی و فقہی اباحت سے تعرض نہیں کرتے جن کی شدید ضرورت تھی۔

ایک حنفی عالم کے لئے ان پانچوں تفاسیر کا مطالعہ نہایت ضروری ہے تاکہ مطالب و معانی تنزیل پر حاوی ہو سکے، اسی کے ساتھ دور حاضر کی تفاسیر میں سے تفسیر الجواہر طنطاوی اور تفسیر المنار علامہ رشید رضا مرحوم کا مطالعہ بھی ضروری ہے، مگر اکثر جگہ نقد حدیث میں علامہ طنطاوی کا قلم بہک گیا ہے جس طرح علامہ رشید رضا مرحوم اپنے خصوصی نظریات کے تحت تفسیری مباحث میں جمہور سلف کے نقاط اعتدال سے ہٹ گئے ہیں، غرض اس بات کو ہرگز نظر انداز نہ کیجئے کہ جہاں بڑے بڑوں کے علوم سے ہزار علمی فوائد آپ کو حاصل ہوں گے وہاں ان کے تفردات یا خصوصی نظریات سے بھی آگاہ رہیے تاکہ آپ سلف کے جادہ اعتدال اور کتاب و سنت کی راہ مستقیم سے دور نہ ہوں۔

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اردو کا دامن بہترین معتمد علمی فوائد و حواشی تفسیریہ سے مالا مال ہو چکا ہے، خصوصاً حضرت شیخ المشائخ مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے تفسیری فوائد تمام معتمد تفاسیر کا بہترین انتخاب ہیں گویا بحور تفاسیر کو ایک کوزہ میں کفہ دست کر دیا ہے، حضرت علامہ عثمانی نے ان فوائد کے تحریر کے وقت مشکلات میں حضرت امام العصر علامہ کشمیریؒ سے بھی پورا استفادہ کیا ہے، حضرت علامہ مرحوم ایک مفصل تفسیر بھی لکھنا چاہتے تھے مگر افسوس ہے کہ دوسری علمی و سیاسی مصروفیات کی وجہ سے نہ لکھ سکے، رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اس استطراد فی فائدہ کے بعد پھر علامہ ابوالسعود کی خدمت میں آجائے! آپ سلطنت عثمانیہ کے قاضی القضاة بھی رہے ۹۴۳ھ میں

روم اہلی میں عسا کر منصور کی قضا بھی آپ کو تفویض ہوئی اور سلطان وقت کو امر و نہی کے خطاب کرنے کا بھی حق آپ کو حاصل ہوا، پھر ۹۵۱ھ سے قسطنطنیہ میں افتاء کا منصب حاصل ہوا، جس پر تیس سال تک قائم رہے، علامہ ابن حنبل نے شذرات الذہب میں آپ کے علم و فضل کی بہت زیادہ مدح کی ہے۔

آپ بلند پایہ شاعر بھی تھے، کسی شیعہ شاعر نے اہل سنت پر طعن کیا تھا

نحن اناس قد غداد ابناء، حب علی بن ابی طالب یعیبنا الناس علی حبه، فلعنة الله علی القائب

تو اس کے جواب میں آپ نے یہ دو شعر کہے

ما عیبکم هذا ولكنه، بغض الذی لقب بالصاحب وقولکم فیہ وفی بنتہ، فلعنة الله علی الکاذب

شیعی نے کہا تھا کہ ہم کو اہل سنت حب علیؑ کی وجہ سے عیب لگاتے ہیں، لہذا عیب لگانے والوں پر لعنت۔

آپ نے فرمایا کہ تمہیں حب علیؑ کا عیب کس نے لگایا، حب علیؑ میں تو ہم بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں، البتہ تمہارا عیب تو صاحب رسول ﷺ سے بغض ہے اور ان کے نیران کی صاحبزادی کے بارے میں جھوٹی باتوں کا افتراء ہے، لہذا جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (شذرات الذہب، حدائق حنفیہ)

۳۱۰۔ مولانا کلاں اولاد خواجہ کوہی حنفیؒ م ۹۸۳ھ

محدث اجل، فقیہ فاضل، بحر خز علوم و فنون تھے، حدیث اور علم درسیہ کی تحصیل زبدۃ المحققین میرک شاہ (تلمیذ محدث سید جمال الدین صاحب روضۃ الاحباب) سے کی، حج کو گئے حرمین شریفین کے مشائخ سے بھی استفادہ علوم ظاہری و باطنی کیا، ہندوستان واپس ہو کر سلطان جہانگیر کے استاد ہوئے اور بکثرت علماء نے آپ سے حدیث پڑھی، محدث شہیر ملا علی قاری حنفی نے بھی آپ سے مشکوٰۃ شریف پڑھی ہے، کما صرح بہ فی المرقاة۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۳۱۱۔ شیخ عبداللہ بن سعد اللہ المتقیؒ سندھی مہاجر مدنی حنفیؒ م ۹۸۴ھ

اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم حدیث و تفسیر تھے، سندھ، گجرات اور حرمین شریفین کے علماء کبار سے استفادہ کیا، پھر ان سب مقامات میں درس علوم و افادہ کیا، جمع الناسک، نفع الناسک اور حاشیہ عوارف المعارف آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۲۰۵)

۳۱۲۔ ملک المحدثین الشیخ الجلیل محمد بن طاہر بن علی گجراتی پٹنی حنفیؒ متونی ۹۸۶ھ، ۹۸۷ھ، ولادت ۹۱۳ھ

بڑے محدث، لغوی اور جامع العلوم، بحر فنون تھے، علامہ حضرمی نے النور السافر میں لکھا کہ صلاح و تقویٰ کے پیکر، علوم و فنون کے ماہر و حاذق علماء گجرات میں سب سے بڑے عالم حدیث تھے، ورثہ میں بڑی دولت ملی تھی جو سب طلبہ و علماء پر صرف کی، اغنیاء کو طلب علم کی رغبت دلاتے اور فقراء کی مع ان کے اہل و عیال کے مالی سرپرستی کرتے تھے تاکہ بے فکری سے طلب علم کر سکیں، اپنے زمانہ کے فتنہ مہدویت کے خلاف اپنے شیخ علی متقی کی طرح بڑے عزم و حوصلہ سے کام کیا، عہد کیا تھا کہ جب تک اس بدعت کا استیصال صوبہ گجرات وغیرہ سے نہ ہوگا، سر پر عمامہ نہیں رکھیں گے۔

۹۸۰ھ میں شہنشاہ اکبر تیموری نے گجرات کو فتح کیا تو آپ سے قصہ پٹن جا کر ملاقات کی اور اپنے ہاتھ سے آپ کے سر پر پگڑی باندھ کر کہا کہ آپ کے ترک دستار کا سبب میں نے سن لیا ہے اور آپ کے ارادہ کے موافق نصرت دین مجھ پر فرض ہے، گجرات کی حکومت خان اعظم مرزا عزیز الدین کو سپرد کی جس کی اعانت سے شیخ موصوف نے مہدویت اور اکثر رسوم بدعت کو ختم کیا مگر کچھ عرصہ کے بعد جب

صوبہ گجرات خان خانان عبدالرحیم شیعہ کے تحت آ گیا تو پھر اس کی حمایت سے فرقہ مہدیہ نے زور پکڑا۔

شیخ نے اس صورتحال سے متاثر ہو کر پھر دستار اتاردی اور ۹۸۶ھ میں آگرہ کا عزم کیا کہ سلطان اکبر سے مل کر سب حال کہیں، شیخ وجیہ الدین علوی وغیرہ نے آپ کو سفر سے روکا کہ سفر دور دراز پر خطر ہے، مگر آپ نہ مانے، آپ کے پیچھے فرقہ مہدیہ کے لوگ بھی چھپ کر نکلے اور اجین کے قریب پہنچ کر آپ پر یورش کر کے شہید کر دیا، وہاں سے آپ کی نعش کو پٹن لاکر فتن کیا گیا، اخبار الاخبار میں بھی آپ کے حالات بہ تفصیل لکھے ہیں، آپ کی تصانیف جلیلہ نافعہ میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں:

مجمع بحار الانوار فی غرائب المتزیل و لطائف الاخبار (۲ مجلد کبیر) اس میں آپ نے غریب الحدیث اور اس کے متعلق تالیف شدہ مواد کو جمع کر دیا ہے جس سے وہ گویا صحاح ستہ کی اس اعتبار سے بہترین شرح ہو گئی ہے، تذکرۃ الموضوعات، قانون الموضوعات فی ذکر الضعفاء والوضاعین المغنی فی اسماء الرجال وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۲۹۹ ج ۴، تقدمه نصب الراية وحدائق)

۳۱۳- الشیخ المحدث عبدالمعطی بن الحسن بن عبداللہ باکشر مکی ہندی م ۹۸۹ھ

۹۰۵ھ میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، وہیں علوم کی تحصیل کی، بڑے محدث ہوئے، پھر ہندوستان میں آ کر احمد آباد میں سکونت کی، شیخ عبدالقادر حضرمی ہندی (م ۱۰۳۸ھ) نے بھی آپ سے حدیث پڑھی ہے اور اپنی کتاب النور السافر میں آپ کا تذکرہ کیا ہے، آپ نے ایک کتاب اسماء رجال بخاری پر لکھی، عربی میں آپ کے اشعار بھی بڑے اونچے درجہ کے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۲۱۴ ج ۴)

۳۱۴- شیخ محمود بن سلیمان کفوی حنفی م ۹۹۰ھ

فاضل تبحر، جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے، اپنے زمانہ کے اکابر محدثین و اہل علم سے تحصیل کی، مدت تک تالیف و تصنیف اور درس و تدریس علوم میں مشغول رہے اور ایک کتاب نہایت عمدہ مشاہیر حنفیہ کے تذکرہ میں ”کتاب اعلام الاخیار من فقہان مذہب النعمان المختار“ لکھی جو طبقات کفوی کے نام سے بھی مشہور ہے، اس میں امام اعظمؒ سے اپنے زمانہ تک کے علماء احناف کے حالات و ولادت، وفات، تلمذ، تالیفات آثار و حکایات جمع کئے، کتاب مذکور کا قلمی نسخہ ریاست ٹونک کے کتب خانہ میں ہے، کاش! کوئی صاحب خیر اس کی اشاعت کا فخر اور اجر و ثواب حاصل کرے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (فوائد بہیہ وحدائق حنفیہ)

۳۱۵- شیخ عبدالنبی بن احمد بن عبدالقدوس گنگوہی حنفی م ۹۹۱ھ

بڑے محدث علامہ تھے، سماع و وحدۃ الوجود اور بہت سی رسوم مشائخ میں اپنے خاندان کے خلاف کیا اور تکالیف اٹھائیں، شہنشاہ اکبر آپ کی بہت تعظیم کرتا تھا اور آپ کے مکان پر حدیث سننے کے لئے حاضر ہوتا تھا اور آپ کے اشاروں پر چلتا تھا، لیکن بعد میں کچھ حاشیہ نشینوں نے اکبر کو آپ سے اور دوسرے اہل صلاح و مشائخ سے بدظن کر دیا تھا، آپ کی تصانیف یہ ہیں: وظائف النبی، فی الادعیۃ الماثورہ، سنن الہدیٰ فی متابعتہ المصطفیٰ، ایک رسالہ اپنے والد کے رد میں بابۃ حرمتہ سماع اور فقال مروزی نے امام اعظمؒ پر طعن کیا تھا، اس کے رد میں بھی ایک رسالہ لکھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۲۱۹ ج ۴)

۳۱۶- شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ بن ابراہیم العمری سندھی مہاجر مدنی حنفی م ۹۹۴ھ

مشہور محدث و فقیہ تھے، پہلے سندھ کے علماء سے علوم کی تحصیل کی پھر گجرات اور حرمین شریفین کے محدثین علماء سے استفادہ کیا، گجرات میں بھی برسوں اقامت کی اور درس علوم دیا، آپ سے غیر محصور علماء نے علم حاصل کیا، مناسک حج میں متعدد گرانقدر کتابیں تصنیف کیں، مثلاً کتاب

المناسک (جس کی شرح ملا علی قاری نے المسلک المقتط فی المنسک المتوسط لکھی) منک صغیر (اس کی شرح ملا علی قاری نے ہدایۃ السالک فی نہایۃ السالک لکھی) تلخیص تزییۃ الشریعۃ عن الاحادیث الموضوعہ (جو بہترین خلاصہ ہے) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۱۱۲ ج ۴)

۳۱۷- قاضی عبداللہ بن ابراہیم العمری السندی حنفی م ۹۹۶ھ

بڑے محدث، شیخ وقت اور فقیہ تھے، اکابر علماء عصر سے علوم کی تحصیل کی، مدت تک درس علوم دیا، گجرات جا کر شیخ علی بن حسام الدین متقی برہانپوری کی خدمت میں رہے، شیخ متقی کا وہاں بڑا شہرہ اور قبول تھا، سلطان وقت بہادر شاہ گجراتی ان کا نہایت معتقد تھا اور دل و جان سے ان کی زیارت کا مشتاق تھا، مگر شیخ متقی اس کو اپنی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت نہ دیتے تھے، قاضی صاحب موصوف نے شیخ کی خدمت میں سفارش کی تو فرمایا کہ یہ کیونکر ہوگا کہ میں اس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروں، بہادر شاہ نے کہا کہ حاضری کی اجازت دیں اور جو چاہیں حکم فرمائیں، اس پر شیخ نے اجازت دی، بادشاہ حاضر ہوا اور دست بوسی کی، پھر ایک لاکھ تنکے (سکہ راج الوقت) شیخ کی خدمت میں بھیجے جو شیخ نے قاضی صاحب موصوف کو عطاء کر دیئے، ان سے قاضی صاحب نے حرمین شریفین کا سفر کیا اور آخر عمر تک مدینہ طیبہ میں مقیم رہے۔

آپ علم کی خدمت جتہ اللہ کرتے تھے، درس کے علاوہ تصحیح کتب کا بڑا اہتمام کرتے تھے، ایک نسخہ مشکوٰۃ شریف کا اپنے ہاتھ سے نہایت عمدہ صحت کے ساتھ لکھا تھا اور اس پر نہایت مفید حواشی بھی لکھے تھے، بہت سے علماء نے آپ سے اس کو پڑھا، حواشی میں آپ نے مذہب حنفی کا اثبات قوی دلائل سے کیا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مشکوٰۃ کو حنفی بنا دیا ہے یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ساری عمر میں جس کام سے امید نجات اخروی ہے وہ مشکوٰۃ کی تصحیح ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر وحدائق حنفیہ)

۳۱۸- شیخ جمال الدین محمد بن صدیق زبیدی یمنی حنفی م ۹۹۶ھ

النور السافر میں ہے کہ امام وقت، عالم کبیر، علم کے شوق میں دور دراز کا سفر کرنے والے، محقق، مدقق، زبید کے کبار علماء و اصحاب درس و اجلہ مفتیین میں سے تھے، امام اعظم کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے، اپنے وقت کے بے مثال عالم تھے اور ان اطراف میں اپنے بعد بھی اپنا مثل نہیں چھوڑا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (شذرات الذہب ص ۳۳۸ ج ۸)

۳۱۹- شیخ وجیہ الدین بن نصر اللہ بن عماد الدین علوی گجراتی حنفی م ۹۹۷، ۹۹۸ھ، ولادت ۹۱۱ھ

محدث و فقیہ یکتائے زمانہ تھے، درس و تصنیف میں اقران پر فائق ہوئے، علوم باطنی شیخ وقت سید محمد غوث صاحب گویاری صاحب جو اہر خسہ کی خدمت میں رہ کر حاصل کئے اور ان کی خدمت میں پہنچنے کا بھی عجیب واقعہ ہے کہ علماء نے ان کے رسالہ معراج نامہ کے مضامین پر معترض ہو کر ان کی تکفیر کی اور قتل کے محضر نامہ پر سب نے حتیٰ کے شیخ علی متقی نے بھی دستخط کر کے بادشاہ وقت کے پاس بھیج دیا، بادشاہ نے کہا کہ جب تک شیخ وجیہ الدین کی مہربا دستخط اس محضر نامہ پر نہ ہونگے، قتل کا حکم نہ کیا جائے گا اور اس کو آپ کے پاس بھیج دیا، آپ تحقیق حال کے لئے سید صاحب موصوف کی خدمت میں گئے تو دیکھتے ہی ان کے گرویدہ حال و قال ہو گئے اور محضر نامہ پھاڑ کر پھینک دیا، علماء سے کہا کہ تم نے سید صاحب کا مطلب سمجھنے میں غلطی کی، چونکہ سید صاحب کو عالم واقع میں معراج ہو چکی تھی، اس لئے مغلوب حال ہو کر یہ باتیں لکھ دی تھیں، اس سے مقصود ظاہر شریعت کی مخالفت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

تمام عمر درس علوم اور افادۂ ظاہری و باطنی و تصنیف میں بسر کی، امراء و اغنیاء سے یکسور ہتے تھے، بہت قناعت پسند تھے، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں: شرح نخبہ (اصول حدیث میں) حاشیہ بیضاوی، حاشیہ اصول بزودی، حاشیہ ہدایہ، حاشیہ شرح وقایہ، حاشیہ مطول، حاشیہ شرح

عقائد، حاشیہ شرح مقاصد، حاشیہ شرح مواقف وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۳۸۵ ج ۳ وحدائق حنفیہ)

۳۲۰- شیخ عبداللہ نیازی سرہندی م ۱۰۰۰ھ

شیخ کبیر عالم محدث تھے، اپنے وطن میں علوم کی تحصیل کی، پھر حرمین شریفین جا کر وہاں کے آئمہ عصر سے بھی حدیث حاصل کی، ایک عرصہ تک گجرات و دکن میں اصحاب شیخ محمد بن یوسف جو پوری مدعی مہدویت کے ساتھ رہے اور ان کے طریق ترک و تجرید اور امر بالمعروف و نہی منکر کو پسند کیا، مگر پھر سرہند آ کر گوشہ عزلت اختیار کیا اور محمد جو پوری کی مہدویت کے عقیدہ سے بھی رجوع کر لیا تھا اور تائب ہو گئے تھے، دور حاضر کے ایک عالم کے قلم سے مہدی جو پوری کی تائید میں کافی لکھا گیا اور اس کی صداقت کے ثبوت میں شیخ نیازی جیسے اکابر علماء کا اتباع بھی پیش کیا گیا، حالانکہ یہ حضرات آخر میں اس عقیدہ سے تائب بھی ہو گئے تھے۔

دوسرے یہ کہ اگر کچھ علماء نے اس کا اتباع کر لیا تھا تو بہت سے آئمہ عصر و اکابر محدثین زمانہ شیخ علی متقی وغیرہ نے اس کے بطلان کا بھی تو برملا اظہار کیا تھا ان کو کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے، مہدی جو پوری کے اصول و عقائد مذہب ابورجا محمد شاہ جہان پوری نے ہدیہ مہدویہ میں فرقہ مہدویہ کی کتابوں سے نقل کئے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) مہدی جو پوری مہدی موعود ہیں۔

(۲) وہ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے بھی افضل ہیں۔

(۳) وہ مرتبہ میں سید الانبیاء ﷺ کے برابر ہیں، اگر چہ دین میں ان کے تابع ہیں۔

(۴) قرآن و حدیث میں جو بات مہدی جو پوری کے قول و فعل کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں۔

(۵) اس کے قول کی تاویل حرام ہے خواہ وہ کیسی ہی مخالف عقل ہو۔

(۶) صرف محمد جو پوری اور سیدنا محمد ﷺ کامل مسلمان ہیں، باقی سب انبیاء بھی ناقص الاسلام ہیں، وغیرہ۔

شیخ نیازی کی متعدد تصانیف ہیں، القریۃ الی اللہ والی النبی ﷺ، مرآة الصفاء اور الصراط المستقیم وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(نزہۃ الخواطر ص ۱۱۲ ج ۳ ومہر جہاں تاب)

۳۲۱- شیخ اسماعیل حنفی آفندی

بڑے محدث، مفسر، فقیہ اور عارف کامل تھے، سراج العلماء اور زبدہ الفضلاء کہلائے، آپ نے شیخ عثمان نزہیل قسطنطنیہ کی خواہش پر تفسیر روح البیان ۶ جلد میں تصنیف کی جس میں امام اعظم کے مذہب کی تائید میں دلائل جمع کئے اور آیات قرآنی کی تفسیر سے بھی مذہب حنفی کی تائید کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۳۲۲- شیخ عبدالوہاب متقی بن شیخ ولی اللہ مندوی برہانپوری مہاجر کی حنفی م ۱۰۰۱ھ ولادت ۹۴۳ھ

بڑے محدث علامہ فقیہ فہامہ تھے، صغیر ہی سے علم و تصوف کا شوق ہوا، اس لئے تحصیل علم و سلوک کے لئے گجرات و دکن، سیلون، سرانڈیپ وغیرہ کے سفر کئے اور وہاں کے علماء و فضلاء و مشائخ سے خوب فیض یاب ہو کر بیس سال کی عمر میں مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور بغداد حج شیخ علی متقی کی خدمت میں ۱۲ سال رہے اور حدیث و فقہ و دیگر علوم میں فاضل اجل، علوم تصوف میں عارف کامل و ولی اکمل ہوئے، پھر بعد وفات حضرت شیخ علی متقی کے ان کے خلیفہ و جانشین ہو کر ۲۶ سال تک مکہ معظمہ میں نشر علوم ظاہری و باطنی میں مصروف رہے، ان چالیس سالہ قیام مکہ معظمہ میں کوئی حج آپ سے فوت نہیں ہوا۔

تفسیر و حدیث کے درس سے زیادہ شغف تھا اور ہر شخص کو اس کی زبان میں سمجھاتے تھے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی مکہ معظمہ حاضر ہو کر آپ سے حدیث پڑھی ہے، ان کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا، آپ کے حالات پوری تفصیل سے اپنی کتاب زاد المتقین اور اخبار الاخبار میں لکھے ہیں۔

زاد المتقین میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں کسی نے عرض کیا کہ امام شافعی کا مذہب، ظاہر حدیث کے زیادہ مطابق معلوم ہوتا ہے، آپ نے فرمایا کہ حقیقت میں اس طرح نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ حنفی مذہب کی کتابیں جو ماوراء النہر اور ہندوستان میں رائج ہیں، ان میں اکثر احکام کے ساتھ قیاس اور دلائل عقلیہ کو نقل کیا گیا ہے، لیکن یہاں ایسی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں، جن میں ہر قول حنفی کے ساتھ حدیث صحیح نقل کی گئی ہے بلکہ بعض علماء حنفیہ نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ ہر ایک مطلب پر آیت اور حدیث استدلال میں پیش کی ہے، حتیٰ کہ اس بات کے کہنے کا موقع مل جاتا ہے کہ امام شافعی ہی اصحاب رائے میں سے ہیں حنفی نہیں، چنانچہ اس دعویٰ کی تصدیق شیخ ابن ہمام کی شرح ہدایہ، شمشی کی شرح مختصر الوقایہ نیز مواہب الرحمن اور اس کی شرح سے (جو بعض علماء مصر نے تصنیف کی ہیں) بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ تم لوگوں کو ایسا خیال مشکوٰۃ کے مطالعہ سے ہوا ہوگا کیونکہ اس کی اکثر احادیث شافعی مذہب کے موافق ہیں، اس کے شافعی مصنف نے اپنی جستجو تلاش کے موافق احادیث جمع کی ہیں، لیکن حنفی مذہب کے ثبوت میں اور دوسری احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں جو زیاجہ رائج ہیں۔

پھر یہ بھی فرمایا کہ اعتقاد صدق و حقانیت مذہب حنفی کا بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ گویا ایسے اصحاب و تلامذہ مہیا ہوئے تھے جو کمال علم و فضل، حدیث و فقہ، زہد و دیانت، تقدم و قرب زمانہ سلف کے لحاظ سے نہایت اونچے درجہ پر فائز تھے، اس کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے جو امام اعظم اور آپ کے اصحاب کے مناقب میں تالیف ہوئی ہیں، تاکہ حقیقت حال منکشف ہو، چونکہ امام ابوحنیفہؒ نہایت بلند مرتبہ پر تھے، اس لئے آپ کے حاسد بھی بہت تھے جو آپ پر طعن کرتے تھے ”ہر کہ فاضل تر محسود تر“ مشہور مقولہ ہے۔

شیخ عبدالوہاب سے غیر محصور علماء و مشائخ نے فیوض ظاہری و باطنی حاصل کئے اور مشائخ حریمین آپ کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ آپ شیخ ابوالعباس موسیٰ کے نقش قدم پر ہیں۔

شیخ محدث دہلوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجھ سے ایک بڑے عربی شیخ نے بیان کیا کہ میں نے یمن کا بھی سفر کیا، تمام مشائخ و صوفیہ کا متفقہ فیصلہ تھا کہ آپ اپنے وقت کے قطب مکہ تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (نزہۃ النواطر ص ۲۶۶ ج ۵ و حدائق الحنفیہ)

۳۲۳۔ شیخ ابراہیم بن داؤد ابوالکارم القادری اکبر آبادی م ۱۰۰ھ

بڑے محدث و فقیہ و عالم عربیت تھے، پہلے اپنے وطن سابق مانکپورہ میں اساتذہ عصر سے علوم کی تحصیل کی، پھر بغداد جا کر حدیث و تفسیر میں تخصص کیا، پھر حریمین شریفین گئے اور شیخ علی بن حسام الدین متقی حنفی اور دوسرے شیوخ سے استفادہ کیا، مصر جا کر شیخ محمد بن ابی الحسن بکری وغیرہ سے حدیث حاصل کی اور ۲۴ سال تک وہاں درس علوم دیا، اس عرصہ میں بھی ہر سال حج کے لئے جاتے رہے، پھر ہندوستان واپس ہوئے اور اکبر آباد (اگرہ) میں سکونت کی، یکسو ہو کر درس، افادہ و تذکیر میں مشغول ہوئے۔

بدایونی نے منتخب التواریخ میں لکھا کہ آپ بڑے زاہد، عابد و متقی تھے، ساری عمر علوم دینیہ خصوصاً حدیث کے درس میں گزار دی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بڑی جرأت سے کرتے تھے، دنیا داروں سے دور رہتے تھے، ایک دفعہ شہنشاہ اکبر نے آپ کو عبادت خانہ میں بلایا تو شاہ کے سامنے جا کر شاہی رسوم آداب و اتحیات کچھ ادا نہیں کئے اور اس کے سامنے وعظ کہا جس میں اس کو بے جھجک ترغیب و ترہیب کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (نزہۃ النواطر ص ۴ ج ۵)

۳۲۴- شیخ یعقوب بن الحسن الصر فی کشمیری حنفی متونی ۱۰۰۳ھ ولادت ۹۰۸ھ

بڑے محدث، فقہ اور جامع علوم ظاہری و باطنی تھے، اپنے وطن کشمیر کے علماء سے تحصیل و تکمیل علوم کی، پھر حرمین شریفین گئے اور شیخ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی کی شافعی سے حدیث حاصل کی، پھر بغداد جا کر وہاں کے مشائخ سے بھی استفادہ کیا، تصنیف باطنی کے لئے سمرقند گئے، شیخ حسین خوارزمی کی خدمت میں رہ کر ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا، کشمیر واپس ہو کر درس و ارشاد میں مشغول ہوئے، پھر کچھ مدت کے بعد دوبارہ سمرقند گئے اور حسب ہدایت پیر و مرشد موصوف حرمین شریفین حاضر ہوئے اور ہاں سے بغداد گئے اور امام اعظم ابوحنیفہ کا جبہ مبارک حاصل کر کے کشمیر واپس ہوئے اور درس و تصنیف میں مصروف ہو گئے۔

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں: شرح صحیح بخاری، مغازی النبوة، مناسک حج، تفسیر قرآن مجید، حاشیہ توضیح و تلویح، روائح، مقامات مرشد، مسلک الاخیار، جواہر خمسہ، بطرز خمسہ، مولانا جامی (شرح رباعیات وغیرہ۔

آپ سے بکثرت اکابر علماء و صلحانے اکتساب علوم ظاہری و باطنی کیا، حضرت اقدس مجدد صاحب سرہندی قدس سرہ نے بھی آپ سے حدیث پڑھی ہے، آپ کے مشہور و شعر جو حقیقت و شریعت کا نچوڑ ہیں ذکر کئے جاتے ہیں۔

درہر چہ پنم آل رخ نیکو است جلوہ گر در صد ہزار آئینہ یک رواست جلوہ گر

خلقے بہر طرف شدہ سرگشتہ بہر دوست دیں طرفہ ترکہ دوست بہر سواست جلوہ گر

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۴۳۸ ج ۵ حدائق الحنفیہ)

۳۲۵- شیخ طاہر بن یوسف بن رکن الدین سندھی ۱۰۰۴ھ

بڑے محدث علامہ کبیر تھے، ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علماء و محدثین سے استفادہ کیا اور آپ سے بھی بکثرت علماء نے استفادہ کیا۔ آپ نے بہت سے علوم میں تصانیف کیں جن میں سے مشہور یہ ہیں:

تتلخیص شرح اسماء رجال البخاری لکرمانی، مجمع البحرین (تفسیر حسب مذاق اہل تصوف) مختصر قوت القلوب للملکی، منتخب المواہب اللدنیہ للقسطلانی، مختصر تفسیر المدارک، ان کے علاوہ ایک کتاب نہایت مفید لکھی ریاض الصالحین جس کے ایک روضہ میں احادیث صحیحہ، دوسرے میں مقالات اکابر صوفیہ اور تیسرے میں ملفوظات اکابر اہل توحید و مشائخ جمع کئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۱۸۵ ج ۵)

۳۲۶- شیخ محمد بن عبداللہ بن احمد خطیب تموتاشی غزی حنفی ۱۰۰۴ھ

اپنے زمانہ کے محدث کبیر و فقیہ بے نظیر تھے، پہلے اپنے شہر غزہ کے علماء کبار سے علوم کی تحصیل کی، پھر قاہرہ جا کر شیخ زین بن نجیم مصری حنفی صاحب البحر الرائق شرح کنز الدقائق وغیرہ سے استفادہ کیا اور امام کبیر اور مرجع العلماء ہوئے، آپ کی تصانیف میں سے تنویر الابصار فقہ میں نہایت مشہور ہے، جس میں آپ نے نہایت درجہ میں تحقیق و تدقیق کی داد دی ہے اور اس کی شرح خود بھی لکھی ہے، منہج الغفار جس پر شیخ الاسلام خیر الدین ربلی نے حواشی لکھے۔

اسی طرح دوسری محققانہ تصانیف کیں، جن میں سے مشہور یہ ہیں، رسالہ کراہت فاتحہ خلف الامام، رسالہ شرح مشکلات مسائل میں رسالہ شرح تصوف میں، شرح زاد الفقیر ابن ہمام، معین المفتی، تحفۃ الاقران (منظومہ فقیہہ) اور اس کی شرح مواہب الرحمن، رسالہ عصمت انبیاء رسالہ عشرہ مبشرہ وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق الحنفیہ ص ۳۹۵)

۳۲۷- الشیخ الامام خواجہ محمد عبدالباقی بن عبدالسلام الجبشی الکابلی ثم الدہلوی حنفی م ۱۰۱۲ھ، ۱۰۱۳ھ

مشہور و معروف سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ اعظم، قطب الاقطاب اور علوم ظاہری و باطنی میں آیہ من آیات اللہ تھے، خواجہ باقی باللہ کے نام نامی سے زیادہ مشہور ہوئے، کابل میں پیدا ہوئے، حضرت مولانا محمد صادق حلوانی سے علوم فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ کی تکمیل کی اور ان کے ساتھ ہی ماورالنہر گئے، ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے، آخر میں کشمیر پہنچے اور شیخ وقت بابا ولی کبروی کی خدمت میں رہے اور نفحات ربانیہ سے بہرہ اندوز ہوئے، ان کی وفات کے بعد پھر کچھ مدت تلاش مشائخ میں سیاحت بلاذ کی اور اسی اثناء میں شیخ المشائخ خواجہ عبید اللہ الاحرار کی روح مبارک نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم فرمائی اور اس کی تکمیل بھی روحانی طریق پر کرادی، اس کے بعد آپ پھر ماوراء النہر کی طرف لوٹے تو حضرت شیخ محمد ملکنگی قدس سرہ کی خدمت میں باریاب ہوئے، جنہوں نے صرف تین روز میں آپ کو خرقہ خلافت عطا فرما کر ہندوستان کی طرف رخصت فرمادیا۔

ایک سال آپ نے لاہور میں گزارا، وہاں آپ سے بکثرت علماء و صوفیہ نے استفادہ ظاہری و باطنی کیا، وہاں سے دہلی تشریف لائے، مسجد قلعہ فیروز شاہ میں قیام فرمایا اور تا وفات وہیں رہے۔

نہایت متواضع، منکسر المزاج تھے، اپنے تمام اصحاب کو قیام تعظیسی سے روک دیا تھا اور سب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ فرماتے تھے، تواضع و مسکنت کی وجہ سے زمین پر بے تکلف بیٹھتے تھے، اپنے احوال و کمالات کا حد درجہ اخفا فرماتے تھے، مریدین و زائرین سے انتہائی شفقت و ملامت سے پیش آتے، نہایت کم گو، کم خوراک و کم خواب تھے، صرف حل مسائل مشکلہ و بیان حقائق و معارف کے وقت منشرح ہوتے تھے، آپ کے تصرفات عجیب و غریب تھے، آپ کی پہلی ہی نظر سے سالک کے احوال یکدم بدل جاتے تھے اور اس پر ذوق و شوق کا غلبہ ہو جاتا تھا، آپ کی پہلی ہی تلقین ذکر سے لطائف جاری ہو جاتے تھے، آپ کی شفقت و رافت ہر جاندار کے ساتھ عام تھی۔

ایک مرتبہ سردی کے ایام میں شب کے کسی حصہ میں کسی ضرورت سے اٹھے، واپس ہو کر دیکھا کہ آپ کے لحاف میں ایک بلی سو رہی ہے تو آپ نے اس کو اٹھانہ گوارا نہ کیا اور صبح تک الگ بیٹھ کر وہ سردی کی رات گزار دی، کسی انسان کی تکلیف تو دیکھ ہی نہ سکتے تھے، زمانہ قیام لاہور میں قحط کی وجہ سے ایک مدت تک لوگ فاقہ و بھوک کا شکار ہوئے، تو آپ نے بھی اس تمام مدت میں کچھ نہ کھایا اور جو کھانا آپ کے پاس آتا ان کو بھوکوں پر تقسیم کر دیتے تھے، لاہور سے دہلی کا سفر کیا تو راستہ میں ایک معذور کو دیکھا، خود سوار سے اتر کر اس کو سوار کیا اور دہلی تک خود پیدل چلے، چہرہ پر نقاب ڈال لی تھی، تا کہ کوئی پہچان نہ سکے، جب قیام گاہ سے قریب تر ہوئے تو اس کو اتارا اور خود سوار ہوئے تا کہ اس صورت حال سے بھی کوئی واقف نہ ہو۔

امام اعظم کے حالات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک فاسق فاجر پڑوسی تھا اور آپ نے اس کو جیل سے چھڑایا تھا، اسی طرح آپ کے پڑوس میں ایک نوجوان بد کردار اور بداطوار تھا، آپ بھی امام صاحب کی طرح اس کی بد اخلاقیوں کو برداشت فرماتے تھے، ایک دفعہ آپ کے ایک مرید خاص خواجہ حسام الدین صاحب دہلوی نے اس کو تنبیہ کرانے کے خیال سے حکام وقت سے اس کی شکایت کر دی، انہوں نے اس کو پکڑ کر جیل بھیج دیا، آپ کو خبر ہوئی تو بے چین ہو گئے اور خواجہ حسام الدین صاحب پر عتاب فرمایا، انہوں نے معذرت پیش کی کہ ایسا فاسق ہے، کبار کا مرتکب ہے وغیرہ، آپ نے فرمایا ”ہاں بھائی! تم چونکہ اہل صلاح و تقویٰ ہو، تم نے اس کے فسق و فجور کو دیکھ لیا، ورنہ ہمیں تو کوئی فرق اس کے اور اپنے درمیان نظر نہیں آتا، اس لئے ہم سے تو نہیں ہو سکتا کہ اپنے کو بھول کر حکام سے اس کی شکایت کریں“ پھر اس کو جیل سے چھڑانے کی سعی کی، اب وہ جیل سے نکل کر آیا تو اپنے گناہوں سے بھی تائب ہو چکا تھا اور اولیاء و صلحاء میں سے ہوا۔

آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب کبھی آپ کے اصحاب میں سے کسی سے کوئی لغزش و معصیت صادر ہو جاتی تو فرماتے ”یہ درحقیقت

ہماری ہی لغزش ہے جو دوسروں سے بطریق انعکاس ظاہر ہوئی ہے۔“

عبادات و معاملات میں نہایت محتاط تھے، حتیٰ کے ابتداء احوال میں امام کے پیچھے قرآن فاتحہ بھی کرتے تھے، ایک روز حضرت امام اعظمؒ کو خواب میں دیکھا، انہوں نے فرمایا کہ یا شیخ! میری فقہ پر عمل کرنے والے بڑے بڑے اولیاء اللہ اور علماء امت مرحومہ میں ہیں اور سب نے بالاتفاق امام کے پیچھے قرآن فاتحہ کو موقوف رکھا ہے، لہذا آپ کے لئے بھی وہی طریق مناسب ہے، اس کے بعد آپ نے اس امر میں احتیاط کو ترک فرما دیا۔

آپ کے کمالات ظاہری و باطنی، مدارج و محاسن کا احصاء دشوار ہے ایک سب سے بڑی کرامت آپ کی یہ ہے کہ آپ سے پہلے ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کو عام شہرت و مقبولیت نہ تھی، آپ کی وجہ سے صرف تین چار سال کے اندر اس کو کمال شہرت حاصل ہوئی، بڑے بڑے اصحاب کمال نے آپ سے استفادہ کیا اور سلسلہ مذکورہ دوسرے سلسلوں سے بڑھ گیا۔

اگرچہ آپ سے حضرت شیخ محدث دہلوی، شیخ تاج الدین عثمانی سنبھلی، شیخ حسام الدین بن نظام الدین بدخشی اور شیخ الہداد دہلوی وغیرہ نے بھی کمالات ظاہری و باطنی حاصل کئے، مگر آپ کے سب سے بڑے خلیفہ امام طریقہ مجددیہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ ہوئے جن کے انوار و برکات کی روشنی شرق و غرب، بروجر میں پھیلی۔

آپ کی عمر مبارک چالیس سال چار ماہ ہوئی جس میں تقریباً چار سال دہلی میں قیام فرمایا اور وہاں شب و روز درس علوم نبوت و تلقین حقائق سلوک و معرفت فرماتے رہے۔

آپ کا معمول تھا کہ روزانہ بعد عشاء سے نماز تہجد تک دو بار قرآن مجید کا ختم فرماتے، بعد نماز تہجد فجر تک ۲۱ مرتبہ سورہ یسین شریف پڑھتے تھے اور صبح کو فرماتے کہ بارالہا! رات کو کیا ہوا کہ اتنی جلدی گزر گئی۔

آپ کی تصانیف میں سے رسائل بدیعیہ، مکاتیب علیہ و اشعار رائقہ ہیں جن میں سے ”سلسلۃ الاحرار“ بھی ہے، اس میں آپ نے رباعیات مشتملہ حقائق و معارف الہیہ کی بہترین شرح فارسی میں کی ہے، آپ کا مزار مبارک دہلی میں صدر بازار کے عقب میں قدم شریف کے قریب ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (نزہۃ النواطر ص ۱۹۶ ج ۵، حدائق حنفیہ ص ۳۹۸ تذکرہ علماء ہند)

۳۲۸۔ الشیخ الامام علی بن سلطان محمد ہروی معروف بہ ملا علی قاری حنفیؒ م ۱۰۱۴ھ

مشہور و معروف و حید عصر، فرید دہر، محدث و فقیہ، جامع معقول و منقول تھے، سنہ ہزار کے سرے پر پہنچ کر درجہ مجددیت پر فائز ہوئے، ہرات میں پیدا ہوئے اور مکہ معظمہ میں حاضر ہو کر علامہ محقق مدق، تبحر فی علوم الحدیث و الفقہ احمد بن حجر شیبلی مکی، علامہ ابوالحسن بکری، شیخ عبداللہ سندی، شیخ قطب الدین مکی وغیرہ اعلام سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں، مرقاة شرح مشکوٰۃ، شرح نقایہ (مختصر الوقایہ) شرح موطأ امام محمد، شرح مسند الامام الاعظم، اربعین فی النکاح، اربعین فی فضائل القرآن، رسالہ فی ترکیب لا الہ الا اللہ، رسالہ فی قرآن البسملة اول سورة البراءة، فرائد القلائد فی تخریج احادیث، شرح العقائد، المصنوع فی معرفۃ الموضوع، نور القاری شرح صحیح البخاری، شرح صحیح مسلم، جمع الوسائل شرح الشماک للترمذی، شرح جامع الصغیر للسیوطی، شرح حصن حصین، شرح اربعین نووی، شرح ثلاثیات البخاری، الاحادیث القدسیہ، تذکرۃ الموضوعات، تفسیر قرآن مجید و جمالیں حاشیہ تفسیر جلالین، شرح شفاء قاضی عیاض، شرح الخبہ، شرح الشاطبیہ، شرح الجزریہ، اعراب القاری، شرح عین العلم، شرح فقہ اکبر، شرح مناسک الحج، تزیین العبارة لتسین الاشارة، التذہین للترمذی، الاہتداء فی الاقداء، حاشیہ مواہب الدنیہ، حاشیہ بدء الامالی، رسالہ فی صلوة الجنازہ فی المسجد، مشرب الوردی فی مذہب المہدی، ہجۃ الانسان فی منجۃ الحیوان، رسالہ فی حکم سب الشیخین وغیرہا من الصحابہ، الاشارة الجندیہ فی اسماء الحنفیہ، نزہۃ الخاطر القاتر فی مناقب الشیخ عبدالقادر، الناموس فی

تلخیص القاموس وغیرہ، آپ نے امام مالکؒ کے مسئلہ ارسال کے خلاف اور امام شافعیؒ و اصحاب امام شافعی کے بھی بہت سے مسائل کے خلاف حدیثی فقہی دلائل و براہین جمع فرما کر نہایت انصاف و دیانت سے کلام کیا ہے۔

آپ کی تمام کتابیں اپنے اپنے موضوع میں مجموعہ نفاکس و فراند ہیں، خصوصاً شرح مشکوٰۃ شرح نقایہ (مختصر الوقایہ) احادیث احکام کا نہایت گرانقدر مجموعہ ہیں، مرقاۃ بہت مدت ہوئی ۵ بڑی جلدوں میں چھپی تھی، اب نادر و نایاب ہے ۶۷۵ روپیہ میں بھی اس کا ایک نسخہ نہیں ملتا گذشتہ سال راقم الحروف سے مکہ معظمہ کے بعض احباب و تاجران کتب نے بڑی خواہش ظاہر کی تھی کہ ہندوستان سے چند نسخے اس کے فراہم کر کے وہاں بھیجے جائیں، مگر باوجود سعی بسیار یہاں سے کوئی نسخہ دستیاب نہ ہو سکا۔

شرح نقایہ کتب فقہ میں نہایت اہم درجہ رکھتی ہے، حضرت علامہ محقق کشمیری قدس سرہ نے اپنی وفات سے چند سال قبل اپنے تلمیذ رشید جناب مولانا سید احمد صاحب مالک کتب خانہ اعزازیہ دیوبند کو خاص طور سے متوجہ کیا تھا کہ اس کو شائع کریں اور ان کو بڑی تمنا تھی کہ کتاب مذکور طبع ہو داخل درس نصاب مدارس عربیہ ہو جائے، فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب ان لوگوں کا جواب ہے جو کہتے کہ فقہ حنفی کے مسائل احادیث صحیحہ سے مبراہن نہیں ہیں، ملا علی قاری نے تمام مسائل پر محدثانہ کلام کیا ہے یہ بھی فرمایا کہ یہ کتاب اگر میری زندگی میں شائع ہو گئی تو تمام مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل کرانے کی سعی کروں گا۔

حضرت الاستاذ العلام مولانا اعزاز علی صاحب اس کا ایک مکمل نسخہ (جو غالباً روس کا مطبوعہ تھا) حجاز سے لائے اور تحشیہ فرمایا، مولانا سید احمد صاحب موصوف نے حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشاد بلکہ حکم پر حیدرآباد دکن کے ایک سرکاری اسکول کی ملازمت ترک فرما کر اس کی اشاعت کا اہتمام کیا اور اسی سے ان کی موجودہ کتب خانہ اور تجارتی لائن کی بنیاد پڑی جس کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ ہی نے یہ پیش گوئی بھی فرمائی تھی کہ تم اس کام میں ملازمت سے زیادہ اچھے رہو گے، حالانکہ وہ اسکول کالج ہونے والا تھا اور اب موصوف کی تنخواہ ۶۰۵ سو روپیہ ماہوار ہو جاتی مگر خود موصوف ہی کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی پیش گوئی صادق ہوئی اور مجھے اس کام میں ملازمت سے بدرجہا زائد منافع حاصل ہوئے۔

کتاب مذکور کی جلد اول وفات سے صرف چند ایام قبل تیار ہو سکی تھی، مولوی صاحب موصوف نے پیش کی تو حضرت نے نہایت مسرت کا اظہار فرمایا اور چند مشہور مدارس کو خطوط بھی لکھوائے کہ داخل درس کی جائے، جامعہ ڈابھیل، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور پنجاب کے بعد مدارس میں داخل نصاب ہوئی، بعد کو دوسری جلد بھی چھپی جو اب نایاب ہے، افسوس ہے کہ تیسری و چوتھی جلد نہ چھپ سکی، دارالعلوم دیوبند میں بھی کچھ عرصہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے پڑھائی، پڑھنے والے ایک وقت میں چار سو تک ہوئے ہیں مگر افسوس کہ مستقل طور سے داخل درس نہ ہو سکی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کے اس ارشاد کی روشنی میں کہ ”مذہب حنفی ہی میں وہ نہایت عمدہ طریقہ ہے جو بہ نسبت دوسرے تمام طریقوں کے حدیث و سنت کے اس تمام ذخیرہ سے جو امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں جمع ہو کر منقح ہوا، زیادہ مطابق ہے“۔

نیز حضرت علامہ کشمیریؒ کے اس ارشاد کی روشنی میں کہ ”ائمہ احناف کے اکثر مسائل احادیث صحیحہ معمولہ سلف کے موافق ہیں اور دوسرے مذاہب میں تخصیصات و مستثنیات زیادہ ہیں“، ضرورت ہے کہ ہم اپنے درس و مطالعہ کے زائد یہاں نظر کو بدلیں، تمام مسائل کی تحقیق و تنقیح محدثانہ نقطہ نظر سے کرنے کے عادی ہوں اور بغیر کسی ادنیٰ مرعوبیت کے اپنوں و غیروں کی کتابوں سے مستفید ہوں۔

جیسا کہ امام بخاریؒ کے حالات میں ذکر ہوا، صحیح بخاری کی تالیف سے قبل اکابر محدثین کی تقریباً ایک سو کتابیں احادیث و آثار کی مدون ہو چکی تھیں جن میں مسانید امام اعظم، موطا امام مالک، مسند امام شافعی، مسند امام احمد، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق وغیرہ ہیں اور وہ سب بعد کو آنے والی کتب صحاح کے لئے بمنزلہ اصول و امہات کے ہیں۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں صحیح مجرورہ کا التزام کیا اور اپنے اجتہاد کے موافق احادیث کی تخریج کا اہتمام زیادہ فرمایا، دوسرے اصحاب صحاح

نے دوسرے مجتہدین وائمہ کے موافق بھی احادیث و آثار جمع کئے، امام طحاوی حنفی نے اس دور میں خصوصیت سے شرح معانی الآثار و مشکل الآثار وغیرہ لکھ کر محدثانہ، محققانہ، فقیہانہ طرز کو ترقی دی، پھر علامہ ابوبکر بھصا حنفی، علامہ خطابی، شافعی، علامہ ابن عبدالبر مالکی، علامہ تقی الدین بن دینق العید، علامہ ماروینی حنفی، علامہ زیلعی حنفی، علامہ عینی حنفی، علامہ ابن حجر شافعی، علامہ ابن ہمام حنفی، علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی، علامہ ابن قیم، علامہ سیوطی شافعی، ملا علی قاری حنفی وغیرہ وغیرہ محدثین کبار نے اپنے اپنے مخصوص محدثانہ طرز سے علم حدیث کے دامن کو مالا مال کیا۔

ہمارا یقین ہے کہ اگر پورے ذخیرہ حدیث سے صحیح طور سے استفادہ کیا جائے تو حضرت شاہ صاحب دہلوی اور حضرت شاہ صاحب کشمیری کے ارشادات کی صداقت و حقانیت میں ادنیٰ شک و شبہ باقی نہ رہے گا، واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

۳۲۹- الشیخ العلامة ابوالفہائل المفتی عبدالکریم نہروانی گجراتی حنفی مہاجر کی ۱۰۱۴ھ

محدث و فقیہ جلیل، فضل و کمال میں یکتائے روزگار تھے، احمد آباد میں پیدا ہوئے، شہر نہروانہ (گجرات) کے مشہور علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جس میں علماء الدین نہروانی اور مفتی قطب الدین محمد نہروانی پیدا ہوئے ہیں (یہ قرن عاشق کے اکابر علماء میں سے تھے) اپنے والد ماجد کے ساتھ مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور وہیں نشوونما پائی، اپنے چچا مفتی قطب الدین سے فقہ وغیرہ کی تحصیل کی اور شیخ عبداللہ سندھی و علامہ قہامہ زبدۃ المحققین شیخ احمد بن حجر شمشکی وغیرہ سے فن حدیث میں تخصص حاصل کیا، مکہ معظمہ کے مفتی و خطیب اور مدرسہ سلطانیہ مرادیہ کے سرپرست ہوئے، بہت سی گراند تالیفات کیں مثلاً: النہر الجاری علی البخاری، اعلام العلماء الاعلام ببناء المسجد الحرام وغیرہ مکہ معظمہ کے مشہور قبرستان معلقات میں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۲۴۴ ج ۵)

۳۳۰- العلامة قلیج محمد حنفی اندجائی ۱۰۲۳ھ

جامع معقول و منقول محدث و فقیہ تھے، اور بڑے امیر کبیر صاحب جاہ و منال دنیوی بھی تھے، مدت تک لاہور میں درس تفسیر و حدیث و فقہ دیا ہے، آپ سے بکثرت علماء و فضلاء روزگار نے استفادہ علوم و فنون کیا ہے مآثر الامراء اور گلزار ابرار میں آپ کے مفصل حالات مذکور ہیں، آپ کی یہ فارسی رباعی بہت مشہور ہے۔

عاشق ہوں وصال در سردار و صوفی زرقی و خرقہ در بردار و

من بندہ آل کسم کہ فارغ زہمہ دائم دل گرم و دیدہ تر دارد

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۳۱۲ ج ۵)

۳۳۱- الشیخ العلام خواجہ جوہرنات کشمیری حنفی ۱۰۲۶ھ

محدث شہیر عالم کبیر تھے، آپ کی ولایت و علمی جلالت قدر مسلم و مشہور ہے، علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل مدرسہ سلطان قطب الدین میں کی، جو متصل مسجد صراف کدال تھا، پھر حج و زیارات کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوئے تو وہاں کے کبار مشائخ وقت علامہ شہاب الدین احمد بن حجر شمشکی کی شافعی (شارح مشکوٰۃ و صاحب الخیرات الحسان فی مناقب النعمان) اور علامہ علی قاری حنفی کی وغیرہ سے بھی حدیث حاصل کی، کشمیر واپس ہو کر ایک گوشہ عبادت و ریاضت اختیار کیا، وہیں افادہ علوم ظاہری و باطنی فرماتے رہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر و حدائق)

۳۳۲- الشیخ العلامة احمد بن العلامۃ الشمس محمد بن شیخ الاسلام احمد الشلمی حنفی ۱۰۲۷ھ

علامہ محمد محی نے لکھا کہ آپ امام مجتہد، اپنے زمانہ کے رأس المحدثین و رئیس الفقہاء تھے، آپ کو درس و اشاعت حدیث سے بڑا

شغف تھا، اس کی روایت میں محتاط، اس کے طرق و تقییدات کے بڑے عالم و عارف تھے، علم فقہ و فرائض میں بھی حظ وافر رکھتے تھے، زود فہم، وسیع معلومات والے تھے، مصر میں پیدا ہوئے، وہیں نشوونما پائی۔

علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد اور شیخ جمال یوسف بن قاضی زکریا وغیرہ سے کی اور آپ سے شیخ شہاب الدین احمد سیوری، شیخ حسن شرنبلالی، شیخ عمر الدفری، شیخ شمس محمد بابلی، شیخ زین الدین بن شیخ الاسلام قاضی زکریا وغیرہم نے تلمذ کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (خلاصۃ الاثر للمولیٰ محمد محی ص ۱۷۲ ج ۱)

۳۳۳۔ الشیخ العلامة محمد عاشق بن عمر ہندی حنفی م ۱۰۳۲ھ

مشہور صاحب فضل و کمال محدث و فقیہ تھے، حدیث میں شیخ عبداللہ بن شمس الدین انصاری سلطان پوری معروف بہ مخدوم الملک بن شمس الدین کے تلمیذ خاص تھے، آپ نے شمائل ترمذی کی نہایت عمدہ شرح تصنیف کی تھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (زینۃ النواظر و حدائق الحنفیہ)

۳۳۴۔ الشیخ الاجل الامام العارف بحر الحقائق والاسرار والمعارف الامام الربانی

مجدد الالف الثانی قدس سرہ م ۱۰۳۴ھ ولادت ۹۷۱ھ

آپ کا نام نامی و نسب شیخ احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین فاروقی ہے، سرہند شریف میں پیدا ہوئے، محدث کامل، فقیہ فاضل، جامع کمالات ظاہری و باطنی، قطب الاقطاب، مظہر تجلیات ربانی، محی السنن، ماحی بدعت و ضلالت تھے، پہلے قرآن مجید حفظ کیا، پھر اپنے والد ماجد سے علوم و فنون کی تحصیل کی، پھر سیالکوٹ جا کر فاضل محقق شیخ کمال الدین کشمیری سے کتب معقول نہایت تحقیق سے پڑھیں اور علوم و حدیث کی تحصیل حضرت شیخ یعقوب محدث کشمیری سے کی جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، نیز کتب حدیث کی اجازت روایت قاضی بہلول بدخشی سے بھی حاصل کی۔

۱۷ سال کی عمر میں تحصیل جملہ علوم و فنون سے فارغ ہو کر درس و تصنیف میں مشغول ہوئے اور اسی زمانہ میں اثبات نبوت اور مذہب شیعہ امامیہ وغیرہ میں رسائل لکھے، طریقت و سلوک میں پہلے اپنے والد ماجد سے چاروں سلسلوں کی اجازت و خرقہ خلافت حاصل کیا ۱۰۰۷ھ میں والد ماجد کی وفات کے بعد حج و زیارات حرمین شریفین کے ارادہ سے دہلی پہنچے تو وہاں حضرت شیخ اعظم و اجل خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی زیارت و بیعت سے مشرف ہوئے، ان کی خدمت میں رہ کر طریقہ نقشبندیہ میں چند ہیروز کے اشتغال سے آپ نے قطبیت و فردیت کے مدارج عالیہ تک عروج فرمایا اور خود حضرت شیخ موصوف نے آپ کو قرب و نہایت وصولی الی اللہ کے مدارج کی تحصیل و تکمیل کی بشارت سنائی اور خرقہ خلافت پہنا کر ارشاد طالین کی اجازت مرحمت فرمادی۔

حضرت شیخ آپ کی نہایت تعظیم و تکریم فرماتے، غیر معمولی مدح و ثناء کرتے اور آپ کی ذات بابرکات پر فخر کرتے تھے ایک روز اپنے اصحاب کی مجلس میں فرمایا کہ ”شیخ احمد نامی ایک مرد سرہند سے کثیر العلم اور قوی العمل آیا ہے، چند روز اس نے فقیر کے ساتھ نشست و برخاست کی ہے، اس عرصہ میں بہت سے عجائب و غرائب حالات اس کے دیکھے گئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک آفتاب ہوگا جس سے سارا جہان روشن ہوگا۔“

ایک دفعہ فرمایا کہ ”شیخ احمد ایک ایسا سورج ہے جس کے سایہ میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔“

یہ مکاشفات عالیہ اس ذات عالی مقام کے تھے جس کے حالات میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ کس طرح شیخ المشائخ عبید اللہ الاحرار کی روح پر فتوح سے اپنی اعلیٰ ترین روحانی قوت مقناطیسی کے ذریعہ سارے کمالات و مراتب عالیہ جذب کر لئے تھے اور حضرت شیخ محمد امکنی سے تین ہی روز کے قلیل عرصہ میں خرقہ خلافت حاصل فرمایا تھا، ان کی روحانی بصیرت نے جو کچھ دیکھا تھا، اسی طرح دنیا والوں نے بھی تھوڑے دن بعد دیکھ لیا کہ آپ کی شہرت دور و نزدیک پھیلی، آپ کا آستانہ فیض بڑے بڑے اصحاب کمال کا بلجا و ماویٰ ہوا، اکابر علماء و مشائخ

زمانہ، امراء و روساء عالم ترک و تاجیک تک سے آپ کے حضور میں باریاب ہو کر بہرہ یاب ہوئے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشند خدائے بخشندہ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ابتداء میں آپ سے کچھ بدظن ہوئے تھے، پھر آپ کے کمالات علمی و عملی کے منعقد ہو گئے تھے، مولانا سیالکوٹی نے ہی آپ کو سب سے پہلے مجدد الف ثانی کا خطاب دیا اور حضرت شیخ عبدالحق نے اخبار الاخبار میں لکھا کہ: جو نزاع ہزار سال سے علماء اعلام و صوفیاء کرام میں چلا آتا تھا وہ آپ نے اٹھا دیا اور مورد حدیث صلہ کے ہوئے جس میں بشارت ہے کہ میری امت میں ایک شخص ہوگا جس کو صلہ کہا جائے گا، اس کی شفاعت سے اتنے اتنے لوگ جنت میں داخل ہونگے (رواہ السیوطی فی جمع الجوامع) اس حدیث میں حضرت مجدد صاحب کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اور خود مجدد صاحب نے اپنے حق میں لکھا ہے۔ الحمد للہ الذی جعلی صلۃ بین البحرین۔

سرہند شریف میں قیام فرما کر آپ نے مسند ارشاد کو زینت دی اور کتب حدیث، تفسیر، فقہ و تصوف وغیرہ کا درس دیتے رہے، جلیل القدر کتابیں تالیف فرمائیں، جن میں سے مشہور یہ ہیں: مکتوبات ۳ جلد ضخیم (جن میں ۵۲۶ مکاتیب عالیہ ہیں) یہ سب مکاتیب حقائق و معارف الہیہ و علوم نبوت کے بحور ناپیدا کنار ہیں، معارف لدنیہ، مکاشفات غیبیہ، آداب المریدین، رسالہ رد شیعہ، المبدأ والمعاد، رسالہ تہلیلہ، رسالہ اثبات نبوت، تعلیقات عوارف المعارف سہروردی۔

کچھ لوگ حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کے بعض ارشادات عالیہ کے معانی و مطالب کو غلط سمجھنے کی وجہ سے آپ کے خلاف ہو گئے تھے اور انہوں نے شہنشاہ جہانگیر تک بھی شکایات پہنچائیں، جس پر سلطان نے آپ کو بلا کر گفتگو کی، آپ نے اس کو مطمئن کر دیا تو ان لوگوں نے سلطان کو آپ کے خلاف بھڑکانے کے لئے کہا کہ آپ نے حضور ظل سبحانی کو تعظیمی سجدہ نہیں کیا، بلکہ معمولی تواضع کا بھی اظہار نہیں کیا، سلطان نے اس بات سے متاثر ہو کر آپ کو قلعہ گوالیار میں محبوس کر دیا۔

شاہجہان کو آپ سے بڑی عقیدت تھی اس پر آپ کی قید و بند شاق گزری اور رہائی کیلئے سعی کی، آپ کے پاس افضل خان اور مفتی عبدالرحمن کو چند کتب فقہ کے ساتھ بھیجا اور کہلایا کے بروئے فقہ اسلامی سلطان وقت کے لئے سجدہ تعظیمی کی گنجائش ہے، آپ اس کو گوارا کریں تو میں ذمہ دار ہوں کہ پھر آپ کو حکومت کی طرف سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی، آپ نے جواب میں فرما دیا کہ جواز کی گنجائش بطور رخصت ہے اور عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کو کسی حال میں سجدہ نہ کیا جائے، اس لئے میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں۔

چنانچہ آپ تین سال تک قید رہے، پھر جہانگیر نے آپ کو جیل سے آزاد کیا، مگر یہ شرط کی کہ آپ لشکر سلطانی کے ساتھ رہنے کے پابند ہوں گے، آٹھ سال آپ نے اس قید کے بھی شان تسلیم و رضا سے گزارے، اس تمام عرصہ میں آپ سے سلطان اور دوسرے امراء و خواص برابر مستفید ہوتے رہے۔

سلطان جہانگیر کی وفات کے بعد شاہجہان تخت سلطنت پر آئے تو انہوں نے آپ کو تمام قیود سے آزاد کر کے سرہند تشریف لے جانے کی

۱۰ حضرت شیخ محدث کو جو کچھ اختلاف تھا وہ حضرت امام ربانی کے بعض مکاتیب کی عبارات سے متعلق تھا جو تمام تر سلوک و حقائق سے تعلق رکھتی ہیں، تقلید یا مذہبی تعصب سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا، لیکن نواب صدیق حسن صاحب کو وہاں بھی یہی رنگ نظر آیا، یا کھینچ تان کر ادھر لے جانے کی سعی نامشکور فرمائی، یہ بڑی تکلیف دہ بات ہے کہ ایسے اکابر امت کے بارے میں بھی اس قدر غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا جائے، حضرت شیخ محدث کا وہ رسالہ جس میں حضرت مجدد صاحب کے متعلق اپنے اشتباہات و اعتراضات بے تکلف پوری وضاحت سے لکھ دیئے تھے، شائع شدہ ہے اور حضرت مجدد نے جو جوابات دیئے، وہ بھی مکتوبات امام ربانی کی زینت ہیں، ان کو پڑھ کر ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ نواب صاحب نے ایک بے بنیاد بات اپنی ذہنی چیغ سے لکھی دی ہے، نواب صاحب کی علمی خدمات کی ہمارے دل میں بڑی قدر ہے، یہاں بضرورت ان کی لغزش کا ذکر ہو گیا، اس سے ان کی کسر شان ہرگز مقصود نہیں۔

اجازت دی، جہاں آپ نے اپنی عمر شریف کا باقی حصہ بھی درس علوم ظاہری و افادہ فیوض باطنی میں بسر فرمایا، آپ کے مکاتیب شریفہ کا عرصہ ہوا عربی ترجمہ ہو کر کئی ضخیم جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہوا تھا جو اب نایاب ہے، راقم الحروف نے اس کو ایک مجددی بزرگ مقیم و تاجر مکہ معظمہ کے پاس ۱۳۷۹ھ میں دیکھا تھا اور اس وقت خریدنے کے خیال سے حرمین شریفین کے تجارتی مکاتیب میں تلاش بھی کیا، مگر میسر نہ ہوا، کاش! اس کی اشاعت پھر مقدر ہو۔

مکاتیب فارسیہ کی اشاعت بہترین صحت و طباعت کے ساتھ اعلیٰ کاغذ پر امرتسر سے ہوئی تھی، وہ بھی اب عرصہ سے نایاب ہے، کوئی باہمت تاجر کتب اگر اس کو فوٹو آفسٹ کے ذریعہ طبع کرادے تو نہایت گرانقدر علمی و دینی خدمت ہے، مکمل اردو ترجمہ کی اشاعت بھی نہایت ضروری ہے، واللہ المیسر لکل عسیر۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مفصل حالات زندگی و سوانح حیات مستقل کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں، ابن ندیم نے لکھا تھا کہ امام اعظم کے علوم و کمالات ظاہری سے شرق و غرب، بر و بحر میں دور و نزدیک سب جگہ روشنی پھیلی، راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت امام ربانی کے علوم و کمالات باطنی سے شرق و غرب، بر و بحر میں دور و نزدیک کے تمام خطے جگمگا اٹھے۔

درحقیقت آپ آسمان رسالت کے نیر اعظم سرور دو عالم (ارواحنا فداه) ﷺ کے صدقہ و طفیل میں اس امت محمدیہ کے لئے کیسے کیسے علم و ہدایت کے سورج، چاند ستارے ہر دور میں آئے اور آئندہ بھی آتے رہیں گے۔ اس احسان عظیم و عظیم کا شکر کسی زبان و قلم سے ادا نہیں ہو سکتا۔

شکر نعمتہائے تو چند انکہ نعمتہائے تو عذر تقصیرات ما چند آنکہ تقصیرات ما

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

۳۳۵- الشیخ محی الدین عبدالقادر احمد آبادی حنفی بن الشیخ عبداللہ العیدروس شافعی م ۱۰۳۸ھ

جامع معقول و منقول عالم و فاضل تھے، کثرت سے تصانیف کیں، آپ کی کتاب ”النور السافر فی اخبار القرن العاشر“ بہت مشہور ہے، دوسری تصانیف یہ ہیں: مخ الباری بختم البخاری، المنتخب المصطفیٰ فی اخبار مولد المصطفیٰ، الدر الثمین فی بیان المہم من الدین، الحدائق الخضرہ فی سیرۃ النبی واصحابہ العشرہ اتحاف الحضرة العزیزہ بعون السیرۃ الوجیزہ، الحواشی الرشیدۃ علی العروۃ الوثیقہ، الاموزج اللطیف فی اہل بدر الشریف، اسباب النجاة و النجاح فی اذکار المساء و الصباح وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ، نزہۃ الخواطر تذکرۃ علماء ہند)

۳۳۶- الشیخ الامام المحدث ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین البخاری الدہلوی حنفی م ۱۰۵۲ھ

مشہور محدث علام، جامع علوم ظاہری و باطنی تھے، آپ نے سب سے پہلے ہندوستان میں علم حدیث کی ہر خطہ میں اشاعت کی، علوم حدیث کے بڑے تبحر عالم اور ماہر ناقد تھے، پہلے تمام علوم کی تکمیل ہندوستان میں کی، پھر عنقوان شباب ہی میں حرمین شریفین حاضر ہو کر وہاں مدت تک قیام فرمایا، وہاں کے اکابر اولیا و علماء سے کمالات ظاہری و باطنی کا استفادہ کیا، خصوصیت سے فن حدیث میں تخصص کا درجہ شیخ ملا علی قاری حنفی اور شیخ عبدالوہاب متقی تلمیذ حضرت شیخ علی متقی سے حاصل کیا، ہندوستان واپس ہو کر درس و ارشاد اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے، آپ کی حدیثی تالیفات سے فارسی شرح مشکوٰۃ شریف ”اشعۃ اللمعات“ اور عربی شرح ”لمعات الشیخ“ نہایت اہم ہیں، اشعۃ اللمعات چار جلدوں میں مطبع نولکشور سے چھپی تھی، جس کے اڑھائی ہزار صفحات میں شیخ محدث نے شرح مشکوٰۃ کا حق ادا کر دیا ہے، اس کے ابتداء میں ایک مقدمہ بھی ہے جو علم حدیث، اقسام حدیث اور حالات آئمہ حدیث وغیرہ پر نہایت محققانہ تالیف ہے۔

اشعۃ اللمعات کے قلمی نسخے بھی ہندوستان میں کئی جگہ ہیں، ان میں سے ”حبیب گنج“ کا نسخہ سب سے قدیم ہے، اس کے خاتمہ پر

حضرت شیخ محدث کے اپنے ہاتھ کی تحریر بھی ہے، اس نسخہ کو بارہ سو روپیہ میں خریدا گیا تھا جس کی کتابوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ دوسری شرح عربی دو جلدوں میں ہے اور اس میں شیخ محدث نے صرف وہ ابحاث مہمہ دقیقہ درج کی ہیں جو عام افہام سے بالاتر تھیں، نیز اس میں فقہ حنفی کے مسائل کی تطبیق احادیث صحیحہ سے کی گئی ہے اور نہایت گرانقدر محدثانہ محققانہ کلام کیا ہے، خود فرمایا کہ اس شرح کا مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت امام اعظمؒ اپنے مسائل میں احادیث و آثار کا تتبع اس قدر کرتے ہیں کہ اصحاب الطواہر میں شمار کرنے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے اور ان کے مقابلہ میں امام شافعی کو اصحاب الرائے میں شمار کرنا پڑے گا۔ اس کے شروع میں بھی نہایت جامع و نافع مقدمہ ہے، جو علیحدہ شائع بھی ہو گیا ہے، مگر افسوس ہے کہ لمعات ابھی تک شائع نہ ہو سکی، اس کے قلمی نسخے بانکپور، رام پور، علی گڑھ، دہلی اور حیدرآباد دکن وغیرہ میں ہیں کاش وہ شرح طبع ہو کر مشکوٰۃ شریف کے ساتھ داخل نصاب مدارس عربیہ ہو کر پڑھائی جائے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے ”المحطہ بذکر الصحاح السنۃ“ میں حضرت شیخ محدث اور آپ کے صاحبزادہ شیخ نور الحق وغیرہ کے لئے کلمات مدح لکھ کر یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ ان اصحاب صلاح کا طرز تحدیث فقہا کے طریق پر تھا، محدثین کے نہیں، اگرچہ فوائد کثیرہ دینی و علمی سے خالی نہیں۔ غالباً نواب صاحب نے ”مطالعہ لمعات“ کی تکلیف گوارا نہیں کی، ورنہ ایسا نہ لکھتے یا احناف کی حدیثی خدمات کو گرانے کے لئے ضروری سمجھا ہوگا کہ کوئی تو اعتراض کا پہلو ضرور نکال لیا جائے۔

حضرت شیخ محدث نے فن رجال میں بھی کئی اہم کتابیں لکھیں، مثلاً الاکمال فی اسماء الرجال، اور اسماء الرجال والروایۃ المذکورین فی المشکوٰۃ، شرح اسماء رجال البخاری یہ کتابیں بھی شائع نہیں ہوئیں، اسماء الرجال کا قلمی نسخہ بانکپور کے کتب خانہ میں ہے۔ آپ کی دوسری گرانقدر تالیفات یہ ہیں: التعلیق الحاوی علی تفسیر البیہاوی، زبدۃ الآثار، رسالہ اقسام حدیث، ما ثبت بالنسب فی ایام السنۃ، شرح سفر السعادت، شرح فتح الغیب، مدارج النبوة، جذب القلوب الی دیار المحبوب، مرج البحرین، فتح المنان فی مناقب النعمان، اخبار الاخبار، عقائد میں تکمیل الایمان و تقویۃ الایمان نہایت اہم تالیف ہیں، فقہ میں فتح المنان فی تائید مذہب النعمان لکھی جس میں آپ نے احادیث کو مختلف عنوانات کے تحت جمع کیا ہے، پھر چاروں آئمہ کے مآخذ پر بحث کی ہے اور امام اعظمؒ کے مآخذ کو دورے مآخذ پر ترجیح دی ہے، اس کا قلمی نسخہ کتاب خانہ آصفیہ میں موجود ہے، اسی طرح ”الفوائد“ اور ہدایۃ المناسک الی طریق المناسک نہایت محققانہ لکھیں۔

آپ کے مجموعہ مکاتیب و رسائل میں بھی بڑا علمی ذخیرہ ہے، شعر و سخن کا ذوق آپ کا خاندانی ورثہ تھا، حق تلخیص کرتے تھے، آپ کے اشعار کا مجموعی شمار پانچ لاکھ تک کیا گیا ہے، ۹۴ سال کی عمر میں انتقال فرمایا، مزار مبارک دہلی قطب صاحب میں حوض شمس کے کنارہ واقع ہے، بعض اصحاب باطن نے وہاں عجیب و غریب کشش و دلچسپی اور فیوض برکات کے حصول کا ذکر کیا ہے۔

آپ کے مفصل حالات نہایت تحقیق سے محترم مولانا خلیق احمد صاحب نظامی استاذ شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے لکھے ہیں جو حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نام سے اعلیٰ کاغذ پر بہترین کتاب و طباعت سے مزین ہو کر ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہو گئے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر، حدائق و حیات شیخ محدث)

۳۳۷- الشیخ ابو حامد سیدی العربی بن ابی المحاسن سیدی یوسف بن محمد الفاسی م ۱۰۵۲ھ

مشہور محدث آپ نے حافظ ابن حجر کے مشہور رسالہ اصول حدیث نخبۃ کو منظوم کیا جس کا نام ”عقد الدرر فی نظم نخبۃ الفکر“ رکھا اور اس کی شرح بھی لکھی، واضح ہو کہ نخبۃ الفکر کو بہت سے محدثین کبار نے نظم کیا ہے، اور اس کی شروع لکھی ہیں، مثلاً شیخ کمال الدین بن الحسن شمشی مالکی م ۸۲۱ھ نے نظم کیا ہے اور اس کی شرح ان کے صاحبزادے شیخ تقی الدین ابو العباس احمد بن محمد شمشی مصری مالکی م ۸۷۲ھ نے کی جو شارح

معنی لابن ہشام اور محشی شفا بھی ہیں۔

شروح و تعلیقات نخبہ میں سے حافظ قاسم بن قطلوبغا حنفی کی تعلیقات، علامہ مدث ملا علی قاری حنفی کی شرح النخبہ اور شیخ ابوالحسن محمد صادق بن عبدالہادی السندی المدنی حنفی م ۱۱۳۸ھ کی شرح خاص طور پر قابل ذکر ہیں، کیونکہ محدثین احناف کی حدیثی خدمات کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے بلکہ ان کی حدیث دانی کو بھی مشکوک بنانے کی سعی برابر کی جاتی رہی ہے، والی اللہ الممشکی و هو المستعان۔ رحمہم اللہ کلہم رحمۃ واسعۃ (الرسالۃ المستطردہ ص ۱۷۵، ۱۷۶)

۳۳۸۔ الشیخ العلامة المحدث حیدر پتلو بن خواجہ فیروز کشمیری حنفی م ۱۰۵۷ھ

بڑے محدث، فقیہ، صاحب ورع و تقویٰ، تبع سنت عالم تھے، سات سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید و ابتدائی کتب سے فارغ ہوتے ہی اتباع سنت کا شوق و جذبہ رفیق زندگی بن گیا تھا بابا نصیب سے پھر مولانا المحدث جو ہرنات سے علوم کی تحصیل کرتے رہے پھر دہلی جا کر حضرت شیخ محدث دہلوی سے علوم حدیث و تفسیر و فقہ وغیرہ کی تکمیل کی اور صاحب فتویٰ و عالم بے نظیر ہو کر کشمیر واپس ہوئے وہاں درس و ارشاد کی مسند کو زینت دی، بڑے مستغنی مزاج و متوکل بزرگ تھے والی کشمیر نے تین مرتبہ آپ کی خدمت میں خود حاضر ہو کر کشمیر کی قضا پیش کی مگر آپ نے اس کو رد کر دیا، جب اس کے لئے طرح طرح سے آپ پر دباؤ ڈالے گئے تو کشمیر سے کہیں جا کر روپوش ہو گئے، دوسرا شخص منصب قضا پر مقرر ہو گیا تو آپ کشمیر واپس آئے اور آخر عمر تک درس و افادہ میں مشغول رہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق و نزہۃ النواظر)

۳۳۹۔ شیخ احمد شہاب بن محمد خفاجی مصری حنفی م ۱۰۶۹ھ

بڑے محدث، مفسر، فقیہ اور جامع معقول و منقول تھے، علوم عربیہ میں اپنے ماموں شیخ ابوبکر شنوانی سے، حدیث و فقہ میں شیخ الاسلام محمد ربلی، شیخ نور الدین علی زبیدی اور خاتمۃ الحفاظ ابراہیم علقمی و علی بن قائم مقدسی وغیرہ سے تلمذ کیا، اپنے والد ماجد کے ساتھ حرین شریفین جا کر وہاں کے بھی اکابر و علماء و محدثین شیخ علی بن جار اللہ وغیرہ سے مستفید ہوئے پھر قسطنطنیہ جا کر درس علوم میں مشغول رہے، مشہور تصانیف یہ ہیں: حواشی تفسیر بیضاوی (۸ جلد میں) شرح شفاء (۴ جلد میں) شرح درۃ النواص حریری، حواشی رضی، شفاء العلیل فیما فی کلام العرب من الدخیل، دیوان الادب، طراز الجالس، رسائل الربیعین وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۳۴۰۔ شیخ زین العابدین بن ابراہیم بن حکیم مصری حنفی م ۱۰۷۰ھ

علامہ محقق، محدث کبیر و فقیہ بے نظیر تھے علوم کی تحصیل و تکمیل اپنے زمانے کے اکابر علماء شیخ شرف الدین بلقینی، شیخ شہاب الدین شععی، شیخ امین الدین بن عبدالعال، شیخ ابوالفیض سلمی وغیرہ سے کی اور ان حضرات سے درس علوم و افتاء کی اجازت سے مستند ہو کر جلد ہی بڑی شہرت حاصل کر لی تھی، آپ کی تصانیف میں سے الاشابہ و النظائر بے نظیر کتاب ہے اور بحر الرائق شرح کنز الدقائق جزئیات فقیہ کا سمندر ہے، اسی لئے یہ دونوں کتابیں علماء حنفیہ کا ماخذ و مرجع اور مایہ ناز علمی خزینے ہیں۔

آپ کی فتح لغفار شرح المنار، مختصر تحریر الاصول مسمی بہ لب الاصول، تعلیقات ہدایہ اور حاشیہ جامع الفصولین، مجموعہ فتاویٰ چالیس رسائل متفرق مسائل میں سب ہی نہایت محققانہ و مدققانہ تالیفات ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ وغیرہ)

۳۴۱۔ الشیخ المحدث العارف العلام محمد بن الامام الربانی مجدد الالف ثانی حنفی م ۱۰۷۰ھ

۱۰۰۵ھ میں سرہند شریف میں پیدا ہوئے، بڑے محدث و فقیہ، عارف کامل، صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے، علوم نقلیہ رسمییہ کی

تحصیل و تکمیل اپنے والد ماجد حضرت امام ربانی قدس سرہ سے کی، علم حدیث کی سند بھی آپ سے اور شیخ عبدالرحمن رمزی سے حاصل کی، حضرت امام ربانی قدس سرہ کی خدمت و صحبت میں کافی وقت گزار کر ان سے طریقت میں بھی کمال حاصل کیا، حضرت امام قدس سرہ نے آپ کی طرف توجہ خاص فرمائی، یہاں تک کہ آخر عمر میں آپ کی وجہ سے درس بھی ترک فرما دیا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ میرا یہ بچہ علماء راضین میں سے ہے، اور آپ کو خرقہ خلافت پہنایا، خانون الرحمة کے لقب سے مشرف فرمایا۔

باوجود ان کمالات ظاہری و باطنی کے آپ نے حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کی وفات پر مسند خلافت اپنے بھائی شیخ محمد معصوم صاحب کے لئے چھوڑ دی تھی اور خود حرمین شریفین چلے گئے، حج و زیارت کے بعد ۱۰۶۹ھ میں واپس ہو کر باقی عمر درس و تلمیذ میں گزاری۔ آپ کی تصانیف حاشیہ مشکوٰۃ شریف، رسالہ تحقیق اشارہ فی المتشہدین، حاشیہ خیالی شرح عقائد وغیرہ ہیں۔ (حدائق رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔)

۳۴۲- الشیخ ایوب بن احمد بن ایوب الاستاذ الکبیر الخلوتی دمشقی حنفی م ۱۰۷۱ھ

بڑے محدث، جامع علوم و فنون، جامع شریعت و طریقت تھے، علوم حدیث آپ نے محدث شہیر معمر ابراہیم بن الاحدب سے حاصل کئے اور عارف باللہ احمد العالی سے طریق خلوتیہ حاصل کر کے شیخ وقت ہوئے، بڑے صاحب کشف و کرامات تھے، آپ کو شیخ اکبر ابن عربی کی لسان کہا جاتا تھا، ایک دفعہ خواب میں شیخ اکبر کو دیکھا کہ ان کے دروازہ پر چالیس دربار ہیں، لیکن آپ داخل ہوئے تو کسی نے نہ روکا، شیخ کی خدمت میں پہنچے تو فرمایا کہ ”اے ایوب! تم میرے نقش قدم پر ہو، تمہارے سوا کوئی اس طرح میرے پاس نہیں آیا، حضور اکرم ﷺ کی زیارت مبارک سے مشرف ہوئے، اس وقت حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حضرات عشرہ مبشرہ بھی حاضر تھے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا ”ایوب سے کہہ دو کہ وہ زمانہ بہت مبارک ہے جس میں آپ ہیں۔“

ہمیشہ اور ہر وقت کلمہ ”توحید“ لا الہ الا اللہ“ کا ورد رکھتے تھے جو آپ کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا، حتیٰ کے سوتے میں بھی آپ کے سانس کے ساتھ کلمہ مبارک سنا جاتا تھا، فرماتے تھے کہ اگر مجھے شروع سے معلوم ہو جاتا کہ ”لا الہ الا اللہ“ میں اتنے اسرار ہیں تو میں کوئی علم طلب نہ کرتا، حالانکہ آپ اسی ۸۰ علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے، آپ نے رسالہ اسمائے میں لکھا کہ سب سے زیادہ سریع الاثر اور نتیجہ خیز ورد لا الہ الا اللہ اور قرآۃ سورۃ اخلاص ہے۔

آپ نے بہت سے رسائل لکھے جو سب نہایت تحقیقی اور علوم و حقائق کے خزانے ہیں، مثلاً ذخیرۃ الفتح، عقلیۃ التفرید، نمیلۃ التوحید، ذخیرۃ الانوار، کیمیرۃ الافکار، رسالۃ الیقین وغیرہ ایک جزو میں اپنے مشائخ حدیث جمع کئے تھے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (تقدمہ و خلاصۃ الاثر ص ۳۲۸ ج ۱)

۳۴۳- شیخ محمد آفندی بن تاج الدین بن احمد محاسنی دمشقی حنفی م ۱۰۷۲ھ

مشہور محدث، فقیہ و ادیب تھے، جامع سلطان سلیم کے خطیب رہے، پھر جامع بنی امیہ کے امام و خطیب ہوئے اور جامع مذکور کے قبہ مغربیہ میں حدیث کا درس دیتے رہے، صحیح مسلم پر تعلیقات لکھیں، آپ سے بہت سے علماء دمشق مثل علامہ محقق شیخ علاؤ الدین حصکفی مفتی شام وغیرہ نے استفادہ علوم کیا، آپ کا کلام نظم و نثر نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا، رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (حدائق حنفیہ)

۳۴۴- شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی م ۱۰۷۳ھ

مشہور محدث فقیہ، فاضل تبحر، جامع کمالات صوری و معنوی تھے، علوم ظاہری و کمالات باطنی کی تحصیل و تکمیل اپنے والد ماجد سے کی، پھر درس و افتاء میں مشغول ہوئے، گرانقدر تصانیف کیں، مثلاً تیسیر القاری فی شرح صحیح البخاری (۶ ضخیم جلد میں) شرح صحیح مسلم، شرح شمائل

الترمذی، رسالہ اثبات اشارہ تشہد، زبدۃ فی التاریخ، تعلیقات شرح ہدایۃ الحکمۃ، تعلیقات شرح المطالع، تعلیقات علی العہد یہ وغیرہ۔
تیسیر القاری ۱۲۹۸ھ میں نواب محمود علی خان صاحب والی ریاست ٹونک کی توجہ و مالی امداد سے چھپی تھی، اس کے حاشیہ پر شیخ الاسلام (سبط شیخ محدث دہلوی) کی شرح اور علامہ حافظ دراز پشوری کی شرح بھی طبع ہوئی تھی، یہ تینوں تالیفات نہایت محققانہ طرز کی ہیں، اب یہ کتاب نایاب ہے۔
شاہجہان ایام شاہزادگی سے ہی آپ کے علم و فضل سے خوب واقف تھا، اس لئے اپنے دور شہنشاہی میں آپ کو اکبر آباد (آگرہ) کا قاضی و مفتی مقرر کر دیا تھا، آپ کا دور قضاء امانت و دیانت اور فصل خصومات کے اعتبار سے نہایت معقول و شاندار رہا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (مقدمہ لامع ص ۱۴۴ و حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر)

۳۴۵- الشیخ محمد معصوم بن الامام الربانی مجدد الالف الثانی قدس سرہ م ۱۰۸۰ھ، ۱۰۷۹ھ، ۱۰۷۷ھ مشہور و معروف محدث و فقیہ اور شیخ طریقت تھے، قرآن مجید صرف تین ماہ میں حفظ کر لیا تھا، پھر اکثر علوم کی تحصیل حضرت والد ماجد قدس سرہ سے کی اور ان کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہ کر کمالات طریقیہ نقشبندیہ کی تکمیل کی، آپ حضرت مجدد صاحب کے اخلاق و عادات و کمالات کے مثل کامل تھے، آپ کو حضرت مجدد صاحب نے مقامات عالیہ قیومیت وغیرہ سے سرفراز ہونے کی بشارت دی اور جن مراتب عالیہ پر آپ پہنچے، حضرت مجدد صاحب کے اصحاب و خلفاء میں سے کوئی ان تک نہیں پہنچا، حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کی وفات پر آپ ہی مسند ارشاد پر رونق افروز ہوئے اور تمام اوقات درس علوم و افادہ فیوض باطنیہ میں بسر کئے، بیضاوی شریف، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ عضدی و تلویح کا درس اکثر دیا کرتے تھے، ہزاروں ہزار لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا اور آپ کے خلفاء کی تعداد بھی سات ہزار تک نقل ہوئی ہے، نیز بعض حضرات نے آپ کی توجہ سے درجہ و لاویت پر پہنچنے والی کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ لکھی ہے۔
امراء و سلاطین کی مجالس سے بے حد نفوز تھے، حتیٰ کے شاہجہان باوجود اشتیاق بسیار کے آپ کی صحبت سے محروم رہا البتہ اور نگزیر عالمگیر آپ کی بیعت اور کچھ صحبت سے بھی مشرف ہوئے۔

آپ کے مکاتیب عالیہ بھی تین جلدوں میں مدون ہوئے جو حضرت امام ربانی کے مکتوبات مبارکہ کی طرح حقائق علوم نبوت، غوامض اسرار شریعت اور لطائف و دقائق طریقت کا گراں قدر مجموعہ ہیں، اکثر مکاتیب میں مکتوبات حضرت امام ربانی کے مغلقات و مشکلات کا بھی حل کیا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر و حدائق حنفیہ)

۳۴۶- الشیخ معین الدین بن خواجہ محمود نقشبندی کشمیری حنفی م ۱۰۸۵ھ

مشائخ و علماء کشمیر میں سے اتباع شریعت، ترویج سنت و ازالہ بدعات و رسوم غیر شرعیہ میں اپنے وقت کے بے نظیر عالم تھے، حدیث و فقہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شاگردی کی اور مدت تک ان کی خدمت میں رہے تھے، کشمیر میں مرجع علماء و فضلاء ہوئے اور درس علوم و افادہ فیوض باطنی میں زندگی بسر کی، مجموعہ فتاویٰ نقشبندیہ کنز السعاده (فقہ میں) الرضوانی (سیر و سلوک و بیان خوارق و کرامات والد ماجد میں) آپ کی یادگار ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر و حدائق حنفیہ)

۳۴۷- شیخ محمد بن علی بن محمد بن علی حنفی حنفی م ۱۰۸۸ھ

مشہور محدث و فقیہ جامع معقول و منقول، صاحب تصانیف کثیرہ تھے، احادیث و مرویات کے بڑے حافظ تھے، آپ کے فضل و کمال کی شہادت آپ کے مشائخ و اساتذہ اور معصروں نے بھی دی ہے، خصوصیت سے آپ کے شیخ خیر الدین ربلی نے آپ کے کمال درایت و

روایت کی بڑی تعریف کی ہے، آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں: تعلیقات بخاری (۳۰ جزو) حواشی تفسیر بیضاوی، الدرر المختار (فقہ کی مشہور و متداول کتاب) شرح ملتقى الابحار، شرح المنار، شرح قطر، مختصر فتاویٰ صوفیہ، حواشی درر وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (حدائق حنفیہ)

۳۴۸- شیخ ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد بن احمد بن بیری مفتی مکہ مکرمہ حنفی م ۱۰۹۲ھ

آپ ”بیری زادہ“ کے نام سے مشہور ہوئے، محدث کامل، فقیہ فاضل، تبحر فی العلوم اور علم فتویٰ میں یگانہ زمانہ تھے، تمام اوقات مطالعہ کتب اور درس و تصنیف وغیرہ میں مشغول رہتے تھے، ستر ۷۰ سے زیادہ تصانیف عالیہ یادگار چھوڑیں ان میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔
شرح موطا امام محمد (جلد ۲) عمدة ذوی البصائر حاشیہ الاشباہ والنظائر، شرح التصحیح قدوری شیخ قاسم، شرح المنسک الصغیر ملا علی قاری، رسالہ در بیان جواز عمرہ در اشہر حج، شرح منظوم ابن شہنہ، رسالہ در بارہ اشارہ سبابہ، رسالہ در عدم جواز تعلق (اس رسالہ میں آپ نے اپنے ہم عصر علماء مکی بن فروخ وغیرہ کا مدلل رد کیا ہے) ولادت مدینہ طیبہ میں ہوئی تھی، وفات مکہ معظمہ میں ہوئی اور معلاۃ میں قریب مرقد مبارک حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (حدائق حنفیہ)

۳۴۹- شیخ داؤد مشکوتی کشمیری حنفی م ۱۰۹۷ھ

کشمیر کے اکابر محدثین و فقہاء میں سے تھے، آپ نے شیخ حیدر بن فیروز کشمیر سے علوم حدیث و فقہ وغیرہ کی تحصیل و تکمیل کی، طریقت کے کمالات شیخ نصیب الدین سے حاصل کئے، حضرت خواجہ محمود بخاری سے بھی فیوض کثیرہ لئے اور ان سب حضرات کی خدمت میں ایک مدت گزار کر علم و معرفت میں کامل ہوئے، ”مشکوتی“ مشہور ہوئے، کیونکہ پوری مشکوٰۃ شریف آپ کو متنا و سندا حفظ تھی۔
آپ نے اسرار الابرار (سادات کشمیر کے حالات میں) لکھی، اسرار الاشجار اور کتاب منطق الطیر شیخ عطار کو منظوم کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر)

۳۵۰- شیخ یحییٰ بن الامام الربانی مجدد الالف الثانی قدس سرہ حنفی م ۱۰۹۸ھ

حضرت مجدد صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں، محدث، فقیہ، علماء ربانیین سے ہیں، ۱۰۲۷ھ میں ولادت ہوئی، علوم کی تحصیل و تکمیل اپنے منجھلے بھائی، شیخ محمد معصوم صاحب اور بڑے بھائی شیخ محمد سعید صاحب سے کی، پھر درس و افادہ میں مشغول ہوئے اور بہت سی تصانیف بھی کیں۔ آپ کا نکاح حضرت خواجہ عبید اللہ بن حضرت شیخ المشائخ خواجہ باقی باللہ نقشبندی قدس اسرار ہما کی صاحبزادی سے ہوا تھا۔ ”الیانع الجنی“ میں ہے کہ آپ نے مسئلہ اشارہ تشہد میں اپنے والد ماجد اور بھائیوں کی مخالفت کی، یعنی از روئے حدیث صحیح اس کے ثبوت کو نفی و انکار کے مقابلہ میں ترجیح دی اور یقیناً حضرت مجدد صاحب اور دوسرے حضرات بھی اگر حدیث مثبت صحیح سے مطلع ہو جاتے، تو اپنی رائے بدل دیتے۔ رحمہم اللہ کلہم رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر ج ۳۵ ص ۵)

۳۵۱- الشیخ ابو یوسف یعقوب البنانی لاہوری حنفی م ۱۰۹۸ھ

مشہور محدث، فقیہ و جامع معقول و منقول تھے، شاہجہاں اور عالمگیر کے دور میں آپ ناظر محاکم عدلیہ رہے، باوجود اس کے درس و تصنیف میں بھی مشغول رہتے تھے، آپ کے درس سے بکثرت علماء و طلبہ نے استفادہ کیا، علوم حدیث میں بڑی دست گاہ تھی، اثنادرس میں فاضل سیالکوٹی پر تعریضات کرتے تھے، آپ کی تصانیف یہ ہیں:
حاشیہ بیضاوی شریف، الخیر الجاری فی شرح صحیح البخاری، المعلم فی شرح صحیح الامام مسلم، المصطفیٰ فی شرح الموطا، شرح تہذیب الکلام،

شرح الحسامی، شرح شریعت الاسلام، اساس العلوم (حدیث میں) حاشیہ رضی، حاشیہ عضدی، ان کے علاوہ دوسری کتب درسیہ پر بھی تعلیقات ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۴۳۹ ج ۵)

۳۵۲- الشیخ محمد شیخ الاسلام فخر الدین بن محبت اللہ بن نور اللہ دہلوی حنفیؒ

محدث جلیل القدر، فضلاء عصر میں ممتاز، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نواسہ ہیں، آپ نے بخاری شریف کی شرح لکھی تھی جو تیسیر القاری کے حاشیہ پر چھپی ہے، اس میں نہایت محققانہ محدثانہ اباحت ہیں، آپ سلطان محمد شاہ کے زمانہ سے نادر شاہ کے ابتدائی دور تک دہلی میں صدر الصدور امور مذہبی کے عہدہ پر فائز رہے، پھر رحلت فرمائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (مقدمہ لامع ص ۱۴۷)

۳۵۳- شیخ محدث ملا شنگرف گنائی کشمیری حنفیؒ

حضرت بابا عثمان گنائی کی اولاد میں سے محدث کبیر، فقیہ فاضل اور جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے، علامہ مفتی فیروز کے چچا تھے، اپنے شہر کے علماء و محدثین سے تحصیل علوم کے بعد حرمین شریفین تشریف لے گئے، وہاں زبدۃ المحققین، محدث شہیر علامہ ابن حجر مکی سے حدیث کی اجازت حاصل کی اور کشمیر واپس ہو کر درس و ارشاد میں مشغول ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ و تذکرہ علماء ہند)

۳۵۴- شیخ زین الدین علی تبور، رائے نواری کشمیری حنفیؒ

علماء کشمیر میں سے محدث کامل و فقیہ فاضل تھے، حضرت شیخ یعقوب صرنی اور ملا ٹمس الدین یالی سے علوم کی تحصیل و تکمیل کے بعد حضرت مخدوم شیخ ہمزہ سے بیعت کی اور معارف و حقائق تصوف سے بھی حظ وافر حاصل کیا اور اسطرح عمر میں تمام و کمال فقر و زہد کی زندگی اختیار کی، پھر حرمین شریفین حاضر ہوئے اور وہاں شیخ ابن حجر مکی سے اجازت حدیث لے کر کشمیر واپس آئے اور تمام زندگی نشر و افادہ علوم ظاہری و باطنی میں بسر کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ و تذکرہ)

۳۵۵- شیخ علی بن جار اللہ قرشی خالد مکی حنفیؒ

حضرت خالد بن ولید کی اولاد میں سے محدث کامل، فقیہ فاضل، مفتی و خطیب مکہ معظمہ تھے، حرم شریف میں بیٹھ کر تمام دن درس حدیث و تفسیر و فقہ اور افتاء کی خدمات انجام دیتے تھے، خصوصیت سے بخاری شریف کا درس نہایت محققانہ شان سے ہوتا تھا، بڑے فصیح و بلیغ مقرر و خطیب تھے، اپنے خاندان میں سے صرف آپ کے والد اور آپ ہی حنفی تھے، باقی سب شافعی مذہب کے پیرو تھے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے صحیح بخاری شریف وغیرہ کتاب صحاح آپ سے پڑھی تھیں، شیخ علی متقی اور شیخ عبد الوہاب متقی سے بڑی محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۳۵۶- الشیخ المحدث حسن بن علی العجمی المکی، حنفیؒ م ۱۱۱۳ھ

مشہور محدث و فقیہ تھے، آپ کی اسانید مرویات "کفایۃ المستطلع" کی دو جلدوں میں ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ نصب الراية ص ۴۸)

۳۵۷- الشیخ محمد اعظم بن سیف الدین بن الشیخ محمد معصوم العمری سرہندی حنفیؒ م ۱۱۱۳ھ

بڑے محدث و فقیہ تھے، علوم کی تحصیل اپنے چچا جان شیخ فرخ شاہ بن الشیخ محمد سعید سرہندی اور والد ماجد سے کی اور طریقت میں بھی اپنے والد بزرگوار سے استفادہ کیا، آپ کی نہایت محققانہ مفید شرح صحیح بخاری پر ہے جس کا نام فیض الباری ہے، ۲۸ سال کی عمر میں وفات

ہوئی اور اپنے والد ماجد کے قریب سرہند شریف میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (ہدایہ احمدیہ، نزہۃ الخواطر)

۳۵۸- الشیخ مبارک بن فخر الدین الحسینی الواسطی بالگرامی حنفیؒ م ۱۱۱۵ھ

محدث کبیر و جامع علوم و فنون تھے، پہلے بلگرام میں تحصیل کی، پھر دہلی گئے اور علامہ خواجہ عبداللہ بن شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی قدس سرہ اور شیخ نور الحق بن شیخ محدث دہلوی وغیرہ سے علوم کی تکمیل اور حدیث کی سند حاصل کی، ۱۰۶۲ھ میں اپنے وطن واپس ہو کر درس و افادہ میں مشغول ہوئے۔

نہایت وقور، بارعب اور امر معروف و نہی منکر میں جری تھے، ان کی موجودگی میں کسی شخص کو ارتکاب منہیات شرع کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر)

۳۵۹- الشیخ المحدث فرخ شاہ بن الشیخ محمد سعید بن الامام الربانی قدس سرہ، حنفیؒ م ۱۱۲۲ھ

اپنے والد ماجد کی تیسری اولاد ہیں لیکن علم و فضل میں سب سے بڑھ کر اور درس و افادہ علوم و ظاہر و باطن میں سب سے بڑے تھے، اپنے والد ماجد سے علوم کی تحصیل اور خصوصیت سے حدیث و فقہ اور تصوف میں مراتب عالیہ کی تکمیل کی، حافظ نہایت قوی تھا، بڑے ذہین و ذکی تھے، مباحثہ سے بھی رغبت تھی، علوم حدیث سے عشق تھا، حرمین شریفین حاضر ہو کر فیوض و برکات سے مالا مال ہو کر ہندوستان واپس ہوئے اور درس و افادہ میں منہمک ہو گئے۔

”الیانح الجنی“ میں ہے کہ آپ کو ستر ہزار احادیث متن و سند کے ساتھ یاد تھیں جن کے رجال پر پوری بصیرت سے جرح و تعدیل کر سکتے تھے، احکام فقہیہ پر بڑی نظر تھی اور ایک درجہ کا اجتہاد حاصل تھا، باوجود اس کے نہایت حیرت ہے کہ آپ نے ایک رسالہ منع اشارہ تشہد میں لکھا ہے۔“
فقہ و حدیث میں آپ کے بہت سے رسائل ہیں اور اپنے جدا جدا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی طرف سے مدافعت میں بھی رسائل لکھے ہیں، مثلاً القول الفاصل بین الحق والباطل او کشف الغطاء عن وجوه الخطا، نیز رسالہ حرمت غناء، رسالہ عقائد رسالہ فی الحقیقۃ الحمدیہ، حاشیہ حاشیہ عبدالکحیم علی الخیالی وغیرہ لکھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر)

۳۶۰- شیخ عنایت اللہ شمال کشمیری حنفیؒ م ۱۱۲۵ھ

بڑے محدث، فقیہ، متقی، متورع اور جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے، علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل اپنے وقت کے اکابر شیوخ سے کی ہمیشہ علوم حدیث، تفسیر و فقہ وغیرہ کا درس دیتے تھے، خصوصیت سے درس بخاری شریف کی محدثانہ تحقیق کے لحاظ سے بے نظیر شہرت ہوئی۔
نقل ہے کہ ۳۶ دفعہ مکمل بخاری شریف کو پوری تحقیق سے پڑھایا حدیث اور اس کے طرق اسانید کی واقفیت آپ کو بدرجہ کمال حاصل تھی، مثنوی مولانا روم کو بھی پڑھنے پڑھانے کے نہایت دلدادہ تھے، علوم باطن میں مشائخ وقت سے خرقہائے خلافت حاصل کئے، تمام عمر درس و وعظ میں بسر کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (حدائق الحنفیہ و نزہۃ الخواطر)

۳۶۱- الشیخ العلامة احمد بن ابی سعید بن عبداللہ بن عبدالرزاق صدیقی حنفیؒ م ۱۱۳۰ھ

مشہور محدث و فقیہ، جامع معقول و منقول ”ملا جیون“ کے نام سے زیادہ معروف، شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے استاذ محترم تھے، نسباً حضرت ابو بکر صدیقؓ سے متصل اور قصبہ ایٹھی کے ساکن تھے، سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا پھر تحصیل علوم و فنون میں مشغول ہوئے، قوت حافظہ بے نظیر تھی جو کتابیں دیکھتے تھے، یاد ہو جاتی تھیں، اکثر درسی کتابیں شیخ محمد صادق ترکھی سے اور کچھ مولانا لطف اللہ صاحب

جہاں آبادی سے پڑھیں، فراغت کے بعد مسند صدارت تدریس کو زینت بخشی اور اپنے وطن میں پڑھاتے رہے، چالیس سال کی عمر میں اجمیر شریف ہو کر دہلی پہنچے، وہاں بھی کافی مدت اقامت کی، درس و افادہ کرتے رہے، ۵۵ سال کی عمر میں حرمین شریفین حاضر ہوئے، وہاں بھی ایک مدت اقامت کی، وہاں کی برکات ظاہری و باطنی سے دل بھر کر سیرابی کی، ۵۴ سال بعد واپس ہو کر بلا دکن میں سلطان عالمگیر کے ساتھ ۶ سال گزارے، ۱۱۱۲ھ میں پھر حرمین شریفین حاضری دی، ایک سال اپنے والد ماجد کی طرف سے، دوسرے سال والدہ ماجدہ کی جانب سے بھی مناسک حج ادا کئے اور صحیحین کا درس نہایت تحقیق و اتقان کے ساتھ بغیر مراجعت کتب و شروع دیا، پھر ۱۱۱۶ھ میں ہندوستان واپس ہو کر اپنے وطن میں دو سال قیام کیا، اس زمانہ میں طریق سلوک و تصوف کی طرف زیادہ توجہ فرمائی اور حضرت شیخ سلیمان بن عبدالرزاق قادریؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا، پھر اپنے اصحاب و مریدین کے ساتھ دہلی تشریف لائے، قیام فرما کر درس و افادہ میں مشغول ہوئے۔

شاہ عالم بن عالمگیر بلا دکن سے لوٹے تو آپ نے اجمیر جا کر ان کا استقبال کیا، ان کے ساتھ لاہور گئے، وہاں بھی ایک مدت گزارى، شاہ عالم کی وفات پر دہلی واپس ہوئے اور وفات تک دہلی میں مقیم رہے، شاہ فرخ سیر نے بھی آپ کی بڑی قدر و منزلت کی۔ علاوہ افادہ علوم ظاہری و کمالات باطنی ہر وقت لوگوں کی دنیوی ضرورتوں میں بھی امداد فرماتے تھے اور امراء و سلاطین کے یہاں ان کے لئے سفارش کرتے تھے، باوجود کبر سنی کے بھی عوام سے رابطہ اور درس و افادہ کا مشغلہ آخر وقت تک قائم رکھا۔

آپ کی تصانیف نہایت مشہور و مقبول ہوئیں، جن میں چند یہ ہیں: تفسیر احمدی، جو آپ کے ابتدائی دور کی تصنیف ہے (اس کو آپ نے ۱۰۶۳ تا ۱۰۶۹ھ پورا کیا، نور الانوار فی شرح المنار) (یہ کتاب مدینہ منورہ کے قیام میں صرف دو ماہ کے اندر لکھی، السوانح) (یہ لوائح جامی کے طرز پر ہے جس کو آپ نے دوسرے سفر حجاز میں تصنیف کیا، مناقب الاولیاء) (آخری زمانہ قیام ایشیہ میں تصنیف کی، اس کا تمہ آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالقادر نے لکھا، آداب احمدی) (سیر و سلوک میں ابتداء عمر میں لکھی) آپ کی وفات دہلی میں ہوئی وہیں دفن ہوئے تھے، مگر پچاس روز کے بعد آپ کو ایشیہ لے کر آپ کے مدرسہ میں دفن کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر)

۳۶۲۔ الشیخ الامام العلامة ابوالحسن نورالدین محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی م ۱۱۳۸ھ، ۱۱۳۹ھ

جلیل القدر محدث و فقیہ، شیخ ابوالحسن سندھی کبیر کے نام سے مشہور ہوئے، پہلے اپنے بلاد سندھ کے علماء و مشائخ سے علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل کی پھر مدینہ طیبہ کو ہجرت کی اور وہاں کے اجلہ شیوخ سے استفادہ کیا، حرم شریف نبوی میں درس حدیث دیتے تھے، علم و فضل و ذکاوت و صلاح میں بڑی شہرت پائی، نہایت نافع تالیفات کیں، مثلاً حواشی صحاح ستہ، حاشیہ مسند امام احمد، حاشیہ فتح القدر، حاشیہ جمع الجوامع شرح اذکار الامام النووی وغیرہ۔

سلک الدرر اور تاریخ جبرتی میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کے جنازہ کو امراء و حکام نے اٹھا کر مسجد نبوی میں پہنچایا اور تمام ساکنان مدینہ پاک نے اظہار غم و الم کیا، بازار بند ہوئے، بے شمار لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں دفن ہوئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (تقدمہ نصب الراية و نزہۃ الخواطر ص ۵، ۶)

۳۶۳۔ شیخ کلیم اللہ بن نور اللہ بن محمد صالح المہندس صدیقی جہاں آبادی حنفی، م ۱۱۴۰ھ

کبار مشائخ چشت میں سے بڑے محدث و علامہ وقت تھے، اول علماء دہلی سے تحصیل علوم و فنون کی، پھر حجاز تشریف لے گئے اور ایک مدت طویلہ وہاں رہ کر استفادہ تکمیل و علوم ظاہری کے ساتھ طریقہ چشتیہ شیخ یحییٰ بن محمود گجراتی مدنی سے طریقہ نقشبندیہ میر محترم سے (جن کا سلسلہ خواجہ عبید اللہ احرار سے متصل تھا) اور طریقہ قادریہ شیخ محمد غیاث کے سلسلہ سے حاصل کیا، پھر ہندوستان واپس ہو کر دہلی میں قیام کر کے

درس وافادہ میں مشغول ہوئے۔

آپ کی تصانیف قیمہ یہ ہیں: تفسیر قرآن مجید، کشکول، المرقع فی الرقی، التفسیر، سواء السبیل، العشرة الكاملة، کتاب الرد علی الشیعہ، مجموعۃ المکاتیب، شرح قانون الشیخ الرکیس وغیرہ، بڑے متوکل وزاہد تھے، سلاطین وامراء کے ہدایا و تحائف سے سخت اجتناب کرتے تھے، اپنا ذاتی مکان جو بڑی حیثیت کا تھا کرایہ پردے دیا تھا اس کی آمدنی سے گزراوقات کرتے تھے، معمولی کرایہ کا مکان لے کر رہائش کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر)

۳۶۴- شیخ ابوالطیب محمد بن عبدالقادر السندی المدنی حنفی م ۱۱۴۰ھ

بڑے محدث جلیل القدر تھے، پہلے اپنے بلاد سندھ کے علماء و مشائخ سے علوم کی تحصیل کی، پھر حجاز جا کر حج و زیارت سے مشرف ہوئے، مدینہ طیبہ (زاد ہا اللہ شرفاء میں سکونت اختیار کی، شیخ حسن بن علی عجمی سے صحاح ستہ پڑھیں، شیخ محمد سعید کو کئی قرشی نقشبندی اور شیخ احمد البناء سے بھی اجازت حاصل کی۔

تمام عمر درس علوم وافادہ کمالات میں مشغول رہے، صدق و صلاح، تقویٰ و طہارت کا پیکر مجسم تھے، حنفی المسلك، نقشبندی الطریقت تھے، جامع ترمذی کی عربی میں بہترین شرح لکھی جس کی ابتداء اس طرح کی: الحمد لله الذي شيد ارکان الدين الحنيفي بكتابه المبين الخ در مختار پر بھی بہت گرانقدر حاشیہ لکھا۔

آپ سے مدینہ طیبہ کے بکثرت علماء و کبار محدثین نے حدیث پڑھی، مثلاً شیخ عبدالرحمن بن عبدالکریم انصاری مدنی، شیخ عبداللہ بن ابراہیم البری مدنی، شیخ محمد بن علی الشروانی مدنی، شیخ یوسف بن عبدالکریم مدنی وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (تکملہ تقدمه نصب الراية ص ۴۹ و نزہۃ الخواطر ص ۱۴ ج ۶)

۳۶۵- شیخ عبدالغنی بن اسماعیل بن عبدالغنی نابلسی دمشقی حنفی م ۱۱۴۳ھ

محدث و فقیہ فاضل تھے، علوم کی تحصیل و تکمیل اپنے بلاد کے اکابر و علماء، و مشائخ سے کی اور آپ کے فیض علم سے بکثرت علماء و مشائخ مستفید ہوئے، کتاب ذخائر الموارث فی الدلالۃ علی مواضع الدیث، کتاب نہایۃ المراد شرح ہدیۃ ابن العماد، خلاصۃ التحقیق فی مسائل التقلید و التذقیق، اللولو المکنون فی الاخبار عما یسکون، غایۃ الوجازہ فی تکرار الصلوٰۃ علی الجنائزہ وغیرہ تصنیف کیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (امام ابن ماجہ اور علم حدیث اردو ص ۲۳۴ و حدائق الحنفیہ)

۳۶۶- شیخ محمد افضل بن الشیخ محمد معصوم بن الامام الربانی قدس سرہ حنفی م ۱۱۴۶ھ

محدث ثقہ، فاضل تبحر فی العلوم، اولیائے کبار سے تھے، حضرت شیخ عبدالاحد بن شیخ محمد سعید سرہندی خلیفہ شیخ احمد سعید سے علم ظاہر و باطن حاصل کیا، پھر حرمین شریفین حاضر ہو کر شیخ سالم بن عبداللہ البصری مکی کی صحبت میں رہے، اور استفادہ کیا، شیخ حجۃ اللہ نقشبندی سے بھی دس سال تک اکتساب فیوض و برکات کیا تھا۔

حجاز سے واپس ہو کر دہلی میں سکونت اختیار کی، مدرسہ غازی الدین خان میں درس علوم دیا، آپ سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حضرت مرزا صاحب جان جانان، شیخ گدا علی اور دوسرے بہت سے علماء نے حدیث حاصل کی، حضرت شیخ المشائخ مولانا غلام علی صاحب نقشبندی قدس سرہ نے "مقامات مظہریہ" میں تحریر فرمایا کہ:

آپ ”حضرت شیخ عبدالاحد قدس سرہ کی خدمت میں بارہ سال رہے، پھر حرمین شریفین میں شیخ سالم سے استفادہ کیا، واپس ہو کر دہلی صدارت علم کی اور نہایت قناعت و عفاف کے ساتھ زندگی بسر کی، آپ کی خدمت میں جتنے روپے پیش کئے جاتے تھے، ان سے علمی کتابیں خرید کر طلبہ کے لئے وقف فرمادیتے تھے، ایک دفعہ پندرہ ہزار کی رقم خطیر آئی تو اس کو بھی اسی طرح صرف کر دیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (حدائق نفیۃ وزینۃ الخواطر)

۳۶۷- شیخ تاج الدین قلعی بن قاضی عبدالحسن حنفی م ۱۱۲۸ھ

جلیل القدر محدث اور فقیہ فاضل مفتی مکہ معظمہ تھے، بہت سے مشائخ حدیث کی خدمت میں رہے اور سب نے آپ کو اجازت دی، لیکن زیادہ استفادہ آپ نے شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے کیا، آپ نے کتب حدیث کو بحث و تفتیح کے ساتھ ان سے پڑھا اور صحیحین کو بھی محدث بخیمی سے اسی طرح پڑھا، ان کے علاوہ شیخ صالح زنجانی، شیخ احمد نخلی اور شیخ احمد قطان وغیرہ سے فقہ و حدیث میں استفادہ کیا، شیخ ابراہیم کردی سے احادیث خصوصاً حدیث مسلسل بالاولیہ کی اجازت حاصل کی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ”انسان العین“ میں لکھا ہے کہ جب آپ صحیح بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے تو میں بھی کئی دن تک درس میں حاضر ہوا اور آپ سے کتب صحاح ستہ موطاً امام مالک، مسند دارمی اور کتاب الآثار امام محمد کو کہیں کہیں سے سنا اور آپ سے سب کتابوں کی اجازت حاصل کی اور جب ۱۱۴۳ھ میں ”زیارت نبوی“ سے واپس ہوا تو سب سے پہلے آپ ہی سے حدیث مسلسل بالاولیہ کو بروایت شیخ ابراہیم سنا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (حدائق حنفیہ)

۳۶۸- شیخ محمد بن احمد عقیلہ مکی حنفی م ۱۱۵۰ھ

مشہور محدث ہیں، محدث بخیمی وغیرہ سے حدیث حاصل کی، آپ کی گرانقدر تصانیف آپ کی جلالت قدر پر شاہد ہیں، مثلاً المسلسلات عدۃ اثبات، الدرر المنظوم (۵ مجلدات میں تفسیر القرآن بالماثور، الزیادۃ والاحسان فی علوم القرآن) (جس میں ”اتقان“ کی تہذیب کی ہے اور بہت سے علوم قرآن کا اضافہ کیا ہے، آپ کی اکثر مؤلفات استنبول کے مکتبہ علی باشا الحکیم میں موجود ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (تقدمہ نصب الراية)

۳۶۹- الشیخ الامام العلامة نور الدین بن محمد صالح احمد آبادی حنفی م ۱۱۵۵ھ

بڑے محدث اور ہندوستان کے ارباب فضل و کمال و اساتذہ مشہورین میں سے جامع معقول و منقول بحر ذکار علوم تھے، بچپن ہی سے علم کا شوق بے نہایت تھا، گلستان سعدی اپنی والدہ ماجدہ سے سات روز میں پڑھی، کتب درسیہ مولانا احمد بن سلیمان گجراتی اور فرید الدین صاحب احمد آبادی سے پڑھی، حدیث شیخ محمد بن جعفر حسینی بخاری سے پڑھی اور انہی سے طریقہ سلوک میں بھی استفادہ کیا، تمام کمالات و فضائل اور کثرت درس افادہ میں بے نظیر شخصیت کے مالک ہوئے۔

آپ کے خاص عقیدت مند اکرم الدین گجراتی نے آپ کے درس و افادہ کے لئے ایک مدرسہ احمد آباد میں تعمیر کرایا جس پر ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ صرف کیا اور طلبہ کے مصارف کے لئے کئی دیہات بھی وقف کئے۔

شیخ موصوف نہایت متوکل، متورع، زاہد و عابد تھے، شب میں دو بار اٹھ کر نوافل پڑھتے تھے، اور ہر بار سونے سے قبل ایک ہزار بار تہلیل کرتے اور ہزار بار درود شریف پڑھتے تھے، امراء و سلاطین کے ہدایا، تحائف اور روزینوں سے سخت اجتناب کرتے تھے، آپ کی تصانیف قیمہ یہ ہیں: تفسیر کلام اللہ، حاشیہ تفسیر بیضاوی، نور القاری، شرح صحیح البخاری، شرح الوقایہ، حاشیہ شرح مواقف، حل المعائد، حاشیہ شرح المقاصد، شرح نصوص الحکم، حاشیہ شرح المطالع، حاشیہ تلوتح، حاشیہ عضدی، المعول حاشیہ المظلول، شرح تہذیب، المنطق (جو آپ کی

تمام تصانیف میں سے زیادہ ادا ہے) وغیرہ، آپ کی سب چھوٹی بڑی تصانیف تقریباً ڈیڑھ سو ہیں، ۹۱ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر)

۳۷۰- الشیخ الامام المحدث صفة اللہ بن زین العابدین حنفی م ۱۱۶۱ھ

خیر آباد کے علما و محدثین میں سے جلیل القدر عالم ربانی، کتب درسیہ شیخ قطب الدین سے پڑھیں، پھر حرمین شریفین حاضر ہوئے اور کئی سال وہاں قیام فرما کر شیخ ابوطاہر مرین ابراہیم کردی مدنی سے حدیث حاصل کی اور وطن واپس آ کر منطق و فلسفہ کا درس قطعاً نہیں دیا، بلکہ صرف حدیث و تفسیر کا درس اختیار کیا، بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر)

۳۷۱- الشیخ العلام محمد معین بن محمد امین بن طالب اللہ سندھی م ۱۱۶۱ھ

حدیث، کلام و عربیہ کے بڑے فاضل جلیل تھے، شیخ عنایہ اللہ سندھی سے تحصیل علم کی، پھر دہلی جا کر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ سے تکمیل کی، اپنے وطن واپس ہو کر طریقت میں شیخ ابوالقاسم نقشبندی سے استفادہ کیا اور حضرت علامہ سید عبداللطیف کی خدمت میں رہ کر فیوض کثیرہ علم و معرفت کے حاصل کئے، نہایت ذکی و فہیم، حدیث و کلام کے ماہر تھے، بہت اچھے شاعر تھے، وجد و سماع اور نغموں سے دل کو خاص لگاؤ تھا، حتیٰ کے حالت وجد و سماع ہی میں وفات بھی ہوئی، آپ کا میلان شیعیت اور عدم تقلید کی طرف بھی تھا۔

حضرت علامہ شیخ محمد ہاشم سندھی سے علمی میدان میں مقابلے مباحثے رہے ہیں، آپ کی نہایت مشہور تصنیف ”دراسات اللیب فی الاسوۃ الحسنیۃ بالجیب“ ہے جو پہلے لاہور سے چھپی تھی اور اب ”لجنۃ احیاء الادب السنڈی“ کراچی سے نہایت عمدہ نائپ سے حضرت العلامہ عبدالرشید نعمانی دام فیضہم کی نہایت مفید تعلیقات کے ساتھ شائع ہوئی ہے اس میں بارہ دراسات ہیں جن میں نہایت قیمتی حدیثی فقہی ابحاث ہیں، ایک دراسہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی پر بھی رد کیا ہے ایک میں تقلید کی اس صورت کو حرام کہا ہے کہ حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے کسی امام کا قول مخالف اختیار کیا جائے اور یہ بیشک صحیح ہے، نہ اس قسم کی تقلید مقلدین آئمہ اربعہ کرتے ہیں ایک دراسہ میں بتلایا ہے کہ اگر اجماع کسی حدیث صحیح کے معارض ہو تو کیا کیا جائے، ایک میں بتلایا کہ اگر اقوال آئمہ اربعہ کسی حدیث صحیح کے معارض ہو تو کیا کیا جائے، ایک دراسہ میں ظاہر یہ اور اسباب ظواہر کا فرق دکھلایا ہے، دسویں دراسہ میں بتلایا کہ متفق علیہ احادیث مفید ظن ہیں یا مفید قطعیت، گیارہویں دراسہ میں اس قول کا رد کیا کہ احادیث صحیحین کے برابر غیر صحیحین کی احادیث نہیں ہو سکتیں، بارہویں دراسہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے مذہب کے بارے میں نہایت ادب کا معاملہ کرنے پر زور دیا ہے (اور جو کچھ ان پر جرح کی گئی ہے اس کا بڑی شدت سے رد کیا ہے، امام اعظم کے قول کو دوسرے تابعین کے اقوال پر ترجیح دیتے ہیں، علامہ ابن تیمیہ کے بہت بڑے مخالف تھے ان پر سختی سے رد کرتے ہیں اور علامہ ابن قیم کے مداح ہیں۔

دراسات اللیب کے جن مقامات میں آپ سے اغلاط و مسامحات ہوئے ہیں ان کی تصحیح و نقد کا فرض نہایت خوش اسلوبی سے مولانا نعمانی نے تعلیقات میں انجام دیا ہے، اور ان کا مستقل رد علامہ مخدوم عبداللطیف سندھی نے ”ذب ذبابات الدراسات“ کے نام سے لکھا تھا، جس کی جلد اول ضخیم لجنہ مذکور سے شائع ہو گئی ہے، اور دوسری زیر طبع ہے، اہل علم کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ نہایت ضروری و مفید ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر و کلمۃ عن الدراسات للشیخ عبدالرشید نعمانی وغیرہ)

۳۷۲- الشیخ الامام المحدث محمد حیات بن ابراہیم سندھی مدنی حنفی متوفی ۱۱۶۳ھ

بڑے محدث شہیر، عالم کبیر تھے، ابتداء میں علوم کی تحصیل شیخ محمد معین سندھی سے کی، پھر حرمین شریفین حاضر ہو کر مدینہ طیبہ میں سکونت

کی اور شیخ کبیر الحسن سندھی مدنی حنفی کی خدمت و صحبت میں رہ پڑے، ان سے علوم حدیث وغیرہ کی تکمیل کی اور ان کی وفات پر ۲۳ سال تک ان کی جانشینی کی، آپ کو شیخ عبداللہ بن سالم بھری مکی، شیخ، ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی اور شیخ حسن بن علی نجفی وغیرہم نے بھی اجازت حدیث دی اور آپ سے بکثرت مشاہیر علماء و مشائخ سے استفادہ کیا، تصانیف یہ ہیں۔

تحفۃ الامام فی العمل بحدیث النبی علیہ السلام، رسالۃ فی النهی عن عشق صور المردد و النسوان، الايقاف علی اسباب، الاختلاف رسالۃ فی ابطال الضرائح وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزهة الخواطر ص ۳۰۱ھ ۶)

۳۷۳- الشیخ الامام العلامة عبداللہ بن محمد الاماسی حنفی م ۱۱۶۷ھ

مشہور محدث تھے، آپ نے بخاری شریف کی شرح ”نجاح القاری فی شرح البخاری“ ۳۰ جلدوں میں، مسلم شریف کی شرح ”غایۃ المعجم بشرح صحیح مسلم“ ۷ جلدوں میں لکھی تھی، شرح مسلم نصف تک پہنچی تھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ نصب الراہی ص ۴۸)

۳۷۴- شیخ عبدالولی ترکستانی کشمیری حنفی م ۱۱۷۱ھ

بڑے علامہ محدث اور ولی کامل تھے، اپنے وطن طرہان (ترکستان) سے مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور اداء مناسک حج کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے وہاں مدرسہ دارالشفاء میں حضرت شیخ ابوالحسن سندھی حنفی شارح صحاح ستہ کے حلقہ درس حدیث سے استفادہ کیا، اور ان سے اجازت لے کر کشمیر تشریف لائے اور وہیں سکونت اختیار کی، درس و ارشاد میں مشغول رہے، شیخ الاسلام مولانا قوام الدین محمد کشمیری اور دوسرے بہت سے علماء صلحاء نے آپ سے علوم کی تحصیل کی۔

آپ کو شہزادہ بلخ کی تہمت میں شہید کیا گیا، نقل ہے کہ آپ کا سرتن سے جدا ہو گیا تھا، مگر تمام رات اس سے ذکر اللہ کی آواز آتی رہی، صبح کے وقت خاموش ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ و نزهة الخواطر)

۳۷۵- الشیخ العلامة المحمد ہاشم بن عبدالغفور بن عبدالرحمن سندھی حنفی م ۱۱۷۲ھ

مشہور محدث و فقیہ عالم عربیت تھے، اول علوم کی تحصیل اپنے وطن میں شیخ ضیاء الدین سندھی سے کی، پھر حجاز پہنچے حج و زیارت سے فارغ ہو کر شیخ عبدالقادر مکی مفتی احناف مکہ معظمہ سے حدیث و فقہ کی تکمیل کی اور صاحب کمالات باہرہ ہوئے، مسند درس و افتاء سنبھالی اور تصانیف قیمہ کیں، شیخ محمد معین صاحب دراسات سے آپ کے مباحثات و مناظرات رہے ہیں۔ تصانیف یہ ہیں:

ترتیب صحیح البخاری علی ترتیب الصحابہ، کشف الرین فی مسئل رفع الدین (اس میں آپ نے ثابت کیا کہ احادیث منع مقبول صحیح ہیں) کتاب فی فرائض الاسلام، حیاة القلوب فی زیادہ المحبوب، بذل القوة فی سنی النبوة، جنۃ النعیم فی فضائل القرآن الکریم، فاکہتہ البستان، فی تنقیح الحلال والحرام وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزهة الخواطر ص ۳۶۳ ج ۶)

۳۷۶- الشیخ العلامة محمد بن الحسن المعروف بہ ”ابن ہمات“ حنفی م ۱۱۷۵ھ

جلیل القدر محدث و فقیہ تھے، تخریج احادیث کی طرف زیادہ توجہ فرمائی چنانچہ آپ نے احادیث بیضاوی شریف کی تخریج کی جس کا نام ”تحفۃ الراوی فی تخریج احادیث البیضاوی“ رکھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ نصب الراہی ص ۴۸)

۳۷۷- الشیخ الامام حجۃ الاسلام الشاہ ولی اللہ احمد بن الشاہ عبدالرحیم الدہلوی حنفی م ۱۱۷۶ھ

ہندوستان کے مایہ ناز مشہور و معروف محدث جلیل و فقیہ نبیل، جامع معقول و منقول تھے، آپ نے علوم کی تحصیل و تکمیل اپنے والد ماجد

سے کی دس سال کی عمر کافیہ کی شرح لکھنی شروع کی، ۱۴ سال کی عمر میں نکاح کیا، اسی عمر میں حضرت والد ماجد سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی اور علوم و فنون کی تکمیل میں لگے، حتیٰ کہ ۲۵ سال کی عمر میں مکمل فراغت حاصل کی، اثناء تحصیل میں اپنے زمانہ کے امام حدیث، شیخ محمد افضل سیالکوٹی کی خدمت میں آتے جاتے رہے اور علوم و حدیث میں ان سے استفادہ کیا پھر تقریباً بارہ سال تک درس کا مشغلہ رکھا، ۱۱۴۳ھ میں شیخ عبید اللہ بارہوی اور شیخ محمد عاشق وغیرہ کی معیت میں حرمین شریفین حاضر ہوئے۔

وہاں دو سال قیام فرمایا اور وہاں کے علماء کبار و مشائخ سے استفادہ کیا، خصوصیت سے شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی شافعی کی خدمت میں رہ کر حدیث پڑھی اور ان کے خاص خیالات و نظریات سے بھی متاثر ہوئے۔

علامہ محقق کوثری حنفی کا خیال ہے کہ آپ کے ابتدائی نظریات و تحقیقات میں شیخ موصوف ہی کے صحبت کے اثرات ہیں، جو رفتہ رفتہ اعتدال کی طرف آئے اور فیوض الحرمین آپ نے پوری صراحت کے ساتھ اعلان فرمادیا کہ ”افق الطرق بالنسۃ الصحیحہ، طریقہ اہل حقہ مذہب حنفی ہی ہے۔“ جس سے معاندین مذہب حنفی کی وہ تمام مساعی مشومہ خاک میں مل گئیں جو الانصاف، عقداً لمجید اور حجۃ اللہ وغیرہ کی بعض عبارتوں کی بنیاد پر کی گئی تھیں۔

علامہ کوثری نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ کا اصول مذاہب ائمہ مجتہدین کے بارے میں یہ فرمانا کہ وہ متاخرین کے ساختہ پرداختہ ہیں متقدمین سے منقول نہیں واقعہ کے خلاف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کے مطالعہ میں وہ کتب متقدمین نہیں ہیں جن میں اصول مذاہب کی نقل آئمہ متقدمین سے موجود ہے، مثلاً شیخ عیسیٰ بن ابان کی ”الرح الکبیر“ اور ”الرح الصغیر“، ابو بکر رازی کی ”الفصول فی الاصول“ علامہ اتقانی کی ”الشامل“ اسی طرح شروح کتب ظاہرہ الروایۃ وغیرہ کہ ان سب میں وہ اصول مذہب مذکور ہیں جو خود ہمارے ائمہ سے منقول ہیں، علامہ کوثری نے حضرت شاہ صاحب کے اس طریق فکر پر بھی نقد کیا ہے کہ دربارہ احکام و فروع صرف متون احادیث کو پیش نظر رکھا جائے اور ان کی اسانید پر نظر نہ کی جائے کوثری صاحب فرماتے ہیں کہ اہل علم کسی وقت بھی اسانید حدیث سے قطع نظر نہیں کر سکے اور نہ کر سکتے ہیں، حتیٰ کہ صحیحین کی اسانید پر بھی نظر ضروری ہے چہ جائیکہ دوسری کتاب صحاح اور کتب سنن وغیرہ اور جب دربارہ احتجاج فی الفروع اسانید میں نظر ضروری ہے تو باب اعتقاد میں بدرجہ اولیٰ اس کی ضرورت و اہمیت ہے۔

اسی طرح علامہ کوثری نے حضرت شاہ صاحب کی اور بھی کئی باتوں پر تنقید کی ہے جو ”حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی“ کے آخر میں ص ۹۵ تا ص ۹۹ شائع ہوئی ہے، ہم جانتے ہیں کہ علامہ کوثری حضرت شاہ صاحب کے بہت بڑے مداح بھی ہیں اور آپ کے علم و فضل، کمالات اور گرانقدر علی، اصلاحی خدمات کے بھی ہماری طرح معترف ہیں، اس لئے ان کے نقد کو کسی غلط جذبہ پر محمول نہیں کر سکتے، اکابر اہل علم خود فیصلہ کریں گے کہ کس کی تحقیق کہاں تک درست ہے۔

ہم نے محدث ابو بکر بن ابی شیبہ کے حالات میں لکھا تھا کہ امام اعظم کے بارے میں ان کے نقد کا ہم پوری فراخ دلی سے استقبال کرتے ہیں کیونکہ ہم امام صاحب کو انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں مانتے، لیکن تنقید کے لئے ہماری شرط اول یہ ضرور ہے کہ پوری بصیرت سے حسن نیت کے ساتھ اور بے شائبہ تعصب ہو، انبیاء علیہم السلام کی طرح دوسروں کو میعار حق نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے ہر قول و فعل کو حق سمجھنا ضروری ہو البتہ مجموعی حیثیت سے حق پر بہت سوں کو کہا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب خود مقلد اور حنفی تھے جیسا کہ انہوں نے خود اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے، یہ تحریر خدا بخش لائبریری میں صحیح بخاری کے ایک نسخہ پر ہے جو حضرت شاہ صاحب کے درس میں رہی ہے، اس میں آپ کے ایک تلمیذ محمد بن پیر محمد بن الشیخ ابی الفتح نے پڑھا ہے، تلمیذ مذکور نے درس بخاری کے ختم کی تاریخ ۶ شوال ۱۱۵۹ھ لکھی ہے، جمنائے قریب جامع فیروزی میں ختم ہونا لکھا ہے، اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے اپنے ہاتھ سے اپنی سند امام بخاری تک لکھ کر تلمیذ مذکور کے لئے سند اجازت تحدیث لکھی اور آخر میں اپنے نام کے ساتھ یہ کلمات لکھے۔

العمری نسباً، الدہلوی وطناً، الاشعری عقیدۃ، الصوفی، طریقۃ، الحنفی عملاً، والحنفی والشافعی تدریسا، خادم التفسیر والحديث والفقہ والعربیۃ
والکلام..... ۲۳ شوال ۱۱۵۹ھ

اس تحریر کے نیچے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی نے یہ عبارت لکھی کہ ”بیشک یہ تحریر بالامیرے والد محترم کے قلم سے لکھی ہوئی ہے“ اسی نسخہ مذکورہ پر ایک اور تحریر بھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان شاہ عالم نے ایک عالم محمد ناصح کو مامور کیا تھا کہ نسخہ مذکورہ کو اول سے آخر تک حرکات لگا کر مشکل کریں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور دوسرے صحیح نسخہ سے اس کا مقابلہ کر کے تصحیح بھی کی، تحریر مذکورہ کو راقم الحروف نے ”الخیر الکثیر“ کے مقدمہ عربیہ میں بھی نقل کر دیا تھا، جو مجلس علمی ڈابھیل سے ۱۳۵۳ھ میں شائع ہوئی تھی۔

تقلید کی ضرورت پر بحث فرماتے ہوئے حضرت شاہ صاحب نے حجۃ اللہ بالغص ۱۵۴ ج ۱ میں تصریح فرمائی ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید کے جواز پر کل امت مرحومہ یا اس کے معتمد حضرات کا اجتماع ہو چکا ہے، اور تقلید ائمہ اربعہ میں کھلی مصالح شرعیہ موجود ہیں، خصوصاً اس زمانہ میں کہ ہمتیں کوتاہ ہیں، ہوائے نفسانی کا غلبہ ہے اور ہر شخص اپنی رائے کو دوسروں کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے۔

پھر تحریر فرمایا کہ ابن حزم نے جو تقلید کو حرام کہا ہے وہ صرف ان لوگوں کے حق میں صحیح ہو سکتا ہے جو خود اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں اور احادیث رسول اکرم ﷺ کا علم پورا پورا رکھتے ہوں، ناسخ و منسوخ سے واقف ہوں وغیرہ، یا ان جاہل لوگوں کے حق میں صحیح ہو سکتا ہے جو کسی کی تقلید اس عقیدہ سے کرتے ہوں کہ اس شخص سے کوئی غلطی و خطا ممکن ہی نہیں اور وہ اس کی تقلید کسی مسئلہ میں بھی چھوڑنے پر تیار نہ ہوں، خواہ اس کے خلاف بڑی سے بڑی دلیل بھی ثابت ہو جائے، یا ان لوگوں کے حق میں صحیح ہے جو مثلاً حنفی ہونے کی وجہ سے کسی شافعی سے تحقیق مسائل جائز نہ سمجھتا ہو یا برعکس یا حنفی شافعی امام کے پیچھے اقداء کو جائز نہ سمجھتا ہو یا برعکس، لیکن تقلید کو اس شخص کے حق میں نادرست نہیں کہہ سکتے جو دینی امور کا ماخذ نبی اکرم ﷺ کے اقوال کو سمجھتا ہو اور حلال و حرام صرف ان ہی چیزوں کو سمجھتا ہو جن کو خدا اور رسول خدا ﷺ نے حلال و حرام کیا ہے، پھر اگر ایسا شخص بے علمی کی وجہ سے کی عالم دین و متبع سنت سمجھ کر اتباع کرے اور غلطی کے وقت صحیح بات کو تسلیم کرنے کے لئے بھی ہر وقت تیار ہو تو ایسے شخص کی تقلید پر نکیر کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ افتاء و استفتاء کا طریقہ عہد نبوت سے اب تک برابر چلا آ رہا ہے، ضرورت صرف اس کی ہے کہ ہم کسی فقیہ کو موچی الیہ یا معصوم نہ سمجھیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے تخریج علی کلام الفقہاء اور تتبع الفاظ حدیث کے اصول پر بحث کی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ قاعدہ مستخرجہ امام کی وجہ سے کسی حدیث کا رد کر دینا مناسب نہیں جس طرح حدیث مصراۃ کو رد کر دیا گیا کیونکہ حدیث کی رعایت کسی قاعدہ مستخرجہ کے مقابلہ میں زیادہ ضروری ہے۔

یہاں رد حدیث مصراۃ سے حضرت شاہ صاحب کا روئے سخن چونکہ حنفیہ کی طرف ہے، اس لئے اس کے جواب کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے، ہمارے حضرت شاہ صاحب (علامہ کشمیری) نے درس بخاری شریف میں ارشاد فرمایا تھا کہ مسئلہ مصراۃ میں حدیث ابی ہریرہ کے ترک کر دینے کا طعنہ ہمیشہ حنفیہ کو دیا گیا ہے اور ان کے خلاف یہ بہت بڑا الزام ہے، پھر فرمایا کہ امام طحاوی وغیرہ احناف نے جو جوابات دیئے ہیں وہ مجھے اپنے مذاق پر پسند نہیں ہیں، میرے نزدیک جواب یہ ہے کہ حدیث مذکورہ ہمارے مسلک کے خلاف نہیں ہے نہ ہم نے اس کو ترک کیا، کیونکہ فتح القدر کے باب الاقالہ میں یہ تفصیل ہے کہ خرید و فروخت میں دھوکہ و فریب کبھی قوی ہوتا ہے اور کبھی فعلی، پس اگر قوی ہو تو اقالہ ذریعہ قضاء قاضی واجب ہوگا اور اگر فعلی ہو تو دیانۃ اقالہ واجب ہوگا، کیونکہ ایسے دھوکے پوشیدہ ہوتے ہیں، اور قضاء قاضی ظاہری امور پر چلتی ہے، لہذا تصریح کی صورت میں بھی قضاء تو اقالہ نہ ہوگا، مگر دیانۃ ضروری ہے اور صاع تمر کا دینا ضمان نہیں ہے، بلکہ بطور مروت و حسن معاشرت ہے، کیونکہ مشتری نے دودھ کا فائدہ حاصل کیا ہے۔ ہمارے حضرت شاہ صاحب نے قضاء و دیانت کے فرق کی کچھ اور مثالیں بھی اس موقع

پر ذکر فرمائیں جن کی تفصیل ان شاء اللہ انوار الباری میں اپنے موقع پر ذکر کی جائے گی۔

یہاں مختصر آئیہ دکھلانا تھا کہ احناف پر ایسے بڑوں کے بڑے الزامات و اعتراضات بھی زیادہ وزن دار پانا قابل جواب نہیں ہیں لیکن ان کے لئے حضرت علامہ کشمیری ایسے کملاء و حدائق محدثین احناف کی ضرورت ہے۔ کثر اللہ امثالہم و نفعنا بعلومہم آمین۔

آپ کی تصانیف جلیلہ قیّمہ بہت ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں: فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن، الزہراوین، (تفسیر سورہ بقرہ و آل عمران) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، تاویل الاحادیث المصطفیٰ فی شرح الموطأ، المسوی شرح الموطأ، شرح تراجم ابواب البخاری، انسان العین فی مشائخ الحرمین حجۃ اللہ البالغہ (اصول دین و اسرار شریعت پر بے نظیر جامع کتاب ہے) اس سے پہلے امام غزالی نے احیاء العلوم میں شیخ عزالدین عبدالسلام مقدسی نے ”القواعد الکبریٰ“ میں شیخ اکبر نے ”فتوحات مکیہ“ میں شیخ ابن العربی نے ”الکبریٰ الاحمر“ شیخ صدرالدین قونوی نے اپنی تالیفات میں شیخ عبدالوہاب شعرانی نے ”المیزان“ میں بھی علم اسرار شریعت اور علم حقائق و معارف کا بہترین مواد جمع کیا تھا، ازالۃ الخفاء عن خلافة الخلفاء (جو اپنے باب میں بے نظیر ہے) قرۃ العین فی تفصیل الشیخین، الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، عقد الجید فی احکام الجتہاد و التقليد، البدور البازغہ، الطاف القدسی، القول الجمیل، الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ، الہمعات، اللمعات، السطعات، الہوامع، شفاء القلوب، الخیر الکثیر، التفہیمات الہیہ، فیوض الحرمین وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر و حدائق)

۳۷۸- شیخ محمد بن محمد بن محمد الحسینی الطرابلسی السندروسی حنفی م ۱۱۷۷ھ

بڑے محدث و فقیہ تھے، آپ نے ایک کتاب ”الکشف الالہی عن شدید الضعف و الموضوع الواہی“ تالیف کی جس میں شدید الضعف، موضوع اور واہی احادیث جمع کیں، حروف بجم کی ترتیب سے اس میں احادیث کو مرتب کیا اور ہر حرف کے ماتحت تین فصول قائم کیں، ہر قسم کو الگ فصل میں لکھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۲۶)

۳۷۹- الشیخ المحدث المفتی اخوند ملا ابوالوفا کشمیری حنفی م ۱۱۷۹ھ

اکابر فقہاء و محدثین کشمیر میں سے تھے، مولانا محمد اشرف چرنی اور شیخ امان اللہ بن ثیرالدین کشمیری سے علوم کی تحصیل کی اور استخراج مسائل فقیہ میں زیادہ شہرت پائی، مفتی کشمیر کے عہدہ پر فائز رہے اور بڑی تحقیق سے مسائل فقہی کو چار جلدوں میں جمع کیا، ایک رسالہ خصائص نبویہ میں ”انوار النبوة“ کے نام سے لکھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر)

۳۸۰- شیخ ابوالیمن نورالدین عبداللہ اسکداری صوفی حنفی م ۱۱۸۲ھ

اپنے زمانہ کے مشہور محدث و فقیہ اور فاضل محقق تھے، نزیل مدینہ منورہ اور شیخ طائفہ نقشبندیہ تھے، آپ کی تالیفات میں سے مختصر صحیح مسلم وغیرہ ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۳۸۱- الشیخ الامام المحدث ابوالحسن بن محمد صادق السندی حنفی م ۱۱۸۷ھ

آپ ابوالحسن سندی صغیر کے نام سے مشہور تھے، وطن سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں ساکن ہوئے اور مدت تک شیخ محمد حیات سندی کی خدمت میں رہ کر علوم و کمالات حاصل کئے، پھر اسی بقعہ مبارکہ میں صدر نشین مسند درس و ارشاد ہوئے۔ آپ کی تصانیف سے ”شرح جامع الاصول“ اور ”مختار الاطوار فی اطوار المختار“ زیادہ مشہور ہیں، بڑی کثرت سے علماء و مشائخ نے

استفادہ کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (نزہۃ الخواطر)

۳۸۲- الشیخ الحدیث محمد امین ولی اللہی کشمیری دہلوی حنفی م ۱۱۸۷ھ

اجلہ اصحاب شاہ ولی اللہ سے تھے اور آپ ہی کی نسبت سے مشہور ہوئے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے اساتذہ میں ہیں جیسا کہ خود شاہ صاحب نے ”عجالنا فعدہ“ میں لکھا ہے، آپ کی وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بعض رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (نزہۃ الخواطر)

۳۸۳- شیخ محمد بن احمد بن سالم بن سلیمان النابلسی السفارینی الحنبلی م ۱۱۸۸ھ

مشہور محدث ہیں، آپ نے ثلاثیات مسند امام احمد کی شرح ایک ضخیم جلد میں لکھی جس کا نام نفثات الصدر المکمد بشرح ثلاثیات المسند رکھا ان ثلاثیات کی تعداد ۳۶۳ ہے، صاحب الرسالہ المستطرد نے وحدانیت سے عشاریات تک کی تفصیل لکھی ہے جس میں ہر قسم کی روایات مرویہ کتب حدیث کی تعداد لکھی ہے۔

واحدانیاں وہ احادیث ہیں جن کی روایت میں راوی اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہو اور واحدانیاں میں صرف الواحدانیاں لابی حنفیہ الامام کا ذکر کیا ہے، جن کو شیخ محدث ابو منشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری مقری شافعی نے ایک جزء میں جمع کیا تھا، پھر ثنائیات میں صرف الثنائیات الممالک فی الموطأ کا ذکر کیا ہے، حالانکہ مسانید امام اعظم وغیرہ میں بھی بکثرت ثنائیات موجود ہیں، پھر ثلاثیات کے ذیل میں صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث کی ثلاثیات کی تعداد لکھی ہے، اس میں بھی امام اعظم کے مسانید وغیرہ کی ثلاثیات کی تعداد کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔ (الرسالۃ المستطردہ ص ۸۲)

۳۸۴- الشیخ الامام الحدیث شمس الدین حبیب اللہ مرزا جان جانان دہلوی حنفی م ۱۱۹۵ھ

جلیل القدر محدث اور عالی مراتب شیخ طریقت تھے، پہلے شیخ نور محمد بدایونی خلیفہ حضرت شیخ سیف الدین (خلیفہ حضرت شیخ محمد معصوم) کی خدمت میں ۴ سال رہ کر طریقہ نقشبندیہ کی تحصیل کی اور شیخ نے آپ کو ولادت کبریٰ کی بشارت اور ارشاد و تلقین کی اجازت دی، لیکن آپ نے شیخ کی زندگی میں ان سے جدا ہونا پسند نہ کیا بلکہ بعد وفات بھی ان کی قبر مبارک کے قریب ۶ سال گزارے، پھر شیخ محمد افضل سیالکوٹی کی خدمت میں رہ کر مطولات اور حدیث پڑھی اور ان سے بکثرت استفادہ کیا، پھر مسند درس کوزینت دی اور ایک مدت اس مشغلہ میں گزار کر غلبہ حال میں ترک درس کر دیا، شیخ سعد اللہ دہلوی کی خدمت میں ۱۲ سال رہے، پھر شیخ محمد عابد سندھی کی خدمت میں ۱۱ سال گزارے، ان کی وفات پر پھر مسند درس و ارشاد پر بیٹھے، گویا تقریباً ۳۰ سال مشائخ کی صحبت میں رہے اور ۳۵ سال درس و افادہ میں مشغول رہے۔

آپ کی ذکاوت، فطانت، کرامات، مکاشفات، ورع و زہد اور اتباع سنت کے واقعات عجیب و غریب ہیں، عام دعوتوں اور متعارف مجالس صوفیہ سے اجتناب فرماتے تھے، اپنا ذاتی مکان نہیں بنایا، کرایہ کے مکان میں بسر کی، پکا ہوا کھانا خرید کر تناول فرماتے، کپڑوں کا صرف ایک جوڑا رکھتے تھے، ہدایا و تحائف قبول نہیں کرتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ رد ہدیہ ضرور ممنوع ہے لیکن قبول ہدیہ بھی واجب نہیں، اکثر لوگ مشتبہ مال سے ہدیہ دیتے ہیں، پھر قبول نہ کرنے پر معترض ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ المشائخ مولانا غلام علی شاہ صاحب قدس سرہ نے ”مقامات مظہریہ“ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سلطان محمد شاہ نے اپنے وزیر قمر الدین خان کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ خدا نے مجھ کو بڑا ملک عطا کیا ہے، آپ کو جو ضرورت ہو مجھ سے طلب فرما لیجئے! آپ نے جواب میں فرمایا کہ خدا نے فرمایا ہے متاع الدنیا قلیل پس جب ساری دنیا کے ساز و سامان اور دولت بھی متاع قلیل ہے، تو تمہارے ہاتھ

میں تو صرف ایک چھوٹا سا نکلز ادنیٰ کا ہے، لہذا ہم فقراء اس اقل قلیل کی وجہ سے بادشاہوں کے سامنے نہیں جھک سکتے۔
نظام الملک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تیس ہزار روپے پیش کئے، قبول نہ فرمائے، اس نے کہا آپ کو ضرورت نہیں تو مساکین کو تقسیم کر دیجئے گا، فرمایا میں تمہارا امین نہیں ہوں، تم چاہو تو یہاں سے باہر جا کر خود تقسیم کر دینا۔

آپ حنفی المسلمک تھے، لیکن چند مسائل میں ترک مذہب بھی کیا اور فرماتے تھے کہ کسی حدیث کی قوت کی وجہ سے اگر مذہب پر عمل نہ کیا جائے تو اس سے خروج عن المذہب نہیں ہوتا، تشہد میں اشارہ مسجد بھی کرتے تھے، اور اس بارے میں اپنے شیخ المشائخ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تحقیق کے خلاف کرنے سے بھی باک نہیں کیا، آپ کی تصانیف میں مجموعہ مکاتیب، دیوان شعر فارسی، خریظہ جواہر وغیرہ ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (نزہۃ الخواطر وحدائق حنفیہ)

۳۸۵- شیخ غلام علی آزاد بن سید نوع واسطی بلگرامی حنفی م ۱۲۰۰ھ

بڑے محقق عالم، محدث و مورخ تھے، کتب درسیہ علامہ میر طفیل محمد بلگرامی سے پڑھیں اور حدیث، لغت، سیرۃ نبوی و فنون ادب کی تکمیل علامہ محدث میر عبدالجلیل بلگرامی سے کی، نیز اجازت صحاح ستہ وغیرہ شیخ محمد حیات مدنی حنفی سے بھی حاصل ہوئی، آپ کی تصانیف یہ ہیں: ضوء الدراری، شرح صحیح البخاری (کتاب الزکوٰۃ تک عربی میں) آثار الکرام تاریخ بلگرام، سبۃ المرجان فی آثار ہندوستان، روضۃ الاولیاء، تسلیۃ الفواد فی قصائد آزاد، ید بیضاء تذکرہ شعراء وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (حدائق حنفیہ ونزہۃ الخواطر)

۳۸۶- العلامة المحدث السید ابراہیم بن محمد کمال الدین بن محمد بن حسین دمشقی حنفی

اپنے زمانہ کے علامہ محقق، محدث جلیل تھے، علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد اور دوسرے اکابر اہل علم و فضل سے کی اور تمام عمر درس و ارشاد میں گزار دی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق حنفیہ)

۳۸۷- الشیخ العلامة المحدث فخر الدین بن محبت اللہ بن نور اللہ بن نور الحق بن الشیخ المحدث الدہلوی حنفی
بڑے محدث و فقیہ تھے، اپنے آباؤ اجداد کی طرح حدیث و فقہ کے درس و تصنیف سے شغول رکھا اور مسلم شریف و حسن حصین کی شرح فارسی میں لکھی، عین العلم بھی آپ کی تصنیف ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق حنفیہ ونزہۃ الخواطر)

۳۸۸- الشیخ محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق (الشہیر بہ) مرتضیٰ الحسینی الواسطی الزبیدی ثم المصری حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ
جلیل القدر محدث و فقیہ، امام لغت، جامع معقول و منقول تھے، ۱۱۴۵ھ بلگرام میں پیدا ہوئے پہلے اپنے شہر کے علماء سے تحصیل کی، پھر سندیلہ خیر آباد پہنچے وہاں سے دہلی جا کر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ سے بھی استفادہ فرمایا، اس کے بعد ۱۱۶۴ھ میں حریم شریفین حاضر ہوئے، حج و زیارات سے فارغ ہو کر تکمیل علوم کی ٹھانی، علم حدیث کی طرف خاص توجہ فرمائی، حجاز و مصر وغیرہ کے تقریباً ایک سو علماء و مشائخ سے کمالات کی تحصیل فرمائی اور مذاہب اربعہ کے مشائخ نے آپ کو اجازت درس و تہذیب عطا فرمائی، پھر آپ نے ایک مدت تک زبیدی میں قیام فرمایا جس سے زبیدی مشہور ہوئے، اس کے بعد مصر تشریف لے گئے، وہاں مسند درس و تصنیف کو زینت دی، بے شمار لوگوں کو علوم و حدیث و تفسیر سے فیضیاب کیا، حتیٰ کے سلطان ٹرکی عبدالحمید خان اور ان کے وزراء کو بھی ان کی استدعا پر حدیث نبوی پڑھا کر مروجہ اجازت دی، اسی طرح دوسرے ملوک حجاز، ہند، یمن، شام، عراق و ملوک غرب و سوڈان وغیرہ نے بھی آپ سے بذریعہ مکاتبت آپ سے اجازت حدیث طلب کی اور آپ نے اجازت دی۔

جامع ازہر کے علماء و فضلاء نے آپ سے حدیث پڑھنے کی درخواست کی اور آپ نے اس کو منظور فرما کر ہر ہفتہ میں جمعرات اور پیر کا دن درس حدیث کے لئے مقرر فرمایا، اکثر آپ اوائل کتب پڑھا کر اجازت دیتے تھے۔

غرض تیرہویں صدی کے محدثین میں سے آپ کا مقام بہت بلند تھا اور شہرت و مقبولیت بے نظیر حاصل ہوئی، آپ کی تصانیف عالیہ بہت زیادہ ہیں، خصوصاً حدیث و فقہ اور لغت کی نادر روزگار تالیفات ہیں، چنانچہ لغت میں تاج العروس شرح قاموس (۱۰ مجلدات کبیر میں) نہایت مشہور، مقبول و معتمد بے نظیر کتاب ہے، اس کے علاوہ حدیث، فقہ وغیرہ کی تالیفات یہ ہیں:

عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ مذاہب الامام ابی حنیفہ (اس میں آپ نے امام اعظم کے مذہب کی موافقت احادیث صحاح ستہ کے ساتھ دکھائی ہے، اس باب میں لاثانی تالیف ہے، ۲ جلد میں اسکندریہ مصر سے ۱۲۹۲ھ میں چھپی تھی، اب نایاب ہے، الحمد للہ راقم الحروف کو تلاش بسیار پر ۱۳۷۹ھ میں ایک نسخہ مکہ معظمہ سے حاصل ہوا، الازہار الممتاثرہ فی الاحادیث المتواترہ، القول الصحیح فی مراتب التعذیل والتجرح، التبحر فی حدیث المسلسل بالکبیر، الامالی الحنفیہ، بلغۃ الاریب فی مصطلح اشار الجیب، اعلام الاعلام بمناسک حج بیت اللہ الحرام، درالضرع فی تاویل حدیث ام زرع، تخریج حدیث شیبختی ہود، المواہب الجلیہ فیما يتعلق بحدیث الاولیہ، تخریج حدیث نعم الادم الخلل، عقد الجمان فی بیان شعب الایمان، مخ الفیوضات، الوفیہ فیما فی سورۃ الرحمن من اسرار الصفتہ الالہیہ طبقات الحفاظ، اتحاد السادۃ المتقین، بشرح اسرار احیاء علوم الدین (۲۰ جلد) حسن المحاضرہ فی آداب البحث والمناظرہ، کشف العظام عن الصلوٰۃ الوسطی وغیرہ، حدائق حنفیہ میں ۶۶ کتابوں کے نام گنا کر وغیرہ ذالک لکھا، الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۷ میں آپ کی تصنیف، التعلیقۃ الجلیہ عن مسلمات ابن عقیلہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی الحاف النبلاء ص ۳۰۷ میں آپ کا ذکر تفصیل سے کیا ہے، بہت مدح کی، لکھا کہ ”فقیر کے علم میں علماء ہند میں سے اس عظیم الشان مرتبہ و مقبولیت کے علماء کم ہیں جن کی سلاطین و امراء نے بھی اتنی عزت کی ہو اور اس کثرت سے شیوخ عالی تبار و تلامذہ نامدار اور اتنی کثرت سے تصانیف ان کی ہوں، نیز لکھا کہ آپ کے آباؤ اجداد بھی سب علماء و مشائخ، حفاظ اور معظم و مکرم زماں ہوئے ہیں اور لکھا کہ ایک سو سے زیادہ آپ کی تصانیف ہیں اور اکثر تصانیف آپ کی حدیث، فقہ، اصول لغت و تصوف اور سیر وغیرہ کی ہیں جو سب کی سب نافع ہیں۔ میرے پاس بھی ۷ کتابیں آپ کی موجود ہیں، پھر ان کے نام گنائے ہیں، لیکن نواب صاحب نے آپ کی خاص تصنیف ”عقود الجواہر“ کا ذکر نہیں کیا جس کو ہم نے اس کی خاص حدیثی اہمیت کے پیش نظر سب سے پہلے ذکر کیا ہے۔

آخر عمر میں آپ نے عوام و خواص کے غیر معمولی رجوع سے تنگ آ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، درس بھی ترک کر دیا اور گھر کے دروازے بند کر دیئے تھے، اسی حالت میں مرض طاعون سے وفات ہوئی، آپ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر)

۳۸۹- الشیخ المحدث خیر الدین بن محمد زاہد السورتی حنفی م ۱۲۰۶ھ

شہر سورت میں پیدا ہوئے اور وہیں کے علماء کبار سے علم حاصل کیا، شیخ نور اللہ سے طریق نقشبندی میں بیعت کی پھر حرمین شریفین حاضر ہو کر حج و زیارت سے مشرف ہوئے، شیخ محمد حیات سندھی مدنی حنفی سے حدیث پڑھی اور سورت واپس آ کر درس و اشاعت حدیث شریف میں پچاس سال گزارے، آپ کی تصانیف شواہد التجدید، ارشاد الطالبین اور رسائل سلوک ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۱۶۱ ج ۷)

۳۹۰- الشیخ المحدث المفتی قوام الدین محمد بن سعد الدین کشمیری حنفی م ۱۲۱۹ھ

بڑے محدث، مفتی و فقیہ تھے، اپنے زمانہ کے کبار علماء و محدثین سے علم حاصل کیا اور صغریٰ میں ہی محسود اقران ہوئے، خانقاہ حضرت

شاہ سید محمد امین اویسی میں درس علوم دیا، پھر کشمیر کے قاضی و مفتی اور شیخ الاسلام ہوئے، آپ کی تصنیف ”الصحائف السلطانیہ“ مشہور ہے جس میں آپ نے ساٹھ علوم میں افادات لکھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر)

۳۹۱- الشیخ المحدث العلامة رفیع الدین بن فرید الدین مراد آبادی حنفی م ۱۲۲۳ھ

مشہور محدث تھے، اولاً، اپنے شہر مراد آباد میں علماء و مشائخ سے علوم کی تحصیل کی، پھر دہلی جا کر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں ایک مدت رہ کر حدیث پڑھی اور مراد آباد واپس ہو کر درس و افادہ میں مشغول ہوئے، پھر ۱۲۰۱ھ میں حرمین شریفین کے دوران سفر میں شیخ محدث خیر الدین سورتی سے سورت میں ملے، ان سے بخاری شریف پڑھی اور اجازت حاصل کی، بندر سورت سے جہاز ”سفینۃ الرسول“ میں سوار ہوئے جو شیخ ولی الدین بن غلام محمد برہان پوری کی ملکیت تھا اور خود شیخ موصوف بھی آپ کے ساتھ عام حجاز ہوئے، حجاز پہنچ کر حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور وہاں کے محدثین و مشائخ سے بھی فیوض کثیر حاصل کئے۔ ۱۲۰۳ھ میں واپس ہو کر درس و تصنیف میں مشغول ہوئے، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

شرح اربعین نووی، شرح غنیۃ الطالبین، کتاب الاذکار، تذکرۃ المشائخ، تذکرۃ الملوک، تاریخ الافاغنه، ترجمۃ عین العلم، قصر الآمال بذکر الحال و المال، سلو الکتیب بذکر الحیب، کنز الحساب، کتاب فی احوال الحرمین، الافادات العزیزہ (جس میں آپ نے وہ تمام مکاتیب جمع فرمائے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے آپ کو لکھے تھے اور ان میں نہایت عجیب و غریب فوائد تفسیر یہ ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر و حدائق حنفیہ)

۳۹۲- الشیخ المحدث الکبیر عبدالباسط بن رستم علی صدیقی قنوجی حنفی م ۱۲۲۳ھ

اپنے زمانہ کے علامہ محدث، جامع معقول و منقول، استاذ الاستاذ اور شیخ المشائخ تھے، دور دور سے اہل علم آپ سے استفادہ کے لئے حاضر ہوتے تھے، فرائض کے بے نظیر عالم تھے، درس و افادہ و تصنیف میں اوقات عزیز بسر کئے مشہور تصانیف یہ ہیں:

نظم الآلی فی شرح ثلاثیات بخاری، انتخاب الحسنات فی ترجمہ احادیث دلائل الخیرات، اربعون حدیثاً ثانیاً، الجبل المتین فی شرح اربعین، عجیب البیان فی اسرار القرآن، تفسیر ذوالفقار خانی، المنازل الاثناء عشریہ فی طبقات الاولیاء (نہایت نافع کتاب ہے جس میں آپ نے بارہویں صدی تک کے حالات جمع کئے) شرح خلاصۃ الحساب للعالمی وغیرہ۔ (حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر)

۳۹۳- الشیخ المحدث الفقیہ محمد ہبۃ اللہ البعلی حنفی م ۱۲۲۴ھ

بڑے محدث، علامہ فہامہ تھے، نہایت مفید گراں قدر تصانیف کیں، جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہی، حدیقتہ الریاضین فی طبقات مشائخنا المسندین التحقیق الباہرہ فی شرح الاشباہ والنظائر (پانچ ضخیم جلدوں میں) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (تقدمہ نصب الرایہ ص ۴۸)

۳۹۴- الشیخ الامام المحدث الاعلام قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی م ۱۲۲۵ھ

مشہور و معروف جلیل القدر مفسر، محدث، فقیہ، محقق، مدقق، جامع معقول و منقول تھے، علم تفسیر، کلام، فقہ و اصول اور تصوف میں نہایت بلند مرتبہ پر فائز تھے، حدیث و فقہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ سے پڑھی تھی، حدیثی و فقہی تبحر اور دقت نظر کے اعتبار سے اگر آپ کو ”طلحوی وقت“ کہا جائے تو زیادہ موزوں ہے، اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری سے فارغ ہو کر حضرت شیخ محمد عابد سنانی سے بیعت سلوک کی اور تمام سلوک پچاس توجہ میں حاصل فرمایا، فناء قلب کی وجہ سے درجہ شرف بقالیا، پھر ان ہی کے فرمانے پر حضرت مرزا صاحب مظہر

جان جاناں قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آخری مقامات طریقہ نقشبندیہ مجددیہ تک پہنچ گئے اور ان کی بارگاہ فیض علم الہدیٰ کا لقب پایا، منامات مبارکہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور اپنے جد امجد حضرت شیخ جلالی الدین عثمانیؒ سے بھی روحانی تربیت و بشارات ملیں۔ حضرت مرزا صاحبؒ آپ کو نہایت قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے اور فرمایا کرتے تھے کہ فرشتے بھی آپ کی تعظیم بجالاتے ہیں، آپ باوجود مشغولیت قضاء درس و تصنیف اور شغل ذکر و مراقبہ کے بھی روزانہ ایک سو رکعات نفل اور تہجد میں ایک منزل تلاوت قرآن مجید پر مواظبت پرفرماتے تھے، آپ کی تصانیف جلیلہ یہ ہیں:

تفسیر مظہری (۱۰ جلد ضخیم) جو بہترین کاغذ و طباعت کے ساتھ ندوۃ المصنفین دہلی سے مکمل شائع ہو چکی ہے، ایک کتاب مبسوط حدیث میں (جلد ۲) ایک مبسوط کتاب فقہ میں جس میں ہر مسئلہ کے مآخذ و دلائل اور مختارات آئمہ اربعہ جمع کئے، ایک مستقل رسالہ بیان اقوی المذہب میں جس کا نام ”الاخذ بالاقوی“ رکھا تھا، مالا بدمنہ، السیف المسلمول (رد شیعہ میں) ارشاد الطالبین (سلوک میں) تذکرۃ الموتی والقبور، تذکرۃ المعاد، حقیقۃ الاسلام، رسالۃ فی حکم الغنا، رسالۃ فی حرمتہ المتعہ، رسالۃ فی العشر والخراج، شہاب ثاقب، وصیت نامہ وغیرہ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق نزہۃ الخواطر ص ۱۱۲)

۳۹۵- الشیخ صفی بن عزیز بن محمد عیسیٰ بن سیف الدین سرہندی حنفیؒ م ۱۲۲۶ھ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد میں سے بڑے درجہ کے محدث، جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے، مناصب حکومت کو ٹھکرا کر ہمیشہ درس و مطالعہ کتب حدیث و تفسیر اور اشغال و اوراد سلسلہ میں مشغول رہ کر زندگی بسر کی، لکھنؤ میں وفات ہوئی، صاحب کرامات و خوارق تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر)

۳۹۶- الشیخ سلام اللہ بن شیخ الاسلام بن عبدالصمد فخر الدین حنفیؒ م ۱۲۲۹ھ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اولاد میں سے حضرت شیخ الاسلام شارح بخاری کے صاحبزادے، بڑے محدث، فقیہ و محقق علامہ عصر تھے، علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد اور دوسرے علماء کبار سے کی اور درس و افادہ میں مشغول ہوئے، آپ کی تصانیف میں سے کمالین حاشیہ تفسیر جلالین محلی شرح الموطاء ترجمہ صحیح بخاری (فارسی میں) شرح شمائل ترمذی، رسالہ اصول علم حدیث، خلاصۃ المناقب فی فضائل اہل البیت، رسالہ اشارۃ تشہد زیادہ مشہور ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر ص ۲۰۱ ج ۷)

۳۹۷- الشیخ الامام المفسر المحدث الشاہ عبدالقادر بن الشاہ ولی اللہ دہلوی حنفیؒ م ۱۲۳۰ھ

ہندوستان کی مایہ ناز مشہور و معروف شخصیت، جلیل القدر محدث و مفسر تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی اور حضرت شیخ عبدالعدل دہلویؒ سے طریق سلوک میں رہنمائی حاصل کی، علم و عمل، زہد و تقویٰ اور اخلاق عالیہ کے پیکر مجسم تھے، اکبری مسجد دہلی میں درس و افادہ کیا اور آپ سے شیخ عبدالحی بن بہتہ اللہ بڈھانویؒ، حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ، شیخ فضل حق بن فضل امام خیر آبادیؒ، مرزا حسن علی شافعی لکھنویؒ، حضرت شاہ محمد الحقؒ اور دوسرے علماء کبار و مشائخ نے استفادہ کیا۔

آپ کی سب سے بڑی علمی خدمت قرآن مجید کا با محاورا ترجمہ اور تفسیر موضح القرآن ہے جس کو باوجود اختصار جامعیت اور حسن ادا مطالب قرآنی کے لئے بطور معجزہ و آیۃ من آیات اللہ تسلیم کیا گیا ہے، ہمارے حضرت العلام شاہ صاحب کشمیریؒ بھی اس کی نہایت مدح فرماتے تھے اور ان کی تمنا تھی کہ اس ترجمہ و تفسیر کی طباعت و طبع کے اعلیٰ اہتمام کے ساتھ ہو۔

”مہر جہاں تاب“ میں ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے خواب میں دیکھا تھا کہ قرآن مجید ان پر نازل ہوا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے بیان کیا تو فرمایا ”اگر چہ وحی حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کے بعد منقطع ہو چکی، مگر روایا حق ہے اور اس کی تعبیر یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمہیں ایسی خدمت قرآن مجید کی توفیق بخشیں گے جس کی پہلے نظیر نہ ہوگی“ چنانچہ تعبیر مذکور صحیح ہوئی اور ترجمہ و تفسیر موضح القرآن کی صورت میں اس کا ظہور ہوا۔

یہ بھی عجیب سی بات ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے حضرت شاہ ثناء اللہ کی صاحبزادی کے لطن سے چار صاحبزادے تھے، سب سے بڑے حضرت شاہ عبدالعزیز، پھر رفیع الدین، پھر شاہ عبدالقادر اور سب سے چھوٹے شاہ عبدالغنی (والد حضرت شاہ اسماعیل شہید) لیکن وفات میں صورت بالکل برعکس ہو گئی کہ سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالغنی کی وفات ہوئی، پھر حضرت شاہ عبدالقادر کی پھر حضرت شاہ رفیع الدین کی اور سب کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز کی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

یہ سب بھائی تاجر علم و فضل اور افادہ و افاضہ کی جہت سے نامور فضلاء عصر ہوئے، بجز حضرت شاہ عبدالغنی کے ان کی وفات عنفوان شباب ہی میں ہو گئی تھی جس کا تدارک حضرت شاہ اسماعیل شہید کی خدمات جلیلہ سے مقدر تھا۔

مصنف تحفۃ الاحوذی (علامہ محترم شیخ عبدالرحمن مبارک پوری) نے مقدمہ کے ص ۲۷ پر ترویج علوم قرآن و حدیث کرنے والے مشاہیر زمانہ محدثین کے ذکر میں حضرت شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ مذکور کا بھی ذکر کیا ہے جو خلاف تحقیق ہے، اس زمرہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی (تلمیذ و جانشین خاص حضرت شاہ محمد اسحاق) کا ذکر آنا چاہئے تھے، مگر علامہ محقق نے ان کے ذکر کو یوں نظر انداز کر کے دوسری جگہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے تلامذہ میں ذکر کیا جہاں یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب نے ہجرت کے وقت اپنا جانشین حضرت مولانا نذیر حسین صاحب کو بنایا تھا، حالانکہ حضرت شاہ صاحب کے انحصار تلامذہ میں سرفہرست نام نامی حضرت شاہ عبدالغنی مجددی ہی کا نقل ہوتا آیا ہے، واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۳۹۸۔ الشیخ المحمّد ث العلامة السید احمد الطحطاوی حنفی م ۱۲۳۳ھ

جلیل القدر محدث و فقیہ تھے، مدت تک مصر کے مفتی اعظم رہے، درمختار کا حاشیہ نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھا، عرصہ ہوا، مصر سے چھپ کر شائع ہوا تھا، اس میں آپ نے امام اعظم کے مناقب میں صحیح ترین اقوال اور مستحکم روایات سے لکھے تھے، جن سے علامہ شافعی نے بھی رد المختار میں بہت کچھ نقل کیا ہے، اس کے سوا اور بھی بہت سے رسائل و کتب تالیف کیں، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة۔ (حدائق حنفیہ)

۳۹۹۔ الشیخ الامام المحمّد ث الشاہ رفیع الدین بن الشاہ ولی اللہ حنفی م ۱۲۳۳ھ

مشہور و معروف محدث، فقیہ، متکلم و اصولی، جامع معقول و منقول تھے، آپ نے بھی اپنے بڑے بھائی حضرت شاہ عبدالعزیز سے پڑھا اور علم طریقت شیخ وقت مولانا محمد عاشق پھلتی سے حاصل کیا۔ بیس سال کی عمر ہی سے درس و افتاء میں مشغول ہوئے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی زندگی ہی میں صاحب تصانیف و مرجع علماء آفاق ہو گئے تھے، بلکہ ان کے ضعف بصارت اور ہجوم امراض کے زمانہ میں تدریس میں بھی نیابت کی جس کی وجہ سے طالبین علوم کا بہت زیادہ ہجوم آپ کے پاس رہا، حضرت شاہ صاحب موصوف نے بھی آپ کے علم و فضل اور خصوصیات درس و تصنیف کی مدح اپنے بعض مکاتیب میں کی ہے، آپ کی تصانیف یہ ہیں:

اردو ترجمہ لفظی قرآن مجید، رسالہ شرح اربعین کافات، ومنع الباطل فی بعض غوامض المسائل (جو علم حقائق میں نہایت اہم تالیف ہے)، اسرار الحج، تکمیل الصناعات (یا تکمیل الاذہان علم معقول میں نہایت عالی قدر لائق درس تصنیف ہے، رسالہ فی مقدمۃ العلم، رسالہ فی

التاریخ، رسالہ اثبات شق القمر ابطال براہین الحکمیہ علی اصول الحکماء آثار قیامت، رسالہ عقد انامل، رسالہ امور عامہ، حاشیہ میرزا ہد رسالہ، رسالہ تحقیق الوان وغیرہ۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر)

۴۰۰۔ سراج الہند الشیخ الامام المحدث العلامة الشاہ عبدالعزیز بن الشاہ ولی اللہ دہلوی حنفی م ۱۲۳۹ھ

سید العلماء و ابن سید العلماء محدث شہیر، وفقیہ تھے، سنہ ولادت بعد غلام حلیم ۱۱۵۹ھ ہے، حفظ قرآن مجید کے بعد علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ سے کی، ۱۶ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ حضرت والد ماجد کی وفات کی اور آپ نے علوم کی تکمیل شیخ نور اللہ بڑھانوی، شیخ محمد امین کشمیری اور شیخ محمد عاشق پھلتی سے کی، یہ سب حضرات شاہ ولی اللہ کے جلیل القدر خلفاء و تلامذہ تھے۔

آپ سے آپ کے بھائیوں شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالغنی نے اور شیخ عبدالحی بڑھانوی، مفتی آلہی بخش کاندھلوی، شیخ قمر الدین سونی پتی وغیرہ نے پڑھا، آپ نے اپنے نواسے شاہ محمد اسحق بن الشیخ محمد افضل عمر دہلوی کو بمنزلہ اولاد پالا تھا، درس تفسیر کے وقت وہی قرأت کرتے تھے ان کے اور شاہ اسماعیل کے لئے آپ یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے الحمد لله الذی وهب لی علی الکبر اسمعیل و اسحق، شاہ اسحق نے اگرچہ حدیث کی کتابیں شاہ عبدالقادر سے پڑھیں، مگر حدیث کی سند و اجازت آپ سے بھی اجازت حاصل کی اور آپ نے ان کو اپنی جگہ مسند درس و ارشاد پر بٹھایا اور اپنی تمام کتابیں بھی ان کو عطا فرمائیں اور ان کے جانشین حضرت شاہ عبدالغنی مجددی ہوئے جن کے سلسلہ تلمذ سے تمام علماء دیوبند وغیرہ وابستہ ہیں، آپ کا قد دراز، بدن نحیف، رنگ گندم گول، آنکھیں بڑی، داڑھی گھنی تھی، خط نسخ نہایت عمدہ لکھتے تھے، فن تیر اندازی اور شہسواری میں بھی باہر تھے، مبتلاء امراض کثیرہ ہونے کی وجہ سے ۲۵ سال ہی کی عمر سے صحت خراب رہی، باوجود اس کے درس، افادہ تصنیف کے مشاغل ۱۵ سال کی عمر سے آخر وقت تک جاری رہے اور اسی ۸۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

آپ کی تصانیف عالیہ یہ ہیں: تفسیر فتح العزیز (حالت شدتہ مرض و ضعف میں الملاء کرائی تھی، اس کی بہت سی مجلدات کبیرہ تھیں، مگر ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں اکثر حصہ ضائع ہو گیا اور اب صرف سورہ بقرہ و پارہ عم کی تفسیر موجود ہے) فتاویٰ عزیزی، تحفہ اثناء عشریہ (رد شیعہ) میں بستان المحدثین (اس میں تقریباً ایک سو محدثین کے مختصر تذکرے اور کتب حدیث کا ذکر ہے) العجالة النافعة (اصول حدیث میں مختصر رسالہ ہے) میزان البلاغہ، میزان الکلام، السراجلیل فی مسئلۃ التفضیل، سر الشہادتین، رسالۃ فی الانساب، رسالۃ فی الرؤیا، حاشیہ میرزا ہد رسالہ، حاشیہ ملاحلال، حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ للشیرازی وغیرہ۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ ص ۴۷۰، نزہۃ الخواطر ص ۲۶۸ ج ۷)

۴۰۱۔ الشیخ العلامة المجاہد فی سبیل اللہ مولانا شاہ اسمعیل بن الشاہ عبدالغنی م ۱۲۳۶ھ

مشہور و معروف محدث، متکلم، جامع معقول و منقول عالم ربانی تھے، ولادت ۱۱۹۳ھ میں ہوئی، اپنے چچا حضرت شاہ عبدالقادر سے علوم کی تکمیل کی اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب و شاہ رفیع الدین صاحب سے بھی استفادہ کیا، ایک مدت ان حضرات کی خدمت میں گزارا، پھر حضرت مولانا سید احمد شہید بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر طریق سلوک طے کیا، ان کے ساتھ ۱۲۳۷ھ میں حریم شریفین حاضر ہوئے اور ساتھ ہی واپس آئے۔

حضرت سید صاحب کے ارشاد پر ۲ سال تک بہت سے دیہات و شہروں کا دورہ کر کے لوگوں کو شرعی احکام اور جہاد فی سبیل اللہ کی تلقین کی، پھر ۱۲۳۱ھ میں اپنے پیر و مرشد کے ساتھ جہاد پر نکلے اور چند سال مسلسل معرکہ کھائے جہاد و قتال میں شرکت و رہنمائی کے بعد ۱۲۳۶ھ میں بمقام بالا کوٹ جام شہادت نوش کیا اور مسلمانان ہند کو بھولا ہوا سبق یاد دلا گئے۔

بنا کردند خوش رسے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند آن بندگان پاک طینت را

حضرت مولانا شہید کی چند معدود مسائل میں اپنی مجتہدانہ رائے و تحقیق تھی جو اپنے اکابر کی تحقیق سے کچھ مختلف تھی، باوجود اس کے وہ بلاشک و تردد ہمارے مقتدا اور رہنما و پیشوا ہیں، اور ان کی خدمات جلیلہ اس قابل ہیں کہ آب زر سے لکھی جائیں، اس مختصر تذکرہ میں ان کا ذکر نہیں ساسکتا، بڑی بڑی مستقل کتابیں ان کے سوانح حیات سے مزین ہو چکی ہیں۔

آپ کی تصانیف عالیہ یہ ہیں: ”عقبات“ جس میں آپ نے تجلیات اور عالم مثال کے متعلق سیر حاصل اباحت درج کی ہیں، یہ کتاب عرصہ ہوا دیوبند سے شائع ہوئی تھی، لیکن مدت سے نادر و نایاب تھی، اب بہت عمدہ ٹائپ سے سفید گلیٹر کاغذ پر مجلس عملی ڈابھیل (حال کراچی) کے اہتمام سے چھپ کر شائع ہو گئی ہے، الصراط المستقیم (تصوف میں بے نظیر کتاب ہے جس میں طریق سلوک راہ نبوت و راہ ولایت اور طریق ذکر و اشغال کی تفصیلات نہایت دلنشین پیرایہ میں بیان ہوئی ہیں) منصب امامت (نبوة و امامت کی تحقیق میں لاجواب ہے) رسالہ در بحث امکان نظیر و امتناع نظیر رسالہ عربی اصول فقہ میں، رسالہ رد اشراک و بدع میں، تنویر العینین فی اثبات رفیع المیدین، رسالہ منطق (جس میں آپ نے دعویٰ کیا کہ شکل رابع اجلی البدیہیات سے ہے اور شکل اول اس کے خلاف ہے اور اس دعویٰ کو دلائل سے ثابت فرمایا، تقویۃ الایمان (جو سب سے زیادہ مشہور ہے اور اس کی وجہ سے آپ کے خلاف محاذ بنائے گئے، ہمارے اکابر علماء دیوبند نے اس کی قلمی و لسانی تائید کی تو ان کو بھی ہدف سب و شتم بنایا گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر ص ۵۶ ج ۷)

۴۰۲۔ الشیخ الامام المحدث ابو سعید بن صفی بن عزیز بن محمد عیسیٰ دہلوی حنفی م ۱۲۵۰ھ

حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب قدس سرہ کی اولاد میں سے محدث کامل و شیخ معظم تھے، ولادت ۱۱۹۶ھ بمقام رام پور ہوئی، حفظ قرآن مجید کے بعد کتب درسیہ حضرت مفتی شرف الدین رام پوری اور حضرت مولانا شاہ رفیع الدن صاحب دہلوی سے پڑھیں اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے بھی حدیث فقہ کی سند حاصل کی، علوم ظاہری میں کمال حاصل کرنے کے بعد علم باطن کی طرف توجہ فرمائی، پہلے اپنے والد ماجد سے استفادہ کیا، پھر ان کی اجازت سے شیخ وقت شاہ درگاہی رام پوری کی صحبت میں رہے اور ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا، اس کے بعد مزید ترقی راہ سلوک کے شوق میں دہلی تشریف لے گئے اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کو خط لکھ کر شیخ کامل کے لئے مشورہ طلب کیا، حضرت قاضی صاحب نے تحریر فرمایا کہ اس وقت شاہ غلام علی صاحب سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے۔

اس پر آپ شاہ صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مزید کمالات باطنی حاصل کر کے خرقہ خلافت پہنا اور اپنے شیخ کی مسند افاضہ پر جلوہ افروز ہو کر خلق خدا کو نفع عظیم پہنچایا، آپ سے بے نہایت خوارق و کرامات ظاہر ہوئے، آخر عمر میں ۱۲۳۹ھ میں حج و زیارات مقدسہ کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوئے، آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالغنی صاحب تھے، مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں کے علماء کبار نے آپ کا استقبال کیا اور خاص طور سے شیخ عبداللہ سراج مفتی احناف، شیخ عمر مفتی شافعیہ اور شیخ محمد عابد سندی وغیرہم نے آپ کی قدر و منزلت کی۔

واپسی میں ٹونک پہنچے تھے کہ دم آخر ہو گیا، چون سال کی عمر میں خاص عید الفطر کے روز آپ کی وفات ہوئی، نواب ریاست ٹونک وزیر الدولہ اور دوسرے ارکان دولت امراء و عوام نے بڑے اجتماع کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی، پھر آپ کے صاحبزادے، شاہ عبدالغنی آپ کی نعش مبارک کو تابوت میں رکھ کر دہلی لائے اور حضرت شاہ غلام علی صاحب و حضرت مرزا صاحب مظہر جان جاناں کے پہلو میں دفن کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر ص ۱۳ ج ۷)

۴۰۳۔ الشیخ المحدث (قاضی ابو عبد اللہ) محمد بن علی بن محمد الشوکانی الیمینی الصنعائی م ۱۲۵۰ھ، ۱۲۵۵ھ

بڑے محدث شہیر، مقتدا و پیشوائے فرقہ اہل حدیث گزرے ہیں، اکابر علماء و محدثین زمانہ سے علوم کی تحصیل کی جن میں سے بعض شیخ

محمد حیات سندی مدنی حنفی اور شیخ ابوالحسن سندی حنفی کے شاگرد تھے، تحصیل کمالات کے بعد آپ سے بکثرت علماء نے استفادہ کیا، ۱۲۰۹ھ میں آپ منصور باللہ علی بن عباس کی طرف سے صنعا میں کے قاضی القضاة بھی مقرر ہوئے تھے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے کہ آپ علوم دینیہ میں مرتبہ اجتہاد رکھتے تھے، اسی لئے کسی کی تقلید نہ کرتے تھے اور باوجود مرتبہ اجتہاد کے اپنی تالیفات میں کسی جگہ دائرۃ مذاہب اربعہ سے باہر نہیں ہوئے، الا ماشاء اللہ اور اس خلاف میں بھی ایک جماعت سلف اور اکابر اہل حدیث کی آپ کے ساتھ ہے، دلائل کے ساتھ تلخیص مذاہب اور پھر محل خلاف میں آپ کی ترجیح قابل دید ہے۔

آپ نواب صاحب موصوف کے ایک دو واسطوں سے شیخ بھی ہیں، آپ کی زیادہ مشہور تصانیف یہ ہیں: فتح القدر (تفسیر ۴ جلد) نیل الاوطار شرح منتهی الاخبار (جلد ۵) الدرر البہیہ، شرح الدرر المفضیہ، ارشاد السائل الی دلیل المسائل، تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین، الفتح الربانی فی فتاویٰ الشوکانی، ارشاد الفحول فی تحقیق الحق من علم الاصول (اس میں چاروں مذاہب کے اصول فقہ ایک ملجہ ضخیم میں جمع کئے) الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ (اس کتاب کو سب سے پہلے مولانا عبدالحی لکھنوی ہندوستان میں لائے، چھپ چکی ہے، لیکن مولانا موصوف نے اپنی کتاب ظفر الامانی میں تنبیہ کی ہے کہ اس میں شوکانی نے بہت سی وہ احادیث بھی جمع کر دی ہیں جو موضوع کے درجہ کو نہیں پہنچتیں، بلکہ احادیث صحیح و حسان کو بھی موضوعات کی لڑی میں پرودیا ہے۔ (الرسالۃ المستطرد ص ۱۲۵)

نواب صاحب نے آخر میں لکھا ہے کہ اس آخری دور میں جو کچھ کوشش ترویج شرع شریف تجدید احکام اسلام، احیاء سنن اور امانت فتن کے لئے آپ سے صادر ہوئی، ہمارا گمان ہے کہ کسی دوسرے سے نہیں ہوئی، رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (اتحاف النبلاء نواب صدیق حسن خان ص ۴۰۹)

۴۰۴۔ الشیخ الامام المحدث محمد عابد بن احمد علی بن یعقوب الحافظ اسندی المدنی حنفی م ۱۲۵ھ

بڑے محدث، فقیہ، محقق مدقق اور جامع معقول و منقول تھے، آپ کے دادا جان نے مع اپنے قبیلہ کے عرب کو ہجرت کی تھی، تاہم آپ کی پیدائش شہر سیون (سندھ) میں ہوئی اور اپنے چچا شیخ محمد حسین بن محمد مراد سے کتب درسیہ پڑھیں پھر کبار علماء یمن و حجاز سے تکمیل کی یمن کے مشہور شہر زبید میں عرصہ تک قیام کیا، امام یمن کے طبیب شاہی رہے اور وزیر مملکت کی صاحبزادی سے نکاح کیا، ایک بار امام یمن کی طرف سے بطور سفارت ملک مصر کے پاس گئے جس سے وہاں بھی آپ کا تعارف و تعلق ہوا، وہاں سے حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہوئے، پھر اپنے وطن سندھ کے قصبہ نواری آ کر کچھ عرصہ اقامت کی اور جلد ہی پھر حجاز کی حاضری کا اشتیاق ہوا، پھر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور وہاں کے علماء و عوام میں بڑی عزت پائی، والی مصر کی طرف سے بھی آپ مدینہ طیبہ کے رئیس العلماء کے عہدہ پر فائز ہوئے، عبادت، ریاضت، نشر علوم نبوت و اقامت سنت میں آخر تک مشغول رہ کر وہیں وفات پائی اور بقیع میں مدفون ہوئے۔

آپ کی تصانیف جلیلہ مشہورہ یہ ہیں: المواہب اللطیفہ علی مسند الامام ابی حنیفہ، طوابع الانوار علی الدرر المختار (بڑی جامع کتاب ہے جس میں اکثر فروع مذاہب اصحاب امام اعظم کا استیفاء اور مسائل واقعات و فتاویٰ کا استیعاب کیا ہے) شرح تیسر الوصول لابن الربیع الحافظ الشیبانی، شرح بلوغ المرام حصر الشارونی اسانید محمد عابد (جس میں بڑی بسط و شرح سے اسانید کا بیان ہے) آپ کے عربی اشعار بھی نہایت بلند پایہ ہیں جن کا نمونہ نزہۃ الخواطر میں نقل ہوا ہے۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعہ۔ (حدائق حنفیہ ص ۴۷۳، نزہۃ الخواطر ص ۴۴۶ ج ۷)

۴۰۵۔ الشیخ العلامة السید محمد امین بن عمرو الشہیر بابن عابدین شامی حنفی م ۱۲۶۰ھ

مشہور محدث، فقیہ، محقق و جامع معقول و منقول عالم تھے، علوم کی تحصیل شیخ سعید حلبی اور شیخ ابراہیم حلبی سے کی، فقہ کی نہایت مقبول و متداول کتاب رد المختار شرح در مختار معروف بہ "شامی" تصنیف فرمائی جو پانچ ضخیم جلدوں میں ہے اور کئی بار چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اس پر

بڑا مدارقائی حنفیہ کا ہے، اس کے علاوہ بہت سی مفید علمی کتابیں شفاء العلیل وغیرہ تصنیف کیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق)

۴۰۶۔ الشیخ الامام المسند اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد دہلوی مکی حنفی م ۱۲۶۲ھ

حضرت شاہ اسحاق صاحب موصوف حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے ہیں جن کے توسط و سند سے ہندوستان کے موجودہ تمام حدیثی سلسلے وابستہ ہیں، آپ کی ولادت ۱۱۹۶ھ یا ۱۱۹۷ھ میں بمقام دہلی میں ہوئی، اپنے نانا حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی آغوش تربیت میں پلے، پڑھے، کافر تک کتابیں حضرت شیخ عبداللہ بڑھانویؒ سے پڑھیں، باقی سب اوپر کتابیں مع کتب فقہ و حدیث حضرت شاہ عبدالقادر صاحب سے پڑھیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے بھی اجازت حدیث حاصل فرما کر سلسلہ سند ان سے متصل کیا ہے، چنانچہ حضرت نانا جان موصوف کے بعد ان کی جگہ مسند درس حدیث پر بھی آپ ہی متمکن ہوئے اور ایک عرصہ تک افادہ کرتے رہے، اس کے بعد ۱۲۴۰ھ میں حرمین شریفین حاضر ہوئے حج و زیارت مقدسہ سے فارغ ہو کر وہاں کے شیخ محدث عمر بن عبدالکریم بن عبدالرسول مکی، م ۱۲۴۷ھ سے سند حدیث حاصل کی۔

پھر ہندوستان واپس ہو کر سولہ سال تک دہلی میں درس حدیث، تفسیر وغیرہ دیتے رہے، اس کے بعد پھر مکہ معظمہ کو ۱۲۵۸ھ میں ہجرت فرمائی اور اپنے ساتھ اپنے بھائی حضرت مولانا یعقوب صاحب اور تمام متعلقین کو بھی لے گئے، وہیں آخر عمر تک مقیم رہے، درس و افادہ فرماتے رہے، آپ کے کبار تلامذہ کے اسماء گرامی صاحب نزہۃ الخواطر نے حسب ذیل ترتیب و القاب سے ذکر کئے ہیں۔

(۱) شیخ محدث عبدالغنی بن ابی سعید العمری الدہلوی المہاجرالی المدینۃ المنورۃ۔

(۲) السید نذیر حسین بن جوادی علیٰ احسنی الدہلوی (۳) شیخ عبدالرحمن بن محمد الانصاری الپانی پتی (۴) السید عالم علی المراد آبادی (۵) الشیخ عبدالقیوم بن عبداللہ الصدیقی البرہانوی (۶) الشیخ قطب الدین بن محی الدین الدہلوی (۷) شیخ احمد علی بن لطف اللہ السہارنپوری (۸) الشیخ عبدالجلیل الشہید الکولئی (۹) المفتی عنایت احمد اکاکوری (۱۰) الشیخ امد اللہ بن دلیل اللہ الانامی وغیرہ، جن سے اکثر علم حدیث کے فاضل ہوئے اور ان سے بھی بکثرت علم حدیث کا سلسلہ جاری ہوا، حتیٰ کہ ہندوستان میں اس کے سوا اور کوئی سلسلہ سند حدیث کا باقی نہ رہا۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

شیخ شمس الحق لدھیانویؒ نے تذکرہ النبلاء میں نقل کیا ہے کہ شیخ عبداللہ سراج مکی آپ کی موت کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اگر آپ اور زندہ رہتے اور میں اپنی تمام عمر بھی آپ سے حدیث پڑھتا رہتا، تب بھی ان سب علوم و حقائق حدیث کو حاصل نہ کر سکتا جو آپ کو حاصل تھے، شیخ عمر بن عبدالکریمؒ بھی آپ کے کمال علم حدیث و رجال کی شہادت دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آپ کی طرف سے آپ کے نانا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی برکات منتقل ہوئی تھیں، شیخ نذیر حسین صاحب فرماتے تھے کہ مجھے آپ سے زیادہ برتر و افضل عالم کی صحبت نہیں ملی اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے

برائے رہبری قوم فساق دوبارہ آمد اسمعیل و اسحاق

ایک شیخ اعظم، عالی مرتبت محدث مسند بلکہ شیخ الحدیثین کی بیان منقبت کے موقع پر کلمہ رہبری، قوم فساق، مذاق علم و ادب پر بہت بار ہے، شاید اسحاق کی رعایت قافیہ سے مجبوری ہوئی، رحمہم اللہ کلہم رحمۃ واسعۃ۔

مکہ معظمہ میں بحالت روزہ، روز دو شنبہ ۲۷ رجب ۱۲۶۲ھ کو وفات ہوئی اور معلقات میں حضرت سیدہ ام المؤمنین خدیجہؓ کی قبر مبارک کے قریب دفن ہوئے (نزہۃ الخواطر ص ۵۱ ج ۷ و حدائق حنفیہ)

۴۰۷۔ الشیخ محمد احسن معروف بہ حافظ دراز بن حافظ محمد صدیق خوشابی پشاوری حنفی م ۱۲۶۲ھ

علم حدیث، تفسیر و فقہ میں یگانہ روزگار اور جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے، اکثر علوم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کئے جو بہت بڑی عالمہ فاضلہ

تھیں، تمام عمر مسند افادت پر متمکن رہ کر درس و تالیف میں بسر کی، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں: منہج الباری شرح صحیح البخاری (زبان فارسی میں نہایت محققانہ شرح لکھی) تفسیر سورۃ یوسف، سورۃ والنحل وغیرہ، حاشیہ قاضی مبارک وغیرہ۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۳۲۳ ج ۷ و حدائق)

۴۰۸- الشیخ المحمد شطیب بن احمد رفیقی کشمیری حنفی متونی ۱۲۶۶ھ

مشہور محدث اور اپنے زمانہ کے شیخ الاسلام والمسلمین، قطب العارفین تھے، علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل اس زمانہ کے اکابر علماء و مشائخ سے کی، اور آپ سے بھی ایک جم غفیر علماء و فضلاء نے استفادہ کیا، حدیث، فقہ، سلوک و معرفت میں نہایت نافع تصانیف کیں، لوگوں سے الگ رہتے، قائم اللیل، صائم النہار تھے، آخر عمر میں مسجد میں معتکف ہو گئے تھے، مذہب حنفی کی حمایت میں بہت ساعی رہتے تھے، صاحب کرامات و خوارق تھے، آپ کے جنازہ پر ایک لاکھ سے زیادہ آدمی حاضر ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق و نزہۃ الخواطر ص ۲۲۴ ج ۷)

۴۰۹- شیخ غلام محی الدین بگوی حنفی متونی ۱۲۷۳ھ

بڑے محدث، صاحب کمالات صوری و معنوی ہوئی، آپ نے چھوٹی عمر میں صرف ماہ رمضان میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور صبح کو وقت چاشت تک ایک پارہ روزانہ یاد کر لیا کرتے تھے، نہایت قوی حافظہ تھا، دہلی جا کر علوم کی تحصیل کی اور حضرت شاہ اسحاق صاحب سے حدیث پڑھی اور حضرت شاہ عبدالعزیز نے بھی آپ کو سند حدیث عطا فرمائی یہ بھی فرمایا کہ تم سے لوگوں کو بڑا فیض پہنچے گا اور تم وطن جا کر کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے لوگوں میں تفرقہ ہو۔

آپ نے مسجد حکیمان لاہور میں تیس سال قیام فرما کر درس علوم دیا پھر استرخاء کی بیماری میں مبتلا ہوئے اور اپنے گھر موضع بگا (علاقہ بہیرہ ضلع سرگودھا پاکستان) میں قیام فرمایا، وہاں بھی آخر عمر تک درس و افادہ جاری رہا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (حدائق حنفیہ)

۴۱۰- الشیخ المحمد رضا بن محمد بن مصطفیٰ رفیقی کشمیری حنفی، متونی ۱۲۷۶ھ

بڑے محدث، مفسر، صوفی، کثیر العبادۃ، جامع شریعت و طریقت، صاحب کرامات و مکاشفات تھے، اپنے والد بزرگوار، نانا اور دونوں چچا سے حدیث و فقہ کی تحصیل کی، پھر درس و افادہ میں مشغول ہوئے، نہایت متواضع اور حلیم الطبع تھے، ملاقات کے وقت سر پر چھوٹے بڑے، مال دار یا غریب کو خود پہلے سلام کرتے تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۷۸ ج ۷ و حدائق حنفیہ)

۴۱۱- الشیخ المحمد شیح المشائخ الشاہ احمد سعید بن الشاہ ابی سعید الدہلوی المجد دی حنفی متونی ۱۲۷۷ھ

بڑے محدث عالم اور شیخ المشائخ سلسلہ نقشبندیہ تھے، رام پور میں پیدا ہوئے، اپنے والد ماجد اور دوسرے اکابر سے علوم حاصل کئے، لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں کے علماء سے بھی استفادہ کیا، پھر دہلی پہنچ کر شیخ فضل امام خیر آبادی اور شیخ رشید الدین دہلوی وغیرہ سے مستفید ہوئے، اسی اثناء میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کی مجالس درس وغیرہ سے بھی استفادہ فرماتے رہے، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے صحاح ستہ، حصن حصین، دلائل الخیرات وغیرہ کی اجازت و سند بھی حاصل کی۔

حضرت شاہ قطب الاقطاب شاہ غلام علی صاحب کی خدمت و صحبت مبارکہ سے مشرف ہوئے، بیعت کی اور آپ سے رسالہ قشیریہ،

۱- حضرت شاہ صاحب سلسلہ نقشبندیہ کے بڑے رکن رکن اور عالم جلیل، محدث کبیر تھے، آپ کی جلالت قدر اور ولایت کاملہ پر سب متفق ہیں، آپ کی ولادت بنالہ (پنجاب) میں ۱۱۵۶ھ میں ہوئی تھی، پہلے اپنے وطن اور قریبی شہروں میں تحصیل علم کی ۲۲ سال کی عمر سے ہی حضرت مرزا صاحب مظہر جان جاناں دہلوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک مدت دراز کار و اشغال اور اخذ سلوک و طریقت میں گزاری اور اس سلسلہ کے اعلیٰ مراتب کمال کو پہنچے، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عوارف، احیاء العلوم، فنحات الانس، الرشحات عین الحیات، مثنوی معنوی، مکتوبات امام ربانی (قدس سرہ) وغیرہ پڑھیں۔
حضرت شاہ صاحب موصوف آپ سے بے انتہاء محبت فرماتے تھے، آپ کو علوم ظاہر و باطن سے مالا مال کیا اور کمالات حال و قال کا فرد جامع بنا دیا، آپ اپنے والد ماجد کی وفات پر ان کے جانشین ہوئے اور حضرت شاہ صاحب موصوف کی سند ارشاد کو بھی زینت دی، اس لئے دور دراز مقامات تک کے علماء، مشائخ و عوام نے آپ سے استفادہ کیا۔

اسی حال میں آپ کی عمر شریف ۵۷ برس کو پہنچی تھی کہ ۱۸۵۷ء بمطابق ۱۲۷۳ھ میں انگریزوں کی سامراجیت کے خلاف علم جہاد بلند ہوا، جس میں علماء و مشائخ نے خاص طور سے حصہ لیا اور ان کے ساتھ عام مسلمانوں نے بھی جگہ جگہ جان کی بازی لگائی، مگر افسوس کہ یہ مہم ناکام ہوئی اور انگریزی راج نے اقتدار کے نشہ میں ہندوستانی رعایا کو اپنے انتہائی سفاکانہ مظالم کا تختہ مشق بنایا، پھر خصوصیت سے ساکنان دہلی تو سب سے زیادہ مصائب و آلام کا شکار بنے ہوئے تھے۔

ان طوفانی ہنگاموں کے وقت بھی چار ماہ تک آپ اپنی خانقاہ دہلی میں اپنے مشاغل طیبہ میں نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ مصروف رہے مگر تاکے؟ انگریزوں نے آپ پر بھی برٹش حکومت کے خلاف بغاوت کا فتویٰ دینے کی فرد جرم لگا دی اور اس کی سزا میں آپ کو اور آپ کے پورے خاندان و متعلقین کو بھی تہ تیغ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

تاریخ میں ہے کہ اس موقع پر رئیس الافاغندہ نے (جس سے برٹش حکومت کو اپنا اقتدار جمانے میں مدد ملی تھی) آپ کے بارے میں خاص طور سے سفارش کی اور حکومت کو اقدام سے روکا، اس پر آپ نے مع اپنے خاندان کے دہلی کو چھوڑ کر حرمین شریفین کا عزم کیا، رئیس مذکور نے حکومت سے پاسپورٹ حاصل کرایا اور آپ کے لئے سامان سفر بھی مہیا کیا جس سے آپ مع اہل و عیال بعافیت تمام مکہ معظمہ حاضر ہو کر حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، اس کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور آخر وقت تک وہیں اقامت فرمائی، آپ دہلی سے آخر محرم ۱۲۷۴ھ میں روانہ ہو کر شوال ۱۲۷۴ھ میں مکہ معظمہ پہنچے تھے۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں: الفوائد الضابطہ فی اثبات الرباط، تصحیح المسائل فی الرد علی مائة مسائل، الانہار الاربعہ فی شرح الطریق الہشتیہ والقادیہ والنقشبندیہ والمجددیہ وغیرہ، آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی، اور جنۃ البقیع میں قری قبہ حضرت سیدنا عثمان مدفون ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۴۰ ج ۷ و حدائق حنفیہ)

۳۱۲۔ الشیخ الحدیث یعقوب بن محمد افضل العمری دہلوی حنفی م ۱۲۸۲ھ

حضرت شاہ الحق صاحب کے چھوٹے بھائی اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے نواسے، صاحب فضل و کمال محدث و فقیہ تھے، آپ نے بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) حضرت مرزا صاحب کی وفات پر آپ کے جانشین ہوئے، آپ کی بارگاہ فیض سے عرب و عجم کے بکثرت علماء، مشائخ، و عوام نے فیض پایا۔ معمول تھا کہ ذکر لفظی و اثبات روزانہ دس ہزار بار کرتے تھے اور ذکر اسم ذات، استغفار، درود شریف کا ورد تو ہمہ وقت اور سجد و مقدار تھا، صبح کی نماز کے بعد دس بار قرآن مجید کی تلاوت معمول تھا، زہد و قناعت، تسلیم و رضا، توکل و ایثار، ترک و تجرید کی اعلیٰ مثال تھے، نکاح نہیں کیا، گھر نہیں بنایا، جو کچھ آمدنی ہوتی تھی، فقراء و مستحقین پر صرف فرمادیتے تھے، لباس سادہ تھا، لذیذ کھانوں سے مجتنب رہتے تھے، صبح کو تلاوت قرآن مجید کے بعد اشراق تک سالیکن کی طرف متوجہ ہوتے اور القاء نسبت فرماتے، نماز اشراق کے بعد دوپہر تک درس حدیث و تفسیر دیتے تھے، تھوڑی غذا کھا کر کچھ دیر قیلولہ فرماتے، پھر نماز ظہر کے بعد سے عصر تک درس حدیث و فقہ و تصوف میں مشغول رہتے، نماز عصر کے بعد بھی صبح کی طرح اپنے اصحاب و مسترشدین کو توجہ دیتے تھے۔ پوری رات عبادت میں بسر فرماتے، صرف تھوڑی دیر کے لئے مصلے پر ہی سو جاتے تھے، آپ اکثر بیٹھ کر احتبائی حالت میں سوتے تھے، پیر پھیلا کر سونے کو پسند نہ کرتے تھے، حتیٰ کہ آپ کی موت بھی اسی حالت میں ہوئی۔

آپ کی خانقاہ میں تقریباً پانچ سو آدمی ہر وقت موجود ہوتے تھے، جو آپ کے مطبخ سے کھانا کھاتے تھے، آپ کی مجلس میں کسی کی غیبت نہ ہو سکتی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ سب سے زیادہ برائی کے ساتھ ذکر کئے جانے کا مستحق میں ہوں۔

امر معروف و نہی منکر میں کسی کی رورعایت نہ فرماتے تھے، آپ کی تصانیف میں سے المقامات المظہر یہ اور ایضاح الطریقہ زیادہ مشہور ہیں، آپ کی وفات ۲۲ صفر ۱۲۳۰ھ کو ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۳۵۶ جلد ۷)

اپنے نانا جان کی آغوش تربیت سے استفادہ کیا اور جلالین وغیرہ آپ سے پڑھیں، باقی کتب درسیہ حضرت رفیع الدین صاحب سے پڑھ کر درس و سلوک وغیرہ کی اجازت نانا جان سے بھی حاصل کی۔

آپ نے ایک مدت تک دہلی میں درس و افادہ فرمایا، پھر ۱۲۵۸ میں اپنے بڑے بھائی شاہ اسحاق صاحب کے مکہ معظمہ کو ہجرت فرمائی اور وہیں اقامت کی، بکثرت علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر ص ۵۳۳ ج ۷)

۴۱۳۔ الشیخ العلامة المفتی صدر الدین بن لطف اللہ لکشمیری ثم الدہلوی حنفی م ۱۲۸۵ھ

مشہور محدث، فقیہ، مفتی، جامع معقول و منقول تھے، علوم کی تحصیل شیخ فضل حق امام خیر آبادی اور شاہ رفیع الدین صاحب سے کی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے بھی استفادہ کیا اور حضرت شاہ اسحاق صاحب سے بھی اجازت حدیث حاصل کی۔

آپ بڑے صاحب جاہ و ریاست، یگانہ روزگار اور نادرہ عصر تھے، حکومت دیوانی کی طرف سے صدر الصدور کے عہدہ پر فائز تھے، بجز شاہ دہلی کے تمام وزراء، اعیان حکومت، امراء، علماء وغیرہ آپ کے یہاں آمد و رفت رکھتے تھے، لیکن ۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۳ھ میں دوسروں کی طرح آپ پر بھی برٹش حکومت کے خلاف بغاوت کا فتویٰ دینے کی فرد جرم لگی اور اس کی سزا میں آپ کی تمام املاک و جائیداد، گاؤں، گراؤں ضبط ہو گئے، بلکہ حکومت نے آپ کا عظیم الشان کتب خانہ بھی (جس کی مالیت تین لاکھ روپے تھی) ضبط کر کے نیلام کر دیا، بعد کو جائیداد غیر منقولہ و تو و اگرار ہو گئی تھی مگر کتب خانہ کا کچھ بدل نہ ملا، آپ کی تصنیف یہ ہیں: منتهی المقال فی شرح حدیث لاشد الرحال (جو آپ نے علامہ تیمیہ و ابن حزم کے اس مسئلہ کے جواب میں بزبان عربی نہایت تحقیق سے لکھا کہ قبور انبیاء و اولیاء کی زیارت واسطے سفر کرنا حرام ہے، جس طرح اسی مسئلہ میں دوسرے فقہاء و محدثین ابن حجر مکی، تقی الدین سبکی، قسطلانی وغیرہ نے بھی ان دونوں کا رد کیا ہے) الدرر المنضوہ فی حکم امرأۃ المفقود، مجموعہ فتاویٰ وغیرہ، آپ اردو، فارسی و عربی کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (حدائق و نزہۃ الخواطر)

۴۱۴۔ الشیخ الفاضل العلامة عبدالحلیم بن امین اللہ لکھنوی حنفی م ۱۲۸۵ھ

مشہور محدث، فقیہ، محقق، مدقق، جامع معقول و منقول تھے حفظ قرآن مجید کے بعد ابتدائی علوم اپنے والد ماجد سے پڑھے، پھر اپنے چچا مفتی یوسف بن محمد اصغر لکھنوی اور اپنے نانا مفتی ظہور اللہ صاحب وغیرہ سے تکمیل کی اور شیخ حسین احمد علیج آبادی (تلمیذ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے حدیث پڑھی، ۱۲۶۰ھ میں باند اشریف لے گئے، جہاں آپ کو نواب ذوالفقار الدولہ نے اپنے مدرسہ کا مدرس مقرر کیا، چار سال کے بعد وہاں سے اپنے وطن واپس ہوئے اور ایک سال کے بعد جو پور تشریف لے گئے، وہاں کے رئیس حاجی محمد امام بخش نے اپنے مدرسہ امامیہ حنفیہ کا مدرس بنایا، وہاں آپ نے ۹ سال تک درس دیا اور کثیر تعداد میں لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا، وطن واپس ہو کر ایک سال قیام فرمایا، پھر حیدرآباد دکن جا کر وزیر مختار الملک کے مدرسہ عالیہ دارالعلوم میں دو سال درس و افادہ کیا، ۱۲۷۹ھ میں آپ نے حرمین شریفین کا سفر فرمایا، وہاں کے علماء کبار نے آپ کی نہایت قدر و منزلت کی اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی مہاجر مدنی، مولانا عبدالرشید مجددی وغیرہ نے آپ کو حدیث کی اجازت دی۔ ۱۲۸۰ھ میں حیدرآباد واپس ہوئے تو وزیر موصوف نے آپ کو عدالت دیوانی کی نظامت سپرد کی، جس کو آپ نے نہایت خیر و خوبی سے انجام دیا۔

آپ کی تصانیف بہت ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: السقایہ شرح الہدایہ (ناکمل) حاشیہ شرح الوقایہ (ناکمل) ایقاد المصابیح فی التراویح، القول الحسن فیما یعلق بالنوافل والسنن، اقوال الاربعہ، حل المعائد فی شرح العقائد، نور الایمان فی آثار حبیب الرحمن، قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار، کشف الکتوم لکل حاشیہ بحر العلوم، کشف الاشتباہ، محل حمد اللہ، حل النفیسی وغیرہ۔

مشہور و معروف علامہ فہامہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی آپ کے صاحبزادہ بلند اقبال ہیں جن کا ذکر گرامی آگے آئے گا۔
رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۳۴۷ ج ۷ وحدائق حنفیہ)

۴۱۵۔ الشیخ المحدث احمد الدین بن نور حیات بگوی حنفی متوفی ۱۲۸۶ھ

محدث، فقیہ، فاضل اجل، جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے، کتب درسیہ اپنے بڑے بھائی علامہ غلام محی الدین وغیرہ سے پڑھیں، پھر حضرت شاہ اسحاق صاحب سے بھی حدیث پڑھی، چودہ سال دہلی میں قیام فرمایا اور تمام علوم و فنون میں ماہر و تبحر ہوئے۔
پنجاب واپس ہو کر مسند درس حدیث و تفسیر وغیرہ کوزینت دی اور خلق خدا کو فائدہ پہنچایا، ریاضت و مجاہدہ بدرجہ کمال تھا، رات کا اکثر حصہ ذکر و مراقبہ میں گزارتے تھے، چلتے پھرتے، صحت و مرض ہر حالت میں طلباء کو اسباق پڑھاتے، مقبولین بارگاہ خداوندی میں سے اور مستجاب الدعوات تھے، جو بات زبان سے نکل جاتی وہ پوری ہو جاتی تھی، طلباء سے نہایت محبت و شفقت فرماتے، حتیٰ کہ اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کی دوا خود تیار کر کے پلاتے تھے۔

کبھی آپ لاہور میں قیام فرما کر درس دیتے اور آپ کے بھائی بگہ میں اور کبھی آپ وہاں تشریف لے جاتے اور بھائی لاہور میں رہ کر درس دیتے تھے، اس طرح دونوں بھائیوں نے ہزاروں ہزار طلباء کو فیض علم سے بہرہ ور کیا۔

۱۳ سال اپنے بھائی سے چھوٹے تھے اور اتنے ہی سال ان کے بعد زندہ رہے، حاشیہ خیالی، حاشیہ شرح جامی وغیر تصنیف ہیں۔ رحمۃ اللہ
رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۳۶۶ ج ۷ وحدائق حنفیہ)

۴۱۶۔ الشیخ المحدث عبدالرشید بن الشیخ احمد سعید مجددی دہلوی مہاجر مدنی حنفی م ۱۲۸۷ھ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد میں نامور عالم محدث تھے، حفظ، قرآن مجید کے بعد علوم کی تحصیل مولانا حبیب اللہ صاحب اور مولانا فیض احمد صاحب وغیرہ سے کی، پھر صحاح ستہ حضرت شاہ اسحاق صاحب سے پڑھیں، اپنے والد ماجد حضرت شاہ احمد سعید صاحب کی خدمت میں رہ کر باطنی فیوض حاصل کرتے رہے اور ان کے ساتھ ۱۳۷۲ھ میں حرمین شریفین حاضر ہوئے، حج و زیارت مقدسہ کے بعد مدینہ طیبہ میں مستقل سکونت اختیار فرمائی، حضرت والد ماجد قدس سرہ کی وفات ۱۲۷۷ھ میں ہوئی تو ان کی مسند درس و ارشاد پر بیٹھے اور شیخ وقت ہوئے۔
بڑے عابد، زاہد، متقی، کثیر البرکاء، خوش اخلاق، خاموشی پسند، صاحب معارف و مواجید تھے، کچھ عرصہ کے بعد مکہ معظمہ تشریف لے گئے، وہاں بھی تعلیم و تربیت طالبین و سالکین میں مشغول رہے، پھر وہیں ۱۲۸۷ھ کو وفات ہوئی، حضرت سیدتنا ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک کے سامنے دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (نزہۃ الخواطر ص ۲۶۱ ج ۷)

۴۱۷۔ الشیخ المحدث قطب الدین بن محی الدین دہلوی حنفی م ۱۲۸۹ھ

حدیث و فقہ کے بڑے تبحر عالم اور جامع معقول و منقول تھے، کتب حدیث و اصول حضرت شاہ اسحاق صاحب سے پڑھیں، طویل مدت تک ان کی خدمت میں رہے، نیز علماء حرمین شریفین سے حدیث فقہی استفادات کئے اور سب سے اجازت حدیث حاصل کی، آپ کے درس، فتاویٰ اور تصنیفات قیمہ سے بکثرت علماء و عوام نے استفادہ کیا، بڑے زاہد، عابد، متورع، عالم ربانی تھے۔

علمی مباحث میں مذاکرات و مناظروں سے دلچسپی تھی، غیر مقلدین کے رد اور بدعت و شرک کے خلاف تیز گام تھے، اپنے زمانہ کے مشہور عالم مولانا نذیر صاحب دہلوی کے رد میں کتابیں لکھیں، کیونکہ موصوف نے مذہب حنفی کے خلاف لکھا تھا، آپ اکثر تیسرے چوتھے سال

حج کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور آپ کی وفات بھی مکہ معظمہ میں ہوئی۔

آپ کی تصانیف میں سے نہایت مشہور و مقبول کتاب مظاہر حق اردو ترجمہ و شرح مشکوٰۃ شریف ہے، دوسری تصانیف یہ ہیں: جامع التفاسیر (جلد ۲) ظفر جلیل (ترجمہ شرح حصن حصین) مظہر جمیل، مجمع الخیر، جامع الحسنات، خلاصہ جامع صغیر، ہادی الناظرین، تحفہ سلطان، معدن الجواہر و تزیینہ مسنونہ، تحفہ الزوجین، احکام الضعیف، فلاح دارین، تنویر الحق، توفیر الحق، آداب الصالحین، الطب النبوی، تحفہ العرب والعجم، احکام العیدین، رسالہ مناسک، تنبیہ النساء، حقیقۃ الایمان، خلاصۃ النصح، گلزار جنت، تذکرۃ الصیام وغیرہ، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة (حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر ص ۳۸۷ جلد ۷) مظاہر حق مذکور ادارہ اسلامیات دیوبند سے مظاہر حق جدید کے نام سے فاضل محترم مولانا عبداللہ جاوید (فاضل دیوبند) کی تعلیقات اور تسہیل و تزئین سے مکمل ہو کر قسط وار شائع ہو رہی ہے۔

۲۱۸۔ الشیخ الامام المحدث الشاہ عبدالغنی بن الشاہ ابی سعید مجددی حنفی م ۱۲۹۶ھ

مشہور و معروف محدث، مفسر، فقیہ، جامع اصناف علوم، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی ذریت میں ہیں، آپ کی ولادت دہلی میں ہوئی، حفاظ قرآن مجید کے بعد علوم درسیہ مولانا حبیب اللہ دہلوی سے پڑھے، حدیث شاہ اسحاق صاحب سے پڑھی، نیز اپنے والد ماجد سے بھی موطاً امام محمد اور مولانا مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین سے مشکوٰۃ پڑھی تھی، والد ماجد ہی سے طریقت میں رجوع فرمایا اور ان کے ساتھ ۱۲۴۹ھ میں حرمین شریفین حاضر ہوئے، حج زیارت سے مشرف ہوئے اور وہاں شیخ محمد عابد سندی سے بخاری شریف پڑھی اور ابو زاہد اسماعیل بن ادریس رومی سے بھی سند حدیث حاصل کی، ہندوستان واپس ہو کر درس حدیث و افادہ میں مشغول ہوئے، آپ سے بکثرت علماء نے استفادہ کیا، آپ ہی سے حضرت مولانا نانوتوی، حضرت مولانا گنگوہی وغیرہ نے حدیث پڑھی۔

۱۲۷۳ھ میں جب انگریزوں کے خلاف ہنگامے ہوئے اور بالآخر ان کا تسلط دہلی وغیرہ پر ہو گیا تو آپ نے مع اپنے اہل و عیال کے ارض مقدس حجاز کی طرف ہجرت فرمائی، مکہ معظمہ حاضر ہوئے، پھر مدینہ طیبہ پہنچے اور وہیں اقامت فرما کر عبادت اور درس و افادہ میں مشغول ہو گئے، علم و عمل، زہد و تقویٰ، صدق و امانت، اخلاص و انابت اللہ، خشیت اللہ و دوام مراقبہ، حسن خلق و احسان الی الخلق وغیرہ میں فرد و جمید و یکتائے زمانہ تھے، اہل ہند و عرب آپ کی جلالت قدر اور ولایت کاملہ پر متفق ہیں۔

قیام مدینہ منورہ میں بھی ہزاراں ہزار علماء آپ کے علوم ظاہری و باطنی سے فیض یاب ہوئے، آپ سے سند حدیث حاصل کرتے اور بیعت ہو کر خاندان نقشبندیہ میں داخل ہو کر سعادت دارین حاصل کرتے تھے، شیخ حرم نبوی (علی صاحب الف الف تحیات و تسلیمات) آپ کی بے حد تعظیم کرتے تھے، حتیٰ کے نماز کے وقت آپ کو دیکھ لیتے تو آپ ہی کو امام بناتے تھے، مگر چونکہ کسر نفسی سے وہاں کی امامت آپ پر بار ہوتی تھی، اس لئے یہ مامور کر لیا تھا کہ عین تکبیر کے وقت مسجد میں تشریف لاتے تھے، آپ کی تصانیف میں سے ”انجاء الحاج فی شرح سنن ابن ماجہ“ مشہور ہے (نزہۃ الخواطر ص ۲۸۹ و حدائق حنفیہ)

ارواح ثلاثہ ص ۱۱۴، ۱۱۵ میں حضرت گنگوہی سے نقل ہے، فرمایا، میرے استاذ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب فرماتے تھے کہ ”جس قدر نفس سے دوری ہے اسی قدر قرب حق تعالیٰ ہے“

ایک دفعہ فرمایا کہ میرے استاد حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کا تقویٰ بہت بڑھا ہوا تھا، سینکڑوں مرید تھے اور ان میں سے اکثر امراء اور بڑے آدمی تھے، مگر آپ کے ہاں اکثر فاقہ رہتا تھا، ایک دفعہ آپ کے یہاں کئی روز کا فاقہ تھا، خادمہ کسی بچے کو گود میں لے کر باہر نکلی تو دیکھا گیا کہ بچہ کا چہرہ بھی فاقہ کے سبب مرجھایا ہوا ہے، مفتی صدر الدین صاحب نے اس صورتحال کو دیکھا تو بڑا صدمہ ہوا اور گھر سے تین سو روپے

بھجوائے آپ نے واپس کر دیئے، مفتی صاحب خود لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کو یہ خیال ہوا ہوگا کہ صدر الصدور ہے، رشوت لیتا ہوگا، اس لئے عرض ہے کہ یہ روپے میری تنخواہ کے ہیں، قبول فرما لیجئے! آپ نے فرمایا کہ رشوت کا تو مجھے تمہارے متعلق وسوسہ بھی نہیں گزرا، لیکن میں تمہاری ملازمت کو بھی اچھا نہیں سمجھتا، اس لئے ان کو لینے سے معذور ہوں۔

آپ کو تحقیق سے معلوم ہوا کہ خادمہ نے گھر کے فاقہ کارا زافشاہ کیا ہے، تو اس کو بلا کر فرمایا کہ ”نیک بخت! اگر فاقہ کی تمہیں برداشت نہیں ہے تو اور گھر دیکھ لو، مگر خدا کے لئے ہمارا زافشاہ نہ کرو“۔

ایک دفعہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ شاہ اسحاق صاحبؒ کے شاگردوں میں سے تین شخص نہایت متقی تھے، اول درجہ کے مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ، دوسرے درجہ کے حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ، تیسرے درجہ کے نواب قطب الدین خان صاحبؒ اور اس پر ایک قصہ بیان فرمایا جو ارواحِ ثلاثہ ص ۱۴۷ پر درج ہے۔

امیر شاہ خان صاحب راوی ہیں کہ مولوی عبدالقیوم فرماتے تھے کہ مولوی عبدالرب صاحب کے والد مولوی عبدالحق صاحب شاہ اسحاق صاحبؒ کے شاگرد اور مولوی نذیر حسین صاحب کے خسر تھے، مولوی نذیر حسین صاحب نے ان سے حدیث پڑھی ہے اور شاہ اسحاق صاحب سے نہیں پڑھی جب شاہ صاحب ہجرت کرنے لگے تو، نواب قطب الدین صاحب نے شاہ صاحب سے سفارش کی کہ مولوی نذیر حسین صاحب کو حدیث کی سند دے دیجئے کیونکہ اس وقت مولوی نذیر حسین صاحب اور نواب صاحب میں بہت دوستی تھی، شاہ صاحب نے ان کی سفارش پر ان سے ہر کتاب کے ابتداء کی کچھ حدیثیں سن کر ان کو قطب صاحب میں حدیث کی سند دی، (ارواحِ ثلاثہ ص ۱۴۰)

اس کے بعد حضرت تھانویؒ کا حاشیہ بھی ہے کہ ”ایسی سند، سند برکت ہے، اجازت نہیں، بظاہر یہ واقعہ بہ سند متصل ثقات سے مروی ہے اور جس صورت سے سند حاصل ہوئی، اس کو زیادہ سے زیادہ سند برکت کہا جاسکتا ہے، مگر صاحب تحفۃ الاحوذی نے مقدمہ میں اتنی سی بات پر دعویٰ کر دیا ہے کہ شاہ اسحاق صاحب نے ہجرت کے وقت مولانا نذیر حسین صاحب کو اپنا جانشین بنایا تھا، پھر غایۃ المقصود کا مقدمہ دیکھا گیا تو اس میں مولانا ٹمٹس الحق صاحب عظیم آبادی نے اس سے بھی آگے بڑھ چڑھ کر لکھا ہے کہ مولانا نذیر حسین صاحب نے صحاح ستہ وغیرہ شاہ اسحاق صاحب سے پڑھیں اور ان سے وہ علوم حاصل کئے جو شاہ اسحاق صاحب کے کسی دوسرے شاگرد نے آپ سے حاصل نہیں کئے اور مراتب کمال کو پہنچے اور شاہ صاحب کے خلیفہ ہوئے نیز شاہ صاحب کی موجودگی میں فتویٰ دیتے اور لوگوں کے جھگڑے چکاتے تھے اور حضرت شاہ صاحب آپ کے فتوؤں سے بہت خوش ہوتے اور ان کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے، پھر یہ بھی لکھا ہے کہ جس سال شاہ صاحب نے ہجرت کی، یعنی ۱۲۵۸ھ میں اسی میں آپ کو حدیث کی اجازت ملی ہے اور آپ کو خلیفہ بنایا۔ (غایۃ المقصود جلد اول ص ۱۰ ج ۱۳)

مذکورہ بالا عبارت کے آخری جملہ سے بھی اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ عطاء سند کا واقعہ وقت ہجرت کا ہے اور اسی کو بڑھا چڑھا کر حضرت شاہ اسحاق صاحب سے قدیم اور باقاعدہ تلمذ، صحاح ستہ وغیرہ پڑھنا ان کی طرف سے تحسین فتاویٰ و قضاء خصومات، پھر اور زیادہ ترقی کر کے بہ نسبت حضرت شاہ صاحب کے اور دوسرے سب تلامذہ سے زیادہ سے استفادہ کرنا اور ان کے خلافت و جانشینی کے دعادی بے دلیل و بے سند لکھ دیئے گئے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔ رحمہم اللہ کلہم رحمتہ واسعہ)

۴۱۹- الشیخ العلامة محمد بن احمد اللہ العمری التھانوی حنفی م ۱۲۹۶ھ

مشہور محدث بزرگ ہیں، تھانہ بھون میں ولادت ہوئی اور مولانا عبدالرحیم تھانوی و شیخ قلندر بخش حسینی جلال آبادی سے پڑھا، پھر

۱۱۱ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ نے بھی آپ سے پڑھا ہے، بڑے عالم بزرگ تھے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے نقل فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب موصوف فرمایا کرتے تھے کہ مولانا قلندر بخش صاحب روزانہ شب میں حضرت سرور کائنات کی زیارت مبارکہ سے مشرف ہوتے تھے، ۱۲۶۰ھ میں وفات پائی (نزہۃ الخواطر ص ۳۹۰ ج ۷)

دہلی تشریف لے گئے اور علوم متعارفہ حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی اور علامہ فضل حق خیر آبادی سے پڑھے، اس کے بعد حضرت شاہ اٹحق صاحب کی خدمت میں رہے اور حدیث پڑھی، نہایت ذکی، زود فہم، قوی الحافظ اور شیریں کلام تھے، پہلے حضرت سید صاحب شہید بریلوی سے بیعت کی پھر بڑے ہو کر حضرت شیخ نور محمد صاحب جھنجناویؒ کی خدمت اقدس میں رہے اور طریقت کے مراتب کمال کو پہنچے، ایک بڑی مدت ٹونک میں قیام فرما کر درس و ارشاد میں مشغول رہے، پھر اپنے وطن تشریف لا کر باقی عمر ارشاد و تلقین میں بسر کی۔

حضرت شاہ حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر کئی اور حضرت حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی شہید آپ کے پیر بھائی تھے، ایک زمانہ تک تینوں ایک جگہ رہے تھے اور باہم محبت و تعلق اور بے تکلفی تھی، حضرت تھانوی نے فرمایا کہ جب حضرت حاجی صاحب یہاں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں تشریف رکھتے تھے، تو ایک کچھالی میں کچھ پننے کچھ کشمش ملی ہوئی رکھتے تھے، صبح کے وقت مولانا شیخ محمد صاحب حضرت حافظ محمد ضامن صاحب اور حضرت حاجی صاحب مل کر کھایا کرتے تھے اور آپس میں چھینا جھپٹی بھی ہوتی تھی، بھاگے بھاگے پھرتے تھے، حالانکہ اس وقت مشائخ اس مسجد کو 'دکان معرفت' کہتے تھے اور تینوں کو اقطاب ثلاثہ سمجھتے تھے، حضرت حاجی صاحب دہلی کے شہزادوں میں اور علماء میں بزرگ مشہور تھے، مگر پیر بھائیوں سے اس قدر بے تکلفی برتتے تھے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۱۳۴)

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب کی تصانیف یہ ہیں: المقسط فی اثر ابن عباسؓ، دلائل الاذکار فی اثبات الجہر بالاسرار، الارشاد الحمدی، الکتابۃ الحمدیہ، المناظرۃ الحمدیہ (افلاک میں خرق و التیام ثابت کیا ہے) تفضیل الختمین، حواشی شرح العقائد۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (نہجۃ الخواطر ص ۴۲۲ ج ۷)

۴۲۰۔ الشیخ الامام العلامة الکبیر محمد قاسم بن اسد علی الصدیقی النانوتوی حنفی م ۱۲۹۷ھ

مشہور عالم، محدث جلیل، فقیہ نبیل، جامع معقول و منقول اور عالم ربانی تھے، ولادت ۱۲۲۸ھ میں بمقام قصبہ نانوتہ ہوئی، ابتدائی تعلیم سہارنپور میں حاصل کی، پھر دہلی تشریف لے گئے اور تمام کتب درسیہ مع فنون عصریہ حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی سے پڑھیں، پھر حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددیؒ کی خدمت میں رہ کر علوم حدیث کی تکمیل کی، سوا ابوداؤد کے (کہ وہ حضرت مولانا احمد علی صاحب سے پڑھی) تمام صحاح ستہ حضرت شاہ صاحب موصوف سے پڑھیں۔

طریقت میں حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب سے استفادہ نام کیا، عالم اجل اور شیخ زمانہ ہوئے، مگر اپنے احوال کا نہایت انخفاء کرتے تھے، آپ کے لباس، طرز بود و باش یا کسی بات سے یہ ظاہر نہ ہوتا تھا کہ اتنے بڑے صاحب کمالات ظاہر و باطن ہیں، اسی لئے ذریعہ معاش بھی آپ نے درس و تعلیم وغیرہ کو نہیں بنایا، بلکہ تصحیح کتب مطبعی سے جو تھوڑی بہت یافت ہوتی، اسی پر قناعت فرماتے تھے، جس کا اندازہ اس زمانہ میں دس بارہ روپیہ کا تھا، بلکہ مالک مطبع نے اضافہ بھی چاہا تو خود ہی منع فرمادیتے تھے کہ میرے گزارہ کے لئے زیادہ کی ضرورت نہیں، پہلے آپ نے حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری کے مطبع احمد دہلی میں کام کیا، اس وقت مولانا بخاری شریف طبع کرانے کے لئے اسکی تصحیح و تخریج کر رہے تھے، مولانا موصوف نے اس کے آخری پانچ پارے آپ کو تصحیح و تخریج کے لئے سپرد کئے، جن کا تخریج اس لئے بھی اہم و دشوار تھا کہ امام بخاریؒ نے اس کے بہت سے مقامات میں امام اعظم ابوحنیفہؒ پر اعتراضات کئے ہیں، آپ نے نہایت تحقیق و تدقیق سے اس خدمت کو انجام دیا اور بڑی خوش اسلوبی سے مذہب حنفی کی تائید و توثیق کی۔

آپ نے حرمین شریفین کا سفر تین بار کیا، صاحب نہجۃ الخواطر میں آخری سفر کا ذکر نہیں کیا، پہلا سفر ۱۲۷۷ھ میں کیا، حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کئے جس سے بیعت و استفادہ کا تعلق آپ کا قبل ہجرت ہی سے تھا، حرمین شریفین سے واپس ہو کر آپ نے کچھ عرصہ منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع میرٹھ میں تصحیح کی خدمات انجام دیں اور وہ گویا آپ کا دوسرا مستقر تھا۔

سوانح قاسمی پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہنگامہ ۵۷ء سے قبل ہی دیوبند کو اپنا وطن ثانی بنا لیا تھا، تھانہ بھون کی ”دکان معرفت“ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، دیوبند کی مسجد چھتہ گویا اسی طرز کی دکان علم و معرفت تھی، جس کے ابتدائی ارکان ثلاثہ حضرت نانوتوی، مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی اور حضرت شیخ حاجی عابد حسین دیوبندی تھے، پھر اسی مجلس انس (یا دکان علم و معرفت) کے رکن حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی (والد ماجد حضرت شیخ الہند) اور حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب دیوبندی (والد ماجد حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب و مولانا حبیب الرحمن صاحب و مولانا اشیر احمد صاحب عثمانی وغیرہ) اور دوسرے مقامی حضرات بھی ہوتے گئے اور اسی متبرک مسجد اور اس کی مجلس انس کے تاریخی فیصلوں کی روشنی میں دارالعلوم دیوبند کی تاسیس اور اس کے مشہور زمانہ علمی، دینی و سیاسی محیر العقول کارنامے عالم ظہور میں آئے۔

حضرت مولانا نانوتوی نے میرٹھ سے دارالعلوم کے لئے پہلے مدرس مولانا محمود صاحب کو منتخب فرما کر ص ۱۵، روپے ماہوار مشاہر مقرر فرما کر بھیجا، پھر قیام دارالعلوم کے تیر سے سال ۱۲۸۵ھ میں دوسرے مدرس حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلوی کا تقرر ہوا، تیسرا تقرر حضرت نانوتوی کے ارشاد پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کا ہوا، جو اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد ملازمت پر اجیر تشریف لے گئے تھے اور کچھ عرصہ بعد محکمہ تعلیم کے ڈپٹی انسپکٹر ہو چکے تھے، دارالعلوم کا دور ترقی شروع ہوا تو حضرت نانوتوی نے ان کو صدر مدرس کے لئے طلب فرمایا اور انہوں نے بھی کمال ایثار فرما کر ڈیڑھ سو روپے ماہوار کی ملازمت ترک کر کے دارالعلوم کے ۲۵ روپے ماہوار کو ترجیح دی دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس اور شیخ الحدیث ہوئے، دارالعلوم دیوبند کی طرح اس طرح میرٹھ سے سرپرستی فرمانے کے بعد آپ خود بھی مستقل طور سے دیوبند ہی تشریف لے آئے تھے۔

دوسرا سفر حج ۱۲۸۵ھ میں فرمایا اور واپس ہو کر درس و افادہ میں مشغول رہے، آپ چونکہ فن مناظرہ اہل کتاب میں بھی یکتا تھے، مشہور عیسائی پادری تارا چند سے دہلی میں آپ نے مناظرہ کیا تو اس نے لا جواب ہو کر راہ فرار اختیار کی، ۱۲۹۳ھ میں بمقام چاند پور ضلع شاہجہان پور ایک میلہ خدا شناسی منعقد ہوا تو اس میں بھی آپ نے تمام مذاہب کے علماء و عوام کے سامنے رد تہلیل و شرک اور حقانیت مذہب اسلام پر لا جواب و بے مثال تقریریں فرمائیں، ۱۲۹۴ھ میں عیسائیوں سے تحریف انجیل کے متعلق بحث ہوئی اور عیسائی پادری اپنی کتابیں چھوڑ کر مجلس مناظرہ سے فرار ہو گئے، اسی سال میں پنڈت دیانند سوتی بانی تحریک آریہ سماج سے بھی بحثوں کا آغاز ہوا اور وہ لا جواب ہوئے۔

تیسرا سفر حجاج بھی اسی سال میں ہوا، جس سے آپ ۱۲۹۵ھ میں واپس ہوئے اور اسی سال شعبان میں آپ کو رڑکی سے خبر ملی کہ پنڈت دیانند نے مذہب اسلام پر اعتراضات کئے ہیں اہل رڑکی نے نہایت اصرار سے آپ کو بلایا، علالت کے باوجود آپ نے رڑکی کا سفر کیا اور وہاں قیام فرما کر پنڈت جی کو مناظرہ کے لئے ہر طرح آمادہ کرنے کی سعی کی مگر وہ تیار نہ ہوئے اور رڑکی سے بھاگ گئے، آپ نے مجمع عام میں ان اعتراضات کا جواب دیا پھر واپس ہو کر انتصار الاسلام اور قبلہ نما، تحریر فرمایا جن میں تمام اعتراضات کے بہترین جوابات دیئے، اس کے بعد پنڈت جی نے کچھ عرصہ بعد میرٹھ پہنچ کر بھی کچھ اعتراضات کئے اور آپ نے وہاں پہنچ کر ان کو بحث و گفتگو کے لئے آمادہ کرنا چاہا مگر وہ تیار نہ ہوئے اور وہاں سے بھاگ نکلے۔

آپ کی علالت کا سلسلہ تقریباً دو سال تک جاری رہا اور اس علالت کے زمانہ میں برابر علمی اسفار، تصانیف وغیرہ کا سلسلہ بھی جاری رہا، ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ روز پنجشنبہ کو ۴۹ سال کی عمر میں بمقام دیوبند آپ کی وفات ہوئی، جس کے صرف دو روز بعد سہارنپور میں آپ کے استاد حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث کی وفات ہوئی۔ رحمہم اللہ رحمۃ واسعة وجعلنا معہم۔

آپ کے خصوصی تلامذہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن صاحب، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا محمد حسن صاحب امرہوئی وغیرہ تھے، آپ کی مجسم علمی یادگار درالعلوم دیوبند ہے، نسبی یادگار حضرت مولانا محمد احمد صاحب صدر مہتمم درالعلوم

(والد ماجد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم) تھے جن کا ذکر خیر آگے آئے گا۔

آپ کی تیسری نہایت اہم علمی یادگار حکمت قاسمیہ ہے جس کے بارے میں حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ فلسفہ و سائنس اگر پانچ سو برس بھی چکر کھائے گا تو حضرت مولانا نانوتوی کے قائم کئے ہوئے دلائل حقانیت اسلام پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، یہ حکمت قاسمیہ آپ کی تمام تصانیف عالیہ کا نہایت گرانبھا سرمایہ اور اہل علم و افہم کے لئے گنج گرانمایہ ہے، کاش آپ کی تمام کتابوں کی کامل تصحیح تسہیل و تبیین، عنوان بندی وغیرہ ہو کر نئے طور طریق سے اشاعت کا سرو سامان ہو۔

اس اہم علمی کام کی انجام دہی کے لئے آپ کے خصوصی تلامذہ یا حضرت شیخ الہند کے خصوصی تلامذہ احق و انسب تھے یا اب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دام ظلہم کر سکتے ہیں مگر ان پر دارالعلوم جیسے عظیم الشان ادارہ کی ادارتی ذمہ داریاں اور علمی اسفار وغیرہ کا اس قدر بار ہے کہ بظاہر اس پر سکون ٹھوس علمی کام کیلئے وقت نکالنا نہایت دشوار ہے۔

راقم الحروف بھی ایک مدت سے آپ کی کتابوں کا مطالعہ اور سعی فہم اپنی زندگی کا جز و مقصد بنائے ہوئے ہے اور بساط بھر کچھ خدمت بھی کی ہے اور کر رہا ہے، مگر اب کے ”انوار الباری“ کے کام کی ذمہ داری بھی پوری طرح عائد ہو چکی ہے، نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سلسلہ کرب تک باقی رہ سکے گا۔ والامر بید اللہ، اسئلہ التوفیق لما یحب و یرضی۔

حضرت نانوتوی کی نہایت اہم تصانیف یہ ہیں: آب حیات، ہدیۃ الشیعہ، قبلہ نما، انتصار الاسلام، حجۃ الاسلام، تقریر دلپذیر، مصباح التراویح، مباحثہ شاہجہان پور، تحذیر الناس، مجموعہ جوابات مخدورات عشر (یا مناظرہ عجیبہ) توشیح الکلام، قاسم العلوم (مجموعہ مکاتیب عالیہ) وغیرہ۔ حضرت علامہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے سوانح قاسمی کی تین جلدیں لکھ کر قاسمی برادری پر احسان عظیم کیا ہے جو دارالعلوم کی طرف سے شائع ہو چکی ہے، لیکن نہایت افسوس ہے کہ چوتھی جلد مرتب نہ ہو سکی جس میں ”آخر قاسمی“ یعنی تمام تصانیف قاسمی کا مکمل و مفصل تعارف کرایا جاتا اور اس فرض کی انجام دہی کی طرف دوسرے اہل علم کو توجہ کر کے سوانح قاسمی کو مکمل کرنا چاہئے، حضرت نانوتوی کی زندگی کے بہت سے عجیب و غریب واقعات ”ارواح ثلاثہ“ میں بھی شائع ہو چکے ہیں وہ بھی جز و سوانح ہونے چاہئیں۔

۴۲۱۔ الشیخ المحدث الفقیہ احمد علی بن لطف اللہ السہارنپوری حنفی م ۱۲۹۷ھ

کبار محدثین و فقہاء میں سے تھے، سہارنپور کے علماء سے ابتدائی تحصیل کے بعد دہلی تشریف لے گئے، حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی سے پڑھا اور حدیث شیخ وجیہ الدین سہارنپوری سے پڑھی جو شیخ عبدالحی بڑھانوی (تلمیذ شاہ عبدالقادر) کے تلمیذ تھے، پھر حرمین شریفین حاضر ہوئے، بیت اللہ سے مشرف ہو کر صحاح ستہ حضرت شاہ اسحاق صاحب مہاجر کی سے پڑھیں، ان سے اجازت حدیث حاصل کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور ہندوستان واپس ہو کر مسند درس حدیث کوزینت بخشی، ساری عمر صحاح ستہ کا درس دیتے رہے اور ان کی تصحیح فرمائی، خاص طور پر بخاری شریف کے تصحیح و تفسیر پر بڑی توجہ صرف کی، دس سال اس خدمت میں گزارے، آپ نے علم کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، اس لئے تجارت و مطبعی مشاغل اختیار کئے تھے۔

آپ نے بہت سے علمی رسائل بھی تصنیف فرمائے تھے، مثلاً الدلیل القوی علی ترک القراءۃ للمقتدی وغیرہ، ہنگامہ ۵۷ء میں آپ کا دہلی کا مطبع برباد ہو گیا تھا، اس لئے آپ سہارنپور تشریف لے آئے اور مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم سہارنپور میں درس حدیث دیتے تھے، ۷۲ء سال کی عمر میں حضرت نانوتوی کی وفات سے دو روز بعد انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (حدائق، نزہۃ و مقدمہ او جز المسالک)

۴۲۲۔ الشیخ المحدث المفتی عبدالقیوم بن عبدالحی صدیقی بڑھانوی حنفی م ۱۲۹۹ھ

بڑے محدث، فقیہ تھے، حفظ قرآن مجید کے بعد کتب درسیہ شیخ نصیر الدین دہلوی (سبط الشیخ رفیع الدین) لکھنوی، خواجہ نصیر حسین دہلوی

اور شاہ یعقوب بن افضل سے پڑھیں، کتاب فقہ و حدیث حضرت شاہ اسحاق بن افضل سے پڑھیں اور ان کی صاحبزادی سے آپ کا عقد بھی ہوا، بیعت کا شرف حضرت سید صاحب بریلوی سے حاصل ہوا اور تربیت حضرت شیخ محمد عظیم کی خدمت میں ایک مدت تک ٹونک میں رہ کر حاصل کی جو حضرت سید صاحب کے اصحاب میں سے تھے۔

حجاز تشریف لے گئے تھے، واپسی میں مع اہل و عیال کے بھوپال سے گزرے تو سکندر بیگم والیہ بھوپال نے آپ کو روک لیا اور بھوپال کی اقامت پر آمادہ کر کے افتاء کی خدمت سپرد کی، بہت سی جاگیریں دیں، چنانچہ آپ وہیں ساکن ہو گئے، درس علوم قرآن و حدیث اور افتاء آپ کے مشاغل تھے، بہت سے خوارق آپ سے ظاہر ہوئے، تعبیر خواب میں بھی بے نظیر تھے جس طرح فرمادیتے تھے، اسی طرح ہوتا تھا، گویا آپ حضرت شاہ عبدالعزیز کے خاندان کا بقیہ اور اس کے کمالات کا بہترین نمونہ تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر ص ۲۹۷ ج ۷)

۴۲۳۔ الفاضلۃ المحدثۃ الغفور بنت الشاہ اسحاق بن افضل دہلوی

علوم حدیث و فقہ کی بڑی علامہ فاضلہ تھیں، علوم کی تحصیل آپ نے اپنے والد ماجد سے ایک مدت تک کی، پھر آپ کا نکاح حضرت مولانا عبدالقیوم بڑھانوی ثم بھوپالی سے ہو گیا تھا جن کا تذکرہ ابھی گزرا ہے۔ نقل ہے کہ باوجود اپنے غیر معمولی فضل و کمال کے جب کبھی مولانا کو کوئی مشکل فقہ و حدیث میں پیش آتی تھی، آپ کے پاس تشریف لے جاتے اور آپ سے استفادہ کر کے حل کر لیتے تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر ص ۹۰ ج ۷)

۴۲۴۔ الشیخ المحدث العلامة تھور علی بن مظہر علی الحسینی نگیںوی حنفی

مشہور عالم محدث و فقیہ تھے، اپنے شہر کے علماء سے تحصیل کے بعد لکھنؤ گئے اور وہاں شیخ مخدوم حسینی لکھنوی سے حدیث پڑھ کر اجازت حاصل کی وہ شاہ ولی اللہ اور شیخ فاخر بن یحییٰ الہ آبادی کے شاگرد تھے، پھر درس و افتاء میں زندگی بسر کی، آپ سے بکثرت علماء نے حدیث پڑھی، مثلاً قاضی بشیر الدین عثمانی قنوجی، سید محمد مخدوم بن ظہیر الدین حسینی لکھنوی وغیرہ نے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (نزہۃ الخواطر ص ۱۱۲ ج ۷)

۴۲۵۔ حضرت مولانا محمد یعقوب بن مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی حنفی م ۱۳۰۲ھ

مشہور علامہ محدث، صاحب کشف و کرامات، دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس اول و شیخ الحدیث تھے، آپ کے والد ماجد دہلی کالج میں صدر مدرس رہے، حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی اور سینکڑوں علماء و فضلاء کے استاذ تھے، حسب تحقیق مولانا عبید اللہ صاحب سندھی، حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب نے ہندوستان سے حرمین شریفین کو ہجرت فرمائی تو ہندوستان کو برٹش سامراج سے نجات دلانے کی سعی کے واسطے جو بورڈ قائم کیا تھا، اس کے ایک خاص رکن وہ بھی تھے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے کی تھی، بخاری و مسلم بھی آپ نے مولانا موصوف سے پڑھی تھیں، آپ نے حضرت مولانا کے ارشاد پر بڑی ملازمت ترک کر کے دارالعلوم دیوبند کی مدرسے صرف پچیس روپے ماہانہ پر قبول فرمائی۔

آپ کا دور صدارت تقریباً ۱۹ سال رہا، اکابر علماء و فضلاء، آپ کے تلمذ سے مشرف ہوئے، مثلاً حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم وغیرہ۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔

۴۲۶۔ حضرت مولانا محمد مظہر بن حافظ لطف علی نانوتوی حنفی م ۱۳۰۲ھ

مشہور و معروف محدث، علامہ، مجاہد فی سبیل اللہ اور مدرسہ عربیہ مظاہر العلوم سہارنپور کے سب سے پہلے صدر مدرس و شیخ الحدیث تھے،

علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد اور حضرت استاذ العلماء مولانا مملوک علی صاحب سے کی اور حدیث حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی سے پڑھی، اجمیر کالج میں ملازم رہے، وہاں سے آگرہ کالج تبادلہ ہوا، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا، جہاد شامی تحریک میں شریک تھے، پیر میں گولی لگی، کچھ دن بریلی میں رہے، معافی عام پر ظاہر ہوئے۔

ماہ رجب ۱۲۸۲ھ میں مولانا سعادت علی سہانپوری نے مدرسہ عربیہ مظاہر العلوم جاری کیا، جس میں آپ نے صدارت کی، حدیث و فقہ کے متبحر عالم تھے، آپ کے چھوٹے بھائی مولانا محمد احسن نانوتوی نے جب مولوی خرم علی بلہوری کے ورثا سے درمختار کا اردو ترجمہ اشاعت کی غرض سے خرید تو اس کے بقیہ ترجمہ اور تصحیح وغیرہ میں آپ ان کے شریک و معاون رہے، آپ نہایت متقی، پرہیزگار، منکسر المزاج تھے، حضرت مولانا ظلیل احمد صاحب وغیرہ بڑے بڑے ممتاز علماء آپ کے تلامذہ میں ہیں، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (ترجمہ تذکرہ علماء ہند مطبوعہ کراچی ص ۵۰۲)

۴۲۷- حضرت مولانا ابوالحسنات عبدالحی بن مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی حنفی م ۱۳۰۴ھ

۱۲۶۳ھ میں پیدا ہوئے، علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی اور ۷۱ سال کی عمر میں فارغ ہو کر درس و تصنیف میں مشغول ہو گئے، ۱۲۷۹ھ میں حرمین شریفین میں حاضر ہوئے، شیخ محدث سید احمد حلان شیخ الشافعیہ مکہ معظمہ سے ان تمام علوم کی اجازت حاصل کی جن کی اجازت ان کو اپنے شیوخ سے حاصل تھی، ایک عالم نے آپ کے علمی فیوض و برکات اور درس و تصنیف کے بحر بیکراں سے استفادہ کیا، بہت تھوڑی عمر میں اتنے کام کر گئے کہ حیرت ہوتی ہے، عمر صرف چالیس سال کی ہوئی، آپ کی تمام تصانیف نہایت گراں قدر علمی جواہر سے مرصع ہیں جن میں سے چند مشہور یہ ہیں:

عمدة الرعاية حاشیہ شرح وقایہ، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعديل، القول الجازم، فی سقوط الحد بزکاح المحارم، نفی المہفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل، النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر، طرب الامثال فی تراجم الافاضل، زجر الناس علی انکار اثر بن عباس، امام الکلام فیما یتعلق بالقراءۃ خلف الامام، دافع الوسواس فی اثر ابن عباس، لالیات الینات علی وجہ الانبیاء فی الطبقات، الآثار المفردہ فی الاخبار الموضوعہ، الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، احکام القنطرہ فی احکام البسملة، تحفۃ الاخبار فی احیاء سنۃ سید الابرار، الکلام المبرور فی رد المقول المنظور، ابراز النبی، تذکرۃ الراشد (یہ دونوں کتابیں نواب صادق حسن خان صاحب کے رد اور ان کی تصانیف کے اغلاط کے بیان میں ہیں، دونوں شائع شدہ ہیں، تذکرہ بہت ضخیم ہے، حجم تقریباً پانچ سو صفحات) وغیرہ (مقدمہ عمدۃ الرعاية میں ۸۷ کتابوں کے نام تحریر ہیں) رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (ترجمہ تذکرہ علماء ہند ۲۸۷)

میر سید شریف جرجانی حنفی متوفی ۸۱۶ھ کی ایک کتاب مختصر جامع علوم حدیث میں ہے اس کی شرح بھی آپ نے کی ہے جس کا نام ”ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی“ ہے۔ (الرسالۃ المستطرفة ص ۱۷۶)

حضرت علامہ کوثری نے مقدمہ نصب الراية ص ۴۹ پر لکھا کہ ”شیخ محمد عبدالحی لکھنوی اپنے زمانہ میں احادیث کے بہت بڑے عالم تھے، لیکن آپ کی کچھ آراء شاذہ بھی ہیں جو مذہب میں درجہ قبول سے نازل ہیں، دوسرے یہ کہ بعض کتب جرح کی خفیہ جارحانہ منصوبہ بندیوں پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے آپ ان سے متاثر ہو گئے تھے، اس تاثر کو اور بھی اصل صورت حالات سے واقف لوگوں نے آپ کے علم و فضل کے منصب عالی سے فروتر پایا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔“

۴۲۸- مولوی سید صدیق حسن خان بن مولوی آل حسن قنوجی م ۱۳۰۷ھ

تفسیر، حدیث و فقہ نیز دوسرے علوم کی تصانیف میں شہرت یافتہ علماء اہل حدیث میں سے بڑے مرتبہ و مقبولیت کو پہنچے، قنوج میں پیدا

ہوئے، کتب درسیہ مفتی صدر الدین خان دہلوی سے تفسیر وحدیث یمن و ہند کے دوسرے علماء نیز شیخ محمد یعقوب دہلوی برخوردار شاہ محمد اسحاق صاحب سے پڑھی اور مطالعہ کتب سے کافی ترقی کی، پھر ۱۲۸۸ھ میں رئیسہ بھوپال سے عقد ہوا تو دنیوی اعزاز میں بھی غیر معمولی ترقی ہوئی، آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

ابجد العلوم، اتحاف النبلاء، بدور الایمان، حصول الماسن علم الاصول، الحطہ بذکر الصحاح السنۃ، ریاض الجنۃ فی تراجم اہل السنۃ، عون الباری بحل اولیٰ البخاری، فتح البیان فی مقاصد القرآن، فتح المغیث لفقہ الحدیث وغیرہ (ترجمہ تذکرہ علماء ہند ص ۲۵۰ مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی) آپ کی تصانیف احوال رجال میں سنین وفیات وغیرہ کی اغلاط بکثرت ہیں، جن پر حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے اپنی تصانیف میں تعقب کیا تھا، لیکن بجائے ان اغلاط کے اعتراف و اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کے، ان مولوی عبدالحی صاحب کو مورد الزامات قرار دیا گیا اور آپ کے رد میں ایک رسالہ بنام ”شفاء العی“ لکھوا کر شائع کیا گیا، اس کے رد میں مولانا موصوف کو مستقل رسالہ ”ابراز النعی الواقع فی شفاء العی“ لکھ کر شائع کرنا پڑا، اس کے بعد پھر نواب صاحب کی طرف سے ابراز النعی کے رد میں بھی ایک بڑا رسالہ بنام ”تبصرۃ الناقد بروکید الحاسد“ شائع کیا گیا، مولانا موصوف نے اس کا جواب نہایت تفصیل سے لکھا جو تذکرہ الراشد بر تبصرۃ الناقد کے نام سے پانچ سو صفحات پر مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے چھپ کر شائع ہوا اور اب بھی اگرچہ نادر ہے مگر مل جاتا ہے۔

مولانا موصوف نے ان دونوں کتابوں میں نہایت تحقیق سے نواب صاحب کی کتابوں (الاتحاف، الحطہ، الاکسی فی اصول التفسیر وغیرہ) کی اغلاط فاحشہ اور مزعومات فاسدہ سے پردے اٹھائے ہیں جن سے نہایت علمی، تاریخی حقائق روشنی میں آگئے ہیں، علماء خصوصاً جو حضرات نواب صاحب کی کتابوں سے بھی استفادہ چاہیں دونوں کتابوں سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔

دونوں کتابوں کی عبارت حضرت مولانا کی دوسری تالیفات کی طرح نہایت سلیس سہل ہونے کے ساتھ، معاصرانہ چشمک، مناظرانہ انداز اور اس دور کے رد و تنقید کا بھی ایک دلچسپ نمونہ ہے، حضرت مولانا نے بیسیوں اغلاط فاحشہ سنین وفات کے دکھلا کر سب سے زیادہ اہم نقد ریمارک نواب صاحب کی چند قابل اعتراض تصنیفی عادات پر کیا ہے جن میں سے چند ایک کی طرف اشارہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (۱) نواب صاحب تقلید ائمہ و مجتہدین کے سخت مخالف ہو کر بھی بہت سے مسائل میں علامہ ابن تیمیہ ان کے تلامذہ اور شوکانی وغیرہ کی تقلید جامد کرتے ہیں، حالانکہ ان لوگوں کی پوزیشن ان آئمہ متبوعین کے مقابلہ میں ایسی ہی ہے جیسے بولنے والے انسان کے مقابلہ میں چڑیوں و پرندوں کی ہوتی ہے، (ابراز النعی ص ۸) (یعنی اپنی جگہ پر یہ حضرات کتنے ہی بڑے علم و فضل کے مالک ہوں، مگر ان آئمہ متبوعین کے مقابلہ و خلاف پر ان کا بولنا بالکل بے معنی ہے)

حضرت مولانا موصوف نے اس سلسلہ میں عند مسائل بھی بطور مثال لکھے ہیں، مثلاً عمد ترک نماز کرنے والے کے لئے نماز کی قضاء درست نہ ہونا (جس کو بعض ظاہریہ ابن حزم وغیرہ نے اختیار کیا اور علامہ شوکانی نے بھی ان کی اتباع کی) پھر حضرت مولانا نے اس مسئلہ کی غلطی پر دلائل بھی قائم کئے ہیں اور اپنی تائید میں حافظ حدیث علامہ ابن عبدالبر کی تحقیق استذکار شرح موطاً امام مالک سے نقل کی ہے، یا سفر زیارت مبارکہ قبر شریف رسول اکرم ﷺ کو نواب صاحب نے علامہ ابن تیمیہ کے اتباع میں ناجائز کہا اور اپنی کتاب ”رحلۃ الصدیق الی البیت العتیق“ میں ائمہ اربعہ (متبوعین) اور جمہور علماء کا مذہب غلط نقل کیا، پھر جو خلاف شدہ حال بقصد زیارتہ میں منقول تھا اس کو نفس زیارت کے مسئلہ سے خلط ملط کر دیا۔

مولانا نے ”السعی المشکور“ میں اس مسئلہ پر نہایت محققانہ بحث کی ہے، جس کا خلاصہ ہم انوار الباری میں اپنے موقعہ پر ذکر کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ یا اموال تجارت میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا مسئلہ کہ اس کو بھی نواب صاحب نے علامہ شوکانی کی تقلید جامد میں اختیار کیا ہے، جس کا بطلان ظاہر ہے۔

(۲) ایک عادت نواب صاحب کی یہ بھی ہے کہ اپنی رائے کے موافق جو بات ہو، خواہ وہ اختلافی ہو، لیکن اس کو مجمع علیہ بتلاتے ہیں اور خود بھی جانتے ہیں کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، مثلاً اپنی مشہور کتاب ابجد العلوم میں امام اعظم ابو حنیفہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آپ نے کسی صحابی کو نہیں دیکھا، اگرچہ حنفیہ کا خیال ہے کہ بعض صحابہ آپ کے زمانہ میں موجود تھے۔

حالانکہ یہ امر اتفاقی ہرگز نہیں ہے، کیونکہ بہت سے کبار محدثین نے امام صاحب کا صحابہ کو دیکھنا نقل کیا ہے اور خود نواب صاحب نے بھی الحظ میں حافظ سیوطی شافعی سے تابعیت امام نقل کی ہے (کیا بغیر صحابی کو دیکھے ہوئے تابعیت ثابت ہو سکتی ہے یا علامہ سیوطی محدث نہ تھے؟) پھر نواب صاحب نے معاشرت کو بھی مشکوک کر دیا، حالانکہ امام صاحب کی پیدائش ۸۰ھ میں تو شبہ ہی نہیں (اگرچہ) اس سے قبل کے بھی اقوال ہیں جو ہم امام صاحب کے حالات میں لکھ آئے ہیں، اور وہ بالاتفاق تمام محدثین فقہاء، مورخین و عقلاء، صحابہ و تابعین کا دور تھا، اکثر محدثین، فقہاء امام صاحب کی روایت صحابہ کے قائل ہیں، صرف روایت میں اختلاف ہے، تو پھر معاشرت کے قائل صرف حنفیہ کیسے ہوئے، یہی عادت علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کی بھی ہے، والناس علی دین ملوکھم۔ (ابرازیلی ص ۱۰)

(۳) نواب صاحب کے کلام میں تعارض بکثرت پایا جاتا ہے، حتیٰ کہ ایک ہی تالیف میں اور دو قریب کے صفحات میں بلکہ ایک ہی صفحہ کے اندر بھی ہے۔

(۴) نواب صاحب نقل میں غیر محتاط ہیں کسی بات کا غلط ہونا ظاہر و باہر ہوتا ہے، پھر بھی نقل کر دیتے ہیں، تراجم و طبقات میں ایسا بہت ہے (ابرازیلی ص ۱۱) نواب صاحب کے یہاں تحریر حالات محدثین وغیرہم میں بیچارہ بیمارک اور جذبہ عدم تقلید کے تحت تعصب کا رنگ بھی ملتا ہے، جیسا کہ اتحاد النبلاء المتقین میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف حدیث رجال فارس کے تحت امام اعظم کا تذکرہ چھوڑ کر صرف امام بخاری کا ذکر منسوب کیا ہے اور نواب صاحب نے حضرت شاہ صاحب کی کتاب کا نام بھی نہیں لکھا ہے، حالانکہ وہ تحقیق کلمات طیبات (مطبوعہ مجبائی) کے ص ۱۶۸ پر ضمن مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب موجود ہے اور وہاں حضرت شاہ صاحب نے اس حدیث کے تحت امام اعظم ہی کو اولاد داخل کیا ہے، پھر امام بخاری کا ذکر کیا ہے۔

باوجود ان سب باتوں کے نواب صاحب کی علمی تصانیف کی افادیت اور آپ کے فضائل و کمالات سے کسی طرح انکار نہیں، نہایت عظیم الشان علمی خدمات کر گئے ہیں اور اس دور کے بہت سے متعصب غیر مقلدین کی نسبت سے بھی وہ سناغیمت تھے، عفا اللہ عنہ و رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔

۴۲۹- شیخ المشائخ احمد ضیاء الدین بن مصطفیٰ الکمیشانی حنفی م ۱۳۱۱ھ

بڑے محدث جلیل تھے، آپ نے ”راموز احادیث الرسول ﷺ“ ایک ضخیم جلد میں تالیف کی، پھر اس کی شرح ”لوامع العقول“ پانچ مجلدات میں تصنیف کی، ان کے علاوہ تقریباً پچاس تالیفات آپ کی اور بھی ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (تقدمہ نصب الراية ص ۴۹)

۴۳۰- مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری حنفی م ۱۳۱۱ھ

حضرت مجدد صاحب سرہندی قدس سرہ کی اولاد میں سے مفسر، محدث و فقیہ تھے، اساتذہ وقت سے علوم کی تحصیل کی، حضرت شاہ احمد سعید مجددی قدس سرہ سے بیعت ہوئے، درس و افادہ میں مشغول رہے، نواب کلب علی خان صاحب والی رام پور نے ریاست کی طرف سے چار سو روپیہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا، آپ کی تصانیف میں سے ”انتصار الحق“ بہت مشہور ہے جو مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی کی کتاب معیار الحق کے جواب میں لکھی تھی رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (تذکرہ علمائے ہند اردو ص ۵۶۰)

۲۳۱- حضرت مولانا محمد احسن بن حافظ لطف علی بن حافظ محمد حسن نانوتوی حنفی م ۱۳۱۲ھ

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کر کے دہلی گئے اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی، مولانا مملوک علی صاحب، مولانا احمد علی صاحب بہار نیپوری وغیرہ سے تکمیل کی، پھر بنارس کالج اور بریلی کالج میں عربی و فارسی کے پروفیسر رہے، بریلی میں مطبع صدیقی قائم کیا، جس سے بہت سی دینی علمی کتابیں شائع ہوئیں، ۱۳۸۹ میں ایک مدرسہ مصباح العہدیب کے نام سے بریلی میں جاری کیا جو اب بھی مصباح العلوم کے نام سے موجود ہے۔

آپ نے بہت سی علمی کتابیں لکھیں، مثلاً زاد المخذرات، مفید الطالبین، مذاق العارفین، احسن المسائل، تہذیب الایمان، حمایت الاسلام، کشاف، مسلک مروارید، رسالہ اصول جبرئیل، رسالہ عروض، نکات نماز وغیرہ۔

ان کے علاوہ آپ نے غایۃ الاوطار (ترجمہ درمختار) حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفاء، شفاء قاضی عیاض، کنوز الحقائق، فقہ الیمن، خلاصۃ الحساب، قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین، فتاویٰ عزیز، وغیرہ کو مرتب و مہذب کیا، آپ کی وفات دیوبند میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔
رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (ترجمہ تذکرہ علماء ہند ص ۱۷۸)

۲۳۲- حضرت مولانا فضل الرحمن بن محمد فیاض گنج مراد آبادی حنفی م ۱۳۱۳ھ

آپ حضرت مخدوم شیخ محمد ملانواں مصباح العاشقین کی اولاد میں سے نہایت مشہور و معروف عالم ربانی تھے، آپ نے قصبہ گنج مراد آباد ضلع اناؤ میں سکونت کر لی تھی، جو آپ کے آبائی وطن ملانواں سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے، ۱۲۰۸ھ کی ولادت مبارکہ ہے، علوم مروجہ درسی اور فقہ و حدیث کی تعلیم آپ نے اپنے زمانہ کے اکابر و مشاہیر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، مرزا حسن علی کبیر محدث لکھنوی اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب سے حاصل کی۔

زہد و انقیاد اور اتباع فقہ و حدیث میں ضرب المثل تھے، حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی اور حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی سے کمالات سلوک حاصل کئے اور اشغال باطنی میں اس قدر انہماک ساری عمر رہا کہ درس و تصنیف کی طرف توجہ نہ ہو سکی۔

(حضرت مولانا تھانوی بھی کانپور کے زمانہ قیام میں دو بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، ان کی تفصیل ارواح ثلاثہ میں چھپ چکی ہے، محترم مولانا ابوالحسن صاحب ندوی نے "تذکرہ مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی" لکھا ہے جو اپنے اکابر کے تذکروں میں گرانقدر اضافہ ہے)۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (ترجمہ علمائے ہند ص ۳۷۹)

۲۳۳- حضرت مولانا قاری عبدالرحمن بن قاری محمدی پانی پتی حنفی م ۱۳۱۲ھ

بڑے محدث علامہ تھے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، اس کے بعد مولانا سید محمد حاجی قاسم، مولانا رشید الدین خان اور مولانا مملوک علی صاحب سے پڑھا، صحاح ستہ کی سند حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب سے حاصل کی، امر وہہ جا کر مولانا قاری امام الدین صاحب سے علم قرأت و سلوک کی تحصیل کی صحاح ستہ کو بڑی احتیاط و عظمت کے ساتھ پڑھاتے تھے، آپ کے شاگردوں، مستفیدوں اور مسترشدوں کی تعداد دائرہ شمار سے باہر ہے، ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ کو تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدی (مدرس حدیث دارالعلوم دیوبند و جامعہ ڈابھیل) جو حضرت گنگوہی کے علوم ظاہری و فیوض باطنی سے فیض یاب اور نہایت متبع سنت بزرگ تھے، بیان فرماتے تھے کہ حضرت قاری قدیم طرز و طریق کے نہایت دلدادہ اور جدید تمدن کی

چیزوں سے نفور تھے، حتیٰ کے ہم لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سند حدیث لکھوانے کی غرض سے ہولڈر پیش کیا (جو اس وقت بجائے کلک کے نیانیا رائج ہوا تھا) تو اس کو ہاتھ سے جھٹک دیا اور فرمایا کہ ”تم لوگوں میں نیچریت اشراب کر گئی ہے“ پھر کلک منگوا کر سند لکھی۔

یہ واقعہ راقم الحروف نے خود مولانا مرحوم سے بزمانہ قیام ڈابھیل سنا تھا۔ ع خدا رحمت کند آں بندگان پاک طینت را۔ (ترجمہ اردو تذکرہ علمائے ہند ص ۵۷۷)

۲۳۴- حضرت مولانا الحاج حافظ حکیم سید فخر الحسن گنگوہی حنفی م ۱۳۱۷ھ تقریباً

آپ حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کے اخص تلامذہ میں سے تھے، زیادہ مدت کانپور میں قیام فرمایا وہاں مطب کا مشغلہ تھا، حدیث کے بہت بڑے جلیل القدر عالم تھے، سنن ابن ماجہ کا حاشیہ لکھا جو مشہور و متداول ہے اور کئی بار چھپ چکا ہے اس میں آپ نے علامہ سیوطی اور حضرت شیخ عبدالغنی مجددی دہلوی کی شروح ابن ماجہ کو مزید اضافوں کے ساتھ جمع فرما دیا ہے، سنن ابی داؤد کا حاشیہ ”التعلیق المحمود“ کے نام سے نہایت تحقیق سے لکھا، ابو داؤد کے ساتھ یہی حاشیہ چھپتا ہے۔

بظاہر درس کا مشغلہ نہیں رہا، مطب کی مصروفیات اور وہ بھی کانپور جیسے بڑے شہر میں، ان حالات میں اس قدر عظیم الشان علمی حدیثی تصنیفی خدمات کر جانا مذکور الصدر شیخین معظمین کی برکات و کرامات سے ہے۔

جس طرح ہمارے معظم و محترم مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری (تلمیذ خاص حضرت نانوتوی قدس سرہ) نے بھی باوجود غیر معمولی مصروفیت مطب اور بغیر علمی درسی مشغلہ کے، علم کلام و عقائد کے نہایت اہم دقیق مسائل پر اور رد شیعہ وغیرہ میں بڑی تحقیق سے فصیح و بلیغ عربی و فارسی زبان میں کتابیں تالیف فرمائیں (جو شائع ہونے کے بعد اب نادر ہو چکی ہیں) اس دور انحطاط میں اس قسم کے نمونے اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ ان حضرات کے اعلیٰ روحانی و باطنی کمالات و فضائل کے اظہار کے لئے غیبی کرشمے تھے۔

افسوس ہے کہ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب کے مفصل حالات کسی کتاب میں اب تک شائع نہیں ہوئے، جن سے آپ کی زندگی کے حالات پر مزید روشنی ملتی، چند باتیں آپ کے حقیقی بھتیجے جناب مولوی سید عزیز حسین صاحب خلف مولانا سید مظہر حسین صاحب گنگوہی سے معلوم ہوئیں (جو تقریباً تیس سال سے دارالعلوم کے مختلف شعبوں میں خدمت کرتے ہیں اور آج کل دارالتربیت کے ناظم ہیں، آپ بھی زہد و تقویٰ عبادات و اتباع سنت میں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر ہیں) یہ بھی آپ ہی نے اندازہ سے بتلایا کہ صاحب ترجمہ کی وفات ۶۳، ۶۵ سال قبل ہوئی ہے۔

علماء ہند کی شاندار ماضی ص ۶۹ ج ۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ بمطابق ۹ جنوری ۱۸۷۳ء کو سب سے پہلے مندرجہ ذیل پانچ حضرات نے دارالعلوم دیوبند سے سند تکمیل و دستار فضیلت حاصل کی، حضرت شیخ الہند، مولانا عبدالحق ساکن پور قاضی، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا فتح محمد تھانوی، مولانا عبد اللہ صاحب جلال آبادی۔ (رحمہم اللہ کلہم رحمۃ واسعہ)

۲۳۵- مولانا نذیر حسین صاحب بن جواد علی سورج گڑھی شم دہلوی م ۱۳۲۰ھ

علماء اہل حدیث میں سے مشہور محدث تھے، علوم کی تحصیل دہلی جا کر مولوی عبدالخالق دہلوی، اخوند شیر محمد قندھاری، مولوی جلال الدین ہروی، مولوی کرامت علی اسرائیلی، مولوی محمد بخش وغیرہ سے کی، اجازت شاہ محمد اسحاق صاحب سے حاصل کی، مولانا حبیب الرحمن خان

۱- مقالات شروانی ص ۲۸۰ پر عبارت اس طرح ہے کہ حضرت علامہ محدث قاری عبدالرحمن صاحب سے بوقت ملاقات پانی پت مورخہ ۹ رجب ۱۳۱۱ھ مولانا شروانی نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے کتب خانہ کا حال پوچھا تو حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ جو کتابیں بہت پسندیدہ تھیں، وہ شاہ اسحاق صاحب مرحوم بوقت ہجرت اپنے ساتھ لے گئے تھے، جن کا وزن نو ۹ من تھا، باقی کتابیں ان کے ایما سے میں نے اور نواب قطب الدین خان صاحب نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صاحب شروانی نے حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب کا بیان نقل کیا ہے کہ جس روز حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب ہجرت کر کے حجاز روانہ ہوئے تو، اس روز میاں نذیر حسین صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند کتابوں کی اول کی ایک ایک حدیث پڑھی اور کل کتابوں کی اجازت حاصل کی، حضرت شاہ صاحب نے ایک چھوٹے کاغذ پر یہی واقعہ لکھ کر دے دیا، اس سے پہلے مدرسہ میں پڑھنے کو کبھی نہیں آئے۔

۱۸۵۷ء میں ایک انگریز خاتون کو پناہ دی، ساڑھے تین ماہ تک رکھا، جس کے بدلے ایک ہزار تین سو روپے انعام اور خوشنودی سرکار کا ٹیٹو فلیٹ ملا، جس زمانہ میں (۶۵-۱۸۶۳ء) وہابیوں پر مقدمے چل رہے تھے، میاں صاحب کو بھی بحیثیت سرگروہ وہابیاں احتیاطاً ایک برس تک راولپنڈی کی جیل میں نظر بند رکھا گیا تھا، مگر بقول مؤلف ”الحیاء بعد المماتہ“ وفادار گورنمنٹ ثابت ہوئے اور کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا۔

جب میاں صاحب موصوف حج کو گئے تو کمشنر دہلی کا خط ساتھ لے گئے، گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے ۲۱ جون ۱۸۹۷ء کو ٹمس العلماء کا خطاب ملا، منقول از الحیاء بعد المماتہ و مقالات شروانی (ترجمہ تذکرہ علمائے ہند از جناب محمد ایوب قادری بی اے ص ۵۹۵)

نیز ص ۴۱۰ پر حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے حالات میں لکھا کہ الحیاء بعد المماتہ (سوانح عمری میاں نذیر حسین) کے مؤلف کا یہ بیان درست نہیں ہے کہ شاہ محمد اسحاق صاحب کے ہجرت کرنے کے بعد خاندان ولی اللہی کے صدر نشین میاں نذیر حسین ہوئے، بلکہ حضرت شاہ محمد اسحاق کے جانشین ان کے تلمیذ خاص حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی تھے، جنہوں نے اپنے شیخ کے مسلک کا اتباع کیا اور حجاز کو ہجرت کر گئے اور میاں نذیر حسین نے حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کے مسلک کے خلاف انگریزوں سے خوشنودی کے ٹیٹو فلیٹ، انعام اور ٹمس العلماء کا خطاب حاصل کیا۔ (ترجمہ تذکرہ علماء ہند ص ۴۱۰، ۵۹۵ھ)

”تراجم علماء حدیث ہند“ میں بھی حضرت میاں صاحب کا مفصل تذکرہ ہے مگر اس میں حضرت شاہ اسحاق صاحب کی جانشینی کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، بظاہر ایسی اہم چیز کا عدم ذکر بھی ذکر عدم کے مرادف ہے۔

مذکورہ بالا تصریحات اور ارواح ثلاثہ ص ۱۲۰ سے جو عبارت حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے حالات میں ص ۲۱۷ پر نقل ہو چکی ہے، ان سب کی روشنی میں اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف ہجرت کے روز حضرت شاہ اسحاق صاحب سے سند حدیث حاصل کرنے کی سعی ہوئی ہے اور اس سے قبل یوں شاہ صاحب کی خدمت میں آنے جانے، تبادلہ خیالات وغیرہ کے مواقع ضرور رہے ہونگے، مگر تلمذ کا رشتہ قائم نہ ہوا تھا، پھر نہ معلوم کس بنیاد پر صاحب غایۃ المقصود مولانا ٹمس الحق عظیم آبادی نے شاہ صاحب سے باقاعدہ صحاح ستہ پڑھنے وغیرہ کا ذکر فرما دیا ہے۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں: معیار الحق (جس کے رد میں مولانا ارشاد حسین صاحب رام پوری نے انتصار الحق لکھی ہے) ثبوت الحق الحقیق رسالۃ فی تحلی النساء بالذہب المسائل الاربعہ (اردو میں ہے) رسالۃ فی ابطال المولد (عربی میں ہے) مجموعہ فتاویٰ، رفع الالبتاس عن بعض الناس، اس میں حضرت مولانا مرحوم نے رسالہ ”بعض الناس فی دفع الوسواس“ کا جواب دیا ہے جو بخاری شریف کی جلد ثانی کے شروع میں چھپا ہے، آپ نے رفع الالبتاس کے شروع میں لکھا کہ مؤلف بعض الناس نے امام مجتہد مطلق بخاری کی تعریضات کے جواب اور امام ابو حنیفہ کی طرف سے مدافعت کے ضمن میں فحش کلامی، بے انصافی اور اعراض عن الحق سے کام لیا ہے جس کی وجہ سے مجھے یہ رسالہ لکھنا پڑا، پھر

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نیلام کر دی تھیں، اپنے تلمذ کے متعلق فرمایا کہ میں نے صحاح ستہ شاہ اسحاق صاحب سے پڑھیں اور پھر ساہل سال تک مدرسہ میں صبح سے عشاء تک حاضر رہا ہوں، اس حاضری میں بہت سی کتابیں سماع میں آئیں، کلام مجید کی پوری تفسیر میں حضرت شاہ صاحب سے وعظ میں سنی ہے۔

مولوی نذیر حسنی صاحب دہلوی کے تلمذ کے بارے میں فرمایا کہ جس روز میاں صاحب (شاہ اسحاق) ہجرت کر کے روانہ ہوئے، اس روز یہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند کتابوں کی اوائل کی ایک ایک حدیث پڑھی اور پڑھ کر کل کتابوں کی اجازت حاصل کی، میاں صاحب نے ایک چھوٹے کاغذ پر یہی واقعہ لکھ کر دے دیا، اس سے پہلے مدرسہ میں پڑھنے کو کبھی نہیں آئے، کئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تھا، تو دوسرے تیسرے مہینے آجاتے تھے، میاں صاحب (شاہ اسحاق صاحب) کا مدرسہ پیرم خان کے تراہہ پر تھا، شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی زندگی میں ان کے واسطے یہ مدرسہ بنوادیا تھا الخ (یہ مضمون پہلے معارف ماہ مارچ ۱۹۳۱ء میں بھی شائع ہوا تھا)

آپ نے اپنے ہر جواب و جواب الجواب کو ”القول المرود کے عنوان سے شروع کیا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ دونوں رسالے شائع شدہ ہیں، ہر شخص پڑھ کر خود اندازہ کر لے گا کہ حق و انصاف کا حق کس نے زیادہ ادا کیا ہے اور ان مسائل کی تحقیق کے مواقع میں ہم بھی کچھ لکھیں گے، یہاں گنجائش نہیں، البتہ اس مقدمہ کی مناسبت سے ہم یہاں رسالہ مذکورہ کے ص ۳۱، ۳۲ سے مولانا نذیر حسین صاحب کی اس عبارت کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جو آپ نے امام اعظمؒ کے بارے میں لکھی ہے، امید ہے کہ اس کو پڑھ کر جہاں اپنے حضرات مولانا مرحوم کے احساسات و نظریات کی قدر کریں گے، وہاں آج کل کے بہت سے اہل حدیث حضرات کو بھی اپنے طرز فکر و طریق عمل پر نظر ثانی و اصلاح کا موقع ملے گا۔ واللہ الموفق۔

آپ نے لکھا ہے کہ صاحب رسالہ بعض الناس نے ”تنبیہ“ کے عنوان سے مسند خوارزمی سے جو خطیب بغدادی کی تشنیع (امام صاحب کے معائب و مطاعن نقل کرنے کی وجہ سے) نقل کر کے پانچ جواب لکھے ہیں، ہمارے نزدیک اس کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ خطیب نے امام صاحب کے مطاعن و معائب کا ذکر تنقیص کے ارادہ یا حسد سے نہیں کیا بلکہ یوں ہی عام مؤرخین کی عادت کے موافق وہ تمام باتیں جمع کر دیں جو امام صاحب کے بارے میں کہی گئی تھیں جس کا بڑا قرینہ یہ ہے کہ خطیب نے امام صاحب کے حامد و مناقب بھی اس قدر جمع کر دیئے ہیں جو کسی اور نے نہیں کئے اور اگر اس کو تسلیم بھی کر لیں تو اس افراط کی وجہ سے امام صاحب کا افراط فی القیاس و العمل بالرائے ہے، جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے، پھر آپ نے حافظ ابن عبدالبر کی عبارت کا خلاصہ ص ۱۳۸ ج ۲ جامع بیان العلم و فضلہ سے نقل کیا ہے۔

پھر لکھا ہے کہ امام شافعی نے بھی قیاس و اصول سے بہت کام لیا ہے بلکہ جیسا احناف نے دعویٰ کیا ہے ممکن ہے مجموعی حیثیت سے ان کے قیاسات کی تعداد امام صاحب سے بڑھ کر بھی ہو، مگر اصل اعتراض ان قیاسات پر ہے جو مقابلہ اخبار ہوتے ہیں، اور ان میں امام صاحب کا پلہ ہی بھاری ہوتا ہے ورنہ ہم بھی امام صاحب کے فضائل سے منکر نہیں ہیں اور نہ ہم امام شافعی کو امام ابوحنیفہؒ پر ترجیح دیتے ہیں اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا، کیونکہ خود امام شافعیؒ نے اپنے اقرار سے سب لوگوں کو فقہ میں امام صاحب کا عیال قرار دیا ہے، اور ایک خلق کثیر نے امام صاحبؒ کے فضائل و کمالات اور محاسن و محامد کا اعتراف کر لیا ہے، حتیٰ کے مادحین کی تعداد مذمت کرنے والوں سے، تحسین کرنے والوں کی مقدار تنقیص کرنے والوں سے، تزکیہ کرنے والوں کا شمار متہم کرنے والوں سے، تعدیل کرنے والوں کا عد و جرح کرنے والوں سے زیادہ ہے، پھر آپ کے فضائل کا شہرہ مشارق و مغارب میں ہو چکا ہے اور آپ کے فضل و کمال کے سورج تمام اطراف و جوانب ارض کو روشن کر چکے ہیں، حتیٰ کے ان کا بیان صحراء و بیابانوں کے مسافروں اور گھروں کی پردہ نشین عورتوں کی زبان زد ہو چکا، تمام آفاق کے لوگوں نے ان کو نقل کیا اور اہل شام و عراق نے ان کا اقرار و اعتراف کیا، غرض وہ امام جلیل نبیل، عالم فقیہ نبیہ، سب سے بڑے فقیہ تھے کہ ان سے خلق کثیرہ نے تفقہ حاصل کیا، متورع، عابد، ذکی، تقی، زاہد من الدنیا، راغب الی الآخرة تھے۔

اپنے ورع و زہد ہی کی وجہ سے عہدہ قضا کو رد کیا، اگرچہ اس کو رد کرنے کی وجہ سے بہت ایذائیں برداشت کیں، خلاصہ یہ کہ ان کی طاعات، معاصی پر غالب تھیں، اس لئے جو شخص بھی حسد و عداوت کی وجہ سے آپ کی مذمت کرتا ہے، وہ خود آپ کی نباہت شان و علو قدر کی دلیل ہے اور اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ چمگا ڈر کی آنکھوں کی چکا چونڈ کی وجہ سے سورج کی روشنی و نور کو کوئی زوال و نقصان نہیں پہنچتا، لیکن باوجود ان سب باتوں کے امام صاحب کے لئے عصمت ثابت نہیں ہو سکی، لہذا ان سے بھی خطا و لغزش ہو سکتی ہے۔

اور ان کے فضائل کثیرہ کے ذکر و اعتراف سے وہ الزامات رفع نہیں ہو سکتے جو امام بخاریؒ نے امام صاحب پر مخالفت کتاب و سنت کے لگائے ہیں، لیکن ان کی بعض لغزشوں کی وجہ سے ان کی شان میں گستاخی و سوء ادب کا معاملہ بھی جائز نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ مجتہد تھے، اور مجتہد سے خطا و صواب، لغزش و ثبات دونوں ہی ہوتی ہیں، خود امام بخاریؒ کو دیکھئے کہ باوجود اس اختلاف کے انہوں نے امام صاحب کا ادب

ملفوظ رکھا اور آپ کا اسم شریف بھی اسی لئے نہیں لکھا اور بعض الناس سے تو کیا، تاکہ جاننے والے جان لیں اور نہ جاننے والے نہ جانیں اور یہی طریقہ ان سب لوگوں کا ہونا چاہئے جو انصار السنّت ہونے کے مدعی ہیں کہ امام صاحب کے بارے میں کسی قسم کی بے ادبی نہ کریں اور امام بخاریؒ کی وجہ سے وہ امام صاحب کو برا بھلا کہنے کا جواز بھی نہ نکالیں، کیونکہ ان دونوں کی مثال ایسی ہے کہ دو شیر آپس میں لڑتے ہوں تو کیا لومڑیوں، بھیڑیوں کو ان کے درمیان پڑنے کا کوئی موقع ہے، یا جیسے دو قوی ہیکل پہلوان آپس میں نبرد آزما ہوں تو کیا عورتوں بچوں کے لئے ان کے درمیان مداخلت کرنے کی کوئی وجہ جواز ہو سکتی ہے، ظاہر ہے کہ وہ اگر ایسی غلطی کریں گے تو خود ہی ہلاک و تباہ ہوں گے۔

خدا کرے مولانا نذیر حسین صاحب کی مذکورہ بالا گراں قدر نصائح پر طرفین کو عمل کرنے کی توفیق ہو۔ وما ذلک علی اللہ بعزيز۔

۴۳۶- قطب الارشاد امیر المؤمنین فی الحدیث مولانا رشید احمد الکنو، ہی حنفی م ۱۳۲۳ھ

آپ کی ولادت ۱۲۴۲ھ میں بمقام گنگوہ ہوئی، ابتدائی تعلیم گنگوہ رام پور ضلع سہارنپور میں ہوئی، ۶۱ھ میں دہلی تشریف لے گئے حضرت استاذ الاساتذہ مولانا مملوک علی صاحب وغیرہ سے تکمیل کی اور تفسیر و حدیث شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددیؒ اور حضرت شاہ احمد سعید مجددی سے پڑھی، چار سال میں تمام کمالات علوم ظاہری سے کامل و مکمل ہو کر وطن واپس ہوئے اور درس و افادہ میں مصروف ہو گئے، اسی زمانہ میں علوم باطنی و سلوک کی طرف رجوع فرمایا، حضرت قطب الاقطاب حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ سے بیعت ہوئے، حضرت حاجی صاحب نے صرف ایک ہی ہفتہ کے بعد آپ کو مجاز بیعت کر دیا، آپ برابر مجاہدات و ریاضات سے مدارج کمال و ولادیت کی طرف تیزی سے بڑھتے گئے، حتیٰ کے بہت جلد قطب الارشاد کے منصب رفیع پر فائز ہوئے اور دور، دور تک آپ کے علم و عرفان کی شہرت ہوئی، آپ نے تین حج کئے، پہلا ۱۲۸۰ھ میں دوسرا ۱۲۹۴ھ میں اور تیسرا ۱۳۰۰ھ میں۔

آپ کا معمول تھا کہ بجز منطق و فلسفہ کے تمام درسی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے، لیکن ۱۳۰۰ھ سے ۱۳۱۴ھ تک صرف کتب حدیث کا درس دیا ہے، ماہ شوال سے شعبان تک صحاح ستہ پڑھاتے تھے، ماہ رمضان کو ریاضات و تلاوت قرآن مجید کے لئے خالی رکھتے تھے، ۱۳۱۴ھ کے بعد درس کا مشغلہ بالکل ترک فرما دیا تھا اور پھر آخر عمر تک صرف افادات، باطنیہ، تربیت نفوس اور تصفیہ قلوب کی طرف پوری توجہ فرمائی، ہزاروں خوش نصیب لوگوں نے آپ کے فیض تربیت سے جلا پائی، آپ کے اجلہ خلفاء کے کچھ نام تذکرۃ الرشید میں شائع ہوئے ہیں۔

آپ کا درس حدیث بھی نہایت محققانہ، محدثانہ و فقیہانہ تھا، جس کا اندازہ آپ کے درس کی تقاریر مطبوعہ سے بخوبی ہوتا ہے، حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام ربانی (حضرت گنگوہیؒ) نہ صرف مذہب حنفی کے ماہر تھے، بلکہ چاروں مذاہب کے فقیہ تھے، میں نے ان کے سوا کسی کو نہیں دیکھا جو چاروں مذاہب کا ماہر ہو، یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت گنگوہیؒ کو فقہ فی النفس کا مرتبہ حاصل تھا۔

حضرت گنگوہی کے مکاشفات، کرامات اور پیشگوئیوں کی صداقت کے واقعات بکثرت نقل ہوئے ہیں، کچھ تذکرہ الرشید وغیرہ میں شائع بھی ہو چکے ہیں، آپ کا ایک مکاشفہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ ائمہ دین اور علماء کرام کی توہین یا ان کی شان میں طعن و تشنیع کرتے ہیں، مرنے کے بعد ان کے چہرے قبلہ کی طرف سے پھر جاتے ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے، آپ کے زمانہ میں ایک عالم کا انتقال ہوا، جو امام اعظمؒ کی شان میں بہت گستاخی کیا کرتے تھے، تو آپ نے نہایت وثوق کے ساتھ فرمایا کہ ان کا منہ قبلہ معظمہ کی طرف سے پھر گیا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ یقین نہ ہو تو جا کر دیکھ لو، میں ذمہ دار ہوں، اس مکاشفہ کا جزو اول تذکرہ ص ۳۸۲ ج ۲ میں شائع بھی ہو چکا ہے، اعاذنا اللہ من موجبات غضبه و سخطه۔

آپ کے درس بخاری و مسلم کے امالی کو آپ کے تلمیذ خاص حضرت شیخ و مرشدی علامہ محدث و مفسر مولانا حسین علی صاحب نقشبندی قدس سرہ نے قلمبند فرمایا تھا اور یہ دونوں مجموعے الگ الگ چھپ بھی گئے تھے، نیز درس ترمذی و بخاری کے امالی کو آپ کے تلمیذ و خادم خاص

حضرت علامہ محدث مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی نے بھی ضبط کیا تھا، جن کو حضرت مخدومنا العلام شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم نے نہایت اعلیٰ ترتیب سے مزین فرما کر گرانقدر علمی حدیثی فوائد و حواشی کے ساتھ شائع فرما کر اہل علم خصوصاً مشاقتان علوم حدیث پر احسان عظیم فرمایا ہے، تقریر ترمذی شریف اللو کب الدرر کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں مکمل شائع ہوئی ہے، اور تقریر بخاری کی لامع الدراری کے نام سے ابھی صرف ایک ضخیم جلد شائع ہوئی ہے، دوسرے حصہ کی کتابت ہو رہی ہے، خدا کرے یہ سلسلہ جلد تکمیل کو پہنچے۔

حضرت گنگوہیؒ کی یہ چاروں تقاریر مطبوعہ راقم الحروف کے پاس ہیں اور ان کی تحقیقات عالیہ ناظرین انوار الباری کی خدمت میں پیش ہوتی رہیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ، ان کے علاوہ حضرت کی تصانیف عالیہ یہ ہیں:

امداد السلوک، ہدایۃ الشیعہ، زبدۃ الناسک، اللطائف الرشیدیہ، فتاویٰ المیلاد، الرئی النجیح فی اثبات التراویح، القطف الدانیہ فی کراہتہ الجماعۃ الثانیہ، اوثق العری فی حکم الجمعۃ فی القرئ، الطغیان فی اوقاف القرآن، فتاویٰ رشیدیہ، سبیل الرشاد، ہدایۃ المعتدی، فی قرأۃ المتقدی وغیرہ آپ کے درس علوم و حدیث سے فیض یاب ہونے والوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے، ان میں سے چند حضرات اکابر کے اسماء گرامی یہ ہیں، حضرت مولانا حسین علی صاحب نقشبندی، مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ، مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ، مولانا حافظ محمد صاحب مہتمم دارالعلوم، مولانا حکیم جمیل الدین صاحب گنگوہی، مولانا احمد شاہ صاحب حسن پوری، مولانا امان اللہ صاحب کشمیری، مولانا فتح محمد صاحب تھانوی، مولانا ماجد علی صاحب جوپوری، مولانا محمد حسن صاحب مراد آبادی، مولانا سعد اللہ صاحب گنگوہی قاضی سری نگر کشمیر، مولانا محمد اسحاق صاحب نہپوری، مولانا حکیم مسعود احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی دیوبندی، مولانا عبد الرزاق صاحب قاضی القضاة کابل (افغانستان) وغیرہ، تذکرۃ الرشید دو جلد ضخیم میں حضرت مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی نے آپ کے حالات نہایت شرح و بسط سے تحریر فرمائے رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ وجعلنا معہم۔

۲۳۷- مولانا ابوالطیب شمس الحق بن الشیخ امیر علی عظیم آبادی م ۱۳۲۹ھ

علماء، اہل حدیث میں سے مشہور صاحب تصانیف محدث تھے، آپ کی ولادت بمقام عظیم آباد ۲۷ ذی قعد ۱۲۷۳ھ میں ہوئی، آپ نے علوم کی تحصیل مولوی لطف العلی بہاری، مولوی فضل اللہ صاحب لکھنوی، مولانا قاضی بشیر الدین صاحب قنوجی وغیرہ سے کی اور حدیث و دیگر علوم کی تکمیل مولانا سید نذیر حسین صاحب، دہلوی، قاضی شیخ حسین عرب بمبئی بھوپالی، علامہ احمد فقیہ عبدالرحمن بن عبداللہ السراج الحنفی الطائفی، علامہ فقیہ نعمان آفندی زادہ حنفی بغدادی وغیرہ سے کی، آپ کی تصانیف یہ ہیں:

غایۃ المقصود شرح ابی داؤد (جس کی صرف ایک جلد ضخامت ۱۹۸ صفحات چھپی ہے) علام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر، القول المحقق، بیۃ الامعی، التعلیق المغنی علی الدرر القطنی، التحقیقات، العلی باثبات فریضۃ الجمعۃ فی القرئ (تذکرہ علمائے حال) حسب تحقیق جناب مولوی ابو القاسم صاحب سیف بناری، عون المعبود شرح ابی داؤد بھی (جو چار جلدوں میں چھپ چکی ہے) آپ ہی کی تصنیف ہے، اگرچہ اس میں آپ کے بھائی مولانا شرف الحق کا نام چھپ گیا ہے۔ (الامر البرم، رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ۔)

۲۳۸- حضرت مولانا احمد حسن بن اکبر حسین امرہوی حنفی م ۱۳۳۰ھ

ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل فرما کر دیوبند پہنچے اور حضرت نانوتویؒ سے علوم کی تکمیل حاصل فرمائی، حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی، مولانا عبدالقیوم صاحب بھوپالی وغیرہ سے بھی پڑھا ہے، حجاز کی حاضری میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی سے بھی حدیث کی سند حاصل کی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت تھے۔

تمام عمر مشغلہ تدریس، تبلیغ و ارشاد میں بسر کی، خورجہ، سنبھل اور دہلی میں درس دیا، ایک مدت تک مدرسہ شاہی مراد آباد میں صدر مدرس رہے ۱۲۰۱ھ سے اپنے وطن واپس ہو کر مقیم رہے اور مدرسہ عربیہ واقع جامع مسجد میں درس دیتے رہے، آپ کے مضامین علمیہ کا ایک مجموعہ "افادات احمدیہ" کے نام سے طبع ہوا ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (مذکرہ علمائے ہند ص ۳۶۷)

۴۳۹۔ العلامة المحدث الشیخ محمد یحییٰ بن العلامة محمد اسمعیل کاندھلوی حنفی م ۱۳۳۳ھ

نہایت محقق مدقق عالم محدث، حضرت گنگوہیؒ کے خادم خاص اور ان کے ارشد تلامذہ میں سے تھے (آپ کے خلف صدق حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور بھی محدث دوراں، شیخ زماں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے علوم و افادات ظاہری و باطنی سے امت مرحومہ کو زیادہ سے زیادہ منافع پہنچائے، (آمین) آپ نے ۷ سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید اور کتب درسیہ فارسی سے فراغت حاصل کر لی تھی، حفظ قرآن مجید کے بعد عربی شروع کرنے سے قبل آپ کے والد ماجد نے آپ کو حکم دیا تھا کہ روزانہ ایک بار قرآن مجید ختم کیا کریں، چنانچہ ۶ ماہ تک آپ کا یہ معمول رہا کہ بعد نماز صبح شروع کر کے نماز ظہر سے قبل ایک ختم فرمالتے تھے۔

کاندھلہ اور دہلی کے اکابر استاذہ سے علوم و فنون عربیہ کی تحصیل کی، مگر حدیث کی تحصیل کو موخر کیا کہ حضرت گنگوہیؒ سے حاصل کریں، مگر حضرت بعض اعذار کی وجہ سے درس کا مشغلہ ترک فرما چکے تھے اور تمام اوقات، تالیفات، افتاء اور افادات باطنیہ میں صرف فرماتے تھے، جب حضرت کی خدمت میں تشنگان علم حدیث کی بار بار درخواستیں گزریں اور خصوصیت سے صاحب ترجمہ (مولانا محمد یحییٰ صاحب) کا بیحد اشتیاق ملاحظہ فرمایا تو شوال ۱۳۱۱ھ سے شروع فرما کر تمام صحاح ستہ کا درس نہایت تحقیق کے ساتھ دو سال میں مکمل فرمایا، آپ نے حضرت کے امالی درس کو قلمبند کیا اور پھر آخر تک برابر حضرت کی خدمت مبارکہ میں رہ کر استفادات فرماتے رہے۔

حضرت گنگوہیؒ کی وفات ۱۳۲۳ھ کے بعد آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب (تلمیذ و خلیفہ خاص حضرت گنگوہیؒ) کی خدمت میں ایک مدت گزاری، ان کے بھی فیوض ظاہری و باطنی سے حظ وافر حاصل کرے خرقہ خلافت و امامت فضیلت حاصل فرمایا جو ان کو شیخ المشائخ حضرت حاجی صاحب سے پہنچا تھا، آپ حضرت مولانا موصوفؒ کی ہجرت کے بعد ۱۳۲۸ھ سے آخر عمر تک مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم سہارنپور میں صحاح ستہ کا درس دیتے رہے۔

آپ شب کا بیشتر حصہ تلاوت قرآن مجید میں گزارتے اور تلاوت کے وقت بہت روتے تھے، آپ نے اپنے دست مبارک سے کئی بار تمام کتب درسیہ کو لکھا تھا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (مقدمہ اوجز المسالک ص ۳۷ و مقدمہ لامع الدراری ص ۱۵۲)

۴۴۰۔ مولانا وحید الزماں صاحب فاروقی کانپوری م ۱۳۳۸ھ

علماء اہل حدیث میں سے مشہور مؤلف و مترجم کتب حدیث ہیں، حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی، مولانا نذیر حسین صاحب، مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی، مفتی عنایت احمد صاحب کانپور وغیرہ کے شاگرد ہیں، حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی سے بیعت ہوئے تھے، حیدرآباد دکن میں اعلیٰ عہدے دار رہے، وقار نواز جنگ کا خطاب تھا، آپ کی تالیفات و تراجم یہ ہیں:

تبویب القرآن، وحید اللغات، تسہیل القاری (ترجمہ صحیح بخاری) المعلم (ترجمہ صحیح مسلم) الہدیٰ المحمود (ترجمہ سنن ابی داؤد) ارض الربی (ترجمہ سنن نسائی) کشف الغطاء عن الموطاء، (ترجمہ موطاء امام مالک) رفع العجاہ (ترجمہ ابن ماجہ) وغیرہ (ترجمہ تذکرہ علماء ہند ص ۵۹۷)

۴۴۱۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن بن مولانا ذوالفقار علی دیوبندی حنفی م ۱۳۳۹ھ

آپ کی ولادت بانس بریلی میں بزمانہ قیام والد ماجد بسلسلہ ملازمت ۱۲۶۸ھ میں ہوئی، آپ نے دیوبند میں ۱۲۸۶ھ میں حضرت

مولانا نانوتوی قدس سرہ سے صحاح ستہ اور دوسری کتابیں پڑھیں اور فارغ التحصیل ہوئے، ۱۲۹۰ھ میں دستار بندی ہوئی اور دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس ہو گئے، ۱۳۰۸ھ میں صدر مدرس ہوئے، ۱۳۳۳ھ میں سفر حجاز کے وقت اپنی جگہ حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کو جانشین کیا جو ۱۳۲۷ھ سے آپ کی موجودگی میں کتب حدیث و فقہ وغیرہ پڑھا رہے تھے، آپ کے اس سفر مبارک میں آزادی ہند کا جذبہ بھی کارفرما تھا، اسی لئے برٹش سامراج نے اس منصوبہ کو ناکام بنانے کے لئے آپ کو حجاز مقدس سے گرفتار کر کے مالٹا میں نظر بند کر دیا جس سے آپ ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں رہا ہو کر ہندوستان واپس تشریف لائے۔

چونکہ صحت بہت خراب ہو چکی تھی، یہاں بھی چند ماہ کے قیام میں علیل ہی رہے، علاج کے سلسلے میں دہلی تشریف لے گئے اور وہیں ڈاکٹر انصاری صاحب مرحوم کی کوٹھی پر ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ، نومبر ۱۹۲۰ء بروز منگل سفر آخرت فرمایا، جنازہ دیوبند لایا گیا اور اپنے استاذ محترم نانوتوی قدس سرہ کے قریب دفن ہوئے۔

آپ کے ہزار ہا تلامذہ میں سے زیادہ مشہور چند شخصیات کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت امام العصر مولانا محمد ثمود انور شاہ کشمیری، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب، حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمن صاحب، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا (محمد میاں) منصور انصاری، مولانا حبیب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم، مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی حال صدر مدرس دارالعلوم دیوبند دام ظلہم، مولانا محمد اعزاز علی صاحب امر وہوی، مولانا محمد صادق سندھی، مولانا فخر الدین صاحب حال شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، دام ظلہم، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا احمد علی صاحب لاہوری، مولانا سعید احمد محدث چانگام، مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری ممبر دارالعلوم، مولانا عزیز گل صاحب، مولانا محمد اسحاق صاحب برودانی خلیفہ حضرت تھانوی وغیرہ۔

غرض آپ نے ۴۲ سال دارالعلوم میں بیٹھ کر اپنے بے نظیر علمی، اخلاقی اور عملی کردار کے ہزاروں صحیح نمونے ہندوستان و بیرونی ممالک کے لئے مہیا کر دیئے اور خاص دارالعلوم میں اپنے اوصاف خاصہ کا بہترین نمونہ حضرت شاح صاحب کو چھوڑ کر ملک و ملت کی دوسری بیرونی اہم خدمات کی تکمیل و سرانجامی کے لئے ۱۳۳۳ھ میں ممالک اسلامیہ کے سفر پر روانہ ہو گئے، آپ کی ملکی سیاسی خدمات کی تفصیل کے لئے دوسری بڑی کتابیں دیکھی جائیں، مثلاً، اسیر مالٹا، حیات شیخ الہند وغیرہ، راقم الحروف بھی علماء ہند کی ملکی، ملی و سیاسی خدمات کا تذکرہ آخر میں اختصار کے ساتھ مستقل عنوان کے تحت بشرط گنجائش کرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی سے بھی قیام ڈابھیل کے زمانہ میں حضرت شیخ الہند کی زندگی کے بہت سے اہم واقعات سنے تھے جو ”ملفوظات علامہ عثمانی“ کے عنوان سے کسی وقت شائع ہوں گے، ان شاء اللہ، حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ حضرت نانوتوی کی مجلس مبارک میں جب کبھی حضرت مولانا اسماعیل شہید کا ذکر شروع ہو جاتا تو حضرت کی دلی خواہش یہ ہوتی تھی کہ میں اس ذکر خیر کو اپنالوں اور جوں ہی آپ کو موقع ملتا پھر اپنی بے نظیر قوت بیان و حافظہ سے وہ واقعات ذکر فرماتے کہ ساری مجلس ان ہی کے ذکر و تذکرہ کے انوار و برکات سے بھر جاتی، اور حضرت کسی طرح اس ذکر جمیل کو ختم کرنا نہ چاہتے تھے، بقول شاعر

حدیث و حدیث عنہ یعجبنی

کلاهما حسن عندی اسر بہ

لکن احلاهما ما وافق النظرا

ہذا اذا غاب او هذا اذا حضرا

پھر حضرت عثمانی نے فرمایا کہ بعینہ یہی حال حضرت شیخ الہند کا بھی تھا، کہ جب حضرت نانوتوی کا ذکر خیر آپ کی مجلس میں کسی نہج سے چھڑ جاتا، تو اسی طرح سے آپ ان کے ذکر خیر کو اپنالیتے اور عجیب عجیب واقعات سناتے تھے۔

یہاں تک تو حضرت عثمانی کا بیان تھا اور راقم الحروف کا احساس و مشاہدہ یہ ہے کہ حضرت عثمانی کی مجلس میں جب کبھی شیخ الہند کا ذکر

آجاتا اور اکثر ایسا ہوتا تھا تو پھر حضرت عثمانی کا بھی یہی رنگ دیکھا کہ اپنی بے نظیر قوت بیان و حافظہ سے بیسیوں واقعات سنا دیتے اور پوری مجلس ان کے ذکر مبارک سے حد درجہ محفوظ ہوتی تھی، کیونکہ آنکھوں دیکھے موثق حالات کی سرگذشت اور پھر مولانا کی زبان و بیان کی چاشنی ہم لوگوں کے لئے ایک بڑی نعمت غیر مترقبہ تھی۔

آپ کی تصانیف عالیہ یہ ہیں: مشہور عالم بے نظیر ترجمہ و فوائد قرآن مجید، حاشیہ ابی داؤد شریف، شرح الابواب و التراجم بخاری، حاشیہ مختصر العانی، ایضاح الادلہ، جہد مقل و غیر ہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة (ترجمہ تذکرہ علماء ہند وغیرہ ص ۴۶۶)

۴۴۲- الشیخ المحمد ش مولانا خلیل احمد بن الشاہ مجید علی انبھٹوی حنفی م ۱۳۴۶ھ

۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوئے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اول صدر مدرس دارالعلوم دیوبند آپ کے حقیقی ماموں تھے، آپ نے کتب درسیہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں پوری کیں اور علم حدیث کی تحصیل حضرت مولانا محمد مظہر صاحب صدر مظاہر العلوم سے کی، حدیث کی سند و اجازت حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی اور شیخ احمد دھلان مفتی شافعیہ سے بھی حاصل فرمائی۔

۱۲۹۷ھ میں حضرت گنگوہی سے خرقہ خلافت حاصل کیا، تمام عمر افادہ علوم ظاہری و باطنی، درس و افتاء و تصنیف میں بسر کی، سات مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، آخری حاضری ۱۳۴۳ھ میں ہوئی، مدینہ طیبہ میں اقامت فرمائی تھی اور وہیں وفات ہو کر قریب مقابر اہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جنت البقیع میں دفن ہوئے، آپ کی تصانیف یہ ہیں:

بذل الجہود شرح ابی داؤد (۵ مجلدات میں مطبوعہ ہے) مجموعہ فتاویٰ (۴ جلد) المہند علی المہند، تنبیہ الاذان، اتمام النعم علی ترویج الحکم، مطرقتہ الکرامۃ علی مرآة الامامہ، ہدایات الرشید، السؤال عن جمیع علماء الشیعہ وغیرہ "بذل الجہود" میں نہایت محققانہ محدثانہ تحقیقات تحریر فرمائی ہیں، جن کے باعث کتاب مذکور بہت مقبول ہوئی اور اب نادر الوجود ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔ (مقدمہ اوجز المسائل ص ۳۷)

۴۴۳- حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب خلف حجۃ الاسلام نانوتوی حنفی م ۱۳۴۷ھ

آپ کی ولادت ۱۲۷۹ھ میں ہوئی، آپ کی ابتدائی تعلیم گلاؤٹھی میں ہوئی، پھر مدرسہ شاہی مراد آباد میں حضرت مولانا محمد حسن صاحب امر و ہوی (تلمیذ خاص حضرت نانوتوی) سے تحصیل کی، اس کے بعد تکمیل کے لئے حضرت نانوتوی نے دیوبند بلا لیا، جہاں آپ نے شیخ الہند سے بقیہ تعلیم پوری فرمائی اور دورہ حدیث حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہو کر پڑھا، پہلے آپ مدرسہ عربیہ تھانہ بھون میں عرصہ تک پڑھاتے رہے وہاں سے ۱۳۳۰ھ میں دیوبند بلائے گئے اور مدرس ششم مقرر کئے گئے، عموماً تمام کتب فنون کا درس دیتے تھے، مگر خصوصیت سے مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، مختصر معانی اور میرزا ہد رسالہ کے درس سے زیادہ شہرت پائی تھی۔

۱۳۱۳ھ سے حضرت گنگوہی نے عہدہ اہتمام دارالعلوم بھی آپ کے سپرد فرمایا تھا، جس کو آپ نے نہایت تزک و احتشام سے انجام دیا اور بڑی بڑی شاندار ترقیات آپ کے دور میں ہوئی جن کے لئے آپ نے ملک کے بڑے بڑے سفر بھی کئے اور نہایت کوششیں کیں، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی کے آپ کے مشیر خاص رفیق کار اور نائب مہتمم تھے، آپ کی وجاہت و سیادت اور ان کی بے نظیر تدبیر و سیاست نے مل کر دارالعلوم کو بہت جلد ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا دیا، آپ ہی کے دور میں دارالعلوم کا یادگار جلسہ دستار بندی ۱۳۲۸ھ میں ہوا جس میں ایک لاکھ سے زیادہ لوگوں نے شرکت کی اور ایک ہزار سے زائد فضلاء دارالعلوم کی دستار بندی ہوئی تھی۔

آپ نہایت تحقیق سے درس حدیث دیتے تھے، اور حضرت نانوتوی کی تمام تصانیف پر چونکہ پوری نظر تھی، ان کے مضامین عالیہ بھی پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے، آپ کے اور حضرت نانوتوی کے خاص تلامذہ کے علاوہ ان کی تصانیف عالیہ کو سب سے زیادہ

سے سمجھنے والے اور حکمت قاسمیہ پر پوری طرح حاوی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی تھے، جن کو مولانا عبید اللہ صاحب حضرت نانوتوی کی قوت بیانیہ کا مثل بتلاتے تھے اور ہم لوگوں نے بھی حضرت مولانا عثمانی کی خدمت میں رہ کر یہی اندازہ کیا، دوسرے درجہ میں مولانا عبید اللہ سندھی وغیرہ تھے۔

غرض حضرت حافظ صاحب جامع کمالات علمی و عملی تھے، اور سخاوت، مہمان نوازی و فراخ دلی بھی آپ کے اوصاف خاصہ تھے، حضرت علامہ کشمیری اور مولانا سندھی سے نہایت محبت و خلوص تھا، حضرت شاہ صاحب نے ابتدائی دس سال میں دارالعلوم سے تنخواہ نہیں لی تو آپ نے ان کے تمام مصارف اور خورد و نوش کا تکفل بڑی رغبت و شوق سے کیا، مولانا سندھی بھی مدتوں آپ ہی کے مہمان رہے اور حضرت شاہ صاحب کے تو عقد نکاح وغیرہ کی تقریبات بھی آپ نے ہی اپنے اہتمام و مصارف سے نہایت عزت و شان سے انجام دیں، حضرت شاہ صاحب بھی آپ کے علم و فضل، صاحبزادگی اور مکارم اخلاق مخلصانہ روابط کے سبب آپ کی نہایت تعظیم فرماتے تھے۔

آپ چار سال ریاست حیدرآباد دکن کی عدالت عالیہ کے مفتی بھی رہے، ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ کے علاوہ بہت سی رعایات و اعزازات بھی آپ کو حاصل تھے، دیوبند واپس ہونے پر بھی نظام نے نصف تنخواہ پانچ سو روپے تاحیات بطور پنشن جاری کر دیئے تھے۔

نظام دکن آپ کے علم و فضل اور زہد و انقیاد وغیرہ سے بہت متاثر تھے، ایک دفعہ ملاقات میں یہ بھی وعدہ کیا کہ جب دہلی آئیں گے تو دارالعلوم دیوبند کو بھی دیکھیں گے، ۱۳۳۷ھ میں جب ان کے دہلی آنے کی خبر ہوئی تو آپ نے حیدرآباد کا سفر فرمایا کہ نظام کو وعدہ یاد دلا کر دیوبند کے لئے وقت طے کرائیں گے مگر وہاں پہنچ کر علیل ہو گئے اور وفات پائی، نظام نے اپنے مصارف سے مخصوص تیار کردہ قبرستان موسومہ ”نظہ صالحین“ میں ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ کو دفن کرایا، رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (عظیم مدنی نمبر وغیرہ)

۴۴۴۔ حضرت علامہ مولانا مفتی عزیز الرحمن بن مولانا فضل الرحمن دیوبندی حنفی ۱۳۴۷ھ

مشہور علامہ زماں، محدث، مفسر اور مفتی اعظم تھے، آپ نے ۱۲۹۸ھ میں تمام علوم و فنون سے فراغت حاصل کر کے ایک عرصہ تک میرٹھ میں درس علوم دیا، ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند کی نیابت اہتمام کے لئے بلائے گئے، ۱۳۱۰ھ سے عہدہ افتاء سنبھالا اور ۱۳۳۶ھ تک درس تفسیر و حدیث و فقہ کے ساتھ افتاء کی عظیم الشان خدمت انجام دیتے رہے، تقریباً اٹھارہ ہزار فتاویٰ، آپ نے اس عرصہ میں تحریر فرمائے تھے جن کی ترتیب کا کام فاضل محترم مولانا ظفر الدین صاحب مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کئی سال سے انجام دے رہے ہیں اور ابواب فقیہ پر مرتب ہو کر دارالعلوم کی طرف سے ان کی اشاعت کا اہتمام ہو رہا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کتب مبسوط فتاویٰ شامی، عالمگیری وغیرہ کے گویا حافظ تھے، تمام جزئیات فقہ ہر وقت مستحضر رہتی تھیں، اسی لئے سفر و حضر میں بلا مراجعت کتب بھی نہایت محققانہ جوابات تحریر فرماتے تھے، علم حدیث میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا، طحاوی شریف، موطاء امام محمد، موطاء امام مالک وغیرہ پڑھاتے تھے، ۴۷ھ میں جب حضرت شاہ صاحب علالت کے سبب ڈابھیل سے دیوبند تشریف لے آئے تے تو حضرت مفتی صاحب نے ڈابھیل تشریف لے جا کر بخاری شریف پڑھائی تھی۔

دارالعلوم میں تفسیر جلالیس بھی ایک عرصہ تک آپ نے پڑھائی ہے، راقم الحروف نے بھی آپ ہی سے پڑھی ہے، مختصر مگر نہایت منضبط محققانہ تحقیق بیان فرماتے ہیں، بہت ہی بابرکت درس تھا، احقر پر بہت شفقت فرماتے تھے، بسا اوقات اپنے حجرہ مبارکہ کی کنجی بھی مرحمت فرمادیتے تھے، جس میں بیٹھ کر مطالعہ کتب کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔

آپ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی مہتمم ثانی دارالعلوم کے ارشد خلفاء میں سے اور سلسلہ نقشبندیہ کے نہایت ممتاز شیخ وقت تھے، آپ کے مشہور خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب تھے، جن کے خلیفہ

ارشاد مخدوم حضرت مولانا محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی دام ظلہم ہیں۔

آپ کے بڑے صاحبزادے، مشہور نامور فاضل جلیل مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی دیوبندی دام فیضہم مدیر ندوۃ المصنفین دہلی میں، جن کی علمی خدمات، مکارم و مآثر سے آج کل سب واقف ہیں، چھوٹے صاحبزادے مولانا قاری جلیل الرحمن صاحب عثمانی دام ظلہم مدرس درجہ تجوید دارالعلوم ہیں، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۲۲۵۔ الشیخ الحدیث الحافظ الحجہ مولانا محمد انور شاہ بن مولانا محمد معظم شاہ کشمیری م ۱۳۵۲ھ

ولادت، سلسلہ نسب و تعلیم:

نہایت عظیم القدر محدث، محقق و مدقق، جامع معقول و منقول تھے، آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ مسعود زوری کشمیری سے ہے جن کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد تھا، وہاں سے ملتان آئے، لاہور منتقل ہوئے، پھر کشمیر میں سکونت اختیار کی، آپ نے خود اپنا سلسلہ نسب اپنی تصانیف نیل الفرقدین و کشف الستر کے آخر میں اس طرح تحریر فرمایا ہے، محمد انور شاہ بن مولانا محمد معظم شاہ بن شاہ عبدالکبیر ابن شاہ عبدالخالق بن شاہ محمد اکبر بن شاہ حیدر بن شاہ محمد عارف بن شاہ علی بن شیخ عبداللہ بن شیخ مسعود زوری اور شیخ مسعود زوری کا سلسلہ نسب یہ ہے: ابن شاہ جنید بن اکمل الدین ابن میمون شاہ بن ہومان شاہ بن شاہ ہرمز، اس طرح حضرت کا سلسلہ نسب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے خاندان سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اس تحقیق کا ماخذ حضرت کے والد ماجد حضرت مولانا محمد معظم شاہ کا منظوم شجرہ نسب ہے جس کی نقل نیز دوسری تائید تحریرات حضرات کے خاندانی اعزہ کی راقم الحروف کے پاس محفوظ ہیں، حضرت کے بھائی صاحبان اور اولاد کا ذکر آخر میں آئے گا۔

آپ کی ولادت ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ کو بمقام ودوان (علاقہ لولاب) ہوئی، آپ کے والد ماجد بہت بڑے عالم ربانی، زاہد و عابد اور کشمیر کے نہایت مشہور خاندانی پیرو مرشد تھے، آپ نے قرآن مجید اور بہت سی فارسی و عربی کی درسی کتابیں والد صاحب سے پڑھیں، پھر کشمیر و ہزارہ کے دوسرے علماء کبار سے تحصیل کے بعد ۱۳۰۸ھ میں تکمیل کے لئے دیوبند تشریف لائے۔

دیوبند کا قیام:

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت شاہ صاحب جب دیوبند تشریف لائے تو سب سے پہلے مسجد قاضی میں فروکش ہوئے جس میں حضرت سید صاحب بریلوی قدس سرہ نے قیام فرمایا تھا (یہ دیوبند کی بہت قدیم مسجد ہے اور اس میں نبی کریم ﷺ کا جبہ مبارک بھی مدتوں تک رہا ہے) حضرت شاہ صاحب کا ابتداء میں اہل دیوبند یا مدرسوں میں سے کسی سے تعارف نہ تھا، کئی وقت تک کچھ نہ کھایا نہ اپنا حال کسی سے بتلایا تو متولی مسجد مذکور ممبر احمد حسن صاحب تھے، انہوں نے اس نو عمر صاحبزادے کے چہرہ انور پر فاقہ کے آثار محسوس کئے، تو پوچھا کہاں سے اور کس غرض سے آنا ہوا، آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے پڑھنے کے لئے کشمیر سے آیا ہوں، انہوں نے کھانا کھلایا اور حضرت مولانا قدس سرہ کی خدمت میں لے گئے، حضرت نے آپ پر بہت شفقت فرمائی اور اپنے پاس ٹھہرایا، آپ نے حضرت شیخ الہند سے بخاری، ترمذی، ابوداؤد اور ہدایہ اخیرین پڑھیں، دارالعلوم سے کامل فراغت کے بعد حضرت گنگوہی کی خدمت میں پہنچے اور سند حدیث کے علاوہ فیوض باطنی سے بھی پوری طرح مستفید اور مجاز بیعت ہوئے، دارالعلوم سے سنہ فراغت ۱۳۱۲ھ ہے۔

دہلی وغیرہ کا قیام:

پھر کچھ عرصہ بجنور میں مولانا مشیت اللہ صاحب مرحوم کے پاس قیام فرمایا، وہاں سے دہلی جا کر مدرسہ امینیہ قائم کیا، اس میں ۵۰۴

سال درس علوم دیا، ۲۰ھ میں اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے اور مدرسہ فیض عام کی تاسیس کی، وہاں بھی درس دیتے رہے، ۲۳ھ میں اعیان کشمیر کے ساتھ حج بیت اللہ زیارت مقدسہ کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوئے اور دونوں جگہ کافی دن قیام فرما کر روحانی برکات و فیوض کے ساتھ وہاں کے علمی کتب خانوں سے کامل استفادہ کیا، وطن واپس ہو کر چند سال افادۂ ظاہر و باطن فرماتے رہے۔

دیوبند تشریف آوری:

۱۳۲۷ھ میں بہ عزم ہجرت حرمین شریفین وطن سے روانہ ہو کر دیوبند تشریف لائے کہ ہجرت شیخ الہند اور دیگر اکابر سے مل لیں، مگر حضرت نے آپ کو دارالعلوم کی درسی خدمات انجام دینے کے لئے روک لیا، آپ نے حضرت الاستاذ کے حکم کی تعمیل فرمائی، پہلے چند سال تک بغیر مشاہرہ کے کتب حدیث کا درس دیتے رہے اور ہجرت کا ارادہ اپنے دل میں بدستور محفوظ و مستور رکھا، پھر جب اکابر اصرار سے تامل کی زندگی اختیار فرمائی تو تنخواہ لینے لگے تھے۔

صدر نشینی علیحدگی و تعلق جامعہ ڈابھیل (سورت):

۳۳ھ میں جب حضرت شیخ الہند نے سفر حجاز کا عزم فرمایا تو اپنی جانشینی کے فخر و امتیاز سے آپ کو مشرف فرمایا، چنانچہ آپ نے یکسوئی کے ساتھ ۱۳ سال صدارت بھی فرمائی اور ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کیا، ۴۶ھ میں آپ نے نظام دارالعلوم میں چندا ہم اصلاحات چاہیں جن کو اس وقت کے ارباب اقتدار نے منظور نہ کیا تو آپ مع اپنے ہم خیال اصلاح پسند حضرات کے درالعلوم کی خدمات سے بطور احتجاج کنارہ کش ہو گئے، ان حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت مفتی اعظم شیخ طریقت مولانا عزیز الرحمن صاحب، جامع معقول و منقول حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت علامہ سراج احمد صاحب، رشیدی، مولانا سید محمد ادریس صاحب سکھر و ڈوئی، حضرت مولانا محمد بدر عالم صاحب دام ظلہم، حضرت مجاہد ملت مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب دام ظلہم، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی دام ظلہم، مولانا محمد یحییٰ صاحب تھانوی دام ظلہم، ان سب حضرات نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) کی علمی سندوں کو زینت بخشی۔

کمالات انوری کا تعارف:

حضرت شاہ صاحب کے علوم و کمالات خاصہ سے متعارف کرانا مجھ ایسے کم علم کے لئے نہایت دشوار ہے اور نہ اس مختصر تذکرہ میں آپ کی تحقیقات عالیہ کے نمونے ہی دیئے جاسکتے ہیں، انوار الباری پوری شرح میں ان شاء اللہ آپ کے علوم و معارف کی تجلیات رونما ہوں گی، راقم الحروف نے حضرت کے ملفوظات گرامی کی اشاعت کا سلسلہ رسالہ "نقش" میں شروع کیا تھا جس کی ۱۳ قسط شائع ہوئیں (پھر افسوس ہے کہ رسالہ بند ہو گیا) اس کے ابتداء میں حضرت کے کچھ علمی خصائص بھی لکھے تھے، ارادہ ہے کہ اب حضرت کے تمام ملفوظات گرام کو مستقل کتابی شکل میں شائع کر دوں جس کی کئی جلدیں ہو جائیں گی۔

ثناء اماثل و اکابر:

حضرت کی پوری علمی و عملی زندگی کا تعارف سب سے بہتر و مختصر انداز میں غلد آشاں حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے کرایا تھا، جب وہ حضرت کی وفات کے بعد ڈابھیل تشریف لے گئے تھے، تو جامعہ کے طلبہ نے تقریر کی درخواست کی اور یہ بھی چاہا کہ حضرت شاہ صاحب کے حالات پر تبصرہ کریں تو علامہ بخاری نے فرمایا تھا کہ میرے جیسا کم علم ان کے حالات کیا بیان کر سکتا ہے، البتہ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ صحابہ کا قافلہ جارہا تھا، یہ پیچھے رہ گئے تھے۔

راقم الحروف نے اپنے ۱۶ سالہ قیام مجلس علمی ڈابھیل کے عرصہ میں یہ اندازہ کیا کہ حضرت شاہ صاحب کے علوم و کمالات سے سب سے زیادہ استفادہ حضرت علامہ عثمانی نے کیا تھا وہ حضرت سے تمام مشکلات میں رجوع فرماتے تھے اور پھر کتابوں کا مطالعہ رات دن فرماتے تھے، قرآن مجید کے فوائد اور فتح الملہم میں حضرت شاہ صاحب کے افادات بکثرت لئے ہیں۔

درحقیقت حضرت شاہ صاحب کی تحقیقات عالیہ کو سنبھالنا بغیر معمولی وسعت مطالعہ و مراہمت کتب کے ممکن نہ تھا اسی لئے آپ کے تلامذہ میں سے بھی جس نے اس شرط اول کو جتنا پوا کیا اسی قدر استفادہ و افادہ بھی کیا اور جو اس میں قاصر رہے وہ پیچھے رہ گئے۔

حضرت تھانوی دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے، ایک دفعہ تشریف لائے تو حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے عرض کیا کہ آپ مدرسہ کے سرپرست ہیں، ذرا اپنے مدرسہ کے شیخ الحدیث کا درس بھی سنیں، حضرت تھانوی درس میں جا کر بیٹھے اور پھر مجلس میں آکر فرمایا کہ شاہ صاحب کے تو ایک ایک جملہ پر ایک ایک رسالہ تصنیف ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا محمد انوری صاحب لائل پوری دام ظلہ نے تحریر فرمایا کہ ”حضرت تھانوی جب بھی دیوبند تشریف لاتے تو حضرت شاہ صاحب کے درس میں اہتمام سے بیٹھتے تھے اور بذریعہ خطوط بھی آپ سے استفادہ فرماتے رہے، بعض بعض جوابات خاصے طویل ہوتے تھے جن کا ذکر حضرت شاہ صاحب بھی فرمایا کرتے تھے اور حضرت مدنی بھی قرآن و حدیث سے متعلق دریافت فرماتے رہتے تھے۔

شملہ میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا جس میں حضرت تھانوی، حضرت شاہ صاحب وغیرہ اکابر دیوبند تشریف لے گئے، اتفاق سے حضرت شاہ صاحب کی تقریر بہت ادق خلص علمی طرز کی ہو گئی جس کو بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ بھی پوری طرح نہ سمجھ سکے، انہوں نے شکوہ کیا کہ علماء ایسی تقریر کرتے ہیں، حضرت تھانوی کو معلوم ہوا تو آپ نے اپنے وعظ میں فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب کی تقریر اردو زبان میں تھی جو تمہاری مادری زبان ہے لیکن چونکہ اس میں علمی ادق تحقیقات تھیں تم لوگ نہ سمجھ سکے تو درحقیقت یہ تمہارے اس پندار کا علاج ہے کہ تم کہتے اور سمجھتے ہو کہ ہم بھی علماء کی طرح یا ان سے زیادہ قرآن و حدیث کو سمجھتے ہیں، اب تم لوگوں کو اسی سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ علوم نبوت کو سمجھنے کے لئے کس قدر علم و فہم، وسعت مطالعہ اور دقت نظر کی ضرورت ہے۔

حضرت تھانوی نے یہ بھی فرمایا کہ ”جب شاہ صاحب میرے پاس آکر بیٹھتے ہیں تو میرا قلب ان کی علمی عظمت کا دباؤ محسوس کرتا ہے“ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ”حضرت شاہ صاحب حقانیت اسلام کی زندہ حجت ہیں، ان کا اسلام میں وجود دین اسلام کے حق ہونے پر دلیل ہے۔“ ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب سے میں نے اس قدر استفادہ کیا ہے کہ میرے قلب میں ان کا احترام اسی طرح ہے جیسا کہ اپنے اساتذہ کا، گو میں نے ان کی باقاعدہ شاگردی نہیں کی۔

افادات انوری از کمالات انوری

مخدوم و محترم حضرت مولانا محمد انوری صاحب لائل پوری (تلمیذ خاص حضرت شاہ صاحب و خلیفہ خاص حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری دام فیوضہم نے کچھ واقعات اپنے زمانہ قیام دارالعلوم وغیرہ کے لکھے ہیں جو قابل ذکر ہیں:

(۱) جس سال احقر دورہ حدیث کے لئے دیوبند حاضر ہوا تو حضرت شیخ الہند کی خدمت میں بھی حاضری کا شرف حاصل ہوتا تھا، بعد عصر حضرت کے دولت کدہ پر سہ دری کے سامنے حضرت کی چارپائی بچھ جاتی تھی، چاروں طرف کرسیاں اور چارپائیاں ہوتیں، علماء، صلحا و طلبہ دارالعلوم بقصد زیارت جمع ہوتے، حضرت شاہ صاحب بھی دبے پاؤں آکر دور بیٹھ جاتے، حضرت کی نظر جب پڑتی تو ان کو اپنے پاس بلا کر قریب کی کرسی پر بٹھاتے حضرت جب مسائل بیان فرمانے لگتے تو سبحان اللہ! علوم و معارف کا بحر خار موجیں مارنے لگتا، کبھی کسی مسئلہ پر فرماتے کہ اس کے متعلق

شاہ صاحب سے پوچھنا چاہئے! کیوں شاہ صاحب! یہ مسئلہ یوں ہی ہے؟ عرض کرتے، ہاں حضرت فلاں محقق نے یوں ہی لکھا ہے۔

(۲) مالٹا سے تشریف لائے تو نصاریٰ سے ترک موالات کا مسئلہ زیر غور تھا قرار پایا کہ حضرت شاہ صاحب سے یہ مسئلہ تحریر کرایا جائے، چنانچہ آپ فتویٰ لکھ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت ادب سے بیٹھ کر سنایا، احقر نے دیکھا کہ صرف دس سطور تھیں، لیکن ایسی جامع مانع کے شیخ الہند سن کر نہایت محظوظ ہوئے۔

(۳) جس روز احقر دیوبند حاضر ہوا تو حضرت شیخ الہند کی دعوت مع خدام و زائرین کے حضرت شاہ صاحب کے ہاں تھی، بعد نماز مغرب تین سو سے زیادہ مہمان حضرت کی معیت میں نودرہ کی چھت پر تشریف فرما ہوئے، عجیب انوار و برکات کا نزول ہو رہا تھا، حضرت شاہ صاحب وجد کے عالم میں تھے، کھانے سے فراغت کے بعد حضرت دیر تک تشریف فرما رہے۔

(۴) ایک دفعہ احقر حضرت شیخ الہند کی خدمت میں حاضر تھا، دن کے دس بجے تھے، بارش ہو رہی تھی، فرمانے لگے، بھائی مولوی محمد حسن صاحب! شاہ صاحب کے ہاں چلنا ہے، آج انہوں نے ہمیں مہمانوں سمیت مدعو کیا ہے، حکیم صاحب فرمانے لگے حضرت! بارش تو ہو رہی ہے، کھانا یہیں منگوا لیا جائے گا، فرمایا، نہیں بھائی، میرے ایک مخلص نے دعوت کی ہے، وہیں جاؤں گا، چنانچہ بارش میں چل پڑے، راستہ میں شاہ صاحب ملے اور عرض کیا کہ کھانا در دولت پر پہنچا دیا جائے گا، فرمایا کچھ تکلیف نہیں، آپ کے گھر کھانا کھائیں گے۔

(۵) حضرت مولانا وسیدنا شاہ عبدالقادر رائے پوری دام ظلہم فرماتے تھے کہ کچھ دنوں میں نے بھی حضرت شاہ صاحب سے پڑھا ہے، واقعی حضرت شاہ صاحب آیۃ من آیات اللہ تھے، فرمایا میں تو غیر مقلد ہو گیا تھا، حضرت شاہ صاحب کی برکت سے حنفی مذہب پر استقامت نصیب ہوئی، فرمایا کہ ایک مشہور اہل حدیث عالم سے حضرت شاہ صاحب کا مناظرہ ہوا غالباً گلاٹھی ہی کا واقعہ ہے، حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور دوسرے بزرگان دین جمع تھے، حضرت شاہ صاحب نے ان اہل حدیث عالم سے فرمایا کہ آپ کو محدث ہونے کا دعویٰ ہے، صحیح بخاری کی وہ طویل حدیث جس میں ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ مذکور ہے جتنے طرق سے امام بخاری نے نقل کی ہے سنا دیجئے! وہ بے چارے نہ سنا سکے اور کہنے لگے کہ آپ ہی سنا دیں تو شاہ صاحب نے ساری حدیث سنا دی، بلکہ دور تک پہنچ گئے، حتیٰ کہ نصف پارہ تک سنا دیا وہ صاحب کہنے لگے کہ بس کافی ہے (حضرت رائے پوری دام ظلہم نے شاہ صاحب سے ترمذی شریف پڑھی ہے)۔

(۶) یہ بھی حضرت رائے پوری دام ظلہم نے فرمایا کہ مدرسہ امینیہ دہلی (واقع سنہری مسجد چاندنی چوک) میں جب حضرت شاہ صاحب پڑھاتے تھے اور کبھی بازار جانا ہوتا تو سر پر رومال ڈال کر آنکھوں کے سامنے پردہ کر کے نکلتے، مبادا کسی عورت پر نظر نہ پڑ جائے۔

(۷) حضرت شیخ المشائخ مولانا احمد خان صاحب (ساکن کنڈیاں ضلع میانوالی) حضرت شاہ صاحب کے علم و فضل کے نہایت مداح تھے اور جب حضرت شاہ صاحب، شیخ معظم حضرت مولانا حسین علی صاحب نقشبندی قدس سرہ کی دعوت پر میانوالی تشریف لے گئے تو آپ ان کو کنڈیاں لے گئے، کتب خانہ دکھلایا، حضرت شاہ صاحب نے کئی گھنٹے مختلف کتابوں کا مطالعہ فرمایا اور نوادر الاصول حکیم ترمذی دو ماہ کے لئے مستعار دیوبند لائے، حضرت نے فرمایا کہ میانوالی کے جلسہ میں حضرت شاہ صاحب نے نہایت بصیرت افروز تقریر فرمائی، مجمع کثیر تھا، ہزار ہا مخلوق جمع تھی، سینکڑوں علماء زیارت و استفادہ کے لئے حاضر ہوئے تھے، کنڈیاں میں بھی بکثرت علماء نے آپ سے علمی استفادہ کئے، لیکن میں حضرت کی میزبانی میں مصروفیت کی وجہ سے استفادہ سے محروم رہا جس کا افسوس ہے، حضرت شاہ صاحب کی وفات پر حضرت نے

۱۔ آپ نہایت جلیل القدر عارف باللہ، علامہ محدث و مفسر تھے، سلسلہ ارشاد و تلقین بہت وسیع تھا، مجددی سلسلہ میں بیعت فرماتے تھے، آپ کے عظیم الشان کتب خانہ کی بھی بڑی شہرت ہے، آپ کے فیوض باطنی سے ہزاروں لوگوں نے استفادہ کیا، آپ کے خلیفہ ارشد و جانشین حضرت شیخ مولانا عبداللہ شاہ صاحب لدھیانوی قدس سرہ (تلمیذ حضرت علامہ کشمیری) تھے جن سے بیعت کا شرف راقم الحروف کو بھی حاصل ہوا ہے، آپ کے سرچشمہ فیض سے بھی ایک عالم میراب ہوا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

فرمایا تھا کہ حضرت شاہ صاحب کا ملین میں سے تھے، آپ کے وصال سے علماء یتیم ہو گئے، طلبہ تو حدیث پڑھانے والے اساتذہ مل سکتے ہیں، لیکن علماء کی پیاس کون بجھائے گا۔

(۸) حضرت الشیخ المعظم علامہ محدث و مفسر مولانا حسین علی صاحب نقشبندی (ساکن واں پچھراں ضلع میانوالی) جو حضرت گنگوہی کے تلمیذ حدیث اور حضرت خواجہ محمد عثمان موسیٰ زکی شریف کے اجلہ خلفاء میں سے تھے، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب بڑے محدث ہیں اور اپنے تلامذہ کو کتب حدیث ختم کرانے کے بعد ہدایت فرماتے تھے کہ اگر فن حدیث میں بصیرت حاصل کرنے کی آرزو ہے تو حضرت شاہ صاحب کے پاس جاؤ (حضرت کا تذکرہ آگے مستقلاً آئے گا، انشاء اللہ)

(۹) ۱۳۳۰ھ میں علامہ رشید رضا مصری مدیر ”النار“ و صاحب تفسیر مشہور بتقریب صدارت اجلاس، دارالعلوم ندوہ لکھنؤ ہندوستان آئے تو دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر یہاں بھی تشریف لائے ان کے لئے خیر مقدم کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا، اس وقت حضرت شیخ الہند بھی موجود تھے، اتفاقاً علامہ نے جلسہ سے قبل کسی استاذ دارالعلوم سے دریافت کیا کہ یہاں درس حدیث کا طرز کیا ہے؟ تو بتلایا کہ پہلے قاری حدیث پڑھتا ہے اور استاد اس حدیث سے متعلق تمام مباحث علمیہ اور حقائق و نکات بیان کرتا ہے، پھر اگر حدیث احکام سے متعلق ہے تو استاد آئمہ متبوعین کے مذاہب و دلائل بھی بیان کرتا ہے، اور اگر امام اعظم کا مذہب بظاہر اس حدیث کے مخالف ہوتا ہے اور استاد توفیق، تطبیق یا ترجیح راجح کے اصول پر تقریر کرتا ہے اور حنفی مسلک کو مؤید و مدلل کرتا ہے، یہ بات علامہ کو بہت عجیب معلوم ہوئی، کہنے لگے کہ کیا حدیث میں ایسا ہی ہوتا ہے؟ کہا ہاں! اس پر علامہ نے کہا ”کیا حدیث حنفی ہے؟“

یہ بات تو اسی طرح یہاں ختم ہو گئی اور جلسہ کی شرکت کے لئے حضرت شاہ صاحب تشریف لا رہے تھے کہ راستہ ہی میں علامہ کی اس گفتگو کا حال سنا نقل ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا ارادہ علامہ کی ترحیب اور دارالعلوم کی تاریخ و دیگر عام امور پر تقریر فرمانے کا تھا، مگر اس گفتگو کا حال سن کر ارادہ بدل گیا اور اتنے ہی قلیل وقفہ میں جلسہ میں پہنچے اور کچھ دیر بیٹھے، دارالعلوم کے اسی مذکورہ بالا طرز درس حدیث پر مضمون ذہن میں مرتب فرمایا اور پھر وہ مشہور و معروف خالص محققانہ محدثانہ تقریر نہایت فصیح و بلیغ عربی میں فرمائی کہ اس کو سن کر علامہ اور تمام شرکاء اجلاس علماء و طلبہ حیران رہ گئے۔

اس تقریر میں آپ نے فقہاء محدثین کے اصول استنباط، تحقیق منطوق، تنقیح منطوق، تخریج منطوق کی وضاحت و تشریح احادیث و احکام سے فرما کر حضرت شاہ ولی اللہ سے لے کر اپنے اساتذہ دارالعلوم تک کے مناقب اور طرز و طریق خدمت علم و دین پر روشنی ڈالی، علامہ آپ کی فصاحت تقریر اور سلاست بیان و قوت دلائل سے نہایت متاثر تھے اور درمیان تقریر سوالات کرتے رہے، ایک دفعہ سوال کیا کہ اے حضرت الاستاذ! آپ حدیث قلتین کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ایک بار کہا حضرت الاستاذ! آپ مسئلہ قرآۃ خلف الامام میں کیا فرماتے ہیں؟ اسی طرح بہت سے مسائل کو بے تکلف سوال میں لائے اور حضرت شاہ صاحب بھی نہایت انبساط و شرح صدر کے ساتھ کافی و شافی جوابات دیتے رہے۔

حضرت شاہ صاحب کی تقریر مذکور کے بعد علامہ موصوف نے تقریر فرمائی اور اس میں حضرت شاہ صاحب کے غیر معمولی علم و فضل، تجرؤ و وسعت مطالعہ اور بے نظیر استحضار و حافظہ کی داد دی، نیز اعتراف کیا کہ جو طریقہ آپ کے یہاں درس حدیث کا ہے، یہی سب سے اعلیٰ و افضل و نفع طریقہ ہے، اور فرمایا کہ اگر میں ہندوستان آ کر اس جامعہ علمیہ کو نہ دیکھتا اور اس کے اساتذہ علماء اعلام سے نہ ملتا تو یہاں سے غمگین واپس جاتا، پھر مصر جا کر یہ سب حالات اپنے رسالہ ”النار“ میں شائع کئے اور اس میں یہ بھی اضافہ کیا کہ میں نے از ہر الہند دیوبند میں وہ نہضت دینیہ علمیہ جدیدہ دیکھی ہے جس سے نفع عظیم کی توقع ہے۔ مدرسہ دیوبند دیکھ کر جس قدر میرے دل کو مسرت بے پایاں حاصل ہوئی وہ کسی اور چیز سے نہیں ہوئی۔

مجھ سے بہت سے لوگوں نے دارالعلوم دیوبند کے فضائل و مآثر بیان کئے تھے اور کچھ لوگوں نے علماء دیوبند پر جمود و تعصب کا بھی نقد کیا تھا مگر میں نے ان کو اس ثناء و نقد سے بہت بلند پایا اور میں نے حضرت شاہ صاحب جیسا جلیل القدر کوئی عالم نہیں دیکھا۔ واللہ الحمد۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی پوری تقریر اور علامہ مصری کی تقریر و بیانات دارالعلوم میں موجود ہیں، فاضل محترم حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری دام فیضہم نے کافی حصہ ”فتح العنبر من ہدی الشیخ الانور“ میں نقل فرما دیا ہے، افسوس ہے کہ یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

(۱۰) علامہ محدث علی جنبلی مصری جو صحیحین کے حافظ مشہور تھے، مصر سے سورت و راندیر آئے، وہاں سے دہلی مولوی عبدالوہاب اہل حدیث کے پاس پہنچے اوقات نماز کے متعلق ان سے مناظرہ ہو گیا، مولوی صاحب نے ان کو اپنے یہاں سے نکلوا دیا، راندیر میں حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب (حال صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ دیوبند کا دارالعلوم بھی ضرور دیکھیں، دہلی میں بھی کچھ لوگوں نے دیوبند کا مشورہ دیا مگر بے چارے مایوس و پریشان تھے کہنے لگے کہ جب اہل حدیث نے میرے ساتھ ایسا معاملہ کیا حالانکہ ان کا مذہب حنابلہ سے قریب ہے تو دیوبند تو حنفیہ کا مرکز ہے، وہاں خدا جانے کیا سلوک ہوگا، مگر لوگوں نے اطمینان دلایا اور قبل ظہر آپ دیوبند پہنچے، ظہر کی نماز دارالعلوم کی مسجد میں پڑھی، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم مہمانوں کا بہت تفقد کیا کرتے اور نمازوں میں بھی دیکھا کرتے تھے کہ کوئی نیا آدمی باہر کا مدرسہ کا مہمان ہو تو اس حسب حال قیام و طعمان وغیرہ کا انتظام فرمائیں، چنانچہ آپ نے علامہ علی کو نو وارد دیکھ کر ان کا بھی خیر مقدم کیا مہمان خانہ میں ٹھہرایا، خاطر مدارت کی اور عرب طلبہ کو جو اس وقت دارالعلوم میں پڑھتے تھے، بلوا کر علامہ سے ملوایا، تاکہ زیادہ مانوس و منسبط ہوں، علامہ پر ان چیزوں کا بڑا اثر ہوا، بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ علمائے دیوبند تو بڑے مہمان نواز اور کریم النفس ہیں، یہ لوگ صحابہ گرام کے قدم بقدم چلنے والے اور تبع سنت معلوم ہوتے ہیں، مولوی محمد یحییٰ یمنی (متعلم دارالعلوم) نے کہا کہ یہ لوگ علم و فنون میں بھی فائق الاقرآن، علامہ نے کہا کہ یہ بات میں ماننے کو تیار نہیں، کیونکہ ”ہم اعجام“ یہ بیچارے تو عجیبی ہیں۔

عصر کی نماز کے بعد چند عرب طلبہ علامہ موصوف کو مزارات اکابر کی طرف لے گئے، ایک صاحب نے علامہ کو القاسم کا وہ نمبر دیا جس میں حضرت شاہ صاحب کا عربی قصیدہ (مرثیہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ) شائع ہوا تھا، علامہ نے چالیس ابیات کا فصیح و بلیغ مرثیہ مذکور پڑھ کر فوراً کہا کہ انی تبت من اعتقادی میں نے اپنے خیال سے رجوع کر لیا، اس قصیدہ سے زمانہ جاہلیت کی فصاحت و بلاغت مہک رہی ہے، نہایت بلیغ کلام ہے اور میں اس عالم کی زیارت کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ اس کے بعد حضرت شاہ صاحب سے سرسری ملاقات ہوئی۔

اگلے دن صبح کے وقت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کا درس صحیح مسلم سنا اور اثناء درس میں کچھ اعتراضات کئے، حضرت مولانا نے پورا درس عربی میں دیا اور علامہ کے جوابات بھی عربی میں دیتے رہے، علامہ متاثر ہوئے اور مولوی محمد یحییٰ یمنی سے فرمایا کہ یہ شخص بہت بڑا عالم دین ہے، اگرچہ بعض مسائل میں میری تسلی نہ ہو سکی، اس کے بعد بخاری شریف کے درس میں پہنچے، حضرت شاہ صاحب نے بھی پورا درس آپ کی رعایت سے عربی میں دیا، علامہ وہاں بھی اثناء درس میں سوالات کرتے اور شاہ صاحب جوابات دیتے رہے، درس کے بعد علامہ نے کہا کہ میں نے عرب ممالک کا سفر کیا اور علماء زمانہ سے ملا، خود مصر میں کئی سال حدیث کا درس دیا ہے، ہر جگہ کے علماء سے حدیثی مباحثے کئے، مگر میں نے اب تک اس شان کا کوئی محدث عالم نہیں دیکھا، میں نے ان کو ہر طرح بند کرنے کی سعی کی، لیکن ان کے استحضار علوم، تیقظ، حفظ و اتقان، ذکاوت و وسعت نظر سے حیران رہ گیا (مولانا حکیم اعظم علی بجنوری مرحوم نے یہ اضافہ بھی کیا کہ ”میں نے شاہ صاحب کے علاوہ اس درجہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا جو امام بخاری، حافظ ابن حجر، علامہ ابن تیمیہ، ابن حزم، شوکانی وغیرہ کے نظریات پر تنقیدی نظر محاکمہ کر سکتا ہوں اور ان حضرات کی جلالت قدر کا پورا لحاظ رکھ کر بحث و تحقیق کا حق ادا کر سکے۔“

علامہ نے دارالعلوم میں تین ہفتے قیام کیا، حضرت شاہ صاحب سے برابر استفادہ کرتے رہے اور سند حدیث بھی حاصل کی، یہاں تک کہا کہ اگر میں حلف اٹھا لوں کہ شاہ صاحب امام ابوحنیفہ سے زیادہ علم رکھتے ہیں تو مجھے امید ہے کہ حانث نہ ہوں گا، حضرت شاہ صاحب کو اس جملہ کی خبر ہوئی تو ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ ”ہمیں امام صاحب کے مدارک اجتہاد تک قطعاً رسائی نہیں ہے۔“

علامہ نے واپسی میں بھی راندر میں حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کی اور دیوبند کے تمام واقعات و حالات سنائے اور ان سے یہ بات کہی کہ مجھے حیرت کے حضرت شاہ صاحب اتنے بڑے عالم اور امام وقت ہو کر بھی امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں، مفتی صاحب نے فرمایا کہ اس سے ہی آپ امام صاحبؒ کے علوم کا اندازہ کریں۔

مصر پہنچ کر علامہ نے وہاں کے رسائل میں اپنا سفر نامہ شائع کیا اور علماء دیوبند کے کمالات علمی و عملی پر بھی ایک طویل مقالہ لکھا، حضرت مولانا محمد انوری کے نورانی افادات میں سے ان عشرہ کاملہ پر اکتفاء کرتا ہوں، اگرچہ دل نہیں چاہتا کہ اس ذکر جمیل کو مختصر کروں۔

حضرتؒ کے باطنی کمالات

حضرت شاہ صاحب کی شان عجیب تھی اور آپ اپنے باطنی کمالات کو حتی الامکان چھپانے کی بڑی سعی فرماتے تھے، مولانا محمد انوری دام ظلہم نے ہی مقدمہ بہاولپور کے مشہور تاریخی سفر میں اپنی معیت کے تقریب سے بہت کچھ لکھ دیا ہے اور چند سطریں مزید نقل کرنے پر دل مجبور کر رہا ہے۔

”ان ایام میں اس قدر حضرتؒ کے چہرہ مبارکہ پر انوار کی بارش ہوتی رہتی تھی کہ ہر شخص اس کو محسوس کرتا تھا، احقر نے بارہا دیکھا کہ اندھیرے کمرہ میں مراقبہ فرما رہے ہیں لیکن روشنی ایسی جیسے بجلی کے قمقمے روشن ہوں، حالانکہ اس وقت بجلی گل ہوتی تھی“۔

بہاولپور کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز حضرت اقدس ہی پڑھایا کرتے تھے، بعد نماز کچھ بیان بھی فرماتے تھے، ہزاروں ہزار کا مجمع رہتا تھا، پہلے جمعہ میں فرمایا: حضرات! میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامان سفر کر لیا تھا کہ یکا یک مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ کا خط دیوبند موصول ہوا کہ شہادت دینے کے لئے بہاولپور آئیے، چنانچہ اس عاجز نے ڈابھیل کا سفر ملتوی کیا اور بہاولپور کا سفر کیا، یہ خیال ہوا کہ ہمارا نامہ اعمال تو سیاہ ہے ہی، شاید یہی بات میری نجات کا باعث بن جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا جانبدار ہو کر بہاولپور آیا تھا، بس اتنا فرمانے پر تمام مسجد میں چیخ و پکار پڑ گئی، لوگ دھاڑیں مار مار کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے، خود حضرت پر ایک عجیب کیفیت وجد طاری تھی۔

یہ اس کیفیت وجد ہی کا اثر تھا کہ آپ اپنا حال چھپانہ سکے اور لوگوں پر آپ کے معمولی جملوں کا اس قدر اثر ہوا، ورنہ اگر آپ اپنے باطنی کمالات کے انخفاء میں کامیاب نہ ہوتے تو یقیناً لاکھوں مریدین کا ہجوم آپ کو ہر وقت گھیرے رہتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ جب کشمیر تشریف لے جاتے تھے تو اکثر لوگ چونکہ آپ کے خاندانی سلسلہٴ مشیخت سے واقف تھے، تو جس طرف چلے جاتے تھے، ہزاروں لوگ فرط عقیدت سے فرش راہ ہوتے اور آپ کی قدم بوسی کو اپنا شرف سمجھتے تھے، مگر حضرت ان کو نہایت سختی سے ایسی تعظیم کے ارتکاب سے روکتے تھے، ایک دفعہ خود فرمایا کہ کشمیر میں مجھے جہاں یہ محسوس ہوتا کہ لوگ مجھے عقیدت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو میں کوشش کر کے ایسی جگہوں پر اپنی وقعت و عزت کو خاص طور سے خاک میں ملاتا تھا، تاکہ لوگوں کا خیال ادھر سے ہٹ جائے اور لوگ مجھے صرف ایک طالب علم سمجھنے پر اکتفاء کریں۔

حضرت رائے پوری دام ظلہم کا ایک ملفوظ گرامی اور بھی حضرت علامہ انوری کے واسطے سے نقل کر رہا ہوں، فرمایا کہ جن ایام میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں مدرسہ امینیہ دہلی میں پڑھتا تھا، حضرت شاہ صاحب ڈیڑھ پیسہ کی روٹی منگا کر کھایا کرتے تھے، سارا دن علوم و فنون کا درس دیتے، دوپہر کوشدت گرما (جون جولائی کے مہینہ) میں کتب بنی فرماتے جب کہ ہر شخص دوپہر کی نیند کے مزے لیتا تھا اور موسم سرما میں دیکھا کہ بعد نماز عشاء سے صبح صادق تک مطالعہ فرما رہے ہیں اور اوپر کی رزائی کہیں سے کہیں پڑی ہوئی ہے۔ مغرب سے عشاء تک ذکر و مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔

مولانا قاری محمد یامین صاحب سہارنپوری مدرس دارالعلوم دیوبند ڈابھیل نے بتلایا کہ پنجاب کے ایک بڑے عارف باللہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کے بعد فرمایا کہ شاہ صاحب کی نسبت نہایت ہی قوی اور ان کی عظمت ناقابل مثال ہے، محترم مولانا بنوری دام ظلہم نے انکشاف کیا کہ حضرت شاہ صاحب نے مشائخ چشت کے طرز پر چھ ماہ تک کشمیر میں ریاضت و مجاہدہ فرمایا تھا اور یہ تمام مدت خلوت میں گزاری تھی، حضرت کی یہ زندگی بہت مخفی تھی، اس لئے اس سلسلہ کے حالات بھی کم مل سکے اور ہم نے بھی انخفاء کا ضابطہ اس کے لئے مستقل عنوان نہ دے کر پورا کیا ہے۔ (مرتب)

بقیہ ثناء امثال: حضرت علامہ عثمانی فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح ہماری آنکھوں نے شاہ صاحب کا مثل نہیں دیکھا، اسی طرح شاہ صاحب کی آنکھوں نے بھی اپنا مثل نہیں دیکھا، اگر مجھ سے پوچھتے کہ تو نے شیخ تقی الدین بن دقیق العید اور حافظ ابن حجر عسقلانی کو دیکھا ہے تو میں کہوں گا کہ ہاں! میں نے دیکھا ہے، کیونکہ حضرت شاہ صاحب کو دیکھا تو گویا ان کو دیکھا۔

حضرت علامہ سید سلمان ندوی نے حضرت شاہ صاحب کی وفات پر معارف میں لکھا تھا کہ ”آپ کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گرانقدر قیمتی خزانوں سے معمور ہوتی ہے، وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت مطالعہ میں اس عہد میں بے نظیری تھے، علوم حدیث کے حافظ و نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند اور زہد و تقویٰ میں کامل تھے، مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قال اللہ وقال الرسول کا نعرہ بلند رکھا۔“

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ نے حضرت شاہ صاحب کے جلسہ تعزیت میں تقریر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ ”میں نے ہندوستان حجاز، عراق، شام وغیرہ کے علماء اور فضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی لیکن تبحر علمی، وسعت معلومات، جامعیت اور علوم عقلیہ و نقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا۔“

حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب نے فرمایا تھا کہ حضرت شاہ صاحب کی وفات بلاشبہ وقت حاضر کے کامل ترین عالم ربانی کی وفات ہے، جن کا نظیر مستقبل میں متوقع نہیں، طبقہ علماء میں حضرت شاہ صاحب کا تبحر، کمال فضل، ورع و تقویٰ، جامعیت و استغناء مسلم تھا، موافق و مخالف ان کے سامنے تسلیم و انقیاد سے گردن جھکا تا تھا۔

حضرت علامہ محدث مولانا سید اصغر حسین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھے جب مسئلہ فقہ میں کوئی دشواری پیش آتی ہے تو کتب خانہ دارالعلوم کی طرف رجوع کرتا ہوں، اگر کوئی چیز مل گئی تو فہما ورنہ پھر حضرت شاہ صاحب سے رجوع کرتا ہوں، شاہ صاحب جو جواب دیتے اسے آخری اور تحقیقی پاتا اور اگر حضرت شاہ صاحب نے کبھی یہ فرمایا کہ میں نے کتابوں میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا تو مجھے یقین ہو جاتا کہ اب یہ مسئلہ نہیں ملے گا اور تحقیق کے بعد ایسا ہی ثابت ہوتا تھا، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، حضرت شاہ صاحب کے بڑے مداح تھے اور شاہ صاحب کی خدمت میں دیوبند آ کر مستفید بھی ہوتے تھے، مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو مجسم علم دیکھنا ہو تو شاہ صاحب کو دیکھ لے، مولانا اسمعیل صاحب گوجرانوالہ کا قول ہے کہ شاہ صاحب تو حافظ حدیث ہیں۔

علامہ محقق، محدث و مفسر شیخ کوثری نے حضرت شاہ صاحب کی بعض تالیفات کا مطالعہ کر کے فرمایا کہ احادیث سے دقیق مسائل کے استنباط میں شیخ ابن ہمام صاحب فتح القدر کے بعد ایسا محدث و عالم امت میں نہیں گزرا اور یہ کوئی کم زمانہ نہیں ہے۔“

سلطنت ترکی کے سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری نے ”مرقاۃ الطارم“ دیکھ کر فرمایا کہ ”میں نہیں سمجھتا کہ فلسفہ و کلام کے دقائق کا اس انداز سے سمجھنے والا اب بھی کوئی دنیا میں موجود ہیں جتنا کچھ آج تک اس موضع پر لکھا جا چکا ہے اس رسالہ کو اس سب پر ترجیح دیتا ہوں اور اسفار اربعہ شیرازی کی ان چار مجلدات کبیرہ پر بھی۔“ (فتح العنبر)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری اپنی مشہور و مقبول تصنیف ”بذل الجہود“ کی مشکلات میں آپ سے رجوع فرماتے تھے، علامہ محدث نیوی نے اپنی پوری تصنیف آثار السنن حضرت شاہ صاحب کے ملاحظہ سے گزاری اور آپ کے علمی مشوروں اور اصلاحات سے مستفید ہوتے رہے۔

ایک دفعہ صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب علی گڑھ سے دیوبند آئے اور حضرت شاہ صاحب کے درس صحیح مسلم میں بیٹھے تو کہا کہ آج تو آکسفورڈ اور کیمبرج کے لیکچر ہال کا منظر سامنے آ گیا تھا، یورپ کی ان یونیورسٹیوں میں پروفیسروں کو جیسے پڑھاتے ہوئے میں نے دیکھا ہے، آج ہندوستان میں میری آنکھوں نے اسی تماشے کو دیکھا۔

علامہ اقبال مرحوم نے اصول اسلام کی ارواح کو سمجھنے میں حضرت شاہ صاحب سے بہت زیادہ استفادہ کیا تھا، اس لئے حضرت سے بہت زیادہ تعلق رکھتے تھے اور جب شاہ صاحب نے دارالعلوم سے علیحدگی اختیار فرمائی تو حضرت کو لاہر بلانے کی بھی انتہائی سعی کی تھی، لاہور کے تعزیتی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحب کا نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، وغیرہ وغیرہ آراء اکابر و معاصرین جن کا ذکر اس مختصر میں نہیں ہو سکتا۔

بے نظیر قوت حافظہ و سرعت مطالعہ وغیرہ

حضرت شاہ صاحب کا جس طرح علم و فضل، تبحر، وسعت مطالعہ، زہد و تقویٰ بے نظیر اور نمونہ سلف تھا اس طرح قوت حافظہ بھی بے مثل تھی اور وہ گویا ان منکرین حدیث کا جواب تھی جو محدثین کے حافظہ پر اعتماد نہ کر کے ذخیرہ حدیث کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہیں، حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ ”جب میں کسی کتاب کا سرسری نظر سے مطالعہ کرتا ہوں اور اس کے مباحث کو محفوظ رکھنے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا، تب بھی پندرہ سال تک اس کے مضامین مجھے محفوظ رہ جاتے ہیں“۔

سرعت مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ مسند احمد (مطبوعہ مصر) کے روزانہ دو سو صفحات کا مطالعہ فرمایا اور وہ بھی اس شان سے کہ اس عظیم الشان ذخیرہ میں سے احناف کی تائید میں جس قدر احادیث ہو سکتی تھیں وہ بھی منتخب اور محفوظ کر لیں اور پھر جب کبھی درس مسند کی احادیث کا حوالہ دینا ہوتا تو ہمیشہ بغیر مراجعت کے دیتے تھے اور رواۃ و طبقات پر بھی بے تکلف بحث فرماتے تھے، صرف آخر عمر میں ایک بار پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات سے متعلق احادیث کو جمع کرنے کے لئے مسند کا مطالعہ فرمایا تھا۔

شیخ ابن ہمام کی فتح القدر مع تکرار (جلد ۸) کا مطالعہ بیس روز میں کیا تھا اس طرح کہ کتاب الحج تک اس کی تلخیص بھی فرمائی اور ابن ہمام نے صاحب ہدایہ پر جو اعتراضات کئے ہیں اپنے خلاصہ میں ان کے مکمل جوابات بھی تحریر فرمائے اور پھر مدت العمر فتح القدر سے مذاہب و مباحث نقل کرنے میں مراجعت کی ضرورت پیش نہیں آئی، ایک دفعہ خود بھی درس میں بطور تحدیث نعمت فرمایا کہ ۲۶ سال قبل فتح القدر دیکھی تھی، الحمد للہ اب تک مراجعت کی ضرورت نہیں ہوئی، جو مضمون اس کا بیان کروں گا، اگر مراجع کرو گے تو تفاوت بہت کم پاؤ گے۔

سنن بیہقی اور حضرت شاہ صاحب

سنن بیہقی قلمی کا مطالعہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے یہاں کیا تھا، تیس سال کے بعد ڈابھیل میں ایک روز فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے ایک جگہ کچھ دلائل حنفیہ کے خلاف بیہقی سے جمع کئے ہیں، میں نے جو نسخہ بیہقی کا گنگوہہ میں دیکھا تھا، اس میں وہ چیزیں نہ تھیں، پھر جب سنن بیہقی حیدرآباد سے چھپ کر آئی تو اس میں وہ چیزیں موجود تھیں، لیکن اب میں اس نظریہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت گنگوہی والا قلمی نسخہ زیادہ صحیح تھا اور اس کے شواہد و دلائل میں اپنی یادداشت میں جمع کر رہا ہوں۔

حضرت شاہ صاحب کی دریافت مذکور جس قدر اہم ہے محتاج بیان نہیں، جس وقت سے حضرت کا یہ ملفوظ گرامی اپنی یادداشت میں دیکھا راقم الحروف برابر اس فکر میں سرگرداں ہے کہ کسی طرح وقت ملے تو فتح الباری سے وہ مقام متعین کروں، دوسرا مرحلہ حضرت گنگوہی والے قلمی نسخہ کا ہے، گنگوہہ خط لکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت گنگوہی کی سب کتابیں کتب خانہ دارالعلوم کو منتقل ہو گئی تھیں، یہاں کتب خانہ تلاش کیا تو اس

سنن بیہقی کا کوئی وجود نہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس عظیم الشان دریافت کو کس طرح کارآمد بنایا جائے، کاش! حضرت مولانا محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور دوسرے خصوصی تلامذہ حضرت اس مہم کو سر کریں، نہایت افسوس ہے کہ حضرت کی زندگی میں اس کا خیال نہ ہوا کہ اس مقام کو متعین کر لیتا اور یادداشت سے وہ قرآن بھی نقل ہو سکتے، حضرت کی یادداشتوں کے تین بکس تھے جو سب ضائع ہوئے اور اب ”الاتحاف“ (حواشی آثار السنن) مطبوعہ رسائل و امالی اور اپنی یادداشتوں کے سوا کوئی چیز سامنے نہیں ہے۔

حذف والحاق کی نشاندہی

حذف والحاق کے سلسلہ کی نشاندہی نہایت ہی اہم ترین و مشکل ترین خدمت ہے جو علامہ کوثری مرحوم اور حضرت شاہ صاحب جیسے ہی بحور العلوم کا منصب تھا اب اگر اس سلسلہ کے بقیہ گوشوں کی تکمیل کا فرض ہم لوگ انجام دے لیں تو وہ بھی عظیم الشان علمی حدیثی خدمت ہے۔ حضرت کی قوت حافظہ کے سلسلہ میں آپ کے تلمیذ خاص مولانا مناظر احسن گیلانی کی یہ تحقیق بھی قابل ذکر ہے کہ مجموعی طور سے حضرت شاہ صاحب گو کم سے کم چالیس پچاس ہزار عربی کے اشعار ایسے یاد تھے کہ جس وقت چاہتے ان میں سے سنا سکتے تھے، فارسی اشعار بھی بکثرت یاد تھے، بلکہ اردو کے بھی اونچے شعراء کا کلام یاد تھا، ایک دفعہ راقم الحروف کی موجودگی میں غالب کے بہت سے اشعار سنائے۔

فقہ حنفی اور حضرت شاہ صاحب

درس میں جب مسائل خلافیہ پر کلام فرماتے تو جا بجا شیخ ابن ہمام کی تحقیقات مع نقض و ابرام نقل فرمانے کی عادت تھی، فتح القدر نہایت دقیق و غامض کتاب ہے جو فقہ و اصول کے دقائق و غوامض اور اصول حدیث کی مشکلات پر مشتمل ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ ہمارے حضرت شاہ صاحب نے حجۃ اللہ کے ایک اعتراض کا جواب ابن ہمام ہی کی تحقیق سے دیا ہے۔ ہمارے حضرت شاہ صاحب کی یہ بھی عادت مبارک تھی کہ جن مسائل میں حافظ ابن حجر کے اعتراضات کا جواب حافظ عینی سے پورا نہ ہو سکا تھا ان کی تکمیل درس میں بھی کافی و شافی جوابات دے کر فرماتے تھے۔

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی (حال استاذ حدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ) کا بیان ہے کہ جس سال ہم نے حضرت شاہ صاحب سے دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث پڑھا تھا (یہ سال حضرت کی دارالعلومی زندگی کا آخری سال تھا) ایک روز بعد عصر طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”ہم نے اپنی زندگی کے پورے تیس سال اس مقصد کے لئے صرف کئے کہ ”فقہ حنفی“ کے موافق حدیث ہونے کے بارے میں اطمینان حاصل کر لیا جائے، الحمد للہ اپنی اس تیس سالہ محنت اور تحقیق کے بعد میں اس بارے میں مطمئن ہوں کہ ”فقہ حنفی“ حدیث کے مخالف نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جس مسئلہ میں مخالفین احناف جس درجہ کی حدیث سے استناد کرتے ہیں، کم از کم اسی درجہ کی حدیث اس مسئلہ کے متعلق حنفی مسلک کی تائید میں ضرور موجود ہے اور جس مسئلہ میں حنفیہ کے پاس حدیث نہیں ہے اور اس لئے وہ اجتہاد پر اس کی بنیاد رکھتے ہیں، وہاں دوسروں کے پاس بھی حدیث نہیں ہے۔“

زبان اردو و انگریزی کی اہمیت

اسی تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ ”میں نے اپنے عربی و فارسی ذوق کو محفوظ کے لئے ہمیشہ اردو لکھنے پڑھنے سے احتراز کیا، یہاں تک کہ عام طور سے اپنی خط و کتابت کی زبان بھی میں نے عربی و فارسی ہی رکھی، لیکن اب مجھے اس پر بھی افسوس ہے، ہندوستان میں اب دین کی

خدمت اور دین سے دفاع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس مہارت پیدا کی جائے اور باہر کی دنیا میں دین کا کام کرنے کیلئے ضروری ہے کہ انگریزی زبان کو ذریعہ بنایا جائے، میں اس بارے میں آپ صاحبان کو خاص طور سے وصیت کرتا ہوں۔“

فقہ میں آپ کا ایک خاص اصول

مولانا موصوف ہی ناقل ہیں کہ ایک موقع پر فرمایا: ”اکثر مسائل میں فقہ حنفی میں کئی کئی اقوال ہیں اور مرتحسین و اصحاب فتاویٰ مختلف وجوہ و اسباب کی بناء پر ان میں سے کسی ایک قول کو اختیار کرتے اور ترجیح دیتے ہیں، میں اس قول کو زیادہ وزنی اور قابل ترجیح سمجھتا ہوں جو از روئے دلائل زیادہ قوی ہو یا جس کے اختیار کرنے میں دوسرے ائمہ مجتہدین کا اتفاق زیادہ حاصل ہو جاتا ہو۔“

پھر فرمایا کہ ”میرا پسندیدہ اصول تو یہی ہے، لیکن دوسرے اہل فتویٰ جو اپنے اصول پر فتویٰ لکھتے ہیں ان کی بھی تصدیق اس لحاظ سے کر دیتا ہوں کہ از روئے فقہ حنفی وہ جواب بھی صحیح ہیں۔“

حضرت مولانا نعمانی نے حضرت شاہ صاحب کی خاص تحقیق اختلاف مطالع کے بارے میں بھی نقل کی ہے جو حضرت سے ہم نے سنی ہے کہ عام مصنفین فقہاء سے تعبیر میں کوتاہی ہوئی ہے اور اصل مسئلہ حنفیہ کا یہ ہے کہ ایک اقلیم کے اندر اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، کیونکہ مشرق و مغرب کے درمیان اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنا، بدایۃ غلط ہے، مولانا نے اپنی یاد سے بدایۃ المجتہد اور بدائع الصنائع کا حوالہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دام ظلہم (تلمیذ خاص حضرت شاہ صاحب و مہتمم دارالعلوم) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا ”بھائی اس زمانہ کے علمی فتنوں کے مقابلہ میں جس قدر ہو سکا ہم نے سامان جمع کر دیا ہے“ بالخصوص فقہ حنفی کے مآخذ و مناشی کے سلسلہ میں آپ نے حدیثی ذخیرہ بہت کافی وافی جمع فرمادیا، پھر بھی قیام ڈابھیل کے زمانہ میں اور خصوصیت سے آخری سال کے درس بخاری میں فقہی و حدیثی تحقیقات کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا اور ترجیح مذہب حنفی و تطبیق روایات میں عمر بھر کے علم کا نچوڑ پیش فرمایا جس کو املاء کرنے والوں نے املاء کیا (خدا کے فضل سے راقم الحروف مرتب انوار الباری کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی کہ حضرت کے آخری دو سالوں کے درس بخاری میں شرکت کی اور تقریر قلم بند کرنے موقع ملا بلکہ مجلس علمی کی تقریب سے ہر وقت حضرت سے قریب تر رہنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔)

تائید مختارات امام اعظمؒ

تائید مذہب حنفی کے غیر معمولی اہتمام کی توجیہ کرتے ہوئے گاہ گاہ یہ بھی فرماتے تھے کہ عمر بھر امام ابوحنیفہؒ کی نمک حرامی کی ہے اب مرتے وقت جی نہیں چاہتا کہ اس پر قائم رہوں، چنانچہ کھل کر پھر ترجیح مذہب کے سلسلہ میں اچھوتے اور نادر روزگار علوم و معارف اور نکات و لطائف ارشاد فرمائے جس سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ من جانب اللہ آپ پر مذہب حنفی کی بنیادیں منکشف ہو گئی تھیں اور ان میں شرح صدر کی کیفیت ہو چکی تھی جس کے اظہار پر آپ گویا مامور یا مجبور تھے۔

حضرت مہتمم صاحب کی رائے ہے کہ حسب ضرورت پہلے آپ روایات فقیہ میں بھی تطبیق و توفیق کے خیال سے صاحبین کا قول اختیار فرما لیتے تھے تا کہ خروج عن الخلاف کی صورت بن جائے، مگر آخر میں طبیعت کا رجحان صرف اقوال امام اعظم کی ترجیح و اختیار کی جانب ہو چکا تھا اور یہ بلاشبہ اس کی دلیل ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی خصوصیات کے بارے میں حق تعالیٰ نے آپ کو شرح صدر عطا فرمادیا تھا اور وہ بالآخر اسی ٹھینٹھ لکیری پر جم کر چلنے لگے تھے جس پر آپ کے شیوخ سرگرم رفتار رہ چکے تھے، میں نے حضرت شیخ الہند کا مقولہ سنا ہے کہ جس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ منفرد ہوتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ میں کوئی ان کی موافقت نہیں کرتا، اس میں ضرور بالضرور پوری قوت سے امام صاحب کا اتباع کرتا ہوں، اور سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ضرور کوئی ایسا دقیقہ ہے جس تک امام صاحب ہی کی نظر پہنچ سکی ہے اور پھر حق تعالیٰ اس دقیقہ کو منکشف بھی فرمادیتا

ہے یہ مقولہ امام ابوحنیفہؒ کے اس مسلک کے ذیل میں فرمایا تھا کہ قضاء قاضی ظاہر و باطناً نافذ ہو جاتی ہے، فرمایا کہ اس مسئلہ میں بالضرور امام صاحبؒ ہی کی پیروی کروں گا، کیونکہ اس میں وہ منفرد ہیں، اور یہ تفرد ہی اس کی دلیل ہے کہ اس میں کوئی ایسی دقیق بنیاد ان پر منکشف ہوئی ہے جہاں تک دوسروں کی نگاہیں نہیں پہنچ سکی ہیں، اسی قسم کا مضمون حضرت نانوتوی قدس سرہ سے بھی منقول ہے۔

شاید حضرت شاہ صاحب قدس سرہ پر آخری عمر میں یہی نکتہ منکشف ہوا جو ان کے شیوخ پر منکشف ہوا تھا اور اس کے خلاف توسع کو وہ امام ابوحنیفہؒ سے نمک حرامی سے تعبیر فرمائے۔

حضرت مہتمم صاحب دامت فیوضہم کی مذکورہ بالا تحقیق اینق آپ کی اعلیٰ جودت فکر اور حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم سے غیر معمولی تناسب کی بین دلیل ہے، کاش! کی ضبط کردہ تقریر درس ترمذی و بخاری ضائع نہ ہوتی اور مشتاقان علوم انوری اس سے مستفید ہوتے۔

حضرت شاہ صاحب اور علم اسرار و حقائق

بقول حضرت مولانا نعمانی آپ بلاشبہ اس دور کے شیخ اکبر تھے، شیخ اکبر کے علوم سے آپ کو خاص مناسبت بھی تھی اور ان کے بہت سے نہایت اعلیٰ اور قیمتی زیادہ تر ”فتوحات مکیہ“ کے حوالہ سے درس میں بیان فرمایا کرتے تھے، قیام دارالعلوم کے زمانہ میں مولانا عبید اللہ صاحبؒ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتابیں زیادہ دیکھا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب نے پوچھا کہ آپ شیخ اکبر کی کتابیں بھی دیکھتے ہیں یا نہیں؟ کہا کہ نہیں! تو آپ نے فرمایا تھا کہ ان کو بھی دیکھئے! یہ چھوٹے چھوٹے دریا ہیں اور وہ سمندر ہیں، یہ واقعہ آپ نے ڈابھیل میں سنایا تھا۔

حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث کی خصوصیات

حضرت الاستاذ المحترم مولانا العلام محمد ادریس صاحب کاندھلوی دام ظلہم سابق استاذ دارالعلوم حال شیخ الحدیث جامع اشرفیہ لاہور نے تحریر فرمایا کہ حضرت کے درس کی شان عجیب تھی جس کو اب دکھلانا تو ممکن نہیں، البتہ بتلانا کچھ ممکن ہے۔

(۱) درس حدیث میں سب سے اول اور زیادہ توجہ اس طرف فرماتے تھے کہ حدیث نبوی کی مراد باعتبار قواعد عربیت و بلاغت واضح ہو جائے، حدیث کی مراد کو علمی اصطلاحات کے تابع بنانے کو بھی پسند نہ فرماتے تھے، کیونکہ اصطلاحات بعد میں پیدا ہوئیں اور حدیث نبوی زماناً و مرتبہ مقدم ہے، حدیث کو اصطلاح کے تابع کرنا خلاف ادب ہے، چنانچہ اس ناچیز نے ”التعلیق الصیح“ میں بھی اسی ہدایت کو ملحوظ رکھا اور حافظ توربشتی و علامہ طیبی کی شروح سے بھی تمام لطائف و نکات اخذ کر کے اپنی شرح میں درج کئے ہیں۔

(۲) خاص خاص مواضع میں حدیث نبوی کا مآخذ قرآن کریم سے بیان فرماتے اور اسی مناسبت سے بہت سی مشکلات قرآنیہ کو حل فرمادیتے تھے۔
(۳) حسب ضرورت اسماء الرجال پر کلام فرماتے، خصوصاً جن رواۃ کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہوتا، تو اس جرح و تعدیل کے اختلاف کو نقل کر کے اپنی طرف سے ایک قول فیصل بتلا دیتے کہ یہ راوی کس درجہ میں قابل قبول ہے، اس کی روایت حسن کے درجہ میں ہے یا صحیح کے یا قابل رد ہے، یا قابل اغماض یا لائق مسامحت؟ اور اغماض و مسامحت میں جو فرق ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں، زیادہ تر فیصلہ کا طریقہ یہ بھی رکھتے کہ جب کسی راوی کی جرح و تعدیل میں اختلاف ہوتا تو یہ بتلا دیتے کہ یہ راوی ترمذی کی فلاں سند میں واقع ہے اور امام ترمذی نے اس روایت کی تحسین یا تصحیح فرمائی ہے۔

(۴) فقہ الحدیث پر جب کلام فرماتے تو اولاً آئمہ اربعہ کے مذاہب نقل فرماتے اور پھر ان کے وہ دلائل بیان فرماتے جو ان مذاہب کے فقہاء کے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہوتے پھر ان کا شافی جواب اور امام اعظم کے مسلک کی ترجیح بیان فرماتے تھے۔

حقیقت کے لئے استدلال و ترجیح میں کتاب و سنت کے تبادر اور سیاق و سباق کو پورا ملحوظ رکھتے اور اس بات کا خاص لحاظ رکھتے کہ

شریعت کا منشاء و مقصد اس بارے میں کیا ہے، اور یہ حکم خاص شریعت کے احکام کلیہ کے تو خلاف نہیں، شریعت کے مقاصد کلیہ کو مقدم رکھتے اور احکام جزئیہ میں اگر بے تکلف توجیہ ممکن ہوتی تو کرتے ورنہ قواعد کلیہ کو ترجیح دیتے جو طریقہ فقہا کرام کا ہے۔

(۵) نقل مذاہب میں قدماء کی نقول پیش فرماتے اور ان کو متاخرین کی نقول پر مقدم رکھتے، آئمہ اجتہاد کے اصل اقوال پہلے نقل فرماتے پھر مشائخ کے اقوال ذکر فرماتے تھے۔

(۶) مسائل خلافیہ میں تفصیل کے بعد یہ بھی بتلا دیتے کہ اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے، گویا وہ ایک قسم کا فیصلہ ہوتا جو طلبہ کے لئے موجب طمانیت ہوتا۔

(۷) درس بخاری میں تراجم کے حل کی طرف خاص توجہ فرماتے، اولاً بخاری کی غرض و مراد واضح فرماتے بہت سے مواقع میں حل تراجم میں شارحین کے خلاف مراد متفق فرماتے تھے، ثانیاً یہ بھی بتلاتے کہ اس اس ترجمہ الباب میں امام بخاری نے آئمہ اربعہ میں سے کس امام کا مذہب اختیار فرمایا اور پوری بخاری آپ سے پڑھنے کے بعد واضح ہوتا کہ سوائے مسائل مشہورہ کے اکثر جگہ امام بخاری نے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی موافقت کی ہے۔

(۸) حافظ ابن حجر عسقلانی چونکہ امام شافعی کے مقلد ہیں، اس لئے امام شافعی کی تائید میں جا بجا امام طحاوی کے اقوال اور استدلال نقل کر کے اس امر کی پوری سعی کرتے ہیں کہ امام طحاوی کا جواب ضرور ہو جائے، بغیر امام طحاوی کا جواب دیئے گزرنے کو حافظ عسقلانی یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے حق شافعیت ادا نہیں کیا، درس میں حضرت شاہ صاحب کی کوشش یہ رہتی تھی کہ مسائل فقیہ میں بغیر حافظ کا جواب دیئے نہ گزریں۔

(۹) اسرار شریعت میں شیخ محی الدین بن عربی اور شیخ عبدالوہاب شعرانی کا کلام زیادہ فرماتے تھے۔

(۱۰) درس کی تقریر موجز و مختصر مگر نہایت جامع ہوتی تھی (جس سے ذی علم مستفید ہو سکتے تھے) ہر کس و ناکس کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی۔

محدثین سلف کی یاد

خلاصہ یہ کہ آپ کے درس میں بیٹھ کر محدثین سلف کی یاد تازہ ہوتی تھی، جب متون حدیث پر کلام فرماتے تو یہ معلوم ہوتا کہ امام طحاوی یا بخاری و مسلم بول رہے ہیں، فقہ الحدیث میں بولتے تو امام محمد بن الحسن الشیبانی معلوم ہوتے، حدیث کی بلاغت پر گویا ہوتے تو تفتازانی و جرجانی کا خیال گزرتا، اسرار شریعت بیان فرماتے تو ابن عربی و شعرانی کا گمان ہوتا تھا، اتنی مافادہ الاسناد البلیغ المحدث النبیل الکاندہلوی دامت فیضو ہم۔

حضرت شاہ صاحب بخاری و فتح الباری کے گویا حافظ تھے

حضرت شاہ صاحب نے تیرہ مرتبہ پوری بخاری شریف کا مطالعہ فرمایا تھا اس طرح کہ ایک ایک لفظ پر غور فرمایا تھا، پوری بخاری کے گویا حافظ تھے اور ایک حدیث کے جتنے ٹکڑے مختلف مواضع میں امام بخاری لائے ہیں، آپ کو محفوظ تھے چنانچہ درس میں یہ معمول تھا کہ پہلے قطعہ پر پوری حدیث کی تقریر فرمادیتے تھے اور یہ بھی بتلا دیتے تھے کہ آگے فلاں فلاں مواقع میں امام بخاری اس اس غرض سے اس کے باقی قطعہ لائے ہیں پھر دوسرے قطعہ پر گزرتے تو تنبیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس حدیث کے پورے مباحث بیان کر آیا ہوں۔

اسی طرح فتح الباری کے بھی گویا آپ حافظ تھے، حافظ نے بھی حدیث کے مختلف ٹکڑوں پر جگہ جگہ کلام کیا ہے، حضرت شاہ صاحب کی نظر ان سب پر بیک وقت ہوتی تھی، لہذا سب پر تبصرہ کرتے تھے، اور غیر مظان میں بھی کسی سبب یا مصلحت سے حافظ نے احادیث ذکر کی ہیں تو ان پر بھی حضرت تنبیہ فرمادیا کرتے تھے، حضرت حماد بن ابی سلیمان (استاذ امام اعظم) کو رجال بخاری میں نہیں سمجھا جاتا، تہذیب التہذیب میں خ کا نشان نہیں ہے، صرف نخ ہے جو الادب المفرد للبخاری کا نشان ہے، تقریب میں نخ کے علاوہ خت بھی ہے یعنی تعلیقات بخاری کا

نشان، خ اس میں بھی نہیں ہے لیکن حضرت شاہ صاحب نے نیل الفرقین کے ص ۸۰ پر ان کو فتح الباری ہی کے باب التشہد کے حوالے سے بعض نسخ صحیح بخاری کے لحاظ سے بھی رجال بخاری میں سے قرار دیا ہے۔

ایک نہایت محترم فاضل محدث نے مقدمہ انوار الباری حصہ اول دیکھ کر مجھے لکھا کہ تم نے حماد بن ابی سلیمان کو رجال بخاری میں لکھ دیا جو غلط ہے اس کی تصحیح ہونی چاہئے تو اول تو یہ ان کا مغالطہ تھا، کیونکہ میں نے صرف اتنا لکھا تھا کہ امام بخاری و مسلم ان سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ نسخ کا نشان اس امر کی صحت کے لئے کافی ہے، صحیح بخاری میں روایت کرنے کا ذکر میری عبارت میں نہیں تھا، دوسرے حضرت شاہ صاحب کی مذکورہ بالا دریافت کی روشنی میں تو وہ رجال بخاری ہی کے زمرہ میں آجاتے ہیں، واللہ اعلم و علمہ اتم و اعلم۔

دورہ حدیث دیوبند

حضرت مولانا گیلانی نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کا طرز درس صحاح ستہ، طریقہ سرد کہلاتا تھا جس کے تقریباً ہم معنی دورہ حدیث کا لفظ رائج ہوا، وہ طریقہ یہ تھا کہ طالب علم حدیثوں کو پڑھتا جاتا اور استاد سنتا جاتا تھا، درمیان میں خاص اہم بات کا ذکر ضروری معلوم ہوا تو کر دیا گیا، شاہ صاحب کے زمانہ کے حساب سے دارالعلوم والے دورے یا طریقہ سرد میں اتنی ترمیم ہوئی کہ اہل حدیث کا نیا فرقہ ہندوستان میں جو اٹھ کھڑا ہوا تھا اور حنفی مذہب کے متعلق یہ شہرت دینے لگا کہ کلیۃً رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے خلاف امام ابوحنیفہؒ نے اپنے ذاتی قیاسات سے اسلامی شریعت کا ایک مستقل نظام قائم کر دیا تھا، اسی مغالطہ کے ازالہ کے لئے اکابر دیوبند میں سب سے پہلے حضرت مولانا گنگوہی نے حدیث کے درس میں اس التزام کا اضافہ کیا کہ حنفی مذہب کے جن مسائل کے متعلق فرقہ اہل حدیث نے مشہور کر رکھا ہے کہ صریح حدیثوں کے وہ مخالف ہیں ان کے التزام کا سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا جائے۔

دارالعلوم دیوبند میں طریقہ سرد کے ساتھ اس التزام کو باقی رکھا اور بچھ اللہ اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے، اگرچہ وہ محاذ جو اہل حدیث طبقہ نے قائم کیا تھا وہ ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو چکا ہے، لیکن مبادا کہ یہ فتنہ سر اٹھائے دارالعلوم میں اب تک تو تازہ حالت میں درس حدیث کا یہ التزام زندہ وہ پائندہ ہے، اور جہاں تک میرا خیال ہے اس کو اسی طرح جاری رکھنا چاہئے کہ اس سے جامد تقلید کی سمیت کا ازالہ بھی ہوتا رہتا ہے اور حنفی مسلک بھی علمی بصیرت کے ساتھ قائم رہتا ہے، پھر بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دام ظلہم حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث میں کچھ ایسی امتیازی خصوصیات نمایاں ہوئیں جو عام طور سے درس میں نہ تھیں اور حضرت شاہ صاحب کا انداز درس درحقیقت دنیائے درس و تدریس میں ایک انقلاب کا باعث ثابت ہوا، اولاً آپ کے درس حدیث میں رنگ تحدیث غالب تھا، فقہ حنفی کی تائید و ترجیح بلاشبہ ان کی زندگی تھی لیکن رنگ محدثانہ تھا، فقہی مسائل پر بہت کافی اور سیر حاصل بحث فرماتے، لیکن انداز بیان سے یہ کبھی مفہوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ حدیث کو فقہی مسائل کے تابع کر رہے ہیں اور کھینچ تان کر حدیث کو فقہ حنفی کی تائید میں لانا چاہتے ہیں بلکہ یہ امر صاف واضح ہوتا تھا کہ آپ فقہ کو بحکم حدیث قبول کر رہے ہیں، بالفاظ دیگر (آپ کی تقریر سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ) گویا حدیث کا سارا ذخیرہ فقہ حنفی کو اپنے اندر سے نکال نکال کر پیش کر رہا ہے اور اسے پیدا کرنے کے لئے نمودار ہوا ہے۔

حضرت شاہ صاحب الفاظ حدیث میں تاویل کو بھی پسند نہ فرماتے تھے، آپ کا ارشاد تھا کہ میں تاویل نہیں کرتا بلکہ توجیہ یا تطبیق کرتا ہوں، یعنی روایت کے تمام الفاظ جو مختلف انداز میں ذخیرہ حدیث میں وارد ہوئے ہیں، ان سب کو سامنے رکھ کر ایک معنی معین کرتا ہوں اور جس جملہ کا جو حقیقی محل ہے اس کو اسی پر منطبق کرتا ہوں۔

بے نظیر تبحر اور خاموشی طبع

بقول حضرت مولانا بنوری دام فیضہم، حضرت شاہ صاحب کے بے نظیر تبحر اور کمال علمی کے ساتھ یہ امر حیرت انگیز تھا کہ جب تک کوئی

شخص خود مسئلہ دریافت نہ کرے، اپنی طرف سے کبھی سبقت نہ فرماتے، البتہ جواب کے وقت وہ خاموش سمندر موجیں مارنے لگتا تھا۔ تقریباً یہی حال ہم لوگوں نے بزمانہ قیام مصر ۳۸ھ علامہ کوثریؒ کا بھی دیکھا ہے، علامہ شفقطنی استاذ حدیث جامع ازہر کے یہاں بہت دفعہ ہم لوگ جمع ہوئے، دوسرے ممتاز علماء مصر بھی ہوتے اور علامہ کوثریؒ بھی، علمی بحثیں چھڑ جاتیں، علامہ کوثریؒ خاموش بیٹھے سنا کرتے، پھر جب آپ کو بولنا پڑا تو سب خاموش دم بخود ہو کر علامہ کوثریؒ کے ارشادات سنتے تھے اور نہایت قیمتی علمی نوادر بیان فرماتے ہوئے علامہ پوری مجلس پر چھا جاتے تھے، ہمارے حضرت شاہ صاحب میں یہ بات مزید تھی کہ حضرت نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کی طرح اپنے کو چھپانے کی انتہاء سے زیادہ کوشش فرما گئے کہ چند تصانیف بھی شدید ضرورتوں سے مجبور ہو کر کیس، ورنہ ان تینوں حضرات کی کئی کئی سو کتابیں ہوتیں۔

حضرت شاہ صاحب کا طرز تالیف

غالباً حضرت نے اپنی دلی رغبت و خواہش سے بجز عقیدۃ الاسلام، کفار الملحدین و ضرب الخاتم کے کبھی تصنیف کا ارادہ نہیں فرمایا، ان کتابوں میں فتنہ قادیانیت و الحاد سے متاثر ہو کر کچھ رجحان تالیف کا ضرور ہوا تھا، مسائل خلافیہ میں جو کچھ لکھا وہ بھی ہندوستان کے بے انصاف غیر مقلدوں کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر لکھا۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت شاہ صاحب کو ۲۷ھ میں روک کر قیام پر آمادہ کرنے کی بھی ایک بڑی غرض بقول حضرت مہتمم صاحب دام ظلہم کے یہ تھی کہ آپ سے ترمذی و بخاری کی شروع لکھوائی جائیں مگر حضرت کا مزاج ایسی نمایاں خدمات کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا تھا نہ ہوا، عادت مبارکہ یہ تھی کہ حاصل مطالعہ سے یادداشتیں لکھا کرتے تھے اور پورے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ فرما کر ان کے گراں قدر نوادر اپنی یادداشتوں میں قلم بند کر گئے تین بکس یادداشتوں سے بھر گئے تھے جو اگر آج موجود ہوتیں تو ان ہی سے آپ کے لائق تلامذہ سینکڑوں کتابیں مرتب کر دیتے، مگر قدرت کو صرف یہی منظور تھا کہ حضرت شاہ صاحب اپنا ذوق مطالعہ پورا فرمائیں، یادداشتوں کے گڈے لگا کر بکس بھر جائیں اور ہم محرومان قسمت کے ہاتھ کچھ بھی نہ آئے، الا ماشاء اللہ۔

بظاہر حضرت شاہ صاحب کے معتنم وجود سے ناشکری کا جو برتاؤ ۳۶ھ میں حالات کی نامساعدت سے پیش آیا، اس کی سزا پوری امت کو ملی، حضرت امام اعظمؒ کے وقت سے اب تک کے جو علمی حدیثی خزینے پوشیدہ چلے آ رہے تھے اور حضرت شاہ صاحب نے ۳۰، ۳۰ سال کی شب و روز کی سعی سے جو ان سب کو اپنی یادداشتوں کے ذریعے منظر عام پر لانے کا سامان کیا تھا وہ ہماری ہی کسی کی وجہ سے بروئے کار نہ آ سکا، حضرت امام اعظمؒ کے حالات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ کے پاس ذخیرہ حدیث کے بہت سے صندوق تھے اور ایک گھر بھی حدیث کی کتابوں سے بھرا ہوا تھا مگر صرف بقدر ضرورت احکام کی احادیث نکالتے اور روایت فرماتے تھے، ان بیش بہا خزانوں کو ہر دور کے علماء احناف نے باہر لانے کی سعی کی اور حضرت شاہ صاحب میں اگر انتہائی خمبول پسندی کا جذبہ نہ ہوتا تو اس مہم کی کامیابی تقریباً یقینی تھی مگر لاراد القضا، اللہ۔

یہاں مجھے کہنا تو صرف یہ تھا کہ حضرت کا تالیفی طرز بھی نہایت ایجاز و اختصار کا تھا جس سے پورا فائدہ صرف اونچے درجہ کے ذوق مطالعہ رکھنے والے اہل علم حاصل کر سکتے تھے، بطور مثال کشف الستر عن الصلوۃ الوتر کو لیجئے، حضرت علامہ عثمانی (جن کا مطالعہ کتب حدیث ڈابھیل جا کر بہت زیادہ بڑھ گیا تھا) فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب کی کتاب کشف الستر کی قدر اس وقت ہوئی کہ اس مسئلہ پر جتنا ذخیرہ حدیث مل سکا، سب ہی کا مطالعہ کر چکا، پھر رسالہ مذکورہ کو اول سے آخر تک بار بار پڑھا، یہ بھی یاد پڑتا کہ ۷۱ بار کی تعداد بتلائی تھی، تب اندازہ ہوا کہ حضرت نے کن کن حدیثی مشکلات کو حل فرما دیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب اور تفردات اکابر

حضرت مہتمم صاحب دام ظلہم نے اپنے مضمون حیات انور میں تحریر فرمایا کہ بعض مواقع پر حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ کے تفردات کا

ذکر آتا تو پہلے ان کے علم و فضل اور تفقہ و تبحر کو سراہتے، ان کی عظمت و شان بیان فرماتے، پھر ان کے کلام پر بحث و نظر سے مستفید فرماتے جس میں عجیب متضاد کیفیات جمع ہوتی تھیں، ایک طرف ادب و عظمت، دوسری طرف رد و قدح، لیکن بے ادبی بے جا جسارت کے ادنیٰ سے ادنیٰ شاہ سے بھی بچتے تھے اور راج و صواب کے کتمان سے بھی دور ہتے تھے، ایک بار غالباً استواء علی العرش کے مسئلہ پر کلام فرما رہے تھے، حافظ ابن تیمیہ اور ان کے مسلک و دلائل کا تذکرہ آیا، پھر فرمایا کہ حافظ ابن تیمیہ جہاں علوم میں سے ہیں، ان کی وقعت شان اور جلالت قدر کا یہ عالم ہے کہ اگر میں ان کی عظمت کو سراٹھا کر دیکھنے لگوں تو ٹوپی پیچھے گر جائے گی اور پھر بھی نہ دیکھ سکوں گا، لیکن با ایں ہمہ مسئلہ استواء العرش میں اگر وہ یہاں آنے کا ارادہ کریں گے تو درس گاہ میں نہیں گھسنے دوں گا، اس قسم کی مثالیں انوار الباری میں بہت سی آئیں گی، ان شاء اللہ۔

ملکی سیاست میں حضرت شاہ صاحب کا مقام

ملکی سیاست میں حضرت شاہ صاحب اپنے استاد محترم شیخ الہند کے مسلک کے پیرو اور برطانوی حکومت کے سخت ترین مخالف تھے، جمعیت علماء ہند کی مجلس عالمہ کے رکن اعلیٰ رہے اور ہمیشہ اپنے گرانقدر مشوروں سے جمعیت کی رہنمائی فرمائی ۱۹۰۶ھ میں جمعیت علماء ہند کے آٹھویں سالانہ اجلاس پشاور کے صدر کی حیثیت سے نہایت بصیرت افروز خطبہ دیا تھا جس میں بہت اہم مذہبی و سیاسی مسائل کے محققانہ فیصلے فرمائے تھے، آپ مسلمانان ہند میں صحیح اسلامی زندگی اور دینی، علمی و سیاسی احساس و شعور پیدا کرنا علماء کا اولین فریضہ سمجھتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ

صرف دارالعلوم دیوبند کے بیس سالہ قیام میں حسب اندازہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علماء ہند تقریباً دو ہزار طلبہ نے بلا واسطہ آپ سے استفادہ کیا ہے، ان میں سے بہت کم لوگوں کے حالات وہ بھی ناقص ہمارے علم میں ہیں جن کا ذکر کیا جاتا ہے، ان کے علاوہ سینکڑوں اہم شخصیات رہ گئی ہوں گی۔

یہاں ذکر کی ترتیب میں تقدم و تاخر ترتیب ملحوظ نہیں ہے، نہ اس کی رعایت مجھ ایسے کم علم سے ممکن تھی، دوسرے یہ بھی ہوا کہ کچھ ناموں کے بعد جیسے جیسے نام اور حالات ملتے گئے، کاتب کو کتابت کے لئے دے دیئے گئے، اسی طرح بیان حالات کے نقائص پر غفور و درگذر کی درخواست ہے حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ اگر اپنے حالات خصوصاً حدیثی خدمات و تالیفات سے مطلع فرمائیں گے تو ان کا تذکرہ آئندہ ملحق کر دیا جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۱) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب، رائے پوری دامت فیوضہم، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کے اجلاء خلفاء میں سے ہیں، ترمذی شریف وغیرہ آپ نے حضرت شاہ صاحب سے مدرسہ امینیہ دہلی میں پڑھی ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے حضرت شاہ صاحب کے حدیثی تبحر سے استفادہ کے سلسلہ میں یہ بس ہے کہ خود فرمایا، اگر حضرت شاہ صاحب کی رہنمائی نہ ہوتی تو میں غیر مقلد ہو جاتا، آپ کی ذات مجمع الکلمات منبع البرکات ہے اور آپ کے ظاہری و باطنی کمالات سے ہندو پاک کے ہزاراں ہزار علماء و عوام نے استفادہ کیا ہے اور کر رہے ہیں۔

ہنوز آں ابر رحمت در فشان ست خم و خم خانہ با مہر نشان ست

والحمد للہ علی ذلک۔

(۲) مولانا فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، آپ نے ۱۹۲۶ھ و ۱۹۲۷ھ (۲ سال) میں دورہ حدیث کی کتابیں مع دیگر کتب پڑھی تھیں، ان میں سے ترمذی و بخاری شریف حضرت شیخ الہند سے اور ابوداؤد شریف، موطا امام مالک، ہدایہ اخیرین وغیرہ حضرت شاہ صاحب سے پڑھیں اور آپ تا وقت وفات استفادہ فرماتے رہے، مراد آباد سے تشریف لا کر کئی کئی روز دیوبند قیام فرماتے، آپ سے

درس وغیر درس کے اوقات میں فیض اٹھاتے اور ذریعہ مکاتیب بھی علمی سوالات بھیج کر جوابات منگواتے تھے۔
 غرض علوم انوری کا بہت بڑا حصہ آپ کے سینہ میں منتقل ہوا، چنانچہ درس بخاری کے وقت حضرت شیخ الہند کے ارشادات مبارکہ کے ساتھ حضرت شیخ صاحب کی تحقیقات عالیہ بھی خاص اہتمام سے بیان فرماتے ہیں، آپ کی تصانیف یہ ہیں:
 القول الفصیح فیما يتعلق بفتح ابواب الصحیح، القول الفصیح فیما يتعلق بما قصد تراجم الصحیح، اسماء صحابہ (مروی عنہم) شہداء بدر واحد، (یہ دونوں رسالے منظوم ہیں) حاشیہ نسائی شریف (ناکمل) حافظ عبدالعزیز مراد آبادی اہل حدیث کی افترا پرداز یوں کے جواب میں بھی مدلل رسالہ لکھا تھا اور دہلی بدعت میں بھی قلم اٹھایا، آپ کی عمر اس وقت ۷۴ سال ہے۔

(۳) مولانا محمد عبدالرحمن صاحب کامل پوری سابق مدرس مظاہر العلوم سہارنپور و مدرسہ عالیہ اکوڑہ خٹک حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ ارشد اور حضرت تھانوی کے خلیفہ مجاز، علامہ محقق، فاضل اجل اور کامل شیخ طریقت ہیں۔

(۴) مولانا اعزاز علی صاحب استاذ حدیث فقہ و ادب دارالعلوم دیوبند، آپ کے مناقب و کمالات درس و تربیت کے اعلیٰ معیار اور فضائل و مدائح سے علمی دنیا خوب واقف ہے، حضرت شیخ الہند کے خاص تلامذہ میں سے تھے، حضرت شاہ صاحب کے زمانہ قیام و درس دارالعلوم میں سب ہی اساتذہ آپ سے علمی استفادات اور مشکلات میں رجوع کرتے تھے، مگر مولانا موصوف کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ آپ کو حضرت شاہ صاحب کی طرف سے دن رات کے تمام اوقات میں بلا استثناء حاضر ہو کر استفادہ کی اجازت حاصل تھی اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہ پورے انشراح قلب سے آپ کو افادہ فرماتے تھے۔

تکوینی طور پر شاید اس ترجیح و امتیاز سے یہ منفعت عظیمہ مقدر تھی کہ جب حضرت شاہ صاحب نے ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم سے قطع تعلق فرمایا اور اکثر خصوصی تلامذہ و متعلقین (اساتذہ دارالعلوم) بھی دیوبند سے چلے گئے اور کچھ عرصہ بعد حضرت الاستاذ العلام مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم نے بھی اپنی مادر علمی سے جدائی گوارا فرمائی تو دارالعلوم میں علوم انوری کا سب سے بڑا نمونہ اور مشتمل حضرت مولانا اعزاز علی صاحب ہی کی ذات تھی جس کا فیض دارالعلوم میں آپ کے وقت وفات ۱۳۷۴ھ تک برابر جاری رہا آپ کی تصانیف نافعہ میں سے حاشیہ شرح نقایہ حاشیہ دیوان متنبی وغیرہ مشہور ہیں، والعلم عند اللہ۔

(۵) مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی سابق استاذ تفسیر، حدیث و فقہ دارالعلوم دیوبند، حال شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، آپ نے بھی کمال ذوق طلب سے حضرت شاہ صاحب کے علوم و کمالات کو بطور جذب مقناطیسی حاصل کر کے اپنے دل و دماغ کی گہرائیوں کو منور فرمایا ہے نہایت جلیل القدر محدث، مفسر، فقیہ ادیب و متکلم، صاحب تصانیف شہیرہ، واسع الاطلاع، کثیر المطالع، نقی و نقی، صاحب المکارم و الحماد ہیں، حضرت شاہ صاحب سے بیعت سلوک کا شرف و امتیاز بھی آپ کو حاصل ہے، آپ کی تصانیف میں التعلیق الفصیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (۴ جلد ضخیم مطبوعہ دمشق) نہایت مقبول محدثانہ تصنیف ہے۔

آپ کی چند غیر مطبوعہ تالیفات قیہ یہ ہیں: مقدمۃ البخاری، مقدمۃ الحدیث، تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری، جلاء العینین فی رفع الیدین، الدین القیم فی الرد علی ابن القیم، تقلید و اجتهاد، نشر الدرر فی تحقیق مسئلۃ القضاء و القدر، اولویۃ الخفاء بالتائین، رکعات التراتح۔

(۶) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی سابق مفتی و استاذ دارالعلوم دیوبند حال شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی و مفتی اعظم پاکستان، حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ خاص، آپ کے فیوض و کمالات سے سالہا سال استفادہ فرمایا، واسع الاطلاع، کثیر المطالع، کثیر التصانیف، محقق مدقق و فاضل تبحر ہیں، مذکورہ بالا تینوں حضرات سے راقم الحروف کو زمانہ تحصیل دارالعلوم میں شرف تلمذ حاصل ہوا ہے۔

(۷) مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی (فاضل دیوبند) آپ نے تقریباً بیس سال تک دارالعلوم منو، مظہر العلوم بنارس، مفتاح العلوم

مؤاوردارالعلوم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ میں دورہ حدیث پڑھایا ہے، بڑے محدث، عالم فن رجال حدیث، محقق مصنف ہیں، آپ کی بہت سی تصانیف شائع شدہ ہیں، مثلاً نصرت الحدیث (رد منکرین حدیث میں) تحقیق اہل حدیث، الاعلام المرفوعہ، الازہار المرفوعہ (یہ دونوں یک جائی تین طلاق دینے کی بحث میں ہیں) ارشاد الثقلین وغیرہ (رد شیعہ و اہل بدعت میں) شیخ احمد محمد شاہ مصری کی تعلیقات کے ساتھ جدید الترتیب مسند احمد مصر سے چھپی ہے، تعلیقات مذکورہ پر آپ نے مواخذات کئے ہیں جن کو شیخ موصوف نے آپ کے شکر یہ واستحسان کے ساتھ پندرہویں جلد کے آخر میں طبع کر دیا ہے، آپ کی تعلیقات کے ساتھ مسند جمیدی، مجلس علمی کراچی کی طرف سے حیدرآباد دکن میں زیر طبع ہے، ان کے علاوہ آپ کی غیر مطبوعہ تصنیف الحدادی لرجال الطحاوی نہایت اہم ہے جس کی طباعت و اشاعت بہت اہم علمی و دینی خدمت ہے۔ واللہ الموفق۔

(۸) مولانا مفتی محمود احمد صاحب نانوتوی، مفتی مدھیہ بھارت، مہو کینٹ، حدیث و فقہ اور دوسرے علوم کے جید عالم کثیر المطالعہ، واسع المعلومات محقق فاضل ہیں۔

(۹) مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری مرحوم، دورہ حدیث حضرت شیخ الہند سے پڑھا، مگر ابتداء تحصیل سے ہی حضرت شاہ صاحب سے ربط خاص اور تعلق تلمذ و استفادہ رہا، بہت واسع الاطلاع، جید عالم، قبیح سنت تھے، آپ ہی کی وجہ سے حضرت شاہ صاحب کی بجنوری زیادہ آمد و رفت اور قیام ہوا، سب سے پہلے جب آپ مولانا موصوف کے ساتھ بجنور گئے تو نو عمر سبزہ آغاز تھے، حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب (تلمیذ خاص حضرت نانوتوی) سے ان کے ایک مصاحب خاص نے ذکر کیا کہ مولوی مشیت اللہ صاحب اپنے ساتھ ایک لڑکا بھی لائے ہیں، شب کو حکیم صاحب کے ساتھ کھانے پر سب کا اجتماع ہوا اور حکیم صاحب نے شاہ صاحب سے علمی گفتگو شروع کی جو مسلسل کئی گھنٹے جاری رہی، حکیم صاحب جو خود نہایت تبحر عالم تھے حیران رہ گئے اور صبح کو ان صاحب سے کہا کہ تم تو کہتے تھے کہ ایک لڑکا آیا ہے وہ تو بڑوں کے کان کترتا ہے اور بڑا جید عالم ہے۔

مولانا مشیت اللہ صاحب نے ایک دفعہ راقم الحروف سے فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب سے میں نے معقول و فلسفہ کی چند کتابیں بھی پڑھی ہیں ان کا طریقہ یہ تھا کہ کتابی عبارتوں کے درپے نہ ہوتے تھے، بلکہ فن کی مہمات نہایت سہل طریقہ سے سمجھا دیتے تھے، جس کے بعد اس فن کی ہر مشکل سے مشکل کتاب آسان ہو جاتی تھی۔

(۱۰) مولانا قاری محمد طیب صاحب مدیر اعلیٰ دارالعلوم دیوبند، حضرت شاہ صاحب کے علوم و کمالات سے غیر معمولی استفادہ فرمایا ہے، نہایت بیدار مغز، محقق مدقق، جامع معقول و منقول کثیر التصانیف ہیں، آپ کی تقریر و تحریر میں حضرت نانوتوی اور علامہ عثمانی کا گہرا رنگ نمایا ہے، باوجود گونا گونا مشغولیتوں کے مشکوٰۃ شریف، حجۃ البالغہ وغیرہ کا درس دارالعلوم میں تحقیقی شان سے دیتے ہیں۔

(۱۱) مولانا سلطان محمود صاحب، سابق صدر مدرس و شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی، حضرت شاہ صاحب کے مخصوص تلامذہ میں سے بڑے محقق، محدث، مفسر اور جامع معقول و منقول ہیں۔

(۱۲) مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی، سابق استاذ دارالعلوم دیوبند و استاذ حدیث جامع ڈابھیل حضرت شاہ صاحب کے اجلہ تلامذہ میں سے نہایت ذکی، فاضل، محدث، خوش بیان مناظر و مبلغ اسلام، شیخ طریقت (سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ) نہایت کریم النفس، صاحب اخلاق فاضلہ ہیں، فیض الباری شرح بخاری شریف (امالی درس حضرت شاہ صاحب پر چار جلد ضخیم) کی جمع و ترتیب اور اس کی محققانہ تعلیقات آپ کی علمی زندگی کا اعلیٰ شاہکار ہے، یہ کتاب عربی زبان میں مصر سے شائع ہوئی ہے، اس کے بعد ترجمان السنہ تالیف فرمائی جس میں احادیث مبارکہ کی نہایت محققانہ شرح اردو زبان میں کی، اس کی تین ضخیم جلدوں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہو چکی ہیں، باقی حصے زیر تالیف ہیں، ان کے علاوہ آپ کی دوسری بھی متعدد علمی تحقیقی تصانیف ہیں۔

(۱۳) مولانا عبداللہ شاہ صاحب لدھیانوی نقشبندی مجددی، خلیفہ حضرت مولانا احمد خان صاحب کنڈیاں (میانوالی) حضرت شاہ

صاحب کے تلمیذ خاص اور مشہور و معروف شیخ طریقت تھے، تقریباً دو سال قبل آپ کی وفات ہوئی اور آپ خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں کے مند نشین، آپ کے خلیفہ و جانشین حضرت مولانا خان محمد صاحب دامت فیوضہم ہیں، ان دونوں بزرگوں سے بیعت کا شرف راقم الحروف کو بھی حاصل ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

(۱۴) مولانا محمد انوری صاحب مہتمم مدرسہ تعلیم الاسلام لائل پوری، حضرت شیخ الہند کے صحبت یافتہ حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ ارشد، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دامت برکاتہم کے فیوض و کمالات روحانی سے مستفید و مستیز اور نہایت محقق بقبح عالم ہیں، آپ کی بعض تصانیف قیمہ یہ ہیں، السنن والآثار (مجموعۃ احادیث) و آثار مؤیدہ احناف ۳ جلد ضخیم (اربعین من احادیث النبی الامین، سیرۃ النبی ﷺ ۳۰۰ صفحات، سیرۃ انور شاہ ۳۰۰ صفحات آپ نے متعدد مدارس تعلیم و تربیت بنات کے لئے قائم کئے جن سے سینکڑوں لڑکیاں دینی تعلیم سے مکمل ہو کر فارغ ہوئیں جو نہایت اہم اور خاص دینی و علمی کارنامہ ہے، بارک اللہ فی اعمال الخالدہ و نفع الامۃ بعلومہ النافعہ۔

(۱۵) مولانا ابو احمد عبداللہ صاحب لدھیانوی، آپ نے بھی حضرت شاہ صاحب کے علوم و کمالات سے ساہا سال استفادہ کیا ہے، جلیل القدر عالم ہیں، عرصہ سے گوجرانوالہ کے ایک مدرسہ عربیہ میں درس و افادہ کا محبوب مشغلہ ہے۔

(۱۶) مولانا محمد چراغ صاحب گوجرانوالہ، حضرت شاہ صاحب کے ممتاز تلمیذ اور امالی درس ترمذی شریف کے سب سے پہلے مؤلف و مرتب ہیں، آپ کی ”العرف الشذی“ سے علماء و اساتذہ و طلبہ کو عظیم الشان نفع پہنچا، پوری کتاب علمی نو اور دو جواہر پاروں کا بیش بہا خزینہ ہے، جو مطبعتی اغلاط وغیرہ کے گرد و غبار سے مستور ہے، حق تعالیٰ مولانا موصوف کو اس احسان عمیم کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

(۱۷) مولانا عبدالواحد صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ، حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ خاص مولانا عبدالعزیز صاحب مؤلف نیراس الساری و تعلیقات نصب الراہیہ کے عزیز قریب، محقق عالم ہیں۔

(۱۸) مولانا سید میرک شاہ صاحب کشمیری سابق استاذ دارالعلوم دیوبند و تبلیغ کالج کرنال و پروفیسر اور ٹیل کالج لاہور حال شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور، جلیل القدر محدث، مفسر، محقق بقبح اور عربی زبان کے بلند پایہ ادیب ہیں۔

(۱۹) مولانا قاضی شمس الدین صاحب سابق استاذ دارالعلوم دیوبند، حال صدر مدرس مدرسہ عربیہ جامع مسجد گوجرانوالہ، حضرت شاہ صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے نہایت عالی قدر محقق، فاضل و محدث، جامع معقول و منقول صاحب تصانیف ہیں، آپ کی چند تصانیف یہ ہیں: الہام الباری فی حل مشکلات البخاری (عربی) کشف الودود علی سنن ابی داؤد (عربی) تیسیر القرآن بتبصیر الرحمن (مکمل ۴ جلد بزبان اردو) وغیرہ۔

(۲۰) مفتی محمد حسن صاحب امرتسری (خلیفہ حضرت تھانوی) مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، مشہور و معروف عالم مقتدا و بزرگ تھے۔

(۲۱) مولانا محمد وصی اللہ صاحب اعظمی (خلیفہ حضرت تھانوی) مشہور و معروف شیخ طریقت و شریعت ہیں۔

(۲۲) مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی، ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند، سابق استاذ دارالعلوم دیوبند جامعہ ڈابھیل و مدرسہ عربیہ امر وہہ وغیرہ، ایک عرصہ تک درس و تصنیف میں مشغول رہے، اونچے درجہ کی کتابیں نہایت تحقیق سے پڑھائیں، حضرت شاہ صاحب سے خصوصی استفادات بھی کئے ہیں جن کو کتابی شکل میں تالیف دینے کا ارادہ ہے۔ واللہ الموفق۔

آپ کی ملکی ملی سیاسی شاندار خدمات آب زر سے لکھے جانے کی مستحق ہیں مکارم اخلاق، خدمت خلق اور جرأت حق گوئی ہیں نمونہ سلف ہیں مشہور و مقبول تصانیف یہ ہیں: قصص القرآن (۴ جلد ضخیم) سیرۃ رسول کریم ﷺ، اسلام کا اقتصادی نظام، حفظ الرحمن المذہب النعمان وغیرہ۔

(۲۳) مولانا مفتی محمد عتیق الرحمن صاحب، عثمانی ناظم اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی سابق استاذ دارالعلوم دیوبند و جامعہ ڈابھیل، مدت تک درس و افتاء کی خدمات اعلیٰ پیمانہ پر انجام دیں، پھر کلکتہ میں تفسیر قرآن مجید کا درس دیتے رہے، اس کے بعد مذکورہ بالا تصنیفی ادارہ قائم کیا، جس

سے نہایت گرانقدر علمی تحقیقی تالیفات شائع ہوئیں، آپ کی علمی بصیرت، وسعت معلومات، جماعتی کاموں میں جمعیۃ علماء ہند وغیرہ کی رہنمائی و اعانت، مکارم اخلاق مدح و تعارف سے مستغنی ہیں۔

(۲۴) مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی، نظام جمعیۃ علماء ہند سابق استاذ مدرسہ شاہی مراد آباد، حضرت شاہ صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے بڑے محقق عالم صاحب کمالات ظاہری و باطنی ہیں، علماء ہند کی شاندار ماضی (جلد ۵) علماء حق، دینی تعلیم کے رسائل وغیرہ، نہایت مفید علمی، مذہبی، تاریخی تصانیف کیں۔

(۲۵) مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب بی ایس سی، ایم بی بی ایس ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ (مرحوم) آپ مولانا سید عبداللہ صاحب بریلوی صاحب نزہۃ الخواطر کے صاحبزادے اور مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب کے بھائی ہیں ۱۳۲۹ھ میں دورہ حدیث دیوبند میں پڑھا، حضرت شیخ الہند اور حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ رشید ہیں، خود ایک مکتوب مورخہ ۱۶ دسمبر ۵۹ء میں معتمد انوریہ لاہریری دیوبند کو تحریری فرمایا کہ ”حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب سے ابوداؤد پوری اور مسلم کا بڑا حصہ پڑھا تھا، ابوداؤد کے درس میں حضرت جو تفریر فرماتے تھے ان میں سے اہم تقریروں کو میں قلمبند کرتا تھا اور حضرت کی خدمت میں پیش کرتا تھا، حضرت عموماً اس کی تصویب فرماتے تھے، اور اظہار خوشنودی فرماتے تھے، اور کہیں کہیں اصلاح فرمادیا کرتے تھے۔“

مسلم شریف کے درس کی بعض تقریروں کو بھی قلمبند کیا، حضرت کی تقریروں میں بعض ایسے مضامین ہوتے تھے، جو حضرت سے پیشتر کسی نے وہ مضامین بیان نہیں کئے اور افسوس ہے کہ بخاری کی شرح جو حضرت کے نام سے طبع ہوئی ہے اس میں بھی وہ مضامین نہیں ہیں، حضرت کی تقریروں اور شیخ الہند کی بخاری و ترمذی کی تقریروں کا مجموعہ میرے پاس تھا، خواجہ عبداللہ صاحب جو میرے ہم درس تھے، انہوں نے اس کی نقل بھی لی تھی اور خلیل بن محمد الیمانی نے بھی اس کی نقل کی تھی اس کے بعد کوئی صاحب یہ مجموعہ لے گئے اور وہ غائب ہو گیا۔“ عبدالعلی

نظر ناظرین ان اہم نقاط پر پہنچ گئی ہوگی جن کے باعث راقم الحروف نے مکتوب مذکور کو نقل کیا ہے، غالباً ۱۳۱۴ھ میں مولانا موصوف کے والد محترم مولانا سید عبداللہ صاحب نے علماء و مشائخ وقت کی زیارت اور علم حدیث کے خصوصی ریسرچ کے لئے دورہ فرمایا تھا جس کے مفصل حالات آپ نے ”دہلی اور اس کے اطراف“ میں بطور روزنامہ قلمبند فرمائے تھے، یہ نہایت قیمتی دستاویز حضرت مخدوم و محترم مولانا ابوالحسن علی صاحب ناظم ندوہ کے پاس محفوظ تھی کہ حضرت سید ملت فخر امت مولانا سید سلیمان ندوی کے مطالعہ میں آئی اور آپ نے اس کو نہایت پسند فرما کر معارف میں شائع کر دیا اور اب مولانا علی میاں صاحب دام فیضہم نے اس کو مستقل طور سے شائع کر دیا ہے، پوری کتاب نہایت دلچسپ اور قیمتی معلومات سے پر ہے، چند ہی روز پیشتر محترم مولانا محمد مرتضیٰ ناظم کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے توسط سے مجھے ملی تو ایک رات کا اکثر حصہ اس کے مطالعہ میں صرف کرنا پڑا اور بغیر ختم کئے رکھنے کو جی نہ چاہا۔

یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ مولانا موصوف دیوبند ایسے وقت پہنچے تھے کہ سالانہ امتحان کا زمانہ تھا، درس حدیث کا نمونہ نہ دیکھ سکے تھے، یوں حضرت شیخ الہند وغیرہ اکابر سے ملاقاتیں ہوئیں، حضرت گنگوہی کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے، سب جگہ کے تاثرات لکھے ہیں، دہلی جا کر کافی دن رہے اور خصوصیت سے مولانا نذیر حسین صاحب کے درس حدیث میں شریک ہوئے، خاص تاثر یہ ہے کہ میاں صاحب موصوف کے درس حدیث میں کوئی تحقیقی شان نہ تھی اس کے مقابلہ میں ۱۳، ۱۵ سال کے بعد مولانا مرحوم کے صاحبزادے دیوبند کے درس حدیث کی شان بتلاتے ہیں جو اس خط کے چند ہی جملوں سے نمایاں ہے، دیوبند اور دوسری جگہوں کے درس حدیث کے امتیازات پر مستقل طور سے کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔

بات لمبی ہو رہی ہے دوسری اہم بات وہ نقص ہے جو حضرت شاہ صاحب کی مطبوعہ درسی تقاریر میں ہے کہ پیشتر نوادر علمیہ قلمبند ہونے

سے رہ گئے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر تقریر ضبط کرنے والوں نے درس ہی کے وقت حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات کو عربی زبان میں قلمبند کیا حالانکہ حضرت اردو میں تقریر فرماتے تھے اور فکر تعریب نے بہت سے افکار عالیہ کو نظر انداز کر دیا نیز اس ذہنی انتشار کے باعث حوالوں میں بھی گڑبڑ ہو گئی ورنہ حضرت کے یہاں کسی شخص یا کسی کتاب کی طرف نسبت کا غلط ہونا تقریباً ناممکن تھا۔

راقم الحروف نے حضرت کے آخری دو سال کے درس بخاری شریف کے دراسات اردو ہی میں قلمبند کئے تھے اور حضرت کی خاص تحقیقات کو ضبط تحریر میں لانے کی کوشش بھی زیادہ کی تھی یہ اتفاقی طور سے توفیق الہی تھی ورنہ اس وقت ”انوار الباری“ جیسے کام کے لئے نہ کوئی ارادہ تھا نہ اس کی ضرورت محسوس تھی۔

(۲۶) مولانا طفیل احمد صاحب قادری مجددی، بانی درالتصنیف کراچی و سرپرست انگریزی اخبار ”یقین“ کراچی ان دونوں ذرائع سے پاک و دیگر ممالک یورپ و امریکہ وغیرہ کے لئے اعلیٰ پیمانہ پر علمی دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، بہت بڑے صاحب حال و قال بزرگ ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ سے انتہائی تعلق و عقیدت رہی ہے اور دوران تعلیم میں خصوصی استفادات کئے ہیں۔

(۲۷) مولانا مفتی اسماعیل محمود بسم اللہ صاحب ڈابھیلی، مفتی و مہتمم جامعہ ڈابھیل جید عالم تھے، سالہا سال جامعہ ڈابھیل میں افتاء کی خدمات انجام دیں، حضرت مولانا احمد بزرگ سملکی مرحوم کے بعد جامعہ ڈابھیل کا اہتمام بھی سنبھالا اور خوش اسلوبی سے چلایا، آپ کی وفات کے بعد جامعہ کا اہتمام کمزور ہاتھوں میں رہا، اب خدا کا شکر ہے چند سال سے محترم مولانا محمد سعید صاحب فاضل دیوبند خلف مولانا احمد بزرگ و رکن شوری دارالعلوم دیوبند نے زمام اہتمام سنبھال کر جامعہ کو پھر سے ترقی کے راستے پر رواں کیا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحبؒ و مولانا عثمانی وغیرہ اکابر کی اس علمی یادگار کو ہمیشہ رو بہ ترقی رکھے، آمین۔

(۲۸) مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی، سابق شیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل و رکن اعلیٰ مجلس علمی ڈابھیل و کراچی، حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ ارشد و صحت یافتہ، آپ کے علوم و معارف کے بہترین وارث علم و عمل، کردار، مکارم اخلاق و فضائل متنوعہ میں فائق القرآن، اعلیٰ درجہ کے ادیب و مصنف، وسعت معلومات و کثرت مطالعہ میں نہایت ممتاز، اخلاص و دیانت کے پیکر مجسم ہیں۔

راقم الحروف کو سفر حرمین و مصر و ترکی وغیرہ میں آپ کی طویل رفاقت کا شرف حاصل رہا ہے، فقہ العنبر من ہدی الشیخ الانور، مبسوط مقدمہ مشکلات القرآن، بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ المحاریب وغیرہ گرانقدر تالیفات شائع ہو چکی ہیں، ایک مدت سے ترمذی شریف کی شرح لکھ رہے ہیں، جو حضرت شاہ صاحب و دیگر اکابر محدثین کی حدیثی تحقیقات عالیہ کا بے نظیر مجموعہ ہوگا اور مسلک حنفی کی حمایت میں حرف آخر ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۲۹) مولانا عبدالحق صاحب، نافع، سابق استاذ دارالعلوم دیوبند و جامعہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی، نہایت بلند پایہ محقق مدقق جامع معقول و منقول ہیں کثرت مطالعہ، وسعت معلومات، اصابت رائے وغیرہ میں ممتاز ہیں۔

(۳۰) مولانا سیف اللہ شاہ صاحب کشمیری، حضرت شاہ صاحب کے برادر حقیقی اور تلمیذ خاص ہیں، حضرت کے زمانہ قیام دیوبند میں بڑی محنت و شوق سے تحصیل کی، عرصہ تک درس و تعلیم کا شغل بھی رہا، مطالعہ کتب کے بہت دلدادہ ہیں۔

(۳۱) مولانا شمس الحق صاحب افغانی سابق استاذ دارالعلوم دیوبند و وزیر معارف ریاست قلات، بڑے محقق و تبحر عالم جامع معقول و منقول ہیں۔

(۳۲) مولانا محمد منظور صاحب نعمانی شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ، حضرت شاہ صاحب کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں نہایت ذکی ذہین، محقق مدقق عالم ربانی ہیں، آپ کی علمی، دینی تبلیغی خدمات محتاج تعارف نہیں، تصانیف میں سے ”معارف الحدیث“ اہم ترین علمی حدیثی خدمت ہے۔

(۳۳) مولانا حبیب الرحمن صاحب مکی خطیب جامع مسجد چانگام، آپ کے دادا صاحب مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے تھے وہیں آپ کے والد ماجد اور آپ کی ولادت ہوئی، دیوبند آ کر حضرت شاہ صاحب سے حدیث پڑھی، پھر لاہور رہے، حضرت شاہ صاحب اور ڈاکٹر اقبال

مرحوم کے درمیان افادی تعلق قائم ہونے کا ابتدائی سبب آپ ہی بنے تھے، بہت باکمال عالم بزرگ ہیں۔
 (۳۴) مولانا جلیل احمد صاحب، استاذ دارالعلوم دیوبند، آپ نے حضرت شاہ صاحب سے دورہ حدیث پڑھا اور حضرت شیخ الہند و حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کے تعلق خاص، نیز اپنے ذاتی فضل و کمال و علمی تبحر کے باعث بہت ممتاز ہیں۔
 (۳۵) مولانا سید اختر حسین صاحب استاذ دارالعلوم، آپ حضرت شیخ دارالعلوم مولانا سید اصغر حسین صاحب کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ خاص اور دارالعلوم کے بڑے اساتذہ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔
 (۳۶) مولانا اسحاق صاحب اعظمی استاذ دارالعلوم، سابق استاذ حدیث جامعہ ڈابھیل و مدرسہ عربیہ آئند، فاضل محقق جامع معقول و منقول ہیں۔

(۳۷) مولانا ظہور احمد صاحب دیوبندی استاذ دارالعلوم، درجہ علیا کے استاذ، محدث فاضل، جامع شخصیت رکھتے ہیں۔
 (۳۸) مولانا قاری اصغر علی صاحب سہنپوری، استاذ دارالعلوم، حضرت شیخ الاسلام کے معتمد خاص، درجہ ابتدائی و متوسط کی تعلیم کے بڑے ماہر و حاذق صاحب مکارم و اخلاق فاضلہ ہیں۔
 (۳۹) مولانا محمد یسین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور (اعظم گڑھ) جامع معقول و منقول محقق و تبحر عالم ہیں۔
 (۴۰) مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی، مشہور و معروف مذہبی سیاسی رہنما، عالم جلیل القدر ہیں۔
 (۴۱) مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی، مشہور و معروف مجلس احرار اسلام کے قائد اعظم، جہاد آزادی ہند کے بہادر جرنیل، ٹھوس علمی و مذہبی خدمات کے شیدائی، حضرت شاہ صاحب کے اتہائی پر خلوص تعلق رکھتے اور آپ کے علم و فضل پر سو جان سے قربان تھے
 (۴۲) مولانا ابوالوفاء صاحب، شاہجہان پوری، مشہور و معروف خطیب و مناظر، محقق و تبحر عالم ہیں۔
 (۴۳) مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہان پوری، مشہور مذہبی و سیاسی رہنما، حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں بطور خادم خاص رہنے کا بھی آپ کو شرف حاصل ہے۔

(۴۴) مولانا عبدالشکور صاحب دیوبندی، مہاجر مدنی، استاذ مدرسۃ العلوم الشرعیہ مدینہ منورہ زاد ہا اللہ شرفاً۔
 (۴۵) مولانا فیوض الرحمن صاحب دیوبندی پروفیسر اور ٹیبل کالج لاہور۔
 (۴۶) مولانا سید محمد ادریس صاحب سکھر ڈوی، حضرت شاہ صاحب کے جاں نثار خادم، تمام علوم و فنون میں دوست گاہ کامل رکھتے تھے، ساری عمر درس و تعلیم میں بسر کی، دارالعلوم دیوبند، جامعہ ڈابھیل اور مدرسہ حسین بخش دہلی میں پڑھایا۔
 (۴۷) مولانا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی مؤلف ”انوار الحمود“ (۲ جلد ضخیم) اس میں حضرت شیخ الہند اور حضرت شاہ صاحب کے گرانقدر درسی افادات کو بڑی محنت و کاوش سے حوالوں کی مراجعت کر کے جمع کیا، نہایت قابل قدر تالیف ہے، آپ نے عرصہ تک مدرسہ صدیقیہ دہلی میں بطور شیخ الحدیث درس دیا ہے۔

(۴۸) مولانا محمد مناظر احسن صاحب گیلانی، سابق صدر دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن، آپ کی علمی شہرت، تصنیفی مہارت اور مخصوص حیرت انگیز فضل و کمال و جامعیت سے آج کون ناواقف ہے، حضرت شاہ صاحب کے علوم و کمالات سے بطور خاص مستفید تھے۔
 (۴۹) مولانا محمد یحییٰ صاحب تھانوی سابق استاذ دارالعلوم دیوبند و جامعہ ڈابھیل، آج کل کراچی کے کسی کالج میں پروفیسر ہیں، بڑے فاضل محقق جامع معقول و منقول ہیں، درسی تقریر و تفسیر میں امتیازی شہرت کے مالک، حضرت علامہ عثمانی کے خادم خاص اور ان کے علوم و کمالات سے بھی مستفید تصانیف میں حضرت کے معاون و مددگار رہے ہیں۔

(۵۰) مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی (خلیفہ مجاز شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ) حضرت شاہ صاحب کے اخص تلامذہ میں سے ہیں، نہایت خوش بیان مقرر اور جید عالم ہیں، متعدد مدارس میں درس حدیث و قرآن بھی دیا ہے۔

(۵۱) مولانا عبدالقدیر صاحب حضرت شاہ صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے محقق و تبحر عالم، جامع معقول و منقول ہیں ایک عرصہ تک جامعہ ڈابھیل میں درس دیا، آج کل مدرسہ عربیہ فقیر والی (ریاست بہاولپور) کے شیخ الحدیث ہیں۔

(۵۲) مولانا عبدالعزیز صاحب کامل پوری آپ نے بھی جامعہ ڈابھیل میں سالہا سال درس علوم دیا، جید عالم تھے۔

(۵۳) مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی ایم اے فاضل دیوبند سابق استاذ جامعہ ڈابھیل و پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ، حال صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، حضرت شاہ صاحب سے دیوبند ڈابھیل کے زمانہ میں خصوصی استفادات بھی کئے ہیں، واسع الاطلاع کثیر المطالعہ، محقق، مصنف ہیں، بہت سی مفید علمی تحقیقی کتابیں لکھیں جن میں سے ”سیرۃ صدیق اکبر“ نہایت اہم ہے۔

(۵۴) مولانا حمید الدین صاحب فیض آبادی سابق شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ و استاد حال شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ، حضرت شاہ صاحب سے ڈابھیل جا کر حدیث پڑھی، محقق و تبحر عالم ہیں، کثرت مطالعہ، وسعت معلومات و دقت نظر میں ممتاز ہیں۔

(۵۵) مولانا عبداللہ خان صاحب کرتپوری شاہ صاحب کے زمانہ دیوبند کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، حدیث رجال کے بڑے عالم، کثیر المطالعہ، دقیق النظر ہیں، متعدد تحقیقی کتابوں کے مصنف ہیں، آج کل رسالہ برہان دہلی میں آپ کا ایک نہایت اہم تحقیقی مضمون ”نماز وقت خطبہ“ پر شائع ہو رہا ہے، جو کتابی صورت میں بھی شائع ہوگا، ان شاء اللہ، درسی و تصنیفی مشغلہ نہ ہونے پر بھی اس قدر احتضار و شان تحقیق، علوم انوری کی نمایاں برکات و کرامات سے ہے۔

(۵۶) مولانا غلام اللہ خان صاحب راولپنڈی، حضرت شاہ صاحب کے زمانہ ڈابھیل کے تلمیذ خاص، حضرت مولانا حسین علی صاحب کے مسترشد و خلیفہ ارشد ہیں (گویا رقم الحروف کے پیر بھائی) راولپنڈی میں بڑے پیمانہ پر درس قرآن و حدیث دیتے ہیں، توحید و سنت کے بہت بڑے علمبردار ہیں، ہر سال رمضان میں درس قرآن مجید کی شرکت کے لئے تین چار سو طلبہ جمع ہوتے ہیں۔

(۵۷) مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن صاحب علوی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی و ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، محقق عالم اور بلند پایہ ادیب و منصف ہیں۔

(۵۸) مولانا سید احمد صاحب سیتا پوری سابق صدر مدرس عربیہ معینیہ اجیر، حال صدر مدرس و شیخ الحدیث مدرسہ اشاعت العلوم بریلی، محقق مدقق، جامع معقول و منقول ہیں۔

(۵۹) مولانا محمد یوسف صاحب کشمیری، میر واعظ، حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ خاص اور خصوصی مستفید، سفر کشمیر کے وقت بیشتر اوقات حضرت کے ساتھ گزارتے تھے، ”تنویر المصابیح“ تصنیف فرمائی۔

(۶۰) مولانا غلام غوث صاحب سرحدی، حضرت شاہ صاحب کے زمانہ دیوبند کے تلامذہ میں سے امتیازی مستفید تھے۔

(۶۱) مولانا حامد الانصاری غازی سابق مدیر مہاجر دیوبند، مدینہ بجنور و جمہوریت بمبئی، حال ناظم جمعیتہ علماء صوبہ بمبئی واسع الاطلاع، کثیر المطالعہ، محقق، مورخ اور قومی و صحافتی زندگی کے مرد مجاہد و غازی۔

(۶۲) مولانا محمد بن موسیٰ میاں صاحب سملکی، حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ رشید، آپ کے علوم و معارف کے عاشق صادق اور ان کی نشر و اشاعت کے انتہائی گرویدہ و مشتاق مجلس علمی ڈابھیل ثم کراچی کے بانی و سرپرست، جس کی نشریات عالیہ آپ کے بلند پایہ علمی ذوق کی شاہد ہیں۔

درالعلوم دیوبند و جامعہ ڈابھیل کی ترقی و بہبود کے لئے ہمیشہ متوجہ رہے اور مالی سرپرستی کی، فریقہ میں اسلامی انسٹیٹیوٹ و اثر فال قائم کر کے عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم و تربیت کا اعلیٰ پیمانہ پر انتظام فرمایا، آپ کے آثار و مفاخر کا تفصیلی تذکرہ اس لئے نہیں کرتا کہ ”انا بالوشاة

اذاذ کرتک اشبہ تاتی الندی وتداع عنک فکمرہ کے مطابق آپ اس کو ناپسند کریں گے۔

(۶۳) مولانا اسماعیل یوسف صاحب گارڈی ڈا بھیلی، افریقہ کے بہت بڑے تاجر، حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ رشید و عقیدت مند، علمی دینی خدمات سے ہمیشہ دلچسپی رکھتے ہیں، دارالعلوم دیوبند، جامعہ ڈابھیل وغیرہ دینی اداروں کی مالی سرپرستی میں پیش پیش رہتے ہیں، بلند علمی مذاق ہے، قرآن مجید کے کچھ حصہ کی انگریزی زبان میں تفسیر بھی لکھ کر شائع کی ہے، اپنے دو صاحبزادوں کو عربی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم دیوبند بھیجا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں حضرات کے علاوہ افریقہ میں حضرت شاہ صاحب کے دوسرے چند قابل ذکر تلامذہ یہ ہیں۔

(۶۴) مولانا مفتی ابرہیم صاحب سنجالوجی (۶۵) مولانا محمد ایکھلویا ڈا بھیلی (۶۶) مولانا ڈی ای بیرا صاحب (۶۷) مولانا محمد اسماعیل نانا سملکی (ناظم جمعیتہ علماء ٹرانسول) (۶۸) مولانا محمد اسماعیل صاحب کاچھوی مرحوم (۶۹) مولانا موسیٰ بھام جی صاحب (۷۰) مولانا محمد صالح منکیر (۷۱) مولانا نعمانی ان سب حضرات نے افریقہ میں اہم دینی علمی خدمات انجام دی ہیں، ان کے بعد چند خصوصی تلامذہ ہندوپاک کے اسماء گرامی قلت گنجائش کے باعث بغیر ذکر حالت درج کئے جاتے ہیں۔

(۷۲) مولانا محمد نقی صاحب دیوبندی (۷۳) مولانا محمود الرحمن صاحب جالونی (۷۴) مولانا یعقوب الرحمن صاحب عثمانی دیوبندی (۷۵) مولانا محمد مسلم صاحب دیوبندی (۷۶) مولانا حکیم عبدالقادر صاحب (۷۷) مولانا مفتی عبدالرحمن صاحب سرہنجی قاضی محکمہ امور مذہبی بہاولپور (۷۸) مولانا اسرار الحق صاحب گنگوہی استاد جامعہ عباسیہ بہاولپور (۷۹) مولانا سید جمیل الدین صاحب میرٹھی استاد جامعہ عباسیہ بہاولپور (۸۰) مولانا حکیم اعظم علی صاحب بجنوری (۸۱) مولانا احمد اشرف صاحب مہتمم مدرسہ اشرفیہ راندیر (سورت) (۷۲) مولانا محمد آفاق صاحب سیکروی (۸۳) مولانا محبوب الہی صاحب منگلوری استاد دارالعلوم ٹنڈوالہار (۸۴) مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی استاد جامعہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی (۸۵) مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی پروفیسر دینیات جامعہ ملیہ دہلی (۸۶) مولانا محمد وحید صاحب عثمانی پانی پتی (۸۷) مولانا فصیح الدین صاحب بہاری (۸۸) مولانا محمود الحسن صاحب گیاوی (۸۹) مولانا عبدالرحمن صاحب ہزاروی (۹۰) مولانا شائق احمد صاحب عثمانی اڈیٹر عصر جدید کراچی (۹۱) مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی (۹۲) مولانا محمد یعقوب صاحب چانگام (۹۳) مولانا فیض اللہ صاحب چانگام (۹۴) مولانا عبدالوہاب چانگام (۹۵) مولانا محمد لیسین صاحب برما (۹۶) مولانا ریاست علی صاحب آسام (۹۷) مولانا تاج الاسلام صاحب کمرلا (۹۸) مولانا اظہر علی صاحب سلہٹ (۹۹) مولانا ریاست علی صاحب لکچر رائیجمن ہائر سکینڈری سکول جیل پور (۱۰۰) مولانا احسان اللہ خان صاحب تاجور (۱۰۱) مولانا عبدالرحمن صاحب شکری غازی پوری (۱۰۲) مولانا حکیم محمد اسماعیل صاحب دہلوی رکن شوری دارالعلوم دیوبند و صدر طبلی بورڈ نور گنج دہلی (۱۰۳) مولانا حکیم عبدالجلیل صاحب دہلوی پروفیسر جامعہ طبیہ قردلباغ دہلی (۱۰۴) مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم سنو (اعظم گڑھ) (۱۰۵) مولانا محمود احمد صاحب مدرس اول مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے (درہنگہ) (۱۰۶) مولانا نثار احمد صاحب نوری، مدھوبن (درہنگہ) (۱۰۷) مولانا شاہ محمد عثمان غنی صاحب پھلواڑی شریف (۱۰۸) مولانا محمود اللہ صاحب صدر مدرس مدرسہ عربیہ بڑھ کڑا، ڈھاکہ (خلیفہ حضرت تھانوی) (۱۰۹) مولانا سید آل حسن صاحب رضوی دیوبندی مدرس مدرسہ عربیہ میرٹھ (۱۱۰) مولانا محمد یوسف صاحب جوپوری (۱۱۱) مولانا خواجہ عبدالحی صاحب استاذ تفسیر و دینیات جامعہ ملیہ دہلی (۱۱۲) مولانا سید محمد عبدالعزیز صاحب ہاشمی جہلمی خطی بلدیہ لاہور چھاؤنی (۱۱۳) مولانا محمد مظفر حسین صاحب عربک ٹیچر چکوال (جہلم) (۱۱۴) مفتی محمد ظلیل صاحب استاذ مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ (۱۱۵) حافظ محمد صادق صاحب خطیب جامع مسجد ٹولیان لاہور

(۱۱۶) حکیم ڈاکٹر محمد اختر علی صاحب اختر رضوی مہاجر مدنی (۱۱۷) مولانا محمد امین صاحب خطیب جامع مسجد و مہتمم مدرسہ عربیہ دارالعلوم امینیہ جزائوالہ (۱۱۸) مولانا عبدالغنی صاحب شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن کوہاٹ (۱۱۹) مولانا عبدالقیوم صاحب آردی، سید پور ضلع رگپور (مشرقی پاکستان) (۱۲۰) مولانا فقیر محمد صاحب ہزاروی پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج ڈیرہ اسماعیل خان (۱۲۱) مولانا سید احمد صاحب بھوپالی (۱۲۲) مولانا شبیر علی صاحب تھانوی (۱۲۳) مولانا محبوب الہی صاحب دیوبندی (۱۲۴) مولانا محمد اشفاق صاحب رائے پوری (۱۲۵) مولانا غلام مرشد صاحب شاہ پوری (۱۲۶) مولانا حکیم محفوظ علی صاحب گنگوہی ثم دیوبندی (۱۲۷) مولانا حمید الدین صاحب ناظم مدرسہ تجوید القرآن سنبھل (۱۲۸) مولانا محمد حسین صاحب کلکتوی (۱۲۹) مولانا انوار الحق صاحب اعظم گڑھی (۱۳۰) مولانا علی محمد صاحب سورتی (۱۳۱) مولانا نور الدین صاحب بہاری (۱۳۲) مولانا عبدالخالق صاحب پشوری (۱۳۳) مولانا عبدالقیوم صاحب، خطیب جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی (۱۳۴) مولانا حشمت علی صاحب گلاونھی (۱۳۵) مولانا محمد یحییٰ صاحب لدھیانوی (۱۳۶) مولانا حبیب اللہ صاحب بہاول پوری (۱۳۷) مولانا لطف اللہ صاحب پشوری (۱۳۸) مولانا محمد جمیل صاحب بڈھانوی (۱۳۹) مولانا عبدالحی حقانی مدیر نصرت، حقانی چوک رام باغ کراچی (۱۴۰) مولانا محمد رفیع صاحب دیوبندی مدرسہ عبدالرب دہلی (۱۴۱) مولانا احمد علی صاحب گجراتی، ایم اے مدرس عربی اسلامیہ ہائی سکول گجرانوالہ (۱۴۲) مولانا قاری حکیم محمد یامین صاحب سہارنپوری، سابق مدرس دارالعلوم و ڈابھیل (۱۴۳) مولانا عبدالکبیر صاحب کشمیری پرنسپل جامعہ مدنیہ العلوم سرینگر (۱۴۴) مولانا حمید احمد صاحب نہٹوری، حیدرآبادی (۱۴۵) مولانا سید احمد صاحب مالک کتب خانہ اعزازیہ دیوبند (۱۴۶) مولانا عبدالصمد صاحب بنگلور (۱۴۷) مولانا محمد معصوم صاحب میانوالی (۱۴۸) مولانا حشمت علی صاحب سوارنپوری (۱۴۹) مولانا عبدالقیوم صاحب خطیب جامع مسجد ہری پور، ہزارہ (۱۵۰) مولانا غلام نبی صاحب جلال آباد (کشمیر) (۱۵۱) مولانا مقصود علی خان صاحب سنبھلی استاذ حدیث مدرسہ امدادیہ مراد آباد (۱۵۲) مولانا حمید حسن صاحب دیوبندی مفتی ریاست مالیر کوئٹہ (۱۵۳) مولانا انوار الحسن صاحب شیرکوٹی (۱۵۴) مولانا مظفر الدین صاحب مراد آبادی (۱۵۵) مولانا سعید احمد صاحب گنگوہی استاذ دارالعلوم دیوبند (۱۵۶) مولانا حبیب اللہ صاحب سلطان پوری استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ (۱۵۷) مولانا ضیاء الدین صاحب سیوہاروی (۱۵۸) مولانا خان محمد صاحب ڈیرہ غازی خان (۱۵۹) مولانا عبدالشکور صاحب اعظمی (۱۶۰) مولانا کفیل احمد صاحب حبیب والوی استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ (۱۶۱) مولانا عبدالجلیل صاحب ہزاروی (۱۶۲) مولانا احمد نور صاحب سابق استاذ دارالعلوم دیوبند مدرسہ شاہی مراد آباد وغیرہ (۱۶۳) راقم الحروف احقر سید احمد رضا بجنوری عفا اللہ عنہ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اولاد و اعزہ:

حضرت مولانا محمد معظم شاہؒ کے سات صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں سب سے بڑے مولانا محمد سلیمان شاہ صاحب تھے، وہ بڑے ذکی، فہیم عالم و شاعر تھے، ان کا انتقال بمر ۳۳ سال حضرت شاہ صاحبؒ کے قیام مدرسہ امینیہ کے زمانہ میں ہو گیا تھا جس کی وجہ سے آپ ۱۳۲۰ھ میں دہلی سے کشمیر واپس ہو گئے تھے، دوسرے بھائیوں کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا عبداللہ شاہ صاحب، مولانا سلیمان شاہ صاحب، محمد نظام الدین شاہ صاحب، مولانا سیف اللہ شاہ صاحب (فاضل دیوبند) محمد شاہ صاحب۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات سے کچھ عرصہ بعد حضرت والد ماجد کی وفات ایک سو کچھ سال کی عمر میں ہوئی، پھر چند سال بعد مولانا

سلیمان شاہ صاحب کا وصال ہوا، اب الحمد للہ باقی بھائی اور دو بہن بھی زندہ ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں یا دو چھوڑیں، ان سب میں بڑی صاحبزادی عابدہ خاتون تھیں، ان کا

اور پختے صاحبزادے محمد اکبر شاہ کا عمر جوانی انتقال ہوا، مرحومہ عابدہ خاتون کا عقد مولوی محمد شفیق صاحب سلمہ بجنوری سے ہوا تھا۔
 بڑے صاحبزادے حافظ محمد ازہر شاہ قیصر سلمہ، عرصہ سے مدیر رسالہ ”دارالعلوم“ ہیں جو کامیاب مدیر و مضمون نگار ہیں، ان کے تین
 صاحبزادے، محمد اطہر، محمد راحت، محمد نسیم اور دو صاحبزادیاں ہیں سلمہم اللہ تعالیٰ۔
 چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد انظر شاہ صاحب سلمہ، دارالعلوم میں طبقہ وسطی کے لائق استاذ اور فاضل محقق و مصنف ہیں، ان کے
 ایک صاحبزادے احمد اور دو صاحبزادیاں ہیں، سلمہم اللہ تعالیٰ۔
 حضرت شاہ صاحب کی چھوٹی صاحبزادی، راشدہ خاتون کے پانچ بچے محمد ارشد، محمد اسعد، محمد امجد، محمد عبد، محمد اسجد اور دو بچیاں ہیں
 سلمہم اللہ تعالیٰ۔

فقیر حقیر راقم الحروف کو حضرت کے خویش ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی عمر ۵۹ سال ۳ ماہ اور پانچ دن ہوئی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ورضی اللہ عنہ وارضاه۔

۴۴۶۔ الشیخ المحدث ابو العلی محمد عبدالرحمن بن عبدالرحیم المبارک پوری م ۱۳۵۳ھ

علماء اہل حدیث میں سے عالی مرتبت عالم محدث تھے آپ کی کتاب تحفۃ الاخوذی شرح ترمذی شریف چار جلدوں میں طبع ہو کر شائع
 ہو چکی ہے، نیز ”تحقیق الکلام فی وجوب القراءة خلف الامام“ دو حصوں میں شائع ہو چکی ہے، یہ دونوں کتابیں راقم الحروف کے مطالعہ میں ہیں
 اور ”انوار الباری“ کے علمی اباحت میں آپ کی تحقیقی کاوشوں کا ذکر آتا رہے گا، ان شاء اللہ۔

مولانا کی علمی حدیثی خدمات نہایت قابل قدر ہیں، جس طرح شیخ محدث علامہ شمس الحق عظیم آبادی کی حدیثی خدمات شرح ابی داؤد
 اور تعلیقات دارقطنی وغیرہ عظیم المرتبت ہیں، مگر مسائل خلافیہ میں جو بیجا تعصب، تنگ نظری و ناانصافی سے ان دونوں حضرات نے کام لیا ہے
 وہ ان کے شایان شان نہ تھا، مثلاً مقدمہ تحفۃ الاخوذی فصل سابع میں ”شیوع علم الحدیث فی ارض الہند“ کے تحت لکھا کہ ”حضرت شاہ اسحاق
 صاحب نے ہجرت فرمائی تو اپنا جانشین فردزماں، قطب اداں، شیخ العرب والعجم مولانا نذیر حسین صاحب کو بنایا“۔

حالانکہ ہم نے پہلے بتلایا ہے کہ جانشین بنانے کی بات کسی طرح نہیں بن سکتی، یوں مولانا کی خدمات درس حدیث وغیرہ سے کون انکار
 کر سکتا ہے، پھر ان کے بعد نشر علم حدیث کے سلسلہ میں صرف شیخ حسین خزر جی یمانی کا ذکر کے فصل شیوع حدیث کو ختم کر دیا اور دوسری طرف
 علماء دہلی، دیوبند، سہارنپوری، رام پور، لکھنؤ، پنجاب و سندھ وغیرہ وغیرہ نے جو اس سلسلہ کی خدمات انجام دیں ان سب کا ذکر حذف کر دیا گیا۔

بارہویں فصل میں ان آئمہ حدیث کا ذکر کیا جن کا ذکر امام ترمذی نے جرح و تعدیل کے سلسلہ میں کیا ہے، لیکن امام اعظم کا تذکرہ اڑا
 دیا، حالانکہ امام ترمذی نے علل میں امام صاحب کا قول جرح و تعدیل میں نقل کیا ہے جس کا اعتراف خود مولانا مبارک پوری نے بھی ص ۲۰۸ و
 ۲۰۹ میں کیا ہے، ص ۲۳۶ میں امام وکیع (تلمیذ امام اعظم) کے مناقب لکھے، مگر جہاں یہ ذکر آیا کہ وہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیتے تھے، تو
 اس کی ایک دور از کار تاویل کی گئی اور اشعار والی بات بھی دہرا دی گئی جس کی تحقیق ہم پہلے کر چکے ہیں۔

تحفۃ الاخوذی میں مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام پر بہت زور صرف کیا، اسی طرح دوسرے خلافی مسائل میں اور فاتحہ پر مستقل کتاب
 بھی لکھ ڈالی اور حنفیہ کو خاص طور سے ہدف بنا کر ان کی ہر دلیل کے کئی کئی جوابات گنائے ہیں، چونکہ نماز کا مسئلہ نہایت اہم دینی مسائل میں
 سے ہے، اس لئے عوام کو حنفیہ کے خلاف بھڑکانے میں اس مسئلہ سے متعصب غیر مقلدین نے ہمیشہ کام لیا ہے، حالانکہ حنفیہ کا مسلک اس
 مسئلہ میں بھی قوی ہے، اول تو خود امام بیہقی وغیرہ سب ہی نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف زمانہ اصحاب سے اب تک رہا ہے، بہت

سے صحابہ کرام قرأت فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں اور بہت سے ترک قرأت کو ترجیح دیتے تھے۔

پھر صرف حنفیہ کو مطعون کرنے کا کیا مقصد ہے؟ دوسرے یہ کہ جہری نمازوں میں بڑے بڑے ائمہ مجتہدین و محدثین مثلاً امام مالک، امام احمد، امام زہری، امام عبداللہ بن مبارک، اسحاق بن راہویہ وغیرہ امام اعظم کے ساتھ ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت فاتحہ نہ کی جائے، پیشوائے اہل حدیث صاحب عون المعبود نے بھی ص ۲۰۷ ج ۱ میں اس کو تسلیم کیا ہے، اس کے بعد امام صاحب اور امام سفیان ثوری، سری نمازوں میں بھی ترک کو ترجیح دیتے ہیں جس کی بہترین وجوہ حضرت نانوتوی نے توثیق الکلام میں حضرت شیخ الہند نے ایضاً الادلہ میں اور حضرت شاہ صاحب نے فصل الخطاب میں تحریر فرمادی ہیں جن کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد ایک منصف مزاج انسان حنفی مسلک کو دل و جان سے عزیز رکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

یہاں علامہ مبارک پوری کے تذکرہ کی مناسبت سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علامہ نے ۲۵۷ ج تحفۃ الاحوذی میں خود لکھا ہے کہ ”علامہ عینی سے غلطی ہوئی کہ عبداللہ بن مبارک کو وجوب قرأت خلف الامام کے قائلین میں شمار کیا، حالانکہ وہ وجوب مذکور کے قائل نہ تھے اور اسی طرح امام مالک و امام احمد بھی تمام نمازوں میں وجوب قرأت فاتحہ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔“

لیکن علامہ نے تحقیق الکلام ص ۱۰ ج ۱ کے حاشیہ میں امام احمد کو قائلین وجوب میں لکھ دیا ہے اور وہاں حافظ عینی کا قول مذکور اس کی تائید میں نقل کر دیا ہے جس کی غلطی کا اظہار خود بھی تحفۃ الاحوذی میں کیا ہے، امام بخاری نے اپنے رسالہ ”جزء القرأت خلف الامام“ میں بھی اس مسئلہ پر جم کر بحث کی ہے جو قابل دید ہے، راقم الحروف کو متعدد بار اس کو بغور و تامل مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی ہے، فصاعداً پر جو کچھ امام بخاری نے کلام کیا ہے اس کا کافی و شافی جواب حضرت شاہ صاحب نے ”فصل الخطاب“ میں دیا ہے جس کا اہل انداز میں خلاصہ انوار الباری میں پیش ہوگا، ان شاء اللہ، دوسری ایک اہم تنبیہ ہمارے حضرت شاہ صاحب نے فصل کے ص ۳۶ پر یہ کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کا مذہب مختار بھی (جن کی روایات اور قول و عمل کی اس مسئلہ میں بڑی اہمیت ہے) جہری نماز میں ترک قرأت ہی تھا اور اس کو امام بیہقی نے سنن میں حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ دونوں سے نقل کیا ہے، وہ دونوں جہری نمازوں کے علاوہ دوسری نمازوں میں قرأت کا حکم فرماتے تھے اور اسی طرح امام بیہقی کی کتاب القرأت میں بھی ہے مگر امام بخاری کے رسالہ جزء القرأت (ص ۲۹ سطر ۱۶) میں حضرت ابو ہریرہ کا قول غلط نقل ہو گیا ہے کہ اس سے جہری نماز میں قرأت ثابت ہوتی ہے اور اسی سے شیخ شمس الحق عظیم آبادی نے سنن دارقطنی کے حاشیہ التعلیق المغنی ص ۱۲۲ سطر ۲۸ میں بھی یہی غلط قول نقل کر دیا ہے۔

بات لمبی ہو گئی بتلانا صرف یہ تھا کہ ان حضرات نے تعصب سے کام لیا ہے، حتیٰ کہ حدیث کی قوت و ضعف کے لئے رجال پر بحث کرتے ہوئے بھی یہ کمزوری نمایاں ہو جاتی ہے، مثلاً روایت اذا جاء احدکم الا ما یخطب فلیصل رکعتین قبل ان یجلس کے شدوذ کو رفع کرنے کے لئے روح بن القاسم کی متابعت سے مدلی گئی اور حافظ ابن حجر نے لکھا کہ دارقطنی میں روح بن القاسم کی روایت موجود ہے، حالانکہ اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن بزیع ہیں جو ضعیف ہیں۔

نیز روایت مذکورہ یحییٰ بن غیلان سے بھی ہے جو مجہول الحال ہیں، مگر علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے یہاں ان دونوں کے حال سے سکوت فرمایا پھر کتاب الزکوٰۃ میں جب کسی دوسری روایت کے سلسلہ میں یہ دونوں راوی آئے تو وہاں دونوں کی تضعیف فرمادی۔

مغنی ابن قدامہ ص ۶۰۲ ج ۱ میں ہے کہ امام احمد نے فرمایا ”ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو نہیں سنا جو یہ کہتا ہوں کہ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں جو مقتدی قرأت نہ کرے گا اس کی نماز نہ ہوگی“ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ نبی کریم ﷺ ہیں، آپ کے اصحاب اور تابعین ہیں، یہ امام مالک (اہل حجاز میں) ثوری (اہل عراق میں) اوزاعی (اہل شام میں) لیث (اہل مصر میں) ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ جس نے امام کے پیچھے قرأت نہیں کی، اس کی نماز باطل ہے۔“

علامہ ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں فرمایا کہ آیت اذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا میں یہ حکم عام ہے پھر اگر اس کو صرف خارج

صلوٰۃ پر محمول کریں گے تو قطعاً باطل ہے کہ اسکا کوئی بھی قائل نہیں کہ نماز میں تو سنو نہیں، نماز سے خارج پڑھا جائے تو سنا کرو، حالانکہ نماز میں متابعت امام کے تحت اس کی قرأت سننا اور خاموش رہنا تکمیل اقتداء کیلئے اولیٰ و افضل بھی ہے، پھر جب کہ کتاب و سنت اور اجماع سے یہی ثابت ہے کہ استماع افضل ہے قرأت سے (تو مقتدی کے حق میں) امام کے پیچھے خود قرأت کرنے کا درجہ ادنیٰ ہے اور استماع کا درجہ افضل و اعلیٰ ہے پس اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کا امر کرنا کیسے جائز ہوگا۔ (فتح الملہم ص ۲۱ ج ۲)

علامہ ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ من كان له امام فقراء الامام له قراءه ایسی مرسل حدیث ہے جس کی تائید ظاہر قرآن و سنت سے ہو رہی ہے اور اس کے قائل جماہیر اہل علم صحابہ و تابعین میں سے ہیں اور خود اس کا ارسال کرنے والے اکابر تابعین میں سے ہیں اور ایسی مرسل باتفاق ائمہ اربعہ وغیرہم حجت ہے۔

یہ بھی علامہ ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے کہ مشہور مذہب امام احمد کا سری نماز میں بھی استحباب قرأت خف الامام ہے، وجوب نہیں ہے (فصل الخطاب)

اکثر مالکیہ و حنابلہ کا مذہب سریہ میں صرف استحباب قرأت ہے وجوب نہیں ہے (فصل ص ۹۸)

ص ۹۷ علامہ ابن وہب کا مذہب بھی سریہ میں عدم وجوب ہی ہے (فصل الخطاب ص ۹۷)

علامہ ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں سلکات میں قرأت کو بھی کافی قوت کے ساتھ ضعیف قرار دیا ہے، (فصل الخطاب ص ۸۶ پر بھی علامہ نے لکھا کہ استماع قرأت امام اور اس کو خاموش ہو کر سننے کا حکم قرآن و حدیث صحیح سے ثابت ہے اور فاتحہ سے زائد قرأت نہ کرنے کے بارے میں اجماع امت بھی ہے اور یہی قول دربارہ قرأت فاتحہ وغیرہ صحابہ و تابعین وغیرہم میں سے جماہیر سلف کا بھی ہے، پھر یہی ایک قول امام شافعی کا بھی ہے، جس کو ان کے حذاق اصحاب امام رازی ابو محمد بن عبدالسلام وغیرہ نے اختیار کیا ہے، کیونکہ قرأت مع جبر امام منکر، مخالف کتاب و سنت اور عامہ صحابہ کے طریقہ کے بھی خلاف ہے آہ (فصل الخطاب ص ۹۳)

محدث ابن ابی شیبہ نے بھی نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جو نئی بات منظر عام پر آئی وہ قرأت خلف الامام تھی، ورنہ پہلے دور کے عام طور سے قرأت نہ کرتے تھے (ص ۸۷ فصل) اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کو یہ سب حضرات بھی ائمہ محدثین مانتے ہیں اور ان سب کا مذہب اس بارے میں وہی ہے جو امام اعظم کا ہے لہذا جو کچھ ایرادات و اعتراضات ہوں گے ان سب کا ہدف صرف حنفیہ نہیں بلکہ یہ سب حضرات بھی ہوں گے ضرورت ہے کہ اس قسم کے رویہ میں تبدیلی ہو کر حدیثی خدمات کو ذاتی و اجتماعی نظریات سے بہت بلند ہو کر انجام دیا ہے، واللہ الموفق۔

علامہ مبارک پوری نے تحقیق الکلام کی دو جلدوں میں حنفیہ کی ایک ایک دلیل کا ذکر کر کے اس کو گرانے کی سعی لا حاصل کی ہے، اس کا تجلیلی جائزہ کسی دوسری فرصت میں مناسب ہے مگر ایک جگہ امام اعظم کی توثیق و تضعیف کو موضوع بحث بنا کر آپ نے اپنے رنگ تعصب و تنگ نظری کو بہت ہی نمایاں کر دیا ہے، اس سلسلہ میں آپ نے صاحب در اسماء علامہ محدث شیخ معین سندھی سے نقل کیا کہ امام صاحب کے بارے میں قابل ذکر اور مفصل جرح امام بخاری کی ہے اور وہ ار جاء کی ہے، پھر علامہ موصوف نے جو حق دفاع تہمت ار جاء کے بارے میں ادا کیا ہے اس کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ سمجھ کر کہ ار جاء کے بارے میں جرح کا جواب پورا ہو چکا ہے، علامہ مبارک پوری نے یہ نئی ایجاد پیدا کی کہ در حقیقت یہ سمجھنا ہی غلط ہے کہ امام بخاری کی جرح مفصل کا تعلق ار جاء سے ہے، کیونکہ مرجحہ سے تو خود امام بخاری نے صحیح بخاری میں روایات لی ہیں، البتہ امام موصوف کا منشاء امام صاحب کا سو حفظ ہے اور اسی کی وجہ سے سکتوا عن رأیہ و صدیہ کا جملہ کہا ہے۔

علامہ مبارک پوری نے امام صاحب پر جرح کو قوی کرنے کیلئے امام بخاری پر رکھ کر یہ پہلو زور دار سمجھا ہے جو چند در چند وجوہ سے کمزور ہے، اول تو امام صاحب کی قوت حفظ و اتقان کے شاہدین عدل متقدمین میں بکثرت موجود ہیں اور اس دور میں کسی نے بھی امام صاحب کی طرف سوء حفظ کو منسوب نہیں کیا، دوسرے یہ کہ امام صاحب کی مسانید میں سینکڑوں کبار حفاظ حدیث نے آپ سے روایت کی ہے جس طرح

ہر دور کے لاکھوں، کروڑوں علماء، صلحا و عوام امت محمدیہ نے آپ کی رائے کا اتباع کیا، کیا کسی سی الحفظ محدث سے اس طرح روایت حدیث کی کوئی مثال بتلائی جاسکتی ہے، تیسرے یہ کہ حافظ ابن حجر نے نزہۃ النظر میں تصریح کی ہے کہ سوء حفظ کی وجہ سے جرح کسی پر اس وقت کی جاسکتی ہے کہ اس کی نصف سے زیادہ روایات میں سوء حفظ کے شواہد موجود ہوں، پھر جب کہ امام صاحب کی کسی ایک روایت پر بھی ایسا نقد آج تک نہیں ہوا، تو آپ کی ہزاروں روایات میں سے نصف یا نصف سے زیادہ کے بارے میں اس قسم کا دعویٰ کون کر سکتا ہے، شاید علامہ مبارک پوری کے تلامذہ میں سے کوئی صاحب اس کی کوپورا کریں۔

۴۴۷- الشیخ المحمد ابو سعید محمد عبدالعزیز بن مولانا محمد نور حنفی متوفی ۱۳۵۹ھ

گوجرانوالہ (پنجاب) کے مشہور علامہ محدث تھے، حدیث میں حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے تلمیذ تھے، حضرت مرشد مولانا حسین علی صاحب نقشبندی سے تلمذ حدیث و بیعت سلوک دونوں کا شرف حاصل تھا، آپ نے ”نیر اس الساری علی الطرف البخاری“ کی تالیفات کی جس کی ابتداء اپنے حدیثی شغف کے تحت کی تھی، مگر تکمیل حضرت پیر مرشد موصوف اور حضرت شاہ صاحب علامہ کشمیری کے ارشاد پر کی کیونکہ اس اہم حدیثی خدمت کی طرف ان دونوں حضرات کو بڑی توجہ تھی۔

آپ نے اس قیمتی تالیف میں صحیح بخاری شریف کا مکمل انڈکس بنا دیا ہے جس کے ایک حدیث کے متعدد ٹکڑوں کو جو مظان و غیر مظان میں درج ہوئے ہیں باب و صفحہ سے فوراً دریافت کیا جاسکتا ہے، اور ساتھ ہی فتح الباری و عمدۃ القاری کے حوالے بھی درج کئے ہیں، اس کی کتابت بھی آپ نے خود ہی کی تھی، تاکہ کتاب پیشہ ورکاتبوں کی اغلاط سے محفوظ رہے، افسوس ہے کہ کتاب مذکور اب نادر و نایاب ہے، تقریباً ایک سال کی تلاش کے بعد راقم الحروف کو اس کا ایک نسخہ دستیاب ہو سکا۔

نصب الراية للزیلعی (مطبوعہ مصر) شائع کردہ مجلس علمی ڈابھیل کی بھی تصحیح و تحشیہ ابتداء میں آپ نے ہی کیا تھا جس کے لئے راقم الحروف نے گوجرانوالہ حاضر ہو کر گفتگو کی تھی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔

۴۴۸- الشیخ المحمد ث العارف حکیم الامت مولانا اشرف التھانوی حنفی قدس سرہ ۱۳۶۲ھ

مشہور و معروف عالم ربانی، علامہ محدث، مفسر، فقیہ و شیخ طریقت تھے، ولادت ماہ ربیع الآخر ۱۲۸۰ھ میں ہوئی، حفظ قرآن و تکمیل فارسی کے بعد ابتدائی عربی تعلیم حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی سے حاصل کی جو جامع علوم ظاہری و کمالات باطنی تھے، ان کی صحبت مبارک کا ادنیٰ اثر یہ تھا کہ آپ بچپن سے ہی تہجد پڑھنے لگے تھے، تکمیل کے لئے آپ ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم دیوبند پہنچے اور پانچ سال وہاں رہ کر ۱۳۰۱ھ میں بھر بیس سال تمام علوم سے فراغت حاصل کی، آپ نے زیادہ کتابیں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت مولانا شیخ الہند سے پڑھی ہیں لیکن حضرت نانوتوی کے درس جلالین میں بھی کبھی کبھی شرکت کرتے تھے۔

۱۳۰۱ھ کے آخر میں اہل کانپور کی درخواست پر مدرسہ فیض عام کانپور کے صدر مدرس ہوئے، کچھ عرصہ بعد آپ نے مدرسہ جامع العلوم قائم کیا اور اس کی صدارت فرمائی، اس طرح تقریباً ۱۴ سال درس و تدریس میں مشغول رہے، ۱۳۱۵ھ میں ترک ملازمت کر کے تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ کو آباد کیا ۱۲۹۹ھ میں بحالت قیام دیوبند ذریعہ خط شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ سے بیعت ہوئے تھے، دو بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور دوسری بار حج کے بعد ۶ ماہ حضرت حاجی صاحب کی صحبت میں رہ کر کمالات باطنی سے دامن بھرا، حضرت گنگوہی آپ سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے حاجی صاحب کا کچا پھل پایا تھا، تم نے پکا پھل پایا اور کامیاب ہوئے۔

غرض نے آپ نے ۴۷ سال تک مسند تلقین و ارشاد پر متمکن رہ کر ایک عالم کو اپنے فیوض ظاہری و باطنی سے سیراب کیا، آپ کے بے

شمار مواعد حسنہ لا عدد ملفوظا طیبہ اور کثیر تعداد تصانیف قیمہ کی روشنی سے شرق و غرب روشن ہو گئے، لاکھوں قلوب آپ کے فیض باطن سے جگمگا اٹھے، عوام و خواص، علماء و اولیاء سب ہی نے آپ سے فیض پایا، مفصل حالات و مناقب کے لئے آپ کی مطبوعہ سوانح کی طرف رجوع کیا جائے، یہاں تذکرہ محدثین کی مناسبت سے آپ کی حدیثی تصانیف و خدمات کا ذکر ضروری ہے، جامع الآثار، تابع الآثار، حفظ الربعین، المسلك الذکی، اشواب الحلی، اطفاء الفتنة، مؤخرۃ الظنون، الادراک والتواصل الی حقیقۃ الاشراک والتوسل وغیرہ۔ ”اعلاء السنن“ (احادیث حکام کا نہایت عظیم القدر مجموعہ) ۲۰ جلد میں آپ ہی کے ارشاد پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی دام ظلہم نے مرتب فرمایا، جس میں سے ایک مقدمہ اور گیارہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

حضرت تھانویؒ قدس سرہ کی زندگی کا ایک نہایت روشن پہلو آپ کے بلند پایہ اصلاحی و تجدید کارنامے بھی ہیں، آپ مسلمانوں کے عقائد و عبادات کی تصحیح کے ساتھ ان کے اخلاق، معاملات، معاشرت و عملی زندگی کی اصلاحات پر بھی پوری توجہ صرف ہمت فرماتے تھے جو صرف آپ ہی کا حصہ تھا، اس سلسلہ میں ایک نہایت جامع کتاب ”حیات المسلمین“ کے نام سے تالیف فرمائی جس میں قرآن مجید احادیث نبویہ کی روشنی میں مسلمانوں کی دینی و دنیاوی فلاح و ترقی کا مکمل پروگرام مرتب فرمایا اور اس کتاب کو آپ اپنی دوسری کتابوں سے زیادہ ذریعہ نجات ہونے کی امید کرتے تھے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة و معنا بعلومہ الممجدۃ النافعة۔

۳۳۹۔ الشیخ المحدث العارف مولانا حسین علی نقشبندی حنفی قدس سرہ (م ۱۳۶۳ھ)

آپ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے تلمیذ حدیث، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ کے تلمیذ تفسیر، حضرت خواجہ محمد عثمان صاحبؒ کے خلیفہ مجاز، پنجاب کے مشہور و معروف مقتدا و شیخ طریقت تھے، تقریباً پچاس سال تک اپنی خانقاہ واں پھراں میں درس قرآن و حدیث اور آفادہ باطنی کے مبارک مشاغل میں منہمک رہے، دن و رات اکثر اوقات تعلیم و تربیت سے معمور رہتے تھے۔

راقم الحروف کو بھی حضرت الاستاد شاہ صاحب قدس سرہ کے ارشاد پر آپ کی خدمت میں حاضری، بیعت اور ۲۲، ۲۳ روز قیام کر کے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ پڑھنے اور دوسرے استفادات کا شرف حاصل ہوا ہے، طلبہ و مسترشدین پر حد درجہ شفیق تھے، راقم الحروف نے آپ کے تفسیری فوائد قلمبند کئے تھے اور ملفوظات گرامی بھی۔

یاد پڑتا ہے کہ ایک روز فرمایا کہ خواب میں دیکھا کہ حشر کا میدان ہے، نفسی نفسی کا عالم ہے، سخت اضطراب و پریشانی کا وقت، کہ سامنے سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نمودار ہوئے، میری زبان سے نکلا ”ارحم امتی بامتی ابو بکر“ کہ ان کی شان رحم و کرم سے استفادہ کروں، اتنے میں حضرت عمرؓ تشریف لائے اور مجھے ساتھ لے کر تمام ہولناک منازل سے بخیر و خوبی گزار دیا۔ اس کی کوئی تشریح یا تعبیر حضرت نے اس وقت نہیں فرمائی مگر اپنے ذہن نے جو مطلب اس وقت تک اخذ کیا اور اب تقریباً ۳۲ سال کے بعد بھی اس کی حلاوت بدستور باقی ہے، یہ کہ تم جیسوں کیلئے عمر بھی ابو بکر ہی کی شان رکھتا ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

ایک روز بعد عشاء، طلبہ حدیث مطالعہ کر رہے تھے، رفع سبایہ کے مسئلہ میں ایک طالب علم سے میری بحث ہو گئی اور ”العرف الشذی“ سے میں نے استدلال کیا، اسی اثناء میں حضرت بھی تشریف لے آئے اور ہماری بحث میں بے تکلف شریک ہو گئے، میں بدستور رفع کے دلائل پیش کرتا رہا اور حضرت اسی طالب علم کی امداد کرتے رہے اور اصلا کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، حضرت کی اس سادگی و شفقت کا جب کبھی خیال آجاتا ہے تو بڑی ندامت بھی ہوتی ہے کہ ایسی جرأت کیوں کی تھی، جب تک رہا حضرت خصوصاً شفقت فرماتے رہے، کھانے کا بھی خاص اہتمام فرمایا تھا، رخصت کے وقت بستی سے کچھ دور تشریف لائے اور اجازت بیعت بھی مرحمت فرمائی، مکاتبت سے بھی ہمیشہ مشرف فرماتے رہے۔

آپ نے حضرت گنگوہیؒ کی تقریر درس مسلم شریف اور تقریر درس بخاری شریف مرتب فرمائی تھیں جو شائع شدہ ہیں، تلخیص الطحاوی بھی آپ کی نہایت مفید تالیف ہے، وہ بھی چھپ چکی ہے، الحمد للہ یہ تالیفات راقم الحروف کے پاس موجود ہیں اور ان کے افادات قارئین ”انوار الباری“ کی خدمت میں پیش ہوں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة ومعنا بعلومہ و فیوضہ۔

۲۵۰۔ العلامة المحدث السيد اصغر حسین دیوبندی حنفیؒ م ۱۳۶۲ھ

حضرت میاں صاحب کے نام سے شہرت پائی، بڑے، محدث، فقیہ عابد و زہد تھے، ۱۳۱۸ھ میں علوم سے فراغت پائی تھی پھر آخر عمر تک دارالعلوم میں ہی حدیث پڑھاتے رہے، آپ پر شان جلال کا غلبہ تھا، فن عملیات کے بھی ماہر کامل تھے، بہت سی مفید علمی تصانیف کیں، حدیث میں اپنے استاذ حضرت شیخ الہند کی تقریر درس ترمذی شریف کو بہترین اسلوب سے اردو میں مرتب کیا جو ”الورد الشذی علی جامع الترمذی کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔

۲۵۱۔ العلامة المحدث مولانا شبیر احمد العثماني دیوبندی حنفیؒ م ۱۳۶۹ھ

بڑے جلیل القدر محدث، مفسر، جامع معقول و منقول، بحر بیان متکلم، عالی قدر مصنف و انشا پرداز، میدان سیاست کے بطل جلیل، زاہد، عابد و تقویٰ شعار تھے، آپ نے ۱۳۲۵ھ میں علوم سے فراغت حاصل کی، پہلے مدرسہ عالیہ فتح پوری کے صدر نشین ہوئے، پھر سالہا سال دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث دیا، مسلم شریف کے درس کی نہایت شہرت تھی، ۱۳۳۶ھ کی تحریک اصلاح دارالعلوم میں حضرت شاہ صاحب حضرت مفتی صاحب و دیگر اکابر و اساتذہ کی پوری ہمنوائی کی، ڈابھیل تشریف لے گئے اور جامعہ گجرات کی مسند درس حدیث کو زینت بخشی، آپ ہمیشہ جمعیت علماء ہند کے مسلک پر گامزن رہے، لیکن آخر زمانہ میں نظریہ تقسیم میں آپ مسلم لیگ کے حامی ہو گئے تھے، اس لئے پاکستان کی سکونت اختیار فرمائی تھی وہاں بھی گرانقدر علمی، مذہبی و سیاسی خدمات انجام دیں۔

بقول مولانا عبید اللہ صاحب سندھی آپ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی قوت بیانیہ کے مثل تھے، تقریر و تحریر دونوں لاجواب تھیں جس موضع پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر گئے، بہت سی تصانیف کیں، ان میں سے تفسیری فوائد قرآن مجید اور فتح الملہم شرح صحیح مسلم محققانہ شان کے اعتبار سے شاہکار ہیں۔

راقم الحروف کی قیام مجلس علمی ڈابھیل کے زمانہ میں سالہا سال قرب و حاضری کا شرف رہا ہے اور اس زمانہ میں آپ کے بہت سے مواعظ و ملفوظات عالیہ بھی قلمبند کئے تھے، خدا نے ہمت و توفیق دی تو ان کو کسی وقت شائع کرنے کی بھی سعادت حاصل کی جائے گی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة ومعنا بعلومہ و النافع۔

۲۵۲۔ العلامة الجاٹہ الشہیر الشیخ محمد زاہد الکوثری حنفیؒ م ۱۳۷۱ھ

مشہور و معروف محقق مدقق، جامع العلوم و الفنون تھے، ترکی خلافت کے زمانہ میں آپ وکیل المشیخ الاسلامیہ، معہد تخصص تفسیر و حدیث میں استاذ علوم قرآنیہ، قسم شرعی جامعہ عثمانیہ، استنبول میں استاذ فقہ و تاریخ فقہ اور درالثقافت الاسلامیہ استنبول میں استاذ ادب و عربیت رہے تھے، مصطفیٰ کمال کے لادینی فتنہ کے دور میں استنبول چھوڑ کر مصر آئے اور آخر وقت تک وہیں رہے۔

زمانہ قیام مصر میں بڑے بڑے علمی معرکے سر کئے، صراحت و حق گوئی میں نام کر گئے، مطالعہ کتب اور وسعت معلومات میں بے نظیر تھے، استنبول کے چالیس بیالیس نوادر مخطوطات کے کتب خانوں کو پہلے ہی کھنگال چکے تھے، پھر دمشق و قاہرہ کے نوادر مخطوطات عالم کو بھی سینہ میں محفوظ کیا تھا،

حافظ و استحضار حیرت انگیز تھا، کثرت مطالعہ، استحضار و تبحر، للہیت و خلوص، تقویٰ و دیانت میں حضرت شاہ صاحب (علامہ کشمیری) کے گویا ثنیٰ تھے۔ جس زمانہ میں راقم الحروف اور محترم فاضل جلیل مولانا محمد یوسف بنوری کا قیام نصب الراہیہ اور فیض الباری وغیرہ طبع کرانے کے لئے مصر میں تھا تو علامہ موصوف سے اکثر و بیشتر اتصال رہا، استفادات بھی کئے، ایسی صورتیں اب کہاں؟ حضرت شاہ صاحب کے علامہ کوثری کا مل جانا ہم لوگوں کے لئے نہایت عظیم القدر نعمت غیر مترقبہ تھی۔

حضرت علامہ کے یہاں ہم لوگ حاضر ہوتے تھے اور حضرت بھی کمال شفقت و رافت سے ہماری قیام گاہ پر تشریف لاتے تھے، نصب الراہیہ پر مقدمہ لکھا اور اس کے رجال کی تصحیح فرمائی یہ اور اس قسم کے جتنے علمی کام کئے ہیں، کبھی کسی پر معاوضہ نہیں لیا، حسب اللہ علمی خدمات کرتے تھے، بیسیوں کتابوں پر نہایت گرانقدر تعلیقات لکھ کر شائع کرائیں جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کی تحقیق بطور ”حرف آخر“ کر گئے، اپنی کتابوں میں اکثر حوالے صرف مخطوطات نادرہ کے ذکر کرتے ہیں اور غالباً یہ سمجھ کر کہ مطبوعات تو سب نے ہی دیکھ لی ہوں گی ان کے حوالوں کی کیا ضرورت؟

آپ کی تالیفات و تعلیقات میں سے چند اہم یہ ہیں: ابداء وجوہ التعدی فی کامل ابن عدی، نقد کتاب الضفعاء للعقلی، التعقب الحثیث لما ینفیہ ابن تیمیہ من الحدیث، الجوث الوفیہ فی مفردات ابن تیمیہ، صفعات البرہان علی صفحات العدوان، الاشفاق علی احکام الطلاق، بلوغ المانی فی سیرۃ الامام محمد الشیبانی، التحریر الوجیز فیما یتبغیہ المستحیز، تانیب الخطیب علیما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ من الاکاذیب، احقاق الحق بابطال الباطل، فی مغیث الخلق، تذہیب التاج الحینی فی ترجمہ البدرا العینی، الایہتمام بترجمۃ ابن الہمام، الحاوی فی سیرۃ الامام لاطحاوی، النکت الطریفہ فی التحدیث عن ردود ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفہ، لمحات النظر فی سیرۃ الامام، زفر، الترحیب بقصد التانیب، مقدمہ نصب الراہیہ، تعلیق الغرۃ المندیہ، تعلیق و دفع شبه التشبیہ لابن الجوزی، تعلیقات علی ذیول طبقات الحفاظ حسینی و ابن فہد و السیوطی، تعلیق الانتصار والترجیح المذہب الصحیح بسط ابن الجوزی، التعلیقات المہمۃ علی شروط الائمۃ للمقدسی والحازمی، تعلیق الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء۔

”مقالات الکوثری“ کے نام سے آپ کے بلند پایہ علمی مضامین کا مجموعہ بھی چھپ گیا ہے جس کے شروع میں محترم فاضل مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دام ظلہم کا مقدمہ بھی ہے، جس میں علامہ کوثری کے علوم و معارف کا بہترین طرز میں تعارف کرایا ہے اور دوسرے حضرات علماء مصر نے علامہ کی زندگی کے دوسرے حالات تفصیل سے نقل کئے ہیں۔

نہایت مستغنی مزاج تھے، شیخ جامع ازہر مصطفیٰ عبدالرزاق نے سعی کی تھی کہ جامع ازہر میں درس حدیث کی قدیم روایات کو زندہ کریں اور شیخ کوثری کو اس خدمت کے لئے آمادہ کرنا چاہا مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة و معنا بعلو مہ۔

۴۵۳۔ العلامة المحدث الفقیہ المفتی کفایت اللہ شاہ جہان پوری حنفی م ۱۳۷۲ھ

حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں سے نہایت بلند پایہ صاحب فضل و کمال محقق محدث اور جامع معقول و منقول تھے، ۱۳۱۳ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی اور مدرسہ امینیہ دہلی میں آخر عمر تک افتاء و درس حدیث کی خدمات انجام دیتے رہے، جمعیت علماء ہند کی تاریخ کا نہایت اہم اور زرین دور آپ کے غیر معمولی سیاسی تفوق و تدبر سے وابستہ ہے، بلا کے ذہین و ذکی، دور رس معاملہ فہم تھے، ہندوستان کی تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کے مقابلے میں جمعیت علماء ہند کے عز و وقار کو اونچے سے اونچا رکھنے میں کامیاب ہوئے، حدیث کے ساتھ فقہ پر بڑی گہری نظر تھی اس لئے اپنے وقت کے مفتی اعظم کہلائے، بہت سی مفید تصانیف کیں، زہد و اتقاء اور استغناء الاغنیاء میں بھی بے مثال تھے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔

۴۵۴۔ العلامة المحدث العارف شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی حنفی م ۱۳۷۷ھ

حضرت شیخ الہند کے اخص تلامذہ اور اخص خدام میں سے تھے، ۱۳۱۵ھ میں دارالعلوم سے سند فراغ حاصل کی، حضرت گنگوہی سے

بیعت و خلافت کا شرف ملا، نہایت عالی قدر محقق مدقق، جامع شریعت و طریقت اور میدان سیاست کے صحیح معنی میں مرد مجاہد تھے، ایک مدت تک مدینہ طیبہ (زاد ہا اللہ شرفاً) میں قیام فرمایا، مسجد نبوی میں درس حدیث دیا، پھر حضرت شیخ الہند کے ساتھ اسیر مالٹا رہے، ہندوستان واپس ہو کر برسہا برس سلہٹ رہ کر درس حدیث و ارشادِ خلافت میں مشغول رہے۔

۱۳۳۶ھ میں جب حضرت شاہ صاحب نے دارالعلوم سے قطع تعلق فرمایا، تو آپ کو صدارت تدریس کے لئے بلا یا گیا اور آخر عمر تک تقریباً تیس سال مسلسل دارالعلوم کے شیخ الحدیث رہ کر ہزاراں ہزار طلبہ کو اپنے علوم و کمالات سے فیض یاب فرمایا، جمعیت علماء ہند کے بھی آخری عمر تک صدر و سرپرست رہے اور نہایت گرانقدر رزیں خدمات کیں، بہت ہی متواضع، منکسر مزاج، وسیع الاخلاق، صاحب المفاخر و المکارم تھے۔ فیض ظاہر کی طرح آپ کا فیض باطنی بھی ہمہ گیر تھا، ہندو پاک کے لاکھوں نفوس آپ کے فیض تلقین و ارشاد سے بہرہ ور ہوئے، آپ کے خلفاء مجازین کے اسماء گرامی آپ کی سوانح حیات لکھنے والوں نے جمع کر دیئے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ تلامذہ حدیث کا نمایاں تذکرہ کسی جگہ نہیں کیا گیا، چند نمایاں شخصیات کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب استاد حدیث دارالعلوم دیوبند، آپ جامع معقول و منقول، محقق عالم، بلند پایہ مقرر و خطیب اور خلیفہ مجاز، حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر شاہ صاحب رائے پوری دام ظلہم ہیں، حضرت علامہ کشمیری سے بھی آپ نے بکثرت استفادہ فرمایا ہے۔
(۲) مولانا محمد حسین صاحب بہاری استاذ معقول و فلسفہ دارالعلوم دیوبند، عقائد، کلام و حدیث کا بھی درس دیتے ہیں، محقق فاضل اور کامیاب مدرس ہیں۔

(۳) مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندی خلف مولانا عبدالمسیح صاحب اساتذہ حدیث دارالعلوم دیوبند، محقق عالم و فاضل ہیں۔
(۴) مولانا معراج الحق صاحب دیوبندی، استاذ فقہ و ادب دارالعلوم دیوبند، بہت سے علوم میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں دارالعلوم کے ممتاز اساتذہ میں ہیں۔

(۵) مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی استاذ دارالعلوم دیوبند، فاضل محقق ہیں۔
(۶) مولانا محمد نصیر صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند، فاضل محقق ہیں۔
(۷) مولانا محمد سالم صاحب (صاحبزادہ) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دام ظلہم مہتمم دارالعلوم) استاذ دارالعلوم دیوبند، فاضل محقق ہیں۔
(۸) مولانا محمد انظر شاہ صاحب (صاحبزادہ) حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ: استاذ دارالعلوم دیوبند، فاضل محقق ہیں۔
(۹) مولانا محمد اسعد میاں صاحب (صاحبزادہ) حضرت شیخ الاسلام مولانا ندنی قدس سرہ: استاذ دارالعلوم دیوبند، فاضل محقق ہیں۔
(۱۰) مولانا محمد عثمان صاحب (نواسہ) حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ: استاذ دارالعلوم دیوبند، فاضل محقق۔
(۱۱) مولانا حامد میاں صاحب (خلف حضرت مولانا اعزاز علی صاحب) استاذ دارالعلوم دیوبند، فاضل محقق ہیں۔
(۱۲) مولانا قاضی سجاد حسین صاحب کرپوری صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی، صاحب تصانیف، محقق فاضل ہیں۔
(۱۳) مولانا عبدالمسیح صاحب سرونجی اساتذہ مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی۔

(۱۴) مولانا مسیح اللہ خان صاحب شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفرنگر (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی قدس سرہ)۔
(۱۵) مولانا عبدالقیوم صاحب اعظمی مدرس مدرسہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر (اعظم گڑھ)
(۱۶) مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور (خلیفہ مجاز حضرت شیخ الاسلام)
(۱۷) مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر ہزاروی (خلیفہ حضرت مولانا حسین علی صاحب نقشبندی) مصنف "احسن الکلام فی القراءۃ خلف الامام"۔

- (۱۸) مولانا لائق علی صاحب سنبھلی شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ آئند (گجرات)
- (۱۹) مولانا عبدالسلام صاحب (خلف حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی دام ظہم) استاذ مدرسہ داراللمبلغین لکھنؤ۔
- (۲۰) مولانا مشاہد علی صاحب شیخ الحدیث مدرسہ کھانہ گھاٹ، ضلع سلہٹ۔
- (۲۱) مولانا عبدالجلیل صاحب شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ، بدرپور، آسام۔
- (۲۲) مولانا شفیق الحق صاحب مدرسہ جامع العلوم گاج باڑی، آسام۔
- (۲۳) مولانا عبیدالحق صاحب شیخ الحدیث مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ۔
- (۲۴) مولانا نورالدین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ گوہرپور، آسام۔
- (۲۵) مولانا محمد طاہر صاحب شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ، کلکتہ۔
- (۲۶) مولانا احمد علی صاحب شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ، باسکندی، آسام۔
- (۲۷) مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب نہپوری مفتی مدنی دارالافتاء و صدر مدرس مدرسہ عربیہ جامع مسجد بجنور۔
- (۲۸) مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔
- (۲۹) مولانا محمد شریف صاحب دیوبندی شیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل۔
- (۳۰) مولانا سید حامد میاں صاحب صدر مدرس و مہتمم جامعہ مدینہ لاہور۔
- (۳۱) مولانا منت اللہ صاحب امیر شریعت بہار و رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند۔
- (۳۲) مولانا عبدالرشید محمود صاحب ہیرہ حضرت گنگوہیؒ۔

افسوس ہے کہ حضرت کے ممتاز تلامذہ کے جو درس حدیث یا تصنیف وغیرہ میں مشغول ہیں، بہت کم نام اور حالات معلوم ہو سکے، اس کی تلافی انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں کی جائے گی۔

۳۵۵- العلامة المحدث محمد بن علی الشہیر بنظہیر احسن انیموی عظیم آبادی حنفی

مشہور و معروف جلیل القدر محدث تھے، محدثانہ رنگ میں بلند پایہ کتابیں مختلف فیہ مسائل میں تالیف کیں، جو طبقہ علماء میں نہایت مقبول ہوئیں، ایک جامع کتاب آثار السنن کے نام سے لکھی جس میں مسلک احناف کی قوی احادیث جمع کیں، آپ نے خود اپنی بعض مؤلفات میں تحریر فرمایا کہ ”بلوغ المرام یا مشکوٰۃ شریف جو ابتداء میں پڑھائی جاتی ہیں، ان کے مؤلف شافعی المذہب تھے اور ان کی کتابوں میں زیادہ وہی احادیث ہیں جو مذہب امام شافعی کی مؤید اور مذہب حنفی کے خلاف ہیں اس کی وجہ سے اکثر طلبہ مذہب حنفی سے بد عقیدہ ہو جاتے ہیں، پھر جب صحاح ستہ پڑھتے ہیں تو ان کے خیالات اور بھی بدل جاتے ہیں، علماء حنفیہ نے کوئی کتاب قابل درس ایسی تالیف نہیں کی جس میں مختلف کتب احادیث کی احادیث ہوں جن سے مذہب حنفی کی تائید ہوتی ہو، پھر بیچارے طلبہ ابتداء میں پڑھیں تو کیا؟ اور ان کے عقائد درست رہیں تو کیونکر؟ آخر بیچارے غیر مقلد نہ ہو؟ فقیر نے ان ہی خیالات سے حدیث شریف میں تالیف ”آثار السنن“ کی بنا ڈالی ہے۔“

آپ نے کتاب صلوٰۃ تک دو جلدیں تالیف فرمائی تھیں جو کئی بار شائع بھی ہو چکی ہیں، دوران تالیف میں حسب مشورہ حضرت شیخ الہند، مسودات حضرت الاستاذ العلامة کشمیری کے پاس بھیجے اور حضرت شاہ صاحب بعد اصلاح و اضافہ واپس فرماتے تھے اس طرح یہ جلیل القدر تالیف دو آتش ہو کر تیار ہو رہی تھی مگر افسوس ہے کہ اس کی تکمیل مقدر نہ تھی، کتاب مذکور کے مطبوعہ نسخہ پر بھی

حضرت شاہ صاحبؒ نے بہت بڑی تعداد میں تعلیقات لکھیں، جن کی وجہ سے یہ مجموعہ نہایت پیش قیمت حدیثی ذخیرہ بن گیا ہے۔
حدیث نبوی و علوم انوری کے عاشق صادق محترم مولانا محمد بن موسیٰ میاں صاحب افریق دام ظلہم نے حضرت شاہ صاحبؒ کے نسخہ مذکورہ کو لندن بھیج کر اس کے فوٹو سٹیٹ نسخے تیار کرا کر علماء و مدارس کو بھیج دیئے ہیں، اگر کتاب آثار السنن ان تعلیقات انوری کے ساتھ مرتب و مزین ہو کر شائع ہو جائے تو امید ہے کہ آخر کتاب الصلوٰۃ کے مسائل کی محدثانہ تحقیق حرف آخر ہو کر منظر عام پر آجائے گی کام بڑا اہم ہے، کاش! حضرت کے خصوصی تلامذہ اور اصحاب خیر توجہ کریں۔

راقم الحروف بھی اس کے علمی حدیثی نوادر کو انوار الباری میں پیش کرنے کا حوصلہ کر رہا ہے۔ واللہ الموفق المعین۔
علامہ مبارک پوری نے آثار السنن کے مقابلہ میں ابکار السنن لکھی اور اپنے تحفۃ الاخوانی وغیرہ کے طرز خاص سے بہت سی بے جان چیزیں پیش کیں یہاں موقع نہیں ورنہ اس کے کچھ نمونے درج کئے جاتے، والسلام علی من اتبع الهدی۔

۴۵۶۔ العلامة المحمدت الفقیہ مولانا محمد اشفاق الرحمن کاندھلوی حنفیؒ

مدرسہ اشرفیہ دہلی کے صدر مدرس، حدیث و فقہ کے فاضل محقق تھے، مدتوں درس حدیث دیتے رہے اور ایک حدیثی تالیف ”الطیب الشذی فی شرح الترمذی“ نہایت محققانہ طرز پر لکھی جس کی جلد اول مطبوعہ خیریہ (مصریہ) میرٹھ سے عربی ٹائپ میں چھپ کر شائع ہوئی، اس پر حضرت تھانویؒ، حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بہت اونچے الفاظ میں تقاریظ لکھیں، افسوس کہ اب یہ قیمتی کتاب نادر و نایاب ہے۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعة۔

۴۵۷۔ الشیخ المحمدت العلامة ماجد علی جنو پوری حنفیؒ

حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ کے تلامذہ حدیث میں سے ممتاز تھے، آپ نے مدتوں دہلی کے وغیرہ کے مدارس عربیہ میں درس حدیث دیا ہے، علوم حدیث میں بڑا پایا تھا، صرف آخر عمر میں حافظ پر کچھ اثر ہو گیا تھا، حضرت محترم علامہ سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے دہلی کے قیام میں آپ سے عرصہ تک پڑھا ہے اور وہ آپ کے علم و فضل و تبحر کے بہت مداح ہیں آپ کے زیادہ حالات کا اس وقت علم نہ ہو سکا۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعة۔

۴۵۸۔ العلامة المحمدت مولانا محمد اسحاق البردوانی حنفیؒ

مشہور و معروف محدث گزرے ہیں، مدتوں کانپور میں قیام فرما کر درس حدیث دیا ہے، پھر کلکتہ وغیرہ میں افادۃ علوم حدیث فرمایا، ہزاروں احادیث کے حافظ اور جامع معقول و منقول تھے۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعة۔

۴۵۹۔ العلامة المحمدت المتکلم الشہیر مولانا السید مرتضیٰ حسن چاند پوری حنفیؒ

حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں سے ممتاز شہرت کے مالک، مشہور و معروف مناظر و مبلغ اسلام، جامع معقول و منقول تھے، مدتوں دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث دیا، ناظم تعلیمات رہے، مطالعہ و جمع کتب کے بڑے دلدادہ تھے، ایک نہایت عظیم الشان کتب خانہ جس میں علوم و فنون اسلامیہ کی بہترین نوادر کا ذخیرہ جمع فرمایا تھا، یادگار چھوڑ گئے، بہت سی مفید علمی تصانیف کیں، جو شائع ہو چکی ہیں۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعة۔

۴۶۰۔ الشیخ العلامة المحمدت مولانا عبدالرحمن امر وہی حنفیؒ

حضرت مولانا احمد حسن امر وہی قدس سرہ کے تلامذہ میں سے مشہور محدث و مفسر تھے، آپ نے مدرسہ عربیہ امر وہیہ، جامعہ ڈابھیل اور

دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث دیا، اپنی بہت سی عادات و خصائل میں نمونہ سلف تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۳۶۱۔ العلامة المحدث الادیب مولانا السید سراج احمد رشیدی حنفی

حضرت گنگوہیؒ کے فیض یافتہ بلند پایہ محدث، مفسر و ادیب تھے، مدتوں دارالعلوم دیوبند میں ادب و حدیث کی کتابیں پڑھاتے رہے، ۱۳۶ھ میں حضرت شاہ صاحبؒ وغیرہ کے ساتھ دارالعلوم کی خدمت ترک کر کے جامعہ ڈابھیل تشریف لے گئے، چند سال وہاں بھی درس حدیث دیا اور وہیں وفات پائی، نہایت متبع سنت عابد، زاہد، ذاکر و شاعر، کریم النفس اور مہمان نواز تھے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۳۶۲۔ العلامة المحدث المفتی سعید احمد صاحب لکھنوی حنفی

بلند پایہ محدث و فقیہ، جامع معقول و منقول تھے، مدتوں کانپور میں درس علوم دیا اور آخر میں مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفرنگر کے شیخ الحدیث رہے، حدیث و فقہ کے تبحر عالم تھے، ایک رسالہ مناسک حج میں اور القول الجازم فی بیان المحارم نیز جامع التصرفات وغیرہ تحقیقی تصانیف کیں، فقہ میں مجموعہ فتاویٰ چھوڑا، جو نہایت گراں قدر علمی ذخیرہ اور لائق طبع و اشاعت ہے، مکتبہ نشر القرآن دیوبند سے آپ کی تمام تصانیف شائع ہوتی رہیں گی۔ انشاء اللہ۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب لکھنوی بڑے جلیل القدر عالم تھے، جن کے فضل و کمال کے حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ بھی مداح تھے، ان کی خلاصۃ التفاسیر چار جلد ضخیم میں اور اردو کی بہت اعلیٰ تالیف ہے، یہ تفسیر عرصہ ہوا شائع ہوئی تھی مگر اب صرف جلد ملتی ہے جو مکتبہ ”نشر القرآن دیوبند“ سے مل سکتی ہے اور باقی جلدوں کی اشاعت بھی امید ہے اسی ادارہ سے ہوگی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۳۶۳۔ المحدث الجلیل علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی حنفی دام ظلہم العالی

مشہور و معروف محدث، جامع معقول و منقول، استاذ الاساتذہ، صدر نشین دارالعلوم دیوبند ہیں، آپ کی ولادت ۱۳۰۴ھ میں ہوئی مسکن قاضی پورہ (بلیا) ہے ابتدائی کتب فارسی و عربی حضرت مولانا حکیم جمیل الدین صاحب گینوی دہلوی سے اور اوپر کی کتابیں مولانا فاروق احمد صاحب جریا کوٹی مولانا عبدالغفار صاحب و مولانا ہدایت داماں صاحب تلمیذ مولانا فضل حق خیر آبادی سے پڑھیں۔

۲۵ھ میں دیوبند تشریف لائے، حضرت شیخ الہندؒ کی تجویز و مشورہ سے پہلے سال ہدایہ، جلالین، متنبی وغیرہ پڑھیں، اور دوسرے سال شمائل ترمذی بخاری و بیضاوی (حضرت شیخ الہندؒ سے) طحاوی، ابوداؤد، نسائی و موطائین (حضرت علامہ مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ سے) مسلم و ابن ماجہ (حکیم محمد حسن صاحبؒ سے) پڑھیں، حضرت شاہ صاحبؒ کے ابتدائی دس سالہ قیام دارالعلوم کے زمانہ میں آپ نے دارالعلوم میں معقولات اور آخری دس سال میں مشکوٰۃ وغیرہ پڑھائیں، اب تقریباً ۹۵ سال سے درس حدیث ہی دیتے ہیں۔

۱۳۵۸ھ میں جامعہ ڈابھیل تشریف لے گئے اور ۶ ماہ درس حدیث دیا، پھر مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں دو سال رہے، دو سال چانگام قیام فرمایا، اس کے بعد پھر دارالعلوم ہی میں افادات کا سلسلہ جاری ہے۔

آپ نے متعدد تصانیف کیں، جن میں سے شرح ترمذی شریف نہایت اہم سے جس کی جلد اول یا استثناء چند ابواب مکمل ہے اور دوسری زیر تالیف ہے، خدا کرے جلد مکمل و شائع ہو کر طالبین علوم حدیث کے لئے مشعل راہ ہو متعنا اللہ بول حیاۃ النافعہ۔

۱۷۔ آپ کا مسکن موضع اعظم گڑھ ہے، حضرت گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، آپ نے قرآنہ خلف الامام رفع یدین اور تقلید وغیرہ پر مفید علمی تحقیقی رسائل لکھے جو شائع ہو چکے ہیں۔

۴۶۴- المحدث الجلیل العلامة المفتی السید محمد مہدی حسن الشاہ جہاں پوری حنفی رحمہ اللہ

نہایت بلند پایہ نامور محدث فقیہ، جامع العلوم ہیں، آپ نے علوم کی تکمیل حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سے کی، تقریباً چالیس سال تک افتاء و تصنیف کتب حدیث کا مشغلہ بزمانہ قیام راندیروسوات رہا، اب عرصہ سے مسند نشین دارالافتاء دارالعلوم دیوبند ہیں، کبھی کبھی کوئی کتاب دورہ حدیث کی بھی پڑھاتے ہیں، احادیث و رجال پر بڑی وسیع نظر ہے۔

قوت حافظہ، وسعت مطالعہ، کثرت معلومات و وقت نظر میں امتیازی نشان ہے، غیر مقلدین کی دراز دستیوں کے جواب میں لا جواب تحقیقی کتابیں لکھیں جو شائع ہو چکی ہیں، کتاب الآثار امام محمد کی شرح چار جلدوں میں تالیف کی، جو حدیثی تحقیقات کا بیش قیمت ذخیرہ ہے، افسوس کہ یہ کتاب اب تک شائع نہ ہو سکی۔

دوسری اہم حدیثی تالیفات کتاب الحج امام محمد کی شرح ہے، یہ بھی علماء حدیث کے گراں بہا نعمت ہوگی، حضرت علامہ مولانا ابوالوفاء صاحب نعمانی مدیر احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن کے خصوصی اصرار و خواہش پر اس کی تالیف ہو رہی ہے اور خدا کا شکر ہے کہ تین ربع سے اوپر ہو چکی ہے، اسی ادارہ کی طرف سے شائع بھی ہوگی۔ انشاء اللہ

طحاوی شریف پر بھی محدثانہ تحقیق سے تعلیقات لکھی ہیں، آپ نے حضرت شاہ صاحب سے بھی بزمانہ قیام ڈابھیل بکثرت استفادہ فرمایا ہے۔ معنا اللہ بطول حیاة النافعة۔

۴۶۵- شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا بن شیخ الحدیث مولانا محمد یحییٰ الکاندھلوی حنفی رحمہ اللہ

مشہور و معروف محدث، مصنف، جامع العلوم، شیخ طریقت و شیخ مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم سہارنپور ہیں، رمضان ۱۳۱۵ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، حفظ قرآن مجید کے بعد اکثر کتابیں حتیٰ کہ دورہ حدیث بھی والد ماجد سے پڑھیں، کچھ کتابیں اپنے عم محترم حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے پڑھی تھیں، ایام طفولیت حضرت گنگوہی قدس سرہ کے ظل عاطفت میں گزارے۔

حضرت والد صاحب کی وفات کے بعد بخاری و ترمذی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی سے پڑھیں، حضرت مولانا نے ”بذل المحمود“ کی تالیف میں آپ کو شریک کیا، نیز آپ نے ”اوجز المسائل شرح موطأ امام مالک“ (۶ جلد ضخیم) پوری تحقیق سے لکھی حضرت گنگوہی کی تقریر درس ترمذی شریف کو ”اللوکب الدرر“ کے نام سے دو جلدوں میں مع تعلیقات مرتب کیا ہے اسی طرح تقریر درس بخاری شریف کو مع تعلیقات ”لامع الدراری“ کے نام سے مرتب فرمایا ہے، جس کی جلد اول شائع ہو چکی ہے، دوسری زیر طبع ہے، ان کے علاوہ تبلیغ، نماز، روزہ، حج زکوٰۃ وغیرہ کے فضائل پر نہایت مفید کتابیں تالیف کیں، آپ کی تمام تصانیف شروح و تعلیقات گراں قدر علمی جواہر پاروں سے مزین ہیں، بڑے عابد، تقی و تقی، صاحب المکارم ہیں، درسی خدمات اپنے والد ماجد کی طرح حسب اللہ (بغیر تنخواہ) انجام دیتے ہیں (معنا اللہ بطول حیاة النافعة۔)

۴۶۶- الشیخ الجلیل المحدث النبیل العلامة ظفر احمد تھانوی حنفی رحمہ اللہ

مشہور و معروف علامہ محدث ہیں، آپ کی ولادت اپنے جدی مکان واقع محلہ دیوان دیوبند ۱۳ رجب الاول ۱۳۱۰ھ کو ہوئی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی، تھانہ بھون پنچے اور حضرت تھانوی کے نصاب ”ضمان الکمل“ کے مطابق کتابیں پڑھیں، حضرت تھانوی سے بھی التخصیصات العشر کے چند سبق پڑھے، باقی اپنے بھائی مولانا سعید احمد صاحب مرحوم سے پڑھا۔

پھر آپ مع بھائی موصوف کے کانپور تشریف لے گئے ہاں رہ کر حضرت مولانا محمد رشید صاحب کانپوری (تلمیذ حضرت تھانوی) سے ہدایہ آخرین، جلالین و مشکوٰۃ شریف پڑھی اور حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی (تلمیذ حضرت تھانوی) سے صحاح ستہ و بیضاوی شریف پڑھی اس طرح ۲۶ھ میں دینیات سے فارغ ہو کر اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوئے۔

۲۸ھ میں آپ نے مظاہر العلوم سہارنپور میں منطق و غیرہ فنون کی تکمیل کی اور اس زمانہ میں حضرت مولانا خلیل احمد کے درس بخاری میں بھی شرکت فرماتے رہے، ۲۸ھ کے عظیم الشان جلسہ دستار بندی دارالعلوم دیوبند میں شریک ہوئے، اسی سال حریم شریفین کی حاضری سے بھی مشرف ہوئے، ۲۹ھ میں واپس ہوئے تو مدرسہ مظاہر العلوم کی درسی خدمات سپرد ہوئیں، سات سال سے زیادہ وہاں رہے، ۳۹ھ سے ۶۸ھ تک تھانہ بھون قیام فرما کر اعلان السنن کی تالیف، افتاء و درس حدیث و فقہ میں مشغول رہے، اسی دوران دو سال سے کچھ زیادہ رنگون بھی قیام فرمایا اور حضرت علامہ کشمیری رنگون تشریف لے گئے تو ان سے بھی حدیث کی اجازت حاصل کی۔

۵۹ھ سے ۷۴ھ تک ڈھا کہ قیام رہا، ۶ سال ڈھا کہ یونیورسٹی میں حدیث و فقہ کا درس دیا اور مدرسہ اشرف العلوم میں بھی موطائین، بخاری و بیضاوی شریف کا درس دیا جس میں پروفیسران یونیورسٹی بھی شرکت کرتے تھے، ۸ سال مدرسہ عالیہ ڈھا کہ میں مدرس اول رہے، حدیث و فقہ کا درس دیا، اسی زمانہ میں جامع قرآنیہ میں بھی بخاری شریف وغیرہ پڑھائیں آخر ۷۴ھ سے اس وقت تک دارالعلوم ٹنڈوالڈیاری سندھ میں مقیم ہیں، بخاری، مسلم، ترمذی، بیضاوی، موطائین، طحاوی، شرح النخبہ و حجتہ اللہ البالغہ کا درس دیتے ہیں۔

آپ کی تصانیف عالیہ یہ ہیں: (۱) اعلاء السنن (۲۰ جلد) اس کے علاوہ مقدمہ گیارہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، احادیث احکام کا نہایت گراں قدر مجموعہ ہے، اس کی تالیف حضرت تھانوی کے ارشاد خاص سے ہوئی اور دوران تالیف میں آپ دلائل حنفیہ معلوم کرنے کے لئے حضرت علامہ کشمیری کی خدمت میں دیوبند جاتے رہے، حضرت شاہ صاحب اپنی بیاض خاص آپ کو عطا فرمادیتے تھے جس سے آپ دلائل حنفیہ کے حوالے مع تعین صفحات وغیرہ کر لیتے تھے، اس طرح آثار السنن علامہ نیوی کی طرح یہ تالیف عظیم بھی حضرت شاہ صاحب کے خصوصی افادات کا گنجینہ ہے، کاش! اس کی بقیہ جلدیں بھی جلد شائع ہو سکیں (۲) ”علماء ہند کی خدمت حدیث“ یہ اہم مقالہ رسالہ معارف اعظم گڑھ کی چند قسطوں میں شائع ہوا تھا (۳) ”خطیب بغدادی اور منکرین حدیث“ منکرین حدیث نے خطیب کی تاریخ سے امام ابوحنیفہ کی احادیث مرویہ کو رد کرنے سے اپنی تائید حاصل کی تھی جس کا آپ نے نہایت تحقیقی جواب لکھا، یہ پورا مقالہ رسالہ ”الصدیق“ ملتان میں مسلسل شائع ہوا (۴) مسئلہ ربوانی دارالحرب یہ بھی ”معارف“ کی کئی اقساط میں شائع ہوا (۵) ”فاتحہ الکلام فی القراءۃ خلف الامام“ (زیر طبع) (۶) شق الغین عن حق رفع الیدین (۷) القول التین فی الجبر الانفاء بآمین، یہ دونوں مقالے پیام حق کراچی میں شائع ہوئے ہیں (۸) احکام القرآن، قرآن مجید سے مسائل حنفیہ کا استنباط (غیر مطبوعہ) (۹) رحمۃ القدوس ترجمہ بہجۃ النفوس (طبع شدہ) (۱۰) القول المنصور فی ابن منصور (شائع شدہ) وغیرہ۔ یہ تمام حالات آپ کے مکتوبات گرامی مورخہ ۲ شعبان ۸۱ھ سے لئے گئے ہیں، آپ کی اسانید حدیث وغیرہ بھی گیارہ صفحات کے ایک رسالہ میں شائع ہو گئی ہیں معنا اللہ بطول حیاۃ النافعہ۔

۴۶۷- العلامة المحدیث مولانا محمد یوسف کاندھلوی حنفی رحمہ اللہ

مشہور عالم مبلغ اسلام، شیخ طریقت و شریعت حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کے خلف ارشد، تبلیغی جماعت بستی نظا الدین دہلی کے امیر عالی مقام، آپ کی ولادت جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ میں ہوئی، حفظ قرآن مجید کے بعد فارسی و عربی کی ابتدائی کتب حضرت والد ماجد اور اپنے ماموں مولانا احتشام الحسن وغیرہ سے پڑھیں، ۵۱ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے، مختلف علوم و فنون کی کتابیں

پڑھیں پھر ۵۴ھ میں کتب حدیث بھی اپنے والد بزرگوار ہی سے پوری کیں، ۵۶ھ میں والد صاحب کے ساتھ حجاز کا سفر فرمایا، ۵۷ھ میں واپس ہو کر درس و تصنیف میں مشغول ہوئے، رجب ۶۳ھ میں والد ماجد کی وفات ہوئی، ان کے بعد سے برابر تبلیغی خدمات میں شب و روز انہماک ہے، آپ کی تصانیف میں سے نہایت گراں قدر حدیثی تصنیف ”امانی الاحبار شرح معانی الآثار امام طحاوی“ ہے جس کی ایک جلد شائع ہو چکی ہے اور دوسری زیر طبع ہے۔

اس میں علامہ یعنی کی نادر شروع شرح معانی الآثار اور دوسری شروع حدیث و کتب رجال سے مدد لے کر عالی قدر تحقیقی مباحث جمع کر دیئے گئے ہیں، خدا کرے اس کی تکمیل و اشاعت جلد ہو۔ و ما ذلک علی اللہ بعزیز، معنا اللہ بطور حیاة النافعة۔

۴۶۸- العلامة المحمدت مولانا ابوالوفا افغانی حنفی رحمہ اللہ

ادارہ احياء المعارف النعمانية حیدرآباد کے بانی و سرپرست، بلند پایہ محقق محدث، جامع معقول و منقول ہیں، آپ نے اپنے ادارہ سے اپنی قیمتی تعلیقات و تصحیح کے ساتھ حسب ذیل نوادر شائع فرما کر علمی حدیثی دنیا پر احسان عظیم فرمایا ہے:

العالم و المتعلم للامام اعظم، کتاب الآثار للامام ابی یوسف، اختلاف ابی حنیفہ و ابی لیلیٰ للامام ابی یوسف، الرد علی سیر الاوزاعی للامام ابی یوسف، الجامع الکبیر للامام محمد، شرح النفقات للامام الخفاف وغیرہ۔

اس وقت آپ کتاب الآثار امام محمد پر نہایت محذنانہ محققانہ تعلیقات لکھ رہے ہیں، تقریباً نصف کام ہو چکا ہے یہ کتاب مجلس علمی ڈابھیل و کراچی کی طرف سے حیدرآباد دکن میں عمدہ ٹائپ سے اعلیٰ کاغذ پر چھپ رہی ہے، تقریباً ۲ سو صفحات کے مطبوعہ فرمے راقم الحروف کے پاس آئے ہیں یہ بھی حدیث کی ایک عظیم خدمت ہے جو مجلس علمی کے حصہ میں آرہی ہے، اللہ تعالیٰ شرف قبول سے نوازے، امید ہے کہ یہ کتاب دو جلد میں پوری ہوگی، مولانا موصوف نوادر کی تلاش و اشاعت کا بڑا اہم کام انجام دے رہے ہیں مدرسہ نظامیہ حیدرآباد میں درسی خدمات بھی دیتے ہیں بارک اللہ فی اعمالہ المبارکہ و متعنا جميعا بطول حیات النافعة۔

۴۶۹- العلامة المحمدت الادیب الفاضل مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ

مشہر و مصنف، محقق محدث، جامع معقول و منقول ہیں، آپ نے نہایت مفید علمی تصانیف فرمائی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

لغات القرآن، امام ابن ماجہ اور علم حدیث، تلمس الیہ الحاجۃ (مقدمہ ابن ماجہ) اتعقبات علی الدراسات، اتعلیقات علی ذب ابابات الدراسات، اتعلیق القویم علی مقدمہ کتاب التعلیم، مقدمہ موطا امام محمد (مترجم) مقدمہ مسند امام اعظم (مترجم) مقدمہ کتاب الآثار امام محمد (مترجم)۔

آپ کی تمام کتابیں گہری ریسرچ کا نتیجہ اور اعلیٰ تحقیق کی حامل ہیں، مقدمات و تعلیقات میں آپ کے تحقیقی افکار، علامہ کوثری کے طرز سے ملتے جلتے ہیں، اسی لئے آپ کی صراحت پسندی اور بے باک تنقید کچھ طبائع پر شاق ہو گئی ہے، لیکن اہل بصیرت اور انصاف پسند حضرات آپ کی تلخ نوائی و جرأت حق گوئی کی مدح و ستائش کرتے ہیں، معنا اللہ بطول حیاة النافعة۔

۴۷۰- العلامة المحمدت مولانا عبید اللہ مبارک پوری رحمہ اللہ

علماء اہل حدیث میں سے اس وقت آپ کی علمی شخصیت بہت ممتاز ہے، آپ ایک عرصہ سے مشکوٰۃ شریف کی شرح لکھ رہے ہیں، جس کے دو حصے شائع ہو چکے ہیں، افسوس ہے کہ راقم الحروف اب تک ان کو نہ دیکھ سکا، اس لئے کوئی رائے بھی قائم نہیں کی جاسکتی، بظاہر جو حالات مولانا موصوف کی خاموشی طبع و سلامت روی کے سنے ہیں ان سے توقعات بھی اچھی ہی ہیں، علامہ موصوف کے دوسرے حالات اور علمی و عملی

کمالات کا بھی کوئی علم نہ ہو سکا، معنا اللہ بطول حیاتہ النافعہ۔

۴۷۱- العلامة المحدث ابو الحسنات مولانا سید عبداللہ شاہ حیدر آبادی حنفی رحمہ اللہ

جلیل القدر محدث، محقق و مصنف ہیں، آپ نے مشکوٰۃ شریف کے اسلوب پر حنفیہ کے لئے احادیث نبوی علی صاحبہا الف الف سلام و تحیہ کا نہایت جامع و مستند ذخیرہ ”زجاجة المصباح“ کے نام سے تالیف فرمایا ہے یہ کتاب پانچ ضخیم جلدوں میں مکمل ہو کر عمدہ سفید کاغذ پر اعلیٰ طباعت سے شائع ہو گئی ہے اس کتاب میں باب و عنوان سب مشکوٰۃ ہی کے رکھے گئے ہیں، ان کے تحت احادیث احناف کو جمع کر دیا ہے، نیز عنوان میں جن مقامات پر فقہ شافعی کی رعایت صاحب مشکوٰۃ نے کی تھی، اس کتاب میں ان مقامات پر شاہ صاحب موصوف نے فقہ حنفی کی رعایت فرمائی ہے، اکثر احادیث کے آخر میں تنقید و رواۃ بھی کی گئی ہے، پھر فقہ حنفی پر اعتراضات کے مدلل جوابات بھی دیئے ہیں۔

اس عظیم الشان حدیثی تالیف کے مطالعہ کے بعد معترضین، منکرین و معاندین کو بھی اس امر کے اعتراف سے چارہ کار نہ ہوگا کہ امام اعظمؒ کے اقوال علاوہ احادیث کے کسی نہ کسی صحابی یا تابعی کے اقوال سے ماخوذ ہیں، اس لئے امام صاحبؒ پر اعتراض کرنا صحابی یا تابعی پر اعتراض کرنے کے برابر ہے۔

حضرت مؤلف کی عمر اس وقت تقریباً نوے سال ہے اور خدا کے فضل و توفیق سے آپ کی ہمت و عزم جواں کا یہ حال ہے کہ آج کل کتاب مذکور کے اردو ترجمہ میں شب و روز مصروف رہتے ہیں، خدا کرے ترجمہ کی بھی تکمیل و اشاعت جلد ہو سکے۔ معنا اللہ بطول حیات النافعہ۔

حالات راقم الحروف سید احمد رضا عفا اللہ عنہ بجنوری

احقر کی پیدائش جنوری ۱۹۰۷ء میں بمقام بجنوری میں ہوئی، وادھیال سیتا پوری اور نانہیال جہاں آباد ضلع بجنور ہے، ان دونوں خاندانوں کا مفصل تذکرہ اور سلسلہ نسب کتاب ”شجرات طیبات“ مصنفہ ظہور الحسن صاحب سیتا پوری میں ص ۶۲۶ و ص ۹۳ پر مذکور ہے یہ کتاب انساب سادات ہند میں غالباً سب سے بڑی تصنیف ہے جو ۹۶۰ صفحات میں امیر المطالع سیتا پور سے چھپ کر ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی تھی، احقر کے والد پیر جی شبیر علی صاحب مرحوم کو انساب کی تحقیق و جستجو کا نہایت شغف تھا، اس لئے ان سے مؤلف کتاب مذکور کی عرصہ تک تحقیق حالات سادات ضلع بجنور کے سلسلہ میں مکاتبت بھی رہی ہے، احقر کی ابتدائی فارسی وغیرہ کی تعلیم بجنور ہوئی، ۱۰ سال کی عمر میں عربی کے لئے سیوہارہ کے مدرسہ فیض عام میں داخل ہوا۔

حضرت مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب دام ظلہم بھی اس وقت وہاں فوقانی تعلیم حاصل کر رہے تھے، مولانا بشیر احمد صاحب بھٹہ مرحوم بھی اس وقت وہیں مقیم تھے، ان دونوں حضرات سے تعلق نیاز مندی اسی زمانہ سے حاصل ہوا، وہاں میرا قیام اپنے تائے میر فیاض علی مرحوم کے تعلقات کی وجہ سے جناب چودھری مختار احمد صاحب رئیس سیوہارہ کے در دولت پر رہا جو بڑے علم دوست، نہایت عالی قدر، مرجع عوام و خواص بزرگ تھے، غالباً ۱۸ء تک وہاں رہا، ۱۹ء تا ۲۲ء مدرسہ عربیہ قادریہ حسن پور جا کر تعلیم جاری رکھی، وہاں مولانا ولی احمد صاحب کیملپوری (تلمیذ حضرت شیخ الہند) کی تعلیم و تربیت سے مستفید ہوا، مطالعہ کتب کا ذوق و شوق بھی جو کچھ حاصل ہوا وہ انہی کا فیض ہے۔

۲۳ء تا ۲۶ء دارالعلوم دیوبند میں رہا اس چار سالہ قیام میں زیادہ تعلق حضرت شاہ صاحب، حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا اعجاز علی صاحب سے رہا، ۲۵ء، ۲۶ء جس میں دورہ حدیث تھا، اصلاحی تحریک کی تائید میں طلبہ نے دوبار تعلیمی مقاطعہ کیا، حضرت شاہ صاحب چند ماہ ترمذی پڑھا چکے تھے، پھر مستعفی ہو گئے اور دوسرے اکابر اساتذہ نے بھی ترک تعلق کیا تو طلبہ نے مکمل اسٹراٹک کی جس میں احقر بھی شریک تھا، حضرت شاہ صاحب کے ترک تعلق پر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نے ماتی ترمذی شریف و بخاری شریف پڑھائی، دوسری اسٹراٹک ہوئی تو

احقر نے عدم شرکت اور تعلیم پوری کرنے کو ترجیح دی، جس کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ سے بھی اجازت حاصل ہو گئی۔ اس طرح وہ دورہ کا سال پورا کر کے احقر تبلیغ کالج کرنا ل چلا گیا، وہاں تین سال اور چند ماہ رہ کر تبلیغی ضرورت کے لئے انگریزی پڑھی، ادب عربی کے تخصص کا نصاب پورا کیا اور کتب مذاہب و مل کا مطالعہ، مشق تقریر، تحریر و مناظر کا سلسلہ رہا۔ وہاں سے فارغ ہو کر ۲۹ء میں ڈابھیل پہنچا اور مجلس علمی سے تعلق ہوا جو ۳۵ء تک باقی رہا، اس کے بعد رفتہ رفتہ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ مجلس کو مستقل طور سے کراچی منتقل کرنا پڑا، حضرت مخدوم و محترم مولانا محمد بن موسیٰ میاں صاحب بانی مہر پرست مجلس نے احقر کو وہاں بھی بلانا چاہا اور اپنے خصوصی تعلق کی بناء پر مع متعلقین کراچی میں رہنے کی سہولتیں بھی دینا چاہیں، مگر احقر کے لئے بعض وجوہ سے ترک وطن کو ترجیح نہ ہو سکی۔

کرشمہ غیبی، حق تعالیٰ کی شان کریمی اور فضل و انعام کو دیکھنے کہ ۳۶ء میں دورہ کے سال حضرت شاہ صاحبؒ کے لئے بے نظیر حدیثی درس کی تشنگی سے جو دل شکستگی ہوئی تھی اور حضرت ہی کی اجازت پر تعلیمی سال بادل نخواستہ پورا کر لیا تھا، اس کی تلافی چند سال بعد ڈابھیل کے قیام میں ہوئی کہ آپ کے آخری دو سال کے درس بخاری شریف میں شرکت و استفادہ کی نعمت غیر مترقبہ مل گئی اور چونکہ حضرت کے افادات خصوصی کی قدر و منزلت بھی دل میں اچھی طرح جاگزیں ہو چکی تھی، اس لئے زیادہ توجہ بھی آپ کے ان ہی افادات پر مرکوز رہی جن کی پوری قدر اب انوار الباری کی ترتیب کے وقت ہو رہی ہے، والحمد والمنة۔

۳۸ء و ۳۹ء میں فیض الباری و نصب الراية وغیرہ طبع کرانے کی غرض سے رفیق محترم مولانا المکرم علامہ بنوری کے ساتھ حرمین و مصر و ترکی کا سفر ہوا ۱۰۰۹ ماہ قیام مصر میں علامہ کو ثرائی سے تعلق و استفادات بھی بڑی نعمت تھے، جس طرح ترکی کے کتب خانوں کی بے نظیر مخطوطات عالم اور مصر کے معابد اسلامیہ کی زیارت قابل فراموش نہیں۔

اس خالص علمی سفر کے اول و آخر جو اپنے محبوب ترین روحانی مراکز مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کی حاضری و حج و زیارت کی نعمت و سعادت اور دونوں بار طویل قیاموں میں علماء حرمین سے تعلق و استفادات، معابد و مکاتب حرمین کی زیارات، یہ وہ نعمتیں ہیں جن سے اوپر کسی نعمت کا تصور اس دنیوی زندگی میں نہیں ہو سکتا۔

شکر نعمتہائے تو چند انکہ نعمتہائے تو عذر تقصیرات ما چند انکہ تقصیرات ما

دارالعلوم سے فراغت کے بعد بیعت سلوک کی طرف رجحان ہوا، حضرت شاہ صاحبؒ قدس سرہ سے استشارة کیا کہ کس سے بیعت ہوں تو حضرت نے حضرت شیخ وقت مولانا حسین علی صاحب میانوالی قدس سرہ کا مشورہ دیا، احقر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوا اور تاحیات استفادات کرتا رہا، چند سال قبل حضرت شیخ و مرشد مولانا عبداللہ شاہ صاحب خلیفہ حضرت مولانا احمد خان صاحب کندیاں ضلع میانوالی سے پہلے ذریعہ مکاتبت اور پھر سرہند شریف میں وقت زیارت مشافہتہ شرف بیعت حاصل کیا، آپ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح آپ کے جانشین حضرت شیخ و مرشد مولانا خان محمد صاحب دام برکاتہم سے پہلے ذریعہ مکاتبت پھر گذشتہ سال وقت تشریف آوری دیوبند مشافہتہ بیعت سے مشرف ہوا، واللہ الموفق لما سچہ و یرضی، زمانہ تعلق مجلس علمی ڈابھیل میں ۳۵، ۳۶ سال تک کتب درسیہ بھی جامعہ ڈابھیل میں پڑھائیں، یاد رہے کہ البلاغۃ الواضحہ، قدوری، کنز و ہدایہ میدی، و شرح عقائد، دیوان مثنوی و سبہ معلقہ وغیرہ پڑھائیں، حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب جس زمانہ میں افریقہ گئے تھے تو اہتمام جامعہ بھی احقر و مولانا مفتی بسم اللہ صاحب کو سپرد کر گئے تھے، دیوبند سے فارغ ہو کر احقر نے ”مولوی فاضل“ پنجاب یونیورسٹی کے امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے کامیابی حاصل کی تھی اور چار سال تک مولوی فاضل کے پرچہ جواب مضمون عربی کا ممتحن بھی رہا۔

۳۶ء سے ۵۲ء تک احقر کا قیام بجنور رہا جس میں مطب کا مشغلہ اور کچھ لکھنے پڑھنے کا کام بھی اہتمام یتیم خانہ اسلامیہ بجنور کے ساتھ رہا، ۵۳ء سے ۵۹ء تک دہلی قیام رہا، جس میں دفتر و نامہ الجمعیتہ اور الجمعیتہ پریس سے انتظامی تعلق رہا۔

یہاں بطور تحدیث نعمت یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ۴۷ء میں احقر کا عقد نکاح حضرت شاہ صاحب کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا (نکاح حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھایا تھا) ان سے حضرت شاہ صاحب کی زندگی کے بہت سے واقعات خصوصاً گھریلو زندگی کے بہت سے حالات کا علم بھی مجھے ہوا، خدا کرے، حضرت شاہ صاحب کے اس تعلق سے مجھے نفع آخرت بھی حاصل ہو، آمین۔

اب دو سال سے دارالعلوم دیوبند کے شعبہ نشر و اشاعت سے تعلق ہے جس میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کی تصانیف کی تسہیل، عنوان بندی و تصحیح اغلاط مطبعی وغیرہ کا کام سپرد ہے، یہاں کے قیام میں ماہوار پروگرام کے رواج اور قسط وار کتابیں شائع کرنے کی سہولت دیکھ کر خیال ہوا کہ انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری کا کام کیا جائے جس کے لئے مقدمہ اور تذکرہ محدثین کی ضرورت محسوس ہوئی خدا کا شکر ہے کہ پہلی جلد کے بعد مقدمہ کی دوسری جلد بھی شائع ہو رہی ہے، اس کے بعد شرح بخاری کا پہلا پارہ آجائے گا، ان شاء اللہ، اسی طرح اس حدیثی خدمت کی ۴۰ منزلیں پوری کی جائیں گی، واللہ الموفق المیسر۔

آراء و ارشادات گرامی

تذکرہ محدثین حصہ اول میں علاوہ دیگر مباحث و تفصیلی تذکرہ امام اعظمؒ، ڈیڑھ سو محدثین کے اجمال و تفصیلی تذکرے آچکے تھے، پیش نظر حصہ دوم میں ۴۷۱ محدثین کے مستقل تذکرے اور ضمنی تذکرے مثلاً حضرت علامہ کشمیر قدس سرہ یا حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ کے تلامذہ محدثین وغیرہ بھی تقریباً ایک سو ہوں گے، اس طرح سات سے زیادہ مجموعی تذکرے سامنے آگئے۔

خیر الامم (امت محمدیہ) میں سب سے زیادہ برگزیدہ طبقہ فقہاء و محدثین کا ہے، کیونکہ نرے مفسرین یا محدثین کا پایہ بھی اس سے نیچے ہے اسی لئے اس طبقہ کی دینی و علمی خدمات کا بھی سب سے اونچا مقام ہے، اس جامع و صف روایت و درایت برگزیدہ طبقہ کی ایک مستقل و مکمل تاریخ مدون ہونے کی نہایت ضرورت ہے، تاکہ دینِ قیم کے ان جلیل القدر خدام کے بابرکات انفاس و علمی خدمات سے تعارف حاصل ہو، اماندرجہ بالا ضرورت، ۲ شرح بخاری شریف کی مناسبت، ۳ حضرت شاہ صاحب کے طرق درس کے باعث جگہ جگہ محدثین کے حالات پر روشنی ڈالا کرتے تھے، اور اس خیال سے بھی کہ محدثین احناف کو مطبوعہ کتب رجال و طبقات میں صحیح جگہ نہیں ملی تھی، تذکرہ محدثین کی دو جلدیں پیش ہیں۔

اس نقش اول میں بہت سے تذکرے مواد میسر نہ ہونے کی وجہ سے ناقص بھی رہے، بعض کتابوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد بھی نامناسب ہوا، اپنے مخلص بزرگوں نے بعض خامیوں کی طرف بھی توجہ دلائی، بہت سی مطبعی اغلاط بھی باعث ندامت ہوئیں، انشاء اللہ، ان سب امور کی تلافی کی جائے گی اور جتنے مفید علمی مشورے آئے ہیں، یا آئندہ آئیں گے سب پر عمل کیا جائے گا۔

مجھے اس امر سے نہایت مسرت ہے کہ اہل علم نے میری اس خدمت پر توجہ کی، کتاب ملاحظہ فرما کر اپنی مفصل رائے، مفید اصلاحات و مشوروں سے نوازا اور میں ان سے مستفید ہوا، یہاں اپنے اکابر و احباب کے بیسیوں مکاتیب گرامی میں سے حسب گنجائش چند ایک پیش ہو رہی ہیں۔

مکتوب گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ

مکرم محترم زادت معالیکم، بعد سلام مسنون گرامی نامہ کئی دن ہوئے موجب منت ہوا تھا، بڑی ندامت ہے کہ عریضہ کے لکھنے میں امراض و اعراض کی وجہ سے تاخیر ہو گئی، کتاب تو فرط شوق میں اسی وقت رات ہی کو سننا شروع کر دی تھی اور فہرست پوری اور چند مباحث تو رات کے ۱۲ بجے تک اسی دن سنے تھے، اس کے بعد بھی چند مرتبہ کچھ حصہ دن میں خود دیکھا اور کچھ رات کو کسی سے سنا اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے کہ آپ نے بہت ہی محنت اور تفصیل سے مضامین کو جمع فرمایا، بالخصوص امام صاحب کے متعلق تفصیل بہت ہی اہم اور مفید ہیں، حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور دارین میں اس کی بہترین جزاء خیر عطا فرمائے اور لوگوں اس سے زیادہ سے زیادہ

تمتع کی توفیق عطا فرمائے، بلا کسی تصنع اور تواضع کے عرض ہے کہ اس ناکارہ کا ذکر اس اہم اور مبارک کتاب میں کتاب کے لئے عیب ہے، آپ نے دوسرے حصہ کو بھی اس ذکر سے عیب دار بنانے کا خیال ظاہر فرمایا، بندہ کی درخواست ہے کہ اس سے اپنی مبارک کتاب کی وقعت نہ گرائیں، اس میں کوئی تصنع نہیں ہے، بندہ کو تقاریظ لکھنا نہیں آتیں، کیا یہ عرض اس کا بدل نہ ہو سکے گا؟، فقط ذکر کیا..... ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۸ھ

مکتوب گرامی سیدی وسندی الشیخ مولانا خان محمد صاحب نقشبندی مجددی رحمہ اللہ

بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التسلیمات والتحیات فقیر خان محمد عفی عنہ بگرامی خدمت حضرت مولانا احمد رضا صاحب عرض گزار ہے کہ آپ کا ولانا مع رجسٹری انوار الباری موصول ہو کر باعث سرفرازی ہو اس ہدیہ بہیہ اور یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ جزاک اللہ تعالیٰ عننا خیر الجزاء، حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہ نے ایک سال اپنے مخلصین کو دورہ حدیث پڑھایا تھا جس میں حضرت کے صاحبزادے مولوی محمد سعید مرحوم، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب قدس سرہ اور دیگر علماء متوسلین کی جماعت شامل تھے، حضرت نے سارے علوم کی تکمیل تین سال کانپورہ میں رہ کر کی، مولانا عبید اللہ صاحب پنجاب کے مشہور مدرس کانپور میں تھے، اکثر کتابیں ان سے پڑھیں۔

انوار الباری کا طرز بہت مفید ہے اور فقیر کو پسند آیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کے اسباب پیدا فرمائے اور آپ کے اخلاص میں ترقی اور کام میں برکت عطا فرمائے، آمین

مکتوب گرامی حضرت استاذی المعظم مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث رحمہ اللہ جامعہ اشرفیہ لاہور

بعد تحیہ مسنونہ و ہدیہ دعوات غائبانہ آنکہ ہدیہ محبت و رضا موصول ہوا، جس کو اگر اصح الہدایہ کہا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح ہوگا اور ایسے ہدیہ صحیحہ کے ساتھ حسن غریب لا تعرفہ الا من ہذا الوجه (ای من وجہ السید الرضا) کا بھی اضافہ کر دیا جائے تو صحت اور غرابت کے اجتماع میں کوئی اشکال نہ ہوگا یہ ہدیہ موجب صدمسرت ہوا، اللہ تعالیٰ اتمام و اکمال کی توفیق بخشے اور اپنے قرب و رضا کا ذریعہ بنائے، آمین ثم آمین۔
بقیہ اجزاء کا انتظار ہے، آں محترم اولین فرصت میں ان کے اجزاء اس ناچیز کے نام ارسال کرتے رہیں، ان اجزاء کی جو قیمت ہوگی وہ میں انشاء اللہ تعالیٰ محبت محترم مولانا مولوی محمد یوسف صاحب بنوری سلمیہم کے پاس جمع کرتا رہوں گا، زیادہ بجز اشتیاق لقا و ہدیہ دعا کیا عرض کروں۔

مکتوب گرامی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی شیخ الحدیث دارالعلوم ٹنڈوالہار سندھ رحمہ اللہ

انوار الباری کا مقدمہ حصہ اول موجب مسرت و ابہتاج ہو ابوجہ علالت میں جلد نہ دیکھ سکا، اب بھی پورا نہیں ہوا، مگر اکثر مقامات سے لکھا ماشاء اللہ خوب ہے میرے حالات کہیں نہیں چھپے نہ میں نے لکھے، آپ کی خاطر کچھ لکھ کر ارسال کر دوں گا۔

تقریظ حضرت مولانا ابوالہما اثر حبیب الرحمن صاحب اعظمی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند رحمہ اللہ

مقدمہ انوار الباری حصہ اول کو مختلف مقامات سے میں نے بغور پڑھا، مختلف کتابوں میں جو قیمتی معلومات منتشر تھے، ان کو مؤلف کتاب جناب مولانا احمد رضا بجنوری نے جس محنت و جانفشانی سے یکجا اور مرتب کیا ہے اس کی داد نہ دینا ستم ہے، معمولی فرد گذشتوں سے کسی مؤلف کی کتاب کا خالی ہونا تقریباً ناممکنات سے ہے اس لئے ان سے قطع نظر کر کے کہا جاسکتا ہے کہ یہ مقدمہ بہت قیمتی اور بیش بہا معلومات پر مشتمل ہے، میں مؤلف سلمہ اللہ کو ان کی اس تالیف پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

تقریظ حضرت مجاہد ملت مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیتہ العلماء ہند رحمہ اللہ

مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری نے جو جماعتی حیثیت سے میرے رفیق کار بھی ہیں، بخاری شریف جیسی عظیم حدیث کی کتاب پر

اردو میں یہ کوشش کی ہے، کہ رئیس المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے افادات کو بخاری کی شرح کے طور پر پیش کریں، حضرت شاہ صاحب قدس سرہ مسلمہ طور پر اپنے وقت کے علم حدیث میں مجدد سمجھے گئے ہیں اور حدیثی تنقیح و تحقیق میں ان کا پایہ سلف صالحین کی ممتاز اور نمایاں ہستیوں میں سمجھا جاتا ہے، سخت ضرورت تھی کہ اردو زبان میں اس مہتمم بالشان کتاب کے افادات ار باب ذوق و اہل علم کے سامنے آجائیں تاکہ اس کی افادیت زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے، اور یہ معلوم ہو سکے کہ حدیثی تنقیح و تدقیق کے ساتھ ساتھ مسلک حنفی کو حدیث سے کس قدر قربت و یگانگت حاصل ہے۔

مولانا موصوف شکر یہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس سلسلہ کی پہلی کڑی ار باب فکر کے سامنے پیش کر دی ہے جس کا نام مقدمہ انوار الباری شرح بخاری ہے، کتاب کے اس حصہ اول کو دیکھنے سے اہل علم بخوبی اندازہ کر سکیں گے کہ مولانا موصوف نے کس جانکاہی اور علمی کاوشوں کے ساتھ ان علمی افادات کو پیش کیا ہے، حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی سعی کو اہل علم و فکر کی نظر میں ”سعی مشکور“ فرمائے۔

تقریظ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی ناظم جمعیت علماء ہند دامت برکاتہم

حامداً ومصلياً ومسلماً، مولانا المحترم سید احمد رضا صاحب نے حضرت الاستاذ العلام محدث جلیل مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری و قدس سرہ العزیز کے نادر اور بیش بہا افادات کو جس حزم و احتیاط اور شرح و بسط کے ساتھ جمع کرنے کا ارادہ فرمایا ہے، اس کی پہلی قسط یعنی مقدمہ انوار الباری کا حصہ اول ہمارے سامنے ہے، جس تفصیل سے یہ پہلا حصہ مرتب کیا گیا ہے اس سے اس ”بحر خاز“ کا اندازہ ہوتا ہے جو بخاری شریف کی اردو زبان میں مکمل شرح کی شکل میں ہمارے سامنے آئے گا، ان شاء اللہ۔

اس نے اس حصہ کو پڑھنا شروع کیا چونکہ اردو زبان میں ایک نئی اور جامع تصنیف تھی، اس سے اتنی دلچسپی ہوئی کہ دوسرے مشاغل کی الجھنیں فراموش ہوئی اور کتاب کا بہت بڑا حصہ حرفاً حرفاً پڑھ لیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ حصہ اردو داں طبقہ کیلئے نادر تحفہ ہے اور امید ہے کہ اسی طرح دوسرے حصے بھی اردو داں اہل علم کے لئے گراں قدر ہدایا ہوں گے جو زبان اردو کے دامن میں علم حدیث کے قیمتی جواہر پاروں کا اضافہ کر دیں گے، اردو زبان کی عجیب و غریب خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے بولنے اور سمجھنے والوں کی غالب اکثریت امام اعظم حضرت ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت سے رابطہ تقلید رکھتی ہے۔

اردو زبان میں اختلافی مسائل مثلاً قرأت فاتحہ خلف الامام یا آئین بالجہر وغیرہ کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر خود امام صاحب اور آپ کے رفقاء کار کے متعلق کتابیں تو کیا معمولی رسالے بھی شاذ و نادر ہی ہیں۔

ایک حنفی المسلمک جو باقاعدہ عالم نہ ہو وہ اختلافی مسائل پر غیر حنفی سے گفتگو کر سکتا ہے، لیکن امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے متعلق اہل الرائے اور نا آشنا حدیث ہونے کا جو پروپیگنڈہ کیا گیا اور کیا جاتا ہے اس کا محققانہ جواب اس کے پاس نہیں ہوتا، بلاشبہ ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو اس پروپیگنڈے کے تاریک پردوں کو چاک کرے اور جس میں امام صاحب کی ان خصوصیات کا تذکرہ ہو جن کی بناء پر دنیا علم نے آپ کو امام اعظم تسلیم کیا، مقدمہ انوار الباری کا یہ پہلا حصہ جو تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے، ایک جام حیات ہے جو اس ضرورت کو پورا کرتا ہے اور اس تشنگی کو سیرابی سے بدلتا ہے۔

مخالفانہ پروپیگنڈے کی تقویت حضرت امام بخاری کے انداز تحریر سے بھی پہنچی کہ کہیں آپ کے مبہم الفاظ کو امام اعظم کے مسلک پر جرح اور کہیں آپ کے عقائد کے متعلق تنقید اور تنقیص سمجھا گیا۔

انوار الباری کے مصنف مدظلہ العالی نے اس کی طرف توجہ کی ہے اور محققانہ انداز میں بے شمار شواہد و نظائر کے ساتھ ان اعتراضات کا

جواب دیا ہے جو امام صاحب کے علم، مسلک یا عقیدے پر کئے جاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس جواب دہی میں کہیں کہیں دامن احترام کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ارشاد ربانی لایسحب اللہ الجہر بالسوء من القول الا من ظلم اگرچہ مصنف کی اس شوخی تحریر کے لئے جواز پیدا کر دیتا ہے مگر تاہم اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے مصنف کی تعظیم و تکریم ہمارے ان فرائض میں سے ہے جو توازن و تقابل کے وقت بھی کسی تخفیف کو قبول نہیں کرتے۔

بہر حال کتاب ہر ایک طالب علم کے لئے وہ معلم ہو یا معلم، قابل قدر ذخیرہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مقبولیت عطا فرمائے اور مصنف کو اپنے تصنیفی منصوبہ کی تکمیل کی توفیق بخشے و ما ذلک علی اللہ عزیز، محمد میاں عفی عنہ۔

مکتوب گرامی حضرت مولانا ابوالوفا صاحب افغانی رحمہ اللہ مدیر احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن

جزاک اللہ خیر، آپ نے بہت بڑا کام شروع کیا ہے، تذکرے بڑے قیمتی ہیں، امام صاحب کے ختمات کے متعلق تو آپ نے تحقیق کا حق ادا کر دیا مگر مجھے ابھی مولانا شبلی کی تحقیق کے متعلق شبہات ہیں، تحقیق کی فرصت نہیں، کاش! اس اعتراض و جواب کو آپ درج بھی کر دیتے تو آئندہ اس کا سدباب ہو جاتا۔

مقدمہ انوار الباری کا مطالعہ تھوڑا تھوڑا جاری ہے، وقت نہیں ملتا، کبھی اخیر رات میں، کبھی سونے سے قبل دیکھ لیتا ہوں، بڑی محنت کی ہے آپ نے اور بہت سی چیزیں اور خیانتیں متعصبین کی واضح کر دی ہیں، افسوس کے صحیح اچھی نہیں ہوئی، طباعت کی غلطیاں رہ گئی ہیں، آج شب میں امام شافعی کا تذکرہ پڑھا، واقعی! آپ نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے دل سے دعائیں نکلیں۔

مکتوب گرامی حضرت مولانا محمد چراغ صاحب ”العرف الشذی“ رحمہ اللہ

انوار الباری کے مقدمہ کا پہلا حصہ بطور تحفہ کئی دن ہوئے موصول ہو چکا ہے بے حد شکر یہ، اسباق سے فرصت کم ہوتی ہے اور حافظہ کافی حد تک خراب ہو چکا ہے، اور دماغ بیماری کی وجہ سے ذہنی انتشار کا شکار ہے، اس لئے آہستہ آہستہ دیکھنا شروع کیا ابھی کچھ دیکھ چکا تھا کہ ایک علم دوست صاحب عاریہ دیکھنے کے لئے لے گئے۔

اپنی بیماری کی وجہ سے کتاب پر کچھ تبصرہ کرنے کی صلاحیت سے تو عاری ہوں، البتہ اس پر مبارکباد کہ آپ نے حضرت شاہ صاحب کے علوم کو شائع کر کے عام کرنے کا ارادہ فرمایا ہے، جس سال ہم نے دورہ ختم کیا تھا اس وقت بھی بعض شرکاء حدیث نے یہ طے کیا تھا کہ حضرت کے علوم کی اشاعت ہونی چاہئے اور کچھ احباب نے اس کے لئے چندہ دینے کا بھی وعدہ کیا تھا، مگر بعد میں اس خیال کو عملی جامہ نہ نصیب ہوا۔

میرے پاس حضرت شاہ صاحب کے درس بخاری کے نوٹ ہیں (جیسے تقریر ترمذی کے نوٹ بصورت العرف الشذی تھے، ان میں مسائل مختلف فیہا کی طرف توجہ کم ہے، کیونکہ مسائل کے بارے میں حضرت ترمذی کے درس میں مفصل بحث فرمادیا کرتے تھے۔

بخاری کے نوٹس مجھ سے دو تین سال عاریہ لے کر مولانا محمد ادریس صاحب نے اپنے لاہور ابتدائی ایام میں رکھے تھے بعد میں واپس کر دیئے اب اگر مناسب خیال فرمادیں تو میں وہ قلمی کتاب عاریہ آپ کو بھیج دوں کہ آپ اس سے کچھ لینا چاہیں تو لے لیں؟ مگر یہ بھی فرمادیں کہ کیا پاکستان سے آپ کو ہندوستان میں قلمی کتاب پہنچ سکے گی؟

مکتوب گرامی حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب رحمہ اللہ استاذ حدیث و تفسیر دارالعلوم دیوبند

صدیقی المکرم مولانا السید احمد رضا صاحب زیدت مجدد کم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، انوار الباری علی صحیح البخاری کے مقدمہ کی پہلی قسط

مطالعہ کی اور بہت سے صفحات بالاستیعاب دیکھے، آپ نے بہت سی کتابوں کا عطر اس میں پیش کیا ہے، اردو میں حضرات محدثین بالخصوص حضرات حنفیہ انحصاراً بالخصوص حضرت امام اعظمؒ پر آپ نے ایسی چیزیں پیش کر دی ہیں جن کی طلبہ اور علماء کیلئے بالخصوص احناف رحمہم اللہ کے لئے ہر وقت ضرورت تھی، جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

میرے نزدیک طلبائے حدیث اور علماء کے لئے از بس اس کا مطالعہ ضروری اور مفید ہے، البتہ حضرت امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کے بارہ میں جواب دہی میں ذرا لہجہ تیز ہو گیا ہے، امید ہے کہ آئندہ کتاب میں اس کا لحاظ فرمایا جائے گا۔

مکتوب گرامی حضرت مولانا عبداللہ خان صاحب تلمیذ رشید حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ

مقدمہ انوار الباری موصول ہوا، بہت بہت شکر یہ، بالبدایہ یہ زبان پر آتا ہے کہ وہ کون سی خوبی ہے جو اس کتاب میں نہیں، کتاب کیا ہے، ماشاء اللہ ایک نایاب انسائیکلو پیڈیا ہے، کسی طور مقدمہ فتح الباری سے کم درجہ کی چیز نہیں ہے، آپ نے بہت سے مفید مشورے اور اصلاحات بھی لکھی ہیں جن سے استفادہ کیا گیا، جزاہم اللہ خیرا۔

مکتوب گرامی حضرت مولانا قاضی سجاد حسین صاحب رحمہ اللہ صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی

انوار الباری کا مقدمہ موصول ہوا جس کو میں وقت نکال نکال کر بہت غور سے پڑھ رہا ہوں، ماشاء اللہ بہت ہی مفید کام شروع کیا ہے، امام اعظمؒ کی جانب سے مدافعت کا توحق ادا کر دیا ہے۔

مکتوب گرامی حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاں صاحب رحمہ اللہ

سملکی افریقی سرپرست مجلس عملی ڈابھیل وکراچی

الحمد للہ مقدمہ انوار الباری کے پہلے حصہ کی سماعت سے علمی فوائد حاصل ہوئے، جزاکم اللہ خیرا، یہاں برادر حضرت مولانا مفتی ابراہیم سبجاولی صاحب و برادر مولانا محمد ایکھلو ایہ صاحب سلمہا نے بھی آپ کی اس تصنیف کو پسند فرمایا اور قدر کی، دونوں حضرات نے کہا کہ اس قسم کی کتاب کی ضرورت تھی جو الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ مہیا کر دی، دونوں حضرات اور یہ عاجز ظلوم جہول شکر گزار ہیں اور دعا گو کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس تصنیفی کوشش سے مسلمانوں کو اور خصوصاً علمائے کرام کو نفع بخشے اور کتاب زیادہ سے زیادہ مقبول ہو اور آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنے، آپ نے تھوڑے سے وقت میں بہت زیادہ محنت کر کے اور دیدہ ریزی سے علماء احناف کے لئے یہ سرمایہ علمی جمع و مرتب کر دیا، فللہ الحمد و لکم الشکر۔

مکتوب گرامی حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ

شیخ الحدیث جامعہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی دامت برکاتہم

گراں قدر محترم، زادکم اللہ فضلاً و علماء، اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، انوار الباری کی پہلی جلد موصول ہو گئی، ماشاء اللہ اپنے رفیق محترم کا علمی رفیع کارنامہ یکا یک آنکھوں کے سامنے آیا، بہت خوش ہوئی، خیال تھا کہ پورا مطالعہ کر کے تاثرات لکھوں گا، لیکن موانع و عوائق کے خوف سے کہہ نہیں تاخیر نہ ہو جائے اس لئے تیس صفحے دیکھ کر ہی بطور رسید خط لکھ کر پیش کرتا ہوں، اللہ کرے حسن قلم اور زیادہ، خدا کرے اس کی تکمیل ہو جائے اور امت کو نفع پہنچے، امام العصر حضرت شیخ کے علوم و نفائس سے دنیا اس کے ذریعہ روشناس ہو جائے۔

بہر حال اجمالی ہدیہ تبریک قبول فرمائیے، میں طویل ساڑھے ۴ ماہ کے سفر کے بعد پہنچا ہوں، اس لئے مشاغل کا اور بھی انہماک ہے، درس ہی کیا کم تھا کہ اس پر مستزاد امور روز افزوں ہیں، امید ہے کہ مزاج مبارک بخیر ہوگا اور حضرت مفتی صاحب، مدت حیاة الطیبہ بھی بخیریت ہوں گے، ممنون ہوگا، اگر میرا سلام اخلاص و تعظیم پہنچادیں، ولکم الشکر، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

مکتوب گرامی مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی دامت برکاتہم

جزاکم اللہ، آپ نے بڑا کام کیا اردو دانوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہاتھ آگئی اس قدر تفصیل سے اس موضوع پر اب تک کس نے قلم اٹھایا ہے، آپ نے مجھ سے بھی اپنی تالیف منیف کے بارے میں رائے دریافت کی ہے، میں اہل علم کا خادم ہوں، اپنا تو یہ حال ہے۔

بیچ جا ذوق طلب از جستجو بازم نہ داشت دانہ می چیدم از ازاں، روزے کہ خرمن داشتیم

آپ کی کتاب کا بھی استفادہ کی نظر سے مطالعہ کیا، پہلا نسخہ جس روز موصول ہوا معاویہ پڑھنا شروع کر دیا اور دوسرے روز ختم کر کے ہی دم لیا، خیال تھا کہ فوراً عریضہ پیش خدمت کیا جائے مگر موقوف نہ ہوا، کتاب التعليم کا تحشیہ اور اس کی پروف ریڈنگ پھر خلافت معاویہ اور یزید کی بنجیہ درمی ایک کام ہو تو، ذرا فرصت نہیں ملتی بس پھر جو اپنی مصروفیتوں میں گم ہوا تو اب دوبارہ والا نامہ کے وصول ہونے پر ہوش آیا، خدا خدا کر کے کل سے خطوط کے جواب کیلئے وقت نکالا ہے، یہ وقت عباسی کی خدمت گزاری کا تھا، کل سے اسے موقوف کر کے جواب خطوط میں مصروف ہوں۔

آپ نے تو بہت کچھ لکھ ڈالا، یہ حصہ تو مقدمہ بخاری کی بجائے مناقب ابی حنیفہ کہلانے کا مستحق ہے، بلاشبہ شرکاء تدوین نقد کا تذکرہ اس کا خصوصی وصف ہے، آپ نے سب سے پہلے اس کو واضح کر دیا ہے، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تابدیر جناب کو زندہ و سلامت باکرامت رکھے اور عمر بھر اپنی مرضیات میں انہماک نصیب فرمائے، مجھے بھی دعاء خیر سے سرفراز فرمائیں۔

مکتوب گرامی شیخ النفسیر مولانا ذاکر حسن صاحب پھلتی بنگلور، دامت برکاتہم

آپ کا ہدیہ سنیہ نومبر کے آخر میں موصول ہو کر باعث صدمت ہوا، احقر نے مقدمہ شرح بخاری شریف حصہ اول بغور مطالعہ کیا اور بہت مسرور ہوا، شرح کے ابتداء میں رجال بخاری کے تراجم بہت ضروری چیز تھی، بہت بہتر ہوا کہ آپ نے اس کو جزء الکتاب بنایا اور اس سے بھی زیادہ احقر کی نظر میں احناف کی طرف سے دفاع کا معاملہ تھا، جس کا آپ نے خوب خوب حق ادا کیا ہے، اس سلسلہ میں تمام مواد کو یکجا کر دینا بڑا مشکل، وقت طلب اور امر صعب تھا جس کو بتوفیق الہی آپ کی بالغ نظری نے انجام دے دیا، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

باوجود اختصار غالباً کوئی اہم بات متروک نہیں ہوئی، گویا دریا کو کوزہ میں سماتنے کی سعی کی گئی جس میں آپ بحمد اللہ تعالیٰ بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں، بندہ اس عظیم دفاعی شاہکار پر جناب کی خدمت میں ہدیہ مبارکباد پیش کرتا ہے، فجزاکم اللہ عناد عن سائر الاحناف فی الدارین خیرا۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ آپ کی اس خدمت عظیم کو قبولیت عامہ سے مشرف فرمائے، اب حصہ دوم کا بے چینی کے ساتھ انتظار ہے۔

مکتوب گرامی مکرم و محترم مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی رحمہ اللہ

صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

محبت محترم و مکرم اسلام علیکم، انوار الباری جلد ۱ پر برہان میں تو جب تبصرہ ہوگا، ہوگا ہی، سردست اس اہم علمی کارنامہ پر جو حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے شرف انتساب رکھتا ہے، دلی مبارکباد قبول فرمائیے، جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

آپ نے بہت اہم کام اپنے ذمہ لیا ہے، اللہ تعالیٰ معین و مددگار ہو اور آپ اسے استقلال و ثبات کے ساتھ تکمیل کو پہنچا سکیں آمین حوالوں میں اگر

آپ کتاب کے ایڈیشن، جلد اور صفحہ کا بھی التزام رکھیں تو اہل علم کے لئے بہت مفید ہو اور مراجعت اہل ہو جائے، امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

مکتوب گرامی مخدوم و معظم حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحب نانوتوی دامت برکاتہم

آپ کی اس انتھک کوشش کے ثمرہ میں (۱) ایک ہی مصنف میں وہ بکھری ہوئی چیزیں سامنے آگئی ہیں جو آج تک میری دانست میں جمع نہ تھیں، واللہ علم مختلف کتب میں کہیں بحوالہ اور کہیں بغیر حوالہ دوران مطالعہ نظر کچھ چیزیں گزرتی تھیں، پھر عند الضرورة ان کا فراہم ہونا بغیر شدید جوہد کی ورق گردانی کے دشوار تھا (۲) خود بہت سے حنفی علماء کی ان غلط فہمیوں کا بھی اس سے ازالہ لابدی ہے جن کی معلومات کے تحت حضرت امام اعظم کا مقام بمقابلہ مشاہیر حدیث وہ نہ تھا جو اس کے مطالعہ کے بعد متعین ہو سکے گا۔ (۳) اکثر احناف عقیدۃ ہی حضرت امام اعظم کی رفعت و عظمت پر جمع ہوئے تھے، اس مصنف سے ایک حجۃ قاہرہ آپ نے قائم فرمادی جزاک اللہ جزائن الاوفی (۴) عام درس گا ہوں میں فقہ و حدیث کے مدرسین کے لئے اور خصوصاً مباحثین کے لئے ایک اجلا مواد آپ نے فراہم فرمادیا ہے، فبارک اللہ فی عمرکم و علمکم و فیما الینا ہدیتیم۔

مکتوب گرامی مکرم و معظم مولانا عبد الماجد دریابادی (مدیر صدق) دامت برکاتہم

مخدوم المکرم و علیکم السلام ورحمۃ اللہ، صدق میں کتابوں پر تبصرے کا سلسلہ تو مجبوراً بند کر دینا پڑا، کتابوں کے انبار لگنے شروع ہو گئے تھے اور ہر مصنف یا ناشر کی طرف سے پیہم اور شدید تقاضے، سب پر لکھنے کا نہ وقت نکالنا ممکن ہے، نہ پرچہ میں گنجائش، اب صرف رسید کتب ہے، ذیل میں دو چار سطریں بطور اجمالی تعارف کے عرض کر دی جاتی ہیں، گوانے والی کتابوں کی تعداد میں اب بھی کوئی نمایاں فرق نہیں! پھر کتابیں ہرن کی اور رطب و یابس ہر قسم اور ہر سطح کی! بہر حال آپ کے عطیہ شریفہ کا تعارف تو ان شاء اللہ پوری طرح کر ہی دیا جائے گا، بڑا میزھا سوال پرچہ میں گنجائش کا رہتا ہے، بیسیوں کتابوں کا ڈھیر ہر وقت لگا ہوا ہے، کسے مقدم کیا جائے، کسے مؤخر مہینوں گنجائش کے انتظار میں لگ جاتے ہیں۔

اور مشورے تو کیا دوں گا، الٹا استفادہ ہی اس سے کر رہا ہوں، اور اپنی معلومات میں قدم قدم پر اضافہ، اردو کی اب چند ہی کتابیں ایسی ہوتی ہیں، جنہیں شروع سے آخر تک پڑھتا ہوں اور یقین فرمائیے کہ انہیں محدودے چند میں ایک یہ بھی ہیں۔ دوسرے نسخہ کا قطعاً کوئی سوال نہیں، شکر گزار ایک ہی نسخہ پانے پر تہ دل سے ہوں، والسلام دعا گو و دعا خواہ عبد الماجد۔

مکتوب گرامی مکرم و معظم مولانا عبدالرشید محمود صاحب بنیرہ حضرت اقدس مولانا گنگوہی رحمہ اللہ

حنفیت کی ترجیح عرفی رسول اللہ ﷺ ان فی المذہب الحنفی طریقتہ انیقہ ہی اوفق الطرق بالسنة المعروفة النی جمععت و نقحت فی زمان البخاری اصحابہ، ارشاد ولی اللہی کی تنقیح و توضیح کی یہ ایک کامیاب سعی ہے، انشاء اللہ مشکور ہوگی، سنت معروفہ سے طریقتہ انیقہ حنفیہ کی توفیق و تطبیق اور بنا بریں ترجیح و تفضیل، پھر تنقیص کرنے والوں کی تردید و تضعیف اور خلاف ادب نہ ہو تو تخفیف کا انشراح بھی اس آپ کی عرق ریزی سے انشاء اللہ معلوم و مشہود ہوگا، اللہ تعزیم باحسن الجزاء کما یلیق بشانہ۔

مکتوب گرامی مکرم و معظم مولانا قاضی محمد زاہد حسینی، ایبٹ آباد، دامت برکاتہم

محترمی و مکرمی زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حسب ارشاد گرامی انوار الباری کے متعلق اپنے دلی تاثرات عرض ہیں (یہ سیدہ کاررائے دینے کے قابل نہیں) سید الانبیاء ﷺ نے وحی ربانی کی جو تشریح فرمائی، اسے نہایت ہی تحقیق اور تدریق کے بعد امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری نے جمع فرما کر امت مسلمہ کی کامیاب رہنمائی فرمائی، اتنی جامعہ اور محققانہ کتاب کو سمجھانے اور اس کے رموز و اسرار کی وضاحت کے لئے خداوند قدوس نے ہر دور میں ان بزرگ ہستیوں کو پیدا فرمایا، جنہوں نے اپنی روحانیت اور علمیت خدا داد کے ذریعے اس کتاب کو آسان ترین الفاظ میں پیش کرنے کی سعادت

حاصل کی، حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ نبی کامل خاتم الرسل ﷺ کی تعلیمات کا رخ بھی نور کامل کا نشان لئے ہوئے بدلتا رہتا ہے، اس چودھویں صدی میں ظلم و عصیان کے تاریک ترین ماحول میں اس ہدایت کاملہ کی ضوافگنی کے لئے جن افراد کو حجۃ اللہ کے طور پر پیدا فرمایا ان میں سے ایک ممتاز اور وحید مقام کے مالک استاذ محترم محدث عصر حضرت انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز ہیں، آپ نے اس ”اصح الکتب بعد کتاب اللہ“ کی عقدہ کشائی اور تعلیمی منافع کی عمومیت کے لئے جو شاندار خدمت کی ہے، اس کی نظیر آنے والے دور میں ناممکن ہے۔

الحمد للہ دینی علوم سے آراستہ علماء کرام تو کسی حد تک اس ذخیرہ خیر و برکت سے فائدہ اٹھا لیتے تھے، مگر ہمارے اردو خواں بھائی اس نعمت سے قطعاً محروم تھے، نکتہ انکار حدیث کے زمانہ میں تو نہایت ہی شدید ضرورت اس امر کی تھی کہ حدیث پر کوئی جامع اور مدلل کتاب شائع کی جائے مقام مسرت ہے کہ بخاری زماں حضرت شاہ صاحب کے گنجائے گراں مایہ کو اردو زبان میں شائع کیا جا رہا ہے، اور زیادہ مسرت اس بات سے ہوئی کہ اس عظیم علمی اور دینی کام کا اہتمام اس خوش قسمت ذی علم بزرگ کے ہاتھ میں ہے جس نے سالہا سال قال کے ساتھ ساتھ انور شاہ کے حال کو نہ صرف مشاہدہ کیا، بلکہ اتباع اور اطاعت کی روشنی میں مقام تقرب سے مشرف ہے، میں نے مقدمہ انوار الباری کو نہ صرف مطالعہ کیا بلکہ اپنے اس لٹریچر میں داخل کر لیا جس سے میں اپنی علمی زندگی میں وقتاً فوقتاً رہنمائی حاصل کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ مرتب علام کو اس کی تکمیل کی توفیق سے نوازے اور اس ادارہ کے معاونین کی اعانت فرماوے، اللہ الموفق والمعين۔ یہ کار قاضی زاہد حسینی

مکتوب گرامی مکرم و معظّم مولانا عزیز احمد صاحب سابق استاذ جامعہ ڈابھیل عم فیضہم

جب سے تحفہ انوار الباری ملا میں اس کے انوار میں محو ہو گیا، نام کیا اچھا پایا ہے، سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم واقعی تحفہ نور افزا ہے، بزرگ بھائی حقیقت یہ ہے کہ مقدمہ نہایت عمدہ اور ماشاء اللہ پر از معلومات ہے، وقت واحد میں ناظر کو ”ناشر“ شرح صدر بخشا ہے، اللہ کرے زور بیاں اور زیادہ، نکتہ رسی قابل داد ہے، حقیقت کے دفاع کے لئے یہ واحد سلاح ہے، اردو دانوں اور ہم جیسے مہمل ٹوٹی پھوٹی عربی جاننے والوں کے نور افزا تو ہے ہی ایمان پرور بھی ہے، ”اتبع سبیل من اناب الی“ کا نیا دھارا اور بالکل نئی رو ہے جس کے فہم سے میں محروم تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر سے اتنا نوازیں کہ لے کر بس بس کچھئے اور وہ دے دے کر راضی دونوں راضی سبحان اللہ والحمد للہ، ڈابھیل کی ایک بات ”مستقل تصنیف“ یاد آئی وہ جیسی تھی تھی، اس مقدمہ انوار الباری نے تو عقیدت بڑھادی ہے، اللہ تعالیٰ اول سے دوم اور تا آخر ہر ایک کو بڑھا بڑھا کر ہی مکمل کرادیں، وما ذلک علی اللہ بعزیز، دعا یہی ہے اور رہے گی انشاء اللہ العزیز اپنی منفعت کے پیش نظر پائیہ تکمیل کو اپنی آنکھوں دیکھ لوں، واقعی بڑی دیرینہ آرزو خدمت حدیث کی پوری ہوتی نظر آرہی ہے۔

مکتوب گرامی مکرم و محترم مولانا کاشف الہاشمی، دیوبند، دامت برکاتہم

کئی روز ہوئے انوار الباری کا جزء اول ملا تھا، اب تک مطالعہ کیا، اب رسید اور شکر یہ پیش کرتا ہوں، میں بقسم کہتا ہوں کہ اس مقدمہ سے میں طالب علمانہ استفادہ کیا ہے، مجھے اپنے سامنے سے پردے اٹھتے ہوئے محسوس ہوئے ہیں، اللہ پاک آپ کو ملت کیلئے تادیر سلامت رکھیں اور زیادہ سے زیادہ خدمت لیں، ہم کو یہ توفیق ملے کہ آپ کی قدر کریں۔

مکتوب گرامی مکرم و محترم مولانا سید جمیل الدین صاحب رحمہ اللہ استاذ جامعہ عباسیہ بہاولپور

مبارک صدمبارک، اللہ تعالیٰ آپ کی محنت کو قبول فرمائے اور محبت حدیث پاک اضعا فامضاعفہ ہو، حضرت تھانوی قدس سرہ کا وصال ہو گیا، خدا کرے دیوبند جماعت میں ان کا تصنیفی و تالیفی کام آپ سنبھالیں، کاش کہ فہرست کتب جو آپ نے درج فرمائی ہے، یعنی جن سے آپ تصنیف میں مدد لے رہے ہیں، اس میں مکتوبات شریف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی و دیگر تصانیف حضرت مجدد صاحب قدس سرہ بھی ہوتیں، مذہب حنیفہ کی تائید حضرت والا نے جس طرح فرمائی ہے وہ رنگ بھی اختیار فرمائیے، ضرور۔

مکتوب گرامی مکرم و محترم مولانا حکیم محمد اسماعیل صاحب رحمہ اللہ رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

گرامینامہ محبت شامہ بہت سی مرتب لے کر پہنچا، باری تعالیٰ آپ کو دین متین کی محکم اور سچی خدمت کے لئے عمر نوح عطا فرمائے، آمین، آپ کی کتاب کا کچھ حصہ اوقات متعددہ میں سنا، دل سے دعا نکلی خدا کرے باب قبول تک پہنچ جائے، اسلوب بیان پاکیزہ اور شستہ، براہین مدلل اور محکم، اپنی ہمہ گیری کے اعتبار سے بہت ہی جامع ہے، ابھی بہت سا حصہ باقی ہے، اس کو پڑھ کر سنانا اسی شخص کا کام ہے، رجال کے نام جس کی زباں پر رواں ہوں اور عربی سے واقف ہو، پھر یہی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر سے بہتر جزا خیر عطا فرماوے، مولانا عبدالدائم صاحب نے بے حد پسند فرمایا۔

ایک مصرعہ یاد آ گیا، قیاس کن زگلستان من بہار مرا، پرسوں ایک خواب دیکھا ہے جس کے بعض اجزاء مجملاً عرض کر رہا ہوں، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیر سے دارالعلوم میں دوبارہ تشریف لے آئے، سامان مختصر ہے اور اسی کمرے میں رکھ دیا جس میں حضرت معتمد تھے، اس کے بعد بخاری پڑھانے کے لئے تشریف لائے، درس کے دیگر طلباء میں، میں عبد الجلیل اور انظر شاہ بھی شامل ہیں، حضرت شاہ صاحب رو بقبلہ ہو کر بخاری پر کچھ تقریر فرما رہے ہیں اور ان کے سامنے انوار الباری کھلی ہوئی ہے، دریافت فرمایا کہ یہ کس نے لکھی ہے، اشارہ تعلیقات کی جانب تھا، میں نے عرض کیا مولوی احمد رضا نے اس کے بعد سر جھکا کر کچھ دیر اس کو غور سے پڑھتے رہے، مفصل خواب پھر کسی وقت فرصت میں لکھوں گا یا حاضری کے موقع پر زبانی عرض کروں گا۔

میں آپ کو کتاب کی قبولیت اور خصوصاً طبقہ علماء میں پسندیدگی پر صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کی نیت میں مزید خلوص عطا فرمائیں، والسلام۔

۱۔ موصوف نے ۲۳ اکتوبر ۶۱ء کو بوقت آمد دیوبند موجودگی عزیز محترم مولانا ارشد میاں صاحب سلمہ حسب ذیل تفصیل بیان کی۔

حضرت کو اسی طرز و ہیئت پر دیکھا جس پر پہلے زمانہ قیام دارالعلوم میں دیکھا تھا، داڑھی سیاہ، کچھ بال سفید، صحت اچھی، خوش پوشاک، پھر دیکھا کہ جامع مسجد دہلی جیسی مسجد ہے جس میں حوض نہیں ہے باقی دالان، وسعت وغیرہ ایسی ہی ہے اور حضرت شاہ صاحب حوض کی جگہ اور جنوبی دروازے کے درمیان رو بقبلہ بیٹھے ہوئے درس بخاری شریف دے رہے ہیں، میں سامنے ہوں، مجھ سے بائیں طرف انظر شاہ، ملا جی (مولانا حکیم عبد الجلیل صاحب) بھی ہیں اور از ہر شاہ کچھ الگ کو بیٹھے ہیں، حضرت شاہ صاحب امام بخاری کے حالات پر تقریر فرما رہے ہیں اور سامنے تپائی پر انوار الباری کھلی رکھی ہے جس کے درمیان میں متن اور چاروں طرف حاشیہ ہے، فرمایا یہ کیا ہے؟ کہا گیا کہ یہ مولانا احمد رضا نے لکھی ہے، فرمایا کہ جب میں نے ان سے کہا تھا تو ترمذی و بخاری ملا کر لکھنے کو کہا تھا اور بہت دیر کر دی، اس کو تو بہت پہلے لکھنا چاہئے تھا، پھر کبیل چہرہ پر ڈال کر کہ میں چہرہ نہ دیکھ سکا، اسی طرح اس کو متوجہ ہو کر مطالعہ فرمانے لگے، حافظ عثمانی صاحب بھی وہاں آگئے اور میں نے بلا کر حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں ان کا تعارف کرایا۔

اس کے بعد ۲۵ دسمبر ۶۱ء ۱۶ جب دوشنبہ کی شب مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں راقم الحروف نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ تشریف رکھتے ہیں، احقر نے مسودہ انوار الباری دکھلایا، ایک بہت مختصر مگر جلی قلم سے لکھا ہوا عنوان دیکھ کر بطور تحسین و استعجاب فرمایا کہ کیا یہ بھی تم نے لکھ لیا ہے؟ احقر نے عرض کیا کہ حضرت! ہر چھوٹی بڑی چیز کو لکھا ہے اور مولانا بدر عالم صاحب نے بھی تقریر لکھی ہے، میں دونوں کو ملا کر مکمل کر رہا ہوں۔

اس سلسلہ میں مزید گزارش ہے کہ یوں تو حضرت شاہ صاحب کی زیارت سے خواب میں بارہا مشرف ہوا مگر کچھ عرصہ سے کسی علمی مجلس میں شرکت کی صورت نظر آتی تھی، جس طرح کہ ڈابھیل کے قیام میں صورت ہوتی تھی، نیز ایک بار دیکھا کہ سرور دو عالم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوں اور ایک طرف بیٹھا ہوا غالباً حدیث ہی کے سلسلہ میں کچھ لکھ رہا ہوں، کسی تقریب سے لڈو تقسیم ہوئے مجھے بھی حصہ ملا، یہ بہت مدت کی بات ہے مگر ایسی یاد ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)۔

چند تبصرے

صدق جدید لکھنؤ: صحیح بخاری کے ترجمے مختصر شرح و حاشیہ کے ساتھ اردو میں بھی اب تک کئی ایک شائع ہو چکے ہیں، لیکن حنفی مکتب فکر کے لحاظ سے بخاری کی ترجمانی اردو میں اب تک گویا ہوئی ہی نہیں ہے، حنفیوں میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ و فضل، خصوصاً علم حدیث میں اپنی نظیر بس آپ ہی تھے، بڑی مسرت کی بات ہے کہ ان کے افادات متعلقہ بخاری کو ان کے ایک شاگرد رشید مولانا احمد رضا بجنوری نے اب اردو میں لے آنے کا تہیہ کر لیا ہے اور ان کے مقدمہ شرح بخاری کی یہ پہلی جلد شائع ہو گئی ہے، شرح بڑے اہتمام سے لکھی جا رہی ہے، اور پوری کتاب اس طرح کے ۳۲ حصوں میں گویا ساڑھے ۶ ہزار صفحہ کی ضخامت کے ساتھ مکمل ہوگی اور دیکھنے کے قابل ہوگی۔

صرف مقدمہ دو حصوں میں بڑی تقطیع اور گنجان کتابت کے تقریباً ۵۰۰ صفحات میں آئے گا، پیش نظر حصہ میں علم حدیث کا عام تعارف، تمام محدثین کے کارنامے اور امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے کارنامے، یہ سب بڑی تفصیل و تحقیق سے آگئے ہیں، مرتب صاحب علم و صاحب فکر ہونے کے ساتھ اہل قلم بھی ہیں، اس لئے کتاب باوجود فنی ہونے کے خشک یا غیر شگفتہ نہیں۔

ایک حاشیہ میں مرتب کے قلم سے ایک بڑے کام کی بات نظر پڑی، ”یہ دونوں (محدثین) بھی امام اعظم کی برائیوں میں پیش پیش تھے، ہر انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے، بڑے بڑے جلیل القدر انسانوں سے غلطی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ سب کی لغزشوں سے درگزر کرے اور ان کو اپنی بے پایاں نعمتوں اور راحتوں سے نوازے ص ۱۰۔“

رسالہ دارالعلوم دیوبند: حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ خاص مولانا سید احمد رضا صاحب گذشتہ ایک سال سے صحیح بخاری کی اردو شرح ”انوار الباری“ کے نام سے مرتب کرنے میں مصروف ہیں، یہ کام مختلف موانع اور مشکلات سے دوچار رہا اب اس کا حصہ اول شائع ہوا ہے جو ۲۳۰ صفحات پر مشتمل ہے، مولانا نے بڑی عرق ریزی اور محنت و جان نکاحی کے ساتھ اس حصہ میں حدیث کی ترتیب و تدوین کی تاریخی حیثیت، فن حدیث کی عظمت سے گزر کر امام اعظم ابو حنیفہ کے حالات کو جامعیت اور تفصیل سے درج فرمایا ہے اور استنباط مسائل میں امام صاحب کا جو طریق فکر ہے اس پر پوری روشنی ڈالی ہے، امام اعظم کے متعلق یہ ایک مستقل تذکرہ ہے جس میں بہت سی ایسی باتیں سامنے آگئی ہیں جو اردو میں اب تک نہیں آسکی ہیں، متعصب اہل علم حضرت نے صدیوں سے امام موصوف کے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا کر رکھی ہیں، مولانا نے بڑے مستحکم دلائل کے ساتھ ان کا ازالہ فرمایا ہے، اس سلسلہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے وہ افکار و خیالات بھی زیر بحث آئے ہیں جو انہوں نے امام اعظم کے متعلق ظاہر فرمائے تھے، امام اعظم کے بعد امام مالک، امام شافعی، امام احمد رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد ان چالیس محدثین و فقہاء کے حالات آگئے ہیں جنہوں نے تدوین فقہ حنفی کے سلسلے میں امام اعظم ابو حنیفہ سے تعاون فرمایا تھا، اس پورے حصہ میں اس طرح ۱۵۱ محدثین کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اگلے حصہ میں تقریباً پانچ سو حضرات کے حالات پیش کرنے کا ارادہ ہے۔

”اسماء رجال“ فن حدیث کا ایک مستقل موضوع ہے جس میں رواۃ کے ذاتی حالات، ان کے حفظ اور یادداشت، ان کی مرویات کے صدق و کذب اور عقلی و نقلی حیثیت سے ان کی روایتوں کی چھان بین کی جاتی ہے، گویا یہ فن حدیث کے لئے ایک بہت بڑے ستون کی حیثیت رکھتا ہے، یہ ستون اگر درمیان سے نکال دیا جائے تو پھر ساری عمارت ہی خطرے میں آسکتی ہے۔

مولانا موصوف نے حدیث کی بہت بڑی خدمات انجام دیں کہ اس حصہ میں ۱۵۱ محدثین کے حالات جمع فرمادیئے ہیں، عربی میں تو اس موضوع پر بہت سی کتابیں ہیں مگر اردو میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی چیز ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کہ جیسے آج دیکھا ہو، اسکے بعد ایک بار ایسا دیکھا کہ کفار مکہ کہتے ہیں کہ صحابہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد وغیرہ میں شرکت صرف اپنے ذاتی علاقوں و اسباب کی وجہ سے کرتے ہیں، خدا کے واسطے نہیں، میں نے کہا غلط ہے، اس پر ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں ایک طرف صحابہ تشریف رکھتے ہیں، دوسری طرف کفار اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پس پردہ تشریف رکھتے ہیں میں صحابہ سے سوال کرتا ہوں اور وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارا جہاد وغیرہ سب صرف خدا کے لئے ہے، کفار لا جواب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہو جاتے ہیں ”یہ سب خواب کی باتیں ہیں، کوئی یقینی بات ان پر نہیں کہی یا سمجھی جاسکتی تاہم دل ان سے خوش ہوتا ہے، حوصلہ بڑھتا ہے، دین و علم کی کوئی ادنیٰ خدمت بھی کسی کے لئے میسر ہو تو محض خدائے تعالیٰ کا فضل و انعام ہے، ع شاہاں چہ عجب گرونازند گدارا۔“

ہمیں امید ہے کہ انوار الباری دو ماہی پروگرام کے تحت ایسی ہی جامعیت، وسعت مطالعہ فن حدیث کے بیش بہا نکات اور اپنی ظاہری اور معنوی دل کشی کے ساتھ منصفہ شہود پر آئے گی اور اس طرح حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کے افادات عوام و خواص تک پہنچ سکیں گے۔ (سید محمد ازہر شاہ قیصر)

رسالہ تذکرہ دیوبند: زیر نظر حصہ مقدمہ کی پہلی جلد ہے جس میں تیسری صدی تک کے محدثین کا تذکرہ آ گیا ہے، اس مقدمہ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ جو کچھ مرتب نے لکھا ہے محنت سے لکھا ہے اور اب تک علماء احناف کے ساتھ جو علمی نا انصافی ہوتی آرہی تھی، اس کی جگہ جگہ نشاندہی بھی کی ہے، مثلاً امام بخاریؒ جن کا نام لے کر بعض غیر مقلد علماء امام اعظم کے منہ آتے رہے ہیں، مرتب موصوف نے اس کی قلمی کھولنے کی سعی کی ہے، کوئی شبہ نہیں کہ کام صرف اشارہ ہی سے لیا گیا ہے، اور تفصیل سے حتی المقدور اجتناب اختیار کیا گیا ہے، مگر جس حد تک لکھ دیا گیا ہے، وہ بھی آگاہی کے لئے موجودہ دور میں کافی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ بہت سے علماء صرف امام بخاری یا اس طرح کے دوسرے علماء کا نام سن کر مرعوب ہو جاتے ہیں اور حقیقت حال کی جستجو تلاش سے دست کش ہو جاتے ہیں، حالانکہ انہیں سوچنا چاہئے، کہ امام اعظمؒ کی حیثیت امام بخاریؒ سے بدرجہا بڑھ کر ہے اور ہر اعتبار سے پھر امام بخاریؒ خود امام اعظمؒ کے شاگردوں کے فیض یافتہ ہیں، اس لئے امام بخاری یا ان کے استاذ امام حمیدیؒ، امام اعظم کے خلاف جو جذبات رکھتے ہیں، ان کی چھان بین ضروری ہے، اللہ تعالیٰ مرتب کو جزائے خیر عطا کرے کہ انہوں نے اس جلد میں امام اعظمؒ اور دوسرے علماء احناف کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے اور امام اعظمؒ اور صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) پر کئے گئے غلط اعتراضات کی مدلل تردید کی ہے اور مسکت جواب بھی دیا ہے اور ابن خلکان امام بیہقی اور دوسرے شوافع علماء سے اس سلسلہ میں جو غلطی ہوئی ہے اس کی نشاندہی کی ہے اور اس کی حقیقت آشکارا کرنے کی سعی کی ہے۔

مقدمہ کی دوسری جلد میں بقیہ محدثین کا تذکرہ آئے گا اندازہ ہے کہ اس صدی تک کے محدثین علماء کا تذکرہ دوسری جلد میں آ جائے گا، اس سے فارغ ہو کر بخاری شریف کی اردو شرح شروع ہوگی جس میں متقدمین کی کتابوں کے ساتھ ساتھ علمائے دیوبند کے افادات بھی اجاگر کر کے پیش کئے جائیں گے، اندازہ ہے کہ اس شرح میں حضرت علامہ کشمیریؒ کی فیض الباری کا خلاصہ مع اضافہ کے آ جائے گا نیز مؤلف نے اس کا اہتمام بھی کیا ہے کہ فن حدیث پر اپنے اکابر کی ساری تحقیقات کا عطر کشید کر کے اس میں جمع کر دیں اور اس طرح امید ہے کہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ سے لے کر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ تک کی تحقیق و تدقیق کا خلاصہ اس شرح میں لے لیا جائے گا۔

مؤلف موصوف بجز اللہ کام کا تجربہ رکھتے ہیں، پچھلے دنوں مجلس علمی ذابھیل کی نظامت آپ ہی کے سپرد تھی اور نصب الرایہ، فیض الباری، مشکلات القرآن اور اس طرح کے دوسرے علمی نوادرات آپ کے حسن انتظام کی بدولت موجودہ دور کے ذوق کے مطابق مطبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں یہ پوری شرح اندازہ ہے کہ اکتیس تیس حصوں میں آ جائے گی جو دو ماہی پروگرام کے تحت بالاقساط شائع ہوتی رہے گی اس سے صحیح لطف اور مستفیدین دونوں کو سہولت حاصل رہے گی، دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کام کو حسن و خوبی کے ساتھ اتمام تک پہنچائے۔

رسالہ جلی دیوبند: انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری پر عربی میں بہت کام ہوا ہے، لیکن اردو میں اس کام کی ابھی ابتداء ہی ہے، ترجمے کا فریضہ تو کئی ناشرین ادا کر چکے، بعض اہل علم نے ترجمے کے ساتھ فوائد و حواشی کا بھی اضافہ کیا ہے، مگر اس میں کافی تشنگی ہے، علاوہ ازیں حنفی نقطہ نگاہ اور مسلک کی بھرپور ترجمانی کا کام تو اردو میں بالکل ہی نہ ہونے کے برابر ہے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ایک ذی علم بزرگ جناب مولانا سید احمد رضا صاحب نے اس مشکل اور اہم کام کا آغاز فرمایا ہے، آپ علامہ انور شاہ کشمیری صاحب کے شاگرد ہیں اور علامہ موصوف متاخرین میں جس پائے کے محدث گزرے ہیں، وہ اونچے اہل علم سے مخفی نہیں، حق یہ ہے کہ حدیث کے وسیع و دقیق فن کی مہارت کا جو سلسلہ الذہب قرون اولیٰ سے چلا تھا، موصوف اس کی آخری کڑی تھے اور آپ کے بعد پوری دنیائے اسلام میں اس شان کے محدث اور حافظ حدیث کم از کم ہماری معلومات کی حد تک عنقا کے درجے میں ہیں، حدیث کو سمجھنے والے اس پر عمدگی سے کلام کرنے والے اور اس کے مطالب و مفاہیم کو دلنشین پیرائے میں بیان کرنے والے تو بفضلہ تعالیٰ اب بھی ہیں، اور فنی نزاکتوں پر عبور رکھنے والے مقفود نہیں، لیکن جلیل القدر حفاظ حدیث کی یہ مخصوص شان کہ صد ہا احادیث لفظ بہ لفظ حافظے میں محفوظ ہوں اور بروقت ان کا استخراج بھی ہو، علامہ انور شاہ صاحب کے بعد کہیں نظر نہیں آتی، یہی وجہ ہے کہ ان کے تلمیذ جناب احمد رضا صاحب سے اچھی توقعات وابستہ کی

جاسکتی ہیں، انہوں نے بخاری کی شرح سے پہلے ایک مبسوط مقدمہ ترتیب دیا ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہوگا اس کا حصہ اول ہمارے سامنے ہے۔ یہ حصہ اول تجلی سائز کے ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں فاضل مؤلف نے نقد و تحقیق کا جو سرمایہ جمع کیا ہے اس کا صحیح اندازہ اس مختصر تبصرے میں نہیں کرایا جاسکتا، حافظ ابن حجر کی فتح الباری جیسی بیش بہا ہے ویسا ہی اس کا مقدمہ بھی ہے، لیکن اس کی نوعیت وہ نہیں ہے جو پیش نظر مقدمہ کی ہے۔

پیش نظر مقدمہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں فقہ حنفی اور امام ابوحنیفہؒ پر اڑائی ہوئی اس گرد کو صاف کیا گیا ہے جس کی تمہیں جمانے کا سلسلہ ابوحنیفہؒ کے بعد معصروں سے لے کر آج تک کے بعض اہل حدیث تک پہنچتا ہے، بخاری کی شرح میں اس نوع کے مقدمہ کا جواز اس لئے بھی ہے کہ بخاری ہی کے آغاز میں امام بخاریؒ کا محدثانہ خلوص امام ابوحنیفہؒ کے حق میں کانٹوں کی بوچھاڑ بن گیا ہے اور اس لئے بھی ہے کہ بعض محدثین نے خصوصاً خطیب بغدادیؒ جیسے بے تہہ محدثین نے جو غیر ذمہ داری امام اعظمؒ کے حق میں برتی اس کے خدو خال نمایاں کرنا امام اعظمؒ کے مرتبہ شناسوں پر ہر آئینہ واجب ہے۔

فاضل مؤلف نے فقہ حنفی کے آغاز، ارتقا اور کلیدی اصول و اقدار پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کمزور اور بے مغز اعتراضات کے تحقیقی جوابات دیئے ہیں جن کا ہدف امام اعظمؒ اور فقہ حنفی کو بنایا جاتا رہا ہے، امام اعظمؒ کیا تھے، علم حدیث میں ان کا کیا پایہ تھا، بالغ نظر کا بروافاضل ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے، ان کی فقہ کیونکر مرتب ہوئی، اس طرح کے گوشوں پر انہوں نے شرح و بسط کے ساتھ مواد پیش کیا ہے وہ چالیس فقہاء جنہوں نے امام اعظمؒ کی سربراہی میں عظیم الشان فقہ حنفی کی تدوین کی تھی، ان کا بھی ممکنہ تعارف مؤلف نے کرایا ہے، ان میں جن عالی قدر حضرات کے تفصیلی حالات و اوصاف تاریخ سے مہیا کرنے ممکن تھے، ان کے حق میں مؤلف نے بھی تساہل سے کام نہیں لیا، مثلاً امام زقرؒ پر پانچ اور امام ابو یوسفؒ پر تقریباً اٹھارہ صفحات وقف کئے ہیں۔

امام اعظمؒ کے علاوہ ائمہ ثلاثین کا بھی حسب ضرورت تذکرہ شامل مقدمہ ہے اور ۲۵۰ھ سے قبل کے جملہ ذکر محدثین کے حالات بھی دیئے گئے ہیں، بعد کے محدثین کا تذکرہ حصہ ثانی میں آئے گا۔

اردو میں مولانا شبلیؒ کی ”سیرۃ النعمان“ امام اعظمؒ پر حرف آخر سمجھی گئی ہے، لیکن اس میں بھی کچھ نہ کچھ فرد گدازتیں ضرور ہیں جن میں سے بعض پر مولانا محمد رضا صاحب نے مختصر لیکن فکر انگیز کام کیا ہے۔

حاصل یہ کہ مقدمہ کا یہ جزو اول بڑے معرکہ کی چیز ہے، ایسی چیز اس لئے بھی ضروری تھی کہ امام اعظمؒ کی تحقیر و تنقیص میں مثبت قرطاس کیا ہوا، مقتدین کا بے تہہ مواد آج بھی بعض حلقوں میں ”آلہ کار“ کی حیثیت سے استعمال کیا جا رہا ہے، اور یہ بات خاصی شہرت پاگئی ہے، کہ ابوحنیفہؒ علم حدیث کما حقہ بہرہ نہیں رکھتے تھے، بے چارے عوام کیا جانیں کہ یہ سفید جھوٹ کس طرح چلا، کس نے اسے ہوادی اور کون اس کی پشت پناہی کر رہا ہے، عربی میں اس افتراء خالص کا پول کھولنے والا بہت سا مواد موجود ہے، لیکن اردو میں اس کی سخت ضرورت تھی اور اس پیمانے پر ضرورت تھی کہ کم استطاعت لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں، قسط و ارشاعت کا جو پروگرام انوار الباری کے ناشر نے بنایا ہے اس میں غریبوں کے لئے بھی استفادے کا پورا موقع مہیا ہے، چنانچہ پیش نظر جزو کی قیمت ساڑھے تین روپے ہے اور مستقل ممبروں کے لئے صرف ڈھائی روپے (جو کم سے کم ہو سکتی ہے)۔

من حیث المجموع انوار الباری کے اس مقدمہ کو ہم بلاشبہ ایک بیش بہا پیشکش خیال کرتے ہیں اور تفسیر و حدیث وغیرہ کے جتنے ماہوار سلسلے دیوبند سے چل رہے ہیں، ان میں یہ پہلا سلسلہ ہے جسے بلند پایہ قرار دیا جاسکتا ہے، اس کی حیثیت صرف علمی و تحقیقی ہی نہیں تبلیغی بھی ہے کیونکہ امام اعظمؒ اور فقہ حنفی کے بارے میں جو شوشے یاران حاشیہ آئے دن چھوڑتے رہتے ہیں ان کے مضراثرات کو زائل کرنا احناف کا ایک مقدس فریضہ، لیکن احناف وہ ہونے چاہئیں جو واقعہ حنفی ہوں، زمانے کی ستم ظریفی سے احناف کی ایک ایسی قسم بھی آج کل بڑی عام ہو گئی ہے جس سے ابوحنیفہؒ اور ان کے سچے پیروں کی رو میں پناہ مانگتی ہوں گی یہ وہ لوگ ہیں جو سر سے پیر تک قبوری شریعت کے مارے راکد میں غرق ہیں مگر کہتے ہیں اپنے آپ کو اصل سنی و حنفی، ان کی حنفیت شرک و بدعت کو دوڑ کر قبول کرتی ہے اور ہر اس شخص کو ”وہابی“ قرار دیتی ہے جو شرک و بدعت سے دور بھاگے، شکر ہے کہ انوار الباری کے جامع و مؤلف ”وہابی“ ہی ہیں اسی لئے کہ ان کے یہاں علم و تحقیق کا بازار گرم نظر آتا ہے، ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کو اس سلسلہ نادرہ کی تکمیل کے لئے لمبی عمر عطا فرمائے اور ان کے قلم سے حق ہی حق نکلے، جملہ ناظرین سے ہم انوار الباری کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔

ہفتہ وار نقیب پھلوا ری شریف: انوار الباری شرح اردو بخاری از مولانا احمد رضا صاحب مجددی نقشبندی، موجودہ دور نشر و اشاعت کے لحاظ سے ممتاز دور ہے، رات دن کتابیں لکھی جاتی ہیں، اور شائع ہوتی ہیں مگر ایسی کتابوں کی پھر بھی کمی محسوس کی جاتی ہے جنہیں محنت کے ساتھ علمی انداز میں مرتب کرنے والے مرتب کرتے ہوں اور وہ نتیجہ خیز بھی ہوں لیکن ایسے لوگوں سے ملک خالی بھی نہیں، انہیں چند حضرات میں ہمارے مولانا احمد رضا صاحب بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو محنت کا ایک خاص سلیقہ عطا کیا ہے، پچھلے دنوں آپ کی نگرانی میں مجلس علمی ڈابھیل نے جو متعدد علمی تصانیف شائع کی ہیں اس سے آسانی کے ساتھ آپ کے علمی ذوق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

فیض الباری کے نام سے فخر المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کی تقریر بخاری عربی میں شائع ہو چکی ہے، بخاری شریف کی اور بھی دوسری ضخیم شرحیں موجود ہیں جن سے صرف عربی دان طبقہ مستفید ہوتا رہا ہے، حالات کے پیش نظر شدت کے ساتھ اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ کوئی مستند شرح اردو میں لکھی جائے جس سے بے تکلف اردو داں طبقہ مستفید ہو سکے اور انہیں اس کے مطالعہ کا مشورہ دیا جاسکے، حضرت مولانا ہم سب بلکہ پوری ملت کی طرف سے شکر یہ کہ مستحق ہیں کہ آپ ایسے کام کے لئے آمادہ ہوئے اور خدا کے بھروسہ پر کام کی ابتداء بھی کر دی، زیر نظر جزو مقدمہ کی پہلی جلد ہے جس میں دو صدی کے محدثین کے حالات پوری دیدہ ریزی سے جمع کئے گئے ہیں، جو کچھ لکھا گیا ہے، مدلل و مستند ہے اور ہر طرح قابل داد و ستائش ہے، طبقہ احناف کے لئے خصوصیت کے ساتھ یہ ایک قیمتی ذخیرہ ہے جس میں اور سارے محدثین کے حالات بھی ملتے ہیں۔ بلکہ امام اعظم اور صاحبین (امام ابو یوسف امام محمد) اور امام زفر کے حالات خاصے مفصل اور لائق مطالعہ ہیں، اس جلد کی یہ بھی خوبی ہے کہ اس میں امام اعظم کی مجلس تدوین فقہ کے ان چالیس ارکان کے حالات یکجا آگئے ہیں جن کی مدد سے آپ نے فقہ حنفی تدوین کیا تھا، جس انداز پر کام شروع کیا گیا ہے اس کے پیش نظر یہ ماننا پڑتا ہے کہ حنفی نقطہ نظر سے اردو زبان میں حدیث کی خدمت کا یہ شاندار آغاز ہے، دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرمائے۔

سخامت اور طباعت و کتابت کے اعتبار سے قیمت بہت کم رکھی گئی ہے، شاید یہ اس وجہ سے کہ ہر علم دوست اسے خرید سکے اور عام طور پر مسلمان حدیث نبوی سے مستفید ہو سکیں۔

روزنامہ الجمعیت سنڈے ایڈیشن: استاذ العلماء فخر المحدثین حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری اپنے علم و فضل کے اعتبار سے کسی تعارف کے محتاج نہیں، زیر تبصرہ کتاب آپ ہی کے افادات کا شاہکار ہے جسے آپ کے شاگرد رشید مولانا احمد رضا صاحب نے برسوں کے استفادہ کے بعد مرتب کیا ہے۔ کتاب کا موضوع حدیث کی مشہور کتاب بخاری شریف کی شرح اور اس کے مطالب کی توضیح ہے، گویا شرح سے پہلے ایک مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں حدیث اور متعلقات حدیث پر ایک خاص رنگ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس حصہ میں حنفی مذہب کے بارے میں تمام ضروری باتیں آگئی ہیں اور امام اعظم کی سوانح حیات ان کے اساتذہ و تلامذہ اور تدوین فقہ کی تاریخ کا بیشتر حصہ مرتب کر دیا گیا ہے، نیز بتایا گیا ہے کہ فقہ حنفی کی خصوصیات کیا ہیں اور امام صاحب کی جلالت قدر اور علمی مرتبہ کے بارے میں علماء سلف نے کن خیالات کا اظہار کیا ہے، امام صاحب کے ساتھ ہی دوسرے آئمہ کرام کے حالات بھی جمع کر دیئے گئے ہیں، کتاب مجموعی حیثیت سے اس قابل ہے کہ وہ علماء کے زیر مطالعہ رہے۔

رسالہ لعلم القرآن راو لپنڈی: مولانا سید احمد رضا صاحب، حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کے خصوصی شاگردوں میں سے ہیں، آپ ایک جید اور صاحب بصیرت عالم ہیں اور کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی، زیر نظر کتاب آپ ہی کی دماغی کاوش کا نتیجہ ہے، حضرت مؤلف علامہ اردو میں صحیح بخاری کی شرح لکھ رہے ہیں، موصوف کا ارادہ ہے کہ شرح میں اکابر علماء حنفیہ اور خصوصاً حضرات علماء دیوبند کے علمی اور فقہی اسرار و معارف کو اردو کا جامہ پہنا کر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے، اللہ تعالیٰ انہیں اس مقصد عظیم میں کامیاب فرمائے۔

زیر نظر کتاب مجوزہ شرح کے مقدمہ کا صرف پہلا حصہ ہے جو محدثین کرام کے تذکروں پر مشتمل ہے، اس میں آئمہ اربعہ کے علاوہ کوئی ڈیڑھ سو محدثین کا تذکرہ ہے، امام الائمہ فقیہ الامۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا تذکرہ نہایت بسط و تفصیل سے کیا ہے، متعصبین کی طرف سے

حضرت امام موصوف پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان کے نہایت محققانہ جوابات دیئے ہیں، جرح و تعدیل اور نقد و رجال کے مسلم آئمہ سے امام صاحب کی توثیق و تعدیل نقل کی ہے اور تقریباً ستر کبار علمائے محدثین اور فقہائے متقین سے آپ کی مدح و ثنا نقل کی ہے، مثلاً امام مالک، امام شافعی، امام احمد، شعبہ عبداللہ بن مبارک، و قیج یحییٰ قطان، یحییٰ بن معین، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، یزید بن ہارون، مکی بن ابراہیم، عبدالرحمن بن مہدی، جعفر صادق، ابو داؤد صاحب السنن، ابن جریج، امام اعظم، (استاد امام صاحب) سعید بن ابی عروبہ، فضل ابن دکین، یحییٰ بن یونس وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اور بیس سے زائد آئمہ فن سے امام صاحب کی تابعت نقل کی ہے۔

علاوہ ازیں امام صاحب کے شیوخ حدیث اور شاگردوں کا تذکرہ بھی قدرے تفصیل سے کیا ہے، علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کے لئے یہ کتاب ایک بہترین تحفہ ہے، کتاب کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ فاضل مؤلف نے بڑی جستجو اور عرق ریزی سے مواد جمع کیا ہے، اور خصوصاً احناف کے لئے ایک عمدہ دستاویز تیار کی ہے، کتاب میں حنفی علماء اور محدثین کی حدیثی اور فقہی خدمات کو موقع بہ موقع خوب واضح کیا گیا ہے، اس حصہ میں امام داری متوفی ۲۵۳ھ تک کے محدثین کا تذکرہ ہے، دوسرے حصے میں غالباً اس وقت سے لے کر اب تک کے چیدہ چیدہ محدثین کا تذکرہ ہوگا، یہ کتاب علمی و تاریخی معلومات کا ایک بے بہا خزینہ ہے جس کا ہر حنفی و غیر حنفی کے پاس ہونا ضروری ہے۔

”سہ روزہ مدینہ“ بجنور: علماء متاخرین میں حضرت علامہ حافظ حدیث، حجۃ اللہ علی الارض، آیۃ من آیات اللہ سید انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ سابق صدر مدرس و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند سے علمی اور اسلامی دنیا واقف ہی نہیں ہے بلکہ اب بھی ہزاروں افراد ان کے دیکھنے والے موجود ہیں، موصوف نے اپنے معاصرین اور اساتذہ سے اپنی قابلیت کو تسلیم کر لیا ہے، چنانچہ مولانا آزاد، مولانا شبلی، مولانا عبید اللہ سندھی وغیرہم بھی حضرت شاہ صاحب کے علمی کمالات کے معترف ہیں، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے توفی المہم شرح صحیح مسلم میں یہاں تک بیان فرما دیا ہے کہ اگر شاہ صاحب متقدمین میں پیدا ہوتے تو ان کی عجیب شان ہوتی اور وہ صاحب مسلک ہوتے۔

زیر تبصرہ کتاب ان کے شاگرد خاص نے تالیف کی ہے کہ جنہوں نے برسہا برس حضرت شاہ صاحب کی صحبت میں رہ کر ان کے علوم کو اپنایا ہے، چنانچہ موصوف (مولانا احمد رضا صاحب) نے حضرت شاہ صاحب کی تصنیف اور تالیف میں مواد و ماخذ فراہم کرنے کی خدمت ایک مدت تک انجام دی ہے، لہذا ”انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری“ کے علمی شاہکار ہونے میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا موصوف نے انوار الباری کا پہلا اور دوسرا حصہ بطور مقدمہ کے ترتیب دیا ہے، پہلے حصہ میں مذہب حنفیہ سے متعلق تمام ضروری باتیں مثلاً امام ابو حنیفہ کی مکمل سوانح حیات، ان کے اساتذہ، ان کے تلامذہ، ان کا اور ان کے تلامذہ کا حدیث میں مرتبہ، تدوین فقہ کی مکمل تاریخ، تدوین فقہ کے چالیس شرکاء کے حالات، فقہ حنفی کی خصوصیات، امام صاحب کے بارے میں آئمہ کی ارا کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ جمع کر دیا ہے کہ بلا اختیار زبان پر سبحان اللہ جاری ہو جاتا ہے، علاوہ اس کے امام مالک، امام شافعی، امام احمد، وغیرہم حضرات کے حالات بھی نہایت تفصیل سے جمع کر دیئے ہیں اور ۲۴۰ صفحات کی یہ کتاب دریا بکوزہ کا صحیح مصداق بن گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی حدیث کی کتاب سے متعلق اردو زبان میں اتنا جامع اور مکمل مقدمہ نہیں لکھا گیا ہے، جی تو بہت کچھ لکھنے کو چاہتا ہے، لیکن اس کتاب میں جو کچھ ہے اور جتنی محنت کی گئی ہے، اس کے مقابلہ میں میرے پاس الفاظ کا دامن تنگ ہے، یقیناً اہل علم حضرات اس کتاب کو اپنے ہاتھوں میں دیکھ کر اپنے کو غنی محسوس کریں گے۔

شکر نعمت: حق تعالیٰ جل مجدہ کا ہزاراں ہزار شکر کہ مقدمہ انوار الباری کے دونوں حصے لکھنے سے فراغت ہوئی، جن میں دوسرے اہم مباحث کے ساتھ دوسری صدی سے اب تک کبار محدثین کے حالات خصوصاً حدیثی خدمات کا تذکرہ ہوا، اس کے بعد شرح اردو بخاری شریف کا پہلا پارہ شروع کر دیا گیا ہے اور خدائے برتر کے بے پایاں فضل و انعام سے امید ہے کہ وہ اس سلسلہ کی باقی منازل بھی آسان فرمائیں گے، و ماتوفیقی الایمنہ و کرمد، علیہ تو کلت والیہ انیب۔